بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و خزینۂ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ، مسمّٰی بہ

# معارف القرآن (تکملہ)

تالیف


حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ابن

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور


جلد ہفتم مشتمل بر تفسیر پارہ (۲۳) نصف، (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷)

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما


ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA

# مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ..... معارف القرآن (جلد ہفتم)

تصنیف ..... حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر ..... مکتبہ رحمانیہ
اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

مطبع ..... خضر جاوید پرنٹرز

## ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# فہرست مضامین جلد ہفتم تفسیر "معارف القرآن"

## پارہ ㉓ نصف، ㉔، ㉕، ㉖، ㉗

سورۂ صٓ، زمر، مومن، حٰمٓ سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ، فتح،

حجرات، قٓ، ذاریات، طور، نجم، قمر، رحمٰن، واقعہ، حدید


پیش لفظ ..... ۱۷

مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ..... ۱۹

احوال وآثار ..... ۱۹

ولادت وتعلیم ..... ۱۹

قومی وملی خدمات ..... ۲۲

تصنیفات وتالیفات ..... ۲۲


## تفسیر سورۂ صٓ


آغاز تکملۂ معارف القرآن بہ بسم اللہ الخ شیخ الحدیث

مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ..... ۲۳

آغاز سورت از بیان حقانیت قرآن ووعید وتنبیہ بر غرور

وانکار متکبرین وکفار ..... ۲۴

تنبیہ وتوبیخ بر انکارِ رسالت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ومقابلۂ

قدرت ربّ العالمین ..... ۲۷

تلقین صبر وتسلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذکر قصہ حضرت داؤد علیہ السلام ۳۱

قصہ داؤد علیہ السلام ..... ۳۳

واقعہ داؤد علیہ السلام کے متعلق بعض غیر مستند اور بے اصل

روایات ..... ۳۴

آیاتِ مذکورہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی

صفاتِ کمال ..... ۳۷

تفسیر آیاتِ مشتملہ بر قصہ داؤد علیہ السلام ..... ۳۸

خلیفہ اور بادشاہ میں فرق ..... ۴۲

بیانِ حکمت تخلیقِ کائنات واثبات حشر وذکر عظمت

کتابِ خداوندی ..... ۴۴

قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام وبیان انابت الی اللہ مع

حکومت وسلطنت وجملہ انعاماتِ دنیویہ ..... ۴۶

تفصیل ابتلاء سلیمان علیہ السلام ..... ۴۹

سلیمان علیہ السلام کے ابتلاء کی حقیقت ..... ۵۰

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعاء ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ ... الخ﴾ ۵۲

قصہ سوم۔ حضرت ایوب علیہ السلام ومناجات بارگاہ

ربّ العالمین ..... ۵۴

تحقیق ابتلاء ایوب علیہ السلام ..... ۵۵

تذکرۂ اخلاص وفضائل ابراہیم واسحٰق ویعقوب ودیگر

انبیاء کرام علیہم السلام ..... ۵۸

بعد از ذکر احوال سُعداء تذکرۂ مجرمین واشقیاء ..... ۶۰

اعلانِ توحید ورسالت وتخویف از آخرت ..... ۶۴

## تفسیر سورۂ زمر


سورۂ زمر ..... ۶۸

اثباتِ حقانیت کتابِ الٰہی وتوحیدِ خداوندی و
ابطالِ شرک ..... ۷۰

شان بے نیازی پروردگارِ عالم وپسندیدگی ایمان وغضب
برکفرونافرمانی ..... ۷۳

فراموشی وغفلت انسان ازرب منعم درحالت نعمت و
اضطراب وانابت درمصیبت ..... ۷۵

مدح مؤمنین مطیعین وبیان مراتبِ عالیہ برائے اھل تقویٰ
دردُنیا وعقبیٰ ..... ۷۷

مذمت ووعید برشقاوت مجرمین وفلاح وکامرانی مؤمنین.. ۸۱

بیان انشرح قلوب اہلِ ایمان وآثارِ خشیت وتقویٰ کہ از
ذکرِ الٰہی وتلاوتِ قرآن است ..... ۸۳

تمثیل حق وباطل وفرق درمیان عبدمؤمن ومطیع وبندۂ
مشرک وعاصی ..... ۸۶


## پارہ ㉔ فَمَنْ اَظْلَمُ


تنبیہ وتہدید برتکذیب حق وصداقت وبیان حسرت وملال
مکذبین ..... ۸۹

بیانِ قُدرت خُداوندی وعدم استطاعت برمدافعت
عذاب ..... ۹۲

بیان قدرت خداوندی واثبات حشر وتنبیہ برشناعت
مشرکین ..... ۹۴

تَوَفِّی کی ایک قسم منام یعنی نیند اور دوسری قسم موت ہے.. ۹۵

تسلی برائے نبی کریم ﷺ بضمن تلقین دعاوبیان بیچارگی
عالم پیش قدرت ربّ کبریاء ..... ۹۷

بیان ترتب عفوونجات برقبول اسلام...وہلاکت وحسرت
برائے مجرمان رب انام ..... ۱۰۰

دُنیا کے انسانوں کورحمت وعافیت اورنجات ومغفرت کی
قرآنی دعوت ..... ۱۰۲

انابت الی اللہ کامفہوم ..... ۱۰۴

رحمتِ خداوندی سے مایوسی جرم عظیم ہے..... ۱۰۴

اعلان برأت ازشرک وتنبیہ ووعید بحبط اعمال وخسران
انجام برنافرمانی رب العالمین ..... ۱۰۷

نفخ صور کی تفصیل ..... ۱۰۹

نفخ صور پر مدہوشی سے مستثنیٰ کون ہوں گے؟ ..... ۱۰۹

بیان انجام حقارت وتذلیل کفار ومجرمین وانعام واکرام
اہل ایمان ومطیعین ..... ۱۱۱

دوزخ وجنت کے دروازے اوران میں داخل ہونے
والوں کی کیفیات ..... ۱۱۴

جنت کے دروازے اعمال کی مناسبت سے متعین ہوں گے. ۱۱۵


## تفسیر سورۂ مومن


سورۂ مومن ..... ۱۱۶

بیان عظمت خداوندی وتہدید برمقابلہ ومجادلۂ مغرورین و
متکبرین ..... ۱۱۸

اللہ کی آیات میں جدال وخصومت ہلاکت کا سامان ..... ۱۱۹

ملائکہ حاملین عرش کی اہل ایمان کے لیے دُعا ..... ۱۲۰

بعضے ازاحوال کفار بعد دخول نار وبیان دلائل قدرت
پروردگار ..... ۱۲۳

دُعا کی روح اخلاص اورتوجہ الی اللہ ہے ..... ۱۲۵

یومُ التلاق قیامت کا نام ہے ..... ۱۲۷

تنبیہ ووعید برائے ظالمین ازکرب واضطراب ..... ۱۲۹

روزِ قیامت مع تذکرۂ قصہ موسیٰ علیہ السلام ..... ۱۲۹
قصہ مردِ مؤمن از آل فرعون و نصیحت وارشاد و دعوتِ
ایمان فرعون وارکان سلطنت وزجر وتوبیخ برارادۂ قتلِ
موسیٰ علیہ السلام ..... ۱۳۳
آل فرعون کے مردِ مؤمن کا ناصحانہ خطاب اور اس کے
خصوصی نکات ..... ۱۳۶
آل فرعون کے مردِ مؤمن کے ایمان واخلاص سے
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان بڑھ کر تھا ..... ۱۳۹
یَوْمَ التَّنَادِ کی تفسیر ..... ۱۴۰
بے شرمی وبیباکی فرعون واعلان ارشاد ونصیحت مردِ مؤمن
بعد تکذیب وتردید ومقابلہ بارسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ..... ۱۴۴
مردِ مؤمن کا دوسرا ناصحانہ خطاب۔ دُنیا کی بے ثباتی اور
جزاءِ اعمال کا معیار ..... ۱۴۶
بعد از ذکر عذاب دنیوی وبیان عذاب برزخ وآخرت
ذلت وخواری فرعونیاں ..... ۱۴۸
عالم برزخ اور وہاں کا عذاب ..... ۱۴۹
عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا
مدینہ منورہ میں ..... ۱۵۱
پیغام بشارت بہ نصرتِ خداوندی وتلقین صبر واستقامت
وبیان ذلت وناکامی اہل جدال وخصومت ..... ۱۵۳
نصرتِ خداوندی کی صورتیں ..... ۱۵۵
دُعا کی حکمت اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا راز ..... ۱۵۷
بیان انعامات خداوندی وذکر دلائل قدرت واسباب
معرفت ..... ۱۶۰
حیرت واستعجاب بر جدال مجادلین ومکذبین ووعید از
عذاب آخرت ..... ۱۶۳
تکذیب کتاب اور تکذیب رسول ہر ایک مستقلاً سبب عذاب
ہے ..... ۱۶۴
عذاب حمیم وجحیم کی ترتیب اور حضرت تھانوی کی تحقیق
انیق ..... ۱۶۵
ذکر انعامات وتوحید رب العالمین۔ وتہدید منکرین و
مشرکین ..... ۱۶۶
بحث ایمان بأس وایمان یأس ..... ۱۶۷

## تفسیر سورۂ حٰمٓ سجدہ

سُورۂ حٰمٓ سجدہ ..... ۱۶۸
حقانیت قرآن کریم ورسالت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
وانجام مکذبین ومنکرین واجر وثواب مومنین ..... ۱۷۱
قبول حق اور ہدایت سے محرومی کے اسباب ..... ۱۷۲
استعجاب وتوبیخ بر کفر خالق کائنات وتہدید بذکر انجام
مجرمین ..... ۱۷۵
تخلیق کائنات اور ارض وسماء کی تربیت ومدت ..... ۱۷۷
عاد وثمود کی تاریخ اہل عرب کے لیے عظیم درس عبرت .... ۱۸۰
تفصیل عذاب آخرت وذلت وناکامی منکرین و
انعامات مطیعین ..... ۱۸۳
استقامت کا مفہوم اور اس پر مرتب ہونے والے
ثمرات ..... ۱۸۵
پہلا ثمرہ ..... ۱۸۵
دوسرا ثمرہ ..... ۱۸۵
تیسرا ثمرہ ..... ۱۸۵
چوتھا ثمرہ ..... ۱۸۵
پانچواں ثمرہ ..... ۱۸۶
چھٹا ثمرہ ..... ۱۸۶
ساتواں انعام وثمرہ ..... ۱۸۶

نزول ملائکہ اور مواقع نزول ..... ۱۸۶
جنت میں تفاوت درجات کے باوجود باہمی تحاسد نہ ہوگا . ۱۸۷
فضیلت دعوت الی اللہ و بیان صبر و استقامت و حلم و درگذر
درراہ حق ..... ۱۸۹
دعوت الی اللہ کے آداب اور صبر و تحمل کے بہترین ثمرات . ۱۹۱
اَحْسَنُ قَوْلًا کی تحقیق ..... ۱۹۱
بیان دلائل قدرت و تنبیہ و تہدید برائے ملحدین در آیات و
احکام خداوندی ..... ۱۹۶
الحاد فی الدین اور تحریف ..... ۱۹۸

## پارہ ⑮ اِلَيْهِ يُرَدُّ

احاطۂ علم خداوندی و بیان ذلّت و ناکامی مجرمین در روز
قیامت مع تجہیل و تحمیق اہل ضلال ..... ۲۰۲
دلائل آفاق و انفس ..... ۲۰۴
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ..... ۲۰۵

## تفسیر سورۂ شوریٰ

سُورۂ شوریٰ ..... ۲۰۷
اثبات وحی الٰہی مع بیان عظمت رب کبریا و وعید بہ شرک و
نافرمانی ..... ۲۱۰
﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ اور ﴿اُمَّ الْقُرٰى﴾ کا مفہوم ..... ۲۱۲
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرزمین مکہ میں آمد اور اس کی
آبادی ..... ۲۱۳
مقصد وحید جملہ ادیان سماویہ توحید خداوندی و قیام عدل و
انصاف ..... ۲۱۵
ابتداء تشریع احکام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کا اصول شرائع میں
اتفاق ..... ۲۱۷
بیان نزول کتاب باحق و صداقت و نزول میزان برائے
عدل و انصاف ..... ۲۱۸
خوف آخرت ایمان و معرفت کا ثمرہ ہے ..... ۲۲۰
ترغیب دار آخرت و تنبیہ از طلب دُنیا و خسارۂ مجرمین
و ظالمین ..... ۲۲۲
﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ کی تفسیر ..... ۲۲۳
فرقہ شیعہ کی اختراع کردہ تفسیر ..... ۲۲۵
ذوی القربیٰ کی محبت اہل سنت کے نزدیک ایمان کی
بنیاد ہے ..... ۲۲۷
مذمت افتراء علی اللہ و محرومی بدنصیباں از قبول حق و کامیابی
مؤمنین ..... ۲۲۹
پیغام بشارت و رحمت برائے بندگان خدا در حالت یاس
و نا اُمیدی و ذکر دلائل قدرت ..... ۲۳۳
بیان اوصاف اہل ایمان و تقویٰ و حسن اخلاق و معاشرت ۲۳۶
حلم و درگذر اور صبر و عفو انسانی کمالات میں عظیم ترین
کمال ہے ..... ۲۳۷
قباحت حال و محرومی و ذلّت کفّار روز قیامت و بیان
کمزوری فطرت انسانی ..... ۲۴۰
اثبات رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و تحقیق اقسام وحی ..... ۲۴۲
وحی کا مفہوم ..... ۲۴۳
حقیقت نبوت اور وحی ..... ۲۴۴
اقسام وحی کی تحقیق و تفصیل ..... ۲۴۵
الہام اور اُس کی صورتیں ..... ۲۴۶
الہام انبیاء علیہم السلام اور الہام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم میں فرق ..... ۲۵۰

## تفسیر سورۂ زُخرف

بیان عظمت و حقانیت کلام ربانی و وعید بر روش مجرمین و ملحدین ۲۵۳

تقبیح وتوبیخ برعناد ومخاصمت مشرکین وانکار از قبول حق .... ۲۵۶
بیان استقامت ابراہیم علیہ السلام بر توحید خداوندی ونفرت و
براءت از شرک ..... ۲۵۹
تنبیہ وتوبیخ برغفلت واعراض از ذکر خداوندی وحسرت و
ندامت مجرمین در آخرت ..... ۲۶۲
قصہ موسیٰ علیہ السلام برائے تائید مضامین سابقہ واثبات غلبۂ
حق بر باطل ..... ۲۶۵
تردید خصومت مشرکین دربارۂ توحید ودعوت عیسیٰ بن
مریم علیہما السلام ..... ۲۶۷
تفسیر ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ اور مسئلہ نزول عیسیٰ
بن مریم علیہما السلام ..... ۲۶۹
تنبیہ برمخالفت از حق وبیان انعام واکرام مطیعین وذلت و
ناکامی مجرمین ..... ۲۷۶

## تفسیر سورۂ دخان

سُورۃُ الدخان ..... ۲۷۹
بیان عظمت کتاب اللہ وبرکات زمانۂ نزول قرآن مع
دعوت ایمان وبدنصیبی محرومین واشقیاء سعادت خداوندی . ۲۸۱
تفسیر آیت دُخان ..... ۲۸۲
تفسیر لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ..... ۲۸۶
عبرتناک انجام قوم مجرمین وہلاکت وبربادی فرعون لعین . ۲۸۸
نجات وکامیابی بنی اسرائیل مع بیان بعث بعد موت .... ۲۹۰
قوم تبّع ..... ۲۹۱
تہدید وتنبیہ از روز قیامت وبیان نجات وکامیابی
مؤمنین ومتقین ..... ۲۹۵
درخت زقوّم ..... ۲۹۶
اہل جنت کا ہر خوف اور تکلیف سے مامون ہونا ..... ۲۹۷

## تفسیر سورۂ جاثیہ

سُورۃ الجاثیہ ..... ۲۹۹
بیان عظمت کتاب خداوندی وذکر دلائل قدرت وتنبیہ
براعراض وانحراف ..... ۳۰۰
دلائل قدرت وتکوینی انعاماتِ خداوندی ..... ۳۰۲
اہل ایمان کو کافروں کی معاندانہ روش پر درگذر کی تلقین .. ۳۰۳
انعامات دنیوی واُخروی برقوم بنی اسرائیل وبیان
بغاوت ونافرمانی ایشاں ..... ۳۰۵
انسانی زندگی شریعت اور شارع کی محتاج ہے ..... ۳۰۷
دلائل قدرتِ خداوندی وتردید کفار دھریین مع بیان انجام
ہدایت وضلالت ..... ۳۱۰

## پارہ ㉖ حٰمٓ ۲۱

## تفسیر سورۂ احقاف

سُورۂ احقاف ..... ۳۱۵
دلائل قدرت خداوندی وگمراہی منکرین قیامت واثبات
رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ..... ۳۱۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت ..... ۳۱۹
بیان ذہنیت کفار دربارۂ قبول ہدایت وانحراف از حق و
تحسین استقامت اہل ایمان ..... ۳۲۵
مدتِ حمل وزمانہ رضاعت کے بارہ میں مفسرین کی
تحقیق ..... ۳۲۷
تسلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بر تکذیب کفار ومجرمین ..... ۳۳۱
مقام احقاف ..... ۳۳۴
تذکرہ ہلاکت امم سابقہ برائے عبرت اہل مکہ ..... ۳۳۴

اطاعت وقبول حق جماعتے از جنات ببرکت استماع قرآن
آیات بینات وانجام معرضین از دعوت داعی اللہ ومنکرین
دین ..... ۳۳۷
جنوں کے ایک گروہ کا قرآن کریم سننا ..... ۳۳۹

## تفسیر سورۂ محمد (ﷺ)

سُورۂ محمد (ﷺ) ..... ۳۴۰
مطیعین ..... ۳۴۲
میدان جہاد میں مسلمانوں کو ثابت قدمی اور قوت کے ساتھ
مقابلہ کا حکم ..... ۳۴۳
معیار نصرتِ خداوندی وغلبہ مؤمنین وخسران وہلاکت
منکرین ..... ۳۴۶
جزاء وانعامات اہل سعادت ومحرومی وبدنصیبی
اہلِ شقاوت ..... ۳۴۹
آنحضرت ﷺ کے لیے امر بالا استغفار کی حقیقت .... ۳۵۲
جذبہ ایمان واخلاص مؤمنین وشناعت اعتقاد وعمل
منافقین ..... ۳۵۵
اقتدار وحکومت ایمان واخلاص کے بغیر فساد عالم کا
باعث ہے ..... ۳۵۷
صلہ رحمی کی تاکید اور معاشرہ میں اس کے آثار وبرکات .. ۳۵۸
تہدید وتحذیر باظہار مکر وتدابیر منافقین ودشمنان اسلام و
مساعین ..... ۳۵۹
نفاق کے آثار کا چہرہ اور لب ولہجہ سے نمایاں ہونا ..... ۳۶۰
بیان انجام کفر وعناد از اسلام وتلقین صبر واستقامت
برائے مؤمنین مع بشارت غلبہ وکامیابی حق ..... ۳۶۲
امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود بابرکت کے لیے قرآنی
بشارت ..... ۳۶۴

## تفسیر سورۂ فتح

سُورۃ الفتح ..... ۳۶۵
سورۃ الفتح کا مقام نزول ..... ۳۶۵
مقاصد سورۂ الفتح ..... ۳۶۷
واقعۂ حدیبیہ اور فتح مبین ..... ۳۶۸
معاہدۂ حدیبیہ اسلام کی عزت وسربلندی اور فتح عظیم .... ۳۷۰
پیغام تہنیت برائے سید المرسلین ﷺ بفتح مبین واعلان
اتمام نعمت رب العالمین ..... ۳۷۲
فتح مبین اور انعاماتِ خداوندی ..... ۳۷۳
بشارت اہل حدیبیہ بعطاء نعمائے دُنیویہ واُخرویہ ..... ۳۷۶
حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں نزول سکینت کی
بشارت ان کے مؤمن کامل اور صاحب تقویٰ ہونے کا
اعلان ہے ..... ۳۷۸
انعام بعثت رسول اکرم ﷺ وحق تعظیم وتوقیر وعہد
اطاعت وفرمانبرداری ..... ۳۷۹
رسول اللہ ﷺ کی شہادت ..... ۳۸۰
رسول خدا ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت ہے ..... ۳۸۰
قبائح وشنائع منافقین ومتخلفین وبیان حکم معذورین ..... ۳۸۳
سفر حدیبیہ میں شریک نہ ہونے والوں کی آزمائش اور
سزا ..... ۳۸۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ پیش آنے والے مقابلہ کی
حقیقت ..... ۳۸۷
قرآنی پیش گوئی کا مصداق خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم تھے .... ۳۸۸
بیعت الرضوان وفضائل اہل بیعت مع بشارت
انعام خداوندی بعطاء غنائم وغلبہ اہل ایمان ..... ۳۹۴
سبب بیعت الرضوان ..... ۳۹۶

بیعت الرضوان میں ایک بیٹے کی اپنے باپ سے سبقت . ۳۹۷
شجرۂ مبارکہ جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی ..... ۳۹۸
تعبیر ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کی بلاغت ونکتہ ... ۳۹۹
خاتمہ سورت بر بشارت غلبہ وترقی اسلام مع بیان فضائل
حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ..... ۴۰۰
تورات وانجیل میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان وتقویٰ
کی نشانیاں ..... ۴۰۳
حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خصوصی فضائل اوران کے
ایمان وتقویٰ کی قرآنی شہادت ..... ۴۰۳
وعدہ مغفرت واجر عظیم از جملہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ..... ۴۰۷

## تفسیر سورۂ حجرات

سُورۂ حجرات ..... ۴۰۸
حقوق آداب وعظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وانحصار فلاح و
سعادت درانقیاد واطاعت پیش فرامین بارگاہ رسالت ... ۴۱۰
بارگاہِ رسالت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ادب
وتواضع ..... ۴۱۱
تنبیہ وتہدید بر بے تمیزی وبے حرمتی در بارگاہِ رسالت
وتلقین آدابِ تعظیم واطاعت ..... ۴۱۳
قبیلہ بنو تمیم کا گستاخانہ طرز اوران کو تنبیہ ونصیحت ..... ۴۱۴
اعتبار روایت کا قرآنی ضابطہ ..... ۴۱۵
ترغیب وتاکید باہمی اخوت وہمدردی وتنبیہ وتہدید بر
تحقیر وتذلیل ..... ۴۱۹
اہل ایمان کے دو گروہوں کے درمیان باہمی قتال کی
صورت میں تمام مسلمانوں پر ذمہ داری ..... ۴۲۰
ایمان کے ساتھ فسق کا عنوان زیب نہیں دیتا ..... ۴۲۱
تنبیہ وتہدید بر بدگمانی وغیبت وممانعت از تجسس احوال ... ۴۲۳
مدار فضیلت وکرامت ایمان وتقویٰ نہ کہ نسبت خاندان
وقبائل ..... ۴۲۵

## تفسیر سورۂ قٓ

سُورۂ قٓ ..... ۴۲۸
تنبیہ وتہدید کفار قریش بر انکار آخرت وحوالۂ تاریخ ہلاکت
اُمم سابقہ ..... ۴۳۳
کمال قدرتِ خداوندی از روئے علم واحاطہ باحوال
انسانی ..... ۴۳۶
شدت عذابِ خداوندی بر مجرمین وعزت واکرام
مطیعین ..... ۴۴۰
﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کی تفسیر ..... ۴۴۳

## تفسیر سورۂ ذاریات

سُورۃ الذاریات ..... ۴۴۴
اعلان وقوع قیامت وتنبیہ وتوبیخ بر تردّد وانکار حشر ونشر .... ۴۴۵
کلمات قسم کی تشریح ..... ۴۴۶
انعام واکرام مطیعین وآثار ایمان وتقویٰ در حیاتِ
مؤمنین ..... ۴۴۸
اہل ایمان وتقویٰ کے خصوصی اوصاف ..... ۴۴۹
﴿الْمَحْرُوْمِ﴾ کی تفسیر ..... ۴۵۰

## پارہ ㉗ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

تذکرۂ مہمانان ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر ثواب مصدقین و
عقوبت مکذبین ..... ۴۵۳
اثبات توحید ورسالت مع دلائل وبراہین وتسلی سید الانبیاء
والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ..... ۴۵۶

## تفسیر سورۂ طور


سُورۂ طور ..... ۴۶۰
تہدید وتوبیخ منکرین معاد ووعید عذاب برائے اہل عناد .. ۴۶۱
کلمات قسم اور جواب قسم میں ربط ومناسبت ..... ۴۶۲
وعدۂ انعام واکرام برائے اہل ایمان وایقان ..... ۴۶۵
زجر وتوبیخ مجرمین از عذابِ خداوندی وحمایت ایزدی
بہ تسبیح وحمد رب العالمین ..... ۴۶۸


## تفسیر سورۂ نجم


سُورۃ النجم ..... ۴۷۱
طیبہ ..... ۴۷۳
شب معراج میں مشاہدۂ آیات قدرت ..... ۴۷۵
تنبیہ وتہدید برانکار توحید ورسالت وعدم حقیقت
معبودانِ باطلہ ..... ۴۷۹
عظمت شان رب العالمین روز محشر وشناعت عقائد
مشرکین ..... ۴۸۲
قانون مجازات اور اعمال سیۂ کی تفصیل ..... ۴۸۴
خصائص اوصاف سعادت وشقاوت وقانون جزاء اعمال ۴۸۶
قرآنی فیصلہ کہ ہر جد وجہد بارآور ہوتی ہے اور مسئلۂ
ایصالِ ثواب ..... ۴۸۹


## تفسیر سورۂ قمر


سُورۃ القمر ..... ۴۹۱
اعلان قرب قیامت مع ذکر دلائل قدرت خداوندِ جلیل و
رسالت نبی کریم ﷺ وتہدید وتنبیہ بر اعراض منکرین و
مجرمین ..... ۴۹۲
مشاہدہ اور تواتر سے معجزۂ شق القمر کا ثبوت ..... ۴۹۴
مخالفین اسلام کا معجزۂ شق القمر پر اعتراض اور اس کا جواب ۴۹۶
معجزۂ رَدّ شمس ..... ۴۹۶
معجزۂ حبس شمس ..... ۴۹۷
تاریخ شقاوت وبدنصیبی وہلاکت اُمم سابقہ وتصدیق
انبیاء ومرسلین قصہ اوّل قوم نوح علیہ السلام ..... ۵۰۰
قصہ قوم عاد ..... ۵۰۱
قصہ قوم ثمود ..... ۵۰۱
قصہ قوم لوط علیہ السلام ..... ۵۰۲
تنبیہ قریش مکہ بعد ذکر واقعات عبرت ونصیحت ..... ۵۰۴


## تفسیر سورۂ رحمٰن


سُورۃُ الرحمٰن ..... ۵۰۶
انعامات رب جلیل بر انسان بعطاء وصف بیان و
تعلیم قرآن وفیضان نعماء جسمانیہ وروحانیہ ..... ۵۰۸
انعام خداوندی بصورت وجود انسانی وعطاء صفات وکمالات
ایمانی ..... ۵۱۱
نجم وشجر کی تفسیر ..... ۵۱۱
وضع میزان کا مفہوم ..... ۵۱۲
عظمت خداوند رب انام مع ذکر احوال قیامت وذلت و
بدحالی مجرمین ..... ۵۱۴
اعزاز واکرام اہل ایمان بعطاء نعمت ہائے عظام از
ربّ ذی الجلال والاکرام ..... ۵۱۸
قرآن کریم میں تکرار آیات ومضامین کی حکمت ..... ۵۲۰


## تفسیر سورۂ واقعہ


سُورۃُ الواقعہ ..... ۵۲۴

اخبار وقوع قیامت وتقسیم انسان درگروہ ثلاثہ ..... ۵۲۷
اہل ایمان وتقویٰ کا ہر دَور میں بکشرت ہونا
اُمتِ محمدیہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر خصوصی انعام ..... ۵۲۹
ذلت وخواری محرومین از ایمان وہدایت وشدائد روزِ
قیامت، ودلائل بعث بعد الموت ..... ۵۳۳
حقانیت قرآن کریم واثبات وقوع یوم عظیم ..... ۵۳۷
موت کے وقت انسانوں کے طبقات ..... ۵۳۹

## تفسیر سورۂ حدید

سُورۃُ الحدید ..... ۵۴۰
اللہ تعالیٰ کی چند اہم صفات کا ذکر ..... ۵۴۲
دعوت ایمان بررب کون ومکان وحکم اطاعت
رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وترغیب بذل مال عزیز برائے
رضائے خداوند ذوالجلال ..... ۵۴۵
احوال آخرت ومیدان حشر مع ذکر انعام واکرام مؤمنین
وذلت وناکامی منکرین ..... ۵۴۹
میدان حشر میں منافقین کی مؤمنین سے التجاء ..... ۵۵۰
شکوۂ خداوندی از غفلت اہل اسلام وانہماک
درنعماءِ دُنیا ..... ۵۵۳
دُنیوی نعمتوں اور راحتوں کی فراخی طبعاً انسان کو غافل
بناتی ہے ..... ۵۵۵
تمثیل بے ثباتی دنیا وعظمت خداوند خالق کائنات وتعلیم
صبر وقناعت وتاکید فکر آخرت ..... ۵۵۷
بعثت انبیاء علیہم السلام برائے ہدایت عالم وعطاء اسباب
رشد وفلاح ..... ۵۶۰
لوہے کی سختی اور اس کے منافع ..... ۵۶۲
اہلِ کتاب ونصاریٰ کی رہبانیت ..... ۵۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

اس صدی کے مایۂ ناز شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی ہی علم اور دین کی خدمت میں گزری، علوم اسلامیہ میں شغف وانہماک، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف ہمیشہ سرمایۂ حیات رہا۔ دُنیائے اسلام ان کی علمی عظمت ومنقبت سے پوری طرح واقف ہے۔ جس زمانے میں اپنی مشہور ومعروف کتاب التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح طبع کرانے کے لیے دمشق تشریف لے گئے اور وہاں ایک سال قیام فرمایا تو شام وعراق اور مصر کے اکابر علماء نے اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا۔

اپنی تحریرات میں خصوصیت کے ساتھ اعتراف کیا کہ آپ عرب وعجم کے ایک مایہ ناز محدث ومفسر ہیں، تفسیر وحدیث اور علم کلام میں آپ کی گرانقدر تصانیف اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہر فن میں آپ کا مقام بہت بلند تھا، لیکن اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تفسیر قرآن کریم اور علوم کتاب اللہ کی شرح وتحقیق کا رنگ سب پر غالب تھا، اسی جذبے اور شوق میں تفسیر معارف القرآن شروع فرمائی جو اپنے موضوع پر ایک بے مثال تفسیر ہے اور تمام متقدمین کے علوم ومعارفِ قرآن کا ایک جامع خزانہ ہے، دورانِ تالیف ہی سلسلۂ طباعت شروع فرما دیا، اخیر حیات میں ضعف ونقاہت کی کوئی حد نہیں رہی حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے کی بھی طاقت نہ تھی لیکن اس ضعف کے باوجود تفسیر کا سلسلۂ تالیف برابر جاری رہا دن رات یہی فکر تھا کہ کسی طرح تفسیر مکمل کرلوں، وفات سے کچھ عرصہ قبل جب ایک مرتبہ ناچیز رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے جارہا تھا تو مکتوب گرامی میں والہانہ انداز میں تکمیل تفسیر کے لیے دُعا کا ذکر فرماتے ہوئے یہ الفاظ تحریر تھے۔

"میرا دل از حد پریشان ہے، سوائے تفسیر کے کسی چیز میں دل نہیں لگتا اس لیے سب سے فارغ اور یکسو ہونا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تفسیر اور شرح بخاری کو جلد مکمل فرمادے اور ان کی طباعت کا غیب سے انتظام فرمادے۔"

لیکن ان اللہ ما اخذ ولہٗ ما اعطٰی وکل عندہٗ باجل مسمّٰی.

اللہ کو یونہی منظور تھا کہ پانچویں جلد کی طباعت کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾

اس عظیم سایۂ عاطفت کے اٹھ جانے سے جس نے نہ صرف ہم کو بلکہ کل علماء اور طلباء ہی کو یتیم بنا دیا۔ قلب ودماغ مجروح تھا اور اس گرانقدر علمی خزانہ کے دفن ہوجانے کے غم کے ساتھ تفسیر معارف القرآن کی تکمیل کا غم اور فکر بھی قلب پر پہاڑ بنا ہوا تھا، میں اپنی بے سروسامانی کے باعث یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ یہ عظیم سلسلہ آئندہ جاری رکھا جاسکے گا لیکن حق تعالیٰ کا فضل وانعام ہے کہ اس کی توفیق

وتائید سے جلد ششم سے نہم تک چار جلد طبع کرا کر حضراتِ اہل علم کی خدمت میں پیش کیں۔

عجیب شانِ خداوندی ہے کہ مسودہ صافات کی آخری آیت ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۸۱ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۸۲﴾ پر پہنچ کر ختم ہو گیا اور اس آیت کی تفسیر کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ گویا رحمتِ خداوندی نے اہل جنت کا ﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ والا تشبہ عطا فرما دیا۔

حدیث میں انہی کلمات تسبیح وتحمید پر ہر مجلس کے اختتام کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ خدا کی شان ان کی ساری مجلس زندگی ہی ان کلمات کی تشریح وتفسیر پر ختم ہوئی۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن ارقم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت تخریج کی ہے۔ اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہہ لیے یعنی ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ ... الخ﴾ تو اس نے بڑے بڑے پیمانوں سے ناپ کر اجر وثواب کے عظیم ذخیرے جمع کر لیے۔" تو حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام علمی خدمات کے بعد حیات مبارکہ کا اختتام انہی کلمات پر مقدر فرمایا ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾۔

یہ ناچیز گنہگار علم وعمل سے تہی دامن اس عظیم المرتبہ تفسیر کی تکمیل کا یقیناً اہل تو نہ تھا اور اس کے تصور کی جرأت بھی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اپنے بزرگ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم فرمانے پر سورۂ صٓ سے معارف القرآن کے تکملہ کا ارادہ کر لیا۔ حضرت شیخ الحدیث کے قلم مبارک سے بسم اللہ لکھوا کر مسودہ کی ترتیب شروع کر دی۔

"ریشم میں ٹاٹ کا پیوند" ایک مثال ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ میرا ناقص پیوند اس سے بھی کم درجہ رکھتا ہے، بہر کیف جو بھی کچھ ہو سکا بتوفیق خداوندی جهد المقل دموعه کے طور پر انتہائی ندامت کے یہ جلد حضرات اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ میں اپنے عجز وقصور کا معترف ہوں۔ بلا کسی جھجک اپنے اکابر اور احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ ناچیز کے اس حصۂ تفسیر میں جو خامی اور غلطی محسوس فرمائیں۔ اس سے ناچیز کو مطلع فرمائیں۔ بڑا ہی احسان ہوگا۔ اور حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اپنے تمام بزرگوں اور احباب کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ دُعا فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ رب العزت اپنی توفیق وتائید سے تکملۂ معارف القرآن کی تکمیل واشاعت آسان فرما دے۔

آمین یارب العالمین

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ صفوة البرية سيدنا و مولانا محمد و اٰله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين

بندہ محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

(سابق) شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔

# مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

## احوال وآثار:

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند اور ان کے جانشین تھے۔ کاندھلہ کے جس علمی خانوادہ سے آپ کا تعلق ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور والدہ کی جانب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

## ولادت وتعلیم:

آپ صوبہ یو۔پی (انڈیا) کا قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا، دس برس کی عمر میں آپ نے قرآن کریم حفظ کرلیا پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔

والد ماجد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، آپ بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے مادر علمی دارالعلوم دیوبند آگئے، اور وہاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا اعزاز علی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور والد ماجد حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

تحریک آزادیٔ ہند کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ سے وابستگی اختیار کرلی جبکہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کانگرس کے حامی تھے۔ علامہ شبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس خدشہ کو محسوس کرتے ہوئے کہ یہ سیاسی اختلاف کسی ذاتی مخالفت میں تبدیل نہ ہوجائے، دارالعلوم دیوبند کو خیر باد کہا اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) سے وابستگی اختیار کرلی، مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دورۂ حدیث کے آخری مرحلہ میں تھے، آپ بھی مولانا کے ساتھ ڈابھیل آگئے اور جامعہ اسلامیہ میں آپ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا بدر عالم میرٹھی جیسے کبار محدثین سے کسب فیض کیا۔ ۱۳۶۲ھ میں آپ درس نظامی کی تعلیم سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد اس خیال سے کہ مادرِ علمی میں اپنے اساتذہ کی زیرِ نگرانی تدریس اور تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہوں گے، دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اس زمانہ میں دارالعلوم میں جامع العلوم بھاولنگر کے مہتمم صاحب آئے ہوئے تھے، انہوں نے مولانا سے بھاولنگر میں تدریس کی درخواست کی آپ اپنے والد گرامی کے مشورہ اور ان کی رائے سے بھاولنگر چلے گئے اور آپ ہی کی کوشش سے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی بھاولنگر آگئے، یہاں سے آپ نے تدریس کا آغاز، حدیث میں صحیح مسلم اور ابوداؤد، تفسیر میں جلالین اور فقہ میں ہدایہ کی تدریس سے کیا۔

۱۳۶۵ھ میں آپ کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی پیش کش ہوئی جو اس اعتبار سے قابلِ قدر تھی کہ اس مدرسہ سے آپ نے فراغت حاصل کی تھی اور پھر وہاں آپ کو اپنے اساتذہ کے پہلو بہ پہلو تدریس کا موقع مل رہا تھا، چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر آپ ڈابھیل آگئے یہاں آپ نے نابغۃ العصر حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ درس حدیث کی ذمہ داریوں کو نبھایا۔

قیام پاکستان کے بعد حیدر آباد سندھ کے مضافات میں ٹنڈو الہ یار کے مقام پر دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک مدرسہ قائم کیا گیا اور اس کا نام بھی دارالعلوم اسلامیہ رکھا گیا۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش اور فیصلہ کے مطابق مولینا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو مدرسہ کا مہتمم بنایا گیا۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان کے بعد پاکستان ہجرت کا ارادہ کرلیا تھا۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ملتان خیر المدارس لے جانا چاہتے تھے لیکن استاد محترم علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ آپ ٹنڈو الہ یار جائیں۔

چنانچہ ۱۳۶۷ھ ۱۹۵۰ء میں آپ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی سے کراچی آئے اور ٹنڈو الہ یار کو ترجیح دی۔

۱۹۵۰ء سے اواخر ۱۹۷۴ء تک آپ نے ۲۵ برس ٹنڈو الہ یار میں گزارے یہاں آپ کو اکابر محدثین کے ہمراہ درس حدیث کا موقع ملا۔

بڑی تعداد میں اندرون و بیرون کے طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا۔ یہ بات میں نے مولٰینا سے خود کئی مرتبہ سنی، آپ فرماتے تھے،

"میں اپنے وطن کاندھلہ میں اتنا عرصہ نہیں رہا جتنا وقت میں نے ٹنڈو الہ یار میں گزارا۔"

۱۳۹۴ھ ۱۹۷۴ء میں جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث اور میرے جدامجد حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے۔ حضرت مولانا صاحب کی وفات کے بعد علماء کرام خصوصًا مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ پیرانی صاحبہ کے اصرار پر آپ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۴ء۔ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ کو ٹنڈو الہ یار کو خیر باد کہہ کر لاہور آگئے اور اپنے والد گرامی کی جگہ جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہو گئے۔

بخاری شریف پڑھانا یوں بھی نہایت وقیع اور مشکل امر ہے پھر اس جگہ پر بخاری پڑھانا جہاں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محدث بخاری پڑھاتا رہا ہو۔ یقیناً یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ جسے مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی صاحب علم شخصیت ہی نبھا سکتی تھی۔

چند ہی سالوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری علماء وطلباء میں مقبول ہو گیا اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مولانا نے پہلے سال جب بخاری شریف پڑھائی تو طلباء کی تعداد ۲۸ تھی اور جس سال مولانا کا انتقال ہوا، طلبہ کی تعداد ۱۴۰ سے متجاوز تھی۔

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء۔ ۹ ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ کو جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب میں آپ کو اچانک دل کا دورہ پڑا اور اسی دورہ

سے آپ چند لمحوں میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

حق جل مجدہ نے آپ کی وفات میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے کئی مناسبتیں پیدا کیں جو نبی کریم ﷺ سے آپ کے تعلق اور علم حدیث سے مناسبت کی مظہر ہیں۔

① آپ کی وفات ربیع الاوّل کے مہینہ میں ہوئی۔

② آپ کی وفات ربیع الاوّل کی ۹ تاریخ کو ہوئی۔

③ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمعہ کا روز عطا فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ میں نمازِ جمعہ کے بعد سہ پہر ۳ بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

آپ کی نمازِ جنازہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

## قومی وملی خدمات

مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے اور ان سے شرفِ تلمذ اور ان کی تربیت کے نتیجہ میں ان کو پاکستان سے والہانہ محبت وعقیدت تھی، ہمہ وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی طرح پاکستان میں دین اسلام نافذ ہوجائے۔

جولائی ۱۹۷۷ء میں جب جنرل ضیاء الحق برسر اقتدار آئے تو ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا، ان سے اسی موضوع پر گفتگو ہوتی۔

جنرل صاحب نے آپ کو مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔ میں اس مجلس میں موجود تھا جس میں جنرل صاحب نے مولانا سے شوریٰ کی رکنیت قبول کرنے کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا یہ میرا مزاج نہیں جس پر جنرل صاحب مرحوم نے فرمایا یہ بھی آپ کا ایک قسم کا درس بخاری ہوگا۔ وہاں درس میں طلبہ مستفید ہوتے ہیں، یہاں ہم لوگ مستفید ہوں گے۔ چنانچہ مولانا نے شوریٰ کی رکنیت قبول کر لی۔ اور اخیر تک اس کے رکن رہے۔ مولانا نے وہاں جو دینی وملی خدمات سرانجام دیں اور قانون اسلامی کے لیے جو کوششیں کیں وہ محتاج تفصیل ہیں، جنہیں پھر کسی موقع پر سپرد قلم کروں گا۔

انصاری کمیشن کے رکن کی حیثیت سے اسلامی نظام حکومت کے لیے سفارشات مرتب کیں اور ایجوکیشن کے رکن کی حیثیت سے نظام تعلیم کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لیے آپ کی کوششیں تاریخ پاکستان کا حصہ ہیں۔

## تصنیفات وتالیفات

آپ کو درس وتدریس اور تبلیغ ووعظ کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے خصوصی شغف تھا، متعدد تبلیغی رسائل کے علاوہ التحریر فی اصول التفسیر۔ منازل العرفان فی علوم القرآن۔ سراج الہدایہ تاریخ حرمین۔ پیغام مسیح علیہ السلام۔ ترجمہ تجرید صحیح مسلم تالیف فرمائیں۔ تصنیفی میدان میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے مرحوم والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن کی تکمیل ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی اس تفسیر کے ۲۲ سپارے مکمل فرمائے تھے ۲۳ واں پارہ جاری تھا اور سورۂ صافات مکمل ہوئی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا محمد مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ ص سے سورت والناس تک بقیہ تفسیر مکمل کی۔

تفسیر کے اس حصے میں آپ نے اپنے والد ماجد کے اسلوب کی پیروی کی اور کتاب کے کسی حصہ سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کتاب کا مصنّف تبدیل ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان خدمات جلیلہ کو شرف عطا فرمائے، ان کو اعلیٰ علیین میں شامل فرمائے اور ان کے علوم سے ہمیں مستفید ہونے کی ہمت وتوفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین

وما توفیقی الا باللہ

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ، ۲۵ مئی ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ❁

# تفسیر سورۂ صٓ

اس سُورت کا نام سورۂ صٓ ہے یہ سورت بھی مکیہ ہے جس میں اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (قرطبی)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور بعض دیگر محدثین نے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ ابوطالب جب بیمار ہوئے تو کفار قریش کی ایک جماعت جن میں ابوجہل بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرنے آئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے معبودوں کی ہجو اور توہین کرتے ہیں اور ان کو بہت ہی بُرا بھلا کہتے ہیں ابوطالب نے ان لوگوں کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا: میں ان لوگوں سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں یہ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم جزیہ دینے لگیں۔ یہ لوگ پوچھنے لگے ایسی کون سی وہ بات ہے ایک تو کیا ہم دس باتیں ماننے کو تیار ہیں بتایئے تو وہ ایک بات کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ یہ سننا تھا کہ وہ سب نہایت برافروختہ اور مشتعل ہو کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے عجیب بات ہے کیا سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔ اس پر یہ سورت آیت ﴿بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ﴾ تک نازل ہوئی بالعموم روایات اور محدثین و مفسرین کی نقول میں یہ سورت سورۂ ص کے نام سے معروف ہے لیکن بعض مفسرین نے اس سورت کا ایک اور نام سورۂ داؤد بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس میں داؤد علیہ السلام کے قصہ کو خاص عظمت اور اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

❁

آیاتہا ۸۸ ۳۸ سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ۳۸ رکوعاتہا ۵

یہ سورت بھی مکیہ ہے جس میں اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

---

❁ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مُبارک سے لکھی ہوئی بسم اللہ کا عکس جب کہ موصوف محترم حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے لیے لاہور تشریف لائے اور ناچیز کو معارف القرآن کی تکمیل کے لیے فرمایا تو آیندہ مسودہ کی ابتداء اپنے قلم مبارک سے بسم اللہ لکھ کر فرمائی اس کیفیت کے ساتھ کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فراق پر آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ۱۲ محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝۲

صٓ قسم ہے اس قرآن سمجھانے والے کی بلکہ جو لوگ منکر ہیں غرور میں ہیں اور مقابلہ میں

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝۳

بہت کھپا دیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں پھر لگے پکارنے اور وقت نہ رہا خلاصی کا

وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ

اور اچنبھا کرنے لگے اس پر کہ آیا ان کو ایک ڈر سنانے والا انہی میں سے اور لگے کہنے منکر یہ جادوگر ہے

كَذَّابٌ ۝۴ۖ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵

جھوٹا کیا اس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدل ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے بڑے تعجب کی بات

وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا

اور چل کھڑے ہوئے کتے پنچ ان میں کہ چلو اور ٹھہرے رہو اپنے ٹھاکروں پر بے شک اس بات میں

لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ۖ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ

کچھ غرض ہے یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں اور کچھ نہیں یہ

اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ۖ

بنائی بات ہے

## آغاز سورت از بیان حقانیت قرآن و وعید و تنبیہ بر غرور و انکار متکبرین و کفار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝۱ ... الیٰ ... اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷﴾

**ربط سورۃ:** گذشتہ سورۃ والصافات کی ابتداء توحید کے مضمون سے ہوئی اور خاتمہ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ۝۱۸۱ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۸۲﴾ (الصافات) سے مسئلہ نبوت و توحید پر ہوا اس مناسبت سے اس سورت کا آغاز قرآن کریم کی حقانیت اور عظمت شان سے ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے نیز گذشتہ سورت کی طرح اس میں بھی انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات ذکر فرمائے گئے جن میں حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہم السلام کے وہ احوال

بیان فرمائے گئے جو گذشتہ سورت میں نہیں تھے سورت کے آخری حصے میں کفار کا یہ قول نقل کیا گیا تھا ﴿لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ (الصافات) کہ اگر ہمارے پاس اولین کا کوئی ذکر ہوتا تو ہم اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہوتے تو اس سورت کی ابتداء میں قرآن کی صفت ﴿ذِی الذِّكْرِ﴾ ارشاد فرما کر یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ جس ذکر کی تم تمنا کرتے تھے اب وہی قرآن ﴿ذِی الذِّكْرِ﴾ نازل کر دیا گیا لہٰذا اب تم کو چاہیے کہ حسب وعدہ ایمان لاؤ اور اللہ کے نیک اور فرمانبردار بندے بن جاؤ۔

پھر مضمون سورت کا اختتام اس وعدۂ الٰہیہ پر ہوا ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ... الیٰ ... لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ (الصافات) کہ انبیاء علیہم السلام کی تائید و نصرت کا فیصلہ ہو چکا اور یہ کہ اللہ کا لشکر کافروں اور دشمنوں پر غالب آئے گا تو اس سورت کی ابتداء قرآنِ کریم کی عظمت و حقانیت کے بیان سے کی گئی اور اس پر ایمان نہ لانے والوں پر تنبیہ و تہدید فرمائی گئی ارشاد فرمایا۔ ❁

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝﴾ قسم ہے اس قرآن کی جو بڑی ہی عزت و شرف اور عبرت والا ہے جو دُنیا آخرت کی سعادت و ہدایت کے جملہ علوم پر مشتمل ہے کہ اسکی صداقت و حقانیت عزت و شرف کا باعث ہے اور امم سابقہ کے احوال اور تاریخی حقائق عبرت و نصیحت کا سامان ہیں۔

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝﴾ میں واؤ قسمیہ ہے اور عربیت کی رو سے جملہ قسمیہ جواب قسم پر پورا ہوتا ہے تو یہاں جواب قسم محذوف ہے سورۂ یٰسین کی ابتداء ہی ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ جملہ قسمیہ تھی مگر وہاں جواب قسم مذکور تھا یعنی ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں جواب قسم محذوف ہے اور آئندہ آیت ﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ اس کے مضمون پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عذاب آخرت سے ڈرانے والے ان کے سامنے آئے تو کفار مکہ غرور و تکبر اور مخالفت و سرکشی پر کمر بستہ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب آخرت سے ڈرانا تو فرض رسالت تھا مگر بجائے ایمان لانے کے کافروں نے غرور و تکبر اور مخالفت کا طریق اختیار کیا تو جواب قسم کا مضمون اس طرح مقدر مان لیا جائے انہ لحق والایمان بہ وبمن جاء بہ لازم. یعنی قسم ہے قرآن کی جو بڑی ہی عزت اور عبرت والا ہے بے شک یہ قرآن حق ہے اور اس پر اور قرآن لانے والے پر ایمان لانا لازم ہے لیکن افسوس کافر ایمان نہ لائے بلکہ تکبر اور مخالفت میں لگے رہے بعض مفسرین جواب قسم میں سورۂ یٰسین کی طرح ہی ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ کے مضمون کو جواب قسم قرار دیتے ہیں یہ قرآن عالی مرتبت بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے اس میں تو کوئی خفا یا شبہ نہیں کہ کافر اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں تردد کریں ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... الخ﴾ نہیں بلکہ کافر اپنے تکبر اور مخالفت میں ایمان لانے سے انحراف کر رہے ہیں قتادہ رضی اللہ عنہ نے تو اسی مضمون کو جواب قسم قرار دیا۔ (تفسیر مظہری ص ۱۵۴ ج ۸)

زاد المسیر میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جواب قسم انہ لمعجز او ان محمدًا لصادق ہے یعنی قرآن معجز ہے یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ لہٰذا کفار مکہ کو چاہیے کہ وہ قرآن پر بھی ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو بھی مانیں الغرض ایسی عظمت و شرف والی کتاب پر ایمان نہ لانا یقیناً اس کتاب میں کسی تردد و شبہ کی بنا پر تو ممکن نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہ اپنے غرور و نخوت اور عداوت و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں اس عناد و سرکشی میں مبتلا

---

❁ ترجمہ میں عزت و شرف کے ساتھ لفظ عبرت کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ ذکر وضع عربیہ کے لحاظ سے دو معنی پر دلالت کرتا ہے ایک عزت و شرف اور دوسرے عبرت و نصیحت اور یہاں دونوں معنی مراد ہیں ۱۲۔

ہونے والوں کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے ہم تو ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت وشوکت میں ان سے بھی بڑھ کر تھے لیکن جب ان پر عذاب آیا تو چیخ اُٹھے اور پکارنے لگے کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچ جائے مگر وقت نہ [1] رہا تھا کہ بھاگ سکیں اور بچ جائیں اور بجائے اس کے کہ ایمان لاتے ان کافروں نے اس بات پر تعجب کیا کہ آ گیا ان کے پاس ایک پیغمبر انہی میں سے جو ان کو ڈرانے والا ہے حالانکہ اس بنا پر کہ وہ انہی کی قوم اور قبیلہ کا جانا پہچانا تھا مگر انہوں نے یہ کہا یہ تو یقیناً جادوگر بڑا ہی جھوٹا ہے نہ یہ وحی ہے اور نہ یہ اپنے اعلان میں سچا ہے بلکہ جو معجزات وخوارق ہیں وہ جادو ہے اور جو اعلان نبوت ہے وہ جھوٹ ہے کیا یہ شخص سچا ہو سکتا ہے جس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا یہ تو بے شک بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ایک خدا ساری کائنات کا کام چلائے اور جب آپ ﷺ نے لوگوں سے یہ کہا اگر تم یہ کلمہ مان لو عرب وعجم تمہارے غلام ہو جائیں گے تو ان کے سربرآوردہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو یہاں سے چلو اور اپنے معبودوں پر مضبوطی سے جمے رہو بے شک یہ بات تو یقیناً ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے کسی مقصد کا ارادہ کیا گیا ہے شاید اپنی غرض ومطلب برآری کے لیے تم سے یہ کہا جا رہا ہے اور اس طرح اپنی سرداری کا ارادہ ہوگا ہم اس شخص کو اپنی غرض میں ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں گے اس لیے یہاں سے اُٹھ کھڑے ہو اور چلو اور اپنے معبودوں پر ہی جمے رہو ہم نے تو یہ بات (توحید کی) پہلے کسی ملت میں نہیں سُنی نصاریٰ بھی تین خداؤں کے قائل ہیں مجوس وآتش پرست بھی دو خدا یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں اور خود ہمارے آباؤ اجداد قریش کے تمام قبیلے بھی بہت سے خداؤں کے قائل تھے تو پھر اس مدعی نبوت نے کہاں سے یہ بات نکالی کہ خدا ایک ہی ہے بس یہ (توحید کی بات) تو صرف اسی شخص کی اپنی طرف سے نئی ایجاد کردہ بات ہے جس کو اس نے اپنے دل سے گھڑ لیا کفار مکہ کے اصل بنیادی شبہے تین تھے۔ ایک توحید کے متعلق، دوسرا نبوت کے متعلق اور تیسرا معاد یعنی قیامت کے متعلق تو ان آیات میں پہلے شبہ یعنی انکارِ توحید کا بیان ہے کہ منکرین نے اعلان توحید سن کر بڑی قوت کے ساتھ اس کا رد کیا اور شرک ہی پر جمے رہنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہے اور یہ کہ نبوت کا اعلان کرنے والے اس شخص کا اپنا کوئی مقصد ومطلب معلوم ہوتا ہے اور بظاہر اس بہانہ سے اپنی سرداری قائم کرنا چاہتا ہے اور ہم ان کو اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

بعض مفسرین نے ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ بے شک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد ﷺ ارادہ ہی کر چکے ہیں کفار مکہ کے اس پچھلے شبہ کے ذکر کے بعد دوسرا شبہ انکارِ رسالت کے متعلق آئندہ آیات میں ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

---

[1] لفظ ﴿لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ﴾ کا یہ ترجمہ ہے لفظ لات دراصل نفی کے لیے وضع کردہ لفظ لا ہی ہے جس پر تا کا اضافہ کر کے لَاتَ کی صورت میں استعمال کیا گیا جیسے لفظ رُبَّ اور ثُمَّ تا کے اضافہ کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں اخفش رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لا نفی جنس کا ہے اور خبر محذوف ہے اے لاحین مناص کائن لکم یعنی تمہارے واسطے خلاصی کا وقت نہیں ہونے والا ہے سیبویہ اور خلیل رحمۃ اللہ علیہما کی رائے یہ ہے کہ اس کے دو معمولوں یعنی اسم وخبر میں سے کوئی ایک محذوف ہے مسند ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ کسی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا: لیس بحین نزول ولا فرار یعنی نہیں ہے وقت اترنے اور بھاگنے کا مناص مصدر ہے جس کا مادہ نَوص ہے اہل لغت کے نزدیک نوص تاخیر یعنی پیچھے ہٹنے کو اور بوص تقدم یعنی آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ

کیا اسی پر اُتری سمجھوتی؟ ہم سب میں سے کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے میری نصیحت میں

بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۸ ؕ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ

کوئی نہیں ابھی چکھی نہیں میری مار کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہر کے

الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۚ ۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ قف

جو زبردست ہے بخشنے والا یا ان کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو ان کے بیچ ہے

فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۱۱

تو چاہیے چڑھ جاویں رسیاں تان کر ایک لشکر یہ ہے وہاں تباہ ہوا ان سب لشکروں میں

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۱۲ لا وَثَمُوْدُ

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون میخوں والا اور ثمود

وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۱۳ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ

اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ وہ فوجیں یہ جتنے تھے سب نے جھٹلایا

الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۱۴ ع وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا ع ۱۴/۱۰

رسولوں کو پھر ثابت ہوئی میری طرف سے سزا اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ بھی مگر یہی ایک چنگھاڑ کی جو

لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۱۵ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۱۶

بیچ میں دم نہ لے گی اور کہتے ہیں اے رب شتاب دے ہم کو چٹھی ہماری پہلے حساب کے دن سے

## تنبیہ وتوبیخ برانکارِ رسالت سیّد المرسلین ﷺ ومقابلہء قدرت ربّ العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ ... الیٰ ... قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۱۶﴾

کفار مکہ کے دوسرے شبہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جارہا ہے ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ﴾ کیا نازل کیا گیا ہے۔ یہ ذکر اور کتاب نصیحت یعنی قرآن ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر حالانکہ نہ یہ کوئی دولت مند ہے اور نہ کسی بستی کا سردار ہے حقیقت

اس طرح نہیں ہے کہ اگر ان کی خواہش کے مطابق قرآن کسی بستی کے سردار یا دولت مند پر اتارا جاتا تو یہ لوگ اس کی اتباع کر لیتے جیسے ان کا یہ قول قرآن کریم نے نقل کیا ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ (الزخرف:۳۱) کہ کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو بستیوں مکہ اور طائف کے کسی بڑے سربرآوردہ شخص پر بلکہ ان لوگوں کا عقل وفہم سے بعید باتیں کرنا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ابھی ہمارا عذاب چکھا نہیں ہے اگر عذاب کا مزہ چکھ لیں تو ایسی سب باتیں بھول جائیں گے خدا کی طرف سے دی ہوئی ڈھیل اور مہلت سے مغرور و متکبر ہو گئے ہیں انسان کی یہ بڑی ہی غلطی ہے کہ خداوند عالم کے حلم و درگذر کو فراموش کر کے اس کے مقابلہ و سرکشی پر آمادہ ہو جائے ان کفار کا یہ احمقانہ قول کہ آپ ﷺ ہی پر وحی الٰہی کیوں نازل کی گئی ایک ناقابل عفو گستاخی ہے کیا ان کے پاس اے ہمارے پیغمبر آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو بڑا ہی غالب و زبردست اور خوب عطا کرنے والا ہے پھر یہ کون ہوتے ہیں کہ اللہ کے انعام و رحمت کو روک لیں یا اس پر کوئی نکتہ چینی کریں وہ اپنی حکمت و دانائی سے جس کسی بشر کو چاہے منصبِ نبوت و رسالت سے نواز دے یا ان کے پاس کیا حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس بنا پر وہ اس بارہ میں حجت بازی کر رہے ہیں اور ایسا انداز اختیار کر رہے ہیں کہ وہ خدا کے فیصلوں کا مقابلہ کریں گے اگر بالفرض ایسا ہے تو ان کو چاہیے کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر اور جتنے بھی وسائل و اسباب ان کی قدرت میں ہیں سب کو کام میں لے آئیں اور وحی الٰہی جو ملاء اعلیٰ سے آپ ﷺ پر اترتی ہے علویات پر چڑھ کر اس کو روک دیں لیکن ایسا کچھ بھی نہیں آسمان و زمین کی حکومت اور وہاں کے خزائن کے مالک تو کیا ہوتے یہ تو ایک بھیڑ ہے اس جگہ جس کی شکست کا فیصلہ ہو چکا ہے ایسے ہی شکست خوردہ لشکروں سے یہ شکست خوردہ جماعت اللہ اور اس کے رسول کا کیا مقابلہ کرے گی ان سے پہلے جھٹلا چکی قوم نوح اور قوم عاد اور فرعون میخوں [1] والا اور ثمود اور قوم لوط اور ایکہ والے ان سب نے ہی رسولوں کو جھٹلایا مگر ان کی تکذیب و انکار سے نہ اللہ کے دین کو نقصان پہنچا اور نہ اس کے رسول ناکام ہوئے بلکہ میرا عذاب ہی ان پر ثابت و مسلط ہوا ان طاقتور قوموں کے عبرتناک واقعات سے چاہیے تو یہ تھا کہ اہل مکہ اپنی سرکشی سے باز آتے اور عبرت و نصیحت حاصل کرتے تامل و تردد کی عقلاً تو کوئی گنجائش نہ تھی سمجھ میں نہیں آسکتا اب کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ اہل مکہ کسی چیز کا مگر ایک ایسی ہیبت ناک چیخ کا جس کے واسطے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اور ایک ہی لمحہ میں سب کو ہلاک و تباہ کر ڈالے گا اور یہ چیخ وہی نفخ صور ہوگا جس کے ذریعے قیامت برپا ہوگی جس کا یہ منکرین بڑی شدت کے ساتھ انکار و رد کر رہے ہیں یہی نہیں کہ ان حقائق سے عبرت پکڑتے۔ گستاخی کی یہ انتہا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو ہمارا پروانہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے لیکن ظاہر ہے کہ یہ گستاخی اور تمسخر اسی وقت تک ہے جب تک عذاب اور قہر خداوندی نہیں اترتا اور جب قہر خداوندی نازل ہوگا تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے گی اسی طرح قیامت پر نفخ صور ہی ان کو ایک لمحہ کی مہلت نہ لینے دے گا۔

ان آیات میں منکرین کے انکار رسالت اور انکار قیامت کا رد کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی اور اس ضمن میں یہ

---

[1] مفسرین نے بیان کیا ہے کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تو ہاتھوں میں میخیں ٹھوک کر لٹکانے کا حکم کرتا اور اس کو اس طرح لٹکایا جاتا عربی لغت کے اعتبار سے اوتاد جمع وتد کی ہے جس کے معنی میخ اور کھونٹی بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرعون کی شان عظمت اور سلطنت کی پائداری کا مفہوم ذکر کیا ہے کہ وہ کھونٹوں والا تھا یعنی اس نے اپنی سلطنت اور اقتدار کے کھونٹے گاڑ دیئے تھے بعض اہل لغت نے اوتاد بمعنی جنود یعنی لشکر کہا ہے تو ترجمہ لشکروں والا کیا جائے اور ظاہر ہے کہ فرعون کی فرعونیت ان تینوں صورتوں میں پائی جا رہی تھی۔

ظاہر فرما دیا گیا کہ آپ ﷺ کی مخالفت اور مقابلہ کرنے والے ناکام و ذلیل ہوں گے اور اللہ رب العزت آپ ﷺ کو کامیابی و سربلندی عطا فرمائے گا اہل مکہ کا یہ کہنا کہ انہی پر کیوں وحی اتاری گئی اور قرآن کریم مکہ وطائف کے سرداروں میں سے کسی سردار پر کیوں نہ اتارا گیا مہمل اور بے معنی بات ہے کیا ان کے پاس رحمت کے خزائن ہیں اور یہ اس کے مالک ہیں کہ جس کو چاہیں رحمت سے نوازنے کے لیے مخصوص کر دیں یا ان کے پاس آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے کہ علویات سے نازل ہونے والی رحمتوں اور وحی کو روک سکتے ہیں اور زمین پر ان کی حکمرانی ہے کہ عالم زمین پر اترنے والی وحی کو پیغمبر کی بجائے کسی دوسرے کے لیے مختص کر دیں جب نہ یہ آسمان کی کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ فرشتوں کو وحی لانے سے روک سکتے ہیں نہ زمین پر کوئی تصرف کر سکتے ہیں تو پھر عقلاً ان لوگوں کا اس پر نکتہ چینی کرنا بے معنی اور احمقانہ فعل ہے حق تعالیٰ نے ان کی تعجیز و تحمیق کرتے ہوئے فرما دیا کہ یہ لوگ محض چند انسانوں کی ایک بھیڑ ہے جن کے لیے شکست مقدر ہو چکی ہے چنانچہ یہ منظر بدر سے لے کر فتح مکہ تک دیکھ لیا گیا۔

لفظ ﴿جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ﴾ سے قریش کے لوگ ہی مراد ہیں لفظ ما کے متعلق بعض ائمہ نحو کی رائے یہ ہے کہ زائد ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تحقیر اور تقلیل کے لیے ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس گروہ کے شکست کی خبر دی جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ (القمر:۴۵) تو اس خبر کے ساتھ سابقہ قوموں کی تباہی کا ذکر کر کے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے والوں پر تنبیہ و تہدید کے ساتھ حجت قائم کر دی۔

اس کے ساتھ انکار قیامت پر بھی رد کر دیا گیا کہ ان لوگوں کا یہ مطالبہ ﴿عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا﴾ کہ ہمارا پروانہ ہمیں جلدی ہی دے دیجیے یوم حساب سے پہلے ہی درحقیقت ایسا مطالبہ اور اس کی جرات صرف اسی وجہ سے ہے کہ نہ خدا کی قدرت پر ان کو ایمان ہے اور نہ قیامت کا یقین حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد ضحاک اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان کیا یہ بات وہی ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار مکہ شقاوت و بدبختی سے یہ کہا کرتے تھے۔

﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾

"اے اللہ اگر یہ بات حق ہے تیری طرف سے تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آیئے۔"

تو اس کا بھی رد کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ عذاب خداوندی کے نزول سے قبل کی باتیں ہیں عذاب خداوندی جب بھی نازل ہوا کوئی قوم اس سے نہیں بچ سکی اسی طرح یہ لوگ بھی نہ عذاب سے بچ سکیں گے اور نہ ہی قیامت ٹل سکے گی تو سورۂ صٓ کی ان ابتدائی آیات میں قرآنی عظمت و شرف کو بیان کرتے ہوئے پہلے توحید خداوندی کو ثابت کیا گیا اس کے بعد نبوت و رسالت کا اثبات اور مکذبین رسل کی تباہی و بربادی کا ذکر فرمایا گیا اور ان واقعات ہلاکت کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف:۳۵) یعنی آپ ﷺ بھی اسی طرح صبر و تحمل کیجیے جیسا کہ آپ ﷺ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے صبر اور ہمت سے کام لیا اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ⑰

تو سہتا رہ جو کہتے رہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد کو ہاتھ کے بل والا وہ تھا رجوع رہنے والا

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ⑱ۙ وَالطَّيْرَ

ہم نے تابع کیے پہاڑ اس کے ساتھ پاکی بولتے شام کو اور صبح کو اور اڑتے جانور

مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ⑲ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ

جمع ہو کر سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے اور زور دیا ہم نے اس کی سلطنت کو اور

فَصْلَ الْخِطَابِ ⑳ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ㉑ۙ

دی اس کو تدبیر اور فیصلہ بات کا اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی؟ جب دیوار کود کر آئے عبادت خانہ میں

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى

جب پیٹھ آئے داؤد پاس تو ان سے گھبرایا وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں زیادتی کی ہے

بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى

ایک نے دوسرے پر سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتا دے ہم کو

سَوَآءِ الصِّرَاطِ ㉒ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ

سیدھی راہ یہ جو ہے بھائی ہے میرا اس کے ہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے ہاں

نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ㉓ قَالَ لَقَدْ

ایک دنبی پھر کہتا ہے حوالے کر دو مجھ کو وہ اور زبردستی کرتا ہے مجھ سے بات میں بولا وہ

ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ

بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ

ایک دوسرے پر مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کیے اچھے اور تھوڑے لوگ ہیں

مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ

ویسے اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گرا جھک کر اور

اَنَابَ ۩ ㉔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ㉕

رجوع ہوا پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام اور اس کو ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

اے داؤد! ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے

وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ

اور نہ چل جی کی چاہ پر پھر تجھ کو بچلاوے اللہ کی راہ سے مقرر جو لوگ بچلتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ㉖ ع ۲/۱۲/۱۱

اللہ کی راہ سے ان کو سخت مار ہے اس پر کہ بھلا دیا دن حساب کا۔

## تلقین صبر و تسلی نبی کریم ﷺ بذکر قصہ حضرت داؤد علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ... الٰى ... بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ㉖ ﴾

**ربط:** ماقبل آیات میں مکذبین رسل کا انجام ہلاکت بیان فرمایا گیا اور یہ کہ بڑی سے بڑی قوت و طاقت اور پائیدار سلطنتیں اللہ کے رسولوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوسکیں تو یہ کفار مکہ اور قریش کے لوگ جن کے پاس نہ اس طرح کی طاقت وقوت ہے اور نہ حکومت و سلطنت کیسے نبی کریم ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب ہوجائیں گے تو بطور تسلی حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی جارہی ہے فرمایا ﴿ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ﴾ اے نبی! آپ ﷺ صبر کیجیے ان باتوں پر جو یہ کافر کہہ رہے ہیں کبھی استہزاء و تمسخر میں کبھی تردید و تکذیب اور کبھی تحقیر و توہین کرتے ہوئے اور یاد کیجیے ہمارے بندہ داؤد کو جو بڑی ہی قوت و ہمت والے تھے کہ ان کے علم و حلم عزم و حوصلہ اور ریاضت و عمل کی قوت اور سلطنت و حکومت کے دبدبہ کی کوئی حد نہ تھی اور بے شک وہ خدا کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والے تھے کہ ان کے اوقات ذکر و تسبیح اور عبادت میں مصروف رہتے نصف رات تہجد میں گذارتے اور ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا معمول بنایا ہوا تھا اور پھر قوت کا یہ عالم تھا جیسے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا: ((وکان لایفر اذا لاقیٰ)) کہ دشمن سے مقابلہ ہوتا تو میدان چھوڑ کر بھاگتے نہ تھے اور اپنی خاص نعمتوں میں ایک نعمت سے اس طرح نوازا تھا کہ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر رکھا کہ تسبیح کیا کریں ان کے ساتھ شریک ہوکر شام و صبح جو داؤد علیہ السلام کے خاص اوقات تھے ذکر و تسبیح کے اور اسی

طرح پرندوں کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ وہ بھی صبح وشام داؤد کے ساتھ تسبیح میں شریک ہوا کریں جمع ہوکر * اس وقت یہ جبال وطیور سب ہی داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونے والے تھے یہ کس قدر عظیم انعام تھا اور اللہ کی طرف سے داؤد علیہ السلام کی عظمت وعزت تھی کہ گویا ان کے حلقۂ ذکر میں صرف انسان نہیں ملائکہ کے * علاوہ جبال وطیور بھی شامل ہوتے تھے اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ہم نے ان کی حکومت وسلطنت کو مضبوط بنایا تھا اور مزید تیسری نعمت یہ کہ ہم نے ان کو فیصلہ کن خطاب وگویائی کی قوت عطا کی تھی کہ ان کی بات نہایت ہی فصیح وبلیغ اور جامع ہوتی قوت دلائل سے ایسی محکم ہوتی کہ حق وباطل اور ظلم وانصاف کے درمیان فیصلہ کن ہوتی تھی یہ نہیں کہ سلطنت وحکومت کی رعونت میں ازخود رفتہ ہوکر حق وناحق کا فرق نہ کریں اور جو کچھ دل میں آئے بس اسی کو اپنی طاقت سے نافذ وجاری کردیں بلکہ عدل وانصاف احتیاط اور دلائل واصول کے پورے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے بات فرماتے تھے۔

چنانچہ ان کے اس طرح کے واقعات میں سے اے ہمارے پیغمبر کیا آپ کو ان مقدمہ والوں کی خبر پہنچی جو محراب ودیوار، عبادت خانہ پھلاند کر داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں گھس آئے حالانکہ پہرہ داروں کا زبردست پہرہ تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے تقسیم اوقات میں یہ دن عبادت کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور ان پہروں کے باعث کسی کی جرات نہ ہوسکتی تھی کہ اس طرح کوئی شخص ان کی عبادت گاہ میں داخل ہوجائے اور ان کی عبادت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ میں مخل بنے تو ان کے اس طور سے داخل ہونے سے داؤد علیہ السلام گھبرا گئے کہ یہ کیسے پہنچ گئے خدا جانے یہ کون ہیں کیا مقصد لے کر آئے ہیں ان کی اس گھبراہٹ کو دیکھ کر اہل مقدمہ بولے ڈرو نہیں ہم تو ایک خصومت و جھگڑے والے ہیں جو اپنا مقدمہ لے کر آپ علیہ السلام کے پاس آئے ہیں کسی دشمنی یا بُرے ارادہ سے نہیں آئے کہ آپ گھبرائیں ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیجیے اور ہمارے اس معاملہ میں کوئی ناانصافی اور کسی ایک کی طرف کسی طرح کا جھکاؤ اور جانبداری اختیار نہ کیجیے اور ہم کو سیدھے راستہ پر ڈال دیجیے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجازت پر اہل خصومت میں سے ایک نے کہنا شروع کیا اے داؤد! بات یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے باعتبار دین کے یا باعتبار تعلق وملاقات کے جس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے سو یہ کہتا ہے مجھے ہی اس کا کفیل اور ذمہ دار اور مالک بنادے اور اپنی منہ زوری سے بات کرنے میں مجھ پر غالب آگیا ہے کہ میری بات چلنے ہی نہیں دیتا اور نہ ہی بولنے کا موقع دیتا ہے جب بات شروع ہوتی ہے تو مجھے ہی دبالیتا ہے یہ صورت حال سن کر داؤد علیہ السلام نے کہا: اس شخص نے تو بیشک تجھ پر ظلم کیا تیری ایک دنبی کو اپنی دنبیوں میں شامل کرلینے کا تجھ سے سوال کرکے حقیقت تو یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی اس فراخی اور وسعت کے ہوتے ہوئے تو یہ چاہیے تھا کہ اپنے اس بھائی پر تبرع واحسان کرتا جو تنگ دست ہے اور صرف ایک ہی دنبی کا مالک ہے اس کے برعکس اپنے غریب بھائی کو اس سے بھی محروم کردینا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے دنیا میں ظلم وستم کا یہی حال ہوچکا ہے کہ بہت شرکاء ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کیا کرتے ہیں

---

* ﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً﴾ کا ترجمہ ''جمع ہوکر'' عام اہل لغت اور مفسرین کی رائے کے مطابق ہے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں محشورۃ کا ترجمہ محبوسۃ کیا ہے یعنی پرند ہوا میں اڑتے ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح سن کر رک جاتے تھے اور ان کے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہوجاتے اسی طرح اُونچے اُونچے پہاڑ بھی نفخ داؤدی کے ساتھ آواز بلند کرتے یہ تمام فضائل داؤد علیہ السلام کے معجزات نبوت تھے۔

* ملائکہ کے علاوہ کی قید اس وجہ سے واضح کی گئی کہ اللہ کے فرشتے تو ہر حلقۂ ذکر میں موجود ہی ہوتے ہیں تو داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور شرف یہ تھا کہ اس حلقۂ ذکر میں فرشتوں کے علاوہ پہاڑ اور پرندے بھی شامل ہوتے تھے۔ ۱۲

بجزان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے وہ اپنے ساتھی اور شریک کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں داؤد علیہ السلام نے یہ مضمون مظلوم کی تسلی اور حق کے تحفظ کے لیے فرمادیا اس قضیہ کے سننے میں اور اپنی بات کرنے میں کچھ وقت گذرا اور اس چیز کی بنا پر کہ ان کے طے کردہ وقت میں انہماک عبادت اور ذکر اللہ میں اشتغال کے بجائے ایک جھگڑے کی قسم نے خلل اور تشویش میں ڈالا خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے کہ دیکھیں کیسے صابر و متحمل ہیں کہ بلا اجازت عبادت گاہ اور خلوت میں آنے پر برافروختہ وناراض تو نہیں ہوتے کہ اتنے بڑے بادشاہ کے خاص محل میں کس بے ڈھنگے پن سے گھس آئے اور یہ کہ عبادت کے اوقات مخصوص کرنے پر دل میں یہ جو خیال تھا کہ میں نے عبادت کا جو معمول بنایا ہے اس میں خلل نہیں ہوگا اور یہ بہت ہی اچھی صورت ہے تو سمجھ گئے کہ یہ میرا امتحان لیا گیا ہے اور قدرت خداوندی سے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ کسی بندہ کا اپنی عبادت یا پابندی اوقات پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بغیر توفیق ومشیت خداوندی بندہ اپنے معمولات ایک روز بھی قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا پس فوراً ہی اپنے رب کے سامنے استغفار وتوبہ کی اور گر پڑے سر بسجود ہوتے ہوئے اور خاص طور پر خدا کی طرف رجوع کیا۔ پس ہم نے معاف کر دیا اس چیز کو اور جو کمی صبر وتثبت کے مقام میں اس تخیل کی وجہ سے پیش آئی تھی اس کا تدارک کر دیا اور بے شک داؤد علیہ السلام کے واسطے تو ہمارے یہاں کا بہت ہی عظیم مقام اور عنایت ہی بہترین انجام وٹھکانہ ہے کہ ایک معمولی خیال پر اس قدر بے قراری وتضرع کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں تائب ہوتے ہوئے سر بسجود ہو گئے اور تل برابر چیز کو پہاڑ سمجھ لیا اور ظاہر ہے کہ مقربین کی یہی شان ہوتی ہے کہ معمولی سی کوتاہی ان کے واسطے بے چینی و بے قراری کا باعث ہوتی ہے اور ان کی یہ بے قراری اور دعا واستغفار ان کے مقام کی اور بلندی کا باعث ہوتی ہے جب داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے اور انابت الی اللہ کا یہ بلند تر مقام ان سے ظاہر ہوا تو ہم نے ان کی اس سعادت کو سراہتے ہوئے اعلان کر دیا اے داؤد علیہ السلام ہم نے بنا دیا تم کو زمین پر حاکم سو لوگوں کے درمیان تم حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہو جس طرح کہ اب تک کرتے رہے ہو اور آیندہ بھی نفس کی خواہش کی پیروی مت کرنا جیسا کہ پہلے بھی نفس کی خواہشات کی تم نے پیروی نہیں کی اس لیے کہ نفس کی خواہشات کی پیروی اگر تم نے کی تو وہ تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی اور بے شک جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے واسطے سخت عذاب ہوگا اس بنا پر کہ وہ روزِ حساب کو بھولے رہے اور ظاہر ہے کہ ہر طرح کی گمراہی اور عدل وانصاف سے انحراف اور کسی کی حق تلفی آخرت کی یاد بھلانے ہی کے باعث ہے اس معیار اور ضابطے کو اگرچہ خطاب داؤد علیہ السلام کے دوران بیان فرمایا گیا لیکن مراد دوسروں کو تنبیہ کرنا ہے جیسے کہ بعض مواقع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو متنبہ کیا گیا۔

## قصہ داؤد علیہ السلام

قرآن کریم کی ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جس قصہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ صرف بطور کنایہ ورمز بیان کیا گیا ہے جس کے ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں دو خصومت کرنے والوں کا ایک مقدمہ لے کر آنا اور پھر اس مقدمہ میں باہمی معاملات میں ایک دوسرے پر تعدی کرنا اور اس پر حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ کہ یہ طریق ظلم وعدوان ہے پھر داؤد علیہ السلام کا توبہ واستغفار اور خدا کی بارگاہ کی طرف رجوع اور حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے مرتبہ کی عظمت وبلندی اور خلافت فی الارض کا انعام اور عدل وانصاف قائم کرنے کی تاکید، نفس کی خواہشات سے اجتناب کا حکم اور نفس کی پیروی کا انجام گمراہی اور اس کا اصل سبب فکر آخرت سے قلب ودماغ کا خالی

ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔

## واقعہ داؤد علیہ السلام کے متعلق بعض غیر مستند اور بے اصل روایات

آیاتِ متذکرہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جس قصہ کا اجمالاً واشارۃً ذکر فرمایا گیا ہے۔اس کی تفسیر وتشریح میں بعض مفسرین نے ایک قصہ بروایت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے جس کو بعد کے مفسرین نے بھی اپنی تفاسیر میں نقل کیا اس وجہ سے وہ شہرت پذیر ہو گیا حالانکہ وہ قصہ نہ روایۃً صحیح ہے بلکہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور نہ عقلاً اس کے تصوّر کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بلا شبہ وہ قصہ نہایت ہی بے ہودہ کہانی ہے جس کا قرآن کریم خود اپنے سیاق وسباق سے انکار کرتا ہے۔

اس حدیثِ خُرافہ اور لغو قصہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام اپنے خلوت خانہ میں ذکر وعبادت میں مشغول تھے کہ ایک خوبصورت کبوتر اڑ کر سامنے آیا آپ علیہ السلام نے اس کو عجیب وغریب پا کر اس کے پکڑنے کا ارادہ کیا تو وہ ایک سوراخ سے نکل کر اڑ گیا داؤد علیہ السلام دریچہ سے جب اس کو جھانکنے لگے تو ایک حسین وجمیل عورت پر نظر پڑی جو غسل کر رہی تھی اس کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو گئے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اوریاہ کی بیوی ہے جو آپ علیہ السلام کے ایک لشکر کا سپہ سالار ہے اور آج کل کسی جہاد میں باہر گیا ہوا ہے آپ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ سپاہی مارا جائے تو میں اس کی بیوی سے نکاح کر لوں اس لیے آپ نے فوج کو یہ حکم بھیجا کہ اوریا کو تابوت سکینہ کے آگے رکھا جائے تابوت سکینہ کے سامنے جو سپہ سالار رہتا اس کے لیے امکان نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر میدانِ جہاد سے بھاگ جائے اس کے ذمہ تھا کہ وہ اسی کے ساتھ رہے یا فتح ہو جائے یا وہ شہید ہو جائے اس طرح اوریاہ کسی غزوہ میں شہید ہو گیا تو اس کی بیوی سے داؤد علیہ السلام نے نکاح کر لیا حالانکہ اس سے پہلے ان کی بہت سی بیویاں تھیں ظاہر ہے کہ خداوند عالم کو یہ کام ان کی شایانِ شان نہیں معلوم ہوا تو ان کو اس پر متنبہ کرنے کے لیے دو فرشتے بصورتِ مدعی اور مدعا علیہ بھیجے حقیقت میں ان کے درمیان نہ کوئی جھگڑا تھا اور نہ وہ کسی مقدمہ کے فیصلہ کے واسطے آئے تھے اور نہ ان میں سے ایک کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں اور دوسرے کے پاس ایک انہوں نے داؤد علیہ السلام کو متنبہ کرنے کے لیے اسی طرح کا مقدمہ بنا کر پیش کیا کہ یہ میرا ایک بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی ہے اور یہ مجھ کو اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ یہ ایک بھی میں اس کو دے دوں حالانکہ اس کے پاس تو پہلے ہی بہت سی ہیں اور میرے پاس تو صرف ایک ہی ہے داؤد علیہ السلام نے فیصلہ تو کر دیا کہ یہ مطالبہ نہایت ہی ظالمانہ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اکثر شرکاء اپنے نفس کے تقاضے سے یہی روش اختیار کرتے ہیں مگر اس فیصلہ کے ساتھ فوراً یہ احساس ہوا کہ یہ قصہ تو مجھ ہی پر منطبق ہو رہا ہے میں نے کثیر الازواج ہونے کے باوجود اوریاہ کی عورت سے نکاح کر لیا جو اس کی ایک ہی بیوی تھی چنانچہ اس پر متنبہ ہو کر توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے جس کے بعد خدا نے ان کی مغفرت اور ان کی اس غلطی کو معاف کر دیا۔اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ العیاذُ بِاللّٰہِ.

یہ قصہ سرتا پا غلط بے اصل اور قطعاً اللہ کے پیغمبر پر عظیم افتراء وبہتان ہے اصل میں اسرائیلیات اور یہود سے نقل شدہ یہ قصہ ہے جس کو بعض مفسرین نے اپنی کتابوں میں درج کر دیا اصولِ دین کے سراسر خلاف ہے جس کا زبان پر لانا حرام ہے حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ ان میں سے اکثر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

اکثرھَا ماخوذ من الاسرائیلیات وَلَمْ یثبت فِیْھا عن المعصوم حدیث لکن روی ابن ابی حاتم

هٰهنا حَديثا لا يصح سنده لاَنّه مِنْ روَايةِ يزيد و يزيدوان كان من الصَّالحين لكنه ضعيف الحديث عندالائمة.

"اوراس سلسلہ میں کوئی بھی حدیثِ پیغمبر معصوم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک حدیث روایت کی ہے جس کی سند صحیح نہیں کیونکہ وہ باسناد یزید الرقاشی انس بن مالک میں سے ہے اور یہ شخص اگرچہ صالحین میں سے ہے مگر باجماع ائمہ محدثین ضعیف الحدیث اور ساقط الاعتبار ہے۔

تفسیر خازن میں بھی اس کی تصریح کی ہے اور باسناد سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ اور حارث اعور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے:

انه قال من حدثكم بحديث دَاوٗد علىٰ ما يرويه القصَاص جلدته مأة وستّين جلدة وهُوَ حد الفريَة علَى الانبياء.

"انہوں نے فرمایا جو شخص تم سے داوٗد علیہ السلام کے بارے میں وہ قصہ بیان کرے گا جس کو عام طور پر واعظین بیان کرتے ہیں میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے کی سزا ہے۔"

مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا اصل ماٰخذ کتاب اصمویل ہے اور آج تک خود اہل کتاب کو بھی اس کتاب کا پورا پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا مصنّف کون ہے وہ بحیثیت ایک تاریخ کی کتاب کے یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بلاوجہ الہامی کتاب فرض کرلیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس قصہ کی تردید و ابطال پر نہایت مفصّل کلام کیا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے ان آیات کی تفسیر اور حضرت داوٗد علیہ السلام کے اس واقعہ کی توضیح میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں مثلاً امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر احکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۷۶ میں طبری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے امام ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی طرح تفسیر درِّ منثور ج ۵ ص ۳۰ میں تفسیر روح البیان ص ۱۹ اور تفسیر مواہب الرحمٰن ج ۲۳ ص ۱۴۲ میں اس قصۂ مذکورہ کے علاوہ اور اقوال ذکر کیے ہیں مثلاً یہ کہ وہ عورت اوریاہ کی مخطوبہ تھی نہ کہ منکوحہ اور داوٗد علیہ السلام کو علم نہ تھا کہ اس عورت کے لیے کوئی خطبہ اور پیغام پہلے سے ہے اور لاعلمی میں پیغام دے دیا تو اس پر یہ عتاب ہوا کہ پہلے تحقیق کرلینی چاہیے بے تحقیق پیغام دینا نبوت کے خلاف ہے لیکن ان میں بھی تکلّف ہے [1] اور روایتی حیثیت سے بھی ان کی صحت ثابت نہیں ہوتی نیز شریعت کے اصول سے بھی ان اقوال پر آیات کی تفسیر مشکل ہے شرح فقہ اکبر میں بھی امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول نقل کیا گیا ہے لیکن اس پر بھی داوٗد علیہ السلام کی شانِ نبوت کے لحاظ سے قلب مطمئن نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام اقوال سے اعراض و کنارہ کشی کرتے ہوئے سکوت اختیار کیا حضرات اہل علم ان اقوال کی تفصیل کے لیے ان تفاسیر کی مراجعت فرمالیں بعض مفسرین نے اس قصہ کے تتمہ اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرات کے درجہ میں یہی بعض روایت اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۶۷ پر ایسی بعض روایات حضرات قارئین ملاحظہ فرماسکتے ہیں محدثین کے نزدیک ان کی سندیں معتبر و حجت نہیں روایتی لحاظ سے اس قصہ کا لغو اور باطل ہونا تو ظاہر ہے ہی انسانی عقل بھی اس بات کے تصور سے انکار کرتی ہے کہ اللہ کے کسی بھی پیغمبر سے ایسی ناپسندیدہ اور ذلیل ترین حرکتیں واقع

---

[1] تفسیر قرطبی ص ۱۷۶ ج ۱۵

ہوں وہ برگزیدہ پیغمبر جو اُمت کے واسطے ہادی و مصلح ہوں اُمت کے اعمال واخلاق کو پاکیزہ بنانا ان کی زندگی کا نصب العین ہو بھلا یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس طرح کی ذلیل اور انسانیت سے گری ہوئی باتیں کریں کہ کسی اجنبی عورت کو برہنہ دیکھنا پھر اس پر فریفتہ ہو جانا پھر ایک خاص حیلہ اور تدبیر سے اس کے شوہر کو شہید کروا دینا اور اس کے بعد اس عورت کو اپنے نکاح میں لے آنا یہ باتیں تو کسی معمولی سے ایمان وتقویٰ رکھنے والے شخص سے بھی بعید ہیں چہ جائیکہ وہ جلیل القدر ہستیاں جن کے اوصاف وفضائل کی بلندی کی کوئی انتہا نہیں جن کی پہلی فضیلت تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کو صبر کا حکم دیتے ہوئے داؤد علیہ السلام کی زندگی کو یاد کرنے اور ان کے اسوۂ کو نمونہ بنانے کا حکم دیا گیا پھر داؤد علیہ السلام کو عَبْدِنَا ہمارا بندہ جیسے پاکیزہ لقب سے یاد کیا گیا گویا اس عنوان نے ان میں عبدیت کے تمام اوصاف کاملہ وفاضلہ کو بیان کر دیا یہ عنوان تو وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے لیے معراج جیسے عظمت والے قصہ کے ساتھ اختیار کیا گیا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ ان کو ﴿ذَا الْاَیْدِ﴾ قوت وعزم والا فرمایا ان کو ﴿اَوَّابٌ﴾ خدا کی طرف رجوع کرنے والا فرمایا نیز ان کی فضیلت یہ ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے ذکر وتسبیح کے ساتھ تابع ومسخر کر دیا گیا ﴿وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً﴾ کے پرند بھی جمع ہو کر ان کے ذکر میں شامل ہوتے ان کے ملک وسلطنت کا استحکام وقوت ان کو حکمت دیا جانا فصلِ خطاب کی نعمت سے نوازا جانا مغفرتِ خداوندی مرتبہ کا قرب جس کو ﴿وَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی﴾ میں بیان کیا اور اخیر میں انجام کی خوبی کا اعلان کیا گیا پھر ان سب چیزوں کے بعد خلافت فی الارض کا اعزاز جس کو ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ﴾ سے ذکر کیا گیا ہے تو کیا یہ قابلِ تصور امر ہے کہ جس ذاتِ مقدس کی یہ فضیلتیں ہوں ایسے عظیم انعامات اور علمی وعملی کمالات سے نوازا گیا ہو جس کے لیے اعلان ہو خلافتِ ارض کا اللہ کے نزدیک مرتبہ کی بلندی اور انجام کی خوبی کی بشارت ہو دنیا میں کوئی عقل رکھنے والا انسان بیان کردہ قصہ کی ذلیل باتوں کا ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی ج ۲۳ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ایک نہایت ہی لطیف مضمون بیان کیا ہے کہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اس آیت ﴿وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ کی تفسیر میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو عرشِ الٰہی کے سامنے لا کر کھڑا کیا جائے گا۔ پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: اے داؤد! آج اس وقت تم میری تسبیح اور کبریائی اسی لحن اور آواز سے بیان کرو جس آواز سے دُنیا میں بیان کرتے تھے داؤد علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار! وہ بات تو دُنیا کی زندگی میں تھی جواب نہیں رہی حق تعالیٰ فرمائیں گے میں وہی صوت تم کو واپس کرتا ہوں اور وہی لحنِ داؤدی جس سے دُنیا میں پہاڑ اور پرندے تمہارے ہمنوا ہو جایا کرتے تھے تم کو عطا کرتا ہوں تو حضرت داؤد علیہ السلام ذکر وتسبیح شروع کریں گے جس سے تمام جنتی بے خود ہو جائیں گے۔

پھر ان تمام وجوہِ فضیلت کے علاوہ ایک عظمت وبرتری کی وجہ یہ بھی قرآن کریم کی تعبیر سے ظاہر ہے کہ اس قصہ کو حق تعالیٰ نے اس عنوان سے ذکر فرمایا ﴿وَھَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ تو یہ عنوان بالکل ایسا ہی ہے جیسا ﴿ھَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝﴾ کہ اے ہمارے پیغمبر! کیا آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کی بات پہنچی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے وادیِ مقدس طویٰ میں پکارا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ''نبوء الخصم'' جو داؤد علیہ السلام کا بیان کیا گیا وہ عظمت وفضیلت میں اسی طرح کا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کوہِ طور۔ تو ظاہر ہے کہ جو قصہ اس عظمت وتقدس کے عنوان سے بیان کیا جا رہا ہے ہرگز وہ ایسا فحش اور بے ہودہ واقعہ نہیں ہو سکتا جس سے ہر حیا رکھنے والا انسان نفرت کرتا ہو اور کیا قرآنی عظمت اس بات کو گوارہ کرتی ہے کہ ایسا قصہ اس اہمیت و خصوصیت سے بیان کیا جائے غرض کسی نوعیت سے بھی اس مشہور کردہ واقعہ کی صحت کی کوئی گنجائش نہیں۔

# آیاتِ مذکورہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی صفاتِ کمال

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دس صفاتِ کمال بیان کیں اور اس کے بعد ﴿هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ کے عنوان سے یہ قصہ ذکر فرمایا ہے جس سے داؤد علیہ السلام کی مدح وثنا اور تعظیم مقصود ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے اور، اوریاہ شوہر کے قتل کا قصہ جو اسرائیلیات سے نقل کیا گیا ہے وہ سراسر باطل ہے کیونکہ یہ قصہ ان دس صفاتِ کمال کے صریح خلاف ہے جو اللہ نے ان کی مدح وثنا اور منقبت میں بیان کی ہیں جن کی تفصیل گذر چکی ہے یہ قصہ تو کسی بدتر فاسق وفاجر کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کیونکہ ہر سننے والا اس سے نفرت وبیزاری ظاہر کرے گا اور صاحبِ قصہ پر لعنت بھیجے گا۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کے برگزیدہ پیغمبر معصوم کی طرف ایسے قابلِ نفرت واقعہ کی نسبت کی جائے۔ دوم یہ کہ اس قصہ کا تو حاصل یہ ہے کہ صاحبِ واقعہ ایسا شخص ہے کہ نفس کی خواہش اور طمع نے اس کو اس قدر ایمانی شعور سے بعید کر ڈالا ہے کہ اس کو کسی کے قتل کے ارتکاب میں اور اس کے بعد اس کی بیوی کو حاصل کر لینے میں کوئی تامل نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ جو چیز کسی ادنیٰ مؤمن کے لیے بھی قابلِ تصور نہ ہو وہ نبی معصوم کے حق میں کیسے تصور کی جاسکتی ہے۔ سوم یہ کہ ایسا کام کرنے والا تو نفس اور شہوت کا بندہ ہوا نہ کہ اللہ کا بندہ وہ کیونکر اس لائق ہوسکتا ہے کہ خدا اس کو یوں کہے ہمارا بندہ۔ چہارم یہ کہ جو شخص کسی کی عورت کو دیکھ کر بے صبر اور بے قابو ہو جائے تو ایسے واقعہ کو خداوند عالم اپنے پیغمبر کو صبر کی تعلیم و تلقین کے طور پر کیسے بیان فرما سکتا ہے اور یہ کہنا کیونکر ممکن ہوتا ﴿اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا﴾ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کیجیے ان باتوں پر جو یہ کہہ رہے ہیں سوال ہوگا کہ کیا صبر کی تعلیم وتلقین کے موقعہ پر ایسا ہی واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور کیا ایسا ہی صبر کیا جائے جیسا کہ اس صاحبِ واقعہ نے صبر کیا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔ پنجم یہ کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا گیا ہے یہ ہیں وہ انبیاء علیہم السلام جن کو خدا نے ہدایت دی ہے تو اے ہمارے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی اقتداء کیجیے تو کیا ایسے شخص کی اقتداء کا حکم دیا جانا ممکن ہے۔ ششم یہ کہ ان کو ﴿ذَا الْاَيْدِ﴾ قوت وطاقت والا کہا گیا جو شخص اپنے نفس پر ہی قابو نہ پاسکے وہ کہاں سے طاقت والا ہوا اور کہاں اس قابل ہوا کہ قرآن کریم میں اس کو قوت وہمت والا کہہ کر متعارف کرایا جائے۔ ہفتم یہ کہ ان کو ﴿اَوَّابٌ﴾ خدا کی طرف رجوع کرنے والا فرمایا گیا تو یہ قصہ تو ظاہر کرتا ہے کہ وہ صاحبِ واقعہ فسق وفجور کی طرف رجوع کرنے والا تھا نہ کہ اللہ اور اس کی اطاعت وبندگی کی جانب اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کا تو اللہ کی طرف رجوع وانابت کا یہ مقام فرمایا گیا کہ پہاڑ اور پرند بھی ان کی تسبیح کے ساتھ ہمنوا ہوتے تو کیا جو شخص کسی کی جان اور عزت وآبرو کی پروا نہ رکھتا ہو وہ اس کرامت وعظمت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ ہشتم یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ملک کو اللہ نے فرمایا ﴿شَدَدْنَا مُلْكَهٗ﴾ کہ ہم نے ان کا ملک مضبوط کیا تھا تو جس ملک میں قتل اور فسق وفجور سے امن نہ ہو اور کسی کی جان وآبرو کا تحفظ نہ ہوسکے تو ہرگز وہ ملک مضبوط نہیں ہوسکتا۔ نہم یہ کہ داؤد علیہ السلام کی شان میں فرمایا گیا ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ﴾ کہ ہم نے ان کو علم ومعرفت اور حکمت سے نوازا تھا اور حکمت نام ہے کمالاتِ علمیہ اور عملیہ کا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو اس قسم کے افعال کا مرتکب ہو وہ حکیم (صاحبِ حکمت) کیونکر ہوسکتا ہے۔ دہم یہ کہ ان کے حق میں فصل الخطاب یعنی فیصل کن بات کہنے کی قوت وصلاحیت دی کہ ہر بات عدل وانصاف کی ترازو میں تلی ہوئی ہو تو کیا ایسا شخص جو اس قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہو اس کو یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ہر بات عدل وانصاف کی ترازو میں تلی ہوئی ہے۔

بہر کیف یہ دس وجوہ اور حضرت داوٗد علیہ السلام کی صفاتِ فاضلہ وہ ہیں جن کو نہایت صراحت کے ساتھ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے پھر یہ کہ کلام کی ابتداء ان کی مدح وثنا سے اور انتہا ایسی بے پایاں عنایات نوازش سے کہ ﴿وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ﴾ بے شک ان کے واسطے ہمارے یہاں نہایت ہی قرب وفضیلت کا درجہ ہے اور بہترین انجام ہے اور آخر یہ کہ خلافتِ برحق کے اعزاز سے نواز دیا گیا تو ان وجوہ کے پیشِ نظر یہ بات بلاتردد وتامل تسلیم کرنی پڑے گی کہ یہ قصہ محض یہودیوں کا من گھڑت افسانہ ہے جس کے ذریعہ وہ اللہ کے اولوالعزم پیغمبروں کے تقدس کو پامال کرنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے جمہور مفسرین اور محققین علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ واقعہ بلاشبہ کذب اور افتراء ہے۔

حافظ ابن کثیر، علامہ ابن الجوزی، قاضی ابوالسعود، قاضی بیضاوی، قاضی عیاض، امام رازی، علامہ ابوحیان، زمخشری، علامہ خازن، ابن حزم، علامہ خفاجی، شیخ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہم اور متاخرین مفسرین میں علامہ محمود آلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح المعانی غرض ہر قرن اور دور کے مفسرین اس قصہ کے کذب وافتراء ہونے پر اتفاق کرتے رہے ہیں اور حافظ ابومحمد ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی کتاب ''الفصل'' میں بڑی شدت کے ساتھ اس قصہ اور اس کے قریب جو باتیں بعض مفسرین نے بیان کیں ان کی تردید کی ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات قطعی ہے کہ یہ قصہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے منافی ہے اور عصمتِ انبیاء دین کی بنیاد ہے ظاہر ہے کہ اللہ کا دین اس کے احکام انبیاء ہی کے ذریعے تو بندوں تک پہنچتے ہیں حضراتِ انبیاء علیہم السلام خدا کے سفیر اور نمائندہ ہوتے ہیں اگر وہ معصوم نہ ہوں تو پھر ان کی سفارت ہی کہاں سے قابل اعتماد ہوسکتی ہے اور ان کے لائے ہوئے احکام اور ان کا اسوۂ ہدایت اور فلاح و سعادت کیونکر ہوسکتا ہے عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ تو ایسے اصولِ مسلمہ میں سے ہے کہ کسی آیت کی تفسیر یا روایت کی تشریح اور واقعہ کی توضیح وتفصیل میں اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض یہ ہیں وہ دلائل اور وجوہ جن کے پیشِ نظر ان آیات کی تفسیر میں اس قصہ یا اس کے قریب دیگر ایسی روایات کو کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں تصور نہیں کیا جاسکتا یقیناً ان تمام آیات کی تفسیر اس قصہ سے ہٹ کر ہی کی جائے گی۔

## تفسیر آیاتِ مشتملہ بر قصہ داوٗد علیہ السلام

گذشتہ تحقیق وتفصیل سے یہ چیز تو واضح ہوگئی کہ یہ قصہ جو بعض مفسرین کی کتابوں میں مذکور ہونے کی وجہ سے مشہور ہوگیا لغو اور بے اصل بلکہ اصولِ شریعت اور خود قرآن کریم کی تصریحات کے قطعاً منافی ہے اس کے بعد اب ہم ان آیات کی تفسیر وتوضیح کی طرف حق تعالیٰ شانہٗ کی توفیق واعانت سے متوجہ ہوتے ہیں جو روایت ودرایت اور اصولِ شریعت سے بھی مطابق ہو کہ اصل مقصد بیان اور سیاق وسباق سے ربط بھی معلوم ہوجائے اور یہ بھی معلوم ہوجائے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے سامنے مقدمہ پیش کرنے والے کون تھے اور مقدمہ کے فیصلہ پر حضرت داوٗد علیہ السلام کے اس گمان کا کیا مطلب ہے کہ ان کی آزمائش کی گئی ہے اور اس پر توبہ واستغفار میں منہمک ہوجانا کس وجہ سے تھا پھر یہ کہ اخیر میں بیان کردہ ثمرہ ونتیجہ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ کس طرح بیان کردہ اس واقعہ پر مرتب ہورہا ہے۔ وباللہ التوفیق وھو یھدی الی الحق و الی صراط مستقیم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کردہ تحقیق کے پیشِ نظر آیات مذکورہ کی مراد اس طرح سمجھ

میں آتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ابتداء سورت میں قرآن کریم کی عزت وعظمت کو بیان فرمایا اور اس کے بالمقابل کفارِ مکہ کے مہمل اور بے ہودہ اعتراضات کا رد فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ﴿اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ کہ آپ ﷺ صبر کیجیے ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں اور یاد کیجیے ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو کہ یہ اپنی تمام تر عظمتوں دینی و دینوی عزتوں کے باوجود کیسے صابر اور اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنے والے تھے ان کے صبر کا تو یہ عالم تھا کہ کسی بھی نامناسب بات یا کسی طرف سے بے ادبی یا تکلیف دہ چیز پر انتہائی حلم اور صبر کا معاملہ کرتے حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان کو ایسی سلطنت اور دبدبہ دیا تھا کہ وہ کسی بھی کوتاہی اور لغزش پر جو چاہے سزا دیتے یا توبیخ وتنبیہ کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ناگہاں دو شخص ایک خصومت و جھگڑا لے کر ان کے عبادت خانہ کی محراب پھلاند کر اندر پہنچ گئے جب کہ وہ دن داؤد علیہ السلام کی عبادت کا تھا کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ لوگ غیر اصولی طریقہ سے بلا اجازت دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اس پر داؤد علیہ السلام طبعی طور پر گھبرائے تو بے شک کہ یہ کون ہیں کیسے اندر آ گئے اور کیا ارادہ ہے ان خیالات سے گھبراہٹ طبعی امر ہے لیکن صبر وتحمل سے کام لیا نہ ان کی بے قاعدگی پر تنبیہ کی اور نہ ہی کوئی سزا دی حالانکہ دنیا کے معمولی حکام اور بادشاہ بھی بلا اجازت اس طرح گھس آنے والوں کو برافروختہ ہو کر عتاب وملامت کا مورد ہی نہیں بلکہ سزا بھی دیتے ہیں ان دونوں نے آ کر اپنی خصومت بیان کرنی شروع کی اور یہ مقدمہ کوئی حقیقی خصومت نہ تھی بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے من جانب اللہ ایک امتحان و آزمائش وتنبیہ کے طور پر دو فرشتوں کو بصورتِ مدعی و مدعی علیہ بھیجا گیا تا کہ جو ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام کو ایک خیالِ اعجاب وخود پسندی کے درجہ میں واقع ہوا تھا اس پر تنبیہ ہو جائے مستدرکِ حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں ایک بار محض اللہ کے انعام کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: اے پروردگار! داؤد علیہ السلام کے گھرانہ میں رات اور دن میں سے کوئی ساعت ایسی نہیں گزرتی جس میں آلِ داؤد میں سے کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (نماز، ذکر و تسبیح) میں مشغول نہ رہتا ہو کیونکہ داؤد علیہ السلام نے شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کو اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت عبادت کے لیے اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک لمحہ کے لیے ان کا عبادت خانہ عبادت سے خالی نہ رہنے پائے اور خود اپنی ذات کے لیے دن مقرر کر رکھے تھے اور جو دن عبادت کا مقرر تھا اس میں اس کے سوا اور کوئی کام انجام نہ دیتے ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ یہ میرا حسنِ انتظام ہے کہ میں نے اپنے معمولات کو کیسا مرتب کر رکھا ہے کہ اس میں بحمد اللہ کوئی خلل نہیں آتا اللہ رب العزت کو یہ بات حضرت داؤد علیہ السلام کے مقام کے لحاظ سے ناپسند ہوئی اس بات میں اگرچہ اللہ ہی کا شکر تھا اور اس کی حمد وتعریف تھی مگر پھر بھی ایک طرح اعجاب وخود پسندی کا شائبہ تھا انبیاء علیہم السلام کا مقام اس قدر عالی و بلند تر ہوتا ہے کہ یہ معمولی شائبہ بھی خدا کو ناپسند ہوا کیونکہ بڑوں کی معمولی اور چھوٹی بات بھی بری اور قابلِ گرفت سمجھی جاتی ہے۔ ❶

بعض روایات میں ہے ارشاد ہوا اے داؤد علیہ السلام! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر ہماری توفیق و مدد شاملِ حال نہ ہو تو تُو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا خواہ ہزار کوشش کر لے اور نہ ہی نبھا سکے گا قسم ہے میری عظمت وجلال کی میں ایک روز تجھ کو اپنے نفس کے سپرد

---

❶ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ مدارج السالکین ص ۹۹ ج ۱ فرمایا بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے یہ کہتا ہے کہ: "اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا میں نے صدقہ کیا میں نے نماز پڑھی میں نے کھانا کھلایا" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور میں نے تیری مدد کی میں نے تجھ کو توفیق دی" اور جب بندہ کہتا ہے: "اے پروردگار! تُو نے میری مدد کی تُو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تُو نے مجھ پر احسان فرمایا" تو اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے: "اور تُو نے عمل کیا، تو نے ارادہ کیا، تو نے یہ نیکی کی۔" (فوائد قرآن کریم شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

کردوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا) پھر دیکھنا کہاں تک تو اپنی عبادت ومعمول کو برقرار رکھ سکتا ہے عرض کیا: اے پروردگار! مجھے اس دن کی خبر کر دیجیے پس اس روز قدرتِ خداوندی سے یہ معاملہ پیش آیا اور اس طرح اس آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔ چنانچہ وہ فریقین ایک خصومت لے کر اندر گھس آئے اور ایک نے دوسرے کے ظلم وتعدی کی داستان بیان کرنی شروع کردی اس کے سننے کے بعد یہ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ ﴾

کہ اے شخص بے شک تیرے ساتھی نے تجھ پر ظلم کیا ہے اس بات کا مطالبہ کر کے کہ تیری دُنبی بھی اپنی دُنبیوں میں شامل کر لے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے شرکاء اسی طرح ایک دوسرے پر ظلم کیا کرتے ہیں بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور عمل کریں تو اس طرح کی بات چیت اور مقدمہ کے سننے میں اور اس پر اس طرح کے اظہارِ خیال میں سلسلہ عبادت منقطع ہو گیا اور وہ معمول برقرار نہ رہ سکا جس پر وہ ایک نوع کا خیال آیا تھا فوراً ہی چونک گئے اور سمجھ گئے کہ یہ خدا کی طرف سے میری آزمائش تھی جس کے ذریعہ مجھے یہ دکھلایا گیا کہ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی بھی اپنے معمول وعبادت کو بغیر توفیق اور مددِ خداوندی باقی نہیں رکھ سکتا [1] حالانکہ پہرے دار تھے پوری حفاظت ونگرانی تھی معمول مقرر تھا اور اس پر پابند بھی تھے لیکن ناگہاں کس طرح دو شخص تمام انتظامات کو درہم برہم کر کے اندر داخل ہو گئے اور اپنی خصومت وگفتگو میں مصروف کر کے عبادت میں انقطاع وخلل پیدا کر دیا اس چیز کو فتنہ وآزمائش کے عنوان سے ﴿ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ ﴾ میں تعبیر کیا گیا لفظ فتنہ کا اطلاق اس جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک حدیث [2] میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن خطبہ دے رہے تھے سامنے نظر پڑی حسن وحسین رضی اللہ عنہما بچپن میں جس طرح بچے قمیص میں لڑکھڑاتے پھرتے ہیں اسی طرح سامنے سے آرہے ہیں۔ آپ ﷺ سے صبر نہ ہو سکا خطبہ قطع کیا منبر سے اترے اور ان کو اٹھالیا اور پھر ارشاد فرمایا: صَدَقَ اللّٰهُ ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ ﴾ میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ یہ آرہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا یہاں تک کہ مجھے اپنی بات قطع کرنی پڑی تو جیسے یہاں حضور اکرم ﷺ نے بچوں پر نظر پڑنے اور اس وجہ سے خطبہ کو کچھ لمحہ کے لیے روک دینے کو فتنہ سے تعبیر کیا بالکل ایسا ہی یہاں محسوس ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے عبادت میں خلل وانقطاع کو فتنہ سمجھا اور خداوند عالم نے ان کے اس تاثر اور تخیل کی اسی لفظ کے ساتھ تعبیر کر دیا۔ ﴿ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ ﴾

داؤد علیہ السلام کے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ گھبرا گئے اور فوراً توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے اور اس قدر انابت الی اللہ کا رنگ غالب آیا کہ سربسجود ہوئے بارگاہِ خداوندی میں تضرع وزاری کرنے لگے اس کیفیت کو بیان فرمایا جارہا ہے ﴿ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴾ ظاہر ہے کہ ایک ایسی معمولی چوک پر یہ آہ وزاری اور سجدہ میں گر پڑنا اور توبہ واستغفار میں مصروف ہو جانا بہت ہی عظیم مقام ہے خشیتِ خداوندی اور انابت الی اللہ کا اس توبہ واستغفار کی عظمت اور سجود وانابت الی اللہ کا مقام اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: ایک شخص [3] نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیان کیا یا رسول اللہ ﷺ آج

---

[1] حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اس روایت کو بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ صحیح الاسناد ہے ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں اس کو درست قرار دیا۔

[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے جس کو امام ترمذی ابوداود اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی سنن میں تخریج کیا ہے ۱۲۔

[3] یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تھے شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح المصابیح میں اسی کی تصریح کی ہے مرقاۃ شرح مشکوۃ بحوالہ حاشیہ مشکواۃ المصابیح ۱۲۔

رات میں نے اپنے آپ کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ میں ایک درخت کے پیچھے کھڑا نماز پڑھ رہا ہوں میں نے سجدہ کیا تو درخت بھی میرے ساتھ سجدہ میں گر پڑا میں نے یہ سنا درخت یہ تسبیح پڑھ رہا ہے: ((اَللّٰھُمَّ اکتب لی بھا عندكَ اجرًا وحط عنی بھا وزرًا واجعلھا لی عندك ذخرا وتقبلھا منی کما تقبلت من عبدك داؤد علیہ السلام)). اے اللہ! تُو اس سجدہ کی وجہ سے اپنے یہاں میرے لیے ایک اجر لکھ دے اور اس کی وجہ سے ایک گناہ معاف فرما دے اور اپنے یہاں اس سجدہ کو میرے واسطے ذخیرہ بنا لے اور تو اس سجدہ کو ایسا ہی قبول فرما لے جیسا کہ تو نے اپنے بندہ داؤد علیہ السلام سے قبول کیا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب سنتے ہی آیت سجدہ تلاوت فرمائی (بظاہر یہی آیت سجدہ تلاوت فرمائی ہوگی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ پر مشتمل ہے یعنی ﴿وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ﴾ اور پھر سر بسجود ہوئے اور میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کلمات پڑھ رہے ہیں جو اس شخص نے درخت سے سنے ہوئے الفاظ نقل کیے تھے اسی حد تک بات نہیں بلکہ اس سجدۂ داؤدی کا تو یہ مقام ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں سورۂ صٓ میں سجدۂ تلاوت کیا کروں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں ﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۸۴، ۹۰) تک۔ اور فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی پیروی کریں اور ظاہر ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کا سجدہ میں گر پڑنا اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے اور ان کی پیروی کا حکم خود تمہارے پیغمبر کو دیا گیا تو تم پر بدرجہ اولیٰ اس کی تعمیل ضروری ہوگی اس حدیث نے سجدۂ داؤد علیہ السلام کی جو عظمت ظاہر کی وہ اظہر من الشمس ہے تو ظاہر ہے کہ ایک معمولی سی بات (جو صرف اس حد تک تھی کہ شکرِ خداوندی کے ساتھ خود پسندی کا شائبہ محسوس ہونے لگا تھا) پر ایسی توبہ و استغفار اور تضرع و انابت الی اللہ کے ساتھ سر بسجود ہونا بے شک ایسے ہی انعام کا ذریعہ ہو سکتا ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا: ﴿فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ﴾۔

معمولی سی بات پر ایسی بے قراری اور تضرع و زاری سے بندہ کے مقامات اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ برس ہا برس کی عبادات بھی اس کو ایسے عظیم اور بلند مقام پر نہیں پہنچا سکتیں اس بنا پر اس توبہ و استغفار پر خلافت فی الارض کا عظیم ثمرہ و انعام مرتب ہوا جس کو ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ میں ذکر فرمایا گیا کہ اے داؤد علیہ السلام ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنا دیا۔ لہٰذا تم اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرتے رہو کبھی کسی معاملہ میں خواہشِ نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

رہا یہ امر کہ مقدمہ میں خصومت کرنے والوں نے جو صورتِ مقدمہ پیش کی ﴿اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّ لِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ اس کا کوئی تعلق حضرت داؤد علیہ السلام کے کسی واقعہ سے نہیں اور نہ ان الفاظ میں ان کی کسی بات کی طرف تلمیح و اشارہ ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاملات میں پیش آنے والے مظالم و زیادتیوں کا بیان ہے کہ اسی طرح ہر طاقتور اپنے کمزور بھائی پر ظلم کرتا ہے اور انسان کی حرص کی کوئی انتہاء نہیں حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہوں اور اس کے غریب بھائی کے پاس صرف ایک ہی بکری ہو تو وہ یہی چاہے گا اور اپنی امکانی حد تک یہی تدبیر کرے گا کہ اس غریب بھائی کی وہ ایک بکری بھی قبضا لے۔

رہی یہ بات کہ اس ظلم و تعدی کی روش کو بیان کرنے میں دنبیوں کا کس وجہ سے ذکر کیا گیا؟ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ تر معیشت کا مال بکریاں ہی ہوتی ہوں اور یہ تعبیر ایسی ہی ہو جس طرح کہ بعض احادیث میں مال و دولت کے تمول کے سلسلہ میں اُونٹوں کا ذکر ہے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ((لئن یھدی اللہ بك رجلاً واحِدًا خَیرلّكَ منْ حمر النعم)) اے علی! اگر

تیرے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہی ہدایت دے دے تو یہ تیرے واسطے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہوگا اور کتاب فضائل القرآن میں ہے اگر کوئی شخص صبح ہی صبح مسجد میں دو آیتیں کتاب اللہ کی کسی کو سکھا دے تو دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیات تین اونٹنیوں سے بہتر اور اسی طرح جس قدر تعداد آیاتِ کتاب اللہ کی تعلیم دے گا اتنی ہی تعداد اونٹنیوں سے بڑھ کر ہوگا علی ہذا القیاس بہت سی احادیث میں اسی طرح کا عنوان ذکر فرمایا گیا تو یہاں ان آیات میں دنبیوں کا ذکر اس زمانہ کے قابلِ قدر مال ہونے کی حیثیت سے ہوسکتا ہے نہ یہ کہ اس سے کسی خاص پیش آمدہ واقعہ کی طرف تلمیح واشارہ ہو اور ننانوے کا عدد جمع میں انتہائی عدد ہے اور ایک عدد قلت میں سب سے آخری درجہ رکھتا ہے اس وجہ سے ظالم کا باوجود کثرتِ مال کے غریب وتنگدست پر جو انتہائی غربت وافلاس کے مقام پر ہو ظلم وتعدی کرنا ننانوے اور ایک کے عدد سے تعبیر کیا گیا۔

بعض حضراتِ مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی وہ لغزش جس پر من جانب اللہ تنبیہ کی گئی یہ تھی کہ انہوں نے محض مدعی کے بیان پر ایک کو ظالم اور دوسرے کو مظلوم کے درجہ میں قرار دے کر یہ فرمایا: ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ﴾ حالانکہ اولاً یہ چاہیے تھا کہ مدعی کے دعویٰ کے بعد مدعی علیہ سے وضاحت طلب کرتے پھر مدعی سے بینہ اور ثبوت طلب کرتے اس کے بعد یہ فرماتے مگر بظاہر قرائن مؤیدہ کے باعث سمجھ لیا کہ واقعی ان میں سے ایک تعدی کر رہا ہے اور دوسرا اس صورتِ حال میں مظلوم ہے تو قانون سماعت دعویٰ میں بظاہر کچھ کمی رہ گئی تھی تو اس پر فوراً ہی متنبہ ہو کر استغفار ودعا اور تضرع میں مصروف ہو گئے۔

## خلیفہ اور بادشاہ میں فرق

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انعاماتِ خداوندی میں سے خلافت فی الارض کے انعام واعزاز سے نوازنے کا ذکر فرمایا گیا نبوت ورسالت تو پہلے ہی عطا فرما دی گئی تھی مزید انعام یہ فرمایا کہ اس کے ساتھ سلطنت وحکومت سے بھی نواز دیا گیا اور ساتھ ہی اس عظیم منصب کی اہم ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ ① ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ اے داؤد علیہ السلام لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا ② ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ﴾ کہ خواہشِ نفس کی کبھی پیروی نہ کرنا کیونکہ عدل وانصاف کے قیام میں اصل رکاوٹ خواہشاتِ نفس ہیں اس لیے یہ بات ظاہر ہے کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والا کسی طرح بھی عدل قائم نہیں کر سکتا اور خلافتِ الٰہیہ کی اصل حقیقت قیام عدل ہی ہے ان دو بنیادی ذمہ داریوں کو بیان فرماتے ہوئے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ان کی اساس فکر آخرت ہے فکر آخرت سے عدل بھی قائم کیا جا سکتا ہے اور ہوائے نفس سے بھی انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے خلیفہ اور بادشاہ میں فرق کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ایک بار حضرت عمر نے طلحہ، زبیر، کعب احبار اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ بتاؤ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور مال غنیمت برابر تقسیم کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جیسے اپنے اہل وعیال پر کرتا ہو کعب احبار رضی اللہ عنہ کہنے لگے میرا خیال تو یہ تھا کہ یہ معنی اس مجلس میں میرے علاوہ شاید کوئی اور شخص نہ جانتا ہو۔

سلیمان بن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں یہ فرمانے لگے میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص بولا اے امیر المؤمنین! خلیفہ اور بادشاہ میں بیّن فرق ہے اور وہ یہ کہ خلیفہ مال

نہیں لیتا مگر حق کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ اور آپ بحمد اللہ ایسے ہی ہیں اس کے برعکس بادشاہ ظلم کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے لے لیتا ہے اور جسے چاہے دیتا ہے (اور خدا کے فضل سے آپ ایسے نہیں ہیں) یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رونے لگے بعض روایات میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب منبر پر بیٹھتے تو یہ کہا کرتے خلافت نہ مال جمع کرنے کا نام ہے اور نہ خرچ کرنے کا، بلکہ خلافت اس کا نام ہے کہ حق پر عمل کرے اور فیصلہ میں عدل کرے اور لوگوں کو حکم الٰہی پر قائم کرے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۵۸۴)

ان آخری کلمات میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اصل حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے کیونکہ اس کا کام تو احکامِ الٰہیہ کا نفاذ ہے اس لحاظ سے اس عظیم ذمہ داری کے انجام دینے کے لیے ایک خاص ہدایت یہ فرما دی گئی ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے اور اقامتِ عدل میں نفس کی خواہشات حائل بنتی ہیں تو اس سے اجتناب کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ کہ نفس کی خواہش کی پیروی ہرگز نہ کرنا اور ساتھ اتباعِ ہویٰ اور نفس کی پیروی کا نتیجہ بھی بیان کر دیا گیا ﴿فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کہ خدا کی راہ سے بھٹکنا ہے اور خدا کی راہ سے بھٹکنے اور گمراہ ہو جانے کا انجام عذابِ آخرت ہے تو ان چند الفاظ ہی میں گویا اسلامی سلطنت کے فرمانروا کی حیثیت و حقیقت اس کی ذمہ داریاں اور ذمہ داریوں کو انجام دینے میں رکاوٹ پیدا کرنے والے اسباب اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج و ثمرات بیان فرما دیئے گئے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ﴾ میں تخلیقِ کائنات کی غرض اور دُنیا میں انسانی حیات کا مقصد ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو ان کے بیچ ہے نکمّا یہ خیال ہے ان کا جو

كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ ؕ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

منکر ہیں سو خرابی ہے منکروں کو آگ سے کیا ہم کریں گے ایمان والوں کو

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

جو کرتے ہیں نیکیاں برابر ان کے جو خرابی ڈالیں ملک میں؟ کیا ہم کریں گے ڈر والوں کو

كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ

برابر ڈھیٹ لوگوں کے ایک کتاب ہے جو اُتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تا دھیان کریں اس کی باتیں اور تا سمجھیں

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

عقل والے۔

# بیانِ حکمت تخلیقِ کائنات واثبات حشر وذکر عظمت کتابِ خداوندی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ . . . الٰی . . . وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹﴾

گذشتہ آیات کا مضمون حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کی ذمہ داریوں کے بیان اور اس میں اتباعِ نفس کے حائل ہونے اور اس کے انجام پر ختم ہوا تھا اس کے بعد اب ان آیاتِ مبارکہ میں تخلیقِ کائنات کی حکمت بیان فرمائی جارہی ہے اور چونکہ حیاتِ دینوی آخرت کی تیاری کے لیے ہے تو اجمالاً حشر کا اثبات بھی فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ قرآن کریم وہ کتابِ مبارک ہے جس کی آیات میں تدبر اور ایمان وتقویٰ اور کفر ونافرمانی اور صلاح وفساد میں فرق واضح کر کے انسانوں کے دو گروہ متعین کرنا ہے ایک گروہ صالحین ومطیعین کا دوسرا مفسدین ومجرمین کا دھریہ اور نیچری قیامت کے منکر ہیں اور ان کا یہ گمان ہے کہ دُنیا ہمیشہ سے اسی طرح چلی آرہی ہے اور آئندہ بھی اسی طرح چلتی رہے گی لوگ پیدا ہوتے رہیں گے اور مرتے رہیں گے اور یہ سلسلہ غیر متناہی طور پر جاری رہے گا برہمن اور ہندو بھی قیامت کے قائل نہیں بلکہ وہ تناسخ کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی انسان مرنے کے بعد کسی دوسرے جنم میں چلا جاتا ہے اور یہ دوسرا جنم گذشتہ جنم کی بھلائی اور برائی کے مطابق ہوتا ہے تو ان آیات میں ایسے مہمل عقائد کا بھی ابطال وردفرمایا جارہا ہے اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار اور خالی از حکمت بلکہ ان میں بے شمار حکمتیں ہیں اور سب سے بڑی حکمت یہ کہ کائنات کی ہر موجود چیز خدا کی قدرت ووحدانیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ اس زندگی کے بعد آخرت کی زندگی برحق اور یقینی ہے اس کے واسطے انسان کو تیاری کرنے کی ضرورت ہے یہ تو خیال ہے کافروں کا کہ اس حیات کے بعد پھر کوئی حیات نہیں اور حشر ونشر اور جزا وسزا نہیں ہے پس ہلاکت و تباہی ہے ان کافروں کے لیے جہنم کی آگ سے ظاہر ہے کہ ان کافروں نے آخرت اور عذابِ آخرت کا انکار کر کے اپنے واسطے جہنم کی آگ اختیار کر لی ہے۔

آسمان وزمین اور ان کے درمیان جملہ موجودات حق تعالیٰ کی قدرت وخالقیت اور کمالِ حکمت کی واضح دلیل ہیں ان دلائل و حقائق کو نہ ماننے والے مجرم ونافرمان اور باغی ومفسد ہیں اور ان پر ایمان ویقین رکھنے والے مؤمنین ومتقین ہیں اور یقیناً ان دونوں گروہوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ دونوں گروہ ہرگز ایک طرح کے نہیں ہوسکتے تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے ان کے برابر کر دیں گے جو کفر ونافرمانی کر کے دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا بالفاظ دیگر یوں کہہ لو کہ کیا ہم پرہیزگاروں اور تقویٰ والوں کو بدکاروں اور فاجروں کے برابر کر دیں گے نہیں ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ جس حکمت کے باعث تخلیقِ کائنات کی گئی اس کے پیشِ نظر بھی ضروری ہے کہ ایمان وتوحید کے ساتھ طاعت گذاروں کو نجات وانعامات کا مستحق قرار دیا جائے اور فساق وفجار اور کفر ونافرمانی کے ذریعے زمین میں فساد برپا کرنے والوں کو عذاب جہنم کا مستحق بنایا جائے یہی وہ قانونِ حکمت ہے جس کا ترجمان یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی بابرکت ہے اس غرض سے کہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور اس حقیقت کو معلوم کر کے اور سمجھ کے اس سے اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں کہ تخلیقِ کائنات کا یہی مقصد ہے اور حکمتِ خداوندی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ عدل وانصاف قائم کر کے نیکوں کو نیکی کی جزاء اور بدکاروں کو بدکاری کی سزا دی جائے اس لیے ضروری ہوا کہ کوئی وقت حساب وکتاب اور جزاء وسزا کا رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ وقت صرف آخرت اور یوم قیامت ہی ہوسکتا ہے کیونکہ دُنیا تو دارالعمل اور

دارالامتحان ہے اور حقیقی جزاوسزا دورانِ عمل دارالعمل اور دارالامتحان میں قائم نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ پھر دُنیا کی زندگی میں خیر وشر کی آزمائش کا سلسلہ باقی نہ رہ سکے گا اس بنا پر مخبر صادق ﷺ کی خبر اور فرمانِ خداوندی پر ایمان لاتے ہوئے قیامت کا اقرار کرنا پڑے گا اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آسمان وزمین اور جملہ کائنات کی تخلیق عبث وبیکار اور خالی از حکمت نہیں اور ظاہر ہے کہ نیک وبد کے انجام کی یہ تفریق کتابِ ہدایت ہی کے ذریعہ بتائی جاسکتی تھی اس لیے یہ کتابِ مبارک حق تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تا کہ اس کی بات میں تدبر اور غور وفکر سے اہل فہم عبرت ونصیحت حاصل کرلیں اور یقین کرلیں کہ مسئلہ مجازات اور معاد وآخرت عقل اور فطرت کے عین مطابق ہے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہُ اللہ اپنے فوائد قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں شاید تَدَبُّر سے قوت علمیہ اور تَذَکُّر سے قوتِ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان ہی قوتوں کی تکمیل اور اصلاح سے انسانی سعادت کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ ؕ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع رہنے والا جب دکھانے کو آئے اس کے

بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ۙ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ

سامنے شام کو گھوڑے خاصے تو بولا میں نے چاہی محبت مال کی

ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ وقفة رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا

اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ چھپ گیا اوٹ میں پھیر لاؤ ان کو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے

بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ

پنڈلیاں اور گردنیں اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر

جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ

ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا بولا اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ نہ چاہیے

لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ

کسی کو میرے پیچھے بے شک تو ہے بخشنے والا پھر ہم نے تابع کی اس کے باؤ چلتی

بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ۙ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ۙ

اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا اور تابع کیے شیطان سارے عمارت کرنے والے اور غوطے لگانے والے

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ

اور کتے اور بندھے ہوئے بیڑیوں میں یہ ہے بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع ۳ ۱۴ ۱۲

کچھ نہیں حساب اور اس کو ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ۔

## قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام وبیان انابت الی اللہ مع حکومت وسلطنت وجملہ انعاماتِ دنیویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ... الٰى ... وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾﴾

گذشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اور ان کو دین ودُنیا کی نعمتوں اور حق تعالیٰ کی طرف سے خلافت فی الارض کے اعزاز سے نوازے جانے کا ذکر تھا اس ضمن میں خلافتِ الٰہیہ کا مقصد اس کی ذمہ داریوں اور ذمہ داریوں کی تکمیل میں جو چیزیں حائل ہوتی ہیں ان کا بیان کر کے تخلیقِ کائنات کی حکمت کا ذکر تھا اور یہ کہ نیک وبد کا انجام یومِ حساب میں سامنے آ کر رہے گا۔ اب ان آیات میں داؤد علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے جو نبوت وسلطنت اور جملہ کمالاتِ علمیہ وعملیہ کا حامل ہے حق تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک عظیم انعام ہے اس سے بڑھ کر کسی پر کیا انعام ہو سکتا ہے کہ اس کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند نصیب ہوا اور خود سلیمان علیہ السلام کا کس قدر عظیم رتبہ ہے کہ ان کو دین ودُنیا کے ہر اعزاز اور ہر طرح کی نعمت سے نواز دیا گیا حتیٰ کہ ان کی حکومت جن وانس پر ہوئی ہوائیں اور پرند ان کے تابع کر دیئے گئے غرض دونوں ہی کمالات وفضائل میں عجیب بلند مقام رکھنے والے تھے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ چنانچہ ارشاد فرمایا اور عطا کیا ہم نے داؤد کو سلیمان علیہما السلام جیسا فرزند کیا ہی اچھے بندے تھے کہ خدا کی عبودیت و بندگی ان کی زندگی کا ذوق بنی ہوئی تھی بے شک وہ خدا کی طرف بڑے ہی رجوع کرنے والے تھے چنانچہ ان کا وہ قصہ ایک یادگار اور قابل ذکر قصہ ہے جب کہ ایک روز شام [1] کے وقت ان کے سامنے اصیل اور عمدہ [2] تیز رو گھوڑے بغرضِ جہاد پیش کیے گئے اور ان کے

---

[1] العشی لغت میں زوال کے بعد سے غروب تک وقت کے لیے اطلاق کیا جاتا ہے۔

[2] صافنات جمع صافن کی ہے بعض ائمہ لغت صافن بمعنی واقف بایں معنی عمدہ گھوڑے پر اطلاق کرتے ہیں کہ عمدہ گھوڑے اگلے قدم اٹھا کر پچھلے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو ان کی نجابت وعمدگی کی نشانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ یہی بیان کرتے ہیں جیاد جمع جواد کی ہے تیز دوڑنے والے گھوڑے کو جواد کہتے ہیں بعض کا قول ہے کہ لمبی گردن کے گھوڑوں کو جیاد کہتے ہیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا جہاد والے گھوڑوں کے ملاحظہ میں مشغول ہونا خود درحقیقت ایک عبادت تھا جس میں انہماک واشتغال سے نماز عصر کا فوت ہونا ایسا ہی ہوا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غزوۂ احزاب میں پیش آیا تھا کہ سورج غروب ہو گیا اور نماز عصر نہ پڑھ سکے تو خدا کے پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو یہ واقعہ غفلت سے العیاذ باللہ ہرگز نہیں پیش آیا بلکہ ایک عبادت میں انہماک واشتغال دوسری عبادت کے فوت ہونے کا ذریعہ بنا اس پر سلیمان علیہ السلام کے =

دیکھنے میں اس قدر دیر ہوگئی کہ دن چھپ گیا اور نمازِ عصر یا اس وقت کا کوئی معمول فوت ہو گیا جذبہ جہاد اور اعداء اللہ سے قتال کا شوق قلب پر اس قدر غالب تھا کہ اس امر کا خیال نہ رہا کہ وقت نکلا جا رہا ہے اور ہیبت وجلال کے باعث کسی خادم کو اس بات کی جرات نہ ہوئی کہ مطلع یا متوجہ کر دے جونہی وقت کے فوت ہونے پر تنبہ ہوا تو چونک کر کہنے لگے افسوس میں تو مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے یعنی نماز و معمول سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا اور میری عصر کی نماز فوت ہوگئی اگرچہ جہاد کی تیاری اور جہاد کے لیے گھوڑوں کا معائنہ بھی عبادت ہے لیکن ایمان کے بعد نماز سے اور فرائض سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اس وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا دل پر بے حد صدمہ ہوا اور اس رنج وصدمہ کی کیفیت میں خدام کو حکم دیا ان گھوڑوں کو میرے سامنے پھر لے آؤ چنانچہ جب وہ لائے گئے تو ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا یعنی اس ملال ورنج اور غصّہ کی کیفیت میں سب کو ذبح کرنا شروع کر دیا اگرچہ یہ مال کی محبت نہ تھی بلکہ جذبہ جہاد کے باعث تھا مگر صورت ایسی واقع ہوگئی کہ اس کا یہ اثر ہوا خواص اور مقربین کی یہی شان ہوتی ہے کہ اگر بال برابر بھی فرق ہو جائے تو غم اور فکر و پریشانی کی حد نہیں رہتی۔

گرز باغِ دل خلالے کم بود
بردل سالک ہزاراں غم بود

یہ بات ایسی ہی ہوتی ہے جس طرح ایک صحابی کو نماز میں اپنے باغ کا خیال آیا تو سلام پھیرتے ہی اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا گیا گویا سلیمان علیہ السلام نے ان کی اللہ کی راہ میں قربانی کر ڈالی اور ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں گھوڑے کا گوشت حلال ہو یا اس کی قربانی درست ہو یا یہ عمل شدتِ غضب میں واقع ہوا ہو بہر کیف حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیغمبر کی غیرت ایمانی نے اس بات پر ان کو آمادہ کیا کہ جس مال کے معائنہ میں نماز ضائع ہوئی اور وہ مال ذکرِ خداوندی سے غفلت کا سبب بنا اس کو اس طرح ختم کر دیا جائے یہ ایمانی غیرت اور ذکرِ خدا کی محبت کا یہ جوش اور غلبہ یقیناً قابل مدح واقعہ تھا اس وجہ سے اس واقعہ کو اس عنوان سے ذکر فرمایا گیا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ کہ کیا ہی اچھے بندے تھے کہ کیسے اللہ کی طرف انابت ورجوع والے تھے شوقِ جہاد اور جذبہ اعلاء کلمۃ اللہ اور قہر اعداء اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم منقبت اور فضیلت کا قصہ تو تھا ہی اسی کے ساتھ ایک دوسرا قصہ بھی ذکر فرما دیا گیا جو ان کے ایک ابتلاء و آزمائش کا تھا اور وہ بھی اسی طرح ان کی عظمت وفضیلت کی ایک عظیم نشانی ہے اور یہ دونوں قصّے ان کے صبر واستقامت کی کامل ترجمانی کرنے والے ہیں اس لحاظ سے گویا داؤد علیہ السلام کا جو ایک خاص رنگ ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ کا تھا وہ اس وراثتِ نسبی کے ساتھ

---

= رنج وغصہ کی مثال آنحضرت ﷺ غزوۂ احزاب والے واقعہ میں وہ تھی جس کو حدیث نے بیان کیا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے غروب شمس کے بعد اور کفار مکہ کو بددعائیں دے رہے تھے کہ خدا ان کو ہلاک کرے یا رسول اللہ ﷺ میں عصر کی نماز نہ پڑھ سکا حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں بھی نہیں پڑھ سکا اور آپ ﷺ نے یہ کلمات فرمائے: ((ملأ الله بيوتهم وفی روایة بطونهم وقبورهم نارا احبسونا عن الصلوة الوسطیٰ صلوٰة العصر)) یعنی خدا تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں نماز عصر سے روکے رکھا تو یہاں اس قصہ میں سلیمان علیہ السلام کا رنج وغم اور غصہ اس طرح ظاہر ہوا کہ ان گھوڑوں کی کونچیں کاٹنے لگے یہی تفسیر اکثر ائمہ مفسرین نے اختیار کی ہے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا﴾ کا ایک مفہوم بروایت علی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے جذبہ محبت اور مسرت کے ساتھ لیکن جمہور مفسرین نے اس تفسیر کو پسند نہیں فرمایا راجح قول یہی ہے کہ غم وغصہ میں ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنے لگے۔ ۱۲

سلیمان علیہ السلام کو بطور وارثتِ کمالاتِ نبوت کے عطا کر دیا گیا۔

فرمایا اور بے شک ہم نے سلیمان علیہ السلام کو ایک اور طرح سے بھی آزمایا اور ان کے تخت پر لا ڈالا ایک ناتمام دھڑ جس سے وہ سمجھ گئے اور متنبہ ہوئے کہ یہ تو میرا امتحان کیا گیا اور اسی ندامت و پریشانی کی حالت میں پھر ہماری طرف رجوع کیا اور تضرع وزاری کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگنے لگے کہ میرے پروردگار میرا قصور معاف کر دیجیے جو ہم سے واقع ہوا اور آیندہ کے لیے مجھ کو ایسی سلطنت عطا کر دیجیے جو میرے بعد کسی کو لائق وزیبا نہ ہو بے شک تو ہی بڑا دینے والا ہے کہ جو چاہے عطا فرما دے تیری بارگاہ میں نہ دعا کی قبولیت کوئی دشوار کام ہے اور نہ وہ چیز عطا کرنا دشوار ہے جو مانگی ہے۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے تابع کر دیا ان کے ہوا کو وہ چلتی نرمی کے ساتھ جہاں وہ جانا چاہتے تو اس نعمت سے گھوڑوں سے مستغنی ہو گئے جن میں وہ جذبہ جہاد کی وجہ سے مصروف ومنہمک ہوئے تھے اور اس انہماک واشتغال میں نماز کا وقت فوت ہو گیا تھا اور اس کے بعد رنج وغصہ میں ان کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں اور جنات و شیاطین کو بھی ان کے واسطے مسخر کر دیا جو ہر عمارت بنانے والے اور سمندروں میں غوطہ لگانے والے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کا حکم پاتے ہی بڑی سے بڑی عمارتیں بنا ڈالیں اور سمندروں میں گھس کر ان کا حکم بجالائیں اور بہت سے اور ایسے جن بھی ان کے واسطے مسخر کر دیئے جو زنجیروں میں جکڑے رہتے جو ان میں سے بعضوں کے تمرد اور سرکشی کی سزا بھی ہوتی یہ سب کچھ دے کر ہم نے سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا تھا اے سلیمان علیہ السلام یہ ہے ہماری عطا کہ ہوائیں اور جن بھی تمہارے تابع کر دیئے گئے جو دُنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکی اب تم جس کو چاہو اس میں سے دو یا جس سے چاہو روک لو بغیر اس کے کہ تم سے اس کا کوئی حساب وسوال ہو اور بے شک ان تمام نعمتوں کے علاوہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے یہاں ایک خاص قرب کا مقام اور بہترین ٹھکانہ ہے جو قیامت کے روز ظاہر ہو گا اور اس مقامِ قرب اور اخروی نعمتوں کے سامنے ظاہر ہے کہ یہ ملک سلیمانی بھی اور دُنیا میں حاصل شدہ نعمتیں ہیچ اور حقیر ہیں کیونکہ دُنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی آخرت کی معمولی نعمت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی ﴿ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴾ کا عنوان اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معائنہ کے وقت اتنا وقت گزرا کہ سورج غروب ہو چکا تھا اس کے بعد سورج کے دوبارہ طلوع ہو جانے کا بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے لیکن کسی سند سے اس کا ثبوت نہیں بعض مفسرین نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سورج کو لوٹایا جانا ایسا ہی تھا جیسا حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے لوٹایا گیا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نماز عصر فوت ہو جانے کے بعد سورج لوٹانے کا ذکر ہے مقام صہبا میں جو خیبر کے قریب ایک جگہ ہے۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو رد کیا اور بیان کیا کہ یہ روایت روافض کی وضع کردہ حدیث ہے غزوۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر فوت ہو جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

((ملا الله تعالیٰ قبورهم وبطونهم نارا شغلونا عن الصلوٰة الوسطیٰ صلوٰة العصر رد شمس)).

غزوۂ احزاب میں بھی ثابت نہیں صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ نماز غروب کے بعد ادا کی۔

بہر حال حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سورج کی واپسی کا واقعہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی ملاحظہ فرمائیں۔

# تفصیل ابتلاء سلیمان علیہ السلام

ان آیات میں ابتداءً حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت ومنقبت اسی طرح بیان کی گئی کہ حق تعالیٰ نے ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت سے نوازا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو کمالاتِ نبوت اور علم وفضل تقویٰ اور انابت الی اللہ کی جو عظیم خصوصیات عطا کی تھیں ان ہی میں وراثت دینا مراد ہوسکتا ہے ان کمالات کے ساتھ جو انعام خلافت وسلطنت کا داؤد علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا ظاہر ہے کہ انعام کی اس دوسری نوع میں سلیمان کو داؤد علیہما السلام کی وراثت سے نوازنا مراد ہے تو اس سلسلہ میں پہلے ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی کہ شوق جہاد میں اس قدر انہماک تھا کہ گھوڑوں کا معائنہ کررہے ہیں مگر ساتھ ہی شوق عبادت کا یہ مقام ہے کہ اگر اس میں اشتغال وانہماک سے نماز ضائع ہوگئی تو ان گھوڑوں کی کونچیں کاٹنے لگے جن کی وجہ سے یہ بات پیش آئی انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسا کوئی واقعہ جس کے باعث کسی بھی حیثیت سے کوئی چیز ان کے بلند ترین مقام سے کچھ کم ہو یا ان کے خشیت وتقویٰ کے مدارج سے گری ہوئی ہو وہ چیز ایک طرح سے ابتلاء کا درجہ رکھتی ہے اگرچہ نہ وہ تقصیر ہوتی ہے اور نہ کچھ امر اور حکم کا ترک یا خلاف ورزی ہوتی ہے لیکن بایں ہمہ وہ واقعہ ان کی عظمتوں اور کمالات کی مزید بلندی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح یہ بات بھی تھی تو اس واقعہ کے ساتھ دوسرا ایک واقعہ بھی بیان فرما دیا گیا جس کو ﴿وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا﴾ سے ذکر فرمایا گیا۔

سلیمان علیہ السلام کا یہ ابتلاء کیا تھا اور وہ کون سا واقعہ تھا جس کو ابتلاء کے عنوان سے یہاں بیان کیا جارہا ہے قرآن کریم نے تو اس کی کوئی وضاحت وتفصیل نہیں کی اور نہ کسی صحیح حدیث میں خاص طور سے اس ابتلاء کو معین وواضح کیا گیا۔

بالعموم اس سلسلہ میں جو قصے مشہور ہیں وہ قطعاً باطل اور لغو ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ابتلاء کے واقعہ کی طرح یہ قصے بھی اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں جن کو یہودیوں نے وضع کیا وہ من گھڑت افسانوں اور کہانیوں سے زیادہ ہرگز کوئی درجہ نہیں رکھتے۔ حافظ ابن کثیر اور علامہ آلوسی رحمہما اللہ نے ان اکاذیبِ باطلہ میں سے بعض کو بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ کیا تو وہ انگشتری جس پر اسم اعظم لکھا ہوا تھا اپنی ایک بیوی جو ان کی بیویوں میں ان کو زیادہ محبوب اور معتمد تھی دے گئے یا اپنی کسی خادمہ کو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جن وانس پر اسی انگشتری اور اس پر اسم اعظم کی وجہ سے تھی ان کے بیت الخلاء جانے کے بعد کوئی شیطان یا ایک جنی صخر نامی سلیمان علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوا اور وہ انگوٹھی لے کر چلا گیا اور تختِ سلیمانی پر جا بیٹھا اور حکمرانی شروع کردی اور اس طرح سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور نبوت دونوں چیزیں ختم ہوگئیں سلیمان علیہ السلام جب فارغ ہوکر واپس آئے اور اپنی انگوٹھی مانگی تو اس نے کہا میں تو سلیمان علیہ السلام کو وہ انگشتری دے چکی گویا سلیمان علیہ السلام کی شکل وصورت بھی متغیر ہوگئی اور ان کی بیوی نے اب ان کو پہچانا بھی نہیں تو سلیمان علیہ السلام بولے میں ہی تو سلیمان علیہ السلام ہوں بیوی نے کہا تم غلط کہتے ہو تم ہرگز سلیمان علیہ السلام نہیں ہو اسی طرح جس کسی شخص کے سامنے سلیمان علیہ السلام جاتے وہ نہ پہچانتا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور ان کی سلطنت وحکمرانی سب ختم ہوگئی اور ان کے تخت پر یہ جنی آ بیٹھا ان قصہ نگاروں نے بیان کیا کہ اسی کو الفاظ ﴿وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا﴾ میں بیان کیا گیا ہے اور یہی وہ فتنہ ہے جس میں ان کو مبتلا کیا گیا ان احوال کو دیکھ کر سلیمان علیہ السلام بہت گھبرائے اور دعا واستغفار اور تضرع وزاری کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوئے اسی توجہ کو ﴿ثُمَّ اَنَابَ﴾ میں بیان کیا جارہا ہے چالیس روز کی مدت اسی طرح گزر گئی

یہاں تک کہ ایک روز سمندر کے کنارے جب کہ سلیمان علیہ السلام مزدور کے طور پر وہاں کام کر رہے تھے اور ایک شخص نے مچھلی خریدی تھی جس کو اٹھا کر اس کے گھر تک لے جا رہے تھے تو اس نے وہی مچھلی بطور اُجرت حمالی ان کو دے دی انہوں نے جب اس مچھلی کو چیرا تو اس کے پیٹ سے وہ انگشتری نکل آئی اور یہ مچھلی وہ تھی جس نے اس دیو کے ہاتھ سلیمان علیہ السلام کی انگشتری جب سمندر میں گر گئی تھی اس کو نگل لیا تھا تو وہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کے پاس آتے ہی پھر حسبِ سابق ان کی سلطنت لوٹ آئی اور جن وانس ان کے مطیع ہو گئے اور سلطنت کے ساتھ نبوت کے احکام بھی جاری کرنے لگے۔ اَلعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ.

یہ تمام داستان اور یاہ کے قصہ کی طرح بے ہودہ لغو اور یہودیوں کی گھڑی ہوئی داستان ہے ان ہی یہودیوں کی جو سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ مشہور کرتے تھے کہ وہ ساحر (جادوگر) ہیں جس کی تردید قرآن کریم نے ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾ (البقرہ:۱۰۲) میں کی ہے کہ یہود خود سحر اور جادو جیسے کفریہ عمل کرتے اور دوسروں کو بھی جادو سکھایا کرتے تھے سلیمان علیہ السلام تو ہرگز ایسے کفر کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے یہ قصہ یا اس طرح کے دوسرے مختلف بیان کردہ قصے نہ عقلاً قابل تصور ہیں اور نہ ہی اصولِ شریعت سے ان کا امکان ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں ایسی چیزوں کا اعتقاد کفر ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ان کی عصمت وحفاظت لازمۂ نبوت ہے اور نبوت اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ نبوت اور ایسے نبی کو اللہ ہی کی طرف سے عطا کردہ سلطنت کوئی جن سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر درہم برہم کر ڈالے اور صرف اتنی دیر میں کہ وہ بیت الخلاء گئے اور وہ دیو آ کر تختِ سلیمانی پر حکمرانی کرنے لگے کسی جن اور شیطان کو یہ قدرت ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ پیغمبر کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کو دھوکہ دے دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((مَنْ رَاٰنی فی المنام فقد رانی فان الشّیطان لا یتمثل بی)) کہ جس کسی نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے درحقیقت مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ میری شکل بنا کر خواب میں کسی کے سامنے آ جائے تو اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ مقامِ نبوت کی عظمت و بلندی کا تو یہ عالم ہے کہ خواب میں بھی کسی مسلمان کے سامنے کوئی جن یا شیطان پیغمبر کی صورت بنا کر ظاہر نہیں ہو سکتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک دیو سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر آ گیا اور ایک آن میں سلیمان علیہ السلام کا تختِ سلطنت اور کارہائے نبوت پر قابض ہو گیا۔

## سلیمان علیہ السلام کے ابتلاء کی حقیقت

سلیمان علیہ السلام کے اس ابتلاء کی حقیقت اور اس قصہ کی اصل تفسیر وتشریح صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث سے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے معلوم ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے (جو جذبہ جہاد میں سرشار تھے اور اسی جذبہ میں گھوڑوں کا معائنہ بھی کر رہے تھے جس میں سورج غروب ہو گیا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی) ایک روز یہ کہا کہ میں آج رات اپنی بیویوں پر گشت کروں گا جن کی تعداد سو تھی اور اس قربت کی وجہ سے ہر ایک عورت بچہ جنے گی اور ہر بچہ جوان ہو کر اللہ کی راہ میں مجاہد بنے گا فرشتہ نے ان کے اس کہنے کے وقت القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لو مگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے مقربین کا مقام اس قدر بلند ہوتا ہے کہ ان کی ایسی لغزش اور چوک بھی اللہ کی طرف سے باعث تنبیہ گرفت ہو جاتی ہے تو اس چوک پر اس طرح متنبہ کیا گیا کہ کوئی بھی ان میں سے حاملہ نہ

ہوئی بجز ایک کے اور اس ایک حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا وہ بھی ادھورا نا تمام تھا بغیر ہاتھ پاؤں کا یہ جسم (دھڑ) تخت پر لا ڈالا گیا اسی کو فرمایا گیا ﴿وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا﴾ کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ایک نا تمام جسم (جسد) لا کر ڈال دیا فوراً چونک گئے اور سمجھ گئے کہ یہ میری اس چوک پر گرفت اور تنبیہ ہوئی ہے کہ میں نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا حالانکہ پیغمبر کا مقام تو بہت عالی اور بلند ہوتا ہے ہر ایمان رکھنے والے شخص کو بھی ہر بات اللہ ہی کی قدرت اور اس کے ارادہ کی طرف حوالہ کرنی چاہیے اور یہ اعتقاد باطن میں ایسا راسخ ہونا چاہیے کہ کسی کام میں بھی اس بات کے تلفظ کو بھی فراموش نہ کرے تو سلیمان علیہ السلام فوراً ہی متنبہ ہو کر خدا کی طرف استغفار کے ساتھ رجوع ہوئے اور بے قراری کے عالم میں زبان سے یہ دُعا نکلی ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ اے پروردگار! تُو مجھے معاف فرما اور مجھے ایک ایسا ملک (سلطنت) عطا فرما دے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہوتا کہ نہ گھوڑوں کے معائنہ کی فکر رہے اور نہ ایسا واقعہ پیش آئے کہ ان کے معائنہ میں نماز فوت ہو جائے اور نہ ہی جذبہ جہاد میں مجاہد بیٹوں کا شوق رہے کہ اس میں کسی چوک و لغزش میں مبتلا ہو جاؤں بلکہ ایسی بادشاہی طاقت و قدرت عطا کر دے کہ ان تمام اسباب و وسائل اور ان کی فکر و تشویش سے بے نیاز ہو جاؤں تو جذبہ اخلاص و انابت سے کی ہوئی یہ دعا بارگاہِ رب العزت سے قبول کی گئی اور اس قبولیت کے باعث ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ ... الخ﴾ ہوائیں ان کے تابع کر دی گئیں کہ جہاں چاہیں، ہوا ان کو پہنچا دے اب ان کو گھوڑوں کی ضرورت نہ رہی سلیمان علیہ السلام کو فکر لگی ہوئی تھی کہ برق رفتار گھوڑوں کو مرتب کریں اس سے بڑھ کر خدا نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ہوا بھی ان کے واسطے مسخر کر دی گئی کہ ہوائیں ان کو اڑائے پھرتیں۔

اور مجاہدین کا شوق اور جذبہ تھا کہ ہر بیوی ایک لڑکا جنے جو اللہ کی راہ میں مجاہد ہو سو اس شوق اور آرزو کی تکمیل اس طرح کر دی کہ شیاطین و جنات کو ان کے واسطے مسخر کر دیا یعنی ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے کو ان کے حکم کے تابع کر دیا جو بڑی سے بڑی عمارتیں اور قلعے تیار کر لیں اور سمندروں میں بھی کود پڑیں اس لیے اب ایسی فوج عطا ہونے کے بعد اس آرزو اور جستجو کی ضرورت نہ رہی کہ اولاد کی ولادت سے مجاہدین کی جماعت تیار ہو۔

اور بہت سے دوسرے جنوں کو بھی ان کے واسطے مسخر کر دیا جو زنجیروں میں جکڑے ہوتے تھے یعنی جنات میں وہ جماعت جو مقاصد حسنہ اور دینی کاموں میں کام آنے والی تھی وہ تو ان کے حکم کے مطابق خدمات میں مصروف کر دیئے گئے اور جنات سے جو سرکش و مفسد تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا گیا تھا تاکہ وہ کسی قسم کا تمرد اور سرکشی نہ کر سکیں یہ سب کچھ عطا کرنے کے بعد ہم نے سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اے سلیمان! یہ ہے ہماری عطا اور سلطنت و حکمرانی جو تم کو دی ہے اب اس میں تم جس کو چاہو دو یا جس سے چاہو روک لو تمہیں ان سب چیزوں کا حق اور اختیار دیا جا رہا ہے جس کا تم سے کوئی حساب نہیں نہ دنیا میں اس پر کوئی محاسبہ ہو سکے گا کہ کسی کی ماتحتی کے باعث کوئی تم سے محاسبہ یا کسی چیز پر مواخذہ کر سکے اور نہ آخرت میں اس کا کوئی حساب ہوگا کیونکہ ان سب نعمتوں کا تم کو مالک بنا دیا گیا اور مالک اپنی ملکیت میں ہر طرح تصرف کا مجاز ہے اور بلا شبہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے یہاں بہت بڑا قرب کا مقام اور بہترین ٹھکانہ ہے کہ دنیا میں ان نعمتوں سے نوازا گیا اور آخرت میں قربِ خاص عطا کیا گیا۔

غرض ان آیات میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ پر مشتمل ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت چند وجوہ سے بیان فرمائی گئی سب سے پہلے تو یہ کہ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایسے بہترین فرزند کی عطا سے نوازا گیا جو اپنی ذات میں بڑی ہی خوبیوں والے

تھے ان کا نشان اور زندگی کا شعار خدا کی طرف رجوع وانابت تھا خدا کی طرف انابت ورجوع کی یہ شان تھی کہ ہمہ وقت اللہ کے دین کی اشاعت وسربلندی کی فکر تھی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کی فکر ہے اس میں گھوڑوں کا معائنہ ہو رہا ہے اس انہماک میں نماز کا وقت نکل جاتا ہے تو غم وغصّہ سے ان گھوڑوں کی کونچیں ہی کاٹی جارہی ہیں اسبابِ جہاد کی فکر کے ساتھ کبھی مجاہدین کا فکر ہے اور اس جذبہ میں کبھی یہ سوچتے ہیں کہ میری تمام بیویوں کی قربت سے اولاد پیدا ہو تو سب اللہ کی راہ میں شہسوار ومجاہد بنیں اس انہماک میں ''ان شاء اللہ'' کہنے کا خیال نہیں رہا تو مقامِ نبوت کی عظمت وبلندی کے پیش نظر یہ کچھ گری ہوئی بات تھی فوراً ہی اس طرح متنبہ کیا گیا کہ صرف ایک ہی بیوی سے ناتمام بچہ پیدا ہوا جس کو ان کے سامنے تخت پر لا کر ڈال دیا گیا فوراً ہی چونکے اور تضرع وزاری سے اللہ سے دعائیں مانگنے لگے کہ اے اللہ! میرا یہ قصور معاف کردے اور جن جذبات کے باعث یہ بات واقع ہوئی اس کے پیشِ نظر وہ ملک وسلطنت عطا فرمادے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو تو اس کی قبولیت میں ان کے لیے ہوائیں مسخر کردی گئیں جن کے مقابلہ میں گھوڑوں کی کوئی حقیقت نہیں اور جنات مسخر کردیئے گئے کہ ان کے سامنے سو مجاہد انسانوں کی کوئی طاقت نہیں۔

تو ان آیات کی یہ تفسیر حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بنا پر الحمدللہ وہ تفسیر ہے جس کی بنا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ عظمت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند ہبہ کیے جانے کے باعث ہے پھر یہ کہ ان کا شوق جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ کس قدر بلند تھا اور اسی جذبہ کے باعث ایک ابتلاء وآزمائش بھی پیش آ گئی جس سے ان کا مزید انابت الی اللہ کا درجہ معلوم ہو گیا اور ان ہی عظمتوں، فضیلتوں کا یہ نتیجہ وثمرہ ہوا کہ ان کے واسطے ہوائیں اور جنات مسخر کردیئے تو ان تمام وجوہ فضائل کے ساتھ ان واقعات کے اجزاء میں باہمی ربط مناسبت بھی بخوبی ظاہر ہو جائے گی برخلاف من گھڑت ان واقعات اور کہانیوں کے جن کا عقلاً اور شرعاً خدا کے برگزیدہ پیغمبروں سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہوسکتا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ دعا دنیا کی کسی نعمت یا سلطنت وجاہ کی طلب نہ تھی بلکہ یہ صرف اس غرض سے تھی کہ جتنے بھی آدمی میری دعوت وتبلیغ سے دین میں داخل ہوں گے وہ میرے اجر وثواب کا ذریعہ ہوگا۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعاء ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ... الخ﴾

انبیاء علیہم السلام کے احوال وخصائص جو قرآن کریم اور نصوصِ شریعت سے واضح ہوئے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جو چیز مانگتے ہیں وہ خدا کی اجازت اور اس کی منشاء معلوم ہونے پر مانگتے ہیں اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ بغیر اذنِ خداوندی کسی چیز کی درخواست کرتے ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ (نوح:۲۶) مانگی تھی وہ اگرچہ عین منشاء خداوندی کے مطابق تھی اور مجرمین وباغیوں کی عذابِ خداوندی سے سرکوبی جو عین حکمتِ الٰہیہ ہے اسی کی ترجمان تھی مگر صرف اس وجہ سے کہ صریح طور پر ایسی دعا کی وحی نہیں آئی تھی تو مدت العمر اس پر نادم رہے اور یہ ندامت روز قیامت تک ایسی باقی رہے گی کہ اس کے باعث بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کرنے سے شرمائیں گے اس لیے ظاہر یہی ہے کہ غیبی طور سے اللہ نے ان کے قلب پر اس بات پر مطمئن کردیا ہو کہ اے سلیمان علیہ السلام اگر تم یہ دعا مانگو تو تمہاری یہ دعا قبول کرلی جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے یہ دعا کی اور وہ بارگاہِ رب العزت سے قبول کرلی گئی اس درخواست کی قبولیت کو محض قبولیت کے درجہ میں نہیں بیان کیا گیا بلکہ سلیمان علیہ السلام کی مدح وثناء کے طور پر بیان کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں بڑے بڑے جبار اور متکبر بادشاہ تھے اور حق تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جو پیغمبر جس زمانہ میں مبعوث ہوا اس کی مناسبت سے معجزات دیئے گئے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (جادو) کا زور تھا تو اس کی مناسبت سے عصا اور یدِ بیضاء کا معجزہ دیا گیا تو اس لحاظ سے سلیمان علیہ السلام کو یہ سلطنت عطا کی جو درحقیقت معجزہ تھی اس سے مقصود سلطنت و بادشاہت نہیں بلکہ تبلیغ دین اور مخلوقِ خدا کی اصلاح و ہدایت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے آپ کو مسکین کہا کرتے تھے تاریخی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی ذات کے لیے سلطنت و بادشاہت سے کسی ادنیٰ درجہ کا بھی انتفاع نہ کرتے حتیٰ کہ ان کا گزران معاش زنبیل سازی بیان کی گئی گویا مزدوری کر کے اپنا کفاف مہیا کرتے۔

**فائدہ:** انسان فطری طور سے کمزور واقع ہوا ہے اکثر نعمتوں اور راحتوں میں یادِ خدا سے کچھ نہ کچھ غفلت ہو جاتی ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے بھی ان کو مطمئن کر دیا گیا کہ سلیمان علیہ السلام کے واسطے ہمارے یہاں بہت ہی بلند و اعلیٰ مقام قرب کا ہے اور اخروی انعامات سے اس قدر نوازا گیا کہ دنیوی نعمتیں اور سلطنت و بادشاہت کسی درجہ میں بھی حجاب یا غفلت کا سبب نہیں بن سکے گی۔

حضرت والد صاحب مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم مبارک سے لکھی ہوئی ایک عبارت جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ تعظیم العلم سے اقتباس ہے ملی دعا ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: قولہ تعالیٰ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ظاہراً اس سے حرص و حسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقع میں یہ ضعفاء کے حق میں ہے انہوں نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی جس کی توجیہ یہ ہے کہ ﴿مِنْۢ بَعْدِيْ﴾ میں بعدیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ بعدیت رتبیہ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ مجھ کو ایسا ملک عطا فرما کہ جو مجھ سے کم درجہ والوں کے لیے مناسب نہ ہو کیوں کہ وہ ایسی سلطنت مل جانے سے کفر اور تکبر میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اب اس تفسیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے اعتبار سے ﴿مَنْ مَعِيَ﴾ بلکہ من قبلی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو نبوت اور رسالت میں ان کے ہم مرتبہ ہیں اور درجہ میں ان سے بھی افضل ہیں اور خاقانی کا یہ شعر:

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی — کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اس سے سلیمان علیہ السلام کی توہین کا شبہ نہ کیا جائے یہ اس شخص کے حق میں ہے کہ جہاں دولت اور سلطنت کے ساتھ با خدا بودن جمع نہ ہو سکے بخلاف حضرت سلیمان علیہ السلام کے کہ ان کی سلطنت اور مملکت با خدا بودن کے منافی نہ تھی باوجود اتنی عظیم سلطنت کے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی خدا تعالیٰ سے غافل نہ تھے۔ انتہیٰ المراد کذ فی تعظیم العلم ص ۲۹۔۳۰ وعظ ششم از سلسلہ تبلیغ۔

---

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ

اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو لگا دی شیطان نے ایذاء

وَّعَذَابٍ ؕ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

اور تکلیف، لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي

اور دیئے ہم نے اس کو اس کے گھروالے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی طرف کی مہر سے اور یاد رہنے کو عقل

الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ

والوں کے اور پکڑا اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا پھر ان سے مارے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو ہم نے اس کو پایا

صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

سہارنے والا، بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع کرنے والا۔

## قصہ سوم۔ حضرت ایوب علیہ السلام ومناجات بارگاہ ربّ العالمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ ... الٰی ... نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں سلیمان علیہ السلام کے ایک ابتلاء وآزمائش کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ایک قصہ بیان کیا جارہا ہے جس میں ان کے ابتلاء اور آزمائش میں صبر واستقامت کا بیان ہے کہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر بیماری وتکلیف اور فقر وفاقہ میں بھی کیسے صابر رہے اور جب انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا تو کس طرح رحمت خداوندی سے ان کی تمام تکالیف دور کر کے انعامات اور رحمتوں سے نوازا گیا اس واقعہ کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کے بعد شکر وصبر کا ارتباط رکھتا ہے وہ اللہ کے برگزیدہ ایسے شاکر بندے تھے کہ امم سابقہ میں ایک نمونہ نہیں ملتا تو ایوب علیہ السلام ایسے صابر بندے تھے کہ صبرِ ایوب علیہ السلام دنیا میں ایک معیار اور نمونہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

فرمایا اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو کہ کیسے صابر تھے کہ طرح طرح کے امراض ومصائب اور مشقت وتنگی میں مبتلا ہوئے تو اس وقت اپنے پروردگار کو پکارا اور التجا کی کہ اے میرے پروردگار تحقیق شیطان نے مجھ کو بڑی ہی مشقت اور تکلیف پہنچائی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے مجھ کو شیطان کے شر اور فتنہ سے بچا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ چنانچہ انہوں نے پاؤں زمین میں مارا تو ان کی شفاء اور تندرستی کا بطور خرقِ عادت اور معجزہ سامان پیدا کرنے کے لیے ایک چشمہ جاری کر دیا گیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ یہ تمہارے واسطے نہانے کا پانی ہے ٹھنڈا اور پینے کے لیے بھی چنانچہ اس پانی میں نہائے اور اس کو پیا جس سے بالکل تندرست ہو گئے اور عطا کیے ہم نے ان کو ان کے گھر والے جو حوادث میں ضائع ہو چکے تھے اور ان ہی کے برابر انہی جیسے اور عطا کیے محض اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے تا کہ مہربانیوں اور رحمتوں کے یہ واقعات نصیحت وعبرت کا سامان ہوں عقل والوں کے لیے اور وہ یہ سمجھیں کہ خدا کے صابر بندے کس طرح کیسے عظیم انعامات سے نوازے جاتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام نے بحالتِ مرض کسی بات پر خفا ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے وہ بی بی اس بیماری کی حالت میں جب کہ سب لوگ ان

سے دُور ہو چکے تھے تنہا ان کی رفیق وخدمت گزار تھی اور بظاہر قصوروار بھی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ طریقہ اور قسم کو سچا کرنے کا حیلہ بتلا دیا جو صرف انہی کے لیے مخصوص تھا تو فرمایا اور اے ایوب علیہ السلام پکڑ لو اپنے ہاتھ میں سینکوں کی ایک گڈی اور پھر اس کو مارو اپنی بیوی پر تا کہ سو لکڑیاں مارنے کی قسم پوری ہو جائے اور تم اپنی قسم میں جھوٹے نہ ہو بے شک ایوب کو ہم نے بہت ہی صابر پایا ان تمام شدائدِ مرض اور مصائب میں جو ان کے حق میں منجانب اللہ اسی طرح مقدر فرمائے گئے جیسے کہ بہت سے انبیاء اور اللہ کے مقربین پر فقر و فاقہ اور دشمنوں کی طرف سے مصائب و آلام کے واقعات پیش آتے ہیں اس طرح کے صبر سے ایوب علیہ السلام نے ثابت کر دیا کہ وہ بہت اچھے بندے ہیں بالخصوص یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ ان تمام مشقتوں میں وہ خدا کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والے تھے۔

## تحقیق ابتلاء ایوب علیہ السلام

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے جس ابتلاء کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل کسی صحیح حدیث کے ذریعہ متعین نہیں بالاجمال الفاظ قرآن کریم سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ کسی مشقت و تکلیف یا بیماری کے ذریعہ آزمائش فرمائی گئی جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام مختلف قسم کی آزمائشوں میں آزمائے جاتے ہیں یہ بھی آزمائے گئے تا کہ دُنیا کے سامنے خدا کے برگزیدہ بندوں کے صبر کا نمونہ ظاہر ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ((اشد النّاس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل)) کہ دنیا میں سب سے زیادہ شدائد و مصائب میں مبتلا ہونے والے خدا کے پیغمبر ہوتے ہیں پھر ان کے بعد وہ جو درجہ بدرجہ ان سے مشابہ قریب ہوں اس بیماری یا تکلیف کے سلسلہ میں جو واقعات مشہور ہیں کہ تمام بدن گل سڑ گیا اور کوئی حصہ بدن ایسا باقی نہ رہا جہاں آبلے اور پھوڑے نہ ہوں ان کو راکھ پر ڈال دیا گیا اور گھر سے دور کسی جگہ ڈال دیا گیا لوگ کہنے لگے اے ایوب علیہ السلام! تم نے کوئی گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں تم اس مصیبت میں مبتلا کئے گئے تمام گھر اور قبیلہ کے لوگ چھوڑ گئے سوائے ان کی بیوی کے وہ خدمت کرتی رہی فقر و فاقہ کی حد نہ رہی حتیٰ کہ علاج اور دوا کے لیے بھی کچھ نہ رہا اسی حالت میں کہ بیوی علاج اور دوا کی فکر میں پریشان پھر رہی تھی تو ایک شیطان بشکل طبیب ظاہر ہوا انہوں نے علاج کی درخواست کی تو شیطان نے کہا کہ میں اس شرط پر علاج کروں گا کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یہ کہہ دینا کہ ایوب علیہ السلام کو تو نے شفا دی اس کے علاوہ میں تجھ سے کوئی نذرانہ وغیرہ نہیں چاہتا انہوں نے ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کی بندی یہ تو شیطان تھا اب میں عہد کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ اللہ نے اگر مجھے شفا دی تو میں تجھ کو بطور سزا سو قمچیاں ماروں گا۔ (درمنثور)

ایوب علیہ السلام کو اس بات پر شدید رنج ہوا کہ شیطان کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا کہ وہ میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہے جو موجب شرک ہوں اگرچہ ایک طرح سے تاویل بھی ممکن ہے اس رنج و غم میں اب اللہ کی طرف خاص تضرع وزاری کے ساتھ متوجہ ہوئے اور فرمایا: ﴿رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ (الانبیاء: ۸۳) "اے اللہ! مجھے تکلیف و مصیبت پہنچی ہوئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے" کمالِ ادب کے ساتھ صرف اپنی حالت کا پروردگار کے سامنے اظہار کر دیا اور یہ کہ آپ ارحم الراحمین ہیں جو بھی شانِ رحیمی کا مقتضی ہو وہ اے پروردگار! میرے واسطے فرما دیجیے فوراً ہی دعا قبول ہوئی اور پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا جس سے پانی جاری ہو گیا اور اس کے ذریعہ غسل سے بدن بھی تندرست ہو گیا اور اس کے پینے سے قلب کو بھی تسکین حاصل ہوئی بطور قدرِ مشترک روایات میں اس طرح کی باتیں

مذکور ہیں ان روایات کے مضامین کو ذکر کرتے ہوئے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں حضرات آئمہ مفسرین اور محققین نے اس طرح کی بیماری کی داستانوں کو قابلِ اعتماد اور درست نہیں سمجھا اور یہ فرمایا کہ اللہ کے کسی پیغمبر کے لیے ایسی کوئی حالت جو لوگوں کے لیے باعثِ تنفر اور تکدر ہو نہیں ہوسکتی اس طرح کی بیماری کہ بدن سے کیڑے گرنے لگے اور لوگ ان کو گھر سے باہر کسی جگہ لے جا کر ڈال دیں انبیاء علیہم السلام کی اس عظمت و وجاہت کے منافی ہے جو اللہ کی طرف سے خاصہ نبوت ہے عوراض جسمانیہ اور امراض کا انبیاء علیہم السلام پر ورود بے شک درست ہے لیکن ایسے امراض جو گندے اور قابلِ نفرت ہوں مثلاً جذام و برص عمٰی (نابینا پن) اور جنون و اپاہج پن سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنو اسرائیل نے ایک ایسی بیماری اور عیب کا الزام لگایا تھا جو لوگوں میں حقیر ہے تو اللہ نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی براءت ظاہر فرمادی جیسے کہ آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ ﴾ (الاحزاب:۶۹) کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ﴿ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴾ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وجاہت انبیاء علیہم السلام کا خاصۂ نبوت ہے۔ لہٰذا ایسی کوئی بیماری اور حالت جو باعثِ عیب یا نفرت ہو انبیاء علیہم السلام کے لیے نہیں ہوسکتی حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے اگرچہ قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں سپید ہوگئی تھیں اور بینائی جاتی رہی تھی تو یہاں اولاً تو یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بقول بعض ائمہ مفسرین اصل بینائی ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ شدتِ غم اور کثرت بکا کی وجہ سے ایک پردہ سا آنکھوں پر چھا گیا تھا پھر یہ کہ یہ نابینا پن پیدائشی نہ تھا۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے بارہ میں بعض مؤرخین کا یہ کہنا کہ وہ نابینا تھے صحیح نہیں ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اغماء اور غشی تو پیغمبروں پر ممکن ہے کیونکہ وہ کوئی مستقل مرض عیب کی قسم سے نہیں البتہ جنون ممکن نہیں کیونکہ جنون عیب ہے الغرض امراض کا عارض ہونا بے شک انبیاء علیہم السلام پر ہوتا ہے لیکن صرف اسی حد تک کہ وہ قابلِ نفرت نہ ہوں اور نہ ہی وہ عیب کے درجہ میں ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی اس قسم کو پورا کرنے کے سلسلہ میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ صورت ارشاد فرمانا: ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ ﴾ ایک نوع کی سہولت کا مہیا فرمادینا ہے کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور اس بیوی کو جو واقعتاً اور حقیقتاً تو کسی جرم کی مرتکب نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ کسی ایسی شرعی حد کی مرتکب بنی ہے جس پر اس طرح کی حد جاری کی جائے محض ایک وہم بعید کا درجہ ہوا اور خاندانِ نبوت کی شان سے قدرے گری ہوئی چیز پیش آ گئی تو اس کے تدارک کے لیے بوحی الٰہی یہ حیلہ اور طریقہ حضرت ایوب علیہ السلام کو بتادیا گیا حقیقت میں جرم تو تھا نہیں بلکہ شبہ بعید تھا تو اس طرح کی حد (سزا) بھی حقیقت سزا نہ رہے صرف مشابہت بعید ہی کے درجہ میں صورت سزا ہوجائے۔

یہ حیلہ ایسا ہی ہوگیا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے کی تدبیر کی تھی کہ ان کے سامان میں پیالہ رکھوا دیا اور پھر اعلان ہوا کہ ہماری ایک چیز گم ہوئی ہے تو اس وجہ سے تم لوگ چور ہوتا کہ وہ سب سے یہی کہیں اے یوسف علیہ السلام نہیں ایسا نہیں اور اس پر یوسف علیہ السلام نے ان سے یہ بات دریافت کرلیں بتاؤ اگر تم جھوٹے ہو تو کیا سزا ہو اور اس کے جواب میں وہ یہ کہہ دیں ﴿ جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ ﴾ (یوسف:۷۵) کہ بس اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ چیز ملے وہ شخص اسی کا بطور غلام و خادم اس کے پاس رہ جائے گا تو اس تدبیر سے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا اور اس خصوصی تدبیر کو اللہ نے خود ارشاد فرمایا ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ (یوسف:۷۶) کہ ہم نے ہی یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کو القاء کی کیونکہ وہ اپنے بھائی کو وہاں کے ملکی قانون کے مطابق نہیں روک سکتے تھے تو اس طرح کا یہ بھی ایک خصوصی

حیلہ تھا جس کی حضرت ایوب علیہ السلام کو اجازت دی گئی فقہاء حنفیہ کے یہاں جو بعض مواقع پر حیلہ کی صورت اختیار کی گئی یا اس کی اجازت دی گئی اس کی نوعیت اس طرح ہے حیلہ اگر اس طرح ہے کہ اس سے حرام شے کو حلال قرار دے لیا جائے یا اس سے شریعت کی غرض فوت ہو یا اس حیلہ سے کسی شخص کا حق ضائع ہوتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس طرح کا حیلہ قطعاً ممنوع ہے اور اس کو کسی بھی فقیہ نے کسی بھی حالت میں درست نہیں سمجھا حیلہ صرف اس صورت میں گوارہ کیا گیا کہ انسان اس کو اختیار کر کے حرام میں مبتلا ہونے سے بچ جائے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج میں یہی فرمایا کہ حیلہ کا جواز اس وجہ سے نہیں ہے کہ انسان اس کو اختیار کر کے حرام میں داخل ہو جائے بلکہ اس کا جواز صرف اس حد تک ہے کہ اس کے ذریعہ حرام میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے اور اس طرح حلال صورت سے متمتع ہو سکے تفصیلات کے لیے فقہاء کے بیان کردہ جزئیات کی مراجعت کی جائے الغرض حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حکم بارگاہِ خداوندی سے ازباب عفو و ترحم تھا کہ ایسی نیک بی بی ایذا رسانی سے بچ جائے اور کسی جھاڑو وغیرہ کی باریک سینک کوڑے کے قائم مقام ہو جائے اور تبدیل صورت سے تبدیل حکم ہو جانا اور باوجود معنوی مغائرت کی صوری مشابہت کو کافی قرار دے لینا یہی حقیقت حیلہ کی ہے جس کو فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں جائز قرار دیا جب کہ نہ تو کسی کا حق فوت ہوتا ہو اور نہ حرام کا ارتکاب لازم ہوتا ہو بلکہ وہ حیلہ اس کو اضطرار و مخمصہ کی مصیبت سے نکال کر حرام میں مبتلا ہونے کے بجائے ایک حلال شکل مہیا کرتا ہے تفصیل کے لیے روح المعانی جلد ۲۳ کی مراجعت فرمائیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے نسب کے بارہ میں محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے ایوب بن اموص بن روم بن عیص بن اسحٰق علیہم السلام۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا کہ ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور ان کے باپ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے تو اس لحاظ سے ان کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ہوا ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد بیان کیا ہے اور بعض نقول سے سلیمان علیہ السلام کے بعد ہے۔ (روح المعانی)

| |
|---|
| وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ |
| اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب ہاتھوں والے اور |
| الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ ج وَ اِنَّهُمْ |
| آنکھوں والے ہم نے امتیاز دیا ان کو ایک چنی بات کا وہ یاد اس گھر کی اور وہ |
| عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ ط وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ |
| سب ہمارے پاس ہیں چنے نیک لوگوں میں اور یاد کر اسمٰعیل کو اور الیسع کو |
| وَ ذَا الْكِفْلِ ط وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ ط هٰذَا ذِكْرٌ ط وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ |
| اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا خوبی والا یہ ایک مذکور ہو چکا اور تحقیق ڈر والوں |

لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ

کو ہے اچھا ٹھکانہ باغ ہیں بسنے کے کھول رکھے ان کے واسطے دروازے تکیہ لگائے بیٹھے

فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَ عِنْدَهُمْ

ان میں منگواتے ہیں ان میں میوے بہت اور شراب اور ان کے پاس

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾

عورتیں ہیں نیچی نگاہ والی ایک عمر کی یہ وہ ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے حساب کے دن پر

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

یہ ہے روزی ہماری دی اس کو نہیں نبڑنا۔

## تذکرۂ اخلاص وفضائل ابراہیم واسحٰق ویعقوب ودیگر انبیاء کرام علیہم السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ... الٰى ... لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾﴾

گذشتہ آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر واستقامت کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں حضرت ابراہیم واسحٰق ویعقوب ودیگر انبیاء علیہم السلام کے اخلاص وانابت الی اللہ ودیگر فضائل کا بیان ہے جس سے یہ غرض ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ان علمی وعملی اور ظاہر وباطنی کمالات کو معلوم کر کے یہ سمجھا جائے کہ ان حضرات کے مراتبِ عالیہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے انعامات ورحمتوں کی نوازش انہی اوصاف وخوبیوں کے باعث تھی اس لیے اگر کسی کو انعامات وفضائل کا شوق ہے تو اس کو چاہیے کہ اللہ کے ان برگزیدہ پیغمبروں کے نقشِ قدم پر چلے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی تکذیب وانکار کرنے والوں کا انجام ہلاکت وبربادی اور ذلت کی صورت میں دنیا کی نظروں کے سامنے آیا اس لیے انبیاء علیہم السلام کا انکار وتکذیب کرنے والوں کو اس انجام سے غافل نہ رہنا چاہیے یہ واقعات عبرت ہیں ہر صاحبِ عقل کو ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیے فرمایا اور یاد کرو ہمارے خاص بندوں ابراہیم واسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے کہ ان میں قوتِ عملیہ بھی کامل تھی اور قوتِ علمیہ بھی اور خاص کر لیا تھا ہم نے ان کو ایک خصوصی صفت کے ساتھ وہ تھی یادِ آخرت کی کہ ہمہ وقت اسی کی فکر اور تیاری میں مصروف رہتے اور اپنی تمام عملی قوتوں اور نظر وفکر کی صلاحیتوں کو اسی کے لیے وقف کیے ہوئے تھے وہ اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالح میں ایسے کامل تھے کہ اپنے نفس پر غالب تھے طاقتور تھے نگاہوں سے عبرت کے واقعات اور دلائل قدرت دیکھتے رہتے بصر وبینائی کے اس کمال کے ساتھ بصیرت سے حق تعالیٰ کی معرفت کی بلندیوں تک پہنچے ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ علم ومعرفت اور عمل کا کمال ہی اللہ کی بارگاہ میں تقرب اور فضیلت کا باعث ہے اور اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے اپنی ان تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو آخرت کی فکر اور تیاری میں مصروف کیا ہوا تھا آخرت کے غم کے سوا اور کوئی فکر وغم ہی نہ تھا۔

غم دیں خور کہ غم غم دین است ہم غمہا فردتر ازین است

اور بیشک یہ سب ہمارے نزدیک چُنے ہوئے برگزیدہ اور نیک لوگوں میں ہیں جمہور قُراء کے نزدیک ﴿اَلْاَیْدِیْ﴾ یا کے ساتھ ہے جو ید کی جمع ہے اور ید کے معنی ہاتھ کے ہیں تو اس لحاظ سے اولوالایدی سے عملی قوت والا ہونا مراد ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں یہی فرمایا کرتے القوۃ فی العبادۃ اور الابصار سے مراد الفقہ فی الدین لیتے ہیں بعض علماء نے ید کو بمعنی نعمت لیا ہے کہ یہ حضرات بڑے انعامات اور نعمتوں والے تھے۔

بعض قراء نے بغیر یا صرف اولی الاَیْدِ پڑھا ہے تو لفظ اید بمعنی طاقت ہے تو مراد عبادت میں ان کی ہمت اور جفاکشی اور قوت کا بیان ہے اور یاد کرو اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یہ سب بھی بہت ہی اچھے لوگوں میں ہیں اللہ کے یہاں ان کے درجات بھی ایسے ہی ہیں جیسے کہ دیگر بیان کردہ برگزیدہ پیغمبروں کے اور ان کو بھی اللہ نے ایک خاص خوبی کے ساتھ چھانٹ لیا تھا اور وہ فکرِ آخرت تھی کہ اسی میں ان لوگوں نے بھی اپنی عملی اور علمی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو صرف کر رکھا تھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ کرنے کے بجائے مستقلاً کیا گیا ان کی خصوصی عظمت شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذوالکفل کا تذکرہ سورۂ انبیاء میں گذر چکا ''الیسع'' صاحبِ قاموس کہتے ہیں یہ لفظ عجمی ہے اس پر اَل کا استعمال اس لفظ کی خصوصیت کا درجہ رکھتا ہے اس کے دیگر نظائر اور اعلام عجمیہ پر الف لام کا استعمال صحیح نہ ہوگا بعض ائمہ لغت نے اسکندر کو الف لام کے استعمال کی خصوصیت میں شامل کیا ہے شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں اس کے لفظ عربی ہونے کو اختیار کیا ہے اور بیان کیا کہ یَسَعُ مضارع سے منقول ہے ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے بنو اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنایا تھا بعد میں نبوت سے سرفراز فرمائے گئے یہ سب فضائل و کمالات یادگار ہیں ان سب حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور شرف و فضل ہیں اور آنے والی نسلوں میں ان کا بہترین ذکر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ اور بے شک تمام تقویٰ والوں کے لیے بہترین ٹھکانہ ہے اور باغات ہیں ہمیشہ کے لیے بسنے کے جن کے دروازے ان کے واسطے کھول دیئے گئے ہیں کہ اعزاز و اکرام کا یہ مقام ہوگا کہ جب بھی وہ اپنے باغات و محلات میں آئیں گے ان کے استقبال کے لیے فرشتے دروازوں کو کھولے منتظر ہوں گے۔ اس اعزاز و اکرام کے ساتھ یہ مقام سکون و اطمینان ہوگا کہ تکیہ لگائے ہوں گے ان میں اعتماد و بھروسہ بھی ہوگا اللہ کی تمام رحمتوں اور عنایات پر اور وقار و سکون ہو گا جسمانی لحاظ سے منگائیں گے ان محلات و باغات میں بہت سے اقسام کے پھل اور میوے اور متعدد اقسام کے مشروبات ان تمام نعمتوں کے علاوہ عیش و لذت کا یہ بھی سامان ہوگا اور ان کے پاس عورتیں ہوں گی جو نگاہوں کو نیچا رکھنے والی ہوں گی برابر ہوں گی عمر اور حسن و جمال میں جن کے حسن و جمال اور عفت و وقار سے اہل جنت کے انعامات و راحت میں مزید اضافہ ہوگا بے شک یہ ہیں وہ نعمتیں اور کرامتیں ہمارا عطا کردہ رزق جس کے واسطے نہیں ہے کوئی خاتمہ اور فنا و زوال اور اہل جنت ہمیشہ ان غیر منقطع اور لازوال نعمتوں سے متمتع ہوتے رہیں گے نہ ان راحتوں سے نکلنے اور نہ ان کے منقطع ہونے کا غم ہوگا اور نہ ہی اپنی موت کا اندیشہ ہوگا اس لیے کہ زوال و فنا تو دنیائے فانی کے خواص میں سے ہے دارالخلد تو بقاو دوام کی جگہ ہے:

رزقنا اللہ تعالیٰ منہا بفضلہ و حسن عنایتہ فانہ اکرم الاکرمین وارحم الراحمین۔ اٰمین

هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۙ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ

یہ سُن چکے! اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے بُرا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں پیٹھیں گے سو کیا بُری

الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۙ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ

تیاری ہے یہ ہے اب اس کو چکھیں گرم پانی اور پیپ اور کچھ اور اسی شکل کا طرح طرح کی

اَزْوَاجٌ ؕ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا

چیزیں یہ ایک فوج دھنستی آتی ہے تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو ان کو یہ ہیں پیٹھے

النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۛ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ

آگ میں وہ بولے بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تم کو تم ہی پیش لائے ہمارے یہ بلا

فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

سو کیا بُرا ٹھہراؤ ہے وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی ہمارے پیش لایا یہ سو بڑھتی دے اس کو مار

ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

دونی آگ میں اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے کِتے مردوں کو کہ ہم ان کو گنتے تھے

مِّنَ الْاَشْرَارِ ؕ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

بُرے لوگوں میں کیا ہم نے انکو ٹھٹھے میں پکڑا یا چوک گئیں ان سے آنکھیں

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ ع ۴ ۲۴ ۱۳

یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا آپس میں دوزخیوں کا۔

## بعد از ذکر احوال سُعداء تذکرۂ مجرمین واشقیاء

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ ... الیٰ ... اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾﴾

قرآن کریم کا یہ طرز بیان ہے کہ اخیار و برگزیدہ بندوں کے ذکر کے بعد اشقیاء و بدبختوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور مطیعین پر انعامات کے بیان کے بعد مجرمین کی سزاؤں کو ذکر فرمایا جاتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی انبیاء سابقین علیہم السلام کے اوصاف و فضائل کے بعد

نافرمانوں اور سرکشوں کی سزاؤں اور ان کی بدحالی کو بیان کیا جارہا ہے۔

فرمایا یہ سُن چکے جو انعامات وفضائل تھے اہل ایمان وتقویٰ اور مطیعین کے اور سرکشوں ونافرمانوں کے لیے تو بدترین ٹھکانہ ہوگا جو جہنم ہے جس میں یہ گھسیں گے سو کیا ہی وہ بُری جگہ آرام کی ہوگی یہ ہے عذاب مجرمین کے لیے اب چاہیے کہ یہ مجرمین اس عذاب کو چکھیں جو کھولتا ہوا گرم پانی ہے اور پیپ اور اسی قسم کی اور بھی طرح طرح کی چیزیں اس طرح کے شدید اور دردناک عذاب میں ان مجرمین اور سرکشوں کو جو نافرمانوں کے پیشوا تھے مبتلا کرتے ہوئے کہا جائے گا یہ ایک اور جماعت ہے لو دیکھ لو جو گھسی اور دھنستی چلی آرہی ہے تمہارے ساتھ جہنم میں جن کو دیکھتے ہوئے تم کہو گے نہ ہو جگہ تمہارے واسطے کشادہ اور آرام کی یہ تو جہنم میں گھسنے والے لوگ ہیں اس لیے ان کے آنے کی کیا خوشی ہوسکتی ہے اور کیا ہی ان سے کسی چیز اور نفع کی توقع کی جاسکتی ہے اس پر وہ لوگ جنہوں نے اپنے بڑوں کی پیروی کی تھی اپنے متبوعین کو غصّہ اور نفرت سے کہیں گے تمہارے ہی واسطے نہ ہو کوئی جگہ کشادہ اور ٹھکانہ آرام کا تم ہی نے تو ہم کو یہاں لا اُتارا ہے سو یہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے پھر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے پرودگار! جس کسی نے ہمیں یہاں لا اتارا ہے اصل مجرم تو وہی ہے بس اس کا عذاب تو جہنم میں دوگنا کردے اور اسی حالت میں ازراہ تعجب وحیرت کہیں گے کیا ہو گیا کہ ہم یہاں نہیں دیکھ رہے ہیں ان لوگوں کو جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے ان کے مذہب ودین اور ان کے اعمال واحوال کو ہم بُری نظر سے دیکھتے تھے اور ہم نے ان ایمان والوں کو مذاق بنایا ہوا تھا جن کو دیکھ کر ہم ان پر ہنسا کرتے اور ان کو ذلیل کرتے تھے واقعتاً وہ لوگ اس جگہ نہیں ہیں یا ہماری نگاہیں ان سے چوک گئی ہیں بے شک یہ بات برحق ہے یعنی جہنمیوں کا اس طرح آپس میں جھگڑنا کہ ایک دوسرے پر لعنت وملامت کریں گے اور سوائے حسرت وملامت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور ملامت سے عذابِ جہنم میں تخفیف کے بجائے قلبی کوفت اور ذہنی پریشانی میں اور اضافہ ہوگا جسمانی تکلیف کی تو پہلے ہی کوئی حد نہ ہوگی اس ذہنی کوفت سے ان کی اذیتوں کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔

یہ گفتگو جس کا ذکر ان آیات میں فرمایا گیا جہنمیوں کی آپس میں ہوگی جس وقت فرشتے ان کو فوج درفوج لا لا کر جہنم کے کنارے پر جمع کرتے ہوں گے پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا ان کے بعد ان کے متبعین اور چھوٹوں کو لایا جائے گا تو سرداروں کی جماعت اس دوسری جماعت کو دور سے آتے دیکھ کر کہے گی لو دیکھ لو یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھپتی چلی آرہی ہے تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لیے خدا کی مار ہو ان پر یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے خدا کرے ان کو کہیں کشادہ اور آرام کی جگہ نہ ملے ان سرداروں کی گفتگو سن کر یہ چھوٹے کہیں گے کم بختو! تم ہی پر خدا کی مار ہو تم کو ہی کوئی جگہ آرام کی نہ ملے تم ہی تو تھے کہ تم نے ہم کو گمراہ کیا اور آج تمہاری ہی بدولت ہم اس مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں اب تو بس یہی ایک ٹھکانہ ہے اور کوئی جگہ ہے کہاں کہ جس میں جائیں اس لعن وطعن کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو کر دُعا کریں گے کہ اے پروردگار ان لوگوں کو دوگنا عذاب دے جنہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا اسی حالت میں ان کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ دنیا کی زندگی میں جن لوگوں کو حقیر اور کمتر سمجھتے تھے اور اپنے مال ودولت کے زعم میں اہلِ ایمان اور غرباء اور فقراء کو حقیر سمجھتے تھے آج وہ یہاں اس ذلت وحقارت کے مقام میں نہیں ہیں تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور اپنے دنیوی اس اعتقاد کا اس درجہ اثر دماغوں پر مسلط ہوگا کہ یہ سوچنے لگیں گے کہ شاید وہ ہمیں نظر نہیں آرہے ہیں ورنہ تو وہ ضرور یہاں ہونے چاہئیں تو اس طرح مزید ملال اور حسرت کی اذیت میں مبتلا ہوں گے جسمانی اذیتوں کے ساتھ آپس کی تُوتُو میں میں، لعن طعن جھگڑا کرب اور بے چینی میں اضافہ کر ہی رہا

تھا مزید برآں اس حسرت میں مبتلا ہو کر اور بھی تلملائیں گے۔ بس یہی ان اہل نار کا حال ہوگا جو ان کے اعمال و اطوار کا نتیجہ ہے حمیم گرم اور کھولتے ہوئے پانی کو کہا جاتا ہے غَسَّاق اکثر مفسرین فرماتے ہیں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ اور آلائش ہے جو سانپ اور بچھوؤں کے زہر کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی اور بعض کا خیال ہے کہ غساق نہایت ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جو حمیم کی ضد ہے جس کے پینے سے انتہائی اذیت اور تکلیف ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

جامع ترمذی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اس غساق کا جو جہنمیوں کو پلایا جائے گا۔ ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو اس کی بدبو اور گندگی سے تمام دُنیا والے بدبودار ہو جائیں گویا بدبُو ان میں ایسی سرایت کر جائے کہ وہ بذات خود بدبُودار ہو جائیں کعب احبارؒ بیان کرتے ہیں غسّاق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس کی طرف ہر زہریلے سانپ اور بچھو کا زہر بہہ کر آتا ہے جس میں جہنمیوں کو غوطہ دیا جائے گا اور اس کی وجہ سے ان کے جسم گل سڑ جائیں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾

تو کہہ، میں تو یہی ہوں ڈر سنانے والا اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ والا

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ

رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے زبردست گناہ بخشنے والا

نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ

تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لائے مجھ کو کچھ خبر نہ تھی

بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ

اُوپر کی مجلس کی جب آپس میں تکرار کرتے ہیں مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ اور نہیں میں ڈر سنانے والا ہوں

مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾

کھول کر جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ

پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدے میں پھر سجدہ کیا

الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ

فرشتوں نے سارے اکٹھے مگر ابلیس نے غرور کیا اور تھا وہ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ

منکروں میں فرمایا اے ابلیس! تجھ کو کیا اٹکاؤ ہوا کہ سجدہ کرے اس چیز کو جو میں نے بنائی اپنے دونوں ہاتھوں سے

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ

یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجے میں؟ بولا میں بہتر ہوں اس سے مجھ کو بنایا تو نے

مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾

آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا

وَّ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اس جزاء کے دن تک بولا تو اے رب مجھ کو ڈھیل دے جس

يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

دن تک مردے جییں فرمایا تجھ کو ڈھیل ہے اسی وقت کے دن تک جو

الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ

معلوم ہے بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ۫ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَـَٔنَّ

ان میں چنے فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں مجھ کو بھرنا

جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ

دوزخ تجھ سے اور جو اُن میں تیری راہ چلے ان سے سارے تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

اس پر کچھ نیگ اور میں نہیں آپ کو بنانے والا یہ تو ایک سمجھوتی ہے

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع ۵ ۲۴ ۱۴

سارے جہان والوں کو اور معلوم کر لو گے اس کا حال تھوڑی دیر کے پیچھے۔

## اعلانِ توحید ورسالت وتخویف از آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ... الٰی ... وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾﴾

ابتداء سورت قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات توحید و رسالت سے تھی اس سلسلہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے اوصاف ایمان وتقویٰ اور انابت الی اللہ اور ان اوصاف پر مرتب ہونے والے ثمرات وانعامات کے بیان کے بعد پھر اصل مقصد کی طرف رجوع فرماتے ہوئے توحید و رسالت کو ثابت کیا جا رہا ہے اور قیامت واحوال قیامت کا ذکر کیا جا رہا ہے اور بطور اتمام حجت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان کر دیجیے کہ میں تو اللہ واحد قہار کی طرف سے منکرین ومجرمین کو ڈرانے والا ہوں اور میں جو کچھ کہتا ہوں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اللہ کا رسول یہی کر سکتا ہے خدا کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہے کہ زبردستی کسی پر ہدایت مسلط کر دیں جب کہ خود وہ قبولِ ہدایت سے انکار کرتا ہو تو ارشاد فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے اے منکرین توحید و رسالت تمہارے اس انکار وتکذیب کا مجھے ذرّہ برابر کوئی نقصان نہیں اس کا اصل نقصان تو تم ہی کو پہنچے گا میں تو عذابِ خداوندی سے تم کو ڈرانے والا ہوں جیسے اللہ کے دوسرے پیغمبر بھی اس کے عذاب سے لوگوں کو ڈراتے رہے اور یہ سن لو نہیں ہے کوئی معبود عبادت کے لائق بجز اللہ واحد (یکتا) کے جو بڑا ہی غالب ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں جو زبردست اور گناہوں کو بڑا ہی بخشنے والا ہے آپ کہہ دیجیے یہ اعلانِ توحید اور اس کی طرف مخلوقِ خدا کو دعوت دینا جس کے واسطے اللہ نے مجھ کو رسول بنایا بڑی ہی عظیم الشان خبر اور بلند پایہ مضمون ہے چاہیے تو یہ تھا کہ اس کی طرف توجہ کرتے اور اس کو قبول کرتے مگر افسوس تم تو اس سے بے رخی کر رہے ہو نہ تم رسالت پر ایمان لائے اور نہ قرآن کو مانا حالانکہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مجھے تو کوئی علم نہ تھا ملأ اعلیٰ (عالم بالا کا) جبکہ وہ اللہ کے فرشتے آپس میں تکرار وخصومت کر رہے تھے تخلیقِ آدم اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کے بارے میں اور اس بارہ میں کہ کس بنا پر آدم علیہ السلام کو خلافتِ الٰہیہ فی الارض کے منصب سے نوازا جا رہا ہے یہ سب کچھ میں نے نہ کسی کتاب میں پڑھا اور نہ کسی معلم سے سیکھا یہ تو صرف اللہ کی طرف سے وحی ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے میں تو صرف اللہ کی طرف سے تم کو آخرت اور عذابِ آخرت سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں وہ اختصام وگفتگو ملأ اعلیٰ کی یہ تھی کہ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں بنانے والا ہوں ایک انسان کو گارے سے سو جب میں اس کے پتلے یعنی اعضا جسمانیہ کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ چنانچہ جب اللہ نے اس کو بنا لیا اور اس میں روح پھونک دی تو سب کے سب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا وہ غرہ میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا حق تعالیٰ نے ابلیس کو اس غرور وانکار پر فرمایا اے ابلیس تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے

اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں * اور قدرت خاصہ سے بنایا کیا تو غرور میں آ گیا یا بتا کہ کیا تو بڑے درجے والوں میں سے تھا حالانکہ یہ باطل ہے کیونکہ جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو وہ سر بسجود ہو گئے اور یقیناً تجھ سے افضل اور بڑھ کر ہیں تو یہ مجال تیری کیونکر ہوئی کہ میرے حکم کی تعمیل سے تو نے روگردانی کی کہا میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم) کو خاک سے پیدا کیا ہے اور جب کہ میں اس سے بہتر ہوں تو مجھے سجدہ کا حکم دینا حکمت کے خلاف ہے ارشاد ہوا تو اچھا تو پھر آسمان سے نکل کیونکہ بے شک تو اس حرکت سے کہ حکم خداوندی کا مقابلہ کیا اور اس پر طعن و اعتراض کیا کہ یہ حکم خلافِ عقل و حکمت ہے مردود ہوا اور بے شک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک اور ظاہر ہے کہ جس پر قیامت کے روز تک لعنت رہی تو بعد میں میں تو اس پر رحمت کوئی امکان نہیں ہو سکتا کیونکہ لعنت اور غضب خداوندی کسی سے اگر منقطع ہو سکتا ہے تو وہ دار العمل میں رہتے ہوئے تائب ہو جانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور جب قیامت قائم ہو گئی تو توبہ کا دروازہ بند ہو چکا بولا اگر مجھ کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے ملعون و مردود کیا گیا تو پھر مجھ کو مہلت دے دیجیے قیامت کے دن تک تا کہ میں ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں اِدھر قدرتِ خداوندی کو دارِ دُنیا میں ہدایت و گمراہی کا مقابلہ رکھنا تھا تا کہ ابتلاء و آزمائش ہو سکے اس وجہ سے ارشاد ہوا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو جا تجھ کو مہلت دیدی گئی ایک وقت معلوم و معین تک کہنے لگا جب مجھے مہلت مل گئی تو قسم ہے تیری عزت کی کہ میں البتہ ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں فرمایا تو ٹھیک بات ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان سے جو تیرا ساتھ دیں گے یقیناً ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا ان تمام حقائق کو سن کر چاہیے کہ لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان لائیں اور ان کی صداقت و حقانیت پر یقین کریں اگر اس کے باوجود بھی کوئی بد باطن کسی قسم کا شک و تردد کرے یا کوئی معاند آپ ﷺ کے حق میں کسی طمع و لالچ کا تصور کرے تو آپ ﷺ اتمام حجت اور بطور قطع عذر کہہ دیجیے میں تم سے اس قرآن اور اللہ کے احکام کی تبلیغ پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں تصنع و بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور ایک عظیم پیغامِ نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے اسی مقصد کے لیے اللہ نے مجھ کو نبی بنایا اور اس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے اور اگر اس حق اور حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی تم لوگ ایمان نہیں لاتے تو

---

* لفظ ﴿مِنْ رُّوْحِیْ﴾ میں نسبت حق تعالیٰ نے اپنی طرف اس لیے فرمائی کہ روح آب و خاک سے نہیں بلکہ عالم غیب سے آئی یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں گذر چکا وہاں اضافت کی حکمت پر کلام کیا گیا ہے تفصیل کے لیے استاد محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون ''الروح فی القرآن'' کی طرف رجوع فرمایا جائے۔

یہ قصہ سورۂ اعراف و دیگر متعدد سورتوں میں گذر چکا ہے ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ﴾ یعنی جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ان الفاظ کے ترجمہ میں توضیحی کلمات اور قدرت خاصہ ان متکلمین کے مسلک کے پیش نظر اضافہ کیے جو اس طرح کی صفات اور شؤن خداوندی کی تاویل قدرت امر اور مشیت جیسے الفاظ سے کر لیتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے۔

اور روح کو غیب (باطن) کے ہاتھ سے اللہ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی اسی وجہ سے بیدی تثنیہ کا لفظ استعمال فرمایا حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک اللہ کی نعوت و صفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ و احوط ہے یا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مخلوقات کو کسی دوسری مخلوق سے پیدا کرتا ہے مثلاً بارش کو بادلوں سے اور دھوئیں کو آگ سے اور بعض کو بغیر کسی دوسری مخلوق کے پیدا کرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اسی دوسری مخلوق میں سے ہیں کہ ان کو کسی کے توسط اور دخل سے نہیں پیدا کیا گیا۔

البتہ اس کے کچھ بعد تم کو اس کا حال خوب معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کا دین حق ہے اسی دین کی پیروی کرنے والوں کو فتح و کامرانی نصیب ہو گی اور اگر ان تاریخی حقائق سے بھی کسی کو حقیقت نہ کھلی تو موت بھی کچھ دور نہیں اور نہ ہی قیامت کچھ بعید ہے اور ہر شخص کی موت تو خود ایک قیامت ہی ہے تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کہا تھا وہ حق تھا اور ان پر ایمان نہ لانا منکرین کی ہلاکت و تباہی کا باعث بنا مگر ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد یا قیامت برپا ہونے پر اگر کسی نے حق پہچانا تو اس وقت کی معرفت یا ایمان سے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿بَعْدَ حِيْنٍ﴾ کی تفسیر میں موت کو بیان کیا ہے اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے اس سے قیامت مراد ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا: یا ابن آدم عند الموت یاتیك الخبر الیقین کہ ابن آدم موت کے وقت تجھ کو یقین حاصل ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر ۴)

اور سُدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ بدر کا دن ہے کہ بدر کی فتح پر منکرین کو یقین کرنا پڑے گا کہ جو کچھ غلبہ حق کی خبر خدا کے پیغمبر نے دی تھی وہ برحق ہے ﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ﴾ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ الفاظ ''جبکہ اللہ کے فرشتے آپس میں تکرار و خصومت کر رہے تھے تخلیقِ آدم علیہ السلام اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کرنے کے بارے میں'' سے ان ائمہ مفسرین کے قول کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے یہ بیان کیا کہ اس ''اختصام'' سے حضرت آدم علیہ السلام کا یہ قصہ مراد ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور ابلیس نے انکار کیا اور بعض علماء مفسرین نے بیان کیا کہ خلافتِ آدم علیہ السلام کے متعلق مخاصمت نہیں ہے بلکہ اعمال بنی آدم یعنی کفارات میں ملائکہ کی خصومت مراد ہے جس کی تفصیل حدیث اختصام الملأ الاعلیٰ میں مذکور ہے جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں تخریج کیا ہے عبدالرحمٰن بن عائش باسناد مالک بن یخامر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت نبی کریم ﷺ دیر تک تشریف نہ لائے حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا اس وقت آپ ﷺ بڑی عجلت کے ساتھ تشریف لائے نماز کی اقامت ہوئی اور آپ ﷺ نے نماز مختصر پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم اپنی اپنی جگہ اس طرح بیٹھے رہو پھر فرمایا ہماری طرف رُخ کرتے ہوئے آج رات جب میں تہجد کے لیے بیدار ہوا اور جس قدر مقدر تھا نماز پڑھی تو دورانِ نماز مجھ پر اُونگھ (غلبہ نوم) طاری ہوئی تو میں نے اپنے پروردگار کا بڑی ہی بہترین صورت میں دیدار کیا اس وقت جبکہ مجھے اللہ کی تجلی نصیب ہوئی تو مجھ سے رب العزت نے سوال کیا اے محمد (ﷺ) جانتے بھی ہو ملأ اعلیٰ کس بات میں خصومت کر رہے ہیں میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے نہیں معلوم آپ ہی خوب جانتے ہیں تو حق تعالیٰ نے اپنا دست بے مثال میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک اور سکون مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہونے لگی جس سے میرے واسطے ہر چیز ظاہر ہو گئی (جو حق تعالیٰ مجھ سے سوال فرما رہے تھے) اور یہ ایسا ہی تھا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم اشیاء فرما کر فرشتوں سے دریافت کیا گیا تو جواب ملا ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ لیکن جب ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ کی صورت ہوئی تو پھر فرمایا گیا ﴿يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ﴾ اسی طرح ان علوم و مضامین کا القاء اس طرح اس تاثیر غیبی اور باطنی سے فرما دیا گیا تو پھر آپ ﷺ نے سب باتوں کا جواب دیا اور کہا جی ہاں! اے پروردگار! کفارات میں یعنی ان اعمال میں فرشتوں کی خصومت ہو رہی ہے کہ ان کا اجر و ثواب کیا ہے یا یہ کہ ان اعمال کو فرشتوں کی کون سی جماعت پہلے بارگاہِ ربّ العزت میں لے کر پہنچتی ہے اور وہ کفارات یہ ہیں باوجود مشقتوں کے وضو مکمل آداب کی رعایت کے ساتھ کرنا زیادہ سے زیادہ قدم چلنا مسجدوں کی جانب اور نماز کا انتظار کرنا نماز کے بعد پھر ارشاد ہوا پھر کن اعمال میں خصومت ہے جواب دیا درجات میں سوال ہوا درجات کیا ہیں

بتایا اطعام طعام افشاء سلام اور تہجد کی نماز ان اوقات میں جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں ارشاد ہوا سوال کرو فرماتے ہیں میں نے مانگا اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں خیر کے کاموں کا اور بُرائیوں کے چھوڑنے کا اور مساکین کی محبت کا اور یہ کہ میری مغفرت فرما اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے اس سے پہلے اُٹھا لے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری محبت کا اور اس شخص کی محبت کا جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور اس عمل کی محبت جو تیری محبت کے قریب کردے آپ ﷺ نے یہ کلمات ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: یہ کلمات حق ہیں ان کو یاد کرلو اور سیکھ لو اور ایک روایت میں ہے کہ دوسروں کو بھی سکھاؤ یہ مضمون امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ذکر فرمایا۔ اس حدیث کی سند میں اگرچہ بعض محدثین نے کچھ کلام کیا ہے مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تحسین فرمائی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث اختصام کو نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا اس آیات میں جس اختصام کا ذکر ہے وہ یہ اختصام نہیں کیونکہ خود قرآن کریم نے اس اختصام کی تفسیر ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ سے فرمادی کہ یہ اختصام خلافتِ آدم علیہ السلام اور ان کو امر بالسجود کے بارہ میں ہے۔

حضرت استاد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس موقعہ پر اپنے فوائد قرآن میں فرماتے ہیں ملأ اعلیٰ (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفاتِ کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں یعنی ملأ اعلیٰ میں نظامِ عالم کے فنا و بقا کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل وقال ہوتی ہے مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا اللہ تعالیٰ نے ان میں جن اجزاء پر مطلع کردیا وہ بیان کردیئے میں جو کچھ کہتا ہوں اس کی وحی اور اعلام سے کہتا ہوں مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوف ناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔

رہا یہ کہ یہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لیے اس کی ضرورت ہے اور نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی ہے ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا مجھے علم نہیں پھر سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حوالہ کیا ان کی طرف سے بھی یہی جواب ملا آخر میں سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے یہی کہا کہ عین قیامت کا تو مجھے بھی علم نہیں اور یہ لفظ فرمائے:

ما المسئول عَنْهَا باعلم من السائل۔

معلوم ہوتا ہے کہ ملأ اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی بحث وتکرار رہتی ہے تو اس کے بارہ میں آپ ﷺ نے صاف فرمادیا ﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ کہ مجھے تو ملأ اعلیٰ کا کوئی علم نہیں جبکہ وہ اس معاملہ میں خصومت کرتے ہیں۔

بہرکیف وحی خداوندی سے آپ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا کہ غیب کا علم صرف اللہ کی شان ہے اللہ کا پیغمبر صرف وہی بتاتا ہے جو اس کو وحی سے بتادیا جائے اس کو نہ ملائکہ کی ملأ اعلیٰ میں خصومتوں کا علم ہے اور نہ قیامت کے واقع ہونے کا علم ہے کہ کب واقع ہوگی۔

اَللّٰهُمَّ ارزقنا حلاوة الايمان وبشاشته تو فنا مسلمين والحقانا بالصّالحين ○

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

الحمد اللہ آج مورخہ ۲۲ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ سورۂ صٓ کی تفسیر سے فارغت ہوئی اے خداوند عالم قبول فرما اور اس کی تکمیل فرما۔

آمین یاربّ العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۂ زمر

سورۃ الزمر مکی سورت ہے جس کی پچہتر اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق بہتّر آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔

آئمہ مفسرین کا اس سورت کے مکی ہونے پر اتفاق ہے اس سورت کا دوسرا نام بعض مفسرین نے سورۃ الغرف بھی بیان کیا ہے بیہقی نے دلائل میں بروایت نحاس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی بجز ان تین آیات کے جو وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشی رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات اہتمام کے ساتھ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (فتح البیان فتح القدیر تفسیر ابن کثیر)

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۂ زمر کی تلاوت نہ کرلیں گذشتہ سورۂ صٓ کے زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات منکرین کے لغو اور بے ہودہ اعتراضات کا رد اور ان کے احمقانہ تمسخر کا جواب تھا اب اس سورت میں اکثر مضامین توحید سے متعلق ہیں توحیدِ خداوندی ثابت کر کے مصدقین کی مدح اور ان کی جزا اور ان پر انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہے اور مکذبین و منکرین پر وعید و تنبیہ ہے اور ابطال شرک کے لیے عقلی اور فطری دلائل ذکر فرمائے گئے سابقہ سورت کا خاتمہ ﴿وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝۸۸﴾ وحی الٰہی کی حقانیت و صداقت پر تھا تو اس سورت کی ابتدا اسی مناسبت و ربط کے ساتھ قرآن کریم کی حقانیت سے کی گئی کہ یہ کتابِ الٰہی اللہ عزیز و حکیم کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے جو حق و صداقت کے ساتھ اُتاری گئی جس کا پیغام توحیدِ خداوندی ہے اس طرح ہر دو سورتوں کے مضمون میں ربط کے ساتھ سورت سابقہ کا خاتمہ اس سورت کی ابتداء سے ہی مربوط ہو گیا۔



آیاتہا ۷۵ ۳۹ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ رکوعاتہا ۸

سورۂ زمر مکی ہے اس میں پچہتّر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

اتارا ہے کتاب کا اللہ سے جو زبردست ہے حکمتوں والا ہم نے اتاری ہے تیری طرف کتاب

بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② ؕ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ

ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی نری کر کر اس کے واسطے بندگی سنتا ہے اللہ ہی کو ہے بندگی نری

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى

اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے حمایتی کہ ہم ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں

اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ

اللہ کی طرف پاس کے درجے بیشک اللہ چکا دے گا ان میں جس چیز میں جھگڑ رہے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ

البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا اگر اللہ چاہتا کہ

وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ

اولاد کرے تو چُن لیتا اپنی خلق میں جو چاہتا وہ پاک ہے وہی ہے اللہ اکیلا

الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ

دباؤ والا بنائے آسمان اور زمین ٹھیک۔ لپیٹتا ہے رات کو دن پر

وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ

اور لپیٹا ہے دن کو رات پر اور کام لگائے سورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے

لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

ایک ٹھہری مدت پر سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا بنایا تم کو ایک جی

وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ

سے پھر بنایا اس سے اس کا جوڑا اور اتارے تمہارے واسطے چوپایوں سے آٹھ

| |
|---|
| اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ |
| نر و مادہ بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں طرح پر طرح بنانا |
| فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ |
| تین اندھیروں کے بیچ وہ اللہ ہے رب تمہارا اسی کا راج ہے کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے |
| فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥ |
| پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو؟ |

## اثباتِ حقانیت کتابِ الٰہی وتوحیدِ خداوندی وابطالِ شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① ... الٰی ... فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥﴾

**ربط:** گذشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین اثباتِ رسالت کے متعلق تھے اور مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت پر جو اعتراضات کرتے تھے ان کا جواب وردتھا اور ان کے بیہودہ تمسخر پر تحمیق و تجہیل تھی۔ اب اس سورت میں توحید خداوندی کا بیان ہے اور ابطال شرک اور یہ کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے اس میں کسی کو شریک کرنا خواہ کسی بھی عقیدہ اور تخیل سے ہو عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور شرک کے مرتکب کا انجام تباہی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ان مضامین کے لیے بطور تمہید حقانیت قرآن کا ذکر فرما کر یہ سلسلہ مضامین شروع کیا جارہا ہے۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①﴾

فرمایا یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے اس لیے کسی کو جرات نہ ہونی چاہیے کہ اس کا انکار کرے اگر انکار و تردّد کیا تو ظاہر ہے اس غلبہ اور طاقت والے پروردگار کی گرفت اور سزا سے نہیں بچ سکے گا اور چونکہ وہ حکمت والا ہے اس وجہ سے کسی کو قدرت نہیں کہ اس کے کسی پیغام و حکم کو خلاف مصلحت کہے بے شک ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو آپ ﷺ کی طرف حق کے ساتھ ٹھیک طور سے لہٰذا آپ ﷺ اللہ کی عبادت کرتے رہیے جیسا کہ اب تک آپ ﷺ اس کی عبادت میں مصروف ہیں خالص اللہ ہی کی معبودیت والوہیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے یاد رکھو اللہ ہی کے لیے عبادت و بندگی مخصوص ہے جو ہر قسم کی شرک کی گندگی سے پاک ہو اور اللہ کی توحید و خالقیت اور عبادت صرف اسی کا حق ہے یہ عین فطرت اور عقل کے مطابق ہے فطرتِ انسانی اور عقل اس کو ہرگز گوارہ نہیں کرتی کہ اس معبود حقیقی کی عبادت میں کسی کو شریک بنایا جائے اس لیے ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ اس کو قبول کرے اور اس کے مطابق عمل کرے اور جن لوگوں نے اللہ کی عبادت خاصہ چھوڑ کر خدا کے سوا اور معبود تجویز کر رکھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں عبادت کرتے

ہیں ان معبودوں کی مگر صرف اس لیے کہ یہ معبود ہم کو اللہ کے قریب کر دیں گے اور اس کا مقرب ہم کو بنا دیں گے سو ان کا یہ گمان اور عقیدہ لغو اور باطل ہے بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا ان کے اور اہل ایمان کے درمیان قیامت کے روز ان کے اس اختلافی معاملہ میں کہ اہل ایمان و توحید کو جنت میں داخل فرما دیا جائے گا اور اہلِ شرک ذلت و خواری کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور اس طرح عملاً اس اختلاف کا فیصلہ ہو جائے گا آپ ﷺ ایسے بدنصیبوں کی گمراہی اور ہلاکت پر غم نہ کیجیے اور نہ تعجب کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود کیوں راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہرگز ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور نافرمان ہو اور جو اپنی زبان سے اقوال کاذبہ اور کفریہ بولتا ہو دل کفر کے اعتقاد سے لبریز ہو اور عمل سے نافرمانی اور کفر پر تلا ہوا ہو ظاہر ہے کہ یہ جملہ احوال ایسے شخص کی بدنصیبی اور محرومی کا باعث ہیں۔

مشرکین کا ایک شرک یہ بھی تھا کہ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا تو ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر بالفرض اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا اس بات کا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چُن لیتا اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہر چیز کائنات میں اس کی مخلوق ہے اور بیٹا ہونے کے لیے اگر کسی کو منتخب کرتا تو وہ بھی اس کی مخلوق ہوتا جو یقیناً اللہ کی جنس سے نہ ہوتا اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ مخلوق اس کی اولاد ہو جائے اور اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ بہت بڑا عیب اور نقصان ہے کہ بیٹا والد کی جنس سے نہ ہو وہ تو ہر عیب سے پاک ہے وہ اللہ یکتا ہے کہ اس کا کوئی شریک اور نمونہ نہیں جو زبردست عزت اور غلبہ والا ہے لہٰذا نہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جا سکتی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایسے شرک کا ارتکاب کرنے والے اس کی گرفت اور عذاب سے بچ سکیں اس کی قوت اور غلبہ کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے آسمان و زمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ رات کی ظلمت کو لپیٹ دیتا ہے دن کی روشنی پر جس سے دن غائب ہو جاتا ہے اور ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کسی چیز کو کسی میں لپیٹ کر چھپا دیا گیا اور دن کی روشنی کو لپیٹ دیتا ہے رات کی ظلمت پر جس سے رات غائب ہو جاتی ہے اور مسخر کر دیا ہے اس نے سورج کو اور چاند کو ہر ایک کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے کہ ان میں ہر ایک چلتا رہے گا ایک وقت مقرر تک ہر ایک کی رفتار اور نظام لیل و نہار قیامت تک اسی بہترین اسلوب کے ساتھ جاری رہے گا یہ آسمان اور زمین اور لیل و نہار اپنے میں کس قدر حکمتیں اور خالقِ رب العالمین کی وحدانیت اور الوہیت کی دلیلیں لیے ہوئے ہیں خبردار ہو جاؤ وہی ہے زبردست قدرت والا ان لوگوں کو عذاب دینے کے لیے جو ان دلائل کے باوجود اس کی توحید پر ایمان نہ لائیں ساتھ ہی بڑی مغفرت کرنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی گذشتہ زندگی کے کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان لے آئیں آخر سوچنا چاہیے کہ انسان اس خالقِ حقیقی اور رب منعم کا انکار اور اس کے ساتھ شرک کرتا ہے جس نے اس کی تخلیق میں مادہ وحدت اور یگانگت کا رکھا کہ تمام بنی نوع انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں پھر یہی وہ اس کے ساتھ شرک کر کے انسانوں میں مؤمن و کافر کی تفریق پیدا کر رہا ہے ان باہر کے دلائل کے علاوہ خود اس کے وجود میں ایسے دلائل ہیں کہ وہ ان سے خدا کو پہچان سکتا ہے اور یہ کہ اس کی وحدانیت پر ایمان لانا عین فطرت کا تقاضا ہے تو اے انسانو! پیدا کیا اس نے تم کو ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پھر اسی سے بنایا اس کا جوڑا یعنی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جس سے دُنیا میں انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہوا اور بنائے تمہارے نفع کے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ نر و مادہ، اُونٹ، گائے بھیڑ، بکری جو پروردگار پیدا کرتا ہے تم کو اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح پر تین اندھیروں میں یعنی بتدریج تم کو نطفہ سے علقہ بناتا ہے اور پھر اس دم بستہ کو مضغہ لحم پر اس پر ہڈیاں اور گوشت چڑھاتا ہے پھر روح

پھونک کر حیات وزندگی کے ساتھ ان تین [1] اندھیروں سے تم کو باہر لاتا ہے سن لو یہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی یہ عظیم قدرتیں اور بلند پایہ حکمتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک چیز اس کی ربوبیت وخالقیت اور وحدانیت کی ایسی دلیل ہے جو تمہارے وجود میں رچی ہوئی ہے اسی کی سلطنت وحکمرانی ہے اس کے سوا کوئی تعریف کے لائق نہیں سوائے انسانو ان دلائل وحقائق کے بعد بھی تم کہاں بھٹک رہے ہو تم پر واجب ہے کہ اس کی خالقیت اور وحدانیت پر ایمان لاؤ۔

ان آیاتِ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے کتابِ الٰہی کو حق کے ساتھ نازل کئے جانے پر یہ حکم تنوع فرمایا: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ اس لیے کہ جو کتاب حق وصداقت لے کر نازل ہوئی اس پر عمل اس طرح ممکن ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے اخلاص کے بغیر توحید کا حق ادا نہیں ہوسکتا کیونکہ اخلاص کی نفی اور ضد شرک اور ریاء ہے اخلاص کے حکم کے ساتھ ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ اسی کی تاکید اور تکمیل کے لیے فرمایا گیا تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ دین وہی ہے جو شرک کی آمیزش سے ہر طرح پاک ہو یزید رقاشی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں مگر وہ چاہتے ہیں ان کی شہرت ہو تو کیا ایسی صورت میں کوئی اجر وثواب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ رب العزت صرف اسی چیز کو قبول فرماتا ہے جو صرف اسی کے واسطے خالص کی گئی ہو اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾۔

﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ سلسلہ توحیدِ خداوندی میں یہ آیت مشرکین ونصاریٰ اور ان تمام گمراہ فرقوں کا رد ہے جو اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں مثلاً نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ تین خداؤں (تثلیث) کے بھی قائل ہیں اور مشرکین عرب میں بعض قبیلے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے۔

مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر خدا تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مخلوق ہی میں کسی کو اس مقصد کے لیے چنتا کیونکہ یہ بات تو دلائل سے ثابت ہوچکی کہ خدا ایک ہے اور اس کے سوا کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسکی مخلوق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی طرح کا بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں ہوسکتا تو پھر ایک دوسرے کا باپ بیٹا کیسے ہوسکتا ہے اور جب مخلوق وخالق میں یہ رشتہ محال ہے تو یقیناً اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا علاوہ ازیں اگر اس محال کے بارہ میں بھی یہ فرض کرلیں کہ یہ محال نہیں تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا عقل میں آنے والی بات نہیں ہے اس لیے کہ جب مخلوق میں انتخاب ہی کرنا ٹھہرا تو اس کا کیا مطلب ہے خدا تعالیٰ اپنے واسطے گھٹیا چیز انتخاب کرے یعنی بیٹیاں اور عمدہ چیز چن چن کر تمہیں دے دے یعنی بیٹے، غرض یہ کہ ایسا فرض کرنا بھی امکان سے خارج ہے اور اللہ کی الوہیت میں تو کوئی دوسرا کیا شریک ہوتا اس کے ساتھ تو کسی کی نوعی یا جنس اشتراک بھی نہیں ہوسکتا۔

﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ﴾ میں لفظ انزل بمعنی خلق یعنی پیدا کیے تمہارے واسطے آٹھ اقسام چوپایوں کے نر ومادہ سے ملا کر یہاں انزل بمعنی خلق اور اَوْجَد ہوا اور یہ ایسا ہی ہوا جیسے ﴿وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾ اور ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ﴾ (الاعراف:۲۶) میں لفظ انزل استعمال کیا گیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عنوان اس لحاظ سے اختیار کیا گیا ہو کہ یہ تمام اشیا از قبیل

---

[1] تین اندھیروں سے مراد ایک پیٹ ہے دوسرا اندھیرا رحم ہے اور تیسرا وہ جھلی جس میں بچہ محفوظ ہوتا ہے ان اندھیروں میں ہی خدا نے اس کی بتدریج نشوونما کی پھر حیات وزندگی بخشی اور پھر اس رحم مادر سے باہر نکالا تو وہ دیکھنے اور سننے والا تھا۔ ۱۲

انعاماتِ خداوندی ہیں اور انعام کی عطاو بخشش ملأاعلیٰ سے دُنیاوالوں کے لیے ہوتی ہے تو اس وجہ سے انزل کا عنوان اختیار فرمالیا گیا یا یہ کہ انعام وچوپایوں اور لباس جو نباتات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ان کے وجود میں آسمان کے پانی اور بارش کو دخل ہے یا بقول بعض مفسرین یہ اشیاء درحقیقت اپنی اصل لحاظ سے جنت میں تھیں ان کو جنت سے زمین پر اتارا گیا۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۚ قف وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ

اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کی منکری

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى

اور اگر حق مانو گے تو وہ پسند کرے گا اس کو تمہارے لیے اور نہ اٹھاوے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا پھر اپنے رب کی

رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ

طرف تم کو پھر جانا ہے تو وہ جتاوے گا تم کو جو کرتے تھے مقرر اس کو خبر ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

جیوں کی بات کی۔

## شان بے نیازی پروردگارِ عالم وپسندیدگی ایمان وغضب بر کفرونافرمانی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ ... الٰى ... اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦﴾

حق تعالیٰ شانہٗ نے دلائل توحید وخالقیت کے بعد اپنی شان بے نیازی کا ذکر فرمایا کہ کسی کے ایمان سے خدا کو کوئی نفع اور کسی کے کفر سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا وہ تو بے نیاز ہے اس کی بارگاہ میں کفرونافرمانی پسند نہیں ہاں شکر واطاعت اس کو محبوب ہے اس لیے ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیے ایمان وکفر کا نفع نقصان خود مؤمن وکافر کی ذات ہی کو پہنچے گا قانونِ خداوندی ہے ﴿كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾ (الطور:۲۱) ہر انسان اپنے کیے ہوئے پر ماخوذ ہے اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ خدا تمام جہانوں سے بے نیاز ہے تو فرمایا اے لوگو! اگر تم کفرونافرمانی اور شرک کرو گے تو سن لو خدا کا اس میں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں کیونکہ اللہ بے نیاز ہے تم سے اس کو تمہاری طاعت وعبادت کی کوئی حاجت نہیں ہے تمہاری نافرمانی اور بغاوت سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور وہ اپنے بندوں کے واسطے کفر کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کفر سے خود بندوں کو ضرر پہنچتا ہے تو اس کو کفر ناپسند ہونا بندوں پر رحمت اور محبت کی وجہ سے ہے اور محبت ورأفت کا تقاضا یہی ہے بندوں کی ہلاکت وتباہی اور امن وعافیت کی بربادی ناگوار ہو اور اگر تم شکر کرو گے تو اللہ اس شکرگزاری اور طاعت وفرمانبرداری کو تمہارے واسطے پسند کرے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا نفع اے انسانو! تم ہی کو پہنچے گا اور اس کا ایمان وطاعت کو پسند کرنا اس لیے ہے نہ یہ کہ

اس کو بندوں کے ایمان وطاعت کی کوئی حاجت ہے اور یہ ضابطہ طے پا چکا ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اس لیے کسی کو کفر و نافرمانی کر کے یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ اس کے گناہوں کا بوجھ کوئی دوسرا اٹھائے گا دُنیا میں بے شک ایسا ہو جاتا ہے کسی کے متبعین وخدام یا دوست اور اعزاء دوسرے کا بوجھ اٹھالیں مگر آخرت میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا وہاں انسان کا صرف ایمان اور اس کا عمل ہی اس کا سہارا ہوگا اور اعمال کے ثمرات ونتائج بہر حال بھگتنے ہیں یہ ممکن نہیں کہ کوئی اس سے بچ جائے دنیوی حیات میں مجرمین بسا اوقات اس بنا پر اپنے جرم کی پاداش سے بچ جایا کرتے ہیں کہ ان کے جرم کی اطلاع نہیں ہوتی مگر بارگاہِ خداوندی میں ہر عمل موجود و محفوظ ہے اور وہاں ضرور جانا ہے اس لیے اس سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ پھر تمہارے رب کی طرف تمہارا لوٹنا ہے تو وہ تمہارے سارے اعمال تم کو بتادے گا جس کے بعد تم کسی بھی عمل اور بات کا انکار نہ کرسکو گے وہ تو دلوں کی بات بھی خوب جاننے والا ہے اس لیے یہ خیال تمہارا بالکل باطل ہے کہ نہ قیامت ہے اور نہ جزاء سزا اور نہ تمہارے اعمال کی اس کو خبر ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیتِ مبارکہ میں اپنی شان بے نیازی واستغناء کا جو ذکر فرمایا یہ مضمون مشہور حدیث قدسی میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے جس میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے بندو! اگر تم میں سے اوّلین وآخرین جن وانس زندہ ومردہ تر اور خشک یعنی جاندار اور بے جان سب کے سب مل کر ایک شقی ترین انسان کا پیکر بن جائیں تو یہ سب میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی نقصان نہیں کر سکتے یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم سے خطاب کے ذیل میں ذکر فرمائی۔ فرمایا: ﴿اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (ابراہیم:۸) کہ اے لوگو! اگر تم سب اور روئے زمین کے سب انسان بھی مل کر کفر کرو تو (جان لو خدا کا کوئی نقصان نہیں) بے شک اللہ تو ہر حال میں بے نیاز ہے اور لائق ستائش وحمد وثناء ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ

اور جب لگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اس کی طرف پھر جب بخشے اس کو

نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ

نعمت اپنی طرف سے بھول جاوے جو پکارتا تھا اس کام کو پہلے سے اور ٹھہراوے اللہ کے

اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۣ اِنَّكَ مِنْ

برابر اوروں کو تا بہکاوے اس کی راہ سے تو کہہ برت لے ساتھ اپنی منکری کے تھوڑے دنوں تو ہے

اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧

آگ والوں میں

# فراموشی وغفلت انسان از رب منعم در حالت نعمت واضطراب وانابت در مصیبت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ... الٰی ... مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی شانِ بے نیازی بیان فرمائی اب اس کے بالقابل انسان کی اس فطری دنائت کا ذکر کیا جارہا ہے جس میں بالعموم وہ مبتلا ہوتا ہے اس دنائت وکمینگی سے پاک کرنے والی چیز صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات و تعلیمات ہیں اور اس امر کا احساس وشعور کہ خدا کے اس پر کیسے عظیم انعامات ہیں اور انعامات کا تقاضا ہے کہ انسان ہر حالت میں اپنے رب کے ساتھ تعلق رکھے نعمتوں میں شاکر بن کر خدا سے رابطہ رکھے اور تکلیف ومشقت میں صابر ہو کر اس کی رحمتوں اور عنایات کا مستحق بنے۔

فرمایا اور اس انسان کو جس نے اپنے رب سے کوئی واسطہ نہیں رکھا جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے وہ رب جس کی معرفت اس کی اصل فطرت میں موجود ہے جو عہدِ الست سے اس میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس وقت اس کو اپنے وہ معبودانِ باطلہ یاد نہیں آتے جن کو اس نے اپنا معبود بنایا ہوا ہے یا خدا کی الوہیت میں شریک کیا ہوا ہے پھر جب اللہ اس کو اپنی طرف سے نعمت امن وعافیت اور آسائش عطا فرما دیتا ہے تو بھول جاتا ہے جس تکلیف کے دفع کرنے کے لیے پہلے سے وہ (خدا کو) پکار رہا تھا اور پھر غفلت وبغاوت کے ساتھ خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی گمراہی کے علاوہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے بھٹکا دے آپ ﷺ ایسے شخص سے کہہ دیجیے نفع اٹھالے اپنے کفر کے ساتھ تھوڑا سا کیونکہ یہ متاعِ دُنیا قلیل ہے اور یہاں کی لذتیں اور راحتیں بھی عارضی ہیں آخرت میں بہرکیف جانا ہے بے شک تو وہاں جہنمیوں میں سے ہوگا جہاں کا عذاب شدید اور ابدی ہوگا جس سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا تو اس نافرمان وکافر انسان کی بڑی غلطی ہے کہ دُنیا کی چند روزہ نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر جہنم کا دائمی عذاب اختیار کر رہا ہے ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ اکثر مفسرین وقراء اس کو یا کہ ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کا ترجمہ ہے تاکہ گمراہ کرے کیونکہ کافر خود اپنے عمل سے گمراہ تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ اپنی ذات کی گمراہی کے علاوہ اپنے عمل اور گمراہ کن کوششوں سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اس لیے اس کے کفر کا حقیقت میں نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔

بعض قراء مثلاً ابن کثیر اور ابو حفص رحمۃ اللہ علیہما اس کو بفتح یا پڑھتے ہیں تو اس تقدیر پر ترجمہ ہوگا تاکہ گمراہ ہو اللہ کے راستہ سے۔

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| اَمَّنْ | هُوَ | قَانِتٌ | اٰنَآءَ | الَّيْلِ | سَاجِدًا | وَّ | قَآئِمًا | يَّحْذَرُ | الْاٰخِرَةَ | وَ |
| بھلا | ایک جو | بندگی میں لگا ہے | گھڑیوں | رات کی | سجدے کرتا | اور | کھڑا۔ | خطرہ رکھتا ہے | آخرت کا | اور |
| يَرْجُوْا | رَحْمَةَ | رَبِّهٖ ؕ | قُلْ | هَلْ | يَسْتَوِى | الَّذِيْنَ | يَعْلَمُوْنَ | وَ | الَّذِيْنَ | |
| امید رکھتا ہے | اپنے رب کی | مہر کی | تو کہہ | کوئی | برابر ہوئے | ہیں | سمجھ والے | اور | | |

ع ۱ ۹ ۱۵ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

بے سمجھ؟ وہی سوچتے ہیں جن کو عقل ہے تو کہہ اے بندو میرے جو یقین لائے ہو!

اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرْضُ

ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں ان کو ہے بھلائی اور زمین

اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰

اللہ کی کشاد ہے ٹھہرنے والوں ہی کو ملنا ہے ان کا نیگ ان گنت

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱ۙ وَ اُمِرْتُ

تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں اللہ کو نری کرکر اس کی بندگی اور حکم ہے

لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۲ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

کہ میں ہوں سب سے پہلے حکم بردار تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۳ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝۱۴ۙ

ایک بڑے دن کی مار سے تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں نری کرکر اپنی بندگی اسی کے واسطے

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

اب تم پوجو جس کو چاہو اس کے سوا تو کہہ بڑے ہارے وہ جو ہار بیٹھے

اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۵

اپنی جان اور اپنا گھر قیامت کے دن سنتا ہے یہی ہے صریح

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ

ٹوٹا ان کے اوپر سے بادل ہیں آگ کے اور نیچے سے بادل اس چیز سے

يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝۱۶ وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے تو مجھ سے ڈرو اور جو لوگ بچے شیطانوں سے

اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾

کہ اُن کو پوجیں اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف ان کو ہے خوشخبری سو تو خوشی سنا میرے بندوں کو

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس کے نیک پر وہی ہیں جن کو

هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

راہ دی اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے۔

## مدح مؤمنین مطیعین وبیان مراتبِ عالیہ برائے اھل تقویٰ در دُنیا و عقبیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ ... الیٰ ... هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ ﴾

**ربط:** گذشتہ مضمون اس قانونِ خداوندی کی تحقیق وتفصیل پر مشتمل تھا کہ کفر ونافرمانی اللہ کو ہرگز پسند نہیں ایمان واطاعت اور شکر اللہ کو محبوب ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت تمام جہانوں سے بے نیاز ہے اس کو نہ کسی کے کفر سے نقصان ہے اور نہ کسی کے ایمان وطاعت سے نفع اب ان آیات میں اہل ایمان وطاعت کے درجات اور ان پر خداوند عالم کے ان انعامات کا بیان ہے جو ان پر دُنیا اور آخرت میں کیے جائیں گے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا جارہا ہے کہ علم ومعرفت اور عقل وتدبر ہی کے ذریعہ انسان ہدایت قبول کرتا ہے اس لیے علم اور جہل برابر نہیں ہوسکتے اسی سلسلہ مضمون میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو ایمان وتقویٰ کی دعوت دیں اور یہ کہ اعلان فرمادیں خود میرا عمل اور طرزِ زندگی سراپا اخلاص اور عبادتِ خداوندی ہے اور خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے میں کسی بھی لمحہ غافل نہیں اب اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی باغیانہ روش ترک نہیں کرتا تو آپ ﷺ اس سے بیزاری کا اعلان فرمادیجیے اور یہ کہہ دیجیے کہ ایسے لوگ خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل وتبعین کو بھی ہلاکت وتباہی میں مبتلا کررہے ہیں ارشاد فرمایا بھلا کیا وہ شخص جو اطاعت وبندگی میں لگا ہو رات کے ٹکڑوں میں جب کہ بالعموم لوگ آرام اور راحت کے ساتھ بستروں پر ہوں یہ بجائے نیند اور استراحت کے خدا کی یاد میں سجدے کرتا ہے اور کھڑا ہوا اللہ کو پکار رہا ہے آخرت سے ڈر رہا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا اُمیدوار بھی ہے اور وہ شخص جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر شرک وکفر اور نافرمانی میں مبتلا ہے برابر ہوسکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ قانت ومطیع اللہ کی بندگی میں مصروف رات کی تاریکیوں میں اس کے لیے سربسجود جو اس کے عذاب وقہر سے ڈر رہا ہے اور رحمت کا امیدوار ہے اللہ کے نزدیک محمود ومحبوب ہے اور وہ مشرک ونافرمان جو مطلب نکالنے کے بعد خدا کو بھلا دیتا ہے خدا کے نزدیک مبغوض اور قابلِ نفرت ہے آپ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے کہہ دیجیے کیا برابر ہوسکتے ہیں وہ لوگ جو علم والے ہیں اور وہ جو جاہل ہیں کسی قسم کا قطعاً علم نہیں رکھتے۔

دُنیا اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ علم اور جہل برابر نہیں اور عالم وجاہل کا درجہ یکساں نہیں ہوسکتا اسی طرح یہ بھی ان

کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان وکفر اور مؤمن وکافر برابر نہیں ہو سکتے مگر افسوس کہ ان حقائق کو اکثر لوگ نہ سوچتے ہیں اور نہ اس سے عبرت وسبق حاصل کرتے ہیں ان چیزوں سے تو صرف وہی لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں اور جب یہ واضح اور ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ لوگ صرف وہی ہیں جن کا شیوہ اللہ کی بندگی اور فکرِ آخرت ہی ہے تو آپ فرما دیجیے میرے بندوں کو میری طرف سے میرا یہ پیغام اے میرے وہ بندو! جو ایمان لائے ڈرو تم اپنے رب سے اب اس طرح کا ڈر جو اس ذاتِ بابرکت کا حق تقویٰ ادا کرنے والا ہے اور اس خوف وخشیت سے تم عبادت پر دوام و پابندی اختیار کیے رکھو اور یہ سمجھ لو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کے کام کیے ان کے واسطے بہترین بدلہ ہے آخرت میں تو یہ بدلہ ضرور ملنا ہی ہے دنیا میں بھی موجبِ رحمت وبرکت ہے خواہ ظاہرہ ہو یا باطنہ اور اگر جس سرزمین میں تم رہتے ہو وہاں طاعت وبندگی سے موانع ہیں تو ہجرت کر کے دوسری جگہ جا سکتے ہو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے طاعت و نیکی میں استقلال واستقامت اختیار کرو کیونکہ صبر واستقامت اختیار کرنے والوں کو اجر بے حساب دیا جاتا ہے اور ہر عمل اخلاص ہی سے بارگاہِ خداوندی میں قابلِ اعتبار ہے تو آپ ﷺ یہ بھی کہہ دیجیے کہ مجھ کو تو اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس طرح کہ اسی کے لیے عبادت وبندگی کو خالص کرنے والا ہو جاؤں جس میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں اطاعت کرنے والوں میں سب سے پہلا اطاعت کرنے والا ہوں تا کہ دنیا میں خدا کا ہر مطیع وفرمانبردار بندہ میری اطاعت وفرمانبرداری ہی کو اپنے واسطے اسوہ اور نمونہ بنائے اور ظاہر ہے کہ اطاعت وبندگی خشیت خداوندی کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ کوئی نڈر غلام اپنے آقا کا کبھی فرمانبردار نہیں ہو سکتا اس لیے یہ بات بھی کہہ دیجیے میں تو ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں ایک بڑے دن کے عذاب سے آپ اگر ان تمام باتوں کے بعد بھی ان نافرمانوں میں اللہ کی طرف رجوع کا کوئی ارادہ محسوس نہ کریں تو پھر کہہ دیجیے میں تو اللہ کی عبادت اسی طرح کرتا رہوں گا اس کے لیے اپنی بندگی خالص کرتے ہوئے اب تم جس کی چاہو عبادت کر لو اس کو چھوڑ کر تمہیں خود اپنا انجام معلوم ہو جائے گا حقیقت کے پیشِ نظر آپ ﷺ اتمام حجت کے طور پر کہہ دیں پورا خسارہ اور نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال کو جو ان کے نقش قدم پر چلے ہلاکت اور خسارہ میں ڈالنے والے ہیں قیامت کے روز یاد رکھو یہی صریح خسارہ ہے کہ نہ انسان کو خود نجات نصیب ہوئی اور نہ اہل وعیال اور متعلقین کو راحت دیکھنا نصیب ہوئی تو اس سے بڑھ کر اور کون سا خسارہ یا تباہی ہو سکتی ہے ان لوگوں کے واسطے تو ان کے اوپر سے سائبان ہوں گے آگ کے شعلوں کے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور یہ اوپر اور نیچے کے شعلے اس طرح ہوں گے جیسے سمندر کی موجوں کے اندر غرق انسان کے اوپر بھی موجیں اور نیچے بھی طوفانی تھپیڑے یہی تو ہے وہ عذاب جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے سوائے میرے بندو مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کی اطاعت میں لگ جاؤ ورنہ تو نافرمانوں کے لیے جو عذاب اللہ نے تیار کر رکھا ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

اور جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں اس بات میں کہ اس کی پرستش کریں اور اس کے کہنے پر چلیں اور انہوں نے نفس وشیطان سے منہ موڑ کر خالصتاً اپنی زندگی کا رخ اللہ کی طرف کر رکھا ہے تو آپ میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دیجیے جو اللہ کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں توجہ سے سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی ہیں وہ جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی ہیں وہ جو عقل والے تو ایسے ایمان واخلاص اور توجہ سے اللہ کی باتیں سننے اور ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور جنت میں ہر طرح کے انعام واعزاز کی بشارت سنا دیجیے۔

آیتِ مبارکہ ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ ﴾ کا مضمون جس میں مطیعین کی تعریف اور ان پر انعامات خداوندی کا ذکر فرمایا گیا بعینہٖ وہی مضمون ہے جو آیت ﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴾ (آل عمران: ۱۱۳) میں گزر چکا ان کلمات سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ قنوت کا مفہوم صرف قیام نہیں بلکہ اس کے معنی خشوع کے زیادہ راجح معلوم ہوتے ہیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بروایت مسروق رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ قانت بمعنی مطیع ہے یعنی اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کرتا ہو ﴿ اٰنَآءَ الَّيْلِ ﴾ رات کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے رات کی تاریکی میں عبادت باعث سکون و فرحت بھی اور موجب قربِ خداوندی بھی قیامِ لیل اور تہجد خدا کی بارگاہ میں اس قدر محبوب عمل ہے کہ فرشتے اس عمل کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے کے لیے باہم خصومت کرتے ہیں ہر ایک فرشتہ کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس عمل کو لے کر وہی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں پہنچے جیسے کہ حدیث اختصام ملأ اعلیٰ میں ذکر فرمایا گیا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا کبھی سجدہ میں گرا ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بے قرار کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے تو کیا یہ سعید بندہ اور وہ بد بخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی نکلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ایسا ہو تو یوں کہوں کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھ دار اور بیوقوف میں کچھ فرق نہ رہا مگر ظاہر ہے کہ اس بات کو وہی سوچتے اور سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔ (انتہیٰ کلامہ)

ایمان کی حقیقت اور اصل روح چونکہ خوف و رجاء ہے اس وجہ سے یہاں اہلِ ایمان و طاعت کی یہ خصوصی صفت بیان کی گئی ﴿ يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ﴾ یعنی آخرت کا ڈر اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید حالتِ عبادت میں قائم کیے ہوئے ہو کیونکہ جس طرح یہ صفت ایمان کا کمال ہے اسی طرح یہ وصف عبادت کا بھی کمال ہے خوف و رجاء یہ دونوں کیفیتیں ایمان کی روح اور عبادت کے جوہر ہیں مگر ان میں سے ایک کیفیت خوف زندگی میں غالب رہنی چاہیے اور جب انسان دنیا سے رحلت کر رہا ہو تو پھر رجاء کا پلہ بھاری ہونا چاہیے کیونکہ اب وقت رجاء اور امید رحمت کا ہے اور خوف جو اصلاح عمل کے لیے ضروری تھا اب یہ انسان دار العمل سے روانہ ہونے کی وجہ سے اس مرحلہ سے گزر چکا ہے عمل کے میدان کو عبور کر کے دار الجزاء کے دروازے پر کھڑا ہے تو یہ وقت رجاء کے غلبہ کا ہے۔

عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جب کہ وہ مرض الموت کی حالت میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا بتاؤ تم اس وقت اپنے آپ کو کیسی حالت میں پا رہے ہو جواب دیا: اِنِّی ارجو اللّٰہ واخاف ذنوبی کہ میں اللہ کی رحمت کا اُمیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ دو صفتیں کسی مؤمن بندہ کے قلب میں جمع ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا نہ فرمائے جس کی اسے اُمید ہے اور اس چیز سے اس کو مامون و محفوظ نہ فرما دے جس سے وہ ڈر رہا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ البکاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ آیت ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ ﴾ پڑھتے ہوئے سنا تو سن کر فرمایا یہ شخص جس کا ذکر قرآن کریم نے ان کلمات میں کیا وہ تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ ان کی یہی شان تھی کہ پوری رات تہجد اور تلاوت میں گذر جاتی تھی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی رکعت

میں پورا قرآن کریم پڑھ لیتے۔

﴿اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ کلمات سے یہ ظاہر کیا گیا کہ انسان اگر اپنے وطن میں عبادت نہیں کرسکتا تو پھر اس کو چاہیے کہ اس سرزمین سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جائے جہاں اپنے رب کی اطاعت کر سکے اس تفسیر پر ماقبل سے ربط بخوبی واضح ہورہا ہے کہ اس دُنیا میں نیکی کرنے والوں کی نیکی کا بدلہ ضرور ان کو ملے گا رہا یہ کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ میں تو ایسی جگہ محصور ہوں اور کفار کا غلبہ وتسلط ہے کہ نیکی اور عبادت کر ہی نہیں سکتا تو اس کو فرمایا جارہا ہے اگر یہ زمین تیرے واسطے تنگ ہے تو کیا ہوا کہیں اور چلا جا ﴿اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ اللہ کی زمین تو بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے: فتھاجروا فیھا وجاھدوا واعتزلوا الاوثان. مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلمہ نے ایک لطیف اشارہ بھی کردیا مسلمانوں پر اگر کافروں کے غلبہ اور تسلط سے کوئی جگہ نیکی اور عبادت کے لیے تنگ ہے تو ہجرت کے ساتھ جہاد بھی کرو تا کہ جہاد کے ذریعہ اللہ کی وسیع زمین فتح کرو اور وہاں اللہ کا دین قائم کرو۔

عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب تم کو کسی معصیت کی طرف بلایا جائے تو تم اس جگہ سے راہِ فرار اختیار کرو ﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ (النساء:۹۷) اسی معنی اور حکم کو ثابت کرنے کے لیئے امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ایک باب من الدین الفرار من الفتن قائم کیا ہے کہ دین کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ فتنوں کی سرزمین سے انسان راہِ فرار اختیار کرے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ ج

بھلا جس پر ٹھیک ہوچکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کرے گا آگ میں پڑے کو

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ

لیکن جو ڈرتے رہے اپنے رب سے ان کو ہیں جھروکے ان پر اور جھروکے چُنے ہوئے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

ان کے نیچے چلتی ہیں ندیاں وعدہ ہوا اللہ کا اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے

ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ

يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۲ ۱۶

کر ڈالتا ہے اس کو چورا بے شک اس میں نصیحت ہے عقل مندوں کو۔

## مذمت ووعید بر شقاوت مجرمین وفلاح وکامرانی مؤمنین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ ... الٰى ... لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں بالقصد اور اصل بیان مؤمنین و مطیعین کا اور عند اللہ ان کے درجات وانعامات کا تھا درمیان میں ضمناً مجرمین کے خسارہ کا بھی ذکر ہو گیا تھا۔ اب ان آیات میں ایسے بدنصیب اور محروم لوگوں کی ذلت وناکامی اور اہل ایمان وطاعت کی کامیابی کا بیان ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت کے یہاں ان کے درجات کس قدر بلند ہوں گے۔

ارشاد فرمایا کیا وہ شخص جس پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے بھلا کیا آپ اس کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں اس لیے کہ جن کے حق میں یہ فیصلہ ہو چکا وہ ہرگز گمراہی سے نہیں نکل سکتے اور گمراہی پر مرنا عذابِ جہنم کا موجب ہے اور جب ان کی ہدایت اور ایمان اس تقدیری فیصلہ کے باعث ممکن نہ رہا تو کوئی بھی ان کو جہنم میں جانے سے نہیں روک سکتا اور نہ اس کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے جیسا کہ خود پروردگار عالم نے یہ فیصلہ ان بدنصیبوں کے حق میں فرما دیا جو بوجہ اپنی شقاوت کے ہدایت سے محروم کر دیئے گئے تو اس صورت حال میں کون ان کو جہنم سے بچا سکتا ہے اس لیے آپ ﷺ ان پر غم اور ملال نہ کریں ان پر اس طرح کا غم بے سود ہے لیکن جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا بے شک وہ انعاماتِ خداوندی کے مستحق ہیں ان کے واسطے جنت کے بالا خانے ہیں جن کے اُوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان محلات کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ایسے انعامات جنت کے محل اور باغات پر تعجب کیوں ہو جو نعمتیں اللہ نے دُنیا میں بندوں کو عطا کیں اور جیسی قدرت کی نشانیاں نظروں کے سامنے ہیں ان کو دیکھ کر یہ سب کچھ سمجھنا آسان ہے تو کیا اے مخاطب تو نے نہیں دیکھا اللہ نے آسمان سے کس طرح پانی برسایا پھر وہ اپنی قدرت سے اس پانی کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے چنانچہ زمین کے ان ٹکڑوں سے پانی نکلتا ہے کنویں اور چشمے اپنے قعر اور گہرائیوں سے پانی ابال کر اوپر پھینکتے ہیں جس سے زمینیں سیراب ہوتی ہیں پھر اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کھیتیاں پیدا کرتا ہے جن کے رنگ اور اقسام مختلف ہوتے ہیں پھر وہ کھیتی پک جاتی ہے تو اے مخاطب اس کو تو دیکھے گا خشک ہو جانے کے بعد زرد رنگ کی پھر اس کو چورا چورا کر دیتا ہے جب کہ کھیتی کٹنے کے بعد روندی جائے بے شک اس میں بڑا ہی نمونہ ہے عبرت کا عقل والوں کے لیے تو بس یہی حالت دنیوی حیات کی ہے کہ ابتداء اس کی شادابی اور رونق وزینت ہے لیکن اس کی انتہا پامالی اور ہلاکت ہے اور پھر اس ضمن میں یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جو پروردگار عالم دُنیا میں آسمان سے پانی برسانے اور سبزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے اس کی قدرت سے جنت کی ان نعمتوں پر بھی کوئی تعجب نہ کرنا چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر فوائد میں یہ فرماتے ہیں یعنی عقلمند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے کہ جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی پھر چورا چورا کیا گیا یہی حال دُنیا کی چہل پہل کا ہوگا چاہیے کہ آدمی اس کی

عارضی بہار پر مفتون ہوکر انجام سے غافل نہ ہوجائے جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے اور ہر ایک جز سے منتفع ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچائیں اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس میں نیکی بدی راحت تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چوراچورا کی جائے اور پھر اس میں سے ہر ایک جز کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے نیکی اور راحت اپنے مستقر و مرکز پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے (نیکی اور راحت کا مستقر جنت ہے اور بدی و تکلیف کا مستقر جہنم ہے اس لحاظ سے نیکی کا انجام جنت اور جنت کی راحتیں سمجھ لینی چاہئیں اور بدی کا مستقر جہنم ہے تو بدی کا مآل جہنم اور جہنم کی تکالیف ہوگا)۔

غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقل مند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کیے وہ ہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر سو وہ اُجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے سو خرابی ہے

لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ

ان کو جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بہکے صریح اللہ نے

نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

اتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی دھرائی ہوئی بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ

ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

یاد پر یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلا دے اللہ

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ

اس کو کوئی نہیں سمجھانے والا بھلا ایک جو روکتا ہے اپنے منہ پر بُرا عذاب دن

الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ

قیامت کے اور کہیے بے انصافوں کو چکھو جو تم کماتے تھے جھٹلا چکے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان سے اگلے پھر پہنچا ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے تھے

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

پھر چکھائی ان کو اللہ نے رسوائی دنیا کے جیتے اور عذاب آخرت کا

اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

تو اور بڑا ہے، اگر یہ سمجھ رکھتے۔

## بیان انشرح قلوب اہلِ ایمان وآثارِ خشیت وتقویٰ کہ از ذکرِ الٰہی وتلاوتِ قرآن است

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ ... الیٰ ... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں دلائل قدرت اور اثبات حق کے لیے براھین اور شواہد بیان کئے گئے تھے اور عقائد باطلہ کی تردید وابطال کیا گیا تھا۔ اب اس کے بعد ان آیات میں آیاتِ خداوندی سے انتفاع اور قبولِ ہدایت کا ایک معیار ذکر کیا جارہا ہے وہ قلب کا اللہ رب العزت کی اطاعت کے لیے منشرح ہوجانا ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ اس قلب پر اللہ کی خشیت وعظمت کے آثار ظاہر ہوں لیکن اگر قلب پر قساوت (سختی اور بے حسی) مسلط ہو تو پھر اس پر خدا کی عظمت وہیبت اثر انداز نہ ہوگی اور نہ ہی اس کو ذکر اللہ کی رغبت ہوگی۔

نیز یہ بھی ایک ربط کی وجہ بیان کی جاسکتی ہے کہ گذشتہ آیات میں زمین کے چشموں اور کنوؤں کا ذکر تھا زمین کے چشمے اور کنویں جو اپنی تہوں سے پانی ابالتے ہیں اور خشک زمینوں کو سیراب کرتے ہیں اور دو باتوں پر مبنی ہیں بخارات کا انقلاب برودتِ ارض سے اور آبِ باراں کا زمین کی گہرائیوں میں پیوست ہوجانا اور پھر ان کا سمٹ کر جمع ہوجانا تو اسی طرح اہلِ ایمان کے قلوب میں علومِ ہدایت (جو قلوب کی ہدایت کے لیے بمنزلہ بارانِ رحمت) جمع ہوتے ہیں پھر ان قلوب سے وہ علومِ ہدایت چشموں کے پانی کی طرح اُبلتے ہیں اور دوسرے دلوں کو سیراب وشاداب کرتے ہیں اور یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب قلوب میں اللہ کی خشیت وتقویٰ موجزن ہو اور اگر قلوب بجز زمین کی طرح ہوجائیں تو ظاہر ہے وہ نہ خود علومِ ہدایت سے متاثر ومستفید ہوں گے اور نہ علومِ ہدایت کا ذخیرہ ان میں جمع ہوسکے گا کہ دوسروں کی تشنگی دُور کرسکیں تو فرمایا سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور اسلام کی حقیقت وحقانیت کو پہچان کر اس کا مطیع فرمانبردار ہوگیا تو وہ ایک نور پر ہے جو اس کو اپنے رب کی طرف سے حاصل ہے کیا یہ شخص اور اہلِ قساوت برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں جس طرح زندہ اور مردہ اور بینا اور نابینا برابر نہیں اسی طرح یہ دونوں بھی برابر ویکساں نہیں پس ہلاکت وبربادی ہے ان لوگوں کے

لیے جن کے دل سخت ہو چکے ہیں اللہ کے ذکر اور یاد سے ایسے لوگ بے شک کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ نے تو نازل کر دیا ہے بڑا ہی بہترین کلام ایک کتاب کی صورت میں یعنی قرآن حکیم جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے کہ اس کی تمام آیات اور باتیں فصاحت و بلاغت اور اسرار و حکم اور سعادت و فلاح کے ضامن و کفیل ہونے میں متشابہ اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں ان آیات و احکام اور علوم میں نہ باہم اختلاف ہے نہ تضاد اور نہ تفاوت و فرق جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کلام اسی قادرِ مطلق پروردگار کا ہے جس نے تمام کائنات کو کیسے حسن و تناسب اور سلیقہ سے بنایا اگر یہ کتاب غیر اللہ کی ہوئی تو ضرور تفاوت اور اختلاف پایا جاتا جیسے ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء:۸۲) یہ ملتی جلتی متشابہ آیات ایسی ہیں جو بار بار دہرائی گئی جن کا تکرار اور دہرانا مختلف حکمتوں اور فوائد پر مشتمل ہوتا ہے اور اس لیے کہ یہ مضامین قلب و دماغ میں راسخ ہو جائیں اور انسان اپنی فکری اور ذہنی صلاحیتوں سے ان چیزوں کو اپنی عملی زندگی میں رچانے کے لیے تیار ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ثمرہ محض ایک دفع بطور پیغام کسی بات کو بیان کر دینے سے نہیں حاصل ہوتا تاوقتیکہ مختلف اسلوبوں کے ساتھ پہلے ایک بات ذہن نشین نہ کرا دی جائے پھر اس کی حکمتوں اور فوائد کے تکرار سے اس کی رغبت دل میں نہ بٹھا دی جائے حتیٰ کہ یہ شوق و رغبت اس کو عمل پر مجبور کر دے اس کتابِ الٰہی کی ایسی عظیم تاثیر ہے کہ کانپ اُٹھتی ہیں کھالیں یعنی بدن ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر اس ایمانی اور طبعی خشیتِ الٰہی جس سے ان کا بدن بھی کانپتا ہو ترقی کر کے ان کی عملی زندگی کو انقیاد و اطاعت کے ایسے بلند ترین مقام پر پہنچا دے کہ نرم ہو جائیں ان کی کھالیں یعنی بدن اور دل اللہ کے ذکر کی طرف طاعت و فرمانبرداری کے ساتھ یعنی پوری توجہ اور انقیاد کے ساتھ اعمالِ جوارح اور اعمالِ قلب بجالاتے ہیں یہی ہے اللہ کی ہدایت جس کی سراپا تفسیر و تشریح قرآن کریم ہے اسی کلام الٰہی کی تلاوت اس پر غور و فکر اور عمل ہدایت و سعادت اور کامیابی کی راہیں کھولتا ہے جس کو بھی اللہ چاہے اس کے ذریعے ہدایت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں اب ایسا بدنصیب جس نے اپنی قساوت قلبی سے کبھی اللہ کی طرف رخ نہ کیا ہو ظاہر ہے کہ اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے سورج کی روشنی سے تو وہی منتفع ہو سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھولے اور سورج کا رخ کرے اور جو عناد و نخوت میں اپنی آنکھیں نورِ ہدایت سے بند کئے ہوئے ہے اس کو اب کیا نور حاصل ہو سکتا ہے یہی وہ بات ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (النور:۴۰) بہر کیف وہ قلوب جن میں ایمان و تقویٰ ہے اور خوفِ خدا سے وہ پگھل رہے ہیں وہ ان قلوب کی طرح نہیں ہو سکتے جو قساوت کی وجہ سے مردہ ہو چکے اس وجہ سے ہر صاحبِ فہم یہ سمجھ سکتا ہے بھلا کیا وہ شخص جو عذاب کی سختی سے بچے گا اپنے چہرہ کے ذریعہ اس کو سپر بناتے ہوئے قیامت کے روز وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں کی طرف لے جایا جا رہا ہے پہلا شخص ذلت و خواری کی اس حالت میں مبتلا ہے کہ ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور عذابِ خداوندی سامنے سے آ رہا ہے اس کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ ہاتھ کے ذریعہ سے سامنے سے آنے والی چیز کو دفع کرے تو وہ اپنے چہرے ہی کو سامنے کرتے ہوئے اس عذاب کو دُور کرنا چاہے گا اور دوسرا شخص جس کا دل اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تھا وہ اعزاز و اکرام اور انعامات کا مستحق ہوگا اور اس وقت کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھو تم مزہ اپنے ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے کفار مکہ کو چاہیے کہ یہ باتیں سن کر یقین کریں اگر انہوں نے جھٹلایا تو پھر سمجھ لینا چاہیے ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا عذاب خداوندی کو جو ان سے پہلے گذرے ہیں لیکن آ گیا ان پر عذاب خداوندی ایسے طریقے سے کہ ان کو خبر بھی نہ تھی اور تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ اس طرح بھی کوئی ناگہانی عذاب کسی قوم کو تباہ و برباد کر سکتا ہے تو چکھا دیا اللہ نے ان کو ذلت کا مزہ دنیا کی زندگی ہی میں اور

آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیتے کہ دنیا میں کتنی قومیں ایسی گذری ہیں کہ اللہ ربّ العزت کے پیغمبروں کی تکذیب ونافرمانی کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب سے تباہ کردی گئیں۔

ائمہ مفسرین مثلاً سُدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اسلام کے لیے سینہ کھول دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر انقیاد و اطمینان نصیب ہو جائے اور یہ اطمینان و وثوق اس درجہ ہو کہ دل میں کسی بھی امر خداوندی پر کوئی تنگی باقی نہ رہے یہاں تک کہ احکام شریعت اور طبیعت کے تقاضوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے اور یہ کیفیت اس کی ایمانی استعداد کے کامل ہونے کا نام ہے۔

صدر سینہ کو کہتے ہیں اور چونکہ قلب انسانی سینہ میں محفوظ کر دیا گیا ہے اور یہی قلب وروح کا منبع ہے تو جس طرح ظرف کا ذکر کر کے مظروف مراد لیا جاتا ہے یہاں بھی سینہ کے کھل جانے سے قلب کا کھل جانا مراد لیا گیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سینہ کا کھلنا کس طرح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اس میں نور داخل ہوتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے یعنی اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی رغبت اور اشتیاق محسوس کرنے لگتا ہے ہم نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس کی علامت ہے اور وہ ((اِلانَابَةُ اِلَی دَارِ الْخُلُود وَالتَّجافِی عَنْ دَارِ الغرُوْر وَالتَّاءَ هُّب لِلْمَوْتِ قَبْل النَزولِ)) یعنی رجوع کر لینا ہمیشہ کے مسکن (جنت اور آخرت) کی طرف اور علیحدگی (وبیزاری) اختیار کر لینا دھوکہ کی جگہ (یعنی دنیا اور دنیا کی لذتوں سے) اور موت کے لیے تیاری کرنا موت کے اترنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ﴿مَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں مراد یہ کہ جس طرح پیغمبر کی تصدیق اور قبول حق میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں اسی طرح اسلام کے واسطے سینہ کھل جانے میں بھی وہ سب سے مقدم اور سب سے افضل ہیں۔

لفظ ﴿تَقْشَعِرُّ﴾ اقشعرار سے ہے اصل میں سکڑ جانے کو کہتے ہیں جب کہ شدت خوف سے کسی کی کھال سکڑ جائے اور رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

﴿اَفَمَنْ يَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ﴾ کا عنوان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مجرموں پر خدا کا عذاب آنے لگے گا تو طبعی تقاضہ کے باعث یہ اس عذاب کو دفع کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان ظالموں کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہوں گے تو عذاب کے تھپیڑے سیدھے منہ پر پڑتے ہوں گے یا اس بے بسی کے عالم میں یہ اپنا منہ اس کے سامنے کر دے گا تو گویا یہ مجرم اپنے چہرہ کے ذریعے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے والا ہوگا اور اس وقت کہا جاتا ہوگا مزید تذلیل وتوہین کے طور پر اے ظالمو! اپنے کیے ہوئے اعمال کا مزہ چکھ لو تو اس منظر کو ذکر کر کے سوال کیا جا رہا ہے کیا ایسا شخص اور وہ مؤمن جو آخرت میں ہر تکلیف و پریشانی اور ذلت وحقارت سے مامون ومحفوظ ہوگا برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اس آیت کا مضمون وہی ہے جو آیت مبارکہ ﴿اَفَمَنْ يَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ میں بیان فرمایا گیا یا اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اَفَمَنْ يَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ يَّمْشِیْ سَوِيًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الملک:۲۲) کہ کیا وہ شخص جو چل رہا ہو اوندھے منہ اپنے سر کے بل وہ راہ راست پر ہے یا وہ شخص جو چل رہا ہے برابر استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر۔

﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کفار مکہ اور دُشمنان اسلام کو دُنیا کی زندگی میں سب سے پہلی ذلت غزوۂ بدر

میں شکست کھا کر اُٹھانی پڑی کہ بڑے بڑے سردار مارے گئے قیدی ہوئے اور اپنا مال ومتاع چھوڑ کر بھاگے جو اللہ نے مسلمانوں کے لیے غنیمت بنایا: ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ.. لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ

اور ہم نے بیان کی لوگوں کو اس قرآن میں سب چیز کی کہاوت کہ شاید وہ

یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

سوچیں قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں کہ شاید وہ بچ چلیں

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا

اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایک مرد ہے کہ اس میں کئی شریک ضدی اور ایک مرد ہے پورا

لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

ایک شخص کا کوئی برابر ہوتی ہے ان کی کہاوت سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے

اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر تم دن قیامت کے اپنے رب کے آگے

تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۳ ۱۰ ۱۷

جھگڑو گے

## تمثیل حق وباطل وفرق درمیان عبد مؤمن ومطیع وبندۂ مشرک وعاصی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ... اِلٰی... عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا گیا تھا کہ جس کسی کا دل اللہ نے ایمان کے لیے کھول دیا وہ ہدایت وسعادت کی روشنی پر ہے تو ایسا شخص جس کو نور ہدایت حاصل ہو چکا وہ اس بدنصیب انسان کی طرح نہیں ہوسکتا جو کفر وگمراہی کی تاریکیوں میں مبتلا ہے۔ اب ان آیات میں حق وباطل کی تمثیل اور مؤمن ومشرک کے فرق کو ایک حسی مثال میں پیش کیا جارہا ہے اور یہ بیان کیا جارہا ہے ان حقائق کو سمجھانے میں قرآن کریم نے تو کوئی کمی نہیں کی دلیلوں سے سمجھا دیا مثالوں سے واضح کر دیا اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ سمجھے اور نہ مانے تو یہ اس کی حماقت وغفلت ہے قرآن کے بیان میں کوئی کمی نہیں تو ارشاد فرمایا اور بے شک ہم نے بیان کر دی ہے لوگوں کی ہدایت وعبرت کے

لیے ہر قسم کی مثال میں سے عمدہ اور بلیغ مثال اُمید ہے کہ لوگ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کریں جس کی شان یہ ہے کہ وہ قرآن عربی ہے جس میں ذرہ برابر بھی کجی نہیں یہ صاف اور سیدھی باتیں اس لیے اتاری گئیں تا کہ یہ لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کرلیں ان واضح حقائق کو سن کر ہر شخص ایمان وکفر اور توحید وشرک کی حقیقت بخوبی سمجھ سکتا ہے اور یہ کہ شرک ونافرمانی کا کیسا بُرا انجام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ بیان کردی ہے اللہ نے ایک مثال موحد اور مشرک کی کہ ایک شخص ہے غلام جس میں متعدد شرکائیں جو آپس میں کھینچا تانی اور مزاحمت کر رہے ہیں ہر ایک مالک چاہتا ہے کہ یہ میرا کام انجام دے جو دوسرے مالک کی مرضی اور مقصد کے خلاف ہے تو ظاہر ہے کہ اس طرح مشترک غلام میں اس کے سارے مالکین ضد اضدی کریں گے اور ہر ایک اپنی خدمت کے لیے اس کو کھینچے گا جس کا انجام ظاہر ہے کہ وہ کسی کی بھی اطاعت نہ کر سکے گا اور کوئی بھی اس کے آقاؤں میں سے اس سے راضی نہ ہو سکے گا اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ غلام ہے جو پورے طور پر ایک ہی کے لیے ہے اور صرف ایک ہی غلام ہے جو پوری طرح اپنے آقا کی اطاعت بجالاسکتا ہے اور اس کا آقا اس کی اس فرمانبرداری کی وجہ سے اس سے راضی بھی ہوسکتا ہے تو کیا یہ دونوں اپنی حالت کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ پہلا غلام متحیر وبدحواس رہے گا کہ کس کی مانوں اور نہ ہی اس کا کوئی آقا تحیر کے بعد اس سے راضی ہوگا اور اس کے برعکس دوسرا بڑے اطمینان و سکون سے اپنے ایک آقا کی فرمانبرداری میں لگا رہے گا۔ اس کا آقا اس سے خوش ہوگا انعامات سے ہی نوازے گا اور اپنے غلام کی ضرورت وحاجت بھی پوری کرتا رہے گا یہ دیکھ کر کہ یہ تو بس میرا ہی ہے میں اس کی حاجت پوری نہ کروں تو پھر کون کرے گا اور اس کا کوئی آقا میرے سوا نہیں تو یہ کس کے در پہ جائے گا۔ الحمدللہ کہ حق واضح ہوگیا اور ثابت بھی ہوگیا مگر افسوس پھر یہ لوگ قبول نہیں کرتے قبول تو کیا کرتے بلکہ اکثر تو ان میں سے یہ چیزیں جانتے ہی نہیں جاننا تو درکنار سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بہرحال یہ ایک فیصلہ ہے جس سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں ہوسکتی قیامت آنے والی ہے بے شک آپ کو مرنا ہے اور اسی طرح ان کو بھی مرنا ہے پھر تم دونوں فریق قیامت کے روز اپنے پروردگار کے سامنے اپنے اپنے مقدمات پیش کرو گے اور ظاہر ہے اس وقت حق اور باطل کا عملی فیصلہ سب کے سامنے آجائے گا اور وہ باطل پرست جن کو ہر دلیل سے حق اور ہدایت کو سمجھایا گیا اپنی آنکھوں سے اس عذاب وقہر کو دیکھتے ہوں گے جو ان کی گمراہی کے باعث ان پر مسلط ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے فوائد میں لکھتے ہیں ایک غلام جو کئی ایک کا غلام ہو کوئی اس کو اپنا نہ سمجھے تو اس کی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے یہ مثال ہے ان کی جو ایک رب کے بندے ہیں اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ﴿مُتَشٰكِسُوْنَ﴾ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہوں اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق اور بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہو چاہتا ہو کہ یہ غلام دوسرے سے سروکار نہ رکھے تو اس کھینچ تان میں ظاہر ہے کہ غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا برخلاف اس کے کہ جو غلام پورا ایک کا ہو تو اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور کئی آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح موحد ومشرک کو سمجھ لو مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات وخیالات اور داد ودہش کا (صرف) ایک مرکز ہے اور وہ پوری دل جمعی کے ساتھ اس کو خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور

سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی اور کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔

﴿ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں بالعموم مفسرین اہل حق اور باطل کی خصومت مراد لیتے ہیں جس کی طرف دوران ترجمہ اضافہ کردہ کلمات سے اشارہ کر دیا گیا حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ جھگڑا صرف انسانوں کے درمیان ہی نہیں ہوگا بلکہ روح اور جسم بھی ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے ہوں گے روح جسم سے کہے گی کہ یہ سب کچھ تو نے کیا جسم روح سے کہے گا نہیں میں تو بے قصور ہوں اصل حکم اور عمل کرانے والی طاقت تو تو ہی تھی ہر ایک دوسرے کو ملزم ٹھہراتا ہوگا تو اس خصومت کی حالت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے یہ فرشتہ ان سے آ کر یہ کہے گا تمہارے واسطے ایک مثال ہے اور تم دونوں کا حال اس کی مانند ہے ایک اپاہج و معذور شخص آنکھوں والا ہے جس کو نظر تو سب کچھ آتا ہے لیکن چل پھر نہیں سکتا دوسرا شخص نابینا مگر چل پھر سکتا ہے دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اپاہج نے اندھے سے کہا: اے میرے ساتھی! میں یہاں باغ میں بہت سے پھل اور میوے دیکھ رہا ہوں لیکن معذور ہوں پھلوں تک پہنچ نہیں سکتا اندھے نے اپاہج سے کہا تو مجھ پر سوار ہو جا اور مجھے وہاں تک لے چل جہاں تو پھل دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ اپاہج اندھے پر سوار ہو کر پھلوں تک پہنچا اور پھل کھانے لگا تو بتاؤ ان میں سے کون ظالم ہے جسم اور روح دونوں نے جواب دیا ان دو میں سے کوئی ایک تنہا ظالم نہیں ہے ظالم تو دونوں ہی ہیں فرشتہ یہ فیصلہ سن کر بولا اے جسم و روح بس تم نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ مجرم اور ظالم تم دونوں ہو مراد یہ کہ جسم سواری ہے اور روح اس پر بمنزلہ سوار کے ہے کہ جو اس سواری پر سوار ہو کر اعمال و افعال کا ارتکاب کرتی پھرتی ہے لہٰذا جسم و روح دونوں ہی عذاب اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

الحمدللہ ۲۳واں پارہ مکمل ہوا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ

پھر اس سے ظالم کون؟ جس نے جھوٹ بولا اللہ پر، اور جھٹلایا سچی بات کو، جب پہنچی اس کے پاس۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ

کیا نہیں دوزخ میں ٹھہراؤ منکروں کا۔ اور جو لایا سچی بات

وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

اور سچ مانا اُس کو وہی لوگ ہیں ڈر والے۔ ان کو ہے جو چاہیں اپنے رب کے پاس۔

ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ۚ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا

یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا۔ تا اُتارے اللہ اُن سے بُرے کام جو کیے تھے

وَ يَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ

اور بدلے میں دے ان کو نیک بہتر کاموں کا، جو کرتے تھے۔ کیا اللہ

بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

بس نہیں اپنے بندے کو؟ اور تجھ کو ڈراتے ہیں ان سے، جو اس کے سوا ہیں۔ اور جس کو راہ بھلاوے اللہ

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ۚ وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ

تو کوئی نہیں اس کو راہ دینے والا۔ اور جس کو راہ سجھاوے اللہ، اس کو کوئی نہیں بھلانے والا کیا نہیں ہے اللہ

بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

زبردست بدلہ لینے والا۔

## تنبیہ وتہدید بر تکذیب حق وصداقت وبیان حسرت وملال مکذبین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ ... الٰى ... اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں موحد ومشرک کی حقیقت ایک مثال کے رنگ میں بیان کر کے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ شرک کا انجام سوائے حیرت و اضطراب اور ناکامی کے اور کچھ نہیں حقیقی اطمینان وسکون اور انسان کی اصل فلاح وسعادت توحید خداوندی اور صرف اپنے ایک ہی رب

کے ساتھ رشتہ حیات وابستہ کر لینے میں ہے اب ان آیات میں اُن بدنصیبوں پر تنبیہ فرمائی جارہی ہے جن کا کام اللہ پر بہتان باندھنا اور اللہ کے رسولوں کی تردید وتکذیب کرنا ہے اور یہ کہ ایسے بدنصیب تباہی سے کبھی نہیں بچ سکتے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ اور ہدایت اختیار کرتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ کامیاب ہوں ان کے گناہوں کا بھی کفارہ اور معافی فرمائی جاتی ہے تو ارشاد فرمایا جب کہ قیامت کے روز بوقت خصُومت ہر ایک کا انجام سامنے آجائے گا تو پھر بتاؤ اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور مثلاً یہ کہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور خدا کے ساتھ اور بھی معبود شریک ہیں اور سچی بات کو جھٹلائے یعنی قرآن جو سراپا صداقت وحق ہے۔ جب کہ وہ سچی بات اس کے پاس پہنچ چکی تو کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ منکروں کا یقیناً یہ منکر و کافر بڑے ہی ظالم ہیں اور ظلم پر عقوبت وسزا عقل وفطرت کا تقاضا ہے اس لیے ظالموں اور حق سے منہ موڑنے والوں کا یہی انجام ہوسکتا ہے اور اس کے برعکس جو سچی بات لے کر آیا خدا کی طرف سے یا خدا کے رسول کی طرف سے اور اس نے اس کی تصدیق بھی کی تو بیشک یہ لوگ ہی صاحب تقویٰ ہیں خدا کے ایسے برگزیدہ اور متقی بندوں کا انجام یہ ہوگا ان کے لیے جو وہ چاہیں گے ان کے پروردگار کے یہاں ہوگا اور ظاہر ہے کہ ان کی ہر خواہش اور طلب کا پورا کیا جانا انتہائی اعزاز واکرام ہوگا بیشک یہ صلہ ہے نیکوکاروں کا یہ صلہ اور انعام ان کے واسطے اس لیے تجویز کیا گیا تا کہ کفارہ کردے اللہ تعالیٰ ان کے اُن کے بُرے کاموں کا جو انہوں نے کیے اور ثواب دے ان کو ان کے بہترین کاموں کا جو وہ اپنی دنیوی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ منکرین کا رسول خدا کو جھٹلانا اور نافرمانی کرنا خدا کے رسول اور اہل ایمان کے لیے باعث تشویش ورنج نہ ہونا چاہیے کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے جب اللہ کافی ہے تو وہی حفاظت بھی کرے گا اور وہی منکرین ومجرمین کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔ اور یہ لوگ ڈراتے ہیں۔ اے محمد! آپ ﷺ کو ان جھوٹے معبودوں سے خدا کے سوا جو انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں۔ حالانکہ ان معبودان باطلہ میں خود کوئی قدرت نہیں عاجز محض ہیں۔ اس لیے ان مشرکوں اور کافروں کا رسول اللہ ﷺ کو ڈرانا اور یہ کہنا کہ ہم اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ وہ آپ ﷺ کو دیوانہ کردیں حقیقت میں کھلی ہوئی حماقت اور گمراہی ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ خداوند عالم کی اس قدرت عظیم کے پیش نظر نہ خدا کے رسول ﷺ کو اور نہ ہی اہل ایمان کو ان کی ایسی احمقانہ دھمکیوں سے مرعوب وخوف زدہ ہونا بلکہ یقین رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ ضرور ان سے ایسی بیہودہ باتوں اور مجرمانہ اعمال کا بدلہ لے گا کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام والا نہیں ہے؟ وہ اپنے رسول ﷺ کی مدد کرے گا۔ اور نافرمانوں سے انتقام لے گا۔ اور ان مجرموں کے معبود بے بس ولاچار ہیں تو ہمارے عذاب سے ان مجرموں کو ان کے معبود بچا بھی نہیں سکیں گے۔ اور ہم قادر مطلق ہیں اس لیے ہماری نصرت وحمایت کو کوئی روک نہیں سکتا ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ ''صدق'' سچائی کا نام ہے خدا کی کتاب بھی سچی ہے۔ خدا کا ہر پیغام سچا ہے۔ بالخصوص یہ پیغام توحید ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی صداقت وحقانیت تو اس قدر روشن ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز اس کی دلیل ہے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ وہ سچائی لانے والے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور اس کی تصدیق کرنے والا ہر وہ شخص ہے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ظاہر ہے کہ جو شخص دُنیا میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والا ہوا وہ اس آیت کا اولین مصداق ہے۔ اور وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ جبریل امین علیہ السلام ہیں جو اللہ کی طرف سے سچائی اور

ہدایت لے کر آئے اور ﴿وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ کے مصداق رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ وحی الٰہی کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے خدا کے رسول ہی ہوتے ہیں۔ ترجمہ آیت کے درمیان اضافہ کردہ کلمات میں انہی دو قولوں کی طرف اشارہ ہے لیکن جمہور مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی اور آیت مبارکہ میں آخری کلمہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ

اور جو تو اُن سے پوچھے کس نے بنایا آسمان اور زمین کو؟ تو کہیں اللہ نے تو کہہ

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ

بھلا دیکھو تو! جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا، اگر چاہے اللہ مجھ پر کچھ تکلیف،

هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ

وہ ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی؟ یا وہ چاہے مجھ پر مہر وہ ہیں کہ روک دیں اس کی مہر؟

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

تو کہہ، مجھ کو بس ہے اللہ۔ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے۔ تو کہہ اے قوم! کام کیے جاؤ

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

اپنی جگہ، میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے۔ کس پر آتی ہے آفت؟

يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

کہ اس کو رسوا کرے، اور اترتی ہے اس پر سدا کی مار۔ ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب

لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

لوگوں کے واسطے سچے دین کے ساتھ، پھر جو کوئی راہ پر آیا سو اپنے بھلے کو۔ اور جو کوئی بہکا سو یہی کہ بہکا

عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع

اپنے بُرے کو۔ اور تجھ پر ان کا ذمہ نہیں۔

ع ۴ ۱۰ ۱

# بیانِ قُدرت خُداوندی وعدم استطاعت برمدافعت عذاب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ . . . الیٰ . . . وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾﴾

**ربط:** مضمون سابق میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ مجرمین کو بس اللہ ہی کا عذاب سرکوبی کے لیے بہت کچھ ہے اور یہ مجرم اس عذاب خداوندی سے کسی طرح نہیں بچ سکتے کیونکہ اللہ عزیز ذوانتقام ہے اب ان آیات میں اللہ ربّ العزت اپنی اس قدرت وطاقت کا ذکر فرمارہا ہے جو خود ان منکرین کو تسلیم ہے مقصد یہ ہے کہ مشرکین کا یہ لغو اور بعید از عقل طریقہ کہ آپ ﷺ کو اپنے معبودوں سے ڈراتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کیا تو اقرار کرتے ہیں کہ کائنات کا خالق اللہ ہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ اور ظاہر ہے ایسی عظیم مخلوقات کا پیدا کرنا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے تو آپ اس اقرار وتسلیم کے بعد ان سے یہ کہہ دیجیے تو پھر تم مجھے یہ بتلاؤ کہ جن معبودوں کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا تمہارے معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ اگر مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس پر ان کو اسی طرح جواب دینا پڑے گا جیسا خدا کی خالقیت کو تسلیم کرنے کا جواب دیا۔ تو جب صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنی خالقیت میں بھی منفرد ہے اسی طرح وہ کمال قدرت میں بھی منفرد ہے جیسا کہ اس کی خالقیت میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی قدرت کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔ پھر یہ کس منہ سے اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ کو اپنے معبودوں سے ڈراتے ہیں۔ اس لیے آپ کہہ دیجیے بس میرا خدا ہی میرے واسطے کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں اور میں بھی اسی رب پر بھروسہ اور توکل کر رہا ہوں۔ اس لیے مجھ کو تمہاری دھمکیوں کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ اور جب دلائل وبراہین کے ذریعے حقیقت واضح ہوگئی۔ تو آپ ﷺ یہ بھی کہہ دیجیے۔ اچھا اگر تم اس کے باوجود بھی اپنی روش سے باز نہیں آتے تو تم اپنی حالت پر عمل کیے جاؤ میں بھی اپنے طرز پر کار فرما ہوں اور یہ کیسے ممکن ہے۔ اہل باطل تو باطل نہ چھوڑیں مگر اہل حق ان کی رعایت وحق سے پہلو تہی کرلیں سو اب تم کو جلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ کون وہ شخص ہے جس پر دُنیا میں عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو ذلیل کردے گا۔ اور بعد از مرگ ایسا عذاب اس پر مسلط ہوگا جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ چنانچہ بدر میں اللہ نے ان پر ایسی سزا مسلط فرمائی کہ بہت سے قتل ہوئے بہت سے قید ہوئے اور ذلت کے ساتھ شکست کھا کر مکہ واپس لوٹنا پڑا۔ دُنیا کا یہ عذاب اور ذلت ورسوائی تو اللہ ربّ العزت نے ۲ھ میں دکھادی اور اس کے علاوہ آخرت کی ذلت اور عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا اور وہ عذاب دائمی ہوگا۔

وحی الٰہی کے ذریعے ایسے حقائق دنیا کے سامنے ظاہر کردیئے گئے کہ اب کسی کو انکار وتردد کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ بے شک ہم نے یہ کتاب قرآن حکیم آپ ﷺ پر اُتاری ہے۔ حق وصداقت کے ساتھ لوگوں کے نفع ہی کے لیے آپ ﷺ کا کام لوگوں تک اللہ کے احکام وپیغامات پہنچا دینا ہے۔ اب اس کے بعد جو شخص راہِ راست پر آئے گا تو وہ اسی کے نفع کے لیے ہوگا اور جو شخص گمراہ ہوگا اس کے گمراہ ہونے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں بنائے گئے ہیں کہ ان کی گمراہی کا الزام یا اس کی باز پُرس آپ ﷺ سے ہو۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَن احب ان یکون اقوی النّاس فلیتو کل علی اللہ ومن احبّ ان یکون اغنی النّاس فَلْیَکُنْ بما فی ید اللہ عزّ و جل اوثق منہ بما فی یدیہ ومن احبّ ان یکون اکرم النّاس فلیتق اللہ عزّوجلّ)).

"جس شخص کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ قوی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو اس کو چاہیے کہ جو چیز خدا کے ہاتھ میں ہے اس پر اس چیز سے زائد بھروسہ کرے جو خود اس کے ہاتھوں میں ہے اور جو شخص چاہتا ہے کہ دُنیا میں سب سے زیادہ عزت والا ہو تو اس چاہیے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔"

﴿عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ﴾ ان الفاظ میں مجرمین کو دو قسم کے عذاب کی دھمکی دی گئی۔ ایک دُنیوی سزا کی جس کو ﴿یُّخْزِیْهِ﴾ کی قید کے ساتھ بیان فرمایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ دُنیا میں مجرم کی ذلت و رسوائی سزا میں بہت اہمیت رکھنے والی بات ہے تو ﴿عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ﴾ سے دنیا کا عذاب ذکر کیا گیا اور آخرت کا عذاب ﴿وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ بیان فرمایا۔ جس کو مقیم یعنی ہمیشہ قائم و باقی رہنے کی صفت سے متصف کیا گیا اور اس میں شبہ نہیں کہ آخرت کا عذاب وہی شدید عذاب ہے جو کبھی مجرم سے نہ ٹلے بلکہ ہمیشہ قائم رہے۔

---

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں، جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کی نیند میں۔

فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ

پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا، اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک ٹھہرے

مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا

وعدہ تک۔ البتہ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اللہ کے سوا کوئی سفارش والے؟ تو کہہ اگر جو ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا، نہ بوجھ، تو بھی؟

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْهِ

تو کہہ اللہ کے اختیار ہے سفارش ساری۔ اسی کا راج ہے آسمان و زمین میں پھر اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

پھیرے جاؤ گے۔ اور جب نام لیجیے اللہ کا نِرا رُک جاویں دل ان کے جو یقین نہیں رکھتے

بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

پچھلے گھر کا اور جب نام لیجیے اس کے سوا اوروں کا تبھی وہ لگیں خوشیاں کرنے۔

## بیان قدرت خداوندی واثبات حشر وتنبیہ برشناعت مشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ... الیٰ ... اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے منکرین کی رد میں اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا تھا اور اس سے غرض نبی کریم ﷺ کو تسلی دینی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے روز مجرمین کا انجام خود ان کی نظروں کے سامنے آجائے گا۔ اب ان آیات میں قیامت اور قیامت کے روز انسانوں کی حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے پیشی کا ایک منظر بیان کیا جارہا ہے اور یہ منظر ایسی ایک حالت ہے جو ہر روز وشب ہر انسان پر واقع ہوتی ہے وہ انسان کا سونا جو بمنزلہ موت ہے اور بیدار ہونا جو بعث بعد الموت کا نمونہ ہے ارشاد فرمایا۔

اللہ ہی قبض کرلیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت جبکہ قضاء الٰہی سے ان کی موت کا وقت آجائے تو من کل الوجوہ ان کو قبض کرلیتا ہے اور ان جانوں کو بھی قبض فرماتا ہے حالت خواب میں جن کی موت نہیں آتی ہے ان کے سونے کے وقت میں۔ اس طرح سے کہ حواس تو معطل کردیئے جاتے ہیں مگر حیات باقی رہتی ہے پھر اس کے بعد ان جانوں کو تو ابدان کی طرف لوٹنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ فرمادیا اور باقی ان دوسری جانوں جن پر بحالت نوم صرف ادراک وشعور سے تعطل واقع فرمایا ہے اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ان کو چھوڑ دیتا ہے اور واپس فرمادیتا ہے۔ ابدان کے تصرف کی جانب ایک وقت معین تک کے لیے تاکہ بیداری کے بعد بدستور یہ جان بدن میں تصرف کرنے لگے۔ بے شک اس تمام مجموعہ حال میں بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو غور فکر کی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے ان احوال وواقعات میں غور وفکر کرتے ہیں اور بے شک ہر انسان کا سونا اور سونے کے بعد اٹھنا، بعث بعد الموت اور قیامت کی بہت ہی واضح نشانی ہے۔ اب باوجود ان واضح دلائل کے قیام کے مشرکین کا پھر بھی حق تعالیٰ کی الوہیت وتوحید کا نہ ماننا یا قیامت پر ایمان نہ لانا کیا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے خدا کے سوا اپنے واسطے کچھ سفارشی بنالیے ہیں جن پر انہوں نے بھروسہ کرلیا ہے کہ یہ ان کو کسی قسم کی تکلیف وعذاب نہ پہنچنے دیں گے یا عذاب سے بچالیں گے آپ کہہ دیجیے کیا یہ ممکن ہے کہ یہ ان کے معبودان کو خدا کے عذاب سے بچالیں گے اگرچہ یہ نہ تو کسی چیز کے مالک ہوں اور نہ ہی کچھ سمجھتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ شفاعت کے لیے علم اور قدرت دونوں چیزیں ضروری ہیں تو جو معبود نہ علم رکھتے ہوں اور نہ ان کو ذرہ برابر کسی چیز کی قدرت ہو بھلا وہ کسی کی کیا سفارش کرسکیں گے یا کسی مصیبت سے وہ کسی کو کیسے بچاسکیں گے۔ آپ کہہ دیجیے سفارش تو سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہ کرسکے گا۔ اور جس کسی کو سفارش کی اجازت دی جاسکتی ہے وہ دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک شفیع کا مقبول وپسندیدہ ہونا اور دوسرے جس کی سفارش کی جائے اس کا قابل معافی ہونا۔ اب جن معبودوں کو یہ مشرکین اپنا شفیع قرار دے رہے ہیں وہ اللہ کے نزدیک کسی درجہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ اور خود یہ لوگ اس کے اہل نہیں کہ ان کی نافرمانی معاف کی جائے پھر کس بناء پر ان کو زعم ہے کہ ہمارے معبود ہمیں آخرت کے عذاب سے بچالیں گے اگر عذاب آنے بھی لگے۔ اس لیے سمجھ لینا چاہیے کہ اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں

اورزمین کی۔کائنات کی کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر کچھ حرکت بھی نہیں کرسکتی چہ جائیکہ اللہ کے عذاب اورقہر کا مقابلہ یا اس کی مدافعت کر سکے اورتم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔اوراس کی بارگاہ میں حاضری پرتمہارے یہ سب دھوکے اورفریب زائل ہوجائیں گے اور باوجوداس کے کہ دلائل توحید قائم ہوچکے لیکن کفارمکہ اورمشرکین کا حال یہ ہے کہ جب اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ذکر کیا جاتا ہے توان کے دل منقبض ہوجاتے ہیں جوآخرت پرایمان نہیں رکھتے اورجب خدا کے سوادوسروں کا ذکر کیا جائے توفوراًہی خوش ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کو ایمان وتوحید سے نفرت ہے اورکفروشرک کی محبت دلوں میں رچی ہوئی ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل بجھ جائیں اور چہرے کبیدہ ہوجائیں اورغیراللہ کے ذکر پرانبساط وفرحت کے آثارظاہر ہونے لگتے ہیں۔اسی بناء پر یہ چیز دیکھی جاتی ہے کہ اہل باطل کو ایمانی باتوں کے سننے سے کراہت ہوتی ہے اور مادی دنیا کے تذکرے لذیذ وخوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔

## تَوَفّٰی کی ایک قسم منام یعنی نیند اوردوسری قسم موت ہے:

لفظ توفی کی تشریح آیت مبارکہ ﴿یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ﴾(آل عمران:۵۵) اورسورۂ انعام میں گزرچکی۔آیت کے مضمون نے یہ واضح کردیا کہ حالت نوم اورخوب میں حواس وادراک کا قبض کرلینا بھی توفی ہے۔جیسے دوسرے موقع پرارشاد ہے:﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾(الانعام:۶۰) اس لیے توفی کے معنی صرف موت ہی سمجھنا نہ دلالت لغت کے لحاظ سے صحیح ہے اورنہ قرآنی تعبیرات اورتصریحات کی روسے درست ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہ ذکرفرمایا۔ابن آدم میں نفس اورروح ہے جن دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کی طرح ایک چمک حائل ہے نفس کے ذریعہ فہم تمیز اوراحساس کا سلسلہ رہتا ہے اورروح سے حیات وحرکت کا تعلق قائم رہتا ہے تو موت کے وقت روح اورنفس دونوں قبض کرلیے جاتے ہیں جس کے بعد حیات و حرکت کا بھی سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔لیکن نیند کے وقت صرف نفس قبض کیا جاتا ہے جس سے عقل وادراک اورتمیز کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔(روح المعانی ج ۲۴ ص ۸)

یہی وہ چیز ہے جوآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فرمائی یعنی جس رات سفرغزوہ میں راستہ میں آرام فرمانے کے لیے لیٹے توآنکھ نہ کھلی تاآنکہ سورج نکل آیا توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا تھا:

((اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ قبض ارواحکم حین شاء و ردھا الیکم حین شاء)).(صحیح بخاری، سنن نسائی)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

(( ویرسلھا ایُّھا النَّاس ان ھذہٖ ارواح عاریۃ فی العباد فیقبضھا اللّٰہ اذا شآء ویر سلھا اذاشآء)).

سلیم بن عامر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک روز فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تعجب کی بات ہے کہ بعض شخص خواب دیکھتا ہے اوراس کے دل پراس کا خطرہ بھی نہیں گزرا ہوتا پھروہ خواب ہوبہو پوراواقع ہوتا ہے اوربعض شخص خواب دیکھتا ہے وہ غلط بلکہ کالعدم ہوتا ہے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیرالمؤمنین اس کی وجہ میں عرض کرتا ہوں۔اللہ فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روحیں قبض کرتا ہے۔ پس جو روحیں آسمان پر جا کر کچھ دیکھ آتی ہیں وہ حق ہوتا ہے اور وہ رؤیائے صادقہ ہے اور جو آسمان پر کچھ نہیں دیکھتیں بلکہ جب اجساد کی طرف واپس آتی ہیں تو اس حالت میں کہ جب وہ واپس ہوتی ہیں تو شیاطین انہیں کچھ القاء کرتے ہیں۔ وہ رؤیائے کاذبہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔ (روح المعانی ج ۲۴ ازالۃ الخفاء ص ۵۸۶)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ

تو کہہ، اے اللہ پیدا کرنے والے آسمان و زمین کے، جاننے والے چھپے اور کھلے کے، تو ہی

تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ

فیصلہ کرے اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے تھے۔ اور اگر

ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ

گنہگاروں کے پاس ہو، جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا، اور اتنا ہی اس کے ساتھ، سب دے ڈالیں اپنی چھڑوائی میں بُری طرح کی

الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

مار سے دن قیامت کے۔ اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے، جو خیال نہ رکھتے تھے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

نظر آئے ان کو بُرے کام اپنے جو کمائے تھے، اور اُلٹ پڑا اُن پر جس چیز پر ٹھٹھا کرتے تھے

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ

سو جب لگے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارے۔ پھر جب ہم بخشیں اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت، کہے

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

یہ مجھ کو ملی کہ آگے سے معلوم تھی! کوئی نہیں! یہ جانچ ہے پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

کہہ چکے ہیں یہ بات اُن سے اگلے، پھر کچھ کام نہ آیا اُن کو، جو کماتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ

پھر پڑیں ان پر برائیاں جو کمائی تھیں۔ اور جو گنہگار ہیں ان میں سے، ان پر بھی اب پڑتی ہیں

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ

برائیاں جو کمائی ہیں، اور وہ نہیں تھکانے والے۔ اور کیا نہیں جان چکے؟ کہ

اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کو چاہے، اور ماپ کر دیتا ہے۔ البتہ اس میں پتے ہیں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۵ ۱۱ ۲

ان لوگوں کو جو جانتے ہیں۔

## تسلی برائے نبی کریم ﷺ بضمن تلقین دعا
## وبیان بیچارگی عالم پیش قدرت ربّ کبریاء

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الیٰ ... لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات مجرمین ومنکرین کی سزا اور قیامت کے روز ان کی ذلت وندامت کے بیان پر مشتمل تھیں۔ اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو ایک عظیم دعا کی تلقین وتعلیم کے ضمن میں تسلی دی جارہی ہے تاکہ آپ ﷺ کفار کی مخالفت اور شدت عناد سے مغموم و متأسف نہ ہوں۔ ارشاد فرمایا:

کہہ دیجیے اے ہمارے پیغمبر! اپنے پروردگار سے دعاومناجات کرتے ہوئے اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، ظاہر وباطن کے جاننے والے آپ ہی قیامت کے روز اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان امور میں جن کے متعلق وہ باہم اختلاف کرتے تھے اور یہ کہہ کر آپ ہر معاملہ اللہ کے حوالے کردیجیے۔ اللہ خود ہی فیصلہ فرمادے گا اور یہ فیصلہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہوگا کہ جس کو کسی تدبیر اور ذریعہ سے رد کردیا جائے حتیٰ کہ اگر ان لوگوں کے پاس جو کفر وشرک کر کے ظلم کرنے والے ہیں دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور بلکہ ان کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو یہ لوگ ان چیزوں کو فدیہ کرنے لگیں قیامت کے دن سخت عذاب سے بچنے کے لیے اور خدا کی طرف سے ظاہر ہوگا ان کے لیے ایسا معاملہ عذاب وذلت کا جس کا وہ گمان بھی نہ کرتے تھے۔ اور اس وقت ان کو اپنے وہ تمام بُرے اعمال ظاہر ہوجائیں گے جو وہ کیا کرتے تھے اور جس عذاب کا وہ استہزاء وہ مذاق کرتے تھے اور ان کو آ کر گھیر لے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا انسان اپنی نالائقی اور کمینی فطرت کے باعث یہ روش اختیار کرتا ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو

پکارنے لگتا ہے اور اپنے ان معبودوں کو اس وقت بھول جاتا ہے جن کو وہ ہماری الوہیت وعبادت میں شریک کرتا تھا مگر پھر جب اس کو اپنی جانب سے نعمتوں سے نواز دیتے ہیں تو یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف اپنے علم وہنر اور تدبیر کی وجہ سے ملی ہے گویا اتنے ہی فرق اور حالت کی تبدیلی سے جس توحید کا اثر اس کے قلب میں اس اضطرار و پریشانی کے عالم میں پیدا ہوا تھا فوراً ہی ختم ہو جاتا ہے اور خدا کے کیے ہوئے انعام میں اپنی تدبیر اور ہنر کو شریک کرنے لگ جاتا ہے حق تعالیٰ اس ناپاک ذہنیت کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت تو ایک آزمائش ہے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ یہ بندہ اس نعمت کے ملنے پر ہمیں یاد کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے یا ہم کو بھول جاتا ہے اور انعامات کے ذریعے بندوں کا امتحان یہ ہمارا قانون ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ اور طرز بغاوت و ناشکری کا آج اس قوم کا کوئی نیا طرز نہیں ہے بلکہ یہ بات ان لوگوں نے بھی بے شک کہی ہے جو ان سے پہلے گذرے جیسے کہ قارون نے بھی کہا تھا ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ﴾ (القصص:۷۸) مگر ان کی کوئی تدبیر ان کے کام نہ آئی جو وہ کرتے تھے بلکہ ان کی وہ تمام بداعمالیاں ان پر آ پڑیں جو وہ کرتے تھے اور جس طرح ان کی بداعمالیوں کا انجام ان پر مسلط ہوا اسی طرح ان ظالموں کی بداعمالیاں بھی عنقریب ان پر آ پڑیں گی اور یہ لوگ اس سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ بدر میں شکست اور بڑی ہی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ ان کے پاس ساز وسامان کی کوئی کمی نہ تھی اور مسلمان بے سروسامان اور تعداد میں نہایت قلیل تھے۔ ایسے تاریخی حقائق سے منکروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اور دنیا کی دولت اور مادی اسباب پر غرور نہ کرنا چاہیے۔ کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے واسطے چاہے رزق پھیلا دیتا ہے اور جس کے واسطے چاہے تنگ کر دیتا ہے رزق کی وسعت وکثرت نہ حق کی دلیل ہے اور نہ غلبہ کی نشانی ہے۔ بے شک اس چیز میں بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو ایمان ویقین رکھتے ہیں چنانچہ ہر صاحب فہم دنیا کے احوال دیکھ کر اس اقرار پر مجبور ہوتا ہے کہ رزق کی وسعت اور تنگی انسان کے ہنر وعلم پر موقوف نہیں بلکہ یہ صرف اللہ کی طرف سے تقسیم ہے۔ بہت سے بے ہنر اور بے تدبیر مال ودولت کے انبار رکھتے ہیں اور بہت سے سمجھ دار اور ہنر وتدبیر والے خسارہ اور ناکامی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر رزق علم و ہنر سے ہی حاصل کیا جاتا تو علم وہنر والے جاہلوں اور بے ہنر لوگوں کے واسطے حَبّہ بھی نہ چھوڑتے۔ الغرض ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی فرمانے کے ساتھ کافروں اور ظالموں کو انجام بد سے متنبہ فرمایا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ مال ودولت سے نہ مغرور ہونا چاہیے۔ اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ہمارے علم وہنر کا نتیجہ ہے بلکہ اس کو محض انعام خداوندی جاننا چاہیے اور منعم کا شاکر ومطیع ہونا چاہیے اور یہ کہ خدا کے عذاب وقہر کے مقابلہ میں دُنیا کے تمام اسباب ووسائل بھی عاجز ہیں تو اس پیغام تسلی کے ساتھ مجرمین کو تہدید ودھمکی بھی ہے اور ساتھ ہی اپنے رسول ﷺ کو کامیابی اور غلبہ کی بشارت بھی دی جارہی ہے۔ ان آیات میں یہ دعائیہ کلمات نہایت ہی جامع اور بااثر ہیں۔ ان کلمات مبارکہ میں ایمان ومعرفت اور توکل علی اللہ کی حقیقت پوری طرح روشن ہے آنحضرت ﷺ تہجد کی ابتداء انہی کلمات سے فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت ﷺ جس وقت رات میں بیدار ہو کر نماز کا سلسلہ شروع فرماتے آپ ﷺ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جبريل و ميكائيل و اسرافيل فاطر السَّمٰوٰت وَ الارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون اهدنى لما اختلف فيه من الحق باذنك اِنَّكَ تهدى من تشآء الىٰ صراط مُّستقيم)). (تفسیر ابن کثیر ج۴)

ربیع خثیم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا گیا اور بعض حاضرین مجلس نے اس بارہ میں ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا تو بڑے ہی رنج وکرب کی کیفیت کے ساتھ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھا اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○﴾

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ

کہہ دے اے بندو میرے! جنہوں نے زیادتی کی اپنی جان پر، نہ آس توڑو اللہ کی مہر

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

سے۔ بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہ۔ وہ جو ہے وہی ہے معاف کرنے والا مہربان

وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ

اور رجوع ہو اپنے رب کی طرف، اور اس کی حکم برداری کرو پہلے اس سے کہ آوے تم پر عذاب،

ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آوے گا۔ اور چلو بہتر بات پر، جو اُتری تم کو تمہارے رب سے،

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ

پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب اچانک۔ اور تم کو خبر نہ ہو۔

تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ

کہیں کہنے لگے کوئی جی اے افسوس! جس سے میں نے کمی کی اللہ کی طرف سے اور میں تو

السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾

ہنستا ہی رہا یا کہنے لگے، اگر اللہ مجھ کو راہ دیتا تو میں ہوتا ڈر والوں میں۔

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کسی طرح مجھ کو پھر جانا بنے۔ تو میں ہوں نیکی والوں میں

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ

کیوں نہیں! پہنچ چکے تھے تجھ کو میرے حکم، پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور غرور کیا اور تو تھا

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ

منکروں میں۔ اور قیامت کے دن تو دیکھے ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر، ان کے منہ

مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ

سیاہ۔ کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا غرور والوں کو۔ اور بچاوے گا اللہ ان کو جنہوں نے

اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ

ڈر رکھا ان کے بچاؤ کی جگہ نہ لگے ان کو برائی، اور نہ وہ غم کھاویں۔ اللہ

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ

بنانے والا ہے ہر چیز کا، اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے۔ اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی

وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع ۶ ۱۱ ۳

اور زمین کی، اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے وہ جو ہیں، وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے۔

## بیان ترتب عفو ونجات بر قبول اسلام ... وہلاکت وحسرت برائے مجرمان رب انام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا... الى... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع﴾

**ربط:** اس سے قبل چند آیات میں مشرکین کی مذمت اور ان کے دل آزار طریقوں کا بیان تھا اور ساتھ ہی نہایت مؤثر انداز میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں شرک وکفر کی گندگی اور مذمت کو سنتے ہوئے ممکن تھا کہ کسی کے دل میں قبول اسلام کی رغبت پیدا ہوتی اور ساتھ ہی یہ تصور بھی گذر سکتا تھا کہ جب انسان اس قدر ذلت اور گندگیوں میں آلودہ ہو چکا ایسی دنائت اور کمینہ پن کر چکا تو اب اس کو اپنی نجات اور عذابِ خداوندی سے بچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے تو اس طرح مایوسی کا تصور پیدا ہونا ایک طبعی سا امر تھا تو اس کو دلوں سے نکالنے کے لیے یہ آیات نازل کی گئیں جن میں ہر اس شخص کو اللہ کی رحمت ومغفرت کی بشارت دی گئی جو باطل سے منہ موڑ کر

اللہ کی طرف اپنا رخ کر لے۔ جیسے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ کچھ اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں جس شخص نے بت پرستی کی اور خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود بنایا کسی کو قتل کیا تو اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی تو ہم کیسے ہجرت کریں۔ اور کس طرح اسلام لائیں حالانکہ ہم نے تو بتوں کو پوجا ہے اور خدا کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک کیا اور قتل بھی کیا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں بعض سندوں سے یہ مضمون اس طرح منقول ہے۔ کچھ لوگ اہل شرک میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جو اسلام کی رغبت رکھتے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں انہوں نے شرک بھی کیا تھا۔ قتل کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور زنا و چوری بھی خوب کی تھی تو انہوں نے یہ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ نہایت ہی بہترین چیز ہے اب ہم اسلام تو لانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے اور ان چیزوں کے باعث ہم ڈرتے ہیں تو کیا اسلام لانے پر ہماری نجات ہو جائے گی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ﴾ کہہ دیجیے آپ میرے ان بندوں سے جنہوں نے کفر و شکر اور قتل و زنا جیسے کام کر کے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو اور اس خیال سے کہ یہ گناہ کیسے معاف ہوں گے۔ ایمان لانے میں ہرگز تامل و تردّد نہ کرو بے شک اللہ ربّ العزت اسلام لانے کی وجہ سے تمام گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔ اگرچہ وہ سابق زندگی کا گناہ کفر اور شرک ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اسلام لانے سے تو کفر ایمان و طاعت کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور اس نے شرک کی گندگی سے پاکی حاصل کر کے توحید کو اختیار کر لیا ہے۔ واقعی وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان پروردگار ہے۔ اس کی رحمت و مغفرت میں کمی نہیں۔ بس صرف شرط اتنی ہے کہ بندہ اس کی طرف رجوع کر لے۔ اس لیے اے انسانو! خواہ اب تک تم نے کچھ ہی کر لیا ہو مگر اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب خداوندی آ جائے پھر تو تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ عذابِ خداوندی کو ٹلانا اور اس کو دفع کرنا خدا کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تمام کائنات کو بھی طاقت نہیں۔ اگر دنیا کی طاقت ہوا کے جھونکے روکنے سے عاجز ہے تو مجرمین پر برستا ہو عذاب و قہر کس کی مجال ہے کہ روک لے جب عذابِ خداوندی کی یہ نوعیت ہے کہ کسی کی کوئی مدد نہ ہو سکے گی تو اے لوگو! تم کو چاہیے کہ تم ان بہترین احکام کی پیروی کرو جو تمہاری طرف اتارے گئے تمہارے رب کی طرف سے قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذابِ خداوندی آ جائے اور حال یہ کہ تم کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ ناگہاں ایسے وقت عذاب آ جائے گا اور نہ ہی یہ احساس و گمان ہوگا اور ایسا شدید عذاب ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکے گی۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ ایسا وقت آنے سے پہلے احکام خداوندی کی پیروی کرنے لگو۔ کہیں ایسی نوبت نہ آ جائے کوئی انسان یہ کہنے لگے ہائے حسرت و افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے بارہ میں کی کوتاہی اور غفلت تو کیا میں تو بے شک احکام خداوندی اور اس کے دین کا مذاق اڑانے والوں میں سے رہا یا اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ کوئی کہنے لگے کاش اگر اللہ مجھ کو ہدایت کر دیتا تو میں ایمان و تقویٰ والوں میں سے ہو جاتا لیکن یہ میرے اعمال اور احوال کی وجہ سے میری بدنصیبی تھی کہ میں اللہ کی توفیق و ہدایت سے محروم رہا یا اس سے قبل اے لوگو! ایمان لے آؤ کہ کوئی کہنے والا یہ کہنے لگے جس وقت کہ عذاب دیکھے اے کاش اگر میرے واسطے دنیا کی طرف واپسی کا کوئی امکان ہو جائے تو پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں۔ خبردار اے مخاطب منکر یہ باتیں ہرگز تجھے زیب نہیں دیتیں نہ تو حق میں کوئی خفا اور شبہ تھا اور نہ تو احمق و غافل تھا کہ اس کے دور ہونے پر تو حق و ہدایت قبول کر لیتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہاں بے شک تیرے پاس میری آیات احکام و دلائل کے ساتھ پہنچیں لیکن تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا۔ اللہ رب العزت کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ سر جھکانے سے اور

یہ نہیں کہ یہ حالت کسی وقت رہی ہو اور پھر عقل و ہوش آ گیا ہو بلکہ تُو تو کفر ہی کرنے والوں میں رہا۔ ہدایت تو اس وقت ممکن تھی جب کہ قبول حق کا کوئی ارادہ کرتا جب کہ ایسے مجرموں نے یہ ہی طے کیا ہوا تھا کہ اسلام کی مخالفت اور اللہ کی بغاوت ہی کرنی ہے تو پھر ظاہر ہے ان حسرتوں اور آرزوؤں سے کچھ کام نہ بنے گا۔ اور اے ہمارے پیغمبر آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوئے [1] ہیں تو کیا ایسے نافرمانوں اور متکبروں کے واسطے جہنم میں ٹھکانہ نہ ہوگا جنہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے احکام کا مذاق اڑایا اور اس کے فرمانبرداروں کی ذلت و اہانت کی۔ لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو کفر و نافرمانی سے بچتے تھے جہنم سے نجات دے گا۔ ان کی کامیابی کے ساتھ اس طرح کہ ان کو ذرہ برابر بھی نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ کیونکہ جنت تو نام ہی ہے عالم راحت اور نشاط و فرحت کا جہاں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ کوئی پریشانی۔ بے شک اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اس کے قبضہ میں ہیں آسمان و زمین کی کنجیاں اس لیے جس کے واسطے وہ چاہے دنیا میں ہدایت و رحمت کے اور آخرت میں نجات و مغفرت کے دروازے کھول دے اور جس کے واسطے چاہے بند کر دے۔ اس کے کھولے ہوئے در کو کوئی بند نہیں کر سکتا اور جو دروازہ وہ بند کر دے اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ اور جو لوگ اس کے باوجود بھی نہ سمجھیں اور اللہ کی آیتوں اور اس کے احکام کا انکار کرتے ہیں وہ بڑے ہی خسارہ میں ہیں۔ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہے کہ عذابِ جہنم میں مبتلا ہوں گے اور وہ عذاب دنیا کی کسی تکلیف کی طرح نہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد ختم ہو جائے یا کسی ذریعہ سے انسان اس سے چھٹکارا حاصل کر لے بلکہ وہ تو دائمی ہوگا۔ جس سے نہ نجات ہوگی اور نہ اس میں کوئی خفت و کمی ہوگی اور دُنیا میں ان مجرمین کا خسارہ ذلت اور طرح طرح کے مصائب کی صورت میں ظاہر ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے ہی اللہ کے نافرمانوں کی ذلت و ناکامی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

## دُنیا کے انسانوں کو رحمت و عافیت اور نجات و مغفرت کی قرآنی دعوت

یہ آیات مبارکہ قرآن کریم میں سب سے بڑھ کر رحمت و مغفرت خداوندی کی اُمید دلوں میں قائم کرنے والی آیات ہیں ان آیات میں پروردگار عالم نے تمام دنیا کے گناہگاروں، نافرمانوں حتی کہ شرک و کفر میں مبتلا ہونے والوں کو دعوت دی ہے کہ وہ نافرمانی و بغاوت سے تائب ہو کر سچے دل سے اگر اللہ کی طرف رجوع کر لیں تو خدا کی عنایات اور رحمتیں ان کی جانب یقیناً مبذول ہوں گی۔ ان کو اپنی سابق زندگی کی نافرمانی اور بداعمالیوں سے یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ ان کے معافی کا کوئی امکان نہیں رہا۔ نہیں ان کو اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ جس حالت میں بھی خواہ کسی طرح کا عمل ہو جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کریں گے رحمت خداوندی کا دروازہ کھلا پائیں گے ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کچھ لوگ مشرکین میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی

---

[1] ''سیاہ ہوئے ہیں'' یہ ترجمہ ﴿مُّسْوَدَّةٌ﴾ کا کیا گیا۔ جس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ چہرے جو دراصل خلقی طور پر ایسے سیاہ نہ تھے ان کو قیامت کے روز سیاہ کر دیا جائے گا جو زیادہ ڈراؤنے اور ہیبت ناک نظر آئیں گے بخلاف چہروں کی اس سیاہی کے جو پیدائشی طور پر دنیا میں بہت سے انسانوں کے ہوتی ہے جیسے سیاہ فام اقوام۔ تو ایسی سیاہی نہ عیب ہے اور نہ دیکھنے میں یہ چہرے ہیبت ناک اور ڈراؤنے نظر آتے ہیں جھوٹ خود ایک معنوی ظلمت ہے چہ جائیکہ اللہ کے بارہ میں جھوٹ بولا جائے یا اس کی باتوں کو جھٹلایا جائے۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سا درجہ ہو سکتا ہے معنوی ظلمت کا۔ اور قیامت کے روز اعمال و اوصاف ظاہری حقائق کی صورت میں رونما ہوتے ہیں اس وجہ سے اللہ کی باتوں کی تکذیب اور اس پر جھوٹ باندھنے کا یہ وبال ہوگا کہ چہرے سیاہ ہوں گے۔

سابق زندگی میں قتل بھی کیے تھے، خوب قتل کیے تھے اور زنا بھی کیا تھا اور بہت کیا تھا تو آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے۔ اے محمد (ﷺ) جو کچھ آپؐ کہتے ہیں اور جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بے شک نہایت ہی بہتر ہے لیکن ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے کیے ہوئے اعمال کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تو ہم اسلام لانے کو تیار ہیں تو اس پر آیات ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الفرقان:۶۸) اور یہ آیات ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا﴾ نازل ہوئیں۔ اور حق تعالیٰ نے نہایت واضح طور سے فرما دیا ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (التوبہ:۱۰۴) کہ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے اپنے بندوں کی۔ کہیں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء:۱۱۰) کہ جو شخص بھی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر وہ اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو پائے گا کہ وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ کہیں منافقین کے حق میں خصوصیت سے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا﴾ (النساء:۱۴۵) کہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور اے مخاطب تو ان کے واسطے کوئی مددگار نہیں پائے گا لیکن جو لوگ تائب ہو جائیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں تو بے شک وہ اس عذاب سے نجات پانے والے ہوں گے اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے شرک اور کفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ﴾ (المائدہ:۷۳) ان کے اس شرک و کفر کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ﴾ (المائدہ:۷۴) کہ یہ لوگ کیوں نہیں خدا کی طرف رجوع کرتے اور تائب ہوتے اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے۔

الغرض ان آیات سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوا کہ انسان کی بداعمالیاں ہوں یا کفر و شرک ہو یا نفاق کی گندگیوں میں مبتلا ہو۔ ان میں سے ہر ایک جس وقت بھی اپنے جرائم و گناہوں اور کفر و شرک یا نفاق سے تائب ہو کر مطیع و فرمانبردار بننا چاہے تو اس کو بارگاہ رحمت سے دھتکارا نہیں جائے گا۔ نزع روح سکرات موت نزول اور قیامت کے وقوع سے پہلے جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو ﴿يَجِدِ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ اللہ کو بڑا ہی مہربان توبہ قبول کرنے والا پائے گا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (البروج:۱۰) کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے دیکھو اس جود و کرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مؤمنین کو ستایا۔ اولیاء کو قتل کیا۔ انہیں کو رحمت و مغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر تڑپ اور بیقراری کے ساتھ در رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمتِ خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل میں سے کسی کا واقعہ بیان فرمایا کہ جو ننانوے آدمیوں کو قتل کر چکا تھا۔ بعد میں اس کو ان بداعمالیوں پر ندامت ہوئی اور اس نے کسی عابد و زاہد کا پتہ معلوم کرنا چاہا کہ جس کے ہاتھ پر جا کر تائب ہو اور اپنی زندگی درست کر لے۔ ایک راہب کا پتہ معلوم ہونے پر اس کے پاس پہنچا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ اس جواب پر غم و غصہ کی کیفیت میں اس راہب کو بھی قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا۔ لیکن بدستور وہی تڑپ برقرار رہی اور تلاش میں رہا کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں اور تائب ہو جاؤں۔ کسی عالم سے پوچھا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کون حائل ہو سکتا ہے تیرے اور تیری توبہ کے درمیان۔ اور فلاں بستی میں ایک عالم و عابد ہے۔ تو اس کے پاس جا۔ اور اس بستی میں رہ کر خدا کی عبادت کرتا رہ۔ یہ شخص روانہ ہوا۔ سفر کی دوران موت کے آثار واقع ہوئے تو رحمت اور عذاب کے فرشتے آ گئے اور باہم خصومت کرنے

لگے عذاب کے فرشتے کہتے ہیں ہم اس کی روح قبض کریں گے اور رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ نہیں ہم اس کی روح قبض کر کے رحمت کے مقام میں لے جائیں گے حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین ناپ لو جس جگہ سے قریب ہو اسی حکم میں اس کا شمار کرلو۔ ساتھ ہی اللہ نے اس طرف کی زمین کو جہاں یہ جارہا تھا حکم دیا کہ تو نزدیک ہو جا۔ پیمائش کرنے پر توبہ کی زمین قریب نکلی۔ اس پر رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس وقت وہ زمین پر گر رہا تھا اس نے اپنا سینہ اور رخ اسی طرف جھکا دیا جس طرف وہ جارہا تھا تو ایک بالشت کے بقدر ادھر زمین کم رہ گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوا سرزمین معصیت کو کہ تو بعید ہو جا اور توبہ کی زمین کو حکم ہوا تو قریب ہو جا۔ اور اس طرح ملائکہ رحمت کو قبض روح کا حق عنایت کر دیا گیا۔

گویا قانونِ الٰہی سے اس شخص کو نافرمانیوں اور معصیتوں سے تائب اور پاک شمار کرلیا گیا کیونکہ جس تڑپ اور جذبہ کے ساتھ یہ اپنی جگہ سے نکلا اور ارض معصیت کو نفرت سے چھوڑتے ہوئے ارض اطاعت کا رُخ اختیار کرلیا تو درحقیقت یہ اس ارشادِ خداوندی کا مصداق بن گیا ﴿وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَ قَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (النساء:۱۰۰) اور اللہ کے نزدیک اس کا شمار تائبین و مطیعین میں ہو گیا اور تائب انسان بفرمان نبوی اس معصوم بچہ کی طرح ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

## انابت الی اللہ کا مفہوم:

انابت اور رجوع الی اللہ کی حقیقت نافرمانی اور معصیت سے بیزاری و متنفر ہو کر اللہ رب العزت کی اطاعت و بندگی کی طرف رُخ کرلینا ہے۔ اس طرح سے کہ گزشتہ کیے ہوئے اعمال پر ندامت و شرمساری ہو اور بارگاہِ خداوندی سے عفو کا طالب ہوتے ہوئے یہ عہد کرے کہ آئندہ ان بُرائیوں سے پرہیز کروں گا۔ حدیث سید الاستغفار کے الفاظ یہ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ)).

ان کلمات سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ توبہ و استغفار کی مجموعی حقیقت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت و خالقیت کا اعتقاد کامل رکھتے ہوئے اپنی بندگی کا اقرار کرے اور خدا سے کیے ہوئے عہد و پیمان کی تکمیل کا اپنی عملی حد استطاعت تک عزم رکھے۔ ساتھ ہی اپنی کی ہوئی برائیوں کا تصور ہو اور اس بات کا احساس ہو کہ خدا کے انعامات کس قدر ہیں اور ان انعامات کے بالمقابل میری تقصیرات کتنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس احساس کا نتیجہ ندامت و شرمندگی کی صورت میں ظاہر ہو گا اور اس طرح کے اعتقاد و عزم اور احساس ندامت کے ساتھ معافی کی طلب اور اس بات کا عہد کہ آئندہ اس طرح کی معصیت کا مرتکب نہ ہوں گا۔

تو ان تمام احوال و کیفیات کا مجموعہ درحقیقت اللہ کی طرف انابت و رجوع ہے تو ایسے رجوع الی اللہ پر بشارت سنائی جارہی ہے رحمت و مغفرت کی اور اسی کے ساتھ مایوسی کا تصور قلب و دماغ سے نکال دینے کا بھی امر فرمایا جارہا ہے۔

## رحمتِ خداوندی سے مایوسی جرم عظیم ہے:

دعوت رحمت اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کہ اللہ کی رحمت سے اے لوگو! ہرگز مایوس نہ ہو اور رحمتِ خداوندی سے مایوسی کو کفر کے درجہ میں شمار کیا گیا جیسے ارشاد ہے: ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (یوسف:۸۷) دوسری جگہ ﴿وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ (الحجر:۵۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ فرمایا: اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہو تو درحقیقت ایسا شخص کتاب اللہ کا منکر ہے۔ (ابن کثیر ج ۴)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے عظیم ترین آیت کتاب اللہ میں آیت الکرسی ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾ ہے اور خیر و شر کیلئے جامع ترین آیت قرآن کریم میں آیۃ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ (النحل:۹۰) ہے اور سب سے زیادہ مسرت و خوشی کی آیت ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ہے اور تفویض و اعتماد علی اللہ کے باب میں سب سے زیادہ مضبوط و قوی آیت ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (طلاق:۲) ہے۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) یہ سمجھا کرتے اور کہا کرتے تھے ہم جو بھی نیکیاں کرتے ہیں وہ یقیناً قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ (محمد:۳۳) (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہم نے سوچا کہ یہ کون سی چیز ہو سکتی ہے جو اعمال کو باطل کر دے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کبائر و فواحش ہیں کہ ان کے ارتکاب سے انسان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں تو اس پر ہم گھبرا گئے اور کہنے لگے یقیناً جو شخص بھی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے وہ تباہ و برباد ہوگا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے ان دونوں باتوں سے رجوع کیا۔ یعنی نہ ہم اس تخیل پر رہے کہ ہر نیکی ضرور قبول ہوگی اور نہ یہ عقیدہ رہا کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد ہلاکت و تباہی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں بلکہ اس کے برعکس ہم نے سمجھا کہ گناہوں کے ارتکاب کے بعد توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ سے بندہ اللہ کی مغفرت، عنایات اور رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

انابت کا مفہوم رجوع ہے اور ﴿ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ .. الخ ﴾ کے معنی یہ ہیں۔ اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو معصیتوں سے اعراض کرتے ہوئے۔

ان پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ۔ اور بعض ائمہ مفسرین نے اس کا مفہوم یہ ذکر کیا ہے کہ تم نفس اور اس کے تقاضوں سے منقطع ہو کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف اس کی عبادت و بندگی اور ذکر کے ساتھ رجوع کرو۔

''توبہ'' کے معنی بھی اہل لغت رجوع کے بیان کرتے ہیں اور انابتہ کے معنی بھی رجوع کے ہیں۔ جیسے کہ بیان کیا گیا۔ شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں لطیف فرق بیان کیا۔ فرمایا تائب اس کو کہیں گے جو خوف عقاب کی وجہ سے رجوع کرے یعنی سزا اور عقوبت سے ڈر کر معصیت سے تائب ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے۔ اور منیب اس رجوع کرنے والے کو کہیں گے جو حق تعالیٰ کے انعامات و کرم سے شرما کر معاصی سے باز آئے۔ ﴿ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ .. الخ ﴾ کے بعد ﴿ وَاَسْلِمُوْا ﴾ کا حکم حق تعالیٰ سبحانہٗ کے لیے اخلاص پر متوجہ و آمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کے لیے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات و کامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل و کرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۴)

الغرض آیت کا مقصد اور اس پیغام رحمت کی غرض یہ ہے کہ کسی شخص کو قبول حق اور رجوع الی اللہ کے لیے یہ بات مانع نہ ہونی چاہیے کہ اس نے اپنی سابق زندگی میں عظیم گناہ کیے ہیں۔ نہ اس کو اس وجہ سے قبول حق سے رکنا چاہیے اور نہ ہی اس کو رحمتِ خداوندی سے مایوس ہونا چاہیے۔ اس لیے ان آیات سے یہ سمجھنا کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ان اعمال کے مواخذہ کی

کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے، قطعاً غلط ہے۔ عقل اور الفاظ کی دلالت ہرگز ایسے مفہوم کی اجازت نہیں دیتی۔ حاصل یہ کہ ان آیات سے انسان کو بے فکر ہو کر گناہوں پر جری نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ مایوسی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ

تو کہہ، اب اللہ کے سوا کسی کو بتاتے ہو کہ پوجوں اے نادانو؟ اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو،

وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ

اور تجھ سے اگلوں کو۔ اگر تو نے شریک مانا، اکارت جاویں گے تیرے کیے اور تو ہووے گا

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَ مَا

ٹوٹے میں آیا۔ نہ بلکہ اللہ ہی کو پوج اور رہ حق ماننے والوں میں۔ اور نہیں

قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ

سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے۔ اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اس کی دن قیامت کے اور

السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَ

آسمان لپٹے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں۔ وہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ یہ شریک بتاتے ہیں۔ اور

نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

پھونکا گیا نرسنگا پھر بیہوش ہو گرا، جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، مگر جس کو

شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَ اَشْرَقَتِ

اللہ نے چاہا۔ پھر پھونکا گیا دوسری بار، پھر تبھی وہ کھڑے ہوگئے دیکھتے۔ اور چمکی

الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ

زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھرا دفتر، اور حاضر آئے پیغمبر اور گواہ،

وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

اور فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور پورا ملا ہر جی کو

مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷ ۴

جو کیا، اور اس کو خوب خبر ہے جو کرتے ہیں۔

## اعلان برأت از شرک وتنبیہ ووعید بحبط اعمال وخسران انجام برنافرمانی رب العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ ... الیٰ ... وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں دُنیا کے تمام انسانوں کی دعوت رحمت دی گئی اور یہ کہ دلائل حق واضح ہونے پر اگر کوئی شخص قبول حق سے محض اس وجہ سے اعراض کرتا ہے کہ اس کو اپنے سابق اعمال کا ڈر ہے اور یہ تصور ہے کہ اس کی نجات ممکن نہیں تو اس کا یہ خیال غلط ہے۔ اس کو چاہیے کہ مایوسی کا یہ تصور قلب ودماغ سے نکال دے۔ اب ان آیات میں اس امر کی ہدایت کی جارہی ہے کہ ہر حق پرست اور موحد انسان کو شرک سے براءت وبیزاری کا اعلان کردینا چاہیے۔ تاکہ کافروں کو اس کے بارہ میں ایسی کوئی طمع باقی نہ رہے کہ شاید کسی ذریعہ سے یہ شخص راہ راست سے بھٹک سکتا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی فرمادیا گیا۔ اللہ رب العالمین کی نافرمانی انسان کے لیے تمام اعمال خیر کو برباد کرتی ہے اور اس کا انجام خسارہ اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ فرمایا:

کہہ دیجیے اے ہمارے پیغمبر تو کیا غیر اللہ کی عبادت کرنے کی مجھ سے فرمائش کرتے ہو تم اے جاہلو۔ بعد اس کے کہ حق واضح ہو چکا اور توحید ثابت ہوگئی۔ اب بجائے اس کے کہ تم اس توحید کو قبول کرو۔ خود تمہاری یہ جرأت اور طمع کیسے ہوئی کہ تم مجھ ہی سے غیر اللہ کی پرستش کے لیے کہنے لگے اور حال یہ ہے کہ بے شک آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی جا چکی۔ اور ان انبیاء علیہم السلام کی طرف جو آپ سے پہلے گذرے کہ اے مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو یقیناً تیرا سارا عمل برباد ہوگا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ اے مخاطب شرک تو کیا بلکہ تو تو ہمیشہ اللہ ہی کی عبادت کرتا رہ اور ہمیشہ اللہ کے شکر گذار بندوں میں سے رہنا اور سب سے بڑا حق اللہ کا اس کی عظمت وتوحید پر ایمان لانا ہے تو ظاہر ہے کہ شرک کے ارتکاب کے ساتھ اللہ کا شکر کیسے ادا ہوسکتا ہے۔ اور جو لوگ شرک کے مرتکب ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خدا کی عظمت اور قدر ومنزلت کو پہنچانتے ہی نہیں۔ چنانچہ یہ وہی لوگ ہیں کہ انہوں نے خدا کی عظمت نہیں کی جیسے کہ خدا کی عظمت کا حق تھا اور حق عظمت ادا کرنا قبول توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی۔ قیامت کے روز اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پس پا کی ہے اس پروردگار کی اور برتر ہے وہ ذات ان کے ہر شرک سے جو وہ کرتے ہیں اور قیامت کے روز جس میں حق تعالیٰ کی یہ شان عظمت ہوگی۔ صور میں پھونک ماری جائے گی تو مدہوش ہوکر گر پڑیں گے۔ تمام زمین وآسمان والے بجز اس کے کہ جس کو خدا چاہے کہ اس مدہوشی سے محفوظ رہے پھر اس صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتاً سب ہوش میں آنے کے بعد اپنی قبروں سے باہر نکل کر کھڑے دیکھتے ہوں گے حیرت وتعجب سے کہ یہ سب کچھ کیا ہوگیا اور کیسے ہوگیا۔

اور پھر حق تعالیٰ جب اپنی شان بے چون وچگوں کے ساتھ زمین کی طرف نزول وتجلی فرمائیں گے تو زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور یہ نور اللہ کی تجلی کا ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر:۲۲) اور ہر ایک کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور لایا جائے گا پیغمبروں کو اور گواہوں کو۔ انبیاء گواہی دیں گے کہ ہم نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے اور گواہ (جو خود ان کے ہاتھ پاؤں بھی ہوں گے علاوہ فرشتوں اور اُمتِ محمدیہؐ کے) ان کے اعمال کی گواہی دیتے ہوں گے اور اس طرح سب مکلّفین کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ حق وانصاف کے ساتھ مجرمین ونافرمانوں کے واسطے سزا کا اور مطیعین وفرمانبرداروں کے لیے نجات و انعامات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہی فیصلہ حق وانصاف کا فیصلہ ہوتا ہے اور پورا پورا دے دیا جائے گا۔ ہر ایک شخص کو اس کے عمل کا بدلہ جو اس نے کیا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کوئی ظلم کا بدلہ سے بچ سکے گا۔ اور وہ پروردگار تو سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے جو وہ کرتے تھے۔ اس لیے اس کے علم اور نظر سے کسی کا کوئی عمل اور کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں مگر اس کے باوجود نامہ اعمال مرتب ہوں گے جو ان کے سامنے ہوں گے۔ انبیاء علیہم السلام احکام خداوندی پہنچا دینے کی گواہی دے رہے ہوں گے۔ اعمال کے لکھنے والے فرشتے اور خود ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیتے ہوں گے کہ اس شخص نے یہ یہ کیا۔ اس طرح عدل وانصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا جس کے بعد مجرمین جہنم کی طرف گھسیٹے جا رہے ہوں گے اور مطیعین انعام واکرام اور اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے اور فرشتے دروازوں پر استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے اور تحیہ وسلام ہوتا ہوگا۔ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ... وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ اس کے مصداق تمام کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی عظمت کو پہچانا ہی نہیں اگر وہ اس کی قدر ومنزلت کو پہچان لیتے تو ضرور ایمان لے آتے یعنی مشرکین نے اس کی عظمت وجلال کو اس حق تک نہ سمجھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی شان رفیع کا سمجھنے والا ایک عاجز مخلوق حتیٰ کہ پتھروں کو اس کا شریک بناتا۔

﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ﴾ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے متعدد روایات بیان کی ہیں اور مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت اور تمام ائمہ سلف اس قسم کی جملہ آیات کو متشابہات میں سے قرار دیتے ہیں اور آیات متشابہات میں سلف کا یہی موقف ہے کہ ظاہر پر برقرار رکھتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے اور کسی کیفیت کی تحقیق اور تعیین سے گریز کیا جائے۔ اس آیت کے شان نزول میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور دیگر آئمہ محدثین نے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے تخریج کی ہے، وہ سلف کے اس موقف کے خلاف نہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک عالم علماء یہود میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم کتاب میں یہ پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھالے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر درختوں کو ایک انگلی پر۔ پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر (اس طرح تمام کائنات کو اپنے دستِ قدرت میں لے لے گا اور پھر فرمائے گا میں ہی ہوں بادشاہ اور مالک تمام کائنات کا) اور ایک روایت میں ہے اس طرح تمام کائنات کو پانچوں انگلیوں پر لیے ہوئے حرکت دے گا اور ایک روایت میں ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیفیت بھی اپنے دستِ مبارک سے ظاہر فرمائی۔ الغرض جب اس یہودی عالم نے یہ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ اس عالم کی بات پر تعجب کے طور یا بعض احادیث کے کلمات کی رو سے تصدیق کے طور پر۔ اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت

تلاوت فرمائی: ﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ﴾ ان تمام روایات کا استیعاب حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں کر دیا ہے۔ اہل علم مراجعت فرمائیں۔

## نفخ صور کی تفصیل:

نفخ صور والی آیت مبارکہ سے یہی ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ صور پھونکنے پر آسمانوں اور زمین والے سب مدہوش ہو کر گریں گے اور دوبارہ نفخ صور پر سب انسان میدان حشر میں رب العالمین کے سامنے کھڑے حیرت کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پہلے نفخ کو نفخۃ الصعق کہا جاتا ہے جس پر آسمان و زمین کے احیاء پر موت کی مدہوشی طاری ہوگی۔ اس کے بعد پھر اسرافیل علیہ السلام کو جب دوبارہ نفخ صور کا حکم ہوگا تو تمام اموات حتیٰ کہ وہ مردے جن کی ہڈیاں اور گوشت پوست ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے یا سمندروں میں غرق ہو چکے ہوں گے یا ہواؤں میں منتشر ہو چکے ہوں گے سب زندہ ہو کر قیامت کے یہ ہولناک مناظر دیکھنے لگیں گے۔ اسی چیز کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیۃ مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ﴾ (روم:۲۵)

اکثر آئمہ مفسرین کے نزدیک نفخ صور دو مرتبہ ہی ہے اور احادیث سے بھی ان ہی دو مرتبوں کی وضاحت و تعیین ہو رہی ہے۔ بعض حضرات مفسرین جیسے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفخۃ الصعق یعنی مدہوشی کا صور دوسرا ہوگا اور ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى﴾ کو تیسرا نفخ کہا اور بعض نے یہ فرمایا ایک بار نفخ صور عالم کے فنا ہونے کا ہوگا اور دوسری بار زندہ ہونے کا اور یہ نفخۃ الصعق بعد حشر کے بیہوشی کا تیسری بار ہوگا اور چوتھی مرتبہ کے نفخ پر سب لوگ پروردگار کے روبرو حاضر کھڑے ہوں گے۔

## نفخ صور پر مدہوشی سے مستثنیٰ کون ہوں گے؟:

﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ سے ان افراد کا استثناء فرمایا گیا جو اس مدہوشی سے مستثنیٰ اور محفوظ رہیں گے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوبارہ نفخ صور پر سب لوگ ہوش میں آئیں گے تو میں ہی وہ شخص ہوں گا جو سب سے پہلے افاقہ پانے والا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرشِ الٰہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ چکے یا آج کی مدہوشی کے بالعوض ان کو کوہ طور کی مدہوشی کو سمجھ لیا گیا جب کہ کوہ طور کی تجلی واقع ہونے سے مدہوش ہو کر گر پڑے تھے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ (صحیح بخاری)

بعض مفسرین نے استثناء سے جبریل، میکائیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد لیے ہیں بعض کے نزدیک اس سے مراد حاملین عرشِ الٰہی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انبیاء و شہداء ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صور کے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس کا فرق ہوگا۔ راوی بیان کرتے ہیں لوگوں نے دریافت کیا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چالیس دن کا؟ جواب دیا میں نہیں جانتا۔ پھر لوگوں نے کہا: کیا چالیس مہینے کہنے لگے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ پوچھا گیا تو کیا چالیس سال؟ جواب دیا مجھے نہیں معلوم۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر حق تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگوں کی نشوونما ہوگی اور فرمایا انسان کے جسم میں سے کوئی چیز بھی ایسی باقی نہ رہے گی کہ وہ بوسیدہ اور پارہ پارہ نہ ہو چکی ہو مگر عَجْبُ الذَّنَبُ یعنی پشت کی ہڈی جسے ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔ پھر اسی سے (یا اس کے اجزاء سے خواہ وہ کسی بھی شکل میں متغیر ہو چکے ہوں) اس کے تمام بدن کی تخلیق اور ترکیب کی جائے گی۔ (صحیح بخاری)

اور اس طرح بعث جسمانی ہوگا۔

﴿وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ﴾ انبیاء علیہم السلام کا لایا جانا وہی ہے جو سورۂ نساء میں گذر چکا ﴿فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا﴾ (النساء:۴۱) کہ ہر اُمت کے پیغمبر کو لایا جائے گا اور ان انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ احکام الٰہی پر گواہی دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا۔ تو ایک گواہی یہ ہوگی۔ مزید ایک گواہی اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوگی تو اُمت کے افراد بھی بطور گواہ لائے جائیں گے۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾ (الحج:۷۸) تیسری قسم کی گواہی ہر انسان کے اعضاء و جوارح کی ہوگی جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ (یٰسین:۶۵) چوتھی گواہی ملائکہ اور کراماً کاتبین کی ہوگی۔ چنانچہ فرمایا گیا: ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِیْدٌ﴾ (قٓ:۲۱)

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ

اور ہانکے گئے جو منکر تھے، دوزخ کو جتھے جتھے، یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر، کھولے گئے

اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ

اس کے دروازے اور کہنے لگے ان کو داروغہ اس کے، کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے؟ پڑھتے تھے

عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰی

تم پر باتیں تمہارے رب کی، اور ڈراتے تم کو تمہارے دن کی ملاقات سے۔ بولے، کیوں نہیں!

وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

پر ثابت ہوا حکم عذاب کا منکروں پر حکم ہوا کہ پیٹھو دروازوں میں

جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِیْقَ

دوزخ کے سدا رہنے کو اس میں سو کیا بُری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو؟ اور ہانکے گئے،

الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ

جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے بہشت کو جتھے جتھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر، اور کھولے گئے

اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا

اس کے دروازے، اور کہنے لگے ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو سو پیٹھو اس میں

خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ

سدا رہنے کو، اور وہ بولے شکر اللہ کا جس نے سچ کیا ہم سے اپنا وعدہ، اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى

گھر پکڑ لیں بہشت میں سے جہاں چاہیں سو کیا خوب نیگ ہے محنت کرنے والوں کا۔ اور تو دیکھے

الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ

فرشتے، گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں۔ اپنے رب کی خوبیاں،

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۸ ۵

اور فیصلہ ہوا ہے ان میں انصاف کا اور یہی بات ہوئی کہ سب خوبی ہے اللہ کو، جو صاحب ہے سارے جہان کا۔

## بیان انجام حقارت وتذلیل کفار ومجرمین وانعام واکرام اہل ایمان ومطیعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ ... الٰى ... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مشرکین وکفار کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ شرک ونافرمانی سے باز نہ آئیں گے، تو زندگی میں کیے ہوئے تمام اعمال حبط وبرباد ہوں گے اور انسان کو نہ قیامت سے بے فکر ہونا چاہیے اور نہ محاسبہ سے لاپرواہی برتنی چاہیے۔ قیامت بھی برحق ہے، محاسبہ اعمال بھی۔ اعمال اس پروردگار پر پوشیدہ نہیں وہ اعمال کو دیکھتا اور جانتا ہے۔ اس نے ہر انسان کا نامہ اعمال بھی تیار کر رکھا ہے۔ اعمال پر گواہ بھی ہیں اس نوعیت سے مجرم کو اعمال کی سزا دی جائے گی اور جو مطیع وفرمانبردار ہیں ان کو ان کی نیکیوں پر انعام وجزا دی جائے گی تو اس طرح جزا وسزا کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اب آئندہ آیات میں اس کی تفصیل کی جارہی ہے۔ ہر گروہ کے ساتھ قیامت کے روز کیسا معاملہ ہوگا تو ارشاد فرمایا۔

اور اس قضاء حق اور فیصلہ عدل کے بعد ہانکا جائے گا کافروں کو جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر اس طرح ان کو ذلت کے ساتھ ہنکا کر لے جایا جائے گا۔ جیسے جانوروں کو دھکیل کر کسی جگہ لے جایا جاتا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ کفار جانے کے لیے تیار نہ ہوں گے تو زبردستی ان کو دھکیلا جاتا ہوگا۔ اور کافروں کے کفر وشرک کی بہت انواع ہیں تو اسی لحاظ سے ہر نوع کفر وشرک کے مرتکب کا ایک گروہ ہوگا۔ اس طرح گروہ در گروہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یا یہ کہ رؤسا اور ان کے سرغنے آگے آگے ہوں گے اور متبعین وپیروکار پیچھے پیچھے۔ * یہاں تک کہ جب یہ کفار دوزخ کے سامنے پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ ایک دم جہنم کے شعلے اور لپٹیں ان کو

---

* اسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ظاہر فرمایا: ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ یعنی کافروں کی ہر جماعت میں سے ہم ان لوگوں کو چھانٹ لیں گے جو کفر میں زیادہ شدید تھے تو بڑے بڑے کفار علیحدہ ہوں گے اور چھوٹے چھوٹے الگ ہوں گے۔

جھلسنا شروع کر دیں۔ اور دروازے کھلتے ہی دائمی عذاب اور وہاں کے ہولناک مناظر نظروں کے سامنے آتے ہی حسرت وملال کی بے چینی پیدا کر دیں گے اور ان سے دوزخ کے نگران فرشتے بطور ملامت کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے تھے اور احکام خداوندی سکھایا کرتے تھے اور تم کو ڈرایا کرتے تھے تمہارے اس دن کے پیش آنے سے کہ اے لوگو! قیامت کا دن آنا ہے اس کی فکر کر لو۔ اللہ کی نافرمانی سے بچو ورنہ عذاب خداوندی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت ذلت ولاچاری کے عالم میں کافر کہیں گے کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے اور انہوں نے عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ بے شک اسباب ہدایت سب موجود تھے لیکن ہم نے نہ ان سے فائدہ اٹھایا اور نہ راہ راست پر آئے لہٰذا اب عذاب کا فیصلہ ثابت ہو کر رہا۔ کافروں پر اور اب حسرت وندامت کے ساتھ سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارہ نہیں کہ بے شک ہم نے کفر کیا اور کافروں کے حق میں جس عذاب کا فیصلہ اور وعدہ تھا وہ اب ہمارے سامنے موجود ہے تو یہ ہماری نالائقی ہے اور ہم اس کے مستحق ہیں۔ اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا اچھا اب تو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس طرح کہ ہمیشہ اس میں رہو گے۔ غرض یہ متکبرین [1] اور اللہ کے احکام سے سرکشی کرنے والوں کا بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ بخلاف اہل توحید میں سے گنہگاروں کے کہ اگر وہ اپنے گناہوں کے باعث بطور سزا جہنم میں گئے بھی تو سزا بھگتنے کے بعد ان کو عذاب جہنم سے آزاد کر دیا جائے گا۔ جہنم ان کا دائمی ٹھکانہ اور حقیقی مثویٰ نہیں۔ اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے خدا سے ڈرے اور اپنے رب پر ایمان لائے ان کو نہایت ہی عزت واکرام کے ساتھ چلایا جائے گا جنت کی جانب گروہ گروہ بنا کر اس طرح کہ متبعین کی جماعتیں مراتب تقویٰ کے لحاظ سے جدا جدا ہوں گی۔ ہر جماعت کی ایک علیحدہ شان ہوگی وہ اس شان کے ساتھ جنت کی طرف لے جائے جا رہے ہوں گے۔ مجرمین کو فرشتے ذلت وحقارت سے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے گئے تھے تو ان فرمانبرداروں اور مؤمنین کے اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ چلتے ہوں گے جس طرح بادشاہوں کے محافظ اور درباری خدام اپنے درمیان اپنے بادشاہ کو لے کر چلتے ہوں۔ اہل جہنم کا سوق حقارت وتوہین کے رنگ میں تھا جیسے چوروں ڈاکوؤں کو طوق وسلاسل کے ساتھ سپاہی لے جاتے ہوں لیکن اہل جنت کا جنت کی طرف سوق اعزاز واکرام کے ساتھ ایسا ہوگا جیسے بادشاہ کو اس کے مصاحبین لیے جاتے ہوں۔ [2] فرشتے ان کو تقاضا کر کے جلدی جلدی لیے چلتے ہوں گے اور خدام پیچھے سے ان کے حواریوں کو ہنکاتے

---

[1] پہلی آیت میں ان دوزخیوں کو کافرین کہا گیا اور اس آیات میں "متکبرین" عذاب جہنم تو بے شک کفر ہی کی وجہ سے ہے لیکن کفر کا اصل سبب اور علت تکبر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ ایک چیز عذاب کی ذلت ہے اور دوسری چیز یعنی تکبر وہ علۃ العلۃ ہے تو ان دو تعبیروں سے اشارہ کر دیا گیا کہ جو لوگ کفر میں مبتلا ہیں دراصل ان کا یہ کفر ان کے تکبر کا نتیجہ ہے۔ نخوت اور تکبر ہی ہمیشہ کافروں کے کفر کا سبب بنا۔ انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کے سامنے سر جھکانے سے تکبر کیا تو ایک موقعہ پر علت عذاب کو ذکر کر دیا گیا اور دوسری آیت میں علت کی علت بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ان کافروں کا یہ کفر ان کے تکبر کا انجام ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے کافروں کی یہی نخوت، کفر ونافرمانی کا سبب بنی رہی جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ اور تکبر ہی تمام رذائل کا سرچشمہ ہے اس وجہ سے اس کی سزا میں کفار کو انتہائی ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس طرح ذلت وحقارت کے ساتھ جہنم میں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا جیسے جانور ہنکائے جا رہے ہوں۔ اسی وجہ سے لفظ "سیق" استعمال کیا گیا جو سوق بمعنی ہنکانے سے مشتق ہے۔ ۱۲

[2] ان کلمات سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ لفظ اہل جنت کے لیے بطور صنعت مشاکلت کے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اہل جنت تو ظاہر ہے کہ بصد اکرام جنت میں لے جائے جائیں گے جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴾۔

ہوں گے۔غرض یہ سوق عزت وکرامت کا ہوگا جو بصد شوق ومحبت ہوگا۔ یہاں تک کہ جب یہ اہل ایمان جنت تک پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور جیسے کہ معزز مہمانوں کی آمد سے قبل ان کے استقبال کے لیے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی جنت کے نگران ان سے کہیں گے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ﴾ سلامتی ہو تم پر اللہ کی عنایات ورحمتوں کے ساتھ اور خوش رہو تم۔ پس داخل ہو جاؤ اس جنت میں اس شان سے کہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے۔ ہر جانب سے تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی نہ کبھی کوئی تعب ومشقت پیش آئے گی اور نہ کسی قسم کا رنج وغم واقع ہوگا۔ اہل جہنم کو تو خازنین جہنم داخل ہونے سے پہلے ملامت اور سرزنش کریں گے لیکن اہل جنت کے لیے خازنین جنت تحیۃ وسلام اور پیغام بشارت اور ان کی ثناء توصیف اور اعزاز واکرام کے ساتھ استقبال کرتے ہوں گے اور آئندہ کے لیے بھی سکون وچین کا مژدہ سنا کا مطمئن کریں گے۔ جس پر اہل جنت خوش ہوں گے اور فرط مسرت اور جذبہ تشکر سے یہ کہیں گے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ شکر ہے اس خدا کا جس نے پورا کر دکھایا جو وعدہ اس نے ہم سے کیا تھا ہمارے ایمان لانے پر جو وعدہ تھا جنت کا وہ وعدہ محض اپنے فضل سے پورا کر دیا اول تو وعدہ ہی محض اس کا فضل تھا پھر اس مہربانی پر مزید یہ کہ ہم کو اس نے ایمان کی توفیق دی پھر یہ انعام کہ ہم کو اس پر قائم رکھا۔ پھر اور کرم بالائے کرم یہ کہ اس کو قبول فرمایا اور خوشنودی کا ذریعہ بنایا۔ لہٰذا یہ سب کچھ اس کا فضل ہی فضل ہے اس پر جس قدر بھی اس کا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے اور ہم کو اس سرزمین کا وارث بنا دیا کہ ہم عالم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانہ بنالیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں حالانکہ دنیا میں تو کوئی ایک بالشت زمین کا ٹکڑا بھی جہاں چاہے نہیں حاصل کر سکتا تھا۔ پھر یہاں ہر شوق اور خواہش پوری ہو رہی ہے ہر طلب پوری کی جا رہی ہے جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۳۱) تو آخر اس سے بڑھ کر انعام واکرام کا کیا درجہ ہو سکتا ہے۔ پس کیا ہی اچھا ہے اجر وثواب نیک عمل کرنے والوں کا۔

الغرض جب اہل جنت اللہ کے فضل سے جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخیوں کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا تو اللہ کے برگزیدہ بندے اللہ رب العزت کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو جائیں گے اور اے دیکھنے والے تو اس روز دیکھے گا فرشتوں کو اس طرح کہ گھیرے ہوئے ہوں گے ہر جانب سے عرشِ الٰہی کو پاکی بیان کر رہے ہوں گے اپنے رب کی حمد وثناء کرتے ہوئے کہ پروردگار عالم کی تسبیح وتحمید میں غرق ہوں گے اور عرشِ الٰہی کعبۃ اللہ کی طرح ملائکہ کا مطاف بنا ہوا ہوگا اور عرش خداوندی کے طواف کے دوران ملائکہ کا ورد ہوگا۔ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾ اور تمام خلائق کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اللہ رب العزت کی شانِ عظمت وکبریائی اور عدل وانصاف کو دیکھ کر ہر زبان اور ہر سمت سے یہی صدا جاری ہوگی۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی ہر طرف سے فرشتوں اور اہل جنت کی زبان جوش وخروش کے ساتھ اللہ کی حمد وستائش میں مصروف ہوگی۔ اور کہا جاتا ہوگا۔ ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

فرشتوں کا عرشِ الٰہی کے گرد گھیرا بنائے تسبیح وتحمید میں مصروف ہونا اس وقت ہوگا جب حق تعالیٰ کا نزول اجلال ہوگا بندوں کے حساب کے لیے۔ اس وقت کی عظمت وہیبت کا یہ اثر ہوگا۔ فرشتے بھی عرشِ الٰہی کا گھیرا دیئے یا طواف کرنے کی حالت میں حمد وثناء میں مصروف ہوں گے۔

ان آیات میں عجیب ربط وتناسب ہے جس سے مزید شان اعجاز کلام خداوندی کی ظاہر ہو رہی ہے ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ﴾

سے کلام کا آغاز فرمایا گیا تھا۔ اثبات توحید اور نفی شرک موضوع خطاب تھا اس سے کلام کی ابتدا کرتے ہوئے معاد اور آخرت کا ذکر شروع کر دیا گیا اس میں جنت و جہنم اور اہل جنت و جہنم کا ان کے احوال کا ان کے جنت و جہنم میں داخل ہونے کی کیفیت کا بیان فرما دیا گیا اور ان تمام تفصیلات کو اخیر میں حق تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کے بیان پر ختم فرمایا۔ یہ کہتے ہوئے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔

﴿اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ﴾ میں جنت کی سرزمین کو لفظ ارض سے مجازاً اس لحاظ سے تعبیر کیا گیا کہ وہ جگہ اسی طرح چلنے پھرنے اور ٹھکانہ بنانے کی ہوگی جیسے عالم دُنیا میں زمین ہوتی ہے۔

## دوزخ و جنت کے دروازے اور ان میں داخل ہونے والوں کی کیفیات

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ اہل جہنم کے جہنم کے سامنے پہنچنے کی کیفیت میں یہ فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے سامنے پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ ﴿اِذَا جَآءُوْهَا﴾ شرط پر فتحت کا جملہ جزائیہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے پہنچتے ہی فوراً دروازے کھولے جائیں گے تاکہ جلد سے جلد ان کفار و مجرمین کو دار العقوبت میں پہنچا دیا جائے اور ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے نیز مجرمین کے ساتھ یہی طریقہ برتا جاتا ہے کہ جیل خانہ بند ہوتا ہے جوں ہی مجرم لایا گیا جیل کے نگران فوراً دروازہ کھول کر مجرم کو اندر دھکیل دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل اہل جنت کا جنت میں جانا اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوگا اور اعزاز و کرام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ معزز مہمانوں کے استقبال کے لیے دروازے پہلے کھلے رہیں اس لیے وہاں ﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ کی تعبیر اختیار کی گئی جس کا ترجمہ یہ کیا گیا اور دروازے کھلے ہوں گے جیسا کہ ایک موقعہ پر دخول جنت کے ذکر میں ﴿مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ (صٓ:۵۰) فرمایا گیا۔

﴿زُمَرًا﴾ یعنی گروہ گروہ اور جماعتیں جماعتیں۔ اہل جنت کے گروہ وہی جماعتیں ہوں گی جن پر خدا کا انعام ہے اور وہ انبیاء و صدیقین و شہداء اور صالحین کے گروہ ہیں جو یکے بعد دیگرے جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾ (النساء:۶۹)

جنت میں داخل ہونے والا سب سے پہلا گروہ اگرچہ جملہ انبیاء کا ہوگا لیکن وہ ذات جو سب سے پہلے جنت میں جائے گی وہ حضور اکرم ﷺ ہوں گے جیسے کہ ارشاد ہے:

((انا اوّل من یقرع باب الجنة)). (صحیح مسلم)

"کہ میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔"

اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز میں جنت کے دروازہ پر پہنچوں گا دستک دینے پر خازن جنت دریافت کرے گا۔ کون؟ میں جواب دوں گا میں ہوں محمد (ﷺ) خازن جنت کہے گا۔ مجھے آپ ﷺ ہی کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے واسطے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے جو گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ ان کے بعد وہ گروہ ہوگا جو زیادہ سے زیادہ روشن ستاروں کے مانند ہوں گے پھر اسی ترتیب کے ساتھ

یکے بعد دیگرے داخل ہونے والے گروہوں کے حسن و جمال کا حال ہوگا۔

## جنت کے دروازے اعمال کی مناسبت سے متعین ہوں گے

جنت کے دروازوں کا عدد احادیث میں آٹھ ثابت ہوا ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے: ((انّ فی الجنة ثمانية ابواب باب منها يسمى باب الرّيّان لايدخله الا الصّائمون)) اور باب فضل وضو میں ہے: (( فتحت لهٗ ابواب الجنة الثمانية يدخل من ايها شاءَ)).

جنت کے دروازوں میں کوئی باب الصلوٰۃ ہوگا۔ کوئی دروازہ باب الصدقہ ہوگا۔ کوئی باب الصیام۔ جس کو باب الریان فرمایا گیا۔ کوئی باب الحج ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ان دروازوں میں ہر ایک دروازہ سے داخل ہونے والے وہ ہوں گے جو اپنی زندگی میں اس عبادت اور عمل سے خاص شغف رکھنے والے ہوں گے مثلاً جن پر نماز کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے اور جن پر صدقہ وخیرات کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصدقہ سے داخل ہوں گے اور جن پر جہاد کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الجہاد سے اور اسی لحاظ سے ان کو پکارا جائے گے۔ ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ جب یہ بیان فرما رہے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اس بات کی کسی کو ضرورت تو نہیں ہے کہ اس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے اور بلایا جائے ( کیونکہ ایک آدمی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتا ہے ) لیکن پھر بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ہوگا ایسا جس کو سب دروازوں سے پکارا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایسا بھی کوئی شخص ہوگا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ شخص اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم ہی ہوگے۔ ( صحیح بخاری و مسلم)۔

﴿وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ الحمد للہ رب العالمین کی صدا جوش وخروش کے ساتھ لگانے والے کون ہوں گے؟ بالعموم حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ یہ مؤمنین اور اللہ کے فرشتے ہوں گے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں یہ کہنے والی کائنات کی ہر شے ہوگی کہ ہر موجود شے اس فیصلہ کے عدل وانصاف کو دیکھ کر اللہ کی پاکی اور حمد وثناء میں مصروف ہو جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

عالم کائنات کی جب ہر چیز اللہ کی حمد وثناء کرتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴) یہی وجہ ہے صیغۂ مجہول ﴿وَ قِيْلَ﴾ کا استعمال کیا گیا تاکہ عموم قائل پر دلالت کرے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہر مخلوق حمد خداوندی کے ساتھ ناطق ہوگی اور اس کی پاکی کی گواہی دینے والی ہوگی۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات تخلیق اپنی حمد سے فرمائی۔ جیسے کہ فرمان ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ (الانعام: ۱) تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ اور ان کے امور کی انتہا بھی حمد خداوندی پر ہو۔ اس بناء پر اس عدل وانصاف کے آخری فیصلہ کو اسی عنوان کے ساتھ ذکر فرمایا گیا۔ ﴿وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ابتداء خلق بھی حمد سے تھی تو تمام امور کا انجام وانتہا بھی حمد خداوندی پر کی گئی۔

الحمد للہ! آج مورخہ ۲۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۰ھ یوم شنبہ بعد العشاء سورۂ زمر کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَ لِلّٰهِ الحمد اوّلًا و اٰخرًا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۂ مومن

سورۂ مومن بھی مکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورۂ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہی قول عطاء، جابر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت میں پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آلِ حٰمٓ یعنی جو سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر سورۂ حٰمٓ اپنے تلاوت کرنے والے کو عذاب جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

**ربط:** اس سے قبل سورہ زمر کی ابتداء وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کے بیان سے تھی اور انتہا اس مضمون پر تھی کہ حق تعالیٰ کا اپنی مخلوقات کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ اور عدل وانصاف قائم کرنا حق تعالیٰ کی شان عزت وکبریائی اور علم وحکمت پر مبنی ہے تو یہ سورت حق تعالیٰ کے ایسے ہی اوصاف عظیم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے مثلاً اس کا ﴿الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ زبردست ہونا، علم والا ہونا۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ﴾ گناہوں کی مغفرت کرنے ولا ﴿قَابِلِ التَّوْبِ﴾ توبہ قبول کرنے والا۔ ﴿شَدِیْدِ الْعِقَابِ﴾ سرکشوں کو شدید سزا دینے والا۔ ﴿ذِی الطَّوْلِ﴾ بڑی بخشش والا۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ کہ وہ خدا یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں جو اس کو کسی بات سے روک لے۔ ﴿اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ان صفاتِ خداوندی کے ساتھ کلام کی ابتداء فرمائی جا رہی ہے ارشاد فرمایا: ﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ﴾

## آیاتہا ۸۵ | ㊵ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ㊵ | رکوعاتہا ۹

سورۂ مومن مکی ہے اس میں ۸۵ آیات اور ۹ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ① تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ

اُتارا کتاب کا اللہ سے ہے جو زبردست ہے خبردار گناہ بخشنے والا

وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ

اور توبہ قبول کرتا سخت مار دیتا، مقدور کا صاحب۔ کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے۔ اسی کی طرف

الْمَصِيْرُ ۝۳ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ

پھر جانا ہے۔ وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں، جو منکر ہوئے سو تو نہ بہک اس پر کہ چلتے

تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ

پھرتے ہیں شہروں میں۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی، اور کتنے فرقے

بَعْدِهِمْ ۪ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا

ان سے پیچھے۔ اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑ لیں،اور لانے لگے جھوٹے جھگڑے

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵

کہ اس سے ڈگاویں سچا دین، پھر میں نے ان کو پکڑا تو کیسی ہوئی میری سزا دینی؟

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ

اور ویسے ہی ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی منکروں پر، کہ یہ ہیں

النَّارِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ

دوزخ والے۔ جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش اور جو اس کے گرد ہیں پاکی بولتے ہیں

رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ

اپنے رب کی خوبیاں، اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والو ں کے۔ اے رب ہمارے

كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ

ہر چیز سمائی ہے تیری مہر میں اور خبر میں، سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں، اور چلیں تیری راہ،

وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ

اور بچا ان کو آگ کی مار سے۔ اے رب ہمارے اور داخل کر ان کو بسنے کے باغوں میں،

وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ

جن کا وعدہ دیا تو نے ان کو، اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں۔ بے شک

اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ اور بچا ان کو برائیوں سے۔ اور جس کو تو بچاوے برائیوں سے،

ع ۱ ۹ ۶ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع

اس دن اس پر مہر کی تو نے۔ اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پانی۔

## بیان عظمت خداوندی وتہدید بر مقابلہ ومجادلہ مغرورین ومتکبرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۲ ... الیٰ ... هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹﴾

**ربط:** گزشتہ سورت کے مضامین میں مجموعی طور پر قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے۔ ساتھ ہی ان لوگوں پر وعید وتنبیہ تھی جو خدا کے پیغمبر کے ساتھ تمسخر ومذاق کرتے تھے تو اسی مناسبت سے اس سورۂ مومن یا غافر میں بھی اسی طرح کے مضامین ذکر فرمائے گئے جو اثبات توحیدِ خداوندی اور وحی الٰہی کی حقانیت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے متعلق ہیں۔ اور اسی کے ضمن میں ان مغرور ومتکبر اور سرکش قسم کے انسانوں پر وعید ہے جو اپنے دنیوی جاہ وجلال اور مال ودولت کے نشہ میں مست ہو کر خدا سے غافل ہیں تو مجموعی طور سے اس سورت کے مضامین تین انواع پر مشتمل ہیں۔ **ایک نوع** مضمون اثبات توحید ہے۔ **دوسری قسم** مجادلین فی الحق کی مذموم خصلتیں بیان کرنا ہے۔ **تیسری قسم** آنحضرت ﷺ کی تسلی کے مضامین کی ہے۔ تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

﴿حٰمٓ﴾ اللہ ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے یہ کتاب اتاری ہوئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے اس لیے وہ اپنے بندوں کے ہر عمل کو جانتا ہے اور ہر عمل کا بدلہ دینے پر بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود گناہ کا بخشنے والا ہے توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے مجرموں کو بڑی قدرت رکھنے والا ہے مطیعین وفرمانبرداروں پر انعام وبخشش کی نہیں ہے کوئی لائق عبادت اس کے سوا بس اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اس قرآن کریم کے نزول اس کی حقانیت اور ذاتِ خداوندی کی عظمت وکبریائی اور اس امر کا کہ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ تقاضا ہے کہ انسان اس کتابِ الٰہی اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اس میں کسی طرح کا انکار وجدال نہ کیا جائے مگر پھر بھی معاندین اللہ کی آیتوں میں خصومت اور اس کے احکام کا مقابلہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں میں کوئی بھی جھگڑا اور جدال نہیں کرتا مگر صرف وہی لوگ جو اللہ کے منکر ہیں۔ ان کا انکار اور خدا کے ساتھ خصومت کا اقتضاء تو یہ ہے کہ جلد از جلد ان پر خدا کا عذاب نازل ہو جائے لیکن خدا نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس لیے اے ہمارے پیغمبر (یا اے مخاطب) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں

چلنا پھرنا نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اور اپنے کاروبار میں منہمک رہنا۔ تو اس عارضی مہلت کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ خدا کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچے رہیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان سے پہلے قوم نوح نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور دوسرے اور بھی گروہوں نے جو ان کے بعد ہوئے جیسے عاد ثمود وغیرہ اور ہر ایک قوم نے اپنے رسول کے متعلق یہ ارادہ کیا۔ اور اسی تدبیر میں لگے کہ اس اللہ کے رسول کو پکڑ لیں اور پکڑ کر قتل کر ڈالیں اور جھگڑنا شروع کر دیا باطل طریقہ سے تا کہ اس باطل سے حق کو مٹا دیا بالآخر میں نے ان کو پکڑا پھر دُنیا نے دیکھ لیا کہ کیسا تھا میرا عذاب تو جس طرح ماضی میں گزری ہوئی ان قوموں پر خدا کا عذاب مسلط ہوا۔ اسی طرح اے محمد ﷺ! آپ کے رب کا فیصلہ تمام کافروں اور منکروں کے حق میں ہو چکا ہے کہ بلا شبہ وہ لوگ دوزخی ہیں اور اس فیصلہ خداوندی سے ان مجرموں پر دنیا میں بھی عذاب ذلت و رسوائی کی صورت میں ہوگا اور آخرت میں بھی دوزخ کی آگ میں جلیں گے خدا کو کسی کی عبادت اور ایمان کی کوئی حاجت نہیں اس کی شان عظمت تو یہ ہے کہ جو فرشتے عرشِ الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے عرش الٰہی کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اس کی حمد و ثناء کے ساتھ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں ایمان والوں کے لیے اس طرح دعا کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب تو تو چھائے ہوئے ہے ہر چیز پر اپنی رحمت اور علم کے لحاظ سے پس مغفرت فرما دے ان لوگوں کی جنہوں نے تیری طرف رجوع کیا (تائب ہو کر بُرائی سے) اور تیرے راستہ پر چلے اور بچا لے ان کو دوزخ کے عذاب سے اور ظاہر ہے کہ ایسی بے پایاں رحمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ذرا بھی اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور ایمان والوں کو اپنی اس بے پایاں رحمت و انعام سے نواز دے اس لیے اے ہمارے پروردگار محض یہی نہیں کہ تو ان کو جہنم کے عذاب سے بچائے بلکہ اور ان کو داخل کر دے بہشت کے ان باغات میں جو ہمیشہ رہنے کے ہیں جن کا تو نے وعدہ کیا ہے ان ایمان والوں سے اور ان کو بھی داخل کر لیجیے جو ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے صالح ہیں نیک و برگزیدہ اور جنت کی نعمتوں کے لائق ہیں اگرچہ وہ ان اہل ایمان و تقویٰ کے برابر درجہ کے نہ ہوں بے شک آپ تو بڑے ہی عزت و حکمت والے ہیں۔ اس لیے جس کسی کو بھی اپنے انعام سے نوازنا چاہیں گے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور جو بھی انعام و کرم فرمائیں گے وہ عین حکمت کے مطابق ہوگا۔ اور اے پروردگار ان کو بچا لیجیے تکلیفوں سے اور اے پروردگار! آپ جس کو اس روز قیامت کی تکلیفوں سے بچا لیں بس اس پر تو آپ نے بڑی ہی رحم و کرم فرما دیا اور یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے کہ مغفرت بھی ہوگئی رضا اور خوشنودی بھی میسر آ گئی آخرت اور روز قیامت کی تکلیفوں اور شدتوں سے محفوظ ہو گیا اور جنت کے بے پایاں انعامات سے نواز دیا گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہو سکتی ہے۔

## اللہ کی آیات میں جدال و خصومت ہلاکت کا سامان

﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کا عنوان یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی آیات میں خصومت و جدال اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ ان کے سامنے جب بھی اللہ کی آیات تلاوت کی جائیں وہ سراپا انقیاد و اطاعت بن جائیں ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ (الزمر: ۲۳) کا مصداق ہو جائیں۔ چہ جائیکہ حجت بازی اور خصومت کا رنگ اختیار کریں۔ عمروؓ بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما نزل كتاب الله يُصدق بعضه بعضا فلا تكذبوا بعضه ببعض. فما علمتم فقولوه وما جهلتم فكِلوه الىٰ عالم)). (رواه البغوی)

"(یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت وتردید کے جذبہ میں تعارض وتناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے۔ (نہ کہ تردید تکذیب) اس لیے تم ایک حصہ کی دوسرے حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو۔ جو جانتے ہو وہ بیان کرو۔ اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کردو۔"

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو شخصوں کی آواز سنی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ چہرۂ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی قومیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

بہرکیف یہ جدال وخصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال وخصومت ہے۔ جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اسی شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو۔ علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نابلد ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔

نیز ﴿فَلَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ سے یہ واضح کر دیا گیا مال ودولت اور دُنیوی جاہ اقتدار سے کسی بھی وقت انسان کو حق اور باطل کے درمیان کسی قسم کا شبہ اور تردّد نہ کرنا چاہیے۔ یہ دُنیوی عزتیں نہ علم کی دلیل ہیں اور نہ خدا کے یہاں مقبول ہونے کی نشانی ہے۔

## ملائکہ حاملین عرش کی اہل ایمان کے لیے دُعا

اہل ایمان وتقویٰ اور تائبین ومطیعین کی قرآن کریم میں بہت سی خوبیاں اور ان پر نعمتیں بیان کی گئیں۔ لیکن اس مقام پر جو خاص انعام اور ان پر فضل وکرم ذکر کیا گیا وہ یہ کہ ملائکہ حاملینِ عرش ایسے وقت کہ عرشِ الٰہی اٹھائے ہوئے اس کی حمد وتسبیح میں مصروف ہوں یہ دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرمادے ان مؤمنوں کی جو تیری طرف رجوع کر چکے اور تیرے راستہ پر چلے ان کو جہنم کے عذاب سے بچا اور جنات عدن میں ان کو داخل فرمادے نہ صرف ان کو بلکہ ان کے آباء ان کی ذریت اور ان کی ازواج کو بھی ان ہی کے ساتھ ملحق کردے اگرچہ وہ خود اس درجہ کے مستحق نہ ہوں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاملینِ عرش فرشتوں اور ان کے گرد ملائکہ کو کروبین کہا جاتا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں۔ ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اگر ایک ستارہ زمین کی سطح سے لاکھوں گنا زائد ہوسکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں۔ اس روایت سے حاملین عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن مجید کی آیت ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾ (الحاقہ:۱۷) بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش

کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روز ان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہو جائے گی۔

شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملینِ عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے:

((سبحانك اَللّٰهُمَّ وبحمدك الحمد علىٰ حلمك بعد علمك)).

"اے اللہ! تیری پاکی ہے حمد وثناء کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس حلم پر جو تیرے علم کے بعد ہے۔"

اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے:

((سبحانك اَللّٰهُمَّ وبحمدك لك الحمد علىٰ عفوك بعد قدرتك)).

"یعنی تیری حمد وثناء ہے تیرے درگزر پر باوجود تیری قدرت کے۔"

تو ان دو تسبیحوں سے ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا﴾ کی حقیقت ظاہر ہو رہی ہے اس وسعت علمی کے باوجود اس قدر حلم اور اس قدرت کاملہ کے باوجود یہ درگزر یقیناً اس کی وسعت رحمت کا پورا پورا مظہر و پیکر ہے ان حاملینِ عرش فرشتوں کی تسبیح وتحمید کے ساتھ مزید ایک وصف بیان کیا گیا۔ ﴿وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ کہ یہ فرشتے اس پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ فرشتوں کا ایمان اور پروردگار کی معرفت تو محتاجِ بیان ہی نہیں کیونکہ ان کے سامنے تو ہمہ وقت اللہ رب العزت کی تجلیات ظاہر ہیں اور اس کی عظمت وکبریائی کا ان سے بڑھ کر کس کو مشاہدہ ہو سکتا ہے تو ان کے لیے وصف ایمان کا ذکر ایمان کی عظمت اور شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے یعنی ایمان ایسی عظیم نعمت ہے کہ فرشتے بھی اس سے متصف ہوتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کا ایمان لانا بیان کیا جائے نیز ﴿وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ کے لفظ سے اشارہ ہے کہ ان فرشتوں کی ایک صفت تو بجانب خداوندی کمال عظمت ہے اور بندوں کی جانب ان کا رنگ کمال شفقت کا ہے جیسا کہ لفظ ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ظاہر کر رہا ہے۔ فرشتوں کی دعا اہل ایمان کے حق میں حق تعالیٰ کی طرف سے مؤمنین پر ایک خاص انعام ہوگا۔ یہ دعا تین اجزاء پر مشتمل ہے ایک مغفرت ومعافی کے لیے جس پر لفظ ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ دلالت کر رہا ہے۔ دوسرے جنت کی لازوال نعمتوں کے لیے۔ تیسرے ان جنتیوں کے ساتھ ان کے ماں باپ اولاد اور بیبیوں کے ملا دینے کے لیے کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنت کے ان ہی درجات میں بھیج دیئے جائیں جو خود ان کے ہیں اگرچہ یہ لوگ ان درجات کے مستحق نہ ہوں مگر محض اس لیے کہ ان ایمان وتقویٰ والوں کی راحت اور خوشنودی مکمل ہو جائے اور اپنے کسی عزیز کے فراق کا قلب پر کوئی ملال ورنج نہ ہو۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مؤمنین کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا جو اعزاز واکرام سے اپنے باغات ومحلات میں پہنچا دیئے جائیں گے تو ان مؤمنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ، کہاں ہے میری ماں۔ کہاں ہے میرا بیٹا۔ کہاں ہے میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا۔ ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبہ کے نہیں ہیں تو یہ مؤمن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا اس پر اعلان ہوگا کہ اچھا ان لوگوں کو بھی اسی مؤمن کے ساتھ لاحق کر دو ❶ اس مضمون کو بیان کر کے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

---

❶ بحوالہ تفسیر مظہری جلد ۸۔

یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے: ﴿رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ ... الخ﴾ یہی وہ مضمون ہے جو آیت مبارکہ ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ﴾ (الطور:۲۱) میں ذکر فرمایا گیا۔

فرشتوں کی دعا میں ان تین اجزاء کے بعد خیر میں ایک خاص جزیہ بھی بطور الحاق اور تکمیل دُعا ہے۔ ﴿وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ﴾ کہ اے پروردگار! ان مؤمنین کو تکلیف سے بچا لیجیے۔ اگرچہ پہلے عذاب جحیم سے بچانے کی دُعا ہو چکی لیکن اب اس تکملۂ دُعا میں ہر قسم کی تکلیف و دشواری سے بچنے کی دُعا ہے کہ نہ حساب کی تکلیف ہو نہ قبر کی نہ میدانِ حشر کی بے چینی کی اور نہ انجام کی پریشانی کی۔ فرشتوں کی اس دُعا نے اہل ایمان کو یہ سبق سکھایا کہ مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ان سب باتوں سے خائف رہے اور اللہ کی ان نعمتوں اور راحتوں کا طالب رہے۔ یعنی خوف اور شوق اس کو فوز عظیم سے ہمکنار بنانے والا ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اجعلنا منهم وحبّبْ اِلينا الاِيمان و زيّنه فِي قُلوبِنَا و كرِّه اِلينا الكفرَ والفُسوق وَالعصيانَ ○ تَوفّنا مسلمين والحقنا بالصّالحينَ غير خزايَا ولا مفتونين ○ آمين يارَبّ العالمين. (تفسیر مظہری ج۸)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ

جو لوگ منکر ہیں، ان کو پکار کے کہیں گے اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے کہ تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے،

اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ

جس وقت تم کو بلاتے تھے یقین لانے کو، پھر تم منکر ہوتے تھے۔ بولے، اے رب ہمارے! تو موت دے چکا ہم کو دوبار،

وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ

اور زندگی دے چکا دو بار، اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے، پھر اب بھی ہے نکلنے کو

سَبِيْلٍ ⑪ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ

کوئی راہ؟ یہ تم پر اس واسطے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا، تو تم منکر ہوئے، اور جب اس کے ساتھ شریک پکارے

بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

تو تم یقین لانے لگے اب حکم وہی جو کرے اللہ، سب سے اوپر بڑا۔ وہی ہے تم کو دکھاتا ہے اپنی نشانیاں

وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬

اور اُتارتا تمہارے واسطے آسمان سے روزی۔ اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭ رَفِيْعُ

سو پکارو اللہ کو، نری کرکر اس کے واسطے بندگی، اور پڑے بُرا مانیں منکر۔ صاحب اُونچے

الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

درجوں کا، مالک تخت کا۔ اُتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے

عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ۙ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى

اپنے بندوں میں کہ وہ ڈراوے ملاقات کے دن۔ جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے چھپی نہ رہے گی

اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯

اللہ پر اُن کی کوئی چیز۔ کس کا راج ہے اُس دن؟ اللہ کا ہے۔ جو اکیلا ہے دباؤ والا۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آج بدلہ پاوے گا ہر جی، جیسا۔ کمایا۔ ظلم نہیں آج بے شک۔ اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰

شتاب لینے والا ہے حساب۔

## بعضے از احوال کفار بعد دخول نار و بیان دلائل قدرت پروردگار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ ... الٰى ... سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰﴾

**ربط:** گزشتہ رکوع میں کتابِ الٰہی کی حقانیت بیان فرماتے ہوئے مجادلین ومعاندین پر وعید وتہدید تھی اور ساتھ ہی اہل ایمان وطاعت کا اعزاز واکرام اور حاملینِ عرش فرشتوں کی طرف سے ان کے حق میں دعا واستغفار کا ذکر تھا تو اس کے بعد ان آیات میں کافروں کی ذلت وحقارت کا بیان ہے کہ قیامت کے روز ان کو کس طرح ذلیل اور رسوا ہونا پڑے گا اور اس وقت یہ کافر خود اعتراف کریں گے اور چاہیں گے کہ پھر کسی طرح ہم دوبارہ دُنیا کی طرف لوٹ جائیں تو ایمان لائیں اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں۔ ارشاد فرمایا:

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کو پکارا جائے گا۔ جب کہ ان کا فیصلہ ہو چکا ہوگا اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد اپنے کفر وشرک پر حسرت وافسوس کر رہے ہوں گے۔ حسرت وملال اور خود اپنے اوپر غصہ کا یہ عالم ہوگا کہ اپنی انگلیاں شدت حسرت کی وجہ سے چبا رہے ہوں گے تو اس وقت ان کو پکار کر کہا جائے گا یقیناً اللہ کی نفرت بڑھ کر ہے تمہاری اس نفرت سے جو تم کو اس وقت خود اپنے سے ہے

جب کہ دنیا میں تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا مگر پھر بھی تم کفر کرتے تھے یہ سن کر ان کی حسرت واذیت میں اور اضافہ ہوگا اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تُو نے ہم کو دو بار بحالت موت رکھا کہ ایک موت ہماری پیدائش سے قبل تھی جبکہ ہم بے جان تھے اور پھر دوسری موت ہماری دنیوی زندگی کے بعد جس کو عام طور پر موت کہا جاتا ہے اور دو بار تو نے ہم کو حیات دی۔ ایک حیات جو دُنیا میں تھی اور دوسری یہ حیات جو بعث بعد الموت آخرت میں اب حاصل ہے۔ * جس کا ہم پہلے انکار کرتے تھے اور نہیں مانتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے اور اسی انکار کے باعث ہم نے کفر وشرک کیا اور تیرے احکام کی نافرمانی کی لیکن اب ہم کو اپنی غلطی کا اعتراف ہوگیا سو اب ہم اقرار کرتے ہیں اپنی خطاؤں کا تو کیا ہے یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ تا کہ ہم پھر دُنیا میں جا کر اپنی خطاؤں کا تدارک کر لیں۔ ایمان لے آئیں اور مطیع وفرمانبردار بن جائیں۔ جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے کہ یہ لوگ یوں کہیں گے ﴿هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ (الشوریٰ: ۴۴) * ظاہر ہے کہ اس کا یہی جواب ہے کہ نہیں اور فرمایا جائے گا اے لوگو اس کی وجہ تو یہ ہے کہ جب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا نام لیا جاتا تھا تو انکار کرتے تھے اور توحیدِ خداوندی سے نفرت کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو اس پر تم ایمان لاتے پس اب فیصلہ اللہ ہی کے لیے ہے جو بڑی شان اور بڑے رتبہ والا ہے۔ جو اس کی بارگاہ سے صادر ہو چکا کہ ﴿اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ کہ اب یہ کافر ہرگز دُنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے اور اگر بالفرض لوٹیں بھی تو کیا فائدہ ہوگا کیونکہ ایمان تو اسی وقت ایمان تھا جب غیب پر تھا۔ اب جب کہ سب باتوں کا مشاہدہ کر لیا آخرت اور قیامت کا سب کچھ نظروں کے سامنے آچکا تو اب ایمان کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں رہی اور آج روز قیامت کی یہ باتیں ہی خدا کی معرفت کی دلیل ہیں کہ اب تمہیں یہ سمجھ میں آیا کہ خدا پر ایمان لانا چاہیے وہ پروردگار تو ہمیشہ سے تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور اتارتا ہے تمہارے واسطے آسمان سے روزی تو کیا یہ دلیلیں نہ تھیں اور کیا ان مشاہدات سے تم کو خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی مگر ان سب آیات کے باوجود تم غافل ہی رہے اور حقیقت یہ ہے کہ نصیحت صرف وہی حاصل کرتا ہے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور جب تم نے اپنی زندگی میں کبھی خدا کی طرف رُخ ہی نہیں کیا تو بتاؤ پھر کس طرح تمہیں ہدایت ہوسکتی ہے تو اے لوگو! پکارو اللہ کو اسی کے واسطے دین کو خالص کرتے ہوئے نہ اس کے سوا کسی کی عبادت کرو اور نہ کسی سے کچھ مانگو اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ کیونکہ کافر یہ پسند نہیں کرتے کہ اہل ایمان حق پر اور توحید پر قائم رہیں اور وہ چاہا کرتے ہیں کہ اہل حق ان کی رعایت کریں اور ان کی خوشنودی کا لحاظ کریں تو اے مسلمانو! اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو کافروں کی خوشنودی کی فکر چھوڑ دو اور ان کی ناراضگی سے بے خوف ہو کر دین پر مضبوطی سے جمے رہو۔

وہ رفیع الدرجات ہے عرش کا مالک ہے جب وہ بلند درجوں والا عرش کا مالک ہے تو اصل اس کی خوشنودی کی فکر کرنی چاہیے اور کافروں کی ناراضگی کا ڈر یا خیال کہ ان کی ناراضگی سے ہمیں کچھ نقصان یا ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا لغو اور غلط خیال ہے عزت اور سربلندی

---

* یہ دو مرتبہ کی حالت اور دو مرتبہ حیات کی حالت وہی ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾

* منکرین وکفار کے اس کہنے کا کہ تو نے دو مرتبہ ہم کو بحالت موت رکھا اور دو مرتبہ زندگی دی یہ مقصد تھا کہ جب اے پروردگار آپ اس بات پر قادر ہیں تو یقیناً آپ کو یہ بھی قدرت ہے کہ تیسری مرتبہ ہم کو پھر دُنیا کی طرف لوٹا دیں تا کہ اس مرتبہ خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں تو آئندہ کلمات میں جواب دیا گیا کہ نہیں اب اس کا امکان نہیں اور یہ فیصلہ علیٰ کبیر کی عدالت عالیہ سے جاری ہوا ہے جس پر اب کوئی اپیل مرافعہ نہیں ہوسکتی۔

کا مالک تو رفیع الدرجات ہی ہے وہی درجے بلند کرنے والا بھی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے احکام میں سے کسی بھی حکم کی وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ صاحب وحی ملاقات واجتماع کے دن سے لوگوں کو ڈرائے جس دن کہ سب لوگ خدا کے سامنے پیش ہوں گے حال یہ ہوگا کہ اللہ پر ان کی کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی اس وقت ہر دیکھنے والا ہر سوچنے والا اور پوچھنے والا جب یہ کہتا ہوگا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ کہ آج کے دن کس کی حکومت ہے تو حالات ومشاہدات اور خدا کے فرشتے یہی جواب دیں گے اور سب سے آخر پروردگار عالم ہی کا جواب ہوگا جب کہ ساری مخلوق ہیبت وعظمتِ خداوندی کے باعث کوئی حرف زبان سے بولنے پر قادر نہ ہوگی ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ بس اسی خدا کے لیے ہے جو یکتا اور غالب ہے۔ آج کے دن بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو اسی کام کا جو اس نے کیا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کسی کی برائی چھپی رہے گی آج کے دن کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ تمام خلائق ایک کھلے میدان میں اللہ رب العزت کے روبرو حاضر ہوں گے نہ کوئی شخص اس کی نظروں سے غائب ہوگا اور نہ کوئی عمل اس سے چھپا ہوگا۔ اس حساب کی سرعت کا عالم یہ ہوگا کہ تمام مخلوق سے حساب اس قدر سریع ہوگا جیسے ایک انسان سے حساب کرلیا جائے جیسے کہ ارشاد مبارک ہے ﴿وَمَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (لقمان:۲۸) اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تو ہر بڑے سے بڑا کام بھی بس پلک جھپکنے میں ہوجاتا ہے۔ ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾ (القمر:۵۰)

## دُعا کی روح اخلاص اور توجہ الی اللہ ہے

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی تفسیر میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے فرض نماز کے بعد ان کلمات دعائیہ کو بھی بیان کیا گیا جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کہا کرتے ((لَا اِلٰه اِلا الله وحدهٗ لا شريك لهٗ. لَه الملك وله الحمد وَهو علٰى كل شىءٍ قدير لاحول ولا قوّة الّا بِالله لَا اله الّا الله ولا نعبد الّا ايّاه له النّعمَة وَ له الثّنآء الحسن لَا اِلٰهَ الّا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون)). اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کا عموم اگرچہ مومن کی زندگی کے ہر مرحلہ کے لیے شامل ہے توحید اور عبادت کے اخلاص سے لے کر ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھنے تک۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی مراد یہ بھی ہے کہ اللہ سے اس طرح دعا مانگی جائے کہ اس کی قبولیت کا اللہ کے فضل سے یقین کامل ہو۔

﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ﴾ لغت میں مقت کے معنی نفرت اور بغض کے ہیں اور بعض آئمہ لغت شدت بغض کے معنی بیان کرتے ہیں۔ لام مفتوح تاکید کا ہے۔ عربیت اور اصولِ نحو کی رُو سے ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ۔ يُنَادَوْنَ﴾ کا مفعول اور مقولہ ہے کہ کافروں کو پکار کر جو کہا جائے گا وہ یہ قول ہوگا۔ ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ... الخ﴾۔

﴿مَقْتُ اللّٰهِ﴾ ترکیب اضافی ہے اور مصدر کی اضافت فاعل کی جانب ہے اکثر مفسرین اس آیت کی تفسیر اسی تقدیر کے لحاظ سے کرتے ہیں اور ﴿اِذْ﴾ کو ظرفیت کے معنی پر محمول کرتے ہیں تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ کافروں کو پکار کر کہا جائے گا اے کافرو یقیناً اللہ کا مبغوض رکھنا تم کو دُنیا میں جب کہ تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اس نفرت وبغض سے بڑھ کر تھا جو آج تم کو اس وقت اپنی جانوں سے ہے کیونکہ انسان جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ طبعی امر ہے کہ وہ خود اپنے سے متنفر ہوتا ہے۔ چنانچہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ہے ہر جہنمی جب جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا تو کہے گا۔ اے میری جان! میں تجھ کو مبغوض رکھتا ہوں اور تجھ سے مجھے نفرت ہو رہی ہے۔ اس پر فرشتے کہیں گے۔ بے شک اللہ کا بغض ونفرت تم سے اس سے زائد تھا۔ جیسے آج تم کو خود اپنے سے ہے۔

یہ مفہوم تو ﴿ اِذْ ﴾ کے ظرفیہ ہونے کی صورت میں ہوا۔ اور اگر ﴿ اِذْ ﴾ کو تعلیلیہ لیا جائے تو ﴿ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ ﴾ علت ہوگی بیان کردہ اللہ کے مقت ناراضگی اور ناگواری کی یعنی آج جس قدر اے جہنمیو! تم کو اپنی جانوں سے بغض ونفرت ہے خدا کو دُنیا میں تم سے اس سے بھی زیادہ بغض تھا۔ کیونکہ تم کو بار بار ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر وانکار کرتے تھے۔ (روح المعانی جلد ۲۴)

﴿ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ﴾ رفیع صیغہ صفت مشبہ ہے بمعنی مرتفع اور بلند۔ رفیع الدرجات بلند مرتبے والے کو کہا جاتا ہے۔ ان بلند مرتبوں سے جو اللہ رب العزت کے لیے یہاں ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ اس کی صفاتِ عظیمہ اور جلال وکمال ہے کہ پروردگار عالم اپنی صفات کمالیہ عظمت وجلال کے باعث بہت اونچے مرتبوں والا ہے وہ اپنی وحدانیت وعظمت کے باعث تمام مخلوق سے مستغنی و بے نیاز ہے اور ساری مخلوق خواہ عالم اجسام ہو یا عالم ارواح اسی کی محتاج ہے۔ مخلوق کی احتیاج مادی اور احتیاج روحانی ہر قسم کی احتیاج اسی کی بارگاہ عنایت سے پوری ہوتی ہے۔ رزق کے ذریعہ مادی احتیاج پوری فرماتا ہے اور وحی نازل فرما کر روحانی احتیاج کو پورا فرماتا ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ فرما کر نظام تشریع اور وحی الٰہی کو بیان فرما دیا گیا کہ جس طرح اللہ رب العزت رزق پیدا فرما کر مخلوق کی عام مادی حاجتیں پوری فرماتا ہے اسی طرح وحی نازل فرما کر بندوں کی روحانی حاجتیں بھی پوری کی جاتی ہیں۔ تو اس ذاتِ خداوندی کا ایسی بلند وبالا صفات سے متصف ہونا اور شان صمدیت (بے نیازی) اور اس امر کا کہ کل کائنات اس کی محتاج ہے۔ مادی احتیاج کے لحاظ سے بھی اور روحانی احتیاج کے لحاظ سے بھی غرض یہ جملہ اُمور اس کے متقضٰی ہیں کہ وہ یکتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بعض اقوال مفسرین کی رو سے رفیع بمعنی رافع یعنی بلند کرنے والا ہے اور درجات سے مخلوق کے درجات ومراتب ہیں تو مراد یہ ہوگی کہ وہ مخلوق کے درجات بلند کرنے والا ہے کہ انبیاء واولیاء کے درجات عام مؤمنین پر بلند کیے اور مؤمنین کے درمیان علم وفضل اخلاق کے لحاظ سے کسی کے درجے کسی پر بلند کیے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ (المجادلہ:۱۱) اور پھر اہل ایمان کو کل بنی آدم میں فوقیت دی۔ اسی طرح ملائکہ میں بعض کو بعض پر بلندی عطا کی جیسے کہ ﴿ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾۔

علیٰ ہٰذا القیاس اجسام میں بھی اللہ نے بعض اجسام کو بعض دوسرے اجسام پر فضیلت وبلندی عطا کی بعض سفلیات ہیں تو بعض علویات۔ بعض اجرام مکدر وبے نور اور مظلم وتاریک ہیں تو بعض اجرام روشن ومنور بلکہ عالم کو روشن کرنے والے ہیں۔

بعض اقوال مفسرین میں "درجات" سے آسمان مراد لیے ہیں کہ آسمان کو بلند بنایا ﴿ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا ﴾ اور ﴿ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴾ جیسے ارشاد فرمایا گیا۔ سعید بن جبیر علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا کرتے وہ ہر آسمان کے اوپر دوسرا آسمان ہے اور سبع سماوات پر عرشِ الٰہی۔

روح سے مراد وحی الٰہی ہے جیسے آیت مبارکہ ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (الشوریٰ:۵۲) میں وحی کو روح کے عنوان سے تعبیر کیا گیا۔ روح سے مراد بعض نے جبریل امین علیہ السلام لیا ہے کیونکہ وہ روح القدس ہیں۔ چنانچہ ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ (الشعراء:۱۹۳) میں حضرت جبریل امین علیہ السلام کا بھی اترنا بیان کیا گیا۔

## یومُ التلاق قیامت کا نام ہے

**یوم التلاق**۔ تلاقی لغت میں ایک کا دوسرے سے ملنا ہے۔ تلاقی بمعنی ملاقات علی بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل فرماتے ہیں کہ ''یوم التلاق'' یوم قیامت کے ناموں سے ایک نام ہے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوم التلاق کی وجہ تسمیہ میں یہ ذکر کیا کہ قیامت کا دن اس وجہ سے یوم التلاق کہلاتا ہے کہ وہ ملاقات کا روز ہوگا کہ اس میں کل اولادِ آدم ایک دوسرے سے ملاقات کرے گی اس دن انسانوں کی فرشتوں سے ملاقات ہوگی ہر انسان اپنے عمل سے ملاقات کرے گا۔ ہر انسان کو اپنے عمل کا نتیجہ ملے گا۔ اور وہ اپنے انجام سے ملنے والا ہوگا۔ یہی دن وہ ہوگا اس میں بندہ اپنے پروردگار سے ملے گا۔ غرض ہر لحاظ سے قیامت کا دن ملاقات کا دن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے بیان فرمایا۔ قیامت سے قبل ایک منادی پکارے گا۔ ﴿ايّها النّاس اَتتكم الساعة﴾ کہ اے لوگو! قیامت آ چکی ہے اور یہ آواز ہر زندہ و مردہ کو سنائی جائے گی اور اللہ ربّ العزت آسمان سے دُنیا کی طرف نزول فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ اور خود رب العزت ہی کی طرف سے جواب صادر ہوگا ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دست قدرت میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا: ((این الجبّارون اینَ المتکبرون این الملوك)) کہ کہاں ہیں بادشاہ کہاں ہیں بڑے زور و طاقت والے۔ کہاں ہیں بڑے غرور و نخوت والے۔ ہر طرف سے سکوت ہوگا۔ خود ہی ارشاد فرمائیں گے ((انا الملك انا الجبّار... الخ)) میں ہی ہوں بادشاہ میں ہی ہوں زور و طاقت والا، میں ہی ہوں بڑائی والا۔

| |
|---|
| وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ |
| اور خبر سنادے ان کو، اس نزدیک آنے والے دن کی، جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو، دبا رہے ہوں گے۔ |
| مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّ لَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ |
| کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جاوے۔ وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ، |
| وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَ اللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ |
| اور جو چھپا ہے سینوں میں۔ اور اللہ چکاتا ہے انصاف۔ اور جن کو پکارتے ہیں۔ |
| مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع ۲/۱۱/۷ |
| اس کے سوا۔ نہیں چکاتے ہیں کچھ۔ بے شک اللہ جو ہے، وہی ہے سنتا دیکھتا۔ |

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کیا پھرے نہیں ملک میں؟ کہ دیکھتے آخر کیسا ہوا ان کا؟ جو تھے

كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ

ان سے پہلے وہ تھے ان سے سخت زور میں، اور جو نشان چھوڑ گئے زمین میں،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

پھر ان کو پکڑا اللہ نے ان کے گناہوں پر۔ اور نہ ہوا ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ

یہ اس پر، کہ ان کے پاس آتے تھے ان کے رسول، کھلے نشان لے کر، پھر منکر ہوئے، پھر ان کو پکڑا

اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا

اللہ نے بیشک وہ زور آور ہے، سخت مار دینے والا۔ اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ لا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ

اور کھلی سند۔ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس، پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے

كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ

جھوٹا۔ پھر جب پہنچا اُن کے پاس لے کر سچی بات، ہمارے پاس سے، بولے مارو بیٹے ان کے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا

جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ، اور جیتی رکھوں ان کی عورتیں۔ اور جو داؤ ہے منکروں کا سو

فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ

غلطی میں۔ اور بولا فرعون مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں موسیٰ کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑے تمہاری راہ یا نکالے ملک میں

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

اور کہا موسیٰ نے، میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی ہر غرور والے سے جو یقین نہ کرے

بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع ۳ ۷ ۸

حساب کے دن کا۔

## تنبیہ ووعید برائے ظالمین از کرب واضطراب

## روزِ قیامت مع تذکرۂ قصہ موسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ... الٰى... مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں منکرین کی ذلت ورسوائی کا بیان تھا اور یہ کہ قیامت کے روز عذابِ خداوندی دیکھ کر وہ اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تا کہ ہم ایمان لے آئیں اور نیک کام کرلیں اب ان آیات میں ایسے منکروں اور ظالموں کو اس دن کی بے چینی اور اضطراب سے متنبہ کیا جارہا ہے اور اسی کے ساتھ تاریخ قدیم میں گزرے ہوئے مجرمین اور سرکشوں کا انجام ہلاکت بیان کر کے یہ سمجھایا جارہا ہے کہ اے کفار مکہ تم لوگ اللہ کے دین کا مقابلہ اور پیغمبر خدا کی مخالفت کر کے خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے عاد وثمود کو جب ان کی بے پناہ طاقت اور قوت نہ بچا سکی تو تمہاری کیا حقیقت ہے۔ تو فرمایا:

اور اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان کو ڈرایئے قریب آنے والے دن کی مصیبت سے جو قیامت کا دن ہے جس وقت کہ کلیجے منہ تک آتے ہوں گے شدت اضطراب و بے چینی کی وجہ سے دم گھٹتے ہوں گے شدت غم کی وجہ سے حال یہ ہوگا کہ اس وقت ان ظالموں کے واسطے نہ کوئی ولی اور دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا سفارشی ہوگا۔ جس کی بات مانی جائے وہ پروردگار ظاہر اعمال وافعال اور نافرمانیاں تو درکنار وہ تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جن کو سینے چھپاتے ہیں اور جس پروردگار کا علم اس قدر وسیع اور محیط ہو وہ اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے تھے وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کو نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے علم کے بغیر فیصلہ درست نہیں ہوسکتا اور قدرت کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا بے شک اللہ ہی وہ پروردگار ہے جو سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے اس بناء پر اس کا فیصلہ نہایت ہی محکم ہوگا ور ہر عمل کا بدلہ عین عمل کے مطابق ہوگا کیا یہ لوگ اے ہمارے پیغمبر! جو آپ ﷺ کی تکذیب وانکار کررہے ہیں نہیں چلے پھرے ہیں زمین میں اور کیا انہوں نے ملک در ملک سفر نہیں کیا کہ یہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے ان کے کفر اور خدا کے پیغمبر سے عناد رکھنے کی وجہ سے جو ان سے زیادہ مضبوط تھے طاقت اور زور کے لحاظ سے اور ایسی نشانیوں کے لحاظ سے جو زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ جیسے ان کی عمارات اور محفوظ ترین قلعے اور پہاڑوں میں تراشے ہوئے مکانات تو اللہ نے ان کو پکڑا ان کے گناہوں کی وجہ سے اور جب عذاب ان پر مسلط ہوا تو ان کو خدا کے عذاب سے بچانے

والا کوئی نہ ہوا۔ یہ مواخذہ اور عذابِ الٰہی ان پر اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں دلائل اور احکام خداوندی لے کر آتے رہے لیکن انہوں نے نہ مانا اور کفر پر ڈٹے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو پکڑا بے شک وہ تو بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے یہ تھی وہ علت اور وجہ ان مجرمین پر عذابِ خداوندی آنے کی تو اے کفار مکہ اگر تم بھی رسول خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت پر قائم رہے تو تمہارا انجام بھی ہلاکت وذلت میں ایسا ہی ہوگا۔

اور بے شک ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر اور کھلی نشانی کے ساتھ جو ان کی نبوت ورسالت کی واضح دلیل تھی۔ فرعون وہامان اور قارون کی طرف۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ معجزات اور واضح دلائل کی بناء پر اللہ کے احکام مانتے اور موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے لیکن انہوں نے کہا یہ تو جادوگر ہے بڑا ہی جھوٹا۔ معجزہ کو جادو قرار دیا۔ اور اعلانِ نبوت کو جھوٹ کہا کہ نہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور نہ یہ اس کے احکام لے کر آئے ہیں۔ یہ بات ابتداء میں فرعون وہامان اور قارون جیسے خواص کہتے رہے اور یہی چاہا کہ عام لوگوں کے سامنے اس حق وصداقت کو نہ آنے دیں اور اس تدبیر سے لوگوں کو برگشتہ کرتے رہیں مگر ان تمام کوششوں کے باوجود جب ان لوگوں یعنی بنی اسرائیل کے سامنے حق آ گیا جو ہماری طرف سے تھا اور کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے تو ان خاص لوگوں نے باہمی مشورہ اور تدبیر کے طور پر کہا قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بیٹوں کو جو ان کے ساتھ ہو کر ایمان لائے تاکہ یہ نسل جوان ہو کر قوت وجمعیت نہ حاصل کر سکے اور ان کی لڑکیاں زندہ چھوڑ دو کیونکہ ان سے اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں اور ان سے اپنے گھروں کی خدمت بھی لینی ہے ✿ غرض ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کے انسداد کی یہ تدبیر کی اور حالانکہ کافروں کی تدبیر سوائے بربادی اور بے اثر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فرعون وہامان کی ساری تدبیریں رکھی رہیں اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب وغالب بنایا اور فرعون اور اس کے لشکر کو تباہ وغارت کیا۔

اور فرعون نے اہل دربار سے کہا مجھ کو چھوڑ دو تاکہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کو پکارے ✿ اپنی مدد کے لیے۔ اے اہل دربار اس کی ان باتوں سے مجھ کو ایسا اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی فساد نہ پھیلا دے۔ کافر اور کافرانہ نظریات رکھنے والوں کے نزدیک پیغمبر خدا کی ہدایات اور تعلیمات کی اشاعت اور لوگوں کے اعمال و اخلاق کی درستگی کا نام فساد ہے۔ گویا فساد ان کی خواہشات اور شہنشاہیت میں خلل پڑ جانے کا نام ہے اہل دربار بظاہر قتل کی رائے نہ دیتے ہوں گے یا روکتے ہوں گے یا تو مصلحت کے خلاف ہونے کی وجہ سے یا اس بناء پر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو ان کے معجزات اور معقول دلائل سے حق سمجھ رہے ہوں اور یہ خیال کر رہے ہوں اس حق کا مقابلہ ہمارے واسطے انجام کار تباہی کا موجب ہوگا۔ چنانچہ آیت

---

✿ یہ قتل کی تدبیر جو مرتب کی گئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد کا قصہ ہے تو ظاہر ہے کہ ﴿اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اس قتل کے واقعہ کے علاوہ ہے جو ﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ میں قبل از ولادت موسیٰ علیہ السلام تھا۔ کسی صریح روایت سے معلوم نہیں ہو سکی کہ اس تدبیر وسازش کے مطابق عمل ہوا یا نہیں۔

✿ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فرعون نے کہا مجھ کو چھوڑ دو شاید اس کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے کہیں اس کا رب بدلہ نہ لے فرعون خود بھی ڈرا ہوا تھا لیکن لوگوں پر اپنی قوت وشجاعت کا اظہار کرنے کے لیے انتہائی شقاوت وبے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں اور اس کو اپنے ارادہ سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ ۱۲

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (النمل: ۱۴) یعنی ان لوگوں نے ان آیات بینات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل اس کا پورا یقین کر رہے تھے یہ انکار محض ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا۔ پھر ان لفظوں سے کہ ﴿ذَرُوْنِيْٓ﴾ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالوں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ فرعون خود بھی اپنے دل میں خائف تھا۔ اور جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ قتل کر ڈالے اور ڈرتا ہوگا کہ اگر ایسا کیا تو کہیں آسمانی بلا تباہ نہ کر دے کیونکہ معجزات سے اس کو یقین تو ہو چکا تھا اور ﴿وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ﴾ بھی محض عیاری، اپنی بڑائی اور قوت کا رعب ڈالنے کے لیے تھا ورنہ دل اندر سے کانپ رہا ہوگا۔ غرض فرعون کی طرف سے تو یہ سازش و مکاری کا سلسلہ جاری تھا۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ سب کچھ معلوم ہونے پر نہایت ہی اطمینان سے کہا بے شک میں پناہ حاصل کرتا ہوں اپنے رب کی ہر مغرور و متکبر شخص سے جو حساب کے دن پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اسی وجہ سے وہ بڑی دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ حق کے مقابلہ پر تلا ہوا تھا۔ * اور ظاہر ہے کہ اس طرح کا غرور و نخوت سوائے اس کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ اس شخص کو نہ قیامت کا ڈر ہے اور نہ خداوند عالم کے مواخذہ کی فکر ہے۔

| |
|---|
| وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۚ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ |
| اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مارے ڈالتے ہو |
| رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ |
| ایک مرد کو اس پر، کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، اور لایا ہے تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی۔ |
| وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ |
| اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ۔ اور اگر وہ سچا ہو گا تو تم پر پڑے گا |
| الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ |
| کوئی وعدہ جو دیتا ہے۔ بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو بے لحاظ جھوٹا۔ |

* حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا اس وقت تھا جب ان کو فرعون اور فرعون کے درباریوں کے اس مشورہ کا علم ہوا تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی ہرگز کوئی پروا نہیں میں تو اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں اس کی پناہ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی اور فرعون یا اس کے ارکان حکومت تو کیا مجھے تو دُنیا کے سارے متکبرین و جبارین کا بھی کوئی ڈر نہیں مجھے بس اسی کی پناہ و حمایت کافی ہے تو اپنی قوم سے تخاطب کی بنا پر ﴿بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ﴾ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں کا عنوان اختیار کیا۔ بہت ممکن ہے ﴿وَرَبِّكُمْ﴾ کا عنوان فرعون کے لوگوں کو سنانے کے لیے کیا ہوتا کہ ان پر یہ بات جتلا دیں کہ وہ تمہارا بھی رب ہے تم کدھر بھٹکے ہوئے ہو۔

حضرت شیخ السلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دُنیا کے تمام جبار و متکبر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں تنہا اسی رب کی پناہ لے رہا ہوں وہی میرا حامی و مددگار ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ من کل متکبر کے ترجمہ میں یہ لفظ فرماتے ہیں: ''ہر خرد ماغ شخص''۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا

اے قوم میری! تمہارا راج ہے آج، چڑھ رہے ہیں ملک میں، پھر کون مدد کرے گا ہماری

مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى

اللہ کی آفت سے اگر آگئی ہم پر بولا فرعون میں وہی سوجھاتا ہوں تم کو، جو سوجھا مجھ کو،

وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ

اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔ اور کہا ایماندار نے، اے قوم میری میں

اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ ۙ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ

ڈرتا ہوں کہ آوے تم پر دن ان فرقوں کا سا۔ جیسے رسم پڑی قوم نوح کی اور عاد

وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

اور ثمود کی اور جو ان کے پیچھے ہوئے۔ اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ ۙ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ

اور اے قوم میری! میں ڈرتا ہوں تم پر کہ آوے دن ہانک پکار کا۔ جس دن بھاگو گے پیٹھ دے کر۔

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا۔ اور جس کو غلطی میں ڈالے اللہ، تو کوئی نہیں اس کو سوجھانے والا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا

اور تمہارے پاس آچکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر، پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے، جو

جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ

وہ لایا۔ یہاں تک کہ جب مر گیا کہنے لگے ہرگز نہ بھیجے گا اللہ اس کے بعد کوئی رسول۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ ۙ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ

اسی طرح بہکاتا ہے اللہ اس کو جو ہو زیادتی والا شک کرتا۔ وہ جو جھگڑتے ہیں

فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ

اللہ کی باتوں میں بغیر کچھ سند کے، جو پہنچی ہو ان کو۔ بڑی بیزاری ہے اللہ کے ہاں، اور

عِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

ایمان داروں کے ہاں۔ اسی طرح مہر کرتا ہے اللہ ہر دل پر غرور والے سرکش کے۔

## قصہ مردمؤمن از آل فرعون ونصیحت وارشاد ودعوت ایمان فرعون وارکان سلطنت وزجر وتوبیخ برارادۂ قتل موسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۚ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ... الیٰ ... كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں یہ مضمون چل رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے احکام نشانیاں اور کھلی سند لے کر آئے اور ان دلائل سے لوگوں کے سامنے حق اور باطل کا فرق واضح ہونے لگا تو فرعون اور اس کے اہل دربار کو یہ خطرہ ہوا کہ اس طرح کہیں لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں۔ جس کا انجام فرعون کی حکومت کا زوال ہے تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے۔ چنانچہ اس کا اظہار و اعلان بھی کیا یہ کہتے ہوئے کہ ﴿ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ﴾ تو اس مجلس مشورہ میں ایک مؤمن شخص بھی فرعون کے خاندان سے تھا۔ جس نے ابھی تک اپنے ایمان کو مخفی رکھا تھا یا کسی اور طریقہ سے اس کو علم ہوا ہو تو اس شخص مؤمن نے اس رائے کی شدت سے مخالفت کی اور ایسا کرنے سے منع کیا اور اس ضمن میں فرعون کو اور فرعون کے ارکان حکومت کو نصیحت کی اور ایمان کی دعوت دی۔ تو ان آیات میں اس مردمؤمن کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے اور اس کی ان پاکیزہ اور بلند نصیحتوں کا ذکر ہے جو اس نے فرعون اور اس کے ارکان حکومت کو رشد و فلاح کی دعوت دیتے ہوئے کیں فرمایا۔

اور کہا ایک شخص [1] مؤمن نے فرعون کے خاندان سے جو ابھی تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ کیا تم ایک شخص کو قتل کر

---

[1] ائمہ مفسرین کے نزدیک مشہور قول یہی ہے کہ یہ شخص مومن قبطی تھا فرعون کے خاندان سے سدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح کی ہے یہ فرعون کا ابن عم یعنی چچازاد بھائی تھا اور ایک قول کے مطابق یہ وہ شخص ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے ہمراہیوں میں بحر قلزم سے عبور کرنے اور نجات پانے والا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اختیار کیا اور ان بعض مفسرین کا قول رد کیا جن کا خیال یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا کیونکہ فرعون نے اس کی بات سنی اور متاثر بھی ہوا۔ چنانچہ ان ہی مرد مومن کے مؤثر خطاب سے موسیٰ علیہ السلام کے ارادہ قتل سے باز آیا۔ اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہوتے تو اول تو اتنی جرات ہی مشکل تھی اور اگر جرأت کر کے کچھ کہنا شروع کرتا تو فرعون فوراً ہی اس کا کام تمام کر دیتا اور نوبت ہی نہ آنے دیتا کہ اتنی مفصل گفتگو اور اس تفصیل کے ساتھ سلسلہ نصیحت شروع کر دے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مردمؤمن اور اس کی بیوی آسیہ علیہا السلام کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ (ابن کثیر ج ۴)

رہے ہو۔ محض اس وجہ سے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب تو بس اللہ ہے یقیناً یہ بات ایسی تو نہیں ہے کہ اس پر کسی کے قتل کا منصوبہ بنایا جائے۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور دلائل لے کر آیا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے تو بڑی ہی بری بات ہے کسی معقول چیز کا انکار کرنا۔ پھر جب کہ وہ اپنی صداقت کے لیے دلائل اور نشانیاں بھی رکھتا ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم اس کی بات کو قبول نہ کرو تم تو اس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو جو نہایت ہی نازیبا بات ہے۔ ایسا نہ کرو اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا جس کے نتیجہ میں وہ خود ہی ذلیل و ناکام ہوگا۔ اور اس صورت میں ہمیں نقصان و تکلیف کا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہیے اور اگر وہ سچا ہے تو اس میں سے ضرور تم کو کچھ پہنچے گا۔ جس کا وہ وعدہ اور پیش گوئی کر رہا ہے کیونکہ اس کا یہ اعلان ہے: ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی﴾ (طٰہٰ: ۴۸) کہ ہمیں یہ وحی بھیجی گئی ہے بے شک خدا کا عذاب اس شخص پر واقع ہو کر رہے گا جو خدا کی بات جھٹلائے اور روگردانی کرے تو سچا ہونے کی صورت میں تو اس کو قتل کرنا درحقیقت اپنے واسطے عذاب اور مصیبت کو دعوت دینا ہے اور ظاہر ہے یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا جائے۔

الغرض ایک لحاظ سے یہ قتل بے سود اور بے کار ہے اور ایک لحاظ سے خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ عقل کا تقاضا ہے بے سود کام سے بچا جائے اور ہلاکت سے بھی اپنے آپ کو بچایا جائے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے بڑھ جانے والا اور بہت جھوٹ بولنے ولا ہو اگرچہ کسی جھوٹے کی کوئی بات ابتداءً چل پڑے مگر انجام کار ایسے شخص کو ذلت و ناکامی اور محرومی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس ضابطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بس سمجھ لینا چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں جھوٹے ہیں تو یہ جھوٹ براہ راست خدا پر افتراء اور بہتان ہونے کی وجہ سے حد سے بڑھ جانا ہے اور مخلوق خدا کو دھوکہ میں ڈالنا ہے اور حق تعالیٰ خود ایسے شخص کو ذلیل و ناکام بنائے گا۔ یہ مرد مؤمن ان کلمات میں اس امر کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں دونوں احتمال ہیں تو ان کے صادق ہونے کی صورت میں اس کی تکذیب اور قتل پر اقدام اے فرعونیو! یہ تمہاری طرف سے زیادتی ہو گی اول تو تم اس بناء پر مسرف ہو گے اور اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکو گے اس قانون سے کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ﴾ جس کا انجام یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل بھی نہ کر سکو گے اور دوسرے یہ کہ ان کے صادق ہونے کی وجہ سے جو بات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہو گی اور تمہیں اس عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔

اس مرد مؤمن علیہ السلام نے اس بلیغ اور پُراثر گفتگو میں فرعونیوں کو حق اور صداقت کی طرف دعوت دی اونہایت لطیف انداز میں اس پر آمادہ کرنا چاہا پھر اسی پر اکتفانہ کی بلکہ جس دولت و حکومت پُرغرور نے اس ناپاک ارادہ پر آمادہ کیا تھا اس بارہ میں اس نے نصیحت کی اور کہا اے میرے بھائیو! آج تمہارے واسطے سلطنت و اقتدار ہے اس طرح کہ تم اس سرزمین میں غالب و حکمران ہو لیکن بتاؤ کون ہماری مدد کرے گا اللہ کا عذاب آنے کی صورت میں اگر وہ ہم پر آ گیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دینے کی وجہ سے فرعون نے اس مرد مؤمن کی ان باتوں کو سن کر کہا میں تم کو وہی رائے دوں گا جو میں بہتر سمجھ رہا ہوں۔ اور میں تم کو وہی راستہ بتا رہا ہوں جو عین مصلحت ہے اور وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے یہ مرد مؤمن اس بات کو سن کر مغموم و متفکر ہوا۔ سوچا کہ نرمی اور نصیحت سے مخاطب کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ کلام کا رخ بدلا اور کہا اس مؤمن شخص نے اے میری قوم مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تمہارے متعلق ایسے ہی روز بد کا جیسے اور امتوں پر قہر و عذاب کا دن آیا جیسا حال قوم نوح قوم عاد و ثمود اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آنے والوں کا یعنی قوم لوط وغیرہ کا ہوا۔ کہ ان کو ان کی اسی

طرح شقاوت اورنخوت وتکبر کی وجہ سے عذاب خداوندی نے ہلاک کرڈالا۔ یقیناً یہ سب کچھ صرف انہی کے اعمال کے باعث ہوااور خدا تو بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ مگر ظاہر ہے کہ تمہارے اعمال ان ہی جیسے ہوں گے تو یقیناً اسی طرح کا عذاب تم پر بھی مسلط ہو گا۔ یہ تو دنیا کی زندگی میں عذاب ہے جو ایسی قوموں کو ہلاک کرتا ہی ہے اور میرے بھائیو! مجھے تو تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس دن کے بھی شدید عذاب کا جس دن میں کثرت ندائیں پکار اور آوازیں پڑنے والی ہوں گی اور ان آوازوں اور نداؤں سے لوگوں کے ہوش و حواس پراگندہ ہوں گے۔ اول نداء ہولناک تو صور کی آواز ہوگی جب پھونکا جائے گا اور سب مدہوش ہو جائیں گے پھر ندا دوبارہ نفخ صور کی ہوگی جس سے سارے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے یہ وہی ندا ہوگی جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ﴿ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۙ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ﴾ (قٓ:۴۱) پھر ایک ندا اور ہوگی کہ اے لوگو! کھڑے ہو جاؤ حساب کے واسطے۔ جیسے ارشاد ہے ﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ﴾ پھر ایک ندا اور پکار جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان ہوگی جس کا ذکر ﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ ... وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ ﴾ اور ﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ﴾ آیات میں ہے پھر سب سے اخیر میں ایک وہ ندا ہوگی جو موت کو ذبح کرنے کے وقت اہل جنت اور اہل جہنم کو دی جائے گی یا اہل الجنۃ اور یا اہل النار۔ اس ندا پر جب جنتی اور جہنمی متوجہ ہوں گے اور دیکھنے لگیں گے جنتی گھبرا کر دیکھیں گے کیا ماجرا ہے ہم کو کیوں آواز دی جارہی ہے۔ جہنمی دیکھیں گے اور متوجہ ہوں گے کچھ توقع اور طمع کے ساتھ کہ شاید ہمیں عذاب سے نجات کا پروانہ دینے کے لیے پکارا گیا ہوگا مگر ان نداؤں کے بعد اہلِ جنت و اہلِ نار کے متوجہ ہونے کے بعد اعلان ہوگا موت کو ذبح کرتے ہوئے خُلودٌ لاموت کہ بس اب جب کہ موت کو موت دے دی گئی۔ دوام وخلود ہی ہے آئندہ کسی کو موت نہیں نہ اہلِ جنت کو نہ دوزخیوں کو۔ غرض ان تمام نداؤں کے اجتماع کے باعث یہ دن یوم التناد ہوا۔ (ماخوذ از تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور یہ یوم التناد وہ دن ہوگا جس میں تم پشت پھیر کر دوزخ کی طرف جاتے ہو گے اس وقت تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اللہ کے عذاب سے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کسی بدنصیب کو اللہ ہی گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں۔ ان حقائق اور سبق آموز نصیحتوں کے بعد توبیخ وتہدید کے انداز میں اس مردِ مؤمن نے کہا اور اے لوگو! تمہارے پاس تو اس سے قبل یوسف بھی بینات و دلائل لے کر آئے لیکن اے قوم قبط تم یعنی تمہارے اسلاف جن کے نقش قدم پر تم چل رہے ہو ہمیشہ شک ہی میں مبتلا رہے اس چیز کے بارہ میں جو وہ لے کر آئے تھے اور چونکہ وہ تمہارے اسلاف تھے اور تم ان کی باتوں کو سند سمجھتے ہو اس بنا پر تم ہی کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ تم برابر اس میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالے اور کوئی رسول نہیں بھیجے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری اس حالت کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ یہ بدنصیب انبیاء کی تعلیم وہدایت کا کوئی اثر قبول ہی نہیں کرتے لہٰذا ان کے پاس کسی رسول کا بھیجنا بیکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے ہیں ان کے غرور ونخوت نے ان کو اللہ کے احکام میں گستاخ بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح غلطی میں ڈالے رکھتا ہے ہر ایسے حد سے بڑھ جانے والے شک وتردد میں پڑ جانے والے لوگوں کو جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ بغیر کسی سند وحجت کے جو ان کے پاس آئی ہو بہت ہی بڑی ہے یہ چیز ناگواری اور نفرت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک۔ کہ انسان اللہ ہی کے احکام اور اس کی آیتوں میں خصومت کرتا رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور سارا قلب اس مہر کے احاطہ میں گھر جاتا ہے اور اس کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا کہ اس خالی رخ

اور سمت سے حق فہمی کی کوئی صلاحیت باقی رہ جائے۔ جیسے کسی برتن کے پورے منہ پر اگر مہر لگ گئی تو اس کے بعد ظاہر ہے کہ کوئی ایسا سوراخ و منفذ باقی نہیں رہتا کہ باہر سے کوئی چیز اس برتن کے اندر ڈالی جا سکے۔ اور علیٰ ہذا جب اس پر مہر لگ گئی تو اندر سے کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں رہا۔ تو بس یہی حال ایسے مغرور و سرکش انسان کے قلب کا ہوتا ہے جب پورے قلب پر مہر لگ گئی تو باہر سے ہدایت و نصیحت اندر نہیں جا سکتی اور اندر کی شقاوت باہر نہیں نکل سکتی۔ ﴿ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ﴾

یہاں تک اس مردِ مؤمن کی ناصحانہ تقریر تھی جو فرعون اور اس کے ارکان حکومت کو خطاب کرتے ہوئے کہ آج سے پہلے اگرچہ اس بزرگ مؤمن نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا ہو لیکن اس واضح اور کھلم کھلا دعوت توحید اور شقاوت و بدبختی سے زجر و توبیخ کی وجہ سے تو ان کا ایمان علی الاعلان ظاہر ہو گیا۔ اس مردِ مؤمن نے اپنی اس تقریر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ جو دو شقیں اختیار کیں ﴿ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ﴾ العیاذ باللہ۔ اس بنا پر نہیں کہ یہ دو احتمال موسیٰ علیہ السلام میں ممکن اور محتمل تھے بلکہ ظاہر ہے کہ وہ ان کی صداقت و حقانیت پر کامل یقین و ایمان رکھنے والے تھے یہ محض تعبیر اور بیان میں دو شقیں حجت پوری کرنے کے لیے تھیں اور اس غرض سے کہ مخاطبین اس سے پوری طرح متاثر ہوں اور ان کی بات کو اس تخیل کے ساتھ سنیں کہ یہ کسی طرح حمایت اور جانبداری کے جذبہ سے نہیں بلکہ ایک اصولی اور قطعی بات ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو ایسی ہی روشنی اور ضابطہ کے تحت بخوبی سمجھا جا سکتا ہے اس سے یہ استدلال بھی نہ کیا جائے کہ کوئی مدعی نبوت اور کذاب و مفتری جس کا کذب اور افتراء دلائل سے ثابت ہو چکا ہو۔ اس کی تکذیب و تردید کے قطعی پہلو کو چھوڑ کر اس کے لیے ایسا ہی طرز اختیار کر لیا جائے اور یہ کہہ کر بات ٹلا دی جائے کہ اگر جھوٹا ہو گا تو اس کا جھوٹ اس پر پڑے گا... الخ۔ بلکہ ایسے کذاب و دجال کی تو واضح طور پر ڈٹ کر تردید اور مقابلہ کرنا فرض ہو گا۔ اب جبکہ آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا قطعی دلائل شریعت سے ثابت ہو چکا اور یہ کہ آپ کے بعد اب اور کوئی پیغمبر نہیں آئے گا تو مدعی نبوت کی قطعی طور سے تکذیب و تردید اور تکفیر کی جائے گی اور وہ مدعی نبوت اور اس پر ایمان لانے والے واجب القتل ہوں گے۔ جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے پیروؤں کے ساتھ قتال فرمایا اور وہ قتل کیے گئے۔

## آل فرعون کے مردِ مؤمن کا ناصحانہ خطاب اور اس کے خصوصی نکات

یہ مردِ مؤمن فرعون کے خاندان اور قبطیوں میں سے تھے اور بقول آئمہ مفسرین فرعون کے چچازاد بھائی تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ آل فرعون میں سے ایمان لانے والے ایک مردِ مؤمن تھے اور دوسرا مؤمن خود فرعون کی بیوی تھی۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ تحریم میں فرمایا۔ یہ صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لا چکے تھے۔ ان کا یہ خطاب ہے جو فرعون کی طرف سے قتل موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ کرنے پر تھا جس میں نصیحت و ہمدردی کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے اور حق کا مقابلہ کرنے پر زجر و توبیخ ہے۔ اور ایسا حکیمانہ انداز ہے کہ ادنیٰ فہم اور صلاحیت رکھنے والا انسان بھی اس کو تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے۔

اس مردِ مؤمن نے اپنے اس خطاب میں جو خاص اُمور اور حکیمانہ نکات اور معاندانہ رویہ ترک کرنے کے لیے اثر انگیز نصیحتیں کیں وہ یہ تھیں۔ ① سب سے پہلے ابتداء خطاب میں ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾ کہہ کر بے وجہ اقدام قتل جیسے بُرے فعل کی مذمت کی اور اس پر اظہار نفرت کیا۔ اور ② یہ کہ جس بنیاد پر قتل کا ارادہ ہے وہ اس شخص کا یہ کہنا ہے۔ ''میرا رب اللہ ہے''۔

حالانکہ یہ بات اگرچہ تمہارے تخیل یا عقیدہ کے خلاف ہو۔ کسی بھی ضابطہ سے قتل کی اجازت نہیں دیتی۔ ③ پھر یہ کہ وہ اپنی اس بات پر جب واضح دلائل پیش کر رہا ہے تو اس کی بات کی حقانیت دلائل سے ثابت ہو رہی ہے اور اس کے بالمقابل تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایک حق پرست انسان کو جو اپنی حقانیت کے دلائل پیش کر رہا ہے قتل کیا جائے۔ ④ اور پھر یہ کہ دلائل کوئی عام قسم کی شہادتیں اور دلائل نہیں ہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے دلائل ہیں۔ ⑤ اور لفظ ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ بول کر ایک لطیف طنز بھی کر ڈالا کہ وہ تمہارا رب ہے اب یہ تمہاری حماقت ہے کہ تم اپنے رب کو نہ پہچانو۔ ⑥ اور پھر یہ کہ اگر تم ان دلائل حقانیت سے قطع نظر کر لو تو سوچو کہ قتل کا جواز تو اس صورت میں تصور کیا جا سکتا ہے جب کوئی سبب اور وجہ قتل متحقق ہو اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں کوئی چیز بھی موجب قتل نہیں معلوم ہوتی۔ تو ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا۔ ⑦ علاوہ ازیں جب کے تمہارے پاس اس کی تردید کے لیے کوئی دلیل معقول نہیں تو اس احتمال کو خود تمہاری حد تک بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ صادق ہے اور اس صورت میں کہ وہ سچا ہو اور تم اس کا مقابلہ کرو۔ ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہوئے قتل کر ڈالو تو یہ قطعی بات ہے کہ ﴿يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ﴾ کہ تم کو وہ مصیبت ضرور پہنچ کر رہے گی جس کا وہ وعدہ کرتا ہے اور اس کی دھمکی دے رہا ہے۔ ⑧ اور پھر یہ کہ تم لوگ ایسی صورت میں کہ اس کے پاس دلائل ہیں اور تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تمہارے لیے اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں اور خود تمہارے اصول سے اس کے صادق ہونے کا احتمال ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود بھی اس کے قتل پر اقدام بلاشبہ انتہائی زیادتی اور ظلم ہوگا۔ اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ "خدا تعالیٰ کسی بھی زیادتی کرنے والے کذاب و جھوٹے کو مقصد میں کامیاب نہیں کرتا"۔ ⑨ اور اگر اس کے برعکس یہ احتمال فرض کرو کہ وہی اپنے اس دعوائے نبوت میں جھوٹا ہے تو پھر وہ مسرف و کذاب ہوگا کہ اس نے زیادتی کی اور خدا پر جھوٹ بولا اور ایسی صورت میں وہ اپنے مقصد میں ضرور ناکام و ذلیل ہوگا۔ تو اس سے تم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔ پھر کیا فائدہ کہ بغیر کسی اہم مقصد کے کسی کو قتل کر ڈالا جائے۔ ⑩ پھر ﴿يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ...الخ﴾ کہہ کر یہ سمجھانا چاہا کہ ملک و اقتدار کے حاصل ہو جانے پر تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ظلم و تعدی کی روش اختیار کی جائے یاد رکھو اگر ایسا کیا جائے گا تو نہ صرف یہ کہ انسانی فطرت سے بعید ہے بلکہ اللہ کے عذاب و انتقام کا بھی موجب ہے اور خداوند عالم کے عذاب اور انتقام سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تو ان کلمات میں نہایت لطیف انداز سے فرعون کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ اگر تو غور کرے تو سمجھ جائے گا کہ یہ حکومت اور غلبہ خود تیرا حاصل کردہ نہیں ہے کہ تو نے اپنی کسی صلاحیت یا محنت سے اسے حاصل کیا ہو یقیناً تجھے ماننا چاہیے کوئی قدرت و طاقت ایسی ہے جو انسانی قدرت اور وسائل سے بالاتر ہے بس اسی قدرت کا مالک اللہ ہے۔ جس نے تجھ کو یہ سلطنت دی اور جس نے ایسی بڑی حکومت دی ہے وہ پروردگار اسے چھین بھی سکتا ہے۔ ناراض ہو کر عذاب و قہر بھی نازل کر سکتا ہے تو اگر ایسا ہوا تو اس کا مقابلہ دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں کر سکتی تو اس حصہ نصیحت میں مرد مؤمن نے نہایت ہی لطیف انداز سے قدرت خداوندی، اس کی نعمت اور اس کی سزا کا ذکر کر ڈالا اور اس فرعون کو جو مدعی تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (النازعات: ۲۴) کا ان کلمات سے دعوت فکر بھی دے دی کہ ان چیزوں کو سوچ کر خدا کی ربوبیت کو پہچان لے اور اس پر ایمان لائے اور خدا کے پیغمبر کے مقابلہ سے باز آ جائے۔

یہ تھے دس خصوصی نکات جس پر اس مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب مشتمل تھا۔ اس ناصحانہ و حکیمانہ معقول و مدلل خطاب اور انسانی فطرت اور اس کے شعور کو بیدار کرنے والے حقائق سے فرعون بظاہر متاثر ہونے لگا ہوگا اور ڈرا ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ میں خود ہی

اپنے ذہن میں رچے ہوئے تصورات اور معتقدات کو غلط قرار دے دوں۔ تو فوراً بات کاٹنے کے انداز میں اس مردِ مومن کے وعظ کے دوران جو ابھی مزید نکات اور حقائق بیان کرنے والا تھا بول پڑا جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ فرعون اس پر کہنے لگا کہ اے لوگو! بس میں تو تم کو وہی بات سمجھاتا ہوں اور اسی چیز کی رہنمائی کرتا ہوں جس کو میں خود بہتر سمجھتا ہوں اور میں تم کو صرف بھلائی ہی کا راستہ دکھا رہا ہوں۔

اس مردِ مومن نے اس لغو، مہمل اور بے دلیل بات کی تردید و تغلیط کی طرف رُخ کرنے کی بجائے پھر وہی اصل حکیمانہ خطاب کے باقی اہم نکات کا سلسلہ بیان شروع کر دیا جو فرعون نے بیچ میں غلط طریقہ سے کاٹ دیا تھا۔

چنانچہ مزید گزشتہ تاریخی عبرتناک واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: ﴿يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ ... الخ﴾ کہ اگر تمہاری یہی روش رہی تو پھر مجھے اسی قسم کے عذاب کا اندیشہ ہے جو پہلی قوموں قوم نوح، عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں پر نازل ہوا۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس طرح کے عذاب کوئی وقتی اور اتفاقی قسم کے پیش آنے والے حادثات نہیں ہیں بلکہ یہ براہ راست اللہ ربّ العزت کی طرف سے مجرمین کو سزا ہوتی ہے اور اس طرح کی سزائیں کسی قسم کا ظلم نہیں ہوتیں بلکہ مجرمین درحقیقت ایسی ہی سزاؤں کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ذرہ برابر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتے اور جو رب ایسا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سے واقعتاً ظلم کا تحقق ہو جائے۔

اور چلو یہ تو جو کچھ ہوگا دُنیوی زندگی تک کا معاملہ ہے مگر یہ جان لو کہ اسی پر بس ہونے والی نہیں مجھے تو اس سے بھی بڑھ کر تمہاری نسبت ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ یعنی اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جس دن آوازیں پڑیں گی۔ پکارا جاتا ہوگا۔ اس پکار اور نداوالے دن کا معاملہ تو یہ ہوگا کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگو گے۔ اور تم کو عذابِ خداوندی سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اس پر بھی سوچو کہ یہ تمہاری بدبختی اور گمراہی خدا کی طرف سے محرومی ہے جس کی وجہ سے یہ باتیں تم سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

اور میں تم کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ خصلت تمہارے گزرے ہوئے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے تمہارے بزرگوں کے زمانہ میں ان کے پاس اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام آئے۔ ان کے ساتھ یہی معاملہ نافرمانی اور ایذا رسانی کا کیا اور آج تم اسی نقش قدم پر چل رہے ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں تحریر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مصر والے ان کی نبوت کے قائل نہ ہوئے۔ ان کی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کا قدم اس شہر پر کیسا مبارک ہے اب ایسا نبی آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔

غرض اس بات سے مراد یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے۔ فی الحال تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں لیکن یاد رکھو تم اسی طرح پچھتاؤ گے جیسے کہ اہل مصر یوسف علیہ السلام کے بعد پچھتائے۔ ان نصائح اور دل پر اثر ڈالنے والے حقائق کو بیان کرتے ہوئے مردِ مؤمن نے اخیر میں صاف کہہ ڈالا کہ سب کچھ تمہاری طرف سے غلط قسم کی تعدی اور زیادتی ہے اور خدا کی نشانیوں میں بے دلیل حجت بازی اور جھگڑا کرنا ہے اور یہ تمام باتیں اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور واقعی تم جیسے مغرور اور سرکش لوگوں کے تو پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے پھر کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا کہ قلب تک ہدایت رسائی حاصل کر لے۔ گویا یہ بتا دیا کہ یہ فطرت کا مسخ ہو جانا ہے جو انسان کی انتہائی بدنصیبی ہے۔

# آل فرعون کے مرد مؤمن کے ایمان واخلاص سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان بڑھ کر تھا

اُمم سابقہ میں جو فضائل وکمالات حق تعالیٰ نے عطا فرمائے اور اس امت کے افراد میں بھی بدرجہ اتم واکمل پائے گئے ہیں۔ یہ کلمات اس مرد مؤمن کے ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾ جو قرآن کریم نے ذکر فرمائے وہی الفاظ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جب کہ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم ڈھانے پر تلے ہوئے تھے۔ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زائد جو سخت تکلیف پہنچائی وہ مجھے بتاؤ تو فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور تکلیف انتہائی شدت کو پہنچ چکی تھی سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عتبہ کو زور سے ایک دھکا دیا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾

"افسوس! کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو محض اس بات پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو تمہارے پاس نبوت ورسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے رب کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا ہے۔"

تو آل فرعون کا مرد مومن تو اپنے ایمان کو چھپانے والا تھا۔ مگر اُمت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مرد مومن وہ تھا کہ جس نے روز اول سے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مسند بزار اور دلائل ابونعیم میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اثناء خطبہ میں یہ فرمایا۔ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور کون ہے لوگوں نے جواب دیا ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تو آپ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جا رہے ہیں: انت جعلت الاٰلِهة الٰهًا واحدًا" کیا تو ہی ہے وہ شخص جس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا" تو اس وقت ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا سکے۔ اتفاقاً سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور مشرکین کے ہجوم میں گھس پڑے اور بڑی قوت کے ساتھ کسی کے لات ماری اور کسی کو گھونسہ مارا اور بآواز بلند مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيْلَكُمْ ﴾ "ہلاکت ہو تمہاری" ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہہ کر رو پڑے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مومن افضل تھا یا ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے تو اپنے ایمان کو چھپایا تھا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کا اظہار واعلان کیا پھر یہ کہ اس مرد مومن کی حمایت ناصحانہ خطاب اور باتوں تک محدود رہی گویا کہ یہ بھی بہت بڑا جہاد تھا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو زبانی نصیحت وحمایت کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں اور عمل سے اللہ کے پیغمبر کی حمایت اور مدد کی۔ تو بے شک یہ بہت ہی اُونچا اور اعلیٰ مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو

عطا فرمایا۔

## یَوْمَ التَّنَادِ کی تفسیر

یوم التناد کی تفسیر میں بالعموم مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے کہ اس میں آوازیں پڑیں گی۔ وہ نداؤں اور ہانک پکار کا دن ہوگا۔ ان نداؤں کی تفصیل اور انواع کی طرف ترجمہ کے دوران تشریحی الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا کہ نفخ صور کے وقت جب زمین پر زلزلہ ہوگا اور شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں گے اور اس ہیبت ناک منظر سے لوگ بدحواس و پریشان ہوں گے تو شدت پریشانی میں بھاگ رہے ہوں گے تو ہر ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا۔ یا یہ ندا فرشتوں کی آواز ہوگی میدان حشر میں جمع ہو جانے کے لیے۔ نیز یہ ندا فرشتوں کی ہوگی مجرمین کو۔ اگر تم سے ہو سکے تو آسمان و زمین کے کناروں سے نکل جاؤ۔ تم کہیں بھی چلے جاؤ خدا کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے ایک ندا وہ ہوگی جب منکرین بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگیں گے تو فرشتے کہیں گے۔ ﴿لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ۝﴾ (القیامہ) کہ بھاگنے کی اب کوئی جگہ نہیں۔ اب تو اے انسان تیرے رب ہی کی طرف تیرا ٹھکانہ ہے۔ ایک ندا میزان اعمال پر ہوگی۔ ایک ندا جنتیوں کو جنت میں جانے کے لیے اور دوزخیوں کو جہنم میں داخل ہونے کے لیے۔ ایک ندا اعراف والوں کی ہوگی کہ اپنی جان پہچان کے کافروں کو ملامت و توبیخ کریں گے۔ ایک ندا اہل جنت کی جہنمیوں کو ہوگی ایک ندا اہل نار کی طرف سے اہل جنت کو ہوگی۔ جب وہ اہل جنت سے کچھ پانی یا دوسری کوئی نعمت جنت کی نعمتوں میں سے مانگتے ہوں گے اور ایک ندا اخیر میں رب العزت کی طرف سے اہل جنت اور اہل نار کو ہوگی موت کو ذبح کرتے ہوئے کہ اے لوگو! سن لو اب خود موت ہی کو موت دی جا رہی ہے۔ اس کے بعد بس خلود و دوام ہی ہے ﴿لَا مَوْتَ﴾ (موت کا اس کے بعد اب کسی کو تصور ہی نہ کرنا چاہیے) غرض ان سب نداؤں کی وجہ سے اس کو یوم التناد کہا گیا۔

تفسیر مظہری جلد ہشتم میں قاضی محمد ثناء اللہ صاحب الحنفی المظہری رحمۃ اللہ علیہ نے یوم التناد کی تفسیر فرماتے ہوئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی جس میں تین نفخات کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ حق تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم فرمائیں گے اور فرمائیں گے۔ انفخ نفخة الفزع کہ اے اسرافیل فزع (گھبراہٹ) کا صور پھونکو تو وہ پھونکیں گے جس پر آسمان و زمین والے سب ہی گھبراہٹ و بدحواسی کے عالم میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بجز ان کے جن کو اللہ تعالیٰ مستثنیٰ فرما دے یہ وقت وہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل وضع ہو جائیں گے اور بچے ہیبت و گھبراہٹ کی شدت سے بوڑھے ہو جائیں گے۔ جنات و شیاطین بدحواس ہو کر بھاگنے لگیں گے حتیٰ کہ کناروں تک پہنچ جائیں گے تو فرشتے ان کے چہروں پر گرز مار کر واپس لوٹائیں گے۔ اس پر وہ لوٹیں گے تو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوں گے۔ ہر ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا۔ اس طرح یہ دن پکار کا دن ہوگا۔

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم الاعرج رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابو حازم الاعرج خود اپنے آپ کو مخاطب بنا کر فرمایا کرتے۔ اے اعرج قیامت کے دن جب بعض خطا کاروں کو پکارا جائے گا کہ فلاں فلاں خطا کرنے والو کھڑے ہو جاؤ۔ تو ان کے ساتھ تو کھڑا ہوگا۔ پھر جب دوبارہ پکار پڑے گی یا اہل الخطیات تو جب بھی تو انہی کے ساتھ اٹھے گا بس میں تو یہی خیال کر رہا ہوں کہ اے اعرج تیرا اٹھنا

خطا کاروں ہی کے ساتھ ہوگا۔ خواہ وہ کتنے ہی اقسام وانواع کی خطائیں ہوں۔

ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السنہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تخریج فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا۔ خبردار کھڑے ہو جائیں وہ لوگ جو خدا سے جھگڑنے والے ہیں۔ اس ندا پر فرقہ قدریہ کھڑا ہوگا (اور اس گمراہ فرقہ کے علاوہ علیٰ ہذا القیاس جو بھی فرقے اہل بدعت کے ہوں گے خواہ ان کی بدعات عملی ہوں یا اعتقادی سب کھڑے ہو جائیں گے) اور اسی روز اہل جنت اہل نار کو پکاریں گے۔ اور اہل اعراف جہنمیوں کو آواز دیں گے جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی۔ یہاں تک کہ آخری ندا یہ ہوگی۔ ہر ایک سعید وشقی کا نام پکارتے ہوئے۔ یہ ہیں سعادت والے جو کبھی ناکام نہ ہوں گے اور یہ ہیں اشقیاء وبدبخت جو کبھی کامیاب وکامران نہ ہوں گے۔ (بیہقی)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے روز میزان اعمال پر لایا جائے گا اور درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر اس کے اعمالِ حسنہ بھاری اور غالب ہوئے تو فرشتہ اس کی کامیابی کا اعلان کر دے گا اور اگر اس کے اعمالِ سیئہ بھاری اور غالب ہو گئے تو اس کی بدبختی کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ ایسی ندا ہوگی جس کو تمام مخلوق سنے گی۔

طبرانی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت تخریج کی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم فرمائے گا۔ جو ندا کرے گا اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم نے ایک نسب بنایا۔ میں نے تو یہ نسب مقرر کیا تھا کہ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) کہ تم میں سب سے زیادہ کرامت و عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ مگر اے لوگو! تم نے یہ بات نہیں مانی اور تم باز نہ آئے مگر یہ کہ تم یہی کہو فلاں بن فلاں بہتر ہے فلاں بن فلاں سے یعنی تم خاندانی شرافت اور برتری میں لوگوں کو تولتے رہے۔ بس سمجھ لو کہ آج میں اپنے نسب کو بلند کرتا ہوں اور تمہارے نسب کو گھٹاتا ہوں۔ **(اعلان ہوگا)** کہاں ہیں تقویٰ والے تو اس طرح اس روز اہل تقویٰ کو پکارا جائے گا اور اسی دن ایک اور ندا دی جائے گی۔ جس وقت کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ ((یا اھل الجنّۃ خلود لَایموت ویَا اھل النّار خلودٌ لَایَمُوت)) امام بخاری ومسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی جب جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا (ایک کبش یعنی مینڈھے) کی شکل میں۔ یہاں تک کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ کہ اے اہل جنت اب ہمیشہ جنت میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں اور اے اہل نار اب ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں کہ مر کر ہی اس عذاب سے نجات مل جائے تو اس نداء واعلان پر اہل جنت کی خوشیوں پر مزید خوشی کا اضافہ ہو جائے گا اور اہل نار کے غموں پر اور غم کا اضافہ ہو جائے گا۔ الغرض اس طرح کی تمام نداؤں کا اجتماع اس دن کو ''یوم التناد'' بنا دینے والا ہوگا۔

یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ یوم التناد دال کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اس کو دال کی تشدید کے ساتھ یوم التناد پڑھا کرتے تھے تو اس قرات کی رو سے یہ مصدر مشتق ہوگا نَدَّ یندُّ سے ہوگا۔ بمعنی بھاگنا بدکنا۔ کہا جاتا ہے نَدَّ البَعیر جب اُونٹ بدک کر بھاگ جائے۔ اس قرات کی تائید اس روایت سے ہے جو ابن المبارک اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا کو حکم فرمائے گا تو وہ مع اپنی تمام مخلوق کے ٹکڑے ٹکڑے ہو

جائے گا۔ ملائکہ اس کے کناروں پر ہوں گے جس وقت پروردگار کا حکم ہوگا تو وہ اتریں گے اور زمین والوں کا احاطہ کرلیں گے۔ پھر اسی طرح دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں چھٹے آسمان کو حکم ہوگا ہر ایک کے فرشتے علیحدہ علیحدہ صفیں بنالیں گے۔ پھر ایک بہت بلند تر فرشتہ اُترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگی۔ جب زمین والے جہنم دیکھیں گے تو گھبرا کر بھاگنے لگیں گے تو اس حالت میں زمین کے جس کونہ اور جانب کا رخ کریں گے وہاں فرشتوں کو صف بستہ پائیں گے کہ ان کی سات صفیں مرتب ہیں (اور انہوں نے ہر راستہ گھیر رکھا ہے۔ بھاگ کر کہاں جائیں گے) تو یہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے ضحاکؒ فرمایا کرتے یہی مراد ہے اس آیات مبارکہ ﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ یَوۡمَ التَّنَادِ﴾ کی کہ میں تمہارے بارے میں خوف کر رہا ہوں اس دن کا کہ جب ہر طرف سے لوگ بھاگتے ہوں گے اور ان کو کسی رخ سے بھی پناہ نہ ملے گی اور نہ نکلنے کا راستہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری جلد ہشتم)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوم التناد کے ایک اور معنی بیان کیے۔ فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا چنانچہ فرماتے ہیں: یہ ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر اسی طرح عذاب آتا ہے۔ (از فوائد شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰهَامٰنُ ابۡنِ لِیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ﴿۳۶﴾

اور بولا فرعون، کے اے ہامان! بنا میرے واسطے ایک محل، شاید میں پہنچوں رستوں میں۔

اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوۡسٰی وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ کَاذِبًا ؕ

رستوں میں آسمان کے، پھر جھانک دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے۔

وَ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیۡلِ ؕ وَ مَا

اور اسی طرح بھلے دکھائے تھے فرعون کو اس کے بُرے کام اور روکا گیا راہ سے، اور جو

کَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِیۡ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع وَ قَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ ع ۴ ۱۰ ۹

داؤ تھا فرعون کا، سو کھپنے کے واسطے۔ اور کہا اس ایماندار نے، اے قوم! میری

اَهۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ ج یٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ ز

راہ چلو، پہنچا دوں تم کو نیکی کی راہ پر۔ اے قوم! یہ جو زندگی ہے دنیا کی، سو برت لینا ہے

وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا

اور وہ گھر جو پچھلا ہے، وہی ہے ٹھہراؤ کا گھر۔ جس نے کی ہے بُرائی تو وہی بدلہ پاوے گا

مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

اس کے برابر۔ اور جس نے کی ہے بھلائی، مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ

یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ

جاویں گے بہشت میں، روزی پاویں گے وہاں بے شمار۔ اے قوم مجھ کو کیا ہوا ہے

اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ

بُلاتا ہوں تم کو بچاؤ کی طرف،اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔ تم بُلاتے ہو مجھ کو کہ منکر ہوں

بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى

اللہ سے، اور شریک ٹھہراؤں اس کا جس کی مجھ کو خبر نہیں۔ اور میں بلاتا ہوں تم کو، اس

الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف۔ آپ ہی ہو کہ جس کی طرف مجھ کو بلاتے ہو اس کا بلاوا کہیں نہیں

فِی الدُّنْیَا وَ لَا فِی الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ

دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ

وہی ہیں دوزخ کے لوگ۔ سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تم کو۔ اور میں سونپتا ہوں

اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا

اپنا کام اللہ کو۔ بے شک اللہ کی نگاہ میں ہیں سب بندے۔ پھر بچا لیا (موسیٰ) کو اللہ نے بُرے داؤں سے جو

مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

کرتے تھے اور اُلٹ پڑا فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب۔

# بے شرمی و بیباکی فرعون و اعلان ارشاد و نصیحت مردِ مؤمن بعد تکذیب و تردید و مقابلہ با رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا ... الیٰ ... سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝﴾

**ربط** : مردمومن کی نصیحتوں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اس مردمومن کے ناصحانہ خطاب میں ایسے حقائق و دلائل اور تاریخی شواہد تھے۔ اور ایسے ٹھوس اصول پر یہ خطاب مشتمل تھا کہ کسی بھی صاحب عقل انسان کو ان کے قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا۔ فرعون ان دلائل کی قوت اور ان کی تاثیر کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ درمیان میں کچھ بے دلیل بات بھی کی لیکن وہ اس قدر مہمل بات تھی کہ مردمؤمن کے معقول خطاب کے سامنے اس کا بولنا ہی اپنی حماقت کا ثبوت دینا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر اب فرعون نے اپنی فرعونیت کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے بے شرمی اور حماقت کا ایک اور رُخ اختیار کیا۔ جس میں وہ اپنی رعونت بھی ظاہر کرنا چاہتا تھا تاکہ اگر مردمؤمن کو خاموش کرنے کے لیے دلیل نہیں پیش کرسکتا تو زور اور دباؤ کا ہی مظاہرہ کر کے دیکھ لوں تو اب ان آیات میں فرعون کی مغرورانہ دھونس کا ذکر کرنے کے بعد مردمؤمن کے ناصحانہ خطاب کا دوسرا حصہ بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا گیا۔

اور کہا فرعون نے اے ہامان میرے واسطے بناؤ ایک بلند ترین عمارت تاکہ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں شاید میں رسائی حاصل کرلوں ایسے راستوں کی جو راستے آسمانوں تک پہنچانے کے ہوں پھر وہاں پہنچ کر میں جھانکوں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کی جانب۔ اور جھانک کر دیکھ لوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا خدا کیسا ہے اور میں تو موسیٰ علیہ السلام کو اس کے اس دعوے میں کہ میرے علاوہ کوئی اور خدا ہے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں ✿ بہرکیف یہ بے ہودہ بات تھی جو اس نے کہی اور اسی طرح رچادی گئی تھی فرعون کے لیے اس کے عمل کی برائی منجملہ دیگر برائیوں کہ جیسے یہ بات اس کے ذہن میں رچی اور اس کو بھلی معلوم ہوئی حالانکہ یہ نہایت ہی حماقت اور جہالت کی بات تھی۔ اس بات کو کہہ کر تو اس نے یہ ثابت کردیا کہ نہ اس کو آسمان کی بلندی کا علم ہے اور نہ اس کو اس بات کا اندازہ ہے کہ کوئی عمارت کتنی بلند بنائی جاسکتی ہے اور خواہ وہ کتنی بھی بلند بنالی جائے لیکن اس پر چڑھ کر آسمانوں کے اوپر کے احوال کا اس کو کیسے مشاہدہ ہوسکتا ہے اور وہ روک دیا گیا ہر سیدھے عقل اور ہدایت کے راستہ سے۔ اس لیے اب اس کے بعد کوئی توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ عقل اور ہدایت کا کوئی راستہ پالے۔ اور یہ سب کچھ تدبیریں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کرتا رہا۔ مگر فرعون کی ہر تدبیر غارت ہوگئی۔ اور نتیجہ سوائے ہلاکت و ذلت کے اور کچھ نہ ہوسکا۔

مردمؤمن نے فرعون کی ایسی احمقانہ اور سراپا جہالت کی بات سن کر دوبارہ انداز نصیحت اختیار کرتے ہوئے حسب سابق

---

✿ ان کلمات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نمرود کی طرح ایسی بلند عمارت بنانے کا حکم دیا اور وہ بنائی گئی۔ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ بنائی نہیں گئی۔ بہرکیف جو کچھ بھی ہو اس ملعون کی یہ بات یا استہزاء و تمسخر سے تھی یا وہ اس قدر پاگل و بدحواس ہوگیا تھا کہ ایسی احمقانہ باتیں سوچنے لگا۔ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ کتنی بھی بلند تعمیر بنالے مگر آسمان تک نہیں پہنچ سکتا۔ پھر بھی محض لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ حرکت کی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ بلند عمارت تعمیر کرائی گئی لیکن بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہوگئی۔

رشد وہدایت کا پیغام دینا شروع کر دیا اور کہا اس مرد مؤمن نے جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور اس ناصحانہ خطاب میں اپنا ایمان ظاہر بھی کر چکا تھا۔ اے میری قوم تم میری بات مانو۔ میں تمہیں دکھا رہا ہوں ہدایت و کامیابی کا راستہ جس پر میں واضح دلائل پیش کر رہا ہوں اور یہ ایسے حقائق ہیں جن کو ہر شخص جو فطرت سلیمہ اور عقل صحیح رکھتا ہو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ برخلاف فرعون کے اس دعوے کے کہ جو وہ کرنے لگا تھا: ﴿مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ وہ محض اپنی بات کی پچ اور تعلّی ہے اور ایک مہمل دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ فرعون محض دنیا کی دولت اور سلطنت کی وجہ سے غرور میں پڑا ہوا تھا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اپنی مہمل اور احمقانہ بات کو یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں سیدھا راستہ ہی بتا رہا ہوں۔ اس لیے اے میری قوم تم خوب سمجھ لو یہ دنیا کی زندگی اور سلطنت و دولت تو صرف چند روزہ نفع اٹھا لینے کا نہایت * ہی قلیل اور حقیر سامان ہے اور یقیناً آخرت ہی دار القرار مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ وہاں کا قیام دائمی ہوگا۔ وہاں کی راحت و نعمت بھی دائمی ہے اور عذاب بھی دائمی ہے۔ یہ بہت ہی بڑی چوک اور حماقت کی بات ہوگی۔ کہ انسان عارضی متاع دنیا سے اس قدر دھوکہ اور فریب میں پڑ جائے کہ اصل دائمی ٹھکانہ بھلا دے اور اس کی راحت و آرام اور وہاں کی اذیت و آلام کی کوئی فکر ہی نہ کرے حالانکہ یہ قانون طے ہو چکا ہے کہ جو شخص کوئی بُرائی کرے تو اس کا بدلہ بس اسی کے برابر دیا جائے گا یہ نہیں کہ اس پر کچھ اضافہ ہو اور جو شخص نیکی کا کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بشرطیکہ وہ مؤمن ہے تو ایسے لوگ تو جنت میں داخل ہوں گے جن کو رزق اور ہر طرح سامان راحت عطا کیا جائے گا بغیر کسی حساب کے کہ وہ جزاء عمل کی حد تک محدود و مقدر نہ ہوگا بلکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے محض ثواب و انعام ہوگا جس کی نہ کوئی حد ہوگی اور نہ انتہاء اور نہ اس کے لیے فنا ہوگی۔ اور نہ انقطاع بلکہ دوام و تسلسل کے ساتھ ان انعامات کا سلسلہ اہل ایمان و عمل صالح کے لیے جاری رہے گا اور دیکھنا چاہیئے کہ پروردگار عالم کی یہ کس قدر عظیم عنایت و رحمت ہے کہ برائی کا بدلہ اور سزا تو صرف بُرائی کی حد تک محدود رہتی ہے لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کا بدلہ اعمال کے بقدر نہیں ہوتا بلکہ کم از کم دس سے لے کر سات سو گنا تک اور اس سے بھی زائد جس کے لیے بھی وہ چاہے۔ تو ایسی صورت میں تم میں سے ہر ایک کو یہی چاہیے کہ دنیا کی حقیر اور قلیل منفعت کو آخرت کے بے پایاں انعامات پر ترجیح نہ دے اور ایسے حقیر اور قلیل متاع دنیا کے دھوکہ میں مبتلا ہو کر اس دار القرار کی ابدی تکالیف و آلام میں اپنے آپ کو نہ ڈال لے عاقل کا کام تو یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے دار القرار کی تیاری کرے۔ اور میری قوم مجھے کیا ہوا میں یہ عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو دعوت دے رہا ہوں نجات کے راستہ کی طرف اور تم مجھ کو بلا رہے ہو دوزخ کی آگ کی جانب تم تو مجھ کو اس بات کی دعوت دے رہے ہو العیاذ باللہ کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی چیز شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم اور میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں اور میں تم کو بلا رہا ہوں اس عزت والے خطا بخش پروردگار کی طرف کہ جس کی قوت و عزت کے باعث کوئی اس کی رحمت کو روک نہیں سکتا اور باوجود یہ کہ اس کی عزت و عظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا وہ غفار و خطا بخش ہے۔ یقیناً جس چیز کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو اس کے واسطے نہ تو دنیا ہی میں کوئی پکار ہے کہ کوئی اس کو دنیا میں اپنی کسی حاجت کے لیے پکار لے کیونکہ وہ اس لائق ہی نہیں اور نہ ہی آخرت میں کسی عذاب اور پریشانی کے دفع کرنے کے لیے اس کے واسطے کوئی پکار ہے اور بے شک ہم سب کو لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور بے شک زیادتی کرنے والے اور عبودیت و بندگی کی حدود سے نکل جانے والے وہاں جا کر بس وہ

---

* اشارہ ہے کہ متاع پر تنوین تقلیل اور تحقیر دونوں معنی پر دلالت کے لیے ہے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی طرح مراد بیان فرمائی ہے۔ ۱۲۔

سب کے سب جہنمی ہی ہوں گے اور اس وقت اگرچہ میری یہ نصیحت اور بات تمہارے دل کو نہیں لگتی مگر تم عنقریب یاد کرو گے۔ یہی بات جو میں تم کو کہہ رہا ہوں اور جواب میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ میں اپنی حجت پوری کر چکا اور جو کچھ نصیحت و ہمدردی سمجھانا تھا وہ سمجھا چکا۔ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر لینے کے بعد بس میں اپنا معاملہ اسی کے حوالہ کرتا ہوں۔ جس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں نہ میرا اخلاص اور یہ جذبہ اور تم کو راہ راست پر لانے کی امکانی جدوجہد اور نہ تمہارا اعراض و بے رخی۔ اس لیے وہ میرا پروردگار ہر ایک کو اس کے کردار کا بدلہ دے گا۔ حق و باطل کی یہ کشمکش جاری رہی۔ فرعون اور فرعون کے متبعین ہر طرح کی تدبیر کرتے رہے اور اس مرد کے خلاف سوچتے رہے لیکن اللہ نے بچا لیا اس مردِ مؤمن کو ان کی سازشوں و تدابیر کی تمام بُرائیوں سے * اور اس مردِ مؤمن کو کسی بھی سازش سے نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور اس کے برعکس الٹا چمٹ پڑا فرعونیوں پر بہت ہی بُرا عذاب۔

## مردِ مؤمن کا دوسرا ناصحانہ خطاب۔ دُنیا کی بے ثباتی اور جزاء اعمال کا معیار

مردِ مؤمن نے اپنے ناصحانہ خطاب کے دوسرے حصہ میں پہلے حصہ سے بڑھ کر اہم اور عظیم نکات کی طرف اشارہ کیا اور نہایت واضح انداز میں ہدایت و گمراہی پر مرتب ہونے والے آثار اور ثمرات کا ذکر کر دیا ساتھ ہی تنبیہ اور وعید بھی بلیغ انداز میں کر دی۔ سب سے پہلے تو حیاتِ دُنیا اور عقبیٰ کا فرق واضح کرتے ہوئے یہ بتایا کہ دُنیا کی ہر نعمت اور ہر عزت عارضی اور ناپائیدار بلکہ محض دھوکہ و فریب ہے۔ اور دارِ آخرت ہی حقیقتاً قرار و پائیداری کی جگہ ہے وہاں کی راحتیں اور نعمتیں ہی پائیدار اور ابدی ہیں اور اگر عذاب و تکلیف ہو تو وہ بھی دائمی ہے۔ اس وجہ سے عقل کا تقاضا ہے کہ انسان دائمی اور پائیدار کی فکر کرے۔ عارضی کو دائمی اور ابدی پر فوقیت دینا سراسر غلطی ہے۔ **دوسری** چیز اس مردِ مؤمن نے یہ کہی کہ انسان کو کسی مرحلہ پر بھی یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہر عمل کا بدلہ اور نتیجہ مرتب ہو کر رہتا ہے۔ ایمان و عمل صالح کے ثمرات جنت اور جنت کے بے پایاں انعامات ہیں اور یہ نعمتیں حقیقت تو یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال کا معاوضہ نہیں قرار دی جا سکتیں کیونکہ یہ عمل کے مقام سے بہت بلند و بالا اور زائد ہوتی ہیں اس لیے کہ بے حساب ہوتی ہیں اور عمل تو ظاہر ہے کہ دائرہ حساب میں ہی رہتا ہے اور محدود انداز و مقدار پر ہوتا ہے۔ محدود عمل پر غیر محدود اور بے حساب انعامات و نعمتیں کس قدر عظیم مہربانی ہے۔ اس سے بے نیاز ہو جانا کسی طرح بھی عقلاً درست نہیں ہو سکتا۔ **تیسری** بات یہ کہی کہ یہ کس قدر ظلم ہے کہ میں تم کو نجات کے راستہ کی طرف دعوت دوں اور تم نہ صرف یہ کہ اس سے انحراف و روگردانی کرو بلکہ الٹا مجھ ہی کو کفر و شرک کی دعوت دے کر ہلاکت میں ڈالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہو تم مجھ کو ایسے بے بس و لاچار معبودوں کی طرف بلاتے ہو جو نہ دنیا میں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں کام آ سکتے ہیں اور اس کے برعکس میں اس عزت و غلبہ والے رب کی طرف بلا رہا ہوں کہ نہ کوئی اس کے انعام و بخشش کو روک سکتا ہے اور نہ اس کے انتقام و سزا سے بچانے کی کسی میں جرأت ہے۔ **چوتھی** بات یہ کہی کہ سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وجہ سے اب ہر ایک کو سوچ سمجھ کر اپنا طرز زندگی بنا لینا چاہیے اور اس سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ جب خدا کے یہاں جانا ہوگا۔ انسان اپنے اس باغیانہ طرزِ عمل کا کیا جواب دے گا۔

---

* بعض مفسرین نے فرعونیوں کی مختلف سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ بہرکیف جو بھی وہ کر سکتے ہوں انہوں نے یقیناً اس میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہوگا مگر اللہ نے ہر چیز سے محفوظ رکھا۔ ۱۲۔

بس سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی سرکشی اور زیادتی کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

**اخیر میں** یہ بھی کہہ ڈالا۔ دیکھو اب اگرچہ تم میری باتوں کو نظر انداز کرلو یا میری نصیحتوں پر ہنس لو اور مذاق اڑالو مگر یاد رکھو عنقریب ایک وقت آئے گا کہ تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے اور پچھتاؤ گے لیکن اس وقت پچھتانے سے کچھ کام نہ چلے گا۔ اپنے خطاب کے اخیر میں ﴿اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ﴾ کہہ کر اس مردِ مؤمن نے ہر مخلص و ناصح اور داعی الی اللہ کو یہ سبق سکھایا کہ اگر سرکش و مغرور لوگ اس کے پیغام رشد و ہدایت کو نہ سنیں اور نہ مانیں تو اسے اپنی بے بسی اور بیچارگی کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دینا چاہیے وہی غیب سے اس کی مدد کرے گا اس کی کمزوری اور بے سروسامانی کو قوت و عزت اور غلبہ سے بدل دے گا اور ایسے سرکشوں کو ذلیل و ناکام بنائے گا وہی قادر مطلق اور ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ (البروج:۱۶) ہے۔

﴿اَنَّ مَرَدَّنَآ﴾ کا لفظ بول کر یہ ظاہر کر دیا کہ اصل میں ہم سب خدا کی مخلوق ہیں۔ اسی نے ہم کو پیدا کیا اور یہ زندگی عارضی زندگی اور دُنیا کا قیام وقتی قیام ہے۔ اصل مقام اور ٹھکانہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ تو ان الفاظ میں فرعونیت کی دہریت کا بھی پورا پورا رد کر دیا۔

اس طرح مردِ مؤمن کے خطاب کا یہ دوسرا حصہ پہلے حصے سے زائد بلیغ و مؤثر تھا اور فرعون کے باطل تخلیات کا پوری قوت اور دلائل کی شوکت کے ساتھ رَد تھا۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ قف

آگ ہے کہ دکھا دیتے ہیں اُن کو صبح اور شام۔ اور جس دن اُٹھے گی قیامت۔

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ

داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔ اور جب آپس میں جھگڑیں گے آگ میں،

فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

پھر کہیں گے کمزور غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے پیچھے، پھر کچھ تم

مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ

ہم پر سے اُٹھا لو گے حصہ آگ کا؟ کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم سبھی پڑے ہیں

فِیْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ

اس میں، اللہ فیصلہ کر چکا بندوں میں۔ اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں

جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا

دوزخ کے داروغوں کو مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کرے ایک دن تھوڑا عذاب۔ وہ بولے

اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ

کیا نہ آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے نشان لے کر؟ کہیں گے کیوں نہیں! بولے! پھر پکارو۔

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع ۵ ۱۳ ۱۰

اور کچھ نہیں پکارنا کافروں کا، مگر بہکنا۔

## بعد از ذکر عذاب دنیوی و بیان عذاب برزخ و آخرت ذلت و خواری فرعونیاں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ... الٰی ... اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں آل فرعون کے مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب کا بیان تھا کہ اس نے کیسے مؤثر و بلیغ اور مدلل انداز سے فرعون اور فرعونیوں کو اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو حق کی دعوت دی اور اللہ رب العزت کی الوہیت و وحدانیت کے دلائل قائم کرتے ہوئے ایمان لانے پر آمادہ کرنا چاہا اور اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا۔ اب ان آیات میں جو عذاب خداوندی ان پر دنیا میں آیا اور جو برزخ اور آخرت میں ہوگا اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ فرمایا: ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ... الخ﴾ دوزخ کی آگ پر ان فرعونیوں کو پیش کیا جاتا رہے گا صبح و شام۔ اور جب قیامت قائم ہوگی تو کہا جائے گا فرشتوں سے داخل کر دو فرعونیوں کو سخت عذاب میں جو عالم برزخ کے عذاب سے بہت زائد سخت اور ہولناک ہوگا۔ کیونکہ برزخ میں تو آگ کا صرف معائنہ اور قرب ہی ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں برزخی آگ سے یقیناً جہنم کی آگ زائد شدید ہوگی تو برزخ کے عذاب سے جہنم کا عذاب نہایت سخت ہوگا۔ اور اس عذاب سے بڑھ کر ایک مزید عذاب و تکلیف کی چیز ہوگی جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو نیچے درجے کے لوگ ان لوگوں سے کہتے ہوں گے جو بڑے تھے۔ اور ان کے مقتداء و پیشوا بنے ہوئے تھے ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے اور تمہارے ہی ورغلانے سے ہم نے کفر کیا تھا تو کیا اس وقت تم ہم سے عذاب نار کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو۔ وہ بڑے کہیں گے ہم سب ہی دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ جب کہ ہم بھی تمہاری طرح اسی عذاب میں مبتلا ہیں۔ اللہ تو بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا۔ اور اس صورت حال میں کہ تابعین اپنے متبوعین سے مایوس ہو چکے ہوں گے۔ اور متبوعین بھی اپنے کو بے بس پا رہے ہوں گے تو یہ سب جو جہنم میں ہوں گے۔ جہنم کے نگران فرشتوں سے کہیں گے پکارو اپنے پروردگار کو کہ وہ ہم سے عذاب میں سے کسی ایک دن ہی کمی کر دے تو ہم ایک دن کے عذاب کی تخفیف کو غنیمت سمجھیں گے کہ چلو ذرا ایک دن ہی کچھ سکون کا سانس لینا نصیب ہو جائے۔ یہ فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلائل و

معجزات لے کر نہیں آئے تھے جس سے تم بخوبی حق وہدایت سمجھ سکتے تھے۔ کہیں گے بے شک وہ سب کچھ لے کر آئے تھے لیکن یہ ہماری بدنصیبی کہ ہم نے ان کی بات نہ مانی (جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا﴾ (الملک:۹) اس پر فرشتے بولیں گے پھر اب ہم کچھ نہیں کر سکتے اور نہ تمہارے واسطے کوئی دعاوالتجا ہوسکتی ہے اور کافروں کی دُعا بس بے اثر ہی ہو کر رہے گی اس لیے کہ اس * دُعا کا اثر اور اس کی قبولیت تو ایمان اور اطاعت پر موقوف ہے۔

## عالم برزخ اور وہاں کا عذاب

عالم برزخ اور وہاں کا ثواب وعذاب اور راحت وتکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب وعقاب پر ایمان ضروری ہے۔ اسی طرح برزخ کے ثواب وعقاب پر بھی ایمان ویقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرۃ جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔ ''برزخ'' دُنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی عالم کا نام ہے جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفنا دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھا لے۔ غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالم قبر ہی شمار کیے جاتے ہیں۔ اس عالم برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (المومنون:۱۰۰) میں موجود ہے۔ اسی لیے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔

اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دُنیا اس جہاں برزخ کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام دُنیائے عالم کے سامنے۔ جس طرح حالت نوم موت وحیات کے درمیان ایک حالت ہے۔ ایسے ہی اس عالم برزخ کو دُنیا اور آخرت کے مابین عالم سمجھ لیا جائے۔ انسان کے مرجانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر اپنے بدن کے ساتھ پھر بھی ایک گونہ گو تعلق باقی رہتا ہے۔ اور محل دفن سے بھی علاقہ رہتا ہے۔ قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دُنیا کی حیات معہودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں۔ ان ادراکات کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالت نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اور ان کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدرکات ہیں جن کے ذریعہ یہ ادراک حاصل ہوتا ہے، بہرکیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہاں میں پہنچ جاتا ہے تو اس کو اپنے ایمان وکفر اور طاعت ومعصیت کی صورتیں

---

* اس دعا کی قید اس وجہ سے ظاہر کی گئی کہ یہ دعا نجات یا تخفیف عذاب کی ہوگی اور قرآن کریم نے اللہ ربّ العزت کا فیصلہ واضح کر دیا کہ ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ رہا دُنیا کا معاملہ تو ہوسکتا ہے کہ کافر کی بعض دعائیں اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کے لحاظ سے پوری فرما دے جیسے کہ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سب انسانوں اور جانوروں کی حاجتیں پوری فرماتا ہے تو اسی درجہ میں دنیا میں کافر کی دُعا جو اس کی حوائج بشریہ سے متعلق ہو پوری ہوسکتی ہے لیکن یہاں کی دعا محض آخرت کے عذاب کی تخفیف یا نجات کی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ کیونکر پوری ہوسکتی تھی تو بے اثر اور ضیاع کا تعلق امر آخرت میں ہوا تو اس وجہ سے لفظ اس کا اضافہ کیا گیا۔ ۱۲

عالم مثال میں نظر آتی ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات میں فرماتے ہیں دنیا میں جو چیزیں معانی اور اوصاف ہیں عالم آخرت یا عالم برزخ میں وہ حقائق موجودہ کی شکل میں موجود نظر آئیں گی۔ اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ مؤمن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال و جواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مؤمن دریافت کرتا ہے۔ ((من انت... الخ)) کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آ رہی ہے تو جواب یہ ہوگا۔ ((انا عملك الصّالح)) کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اس کے برعکس کافر اور فاسق و فاجر کے سامنے ڈراؤنی ہیبت ناک شکل آئے گی۔ اور یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شر ٹپک رہا ہے اس پر یہ شکل جواب دے گی ((انا عملك الخبيث)) میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ الغرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے۔ جیسا انجام نجات یا ہلاکت کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

حضرات عارفین کا قول ہے کہ قبر میں فقط روح سے سوال نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے ہوتا ہے اولاً روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے ایک قسم کی حیات دینے کے بعد سوال کیا جاتا ہے متکلمین کی رائے ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد روح کا تعلق من وجہ اپنے جسد سے باقی رہتا ہے۔ عالم برزخ میں روح کو جسم سے مفارقت کلی حاصل نہیں ہوتی۔ البتہ قیامت کے روز یہ تعلق جسم کے ساتھ کامل ہو جائے گا۔ اور اس وجہ سے روح اور جسم دونوں کے آثار کلی طور پر ظاہر و نمایاں ہوں گے انسان جسم اور روح سے مرکب ہے جیسا کہ ظاہر ہے دُنیا میں تو جسم کے احکام ظاہر اور غالب ہوتے ہیں اور روح کے مغلوب و مستور۔ عالم برزخ میں روح کے احکام غالب و ظاہر ہوں گے اور جسم کے مغلوب و مستور رہتے ہیں۔ بلکہ جسم کی ظاہری ہیئت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس دُنیا میں روح کے احکام مستور ہوتے ہیں جس طرح کہ خود روح جسم میں مستور ہوتی ہے۔ اور حشر کے دن جسم اور روح دونوں کے احکام اور آثار برابر یکساں کر دیئے جائیں گے ان میں سے کوئی مغلوب و مستور نہ ہوگا بلکہ دونوں نمایاں اور برابر ہوں گے۔

شیخ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ ''نہایۃ الاقوام'' میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کے سوال و جواب کے لیے روح کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے بعض اجزاء بدن سے تعلق کافی ہے۔ کیونکہ زندگی میں بھی ادراک و شعور اور فہم مطلق جسم کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے اور نکیرین کا سوال و جواب دراصل انہی اجزاء مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر و نشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ (نہایۃ الاقوام للامام الشہرستانی رحمۃ اللہ علیہ۔ بحوالہ عقائد الاسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ)

بہرکیف یہ آیات ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا﴾ برزخ میں عذاب قبر ثابت کر رہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ کی تصریح اس پر دلالت کر رہی ہے اور حبیب نجار رحمۃ اللہ علیہ کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا تو ان کے متعلق ہے ﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ﴾ (یٰسین:۲۶) کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہو گیا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اور جنت میں داخل ہو گیا تو اس کی تمنا ہوئی کاش میری قوم کو بھی اس نعمت و کرامت کا علم ہو جائے تا کہ وہ بھی ایمان لائے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا۔ اس طرح سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب کی طرح ثواب قبر بھی ہے جو مؤمنین و مطیعین کے لیے ہوگا۔ اسی طرح آیات واقعہ ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ﴾ (الواقعہ:۸۹) اور یہ سلسلہ انعام مرنے کے

بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں ﴿فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ﴾ (الواقعہ: ۹۳، ۹۴) مہمانی کھولتے پانی کی اور جہنم کی آگ میں گھسنا۔ آنحضرت ﷺ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

## عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں

فرعونیوں کے حق میں یہ آیات ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ سورۂ مؤمن کی آیات ہیں جو باتفاق آئمہ مفسرین مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورت ہے تو ان آیات میں عذاب قبر کا ذکر یہ بتلاتا ہے کہ قبل ہجرت مکہ ہی میں عذابِ قبر کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی۔ لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا کرتیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی مدد فرمایا کرتیں تو جب بھی اس کے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہود یہ یہ دعا دیتی کہ ((وقاك الله عذاب القبر)). "اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ یہ یہود یہ جھوٹ بولتی ہے۔ اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ ﷺ کچھ دن گزرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے۔ اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ ﷺ بآواز بلند فرما رہے تھے ((القبر كقطع الليل المظلم)) کہ قبر تو رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے۔ اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو۔ اے لوگو! پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے۔ کیونکہ عذاب قبر حق ہے۔ اس حدیث کو اگرچہ بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث کا مضمون بھی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ آیت و روایت میں تطبیق کے لیے یا تو یہ جواب دیا جائے کہ آیتِ قرآنیہ سے ارواح کفار کا عالم برزخ میں صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیا جانا مراد ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اذیت و تکلیف کا ان کے اجسام کے ساتھ قبور میں بھی اتصال و تعلق ہوگا تو قرآنِ کریم سے تو صرف اتنا ہی علم ہوا تھا کہ ارواحِ جہنم پر پیش کی جائیں گی۔ رہا اس اذیت و عذاب کا جسم تک پہنچنا یہ صرف احادیث کے ذریعہ معلوم ہوا۔ تو گویا عذاب ارواح مکی وحی سے معلوم ہوا اور عذاب کا اجساد کا علم مدینہ منورہ میں ہوا۔ یا تطبیق کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آیت سے برزخ میں کافروں کے عذاب کا علم ہوا۔ یہ مضمون اس کی دلیل نہ تھا کہ مؤمن پر بھی قبر کا عذاب ہو سکتا ہے۔ پھر مدینہ منورہ میں اس یہودیہ کے قصہ کے بعد آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ مؤمن کی بھی قبر میں آزمائش ہوگی اور اس کے واسطے بھی اس کی معصیتوں پر عذابِ قبر ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((انّكم تفتنون فى القبور قريبًا من فتنة الدجال)).

چنانچہ امام بخاری و مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے۔

((قال رسول الله ﷺ ان احدكم اذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشى ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة. وان كان من اهل النار فمن اهل النار. فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله عزوجل الى يوم القيٰمة)). (صحيح بخارى۔ صحيح مسلم)

"کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عزوجل قیامت کے روز اٹھالے۔"

تطبیق کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کہ عذاب برزخ جو مکی آیات میں ہے وہ کافروں کے حق میں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ تصریح نہ تھی کہ مؤمن کے لیے بھی قبر میں عذاب وآزمائش ہے تا آنکہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں وحی کے ذریعے اس کی بھی تصریح کر دی گئی۔ واللہ علم بالصواب

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ

ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی، اور ایمان والوں کی دنیا کے جیتے، اور جب کھڑے ہوں گے

الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ

گواہ۔ جس دن کام نہ آویں منکروں کو ان کے بہانے، اور ان کو پھٹکار ہے

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ

اور ان کو بُرا گھر۔ اور ہم نے وہی موسیٰ کو راہ کی سوجھ اور وارث کیا بنی

اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ

اسرائیل کو کتاب کا۔ سوجھاتی اور سمجھاتی عقلمندوں کو۔ سو تو ٹھہرا رہ

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ

بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا اپنا گناہ، اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو

وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ

اور صبح کو۔ جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں، بغیر کچھ سند کے

اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ

جو پہنچی ہو ان کو اور کچھ نہیں ان کے جی میں غرور ہے، کہ کبھی نہ پہنچیں گے اس تک۔ سو تو پناہ مانگ

بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ

اللہ کی، بیشک وہ ہے سنتا دیکھتا۔ البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا، بڑا

مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي

ہے لوگوں کے بنانے سے، لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے، اور برابر نہیں

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ

اندھا اور دیکھتا۔ اور نہ ایماندار جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار۔

قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ

تم تھوڑا سوچ کرتے ہو۔ تحقیق وہ گھڑی آتی ہے، اس میں دھوکا نہیں، لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ

بہت لوگ نہیں مانتے۔ اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶ ۱۰ ۱۱

بے شک جو لوگ بڑائی کرتے ہیں میری بندگی سے اب پیٹھیں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

## پیغام بشارت بہ نصرتِ خداوندی وتلقین صبر واستقامت وبیان ذلت وناکامی اہل جدال وخصومت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ... الٰى ... سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مجرمین وکفار کی آخرت میں ایک دوسرے پر لعنت وملامت کا ذکر تھا اور یہ کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ اور ایسے مجرمین کا مدد کے لیے چیخنا چلانا سب بیکار وضائع ہوگا۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی نصرت اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی کامیابی کا بیان فرمایا اور صبر واستقامت کی تلقین فرمائی گئی۔ اور یہ کہ اللہ کی راہ میں جو بھی دشواریاں اور مشقتیں پیش آئیں۔ اللہ رب العزت اپنی قدرت سے ان کو دور فرماتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔ ارشاد فرمایا:

بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان لانے والوں کی دُنیا کی زندگی میں بھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ

سے ظاہر ہو گیا اور اس روز بھی جب گواہیاں دینے والے کھڑے ہوں گے۔ وہ اللہ کے فرشتے ہیں جنہوں نے بندوں کے اعمال لکھے اور وہ نامہائے اعمال لیے کھڑے ہوں گے اور وہ گواہی دیتے ہوں گے کہ اللہ کے پیغمبروں نے اللہ کے احکام اس کے بندوں کو پہنچا دیئے لیکن ان کافروں اور مجرموں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی اطاعت نہ کی یہ قیامت کا روز ہوگا۔ جہاں کسی طرح کی معذرت وندامت کام نہ آئے گی تو یہ وہ دن ہوگا کہ ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اور ان کے واسطے لعنت ہوگی اور بہت ہی برا ان کے واسطے ٹھکانہ ہوگا۔ تو اسی طرح اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ کی بھی آپ کا پروردگار مدد کرے گا اور آپ ﷺ کی تکذیب و انکار کرنے والوں کے لیے دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور قیامت کے روز بھی شدید عذاب ہوگا اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت دی اور اپنی وحی عطا کی اور بنی اسرائیل کو وارث بنایا کتاب کا۔ یعنی تورات کا جو ہدایت و نصیحت تھی عقل والوں کے لیے کہ اگر اہل عقل اپنی عقل سے کام لیتے تو ضرور وہ اس ہدایت سے منتفع ہوتے مگر اس بدنصیبی کا کیا علاج ہو کہ ایک بینا انسان اپنی آنکھیں بند کر لے اور سورج کی روشنی سے نفع نہ اٹھائے جس سے سارا عالم روشن ہے اے پیغمبر! یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ ان کو علوم و ہدایت اور کتاب الٰہی آپ ﷺ کے ذریعے دی مگر یہ بجائے اس سے نفع اٹھانے کے اپنے آپ کو ہلاکت و گمراہی میں مبتلا کیے ہوئے ہیں تو آپ کفار مکہ کی ایذاؤں پر صبر کیجیے اور تسلی رکھیے بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور اپنے قصور و فروگذاشت کی اللہ سے معافی طلب کیجیے اگر ان کفار مکہ کی ایذاؤں پر صبر و تحمل میں نبوت و رسالت کے مقام عالی کی نسبت سے کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہیے۔ اس کی حمد و ثنا کے ساتھ صبح و شام تسبیح و تحمید قلب کی غذا ہے اس سے قلب کو تقویت حاصل ہوگی۔ اور ان تکالیف و شدائد کا برداشت کرنا آسان ہوگا۔ جو راہ حق میں آپ ﷺ کو پیش آ رہی ہیں اور ان جدال و خصومت کرنے والوں کی آپ ﷺ ہرگز کوئی فکر نہ کریں یقیناً جو لوگ اللہ کی آیتوں میں خصومت اور جھگڑا کر رہے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل و حجت آ چکی ہو۔ ایسے خصومت کرنے والے کبھی بھی کامیاب نہیں ہوا کرتے اور نہ ان کے جھگڑوں سے حق میں کسی قسم کا اشتباہ و التباس واقع ہو سکتا ہے۔ ان کی یہ خصومت تو بس غرور و تکبر ہی ہے ان کے سینوں میں کہ وہ کبھی بھی اس بڑائی تک نہیں پہنچنے والے ہیں کہ جس بڑائی اور نخوت کے باعث ان کو آپ ﷺ کے اتباع میں عار معلوم ہو رہا ہے وہ ہرگز اس بڑائی اور عزت کے مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے بلکہ انہیں ذلت و ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو آپ ﷺ پناہ مانگتے رہیے اللہ کی بے شک وہی سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے۔ جب وہ ہر بات دیکھتا اور سنتا ہے تو آپ ﷺ کے دشمنوں کا کوئی فعل و قول بھی اس سے چھپا ہوا نہیں اور اس کی پناہ و حفاظت نہایت اعلیٰ اور مکمل پناہ ہے جس کو توڑنے کی کسی کو مجال نہیں ہو سکتی۔ آخر یہ منکرین آپ ﷺ کی باتوں کو کیوں جھٹلاتے ہیں۔ اور کیوں نہیں قیامت پر ایمان لاتے۔ ان کو بعث بعد الموت پر کیا تعجب ہے۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کا ابتداءً پیدا کرنا تو بہت بڑا کام تھا بہ نسبت انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کے تو جب ایک بڑی عظیم قدرت کا نمونہ ان کے سامنے موجود ہے تو اس سے کم تر چیز کا کیسے انکار کر رہے ہیں۔ یہ چیز بلاشبہ عقل کے خلاف ہے لیکن اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ کبھی ایسے حقائق اور شواہد پر غور نہیں کرتے اور نہ ان پر کبھی اس طرح نظر ڈالتے ہیں کہ ان سے ایسی چیزیں سمجھ لیں۔ حالانکہ یہ دلائل سمجھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ اور بات یہ ہے کہ نابینا آدمی اور بینا آدمی برابر نہیں یقیناً ان میں تفاوت ہے اسی طرح انسانوں کا وہ طبقہ جو ان حقائق اور شواہد سے اللہ رب العزت کی معرفت حاصل کرتا ہے اور وہ طبقہ جو نابیناؤں کی طرح اس سے محروم رہتا ہے باہم بڑا تفاوت رکھتا ہے۔ اور جب ان دونوں طبقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو ظاہر ہے کہ اسی طرح ان کے انجام میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔

اسی لیے یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ اور جولوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور دوسرے وہ جو بُرے کام کرنے والے ہیں برابر نہیں یہ فرق اور بعد ایسا واضح ہے کہ ہر انسان کو سمجھ لینا چاہیے لیکن بہت ہی کم ہیں ایسے جو سمجھتے ہوں اور عبرت حاصل کرتے ہوں۔ یہ مانیں یا نہ مانیں قیامت بے شک ضرور آ کر رہے گی جس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں اور ان کافروں کی مخالفت وسازشوں اور ان کی طرف سے پیش آنے والی تکلیفوں اور مشقتوں سے مت گھبراؤ۔ اے مسلمانو! تمہارے رب نے کہہ دیا ہے تم مجھ کو پکارو اور مجھ سے مانگو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ وہ درخواست جس میں تمہارے واسطے خیر اور فلاح ہو۔ اس لیے جب بھی سعادت وفلاح اور اہل ایمان کے غلبہ کامیابی اور کافروں کی ناکامی کی دعا مانگو گے میں قبول کروں گا بے شک جولوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلت ورسوائی کے ساتھ بعد اس کے کہ دنیا میں بھی ان کی ذلت ورسوائی ہو چکی ہوگی کیونکہ ہمارا وعدہ جو انبیاء سے نصرت وکامیابی کا ہو چکا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اور وہ نصرت وکامیابی جب دنیا میں بھی ہے تو بلا شبہ کفار ونافرمان دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے۔ اور آخرت میں جہنم میں بھی ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

## نصرتِ خداوندی کی صورتیں

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نصرت کے معنی اگرچہ کامیابی اور مدد کے ہیں۔ لیکن کبھی نصرتِ خداوندی بدلہ لینے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ بیشک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کا کافروں سے بدلہ لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کفار نے اللہ کے کسی پیغمبر یا مؤمنین پر غلبہ پا کر ان کو قتل کیا یا ستا کر ہلاک کیا اگرچہ اس وقت اہل حق مغلوب ہو گئے۔ مگر منجانب اللہ کسی وقت بدلہ ضرور ان سے لیا گیا۔ جیسے کہ اس پر قرآن وحدیث اور تاریخ گواہ ہے۔

**سوال:** شیخ ابوجعفر بن جریف رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ پر ایک سوال وارد کیا اور پھر خود ہی اس کے دو جواب دیئے۔ فرمایا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام ایسے گذرے ہیں کہ ان کی قوموں نے ان کو قتل کر ڈالا۔ مثلاً: حضرت یحییٰ، زکریا اور شعیاء علیہم السلام اور بعض ایسے بھی گذرے ہیں کہ بے بس ولاچار ہو کر ان کو اپنی قوم سے ہجرت کرنی پڑی۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام اور کوئی ایسے ہوئے کہ قوم کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے خدا نے انہیں آسمانوں پر اٹھالیا اور اس طرح کافروں کے ظلم اور قتل وصلب کے ارادہ سے محفوظ کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان صورتوں میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نصرت وکامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ مغلوبی وناکامی معلوم ہوتی ہے۔ اس سوال کے دو جواب دیئے۔

**پہلا جواب:** تو یہ ہوسکتا ہے یہ خبر عموم اور اکثریت کے درجہ میں ہے لہٰذا اگر بعض اس سے مستثنیٰ ہیں تو یہ ممکن ہے۔ لیکن اس جواب کو پسند نہ کرتے ہوئے دوسرا جواب یہ دیا۔

**دوسرا جواب:** نصرت سے مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کا کافروں اور ان کو ستانے والوں سے ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ خواہ بدلہ ان انبیاء علیہم السلام اور ان ہی مؤمنین کی موجودگی میں ہو یا ان کے بعد چنانچہ جن انبیاء علیہم السلام کو کافروں نے قتل کیا۔ مثلاً حضرت یحییٰ، زکریا اور شعیاء علیہم السلام ان کے قاتلوں پر اللہ نے بعد میں ایک قوم کو مسلط کیا انہوں نے ان کو ذلیل کیا اور خوب ایذائیں پہنچائیں اور خون بہایا۔ اسی طرح نمرود کو خدا نے بڑی ذلت کی موت مارا۔ اور جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا ارادہ کیا۔ خدا نے

ان پر بعد میں روم کو مسلط کر دیا تو اہل روم نے ان کو نہایت ہی ذلیل و رسوا کیا طرح طرح کی ایذائیں دیں۔ خون بہایا یہ تو دنیوی بدلہ ہو گیا اور اسی کی آخری قسط وہ ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے تو دجال کو اور یہود کو قتل کریں گے اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے اور اللہ کی طرف سے امانت و قیادت کی عزت عطا کی جائے گی تو اس طرح خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و سربلندی ظاہر فرمائے گا۔ اور قیامت کے روز جو بدلہ ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے۔

الغرض حق تعالیٰ کی یہ سنت قدیم ہمیشہ سے جاری رہی کہ وہ اپنے مؤمن بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کے ظالموں سے بدلہ لے کر مؤمنین کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے حق تعالیٰ کی اس سنت قدیم کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے نقل فرماتے ہیں۔ فرمایا: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو بھی میرے کسی دوست سے دشمنی کا معاملہ کرے پس اس نے میرے مقابلہ میں اعلان جنگ کر دیا۔ اور میدان میں میرے سامنے نکل آیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خداوند عالم نے قوم نوح، عاد و ثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین اور ایسے اللہ کے رسولوں سے عداوت و مقابلہ کرنے والوں کا کیسا عبرت ناک انجام دنیا کو دکھایا اور سب سے اخیر میں خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی اللہ نے کیسی مدد اور کامیابی فرمائی اور دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر کے ﴿كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ (التوبہ: ۴۰) اور ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الفتح: ۲۸) کا منظر دکھایا۔ گویا ایک وقت مغلوبیت کا گذارا مکہ سے ہجرت بھی کرنی پڑی مگر مظلومیت اور بے بسی کے اس دور کے ساتھ انصار کا گروہ مہیا فرما دیا جن کی زندگیاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے سراپا نصرت ہی نصرت تھیں۔ پھر اللہ نے کفار پر جنگ بدر میں غلبہ دیا۔ ان کے رؤسا اور سردار قتل کیے گئے۔ قید و بند کی ذلت سامنے آ گئی فدیہ دیکر رہائی حاصل کرنا ہی اپنے ہاتھوں اپنی ذلت و پستی کو اختیار کر لینا تھا۔ تا آنکہ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ وہی سردار و ہی رؤسا قریش دست بستہ سرنگوں و شرمسار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معافی مانگتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر احسان فرماتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے ہیں۔ ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ (یوسف: ۹۲) اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جزیرہ عرب اور یمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہوا اور اہل کتاب جزیہ گذار ہو گئے۔ اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں فارس و روم۔ افریقہ، اندلس اور کابل تک فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔ اور اسلام کا کلمہ اور دین کا غلبہ مشرق و مغرب میں دنیا نے دیکھ لیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ باجماع مفسرین یہ دن قیامت کا دن ہے اور ﴿الْاَشْهَادُ﴾ کی تفسیر ملائکہ سے کی گئی۔ جو بندوں کے نامائے اعمال لیے میدان حشر میں موجود ہوں گے۔ ﴿سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ کی تفسیر میں بعض مفسرین مثلاً سدی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرتے ہیں بئس المنزل والمقیل یعنی بہت ہی بری اترنے کی جگہ اور بہت ہی بُری آرام گاہ۔ اور جہنم کو آرام گاہ کہنا ایسا ہوگا جیسے ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (الانشقاق: ۲۴) میں لفظ بشارت استعمال کیا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر انجام کی تباہی اور بربادی سے فرمایا کرتے تھے۔

﴿ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی کا مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: چار باتیں ہیں جن میں سے ایک میرے واسطے اور ایک اے میرے بندے تیرے واسطے ہے۔ اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک وہ ہے جو تیرے اور میرے دوسرے تمام بندوں کے درمیان ہے۔

جو چیز میرے واسطے ہے وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اور جو چیز تیری مجھ پر ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تو عمل

خیر کرے گا اس کی جزاء میرے ذمہ ہے اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دُعا کرے اور میں اس کو قبول کروں اور جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے واسطے وہی چیز پسند کر جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (( انّ الدُّعآء ھو العبادۃ )) یعنی دُعا عبادت ہی ہے۔ اسی وجہ سے دعا کے مضمون کو ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ ﴾ پر مکمل فرمایا۔ اور اس سے ظاہر ہو کہ استکبار عَنِ العبادۃ جیسے کفر و نافرمانی ہے اسی طرح دعا سے اعراض و بے رخی کرنا بھی اسی کا مصداق ہے۔ حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص دُعا نہیں کرتا خدا اس پر ناراض ہوتا ہے"۔

دُعا اور دُعا کی قبولیت کی تفصیل آیت ﴿ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ ﴾ میں گزر چکی ہے۔ مراجعت فرمائی جائے۔

## دُعا کی حکمت اور اس کی قبولت اور عدم قبولیت کا راز

بارگاہِ خداوندی میں انسان کے لیے سب سے بڑی عزت و عظمت اور قرب کا عمل دُعا ہے۔ کیونکہ دعا عبدیت کا مظہر اتم ہے۔ اور حق تعالیٰ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر اسراء کا ذکر فرمایا تو عنوان ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ﴾ (بنی اسرائیل:۱) میں عبد کا لفظ اختیار فرمایا۔ اسراء چونکہ سب سے زیادہ عظمت و بلندی کا واقعہ تھا تو اس کو وصف عبدیت سے ذکر کر کے اشارہ فرما دیا گیا کہ عبدیت ہی تو وہ وصف ہے جو ان عظمتوں کا باعث بنا اور ظاہر ہے کہ دعا میں یہ جملہ باتیں موجود ہیں۔ دُعا کرنے والا عجز و تواضع کا بھی رنگ رکھتا ہوگا۔ دُعا کرنے والا اپنے احتیاج کا بھی یقیناً تصور رکھتا ہے۔ ساتھ ہی رب العزت کی عظمت و کبریائی کا اعتقاد بھی قلب میں راسخ اور تازہ ہوگا۔ اور اس التجا کے ضمن میں پروردگار عالم کا تعلق اور جذبہ محبت بھی حاصل ہوگا۔ اسی وجہ سے دعا مانگنے والا بندہ خدا کے نزدیک بڑی عزت کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ کو اپنے بندہ کے مانگنے سے خوشی ہوتی ہے اور دعا نہ کرنا ایک قسم کا استغناء اور کبر ہے جو اللہ کو ہرگز پسند نہیں تو اس وجہ سے جو شخص دُعا نہیں مانگتا خدا اس سے ناراض ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) مخلوق کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا اور مانگنا ذلت ہے۔ لیکن خالق کے سامنے اپنی حاجت کو پیش کرنا اور اس سے مانگنا عزت کا ذریعہ ہے۔

یہ دُنیا عالم اسباب ہے۔ اور بندہ طرح طرح کی حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے۔ انسان اپنی حوائج کی تکمیل کے لیے مادی اسباب مہیا کرنے کا مکلّف ہے۔ لیکن مادی اسباب کی کامیابی اسی پروردگار کے قبضہ قدرت میں ہے اس لیے انسان کو صرف مادی اسباب پر بھروسہ اور اعتماد درست نہیں۔ باوجود اسباب ظاہرہ کے دعا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ تاکہ ظاہری اسباب کو یہ باطنی سبب کامیابی اور تکمیل کے مرحلے تک پہنچا سکے۔ جو لوگ صرف ظاہری اسباب کو کافی سمجھ کر دُعا اور توجہ الی اللہ اور تضرع کو (العیاذ باللہ) بیکار سمجھتے ہیں وہ یقیناً عقل و دانش سے بعید ہیں۔ کیا دن رات کا یہ مشاہدہ نہیں کہ تاجر بازار میں دکان بھی لگاتا ہے۔ مال بھی رکھتا ہے اور جس قدر تدابیر ممکن ہیں انہیں بروئے کار بھی لاتا ہے لیکن بہت سے ہنرمند تاجر ناکامی اور خسارہ میں پڑتے ہیں اور بہت سے جو اس طرح کی تدابیر نہیں کرتے نفع اور کامیابی کی وہم و گمان سے بڑھ کر منزلیں طے کرتے ہیں یہ مشاہدات اس امر کا ثبوت ہیں کہ ہر مقصد کی کامیابی کے لیے صرف ظاہری وسائل و اسباب کافی نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت پر موقوف ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسی سے مانگا جائے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ایک ملفوظ میں ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ عالم عالم اسباب رہے اور بندہ حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے بندہ کو چاہیے کہ وہ دوا بھی کرے اور دعا بھی کرے۔

دوا ظاہری سبب ہے اور دعا باطنی سبب ہے جو لوگ جدید تعلیم کی وجہ سے طبعیات میں غلور کھتے ہیں۔ ظاہر پرستی کی وجہ سے خفی اور معنوی اسباب تک ان کی نظر کی رسائی نہیں ایسے لوگ دعا کو بیکار سمجھتے ہیں اور تمام آثار کو اسباب طبعیہ میں منحصر جانتے ہیں۔ ان آزاد منشوں نے اپنے گمان میں ایک قانون فطرت تجویز کر رکھا ہے اور اس کو بننے میں تو اللہ کے ماتحت مانتے ہیں مگر چلنے میں اس کا محتاج نہیں مانتے بلکہ نعوذ باللہ خود واجب الوجود کو اس کا تابع سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو خاص انتظام پر پیدا تو کر دیا لیکن وہ اب اس طرح خود بخود چل رہا ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا جیسے گھڑی چابی دینے میں تو دوسرے کی محتاج ہے مگر اس کے بعد خود بخود چلتی رہتی ہے گویا کہ اب اللہ تعالیٰ کو بھی تغیر و تبدل کا اختیار نہیں اس عقیدہ سے اللہ تعالے کا اضطرار اور عجز لازم آتا ہے۔ اور یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشیت اور اختیار سے خالی اور عاری ہے۔ جیسے فلاسفۂ یونان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بمعنی واجب الوجود حدوث عالم کی علت موجبہ اضطراریہ ہے۔ فلاسفۂ یونان باری تعالیٰ کے لئے اختیار اور ارادہ اور مشیت کے قائل نہیں اور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل بااختیار ہے ہر چیز کا وجود اور بقاء اور اس کی تاثیر اس کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ (انتہیٰ کلامہ)

انسان بعض مرتبہ دیکھتا ہے کہ اس کی دُعا قبول نہیں ہو رہی ہے تو اس کو یہ گمان نہ رکھنا چاہیے کہ ﴿اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ کا وعدۂ الٰہی پورا نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ میری دعا میں صرف ظاہری الفاظ ہوں۔ دُعا کی روح اور حقیقت جو تضرع اور زاری ہے وہ اس میں نہ ہوگی۔ اور دعا میں جب روح ہی نہیں تو اس میں کیا اثر ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جو دُعا اس نے مانگی ہے وہ اللہ کے نزدیک خود اس کے لیے بہتر نہ ہو انسان کا علم ہی قاصر ہے۔ اور فہم بھی ناقص۔ احکم الحاکمین ہی علام الغیوب ہے وہ بندہ کی مصلحتوں کو جانتا ہے تو بسا اوقات بندہ جو دعا مانگتا ہے وہ خود اس کے واسطے مضر ہوتی ہے تو خدا کی رحمت یہی ہوتی ہے کہ اس دعا کی قبولیت نہ ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آداب دعا کی رعایت نہ کی ہو اس وجہ سے قبول نہیں ہو رہی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شرائط دعا کی رعایت نہ کی ہو تو اثر ظاہر نہ ہو رہا ہو یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص کا کھانا پینا لباس وغیرہ سب کچھ حرام ہو تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دعا کیسے قبول ہوگی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے ایک شخص پراگندہ حال طویل سفر طے کرتے ہوئے دعا کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ ((ملبسہٗ حرام و مشربہٗ حرام و غذی بالحرام فانّٰی یستجاب)). یعنی اس کا لباس حرام اس کا کھانا پینا ہی حرام الغرض اس کی غذا ہی حرام ہے تو پھر ایسی صورت میں کہاں اس کی دعا قبول ہوگی۔

| |
|---|
| اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ |
| اللہ ہے جس نے بنا دی تم کو رات کہ اس میں چین پکڑو، اور دن دیا دکھاتا۔ بیشک |
| اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ |
| اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر، لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے۔ |

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾

وہ اللہ ہے رب تمہارا، ہر چیز بنانے والا کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

اسی طرح پھیرے جاتے ہیں جو لوگ رہتے ہیں اللہ کی باتوں سے منکر ہوتے۔ اللہ ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

بنا دی تم کو زمین ٹھہراؤ، اور آسمان عمارت اور تم کو صورت بنائی پھر اچھی بنائیں صورتیں تمہاری،

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ

اور روزی دی تم کو ستھری چیزوں سے، وہ اللہ ہے رب تمہارا۔ سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ

سارے جہان کا۔ وہ ہے زندہ رہنے والا، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، سو اس کو پکارو نری کر کر اس کی بندگی،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا تو کہہ مجھ کو منع ہوا کہ پوجوں جن کو تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ

سوا اللہ کے، جب پہنچ چکیں مجھ کو کھلی نشانیاں میرے رب سے اور حکم ہوا کہ تابع رہوں

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

جہان کے صاحب کا۔ وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے، پھر پانی کی بوند سے،

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ

پھر لہو کی پھٹکی سے، پھر تم کو نکالتا ہے لڑکے، پھر جب تک پہنچو اپنے زور کو، پھر

لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا

جب تک ہو جاؤ بوڑھے۔ اور کوئی ہے تم میں کہ بھر لیا پہلے اس سے اور جب تک پہنچو لکھے

مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی

وعدے کو، اور شاید تم بوجھو۔ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر جب حکم کرے

اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ ع ۸/۱۲

کسی کام کو۔ تو یہی کہے اس کو کہ ہو، وہ ہوجاتا ہے۔

## بیان انعامات خداوندی وذکر دلائل قدرت واسباب معرفت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ ... الٰی ... كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿٦٨﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کی نصرت وکامیابی کا قانون بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ تسلی بھی کی گئی۔ اور صبر واستقامت کی تلقین فرمائی۔ اب ان آیات میں اپنے انعامات عامہ اور خاصہ کا ذکر فرمایا تاکہ ان سے اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لایا جائے تو فرمایا۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو۔ اور اس نے دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس کی روشنی میں اپنے کاروبار انجام دے سکو بے تکلف چل پھر کر کسب معاش کرو بیشک اللہ تعالیٰ بڑے فضل وانعام والا ہے لوگوں پر کہ ان کے مصالح کی کیسی رعایت فرمائی۔ ان کی راحت اور کسب معاش کے کیسے اسباب پیدا فرمائے۔ لیکن اکثر لوگ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے۔ ان انعامات کا تقاضا تو یہ تھا کہ خداوند عالم کی عبادت کرتے اس کی عظمت ومحبت قلب میں ہوتی۔ اور اس کی نافرمانی پر اس کے قہر وغضب اور ناراضگی سے ڈرتے۔ مگر اکثر لوگ نہ باتیں سمجھتے ہیں اور نہ سوچتے ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں روز روشن کی طرح واضح ہیں کیوں کہ اللہ تو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو پھر اے لوگو بعد اس کے کہ خدا کی خالقیت توحید اور الوہیت ظاہر ہے تم کہاں الٹے پاؤں شرک ہی کی طرف لوٹے جارہے ہو اور گمراہی کے بیابانوں میں بھٹک رہے ہو۔ اے مخاطبین یہ بات آج تمہاری کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ خواہ وہ نشانات تکوینی ہوں یا وہ دلائل واحکام ہوں جو اللہ نے نازل کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی باتوں پر صدمہ اور فکر نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے اے انسانو! تمہارے واسطے زمین کو قرار کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت کی طرح بنایا۔ اور تمہارا نقشہ بنایا۔ اور بہترین نقشہ بنایا کہ اس طرح کی خوبی جسم کی ساخت اور اعضا کا تناسب کسی بھی حیوان میں نہیں رکھا گیا۔ جیسا انسان میں رکھا چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۫﴾ (التین) اور تم کو عمدہ عمدہ پاکیزہ کھانے دیئے اے لوگو! بس یہی تو ہے وہ خدا جو تمہارا رب اور معبود ہے جس نے تم کو بہترین شکل میں پیدا کیا۔ اور عمدہ عمدہ غذائیں اور نعمتیں کھانے کو دیں۔ سو بہت ہی عظیم برکت اور بزرگی والا ہے وہ اللہ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ وہی حیّ لا یموت ہے ازلی اور ابدی ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس کے سوا ہرگز کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تم صرف اسی کو پکارو، اسی کی عبادت کرو۔ اسی کے واسطے اپنے اعتقاد خالص کرتے ہوئے۔ بے شک سب خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ جب اللہ رب العزت

کی قدرتِ خالقیت اور الوہیت اور وحدانیت سب کچھ ظاہر اور ثابت ہے تو آپ کہہ دیجیے ان مشرکین کو سنانے کے لیے اور شرک سے بیزاری ونفرت کا اعلان کرتے ہوئے بیشک میں تو منع کیا گیا ہوں اس چیز سے کہ میں عبادت کروں خدا کو چھوڑ کر ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو خدا کو چھوڑ کر جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے نشانیاں آ چکیں اور ایسے دلائل وشواہد جو عقلی بھی ہیں اور نقلی بھی۔ اور مجھ کو تو بس یہی حکم ہے کہ میں اسی اللہ کے سامنے سر جھکاؤں جو رب العالمین ہے۔

اے لوگو! عجیب بات ہے کیا تمہیں خبر نہیں۔ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ پھر آئندہ ان کا سلسلہ نسل اس طرح قائم کیا کہ تم کو نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بعد اس کہ بصورت حمل ماں کے رحم میں تخلیق وتصویری مراحل مکمل ہو گئے ہوں نکالتا ہے ماں کے پیٹ سے بچہ کی شکل میں پھر تم کو زندگی دیتا ہے تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔ پھر اور بھی مزید حیات عطا کرتا ہے یہاں تک کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے وہ ہوتا ہے جو اس سے پہلے مر جائے۔ جوانی یا بڑھاپے کی نوبت ہی نہ آئے۔ غرض یہ سب کا حال علیحدہ علیحدہ ہے کوئی بوڑھا ہوا اور کوئی نہیں کوئی جوان ہوا۔ اور کوئی اس سے پہلے ہی مر گیا اور یہ سارا تقدیری نظام اس وجہ ہے کہ تم پہنچ جاؤ اس وقت پر جو مقرر و متعین کر دیا گیا ہے تو جو وقت جس انسان کا تقدیر خداوندی سے طے ہو چکا ہوتا ہے وہ اسی وقت تک پہنچتا ہے۔ کوئی طاقت اس وقت کو آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے۔ تا کہ تم لوگ ان احوال میں غور کر کے سمجھ جاؤ کہ دراصل وہی ایک ذات موت وحیات کی مالک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ بس وہی جس بھی کام کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے لیے کہہ دیتا ہے کُنْ (ہو جا) تو بس وہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کوئی چیز دفعۃً پیدا کرنا چاہے یا بتدریج جیسے بھی اس کی حکمت ومشیت ہو۔ اس کے مطابق وہ چیز ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے انعامات کے ذکر میں رات بنانے کی حکمت سکون کو بیان فرمایا کہ بندے دن کے وقت محنت اور نقل وحرکت کی مشقتوں کے بعد رات کی تاریکی اور خاموشی میں سکون وراحت حاصل کر لیں اور اس سکون کے بعد پھر دن کی روشنی میں اپنے مشاغل انجام دیں لیں۔ دن کی روشنی بھی کتنا عظیم انعام ہے ظاہر ہے کہ کاروباری مصروفیت اور مشاغل حیات کی تکمیل بغیر روشنی کے کیسے ممکن ہوتی اللہ تعالیٰ نے کتنا انعام فرمایا کہ دن کو روشن کر دیا۔ تو تکمیل مشاغل کے لیے جس چیز کی سب سے زیادہ حاجت تھی اللہ نے وہ عطا کر دی۔ اور راحت وسکون جس کے بغیر زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا تھا وہ بھی رات کی تاریکی میں عطا فرما دیا۔ پھر آسمان کتنی عظیم مخلوق ہے۔ اس سے متعلق چاند سورج اور ستاروں کی کیسی عجیب اور عظیم شان ہے کس قدر فوائد ومنافع انسانی حیات کے ان سے متعلق ہیں۔ ان تمام دلائل سے صرف نظر کسی بھی صاحب عقل انسان سے ممکن نہیں نیز خود انسان کا وجود اس کی شکل وصورت کی خوبی اور اس کی خصوصیات وکمالات کتنے بلند پایہ دلائل ہیں پھر موت وحیات اور مدت حیات، لوازم حیات، غرض سب چیز کا تنہا وہی پروردگار مالک وخالق ہے جب ان تمام چیزوں میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر انسان کو یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک کرے۔ انسان نہ اللہ کی قدرت کا انکار کر سکتا ہے نہ اس کی الوہیت ووحدانیت کا۔ ان احوال کے پیش نظر انسان کی یہ بڑی ہی بدنصیبی اور حماقت ہوگی کہ خالق کائنات اور قادر مطلق کی عبادت نہ کرے اور اس پر ایمان نہ لائے۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی تفسیر میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا حضرات سلف کی ایک جماعت یہ کہا کرتی تھی کہ جو شخص ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہے اس کو چاہیے کہ اس کے بعد ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بھی کہہ لیا کرے تا کہ اس آیاتِ مبارکہ پر عمل ہو جائے۔ بروایت اعمش، مجاہد، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی نقل

فرمایا کرتے تھے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ ○ لَهُ النِّعْمَةُ وَ لَهُ الْفَضْلُ وَ لَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ ○ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ○﴾

اور یہ بیان کیا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کلمات ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم۔ نسائی) تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ

تو نے نہ دیکھے؟ جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں، کہاں سے پھرے جاتے ہیں؟ جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾

جھٹلائی یہ کتاب، اور جو بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ، سو آخر جان لیں گے۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ

جب طوق پڑے ہیں ان کی گردنوں میں، اور زنجیریں، گھسیٹے جاتے ہیں جلتے پانی میں، پھر

فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾

آگ میں ان کو جھونکتے ہیں۔ پھر ان کو کہا ہے کہ کہاں گئے جن کو شریک بتاتے تھے؟

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ

اللہ کے سوا۔ بولے ہم سے چوک گئے، کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے

شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ

کسی چیز کو۔ اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو۔ یہ بدلہ اس کا جو تم رتجھتے پھرتے تھے

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

زمین میں ناحق، اور اس کا جو تم اتراتے تھے۔ پیٹھو دروازوں میں

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ

دوزخ کے، سدا رہنے کو اس میں سو کیا بُرا ٹھکانہ ہے غرور والوں کا سو تو ٹھہرا رہ، بے شک

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے۔ پھر اگر کبھی ہم دکھاویں تجھ کو کوئی وعدہ جو ان کو دیتے ہیں یا بھر لیں تجھ کو،

فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ

پھر ہماری طرف پھرے آویں گے۔ اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے، کوئی ان میں ہیں

قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ

کہ سنایا تجھ کو ان کا احوال، اور کوئی ہیں کہ نہیں سنایا۔ اور کسی

لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ

رسول کو مقدور نہ تھا، کہ لے آتا کوئی نشانی، مگر اللہ کے حکم سے۔ پھر جب آیا حکم اللہ کا، فیصلہ ہو گیا

بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع ۸ ۱۰ ۱۳

انصاف سے، اور ٹوٹے میں آئے اس جگہ جھوٹے۔

## حیرت واستعجاب برجدال مجادلین ومکذبین ووعید از عذاب آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ... الٰی... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾

**ربط:** آیاتِ سابقہ میں حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور دلائل قدرت کا ذکر فرما کر کفر و نافرمانی اور شرک پر وعید و تنبیہ فرمائی تھی اور یہ کہ انسان کی فطرت اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ خدائے وحدہٗ لہٗ شریک لہٗ پر ایمان لائے۔ اب ان آیات میں جدال و خصومت کرنے والے منکرین پر تعجب و حیرت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے۔ ارشاد فرمایا: کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو حال جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں عجیب بات ہے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں بے شک جن لوگوں نے اس کتاب یعنی قرآن کریم کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جھٹلایا جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا۔ جن میں احکام خداوندی تھے۔ معجزات و دلائل تھے۔ سو عنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے۔ بہر حال قیامت آئے گی اور اس کا آنا قریب ہی ہے کیونکہ بنی آخر الزمان ﷺ کی بعثت ہی قرب قیامت کی علامت ہے تو یہ خوب جان لیں گے۔ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی کہ جن میں یہ جکڑے ہوں گے اور اس حال میں گھسیٹے جا رہے ہوں گے کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے پھر ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم شریک کرتے تھے عبادت والوہیت میں خدا کو چھوڑ کر۔ اس کے جواب میں یہ لوگ کہیں گے وہ تو سب غائب ہو گئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم تو اس سے پہلے بھی ان میں سے کسی کو نہیں پوجتے تھے کیونکہ ہم جانتے تھے یہ معبود بے جان اور بے حقیقت ہیں۔ ان میں نہ کوئی

قدرت اور نہ طاقت و اختیار یہ تو محض ہماری طرف سے ایک عناد تھا دین حق سے اور محض اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کی پیروی تھی۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح بھٹکاتا ہے کافروں کو کہ جس چیز کو وہ خود اپنی عقل و دانش سے لاشی سمجھ رہے ہیں اسی کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سزا اے کافرو اس وجہ سے ہے کہ تم دنیا میں خوش ہوتے تھے ناحق کہ ایسے باطل عقیدے اور غلط اعمال کو اچھا سمجھتے تھے اور اس پر خوش ہوتے۔ اور اس وجہ سے کہ تم اترایا کرتے تھے۔ ❶ کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں گھسو۔ درآنحالیکہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو گے۔ سو وہ متکبرین کا بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اور اے ہمارے پیغمبر! جب آپ ﷺ کے علم میں یہ آ گیا کہ یہ مجرمین و متکبرین اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے تو اب ان کافروں کی ایذاؤں اور ان کے طرز عمل پر نہ زیادہ رنجیدہ ہو جیئے اور نہ کسی قسم کا فکر و تشویش کیجیے۔ پس آپ ﷺ صبر کیجیے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ پھر جس عذاب کا ہم وعدہ کر رہے ہیں تو اس میں سے کچھ آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو اس سے قبل ہم وفات دے دیں۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن بہر کیف وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے اس لیے اگر آپ ﷺ کی حیات میں عذاب نازل نہ ہو تو تب بھی وہ آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اور اگر آپ ﷺ کی حیات میں عذاب نازل ہو گیا تو یہ عذاب ان کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا اس لیے کہ اصل عذاب تو وہی ہو گا جو ہماری طرف لوٹا دیئے جانے کے بعد ہو گا، اور یہ بات آپ پیش نظر رکھیئے کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعضے تو وہ تھے کہ جن کا قصہ ہم نے آپ ﷺ کو سنایا خواہ اجمالاً یا تفصیلاً اور بعضے وہ تھے کہ جن کا ہم نے آپ ﷺ کو کوئی ذکر نہیں سنایا اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے آئے بغیر اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے اور اس طرح وہ ایسے معجزات و نشانیاں ظاہر کرنے لگے جو اس پیغمبر کی اُمت چاہتی اور مطالبہ کرتی تو اسی طرح یہ کفار مکہ آپ ﷺ سے کچھ مخصوص نشانیاں اور معجزات طلب کر رہے ہیں اور وہ اللہ کی حکمت و مشیت کے لحاظ سے آپ ﷺ کو نہیں دی جاتیں تو آپ اس پر کوئی غم اور صدمہ نہ کیجیے۔ اللہ اپنی حکمت سے جب کوئی چیز چاہے گا ظاہر کر دے گا۔ ابھی صبر کریں۔ پھر جب اللہ کا حکم آ جائے گا نزول عذاب کا خواہ دُنیا میں یا آخرت میں تو فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ٹھیک ٹھیک اور اس وقت یہ باطل پرست خسارہ میں رہ جائیں گے۔ کیونکہ آخرت دارالجزاء ہے۔ لہٰذا انسان نے دنیا میں جیسا عمل کیا اس کا بدلہ ویسا ہی ہو گا۔

## تکذیب کتاب اور تکذیب رسول ہر ایک مستقلاً سبب عذاب ہے

آیت ﴿الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا﴾ میں بطریق عطف دو چیزوں کی تکذیب پر ان مکذبین کی سزا بیان کی ہے کیونکہ جن مشرکین و مکذبین کے پیش نظر یہ خطاب ہے وہ دونوں قسم کی تکذیب کے مرتکب تھے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ اگر دونوں کی تکذیب نہ ہو بلکہ ایک کی ہو تو پھر وہ معذب نہ ہوں گے بلکہ ہر ایک ان میں معذب اور مخلد ہونے کا سبب ہے اور اس طرح کی مثالیں بکثرت کلام اللہ میں موجود ہیں۔ اور اہل لسان کے یہاں از روئے بلاغت یہ مفہوم معروف بھی ہے۔

---

❶ فرح کا ترجمہ خوشی کیا گیا اور مرح کا ترجمہ اترانا۔ کیونکہ وضع لغت کے لحاظ سے فرح کا تعلق قلب سے ہے اور اس کی خوشی کہا جاتا ہے اس کے بالمقابل مرح کا تعلق بدن سے ہے جس کو اترانا اور اکڑنا کہا جاتا ہے جس کا اثر انسان کے بدن اور چال ڈھال پر نمایاں ہوتا ہے۔

## عذاب حمیم وجحیم کی ترتیب اور حضرت تھانوی کی تحقیق انیق

اس سلسلہ عذاب میں یہاں ترتیب یہ ذکر کی گئی ﴿يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ﴾ گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں ﴿ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ﴾ کہ پھر وہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیم میں گھسیٹا جانا مقدم ہے اور اس کے بعد جہنم میں جھونکا جانا ہوگا تو بعض علماء مفسرین اسی کے پیش نظر اس بات کے قائل ہوئے کہ حمیم خارج جہنم ہے تو پہلے حمیم میں گھسیٹا جائے گا پھر جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور ان حضرات نے سورۂ وَالصّٰفّٰتِ کی آیت ﴿ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ﴾ (الصافات:۶۸) کو اسی پر محمول کیا کہ حمیم پلانے کے وقت ان کو جہنم سے باہر لایا جائے گا۔ اور حمیم پلانے کے بعد پھر جہنم کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ لفظ ﴿مَرْجِعَهُمْ﴾ اس کا قرینہ ہے۔ لیکن بعض دیگر آئمہ اس کے قائل نہیں۔ ان کی نظر اس آیت پر ہے ﴿خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝﴾ (الدخان) جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عذاب حمیم دخول جہنم کے بعد ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے عذاب حمیم کے لیے جہنم سے باہر کسی جگہ جانا نہیں ہوگا بلکہ یہ جہنم ہی میں ہوگا کہ ان کے سروں پر یہ کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے ان اقوال یا اس اشکال کو بیان فرما کر بڑی ہی لطیف تحقیق فرمائی۔ فرمایا احقر کو آیات میں غور کرنے سے ظناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں انواع انواع کے عذاب ہوں گے۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ ان میں سے حمیم وجحیم بھی ہے۔ پس دونوں کا سلسلہ برابر جاری رہے گا پس ہر نوع باعتبار فرد کے دوسری نوع سے مقدم بھی ہے اور باعتبار دوسرے فرد کے اس سے مؤخر بھی ہے اور دوزخ کا اطلاق کبھی حمیم کے مقابل پر آتا ہے (یعنی جحیم) کبھی حمیم سے عام مفہوم پر (جس میں دونوں داخل ہیں) کیونکہ حمیم کا حمیم ہونا خود اس نار کا اثر ہے۔ پس اس سے ملابست عین ملابست بالنار ہے تو معنی اول کے لحاظ سے حمیم کو خارج از جحیم کہہ سکتے ہیں اور معنی ثانی کے اعتبار سے عدم خروج من النار کا حکم صحیح رہتا ہے (تو جس آیات میں دخول جہنم کے بعد عذاب حمیم کا ذکر ہے وہ اسی لحاظ سے ہے) اور اس تقریر پر تمام آیتیں جمع ہوگئیں (اور باہم ان میں کوئی تعارض نہ رہا) اور تائید اس تقریر کی اس آیت سے ہوتی ہے۔ ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝﴾ (الرحمٰن) (تو طواف اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ تقدیم وتاخیر ایک نوع عذاب کی دوسری نوع پر ہوتی رہے گی)۔ انتہی کلامہ بتوضیح یسیر

| |
|---|
| اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۹ |
| اللہ ہے جس نے بنا دیئے تم کو چوپائے، تا سواری کرو کتوں پر، اور کتوں کو کھاتے ہو۔ |
| وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا |
| اور ان میں تم کو بہت فائدے ہیں، اور تا پہنچو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو، اور ان پر، |
| وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝۸۰ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝۸۱ |
| اور کشتی پر لدے پھرتے ہو۔ اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں، پھر کون کون نشانیاں اپنے رب کی نہ مانو گے؟ |

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کیا پھرے نہیں ملک میں؟ کہ دیکھتے آخر کیسا ہوا ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ

پہلوں کا؟ وہ تھے ان سے زیادہ اور زور میں سخت، اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر،

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

پھر کام نہ آیا ان کو جو کماتے تھے۔ پھر جب پہنچے ان کے پاس رسول اُن کے

بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

کھلی نشانیاں لے کر، ریجھنے لگے اس پر جو ان کے پاس تھی خبر، اور اُلٹ پڑی ان پر جس چیز پر

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

ٹھٹھا کرتے تھے۔ پھر جب دیکھی انہوں نے ہماری آفت، بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر،

وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ

اور چھوڑیں جو چیزیں شریک بتاتے تھے۔ پھر نہ ہوا کہ کام آوے ان کو یقین لانا ان کا،

لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ

جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب، رسم پڑی ہوئی اللہ کی، جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے

هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۹ ۱۴

اس جگہ منکر۔

## ذکر انعامات وتوحید رب العالمین۔ وتہدید منکرین ومشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ ... اِلٰی ... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں سلسلہ مضمون توحیدِ خداوندی تھا اور دلائل قدرت کے بیان کے ساتھ مجرمین کے انجام ہلاکت پر افسوس و ملامت کا اظہار ہے۔ اور یہ کہ خود مجرمین آخرت میں اپنے اعمال پر کس قدر پچھتائیں گے۔ آیات میں مزید انعامات خداوندی ذکر فرما کر

مضمون توحید اور منکرین ومشرکین کی تہدید پر سورت کو ختم فرمادیا گیا۔ ارشاد ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے ہی نفع کے لیے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض سے تم سواری لو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔ اور بھی بہت سے فوائد رکھے کہ ان کے بال اون اور کھالوں سے نفع حاصل کرو۔ اور اس لیے کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ خواہ ملاقات ہو یا تجارتی سفر ہو یا تعلیم وتعلم، جہاد ہو یا حج کے لیے سفر ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم ان پر سواری کرو بلکہ ان پر اور کشتیوں پر بھی تم لدے پھرتے ہو۔ تم اور تمہارا سامان ان پر لادا جاتا ہے نقل وحمل کا سلسلہ جاری ہے جس سے تمہارے معاشی مسائل حل ہو رہے ہیں اور حصول منافع کا سلسلہ قائم ہے اور بھی قدرت کی نشانیاں اللہ تم کو دکھاتا ہے سو تم اللہ کی نشانیوں میں سے کون کون سی نشانیوں (اور دلائل قدرت) کا انکار کرو گے۔ کیا ان لوگوں نے زمین کا سفر نہیں کیا ہے کہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان منکرین کا جو ان سے پہلے گذرے ہیں جو ان سے زائد تھے اپنی تعداد میں اور ان سے زائد تھے اپنی طاقت اور نشانیوں کے اعتبار سے جو آثار ونشانیاں انہوں نے اپنی دولت وثروت اور عزت وحکومت کی چھوڑیں مگر ان کے کچھ کام نہ آئیں یہ تمام باتیں جو کرتے تھے۔ او وہ مادی تدابیر اپنی شان وشوکت کی اور اللہ کے پیغمبر اللہ کی کھلی نشانی لے کر آئے تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہونے اور ناز کرنے لگے جو ان کے پاس تھا دنیوی اور معاشی علوم میں سے اور اس کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسول کے علم کو حقیر جانا تو آ پڑا ان پر عذاب اسی چیز کی بدولت جس کا وہ تمسخر ومذاق کر رہے تھے پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے خدائے واحد پر اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس وقت عذاب خداوندی کے ظاہر ہونے اور دیکھنے کے بعد تو کوئی ایمان لانا معتبر نہیں ہوسکتا تھا تو ان کا ایمان لانا ان کے واسطے کسی درجہ میں نافع نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اس لیے کہ اب یہ ایمان بالغیب نہ رہا جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہو گیا اور نہ اختیاری رہا بلکہ اضطراری ہو گیا۔ اور ایمان تو وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو اور بحالت اختیاری ہو۔ * اللہ کا یہی قانون اور طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت جب کہ کافروں پر عذابِ خداوندی مسلط ہو گیا اور ان کا ایمان بھی نفع و معتبر نہ ہوا تو خسارہ میں پڑ گئے۔ اللہ کا انکار وکفر کرنے والے۔ اور یہ خسارہ انتہائی اور آخری درجہ کا ہے کیونکہ اس کے بعد تو تلافی کا کوئی امکان ہی نہیں۔ نہ ایمان لانے کا وقت رہا۔ نہ توبہ کی مہلت رہی۔ بخلاف اس کے کہ اگر ایسے لوگ عذاب نازل ہونے سے پہلے کفر و نافرمانی کا تدارک کر لیتے تو تدارک ہوسکتا تھا۔

## بحث ایمان بأس وایمان یأس

اب تو نہ پچھتانے سے کوئی فائدہ اور نہ توبہ ومعذرت سے کوئی ثمرہ مرتب ہوگا۔

فرعون نے غرق ہوتے وقت جب ایمان لانا چاہا تو اس کو دھتکار دیا گیا کہ ﴿آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (یونس:۹۱) کہ اب ایمان لاتا ہے اور حال یہ کہ پہلے سے نافرمانی کرتا رہا اور موت کے وقت یہی ایمان چونکہ ایمان بالغیب

---

* تمام آئمہ متکلمین کا اجماع ہے کہ ایسا ایمان۔ ایمان یأس کہلاتا ہے۔ اور نص قرآنی سے ایسا ایمان ناقابل اعتبار قرار دیا گیا جیسے ارشاد فرمادیا گیا: ﴿لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا﴾ اسی طرح سکرات موت شروع ہو جانے پر بھی ایمان معتبر نہیں۔ اس کو ایمان یأس کہا جاتا ہے۔

نہیں رہتا اس لیے وہ بھی معتبر نہیں جیسے کہ ارشاد فرما دیا گیا:

﴿وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ﴾ (النساء:۱۸)۔ (تفصیل سابق میں گذر چکی)

حدیث میں ارشاد ہے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تعالیٰ یقبل توبة العبد مالم یغرغر)).

کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ وہ غرغرہ یعنی نزع کی حالت میں نہ آ جائے تو حق تعالیٰ نے کافروں کی اس قدیم روش کا ذکر کرتے ہوئے نتیجتاً یہ فیصلہ فرما دیا کہ ایسا ایمان کسی درجہ میں بھی نفع بخش نہ ہوا اور منکرین و کافرین خائب و خاسر ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظنا مِنَ الْخٰسرين و احفظنا من غضبك و عذابك توفنا مسلمين و الحقنا بالصّالحين غير خزايا ولا ندامٰى ولا مفتونين○ آمين يارب العٰلمين.

تم سورة المؤمن بفضلِ الله وَتَوْفيقهٖ وله الحمد حمدًا كثيرًا

بسم الله الرحمٰن الرحيم

## تفسیر سورۂ حٰمٓ سجدہ

اسی کا نام سورۂ فصّلت بھی ہے۔ اسی کو بعض حضرات نے سورۃ المصابیح بھی کہا ہے باتفاق آئمہ مفسرین مکی سورت ہے جس میں ۵۴ آیات اور چھ رکوع ہیں سورۂ مومن کے اکثر مضامین اثبات توحید و دلائل قدرت اور اثبات قیامت پر مشتمل تھے۔ اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے اور ضمناً بعث بعد الموت اور حشر و نشر کو بھی ثابت کیا گیا۔ بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید و تہدید بھی ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز قریش کے لوگ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کرتے ہوئے کہنے لگے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ انہوں نے ہمارے درمیان تفریق ڈال دی۔ یہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ ان کے پاس جا کر بات چیت کرنی چاہیے دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ باہمی مشورہ سے گفتگو کرنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو متعین کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور علم و فہم والا شخص شمار کیا جاتا تھا۔ عتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آ کر سلسلہ گفتگو اس طرح کیا۔ اے محمد (ﷺ) تم یہ بتاؤ کہ تم بہتر ہو یا عبداللہ بہتر ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے پھر کہا آپ ﷺ بہتر ہیں یا عبدالمطلب۔ اس پر بھی خاموش رہے۔ اس کے بعد خود ہی کہنے لگا کہ اگر آپ ﷺ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ آپ سے بہتر تھے اور آپ ﷺ کے بزرگ تھے تو انہوں نے ان بتوں کی

عبادت کی ہے جن کی تم بُرائی کرتے ہو۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ان سے اچھے ہو تو پھر بات کرو تا کہ ہم سنیں کہ وہ کون سی باتیں ہیں جن کے باعث تم اپنے کو ان سے بہتر کہہ سکتے ہو۔ اور ہمارے معبودوں کی قسم آپ سے بڑھ کر ہم نے کسی شخص کو اپنی قوم اور قبیلہ میں تفرقہ ڈالنے والا نہیں دیکھا۔ تم نے ہمارے خاندانوں کو جدا جدا کر دیا تم ہمارے معبودوں کی برائی کرتے ہو ہمارے دین کو بُرا کہتے ہو۔ اور تم نے ہمیں تمام عرب میں ذلیل کیا یہاں تک کہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ قریش میں ایک جادوگر پیدا ہوا ہے۔ ان میں ایک کاہن ہے اب کیا اس بات کا انتظار ہے کہ ہماری قوم میں ایک آواز بلند ہو اور پھر ایک دوسرے کے بالمقابل تلوار لے کر میدان میں نکل آئے۔ اے شخص اگر تمہیں مال کی ضرورت ہے تو کہہ دو ہم سب قبیلے مال جمع کر کے اتنا دے دیں گے کہ تم عرب کے سب سے زائد مالدار آدمی ہو جاؤ گے۔ اگر سرداری چاہتے ہو وہ ہم ماننے کو تیار ہیں اور اگر نفس کی کوئی خواہش ہے تو وہ بھی پوری کر دی جائے گی۔ آنحضرت ﷺ عتبہ کی یہ تمام گفتگو سنتے رہے۔ جب وہ بول کر خاموش ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہہ چکا جو کچھ کہنا تھا اس نے کہا جی ہاں تو آپ ﷺ نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر اس سورت مبارکہ کی ابتداء سے تلاوت شروع فرما دی ﴿حٰمٓ ۚ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ پڑھتے پڑھتے آیت ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً﴾ آخر آیت تک پہنچے تو عتبہ جواب تک سر جھکائے بڑی محویت سے سن رہا تھا بولا بس بس * اگر آپ ﷺ کے پاس کوئی اور کلام ہو تو سناؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس تو یہی کلام ہے اللہ کا جو اس نے مجھ پر نازل کیا۔ عتبہ واپس لوٹا تو لوگوں نے پوچھا کیا کر کے آیا۔ کہا جو کچھ تم لوگوں نے کہا تھا وہ سب کچھ میں نے ان سے کہا۔ مجھے تو اس میں سے کچھ سمجھ میں نہیں آیا بجز اس کے کہ ﴿اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ کہ میں تمہیں ایک چیخ سے ڈراتا ہوں جو عاد و ثمود پر عذاب و قہر کی چیخ کی طرح ہوگی یہ لوگ کہنے لگے عجیب بات ہے کہ وہ عربی میں بول رہے تھے۔ تو عرب کا فصیح اللسان ہوتے ہوئے بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔ کہنے لگا بس میں تو صاعقہ کے ذکر کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا۔ ایک روایت میں ہے کہ قریش کے لوگ کہنے لگے خدا کی قسم ابوالولید (عتبہ کی کنیت تھی) تو اس حالت سے بدل کر آیا جس حالت میں یہاں سے گیا تھا۔ یعنی بدلا ہوا نظر آ رہا ہے۔ عتبہ نے کہا خدا کی قسم جو قول میں نے اس سے سنا ہے وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے اور نہ سحر ہے تم اس کا مقابلہ نہ کرو۔ اگر دوسرے عرب قبائل نے اس کو مغلوب کر دیا تو وہی تمہیں کفایت کر جائیں گے اور اگر وہ غالب آ گیا تمام عرب پر تو اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور تم دُنیا میں سب سے زیادہ سعادت و عزت والے ہو جاؤ گے۔ قریش کے لوگ یہ سن کر بولے اے ابوالولید اس نے اپنے کلام سے تجھ پر بھی جادو کر دیا عتبہ یہ سن کر کہنے لگا اچھا پھر تمہاری مرضی جو چاہو کرو۔

---

* ایک روایت میں ہے کہ اس نے گھبرا کر آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا بس بس۔ ۱۲۔

آیاتُھا ۵۴ | ㊶ سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ㊶ | رُکُوْعَاتُھَا ۶

سورۂ حٰمٓ سجدہ مکی ہے اس میں چوّن آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ① ج تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② ج كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا

حٰمٓ ○ کچھ اُتارا ہے بڑے مہربان رحم والے سے۔ کتاب ہے کہ جُدی جُدی کی ہیں اُس کی آیتیں قرآن

عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ ③ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ج فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ

عربی زبان کا، ایک سمجھ والے لوگوں کو۔ سناتا خوشی اور ڈر، پھر دھیان نہ لائے وہ بہت لوگ

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ④ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ

پھر وہ نہیں سنتے۔ اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے، جس طرف تو ہم کو بلاتا ہے

وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا

اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے تیرے بیچ میں اوٹ ہے، سو تو اپنا کام کر ہم اپنا

عٰمِلُوْنَ ⑤ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

کام کرتے ہیں۔ تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم، حکم آتا ہے مجھ کو کہ تم پر بندگی ایک حاکم

وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ط وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ ⑥ الَّذِيْنَ

کی ہے، سو سیدھے رہو اس کی طرف، اور اس سے گناہ بخشواؤ۔ اور خرابی ہے شریک والوں کو۔ جو

لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

نہیں دیتے زکوٰۃ، اور وہ آخرت سے منکر ہیں۔ البتہ جو یقین لائے،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑧ ع ۱ ۸ ۱۵

اور کیے بھلے کام، ان کو نیگ ملنا ہے جو بس نہ ہو۔

# حقانیت قرآن کریم ورسالت سید المرسلین ﷺ وانجام مکذبین ومنکرین واجروثواب مومنین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿حٰمٓ ۚ ① تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ ② ... الیٰ ... لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ⑧﴾

**ربط:** جیسا کہ گذشتہ کلمات میں ذکر کیا گیا کہ پہلی سورت مضامین توحید پر مشتمل تھی اب اس سورت میں قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنا مقصود ہے۔ اور یہ کہ منکرین کا انجام کس طرح ہلاکت وتباہی کا ہوگا اور اہل ایمان کو کس اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔ ارشاد فرمایا:

﴿حٰمٓ﴾ خدا ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے۔ یہ کلام نازل کیا جارہا ہے رحمٰن ورحیم کی طرف سے جو ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں اس طرح کہ یہ قرآن ہے عربی زبان میں تاکہ اہل عرب اس کے معارف ومعانی بسہولت سمجھ کر ایمان لے آئیں اور بہت سہولت سے یہ جان لیں کہ کسی بشر کا کلام نہیں کیونکہ وہ عربی ہیں فصاحت وبلاغت کے امام ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر عرب کا کوئی امی عربی کلام پیش کررہا ہے تو ان فصحا وادباء کو اس سے بڑھ کر کلام پیش کردینا چاہیے۔ چہ جائیکہ وہ مقابلہ سے عاجز رہیں۔ اور عاجز رہنا بلاشبہ اس کا ثبوت ہوگا کہ یہ کلام بشر نہیں۔ بہرکیف یہ اللہ کا کلام قرآن عربی سامان ہدایت ہے۔ اس قوم کے لیے جو عقل رکھتی ہو۔ جو ماننے اور عمل کرنے والوں کے واسطے بشارت سنانے والا ہے اور انکار ونافرمانی کرنے والوں کے لیے ڈرانے والا ہے۔ قرآن حکیم اور ان صفات کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسی عظیم کتاب ہدایت پر سب لوگ ایمان لاتے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی پھر وہ اپنے دلی عناد ونفرت کی وجہ سے سنتے ہی نہیں ہیں اور جب ان کو حق وہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلافوں اور پردوں میں محفوظ ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ﷺ ہم کو بلارہے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کی کوئی بات بھی ہمارے دل قبول نہیں کرتے۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اس لیے اصل میں ہمیں آپ ﷺ کی بات سنائی ہی نہیں دیتی۔ اور ہمارے آپ کے درمیان تو ایک حجاب رکاوٹ اور پردہ ہے تو اس صورت میں آپ ﷺ کی طرف نہ رخ ہوسکتا ہے اور نہ قلبی میلان ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اپنا کام کیے جایئے ہم اپنا کام کررہے ہیں اب ہم سے کسی طرح کی اُمید وتوقع رکھنے کی ضرورت نہیں۔

آپ ﷺ فرمادیجیے میں اس بات کی تو قدرت نہیں رکھتا کہ زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان کی طرف پھیردوں۔ اور تمہیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کردوں۔ بس میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں اور کسی بشر کو یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا دل پھیردے یہ قدرت اور طاقت تو صرف رب العالمین کو ہے۔ البتہ یہ شرف اور برتری اور امتیاز مجھ کو عطا کیا گیا ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی نازل کی جاتی ہے جو عین عقل وفطرت کے مطابق ہے وہ یہ کہ اے لوگو! بس تم سب کا معبود تو صرف ایک ہی خدا ہے۔ اس لیے بس اس کی طرف تم اپنا رخ پوری استقامت و پختگی کے ساتھ کرلو نہ کسی اور کی عبادت کرو۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں بس اس کی پیروی کرو۔ اور آج تک جو قصور وگناہ سرزد ہوئے ان

کی اسی سے معافی مانگو۔ اور اصل حقیقت تو یہ ہے کہ شرک کرنے والوں کے لیے بڑی ہلاکت وتباہی ہے جو زکوٰۃ * نہیں دیتے اور آخرت کا انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے بالمقابل جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے واسطے آخرت میں ایسا اجر ہے جو کبھی بھی منقطع ہونے والا نہیں۔ کیونکہ آخرت کی ہر نعمت دار الخلد کی نعمت ہے اور ان نعمتوں کو زوال وفنا نہیں۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ (ھود:۱۰۸) کہ یہ ایسی عطا ہے جو کبھی قطع نہیں کی جائے گی دوسری جگہ ارشاد ہے مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ کہ ان انعامات کا کبھی خاتمہ نہیں ہے۔

## قبول حق اور ہدایت سے محرومی کے اسباب

قبول حق اور ہدایت سے محرومی اور بدنصیبی کے بیان میں ان تین چیزوں کا ذکر کیا: ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ ... فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ... بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ یعنی دلوں کا غلافوں میں مستور ہونا۔ کانوں میں ڈاٹ کی بندش اور درمیان میں پردہ۔ علامہ ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کیونکہ قلب ہی معرفت کا محل ہے اور سمع وبصر (کان اور نگاہ) دونوں اس کے واسطے معین ہیں۔ تو کفار مکہ نے اپنی بدنصیبی اور محرومی کے ذکر میں انہی تینوں کو بیان کیا کہ یہ تینوں ذرائع مسدود اور محجوب ہیں۔ لہٰذا جو کچھ بھی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف القاء کرے اس کا کوئی اثر ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ کی تعبیر مبالغہ اور شدت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے اگرچہ قلب کے محجوب ہونے کا مفہوم ﴿عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ کے لفظ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے جیسے کہ خود آیتِ قرآنیہ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ (الکہف:۵۷) میں ''علیٰ'' استعمال کیا گیا۔ مگر ان کفار نے وحی الٰہی اور ہدایات رسول سے غایت تنفر اور بغض کے باعث یہ کہا ﴿فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں کہ غلاف بمنزلہ ظرف کے محیط ہیں اور قلوب بمنزلہ مظروف اسی کے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ یعنی جس طرح کوئی چیز ہر جانب سے کسی غلاف میں لپٹی ہوئی ہو۔ اسی طرح ہمارے قلوب بھی ہیں کہ کوئی گوشہ اور جانب خالی نہیں کہ اس سمت اور رخ سے قلب میں حق داخل ہوسکے۔ اس لیے لفظ فی استعمال کیا گیا۔ اس کے بالمقابل اس دوسری آیت ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ میں حق تعالیٰ کی طرف سے صرف حکایت تھی اور یہ بتانا تھا ان کے دل قبول حق اور اس کی معرفت سے محروم کر دیئے گئے ہیں کہ ان پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ضرورت نہ تھی کہ شدت ومبالغہ اور تنفر کا اظہار کیا جائے جو لفظ فی کے استعمال سے ظاہر ہو رہا ہے تو اس وجہ سے اس آیت میں ﴿جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ کی تعبیر اختیار فرمائی گئی۔ اگرچہ نفس مراد کی ادائیگی میں دونوں عنوان ایک ہی درجہ رکھتے ہیں لیکن ہر مقام کی خصوصیت کے پیش نظر ظاہر ہوا کہ اس موقعہ پر ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ کی تعبیر میں وہ بلاغت اور معنوی لطافت ہے جو اس جگہ لفظ علیٰ میں حاصل نہ ہوتی اور وہاں اللہ ربّ العزت کی طرف سے ایک حالت کا بیان ہے اس میں اس طرح کی شدت کا بیان ضروری نہیں تو وہاں لفظ علیٰ ہی بلیغ ہے۔ اگر وہاں علیٰ کے بجائے فی استعمال کیا جاتا تو وہاں وہ بلاغت نہ رہتی۔ جو لفظ "علیٰ" کے استعمال میں

* یہ سورت مکی ہے اور زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا اور پھر شرک کرنے والوں کا حال بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا جانا کہ ہلاکت ہے ان مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو باعث تردد ہوتا ہے کہ مشرک زکوٰۃ کیا ادا کریں گے اور عدم ادائیگی پر وعید کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے۔ اس لیے اگر یہاں زکوٰۃ کا لغوی مفہوم طہارت وپاکی کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ اس طرح کرلیا جائے۔ ''جو پاکی اور طہارت نہیں حاصل کرتے'' تو یہ اشکال رفع ہوجائے گا۔

ہے بلکہ اصول عربیت کی رو سے یہ زائد از ضرورت کے درجہ میں شمار ہوتا۔ ❶ اور کلام میں ایسی تاکیدات کا لحاظ کرنا۔ جس کی ضرورت نہ ہو معیار فصاحت و بلاغت سے کلام گرانے والا ہوتا ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ کو اس مقام پر جو صفت مشرکین کی بیان کی گئی یا تو اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی تو ایمان کے بعد ہو سکتی تھی تو جب ایمان ہی سے محروم رہے تو زکوٰۃ کی کیا نوبت آ سکتی ہے یا زکوٰۃ لغوی معنی طہارت کے لحاظ سے استعمال کیا گیا کہ تقویٰ و طہارت کے کام انجام نہیں دیتے۔ خواہ وہ طہارت و پاکیزگی کا شعبہ انفاق مال سے متعلق ہو یا اخلاق و معاملات اور معاشرت سے ہو۔ مراد یہ کہ ایسی کوئی بھی چیز انجام نہیں دیتے۔ اس دوسرے مفہوم کو پیش نظر رکھنے سے وہ اشکال بھی دُور ہو جائے گا کہ جو اس سورت کے مکی ہونے کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم تو مدینہ منورہ میں نازل ہوا تو پھر مکی سورت میں اس کا ذکر کیسے ہے۔ یہی چیز آیت المؤمنون اور آیت سورۂ مزمل میں زکوٰۃ کے ذکر میں کہی جا سکتی ہے اگرچہ یہ تاویل بھی ممکن ہے جو بعض حضرات سلف سے نکل کی گئی کہ اصل حکم زکوٰۃ کا مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہو چکا تھا مگر اس کی تفصیلات اور نصاب و مقدار کا تعین مدینہ منورہ میں ہوا۔ گو یہ چیز کسی واضح اور صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ بہرکیف یہاں مشرکین کے اوصاف میں عدم اداء زکوٰۃ کا ذکر یا اس بنا پر ہے کہ وہ ایمان سے محروم ہیں۔ زکوٰۃ کا تو کیا تصور کیا جائے۔ یا اس حیثیت سے کہ وہ تقویٰ و طہارت کے کام نہیں کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ شرک جو سب سے بڑی گندگی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے طہارت کا کیا مقام ہو سکتا ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ

تو کہہ کیا تم منکر ہو؟ اس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو

لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا

اس کے ساتھ اوروں کو؟ وہ ہے رب جہان کا۔ اور رکھے اس میں بوجھ اوپر سے،

وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً

اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی چار دن میں۔ پوری

لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا

پوچھنے والوں کو پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا پھر کہا اس کو

---

❶ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی جلد ۲۴ ص ۸۵ پر آیت مذکورہ میں فی کے استعمال کی حکمت ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ کی رعایت بیان فرمائی ہے کہ کان مستقر ہوتے ہیں۔ وقر اور بوجھ کے، تو اس کی مناسبت سے قلوب کے پردوں میں بھی فی استعمال کر لیا گیا ہے اگرچہ علیٰ اور فی سے ایک ہی معنی حاصل ہوتے ہیں۔ ناچیز نے جو کچھ بتوفیق خداوندی عرض کیا۔ وہ اس کے علاوہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ پر استعمال کیا ہوا لفظ ہی بلیغ ہے اور اس میں ایک ایسا نکتہ ہے جو اسی لفظ سے مفہوم ہو سکتا ہے۔

وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ⑪

اور زمین کو آؤ دونوں خوشی سے یا زور سے۔ وہ بولے ہم آئے خوشی سے۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ

پھر ٹھہرائے وہ سات آسمان دو دن میں، اور اُتارا ہر آسمان میں حکم اس کا۔

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۚ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

اور رونق دی ہم نے در لے آسمان کو چراغوں سے۔ اور نگہبانی۔ یہ سادھا ہے زبردست

الْعَلِيْمِ ⑫ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ

خبردار کا۔ پھر اگر وہ ٹلا دیں تو تو کہہ میں نے خبر سنا دی تم کو ایک کڑاکے کی جیسا کڑاکا آیا

عَادٍ وَّثَمُوْدَ ⑬ ؕ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ

عاد اور ثمود پر۔ جب آئے ان کے پاس رسول آگے سے اور

خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً

پیچھے سے، کہ نہ پوجو کسی کو سوا اللہ کے، کہنے لگے، اگر ہمارا رب چاہتا تو اتارتا فرشتے،

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ⑭ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ

سو ہم تمہارے ہاتھ بھیجا نہیں مانتے۔ سو وہ جو عاد تھے غرور کرنے لگے ملک میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ

ناحق کا اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور میں؟ کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ جس نے

خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ⑮ فَاَرْسَلْنَا

ان کو بنایا وہ زیادہ ہے ان سے زور میں۔ اور تھے ہماری نشانیوں سے منکر۔ پھر بھیجی ہم نے

عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ

ان پر باؤ ٹھری زور کی، کئی دن مصیبت کے کہ چکھا دیں ان کو رسوائی کی مار

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

دنیا کے جیتے۔ اور آخرت کی مار میں تو پوری رسوائی ہے اور ان کو کہیں مدد نہیں۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

اور جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راہ بتائی پھر ان کو خوش لگا اندھے رہنا سوجھنے سے، پھر پکڑا ان کو

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ ج وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ

کڑاکے نے ذلت کی مار کے بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ اور بچا دیئے ہم نے جو

اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع ۲ ۱۰ ۱۶

یقین لائے تھے اور بچ چلتے تھے۔

## استعجاب وتوبیخ بر کفر خالق کائنات وتہدید بذکر انجام مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ ... الٰى ... وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان تھا اور اثبات رسالت نبی کریم ﷺ بطور تمہید ان اُمور کو ذکر کر کے اب ان آیات میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس امر پر اظہارِ تعجب کیا جا رہا ہے کہ خالق کائنات (جس کی قدرت و خالقیت اور الوہیت کے دلائل روز روشن سے زائد واضح ہیں) کا انکار کوئی بھی صاحب عقل انسان کیونکر کرتا ہے۔ جب بھی انسان عقل اور فطرت کے معیار پر اس بات کو پرکھے گا۔ کبھی بھی انکار خدا اور شرک کے امکان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس ذیل میں دلائل قدرت بیان فرمائے گئے۔ ساتھ ہی مجرمین و نافرمانوں کا عبرتناک انجام تاریخی حقائق کے طور پر ذکر کر کے کفار کو تنبیہ و تہدید فرمائی گئی۔ فرمایا آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کیا تم انکار کرتے ہو اس پروردگار کا جس نے زمین کو باوجود اپنی عظیم وسعت کے دو روز کے بقدر وقت میں پیدا کیا۔ اور تم اس پروردگار کی شان خالقیت اور قدرت عظیم کے مناظر و شواہد دیکھنے کے باوجود جن میں سے ہر ایک چیز اپنی دلالت اور زبان حال سے خدا کی وحدانیت کو ظاہر کر رہی ہے۔ پھر بھی تم اس کے واسطے شریک قرار دے رہے ہو حالانکہ یہی خدا جس کی قدرت کا تم مشاہدہ کر رہے ہو۔ سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی نے اس زمین میں پہاڑ بنائے جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ اور ان پہاڑوں سے میخوں کی طرح زمین کو ٹھہرایا ہوا ہے۔ اور اس میں بڑی ہی برکتیں رکھیں معدنیات اور خزائن ہیں اسی سے غلّے اور پھل پھول اگتے ہیں جن میں مخلوق کے واسطے فائدے رکھے ہیں اور اس زمین میں اس پر رہنے والوں کی غذائیں اندازے کے ساتھ رکھ دیں اور جس طرح اور جس انداز و مقدار سے چاہا اپنی حکمت سے پیدا کیا۔ یہ سب کچھ چار دن میں ہو گیا۔ دو دن میں زمین اور دو دن میں پہاڑ، درخت، بہائم و جملہ مخلوقات ارضیہ جو پورے ہیں۔ کمیت اور کیفیت خلق کو دریافت کرنے والوں کے لیے پھر یہ سب کچھ پیدا کرنے کے بعد متوجہ ہوا وہ پروردگار آسمان کی جانب جب

کہ دھواں تھا۔ جس کا یہ مادہ دخانیہ اگرچہ زمین کے بچھانے سے قبل تھا لیکن بحیثیت موجودہ زمین کے بچھانے کے بعد سات آسمانوں کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ تو اس صورت میں آسمان وزمین سے کہا تم دونوں آجاؤ۔ ہمارے حکم کے سامنے اطاعت وفرمانبرداری کیساتھ خواہ خوشی سے یا زبردستی سے یعنی ہم جو بھی حکم تکوینی طور پر تمہیں دیں اس کی تعمیل کرنی ہوگی خواہ رضا وخوشنودی یا مجبوری اور زبردستی سے بہر حال تم کو مجال نہ ہوگی کہ ہمارے حکم کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ وتردد کرسکو۔ جب ہم چاہیں گے چاند، سورج ستارے طلوع و غروب ہوں گے۔ جب ہم حکم دیں گے ہوائیں چلیں گی۔ اور جب حکم ہوگا رکیں گی۔ جب چاہیں گے بارشیں برسیں گی جہاں چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے۔ جس قدر غلہ چاہیں گے اگے گا۔ اسی طرح پھل پھول اور جملہ غذائیں جب تک چاہیں زمین ٹھہری رہے گی۔ اور جب چاہیں گے زلزلہ برپا کردیں گے۔ الغرض اس قسم کے ہمارے ہر حکم کی اطاعت کے لیے اور جملہ احوال اور تغیرات کے لیے جو واقع کریں۔ اے آسمان وزمین تیار رہو جس میں تمہیں ذرہ برابر بھی خلاف ورزی کی مجال نہ ہوسکے گی۔ آسمان وزمین دونوں نے عرض کیا۔ [1] ہم دونوں حاضر ہیں۔ خوشی سے تیرے تمام احکام کی تعمیل کے لیے سو دو روز کے بقدر وقت میں آسمان کے اس مادۂ دخانیہ کو پورے سات آسمان بنادیئے گئے اور ہر آسمان میں اپنا حکم جاری فرمادیا جو اس کے مناسب تھا۔ فرشتوں کو احکام تکوینیہ جاری فرمادیے گئے اور فرشتوں کی جو جماعت نظام عالم کے جس شعبہ پر مامور فرمائی تھی اس کو اس پر مامور کردیا گیا اور مزین کردیا ہم نے آسمان دُنیا کو یعنی قریب والے آسمان کو جو کرۂ ارضی پر بسنے والے انسانوں سے قریب ہے روشن چراغوں یعنی چمکنے والے ستاروں سے اور ان ہی ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کے ساتھ ذریعہ حفاظت بھی بنایا تاکہ کوئی جن یا شیطان اگر آسمان کا رخ کرے اور یہ چاہے کہ اللہ کے تکوینی اُمور میں سے کوئی چیز سن لے اور معلوم کرے تو یہ ستارے اس کو جلا کر خاک کردیں جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴾ یہ ہے کائنات کی تخلیق وتقدیر اور اندازہ کے موافق ہر شئے کا وجود اس پروردگار کو جو زبردست قوت و عزت اور علم والا ہے کہ ہر مخلوق خدا کی عزت وقوت اور اس کے علم بے پایاں کی گواہی دے رہی ہے۔ ہر ایک مخلوق اپنے خالق قادر مطلق کامل صفات کی وحدانیت کی شہادت دیتے ہوئے یہی کہہ رہی ہے کوئی نہیں عبادت کے لائق سوائے ایک خدائے واحد کے۔

الغرض اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ خدائے واحد۔ کی خالقیت اور قدرت کے یہ مناظر ان کو دکھاتے ہوئے پوچھئے کہ کیا ایسا خالق عزیز وعلیم کا تم انکار کرتے ہو۔ ان مشاہدات ودلائل سے انسانی فطرت اور عقل کا تو یہی تقاضا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی بات کی طرف توجہ کریں اور اس پر ایمان لائیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی اگر وہ اعراض وبے رخی کریں تو آپ ﷺ کہہ دیجیے۔ اے لوگو میں تم کو ایسی ہی کڑک اور عذاب سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر مسلط ہونے والی کڑک تھی جب کہ ان کے پاس ان کے رسول آئے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے بھی یعنی ان کی طرف مبعوث ہونے والے پیغمبر جو تعداد میں بہت تھے۔ انکو ہر طرح تبلیغ کرتے رہے۔ اور ایمان باللہ کی دعوت دیتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح کبھی سامنے سے آتے۔ اور کبھی پیچھے سے نصیحت اور تفہیم میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ یہی کہتے تھے کہ ہرگز عبادت نہ کرو سوائے اللہ کے کسی کی۔ مگر شقاوت اور بدنصیبی کہ کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا کہ ہماری طرف

---

[1] حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر جلد ۴ میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت کا یہ مضمون ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رب العزت کے اس فرمان پر زمین کے اس حصہ نے جواب دیا جہاں کعبۃ اللہ ہے اور آسمان کے اس ٹکڑے نے جواب دیا جو بیت اللہ کے محاذات میں واقع ہے تو ﴿ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴾ کا شرف جواب زمین وآسمان کے اس حصہ کو حاصل ہوا۔ ۱۲

کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے تو وہ فرشتوں کو اتار دیتا اور وہ یہ کام سرانجام دیتے جو تم کر رہے ہو۔ بس اب اس صورت میں تو ہم اس توحید کا انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے یہ تھی شقاوت جس کے باعث انہوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا۔ تو آج کے ان کافروں کو بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان منکرین و مکذبین کے غرور و نخوت کا کیا حال تھا وہ کسی طرح عذاب خداوندی سے تباہ و برباد کیے گئے۔ بہر حال وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ نخوت و غرور میں پڑ گئے۔ زمین میں سرکشی و نافرمانی کا ناحق مظاہرہ کیے ہوئے اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ طاقت و زور والا، اپنی جوانی، تنومندی ہاتھ پاؤں کے زور پر اکڑتے ہوئے اس بات کو بھلا دیا کہ جس ذات نے ایسے تنومند مضبوط طاقتور آدمی پیدا کیے وہ ان سے بھی زائد طاقت والا ہے۔ افسوس ✿ کیا انہیں نظر نہیں آیا کہ جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے وہی ان سے زیادہ طاقت و زور والا ہے وہ پہلے ہی سے نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ اگرچہ دل میں یقین تھا اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کی برحق نشانیاں ہیں مگر عناد اور تکبّر کی وجہ سے انکار اور ضد پر تلے ہوئے تھے تو ان کی اس روش کی وجہ سے ہم نے ان پر بھیج دی ایک تیز اور تند ہوا جو ہر چیز کو اکھاڑ پھینک دینے والی تھی۔ کئی دنوں جو ان کے واسطے بڑی نحوست کے تھے تاکہ چکھاویں ہم ان کو ذلت و رسوائی کا عذاب دُنیا کی زندگی میں بھی تاکہ ان کا غرور ٹوٹے۔ سات ✿ راتیں اور آٹھ روز تک مسلسل یہ طوفان چلتا رہا اور آخرت کا عذاب تو بڑی ذلت اور رسوائی کا ہے۔ یہ تو حشر و انجام ہوا عاد والوں کا۔ اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راستہ حق اور ہدایت کا دکھلایا لیکن انہوں نے اندھا پن ہی اختیار کیے رکھا۔ ہدایت کے روشن راستے کے مقابلہ میں اس لیے پکڑ لیا ان کو ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی ہیبت ناک آواز (جس سے جگر بھی پھٹ جائیں) کے ساتھ زلزلہ آیا۔ جس سے وہ تباہ ہو گئے۔ اور بچا لیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ بچ کر چلتے تھے کہ کہیں اللہ کی نافرمانی ہم سے ہو جائے۔ عذاب خداوندی آیا اور اس نے مجرموں کو ہلاک کیا مگر فرمانبردار اور خدا کا ڈر رکھنے والے۔ ایمان داروں پر ذرہ برابر آنچ بھی نہ آئی۔ بس اسی طرح آج ہی ان کفار مکہ کو اللہ کے پیغمبر کی نافرمانی کا انجام سمجھ لینا چاہیے کہ دُنیا میں بھی ذلت و ناکامی کا عذاب چکھنا پڑے گا۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے جس کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

## تخلیق کائنات اور ارض و سماء کی تربیت و مدت

ان آیاتِ مبارکہ میں آسمان و زمین میں جو کچھ اللہ ربّ العزت نے پیدا کیا۔ اس کی تخلیق کا ذکر ہے کہ زمین دو دن میں پیدا کی۔ اور پھر دو دن میں زمین پر پہاڑوں کو گاڑا۔ نہریں جاری کی گئیں غلے پیدا کیے گئے۔ زمین کی تہوں میں اور پہاڑوں کے جگر میں قسم قسم کی نعمتیں اور خزائن رکھ دیئے گئے اس طرح مکمل چار روز میں ان جملہ مخلوقات کی تخلیق و پیدائش کے بعد حق تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ اس صورت میں کہ وہ دخان (دھویں) جیسا ایک مادہ تھا جس کو سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا اور ان میں شمس و قمر اور کواکب پیدا فرما دیئے یہ تمام کواکب اور ستارے اگرچہ ایک دوسرے سے بلند اور متفاوت ہیں کوئی آسمان دُنیا پر اور کوئی اس سے نیچے

---

✿ ﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا﴾ کے ترجمہ میں لفظ افسوس اس لیے بڑھایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس جگہ ہمزہ استفہام توبیخ و ملامت کے لیے ہے اور لفظ افسوس توبیخ و ملامت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ۱۲

✿ جیسے ارشاد مبارک ہے: ﴿سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا﴾ (الحاقہ)

اور کوئی اس سے اوپر بلندیوں پر لیکن دیکھنے والا ہر ایک کو اپنی نظر میں برابر محسوس کرتا ہے۔ اور مجموعی طور پر سب کے سب آسمان دُنیا ہی کی زینت معلوم ہوتے ہیں۔ تو ان آیات میں زمین کی تخلیق آسمان سے قبل بیان کی گئی۔ اور اسی طرح کی ترتیب آیت بقرہ میں ہے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۲۹﴾ (البقرہ)

لیکن سورۂ والنازعات کی آیت میں ہے:

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۝۲۷ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝۲۸ وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝۲۹ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝۳۰ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۝۳۱ وَ الْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝۳۲﴾ (النازعات)

"کیا تم زیادہ مضبوط ہو باعتبار پیدائش کے یا آسمان جس کو اللہ نے بہت بلند کیا اور اس کی سطح کو برابر کیا اور اس کی رات کو ڈھانکا تاریک بنایا اور دن کو نکالا ظاہر اور روشن کیا اور زمین کو اس کے بعد بچھایا پھر اس سے اس کا پانی نکالا اور سبزہ اُگایا اور پہاڑوں کو اس پر گاڑا۔ تو ان آیات سورۂ والنازعات میں آسمان اور آسمانوں کے ستارے شمس وقمر کی تخلیق مقدم بیان کی گئی اور یہ کہ ان فلکیات سے فارغ ہو کر اللہ نے زمین کو بچھایا پانی نکالا سبزے اُگائے اور پہاڑ گاڑے۔"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی ج ۲۴ میں فرماتے ہیں: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ کی تقدیم وتاخیر میں ان آیات اور اسی طرح کی روایات کی بنا پر ائمہ مفسرین میں اختلاف ہے۔ ان آیات اور سورۂ بقرہ کی آیت ﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَى السَّمَآءِ﴾ سے تو ظاہر یہی ہے کہ زمین کی تخلیق مقدم ہے تو آیات حٰمٓ سجدہ اور آیت بقرہ کی وضاحت وتفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض آئمہ مفسرین نے اسی کو ترجیح دی کہ خلق ارض مقدم ہے اور زمین اور پہاڑوں کی تخلیق کے بعد آسمان بنائے۔ اور آیات ﴿وَ النّٰزِعٰتِ﴾ میں ﴿وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ کی یہ تاویل کی کہ یہ بعدیت باعتبار وجود اور زمان کے نہیں ہے بلکہ یہ بعدیت باعتبار ذکر کے ہے۔ یعنی مخاطب کو بطور خطاب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مخاطب حق تعالیٰ کی ان عظیم مخلوقات کی تخلیق کو جاننے کے بعد تو یہ بھی یاد کر یا غور کر کہ اللہ نے زمین بچھائی الخ تو ﴿وَ الْاَرْضَ﴾ منصوب ہوگا۔ ایک فعل محذوف اذکر یا تذکر یا تدبر جیسے فعل کی تقدیر کے ساتھ۔

بعض حضراتِ مفسرین نے ان آیات میں تطبیق کی وہ صورت اختیار کی جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مفہوم ہوتی ہے جس کو حاکم اور بیہقی نے سعید بن جبیر کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے قرآن میں بہت سی جگہ اختلاف نظر آتا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بتاؤ تمہیں کہاں کہاں اختلاف معلوم ہوا ہے۔ بولا کہ دیکھو یہ آیات ﴿قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ﴾ میں تو یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی۔ اور ﴿وَ النّٰزِعٰتِ﴾ کی آیات ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ میں ﴿وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد پیدا کی گئی۔ پہلے آسمان بنالیا گیا۔ بلندی اور استواء دن کی روشنی اور رات کی تاریکی پیدا کر چکنے کے بعد زمین بچھائی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے زمین دو دن میں پیدا کی اور یہ آسمان کی تخلیق سے قبل تھی۔ اور آسمان دخان (دھویں) کی صورت میں تھا تو دو دن میں اس کو سات آسمان بنا دیئے زمین کو پیدا کرنے کے بعد اور رہی یہ بات کہ ﴿وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ جو سورۂ نازعات میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ نے پہاڑ رکھے۔ نہریں اور سمندر بنائے اور درخت اُگائے۔ علامہ خفاجی بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب اور کلام کا حاصل یہ ہے کہ ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ

مَرْعٰهَا﴾ بدل یا عطف بیان ہے لفظ ﴿دَحٰهَا﴾ کے لیے جو اس کی مراد کو واضح کرنے والا ہے یعنی زمین کا بچھانا پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ زمین میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں وہ مراد ہیں۔ تو ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ میں تاخر ذاتی یعنی زمین کا اپنی اصل ذات سے آسمانوں کے بعد بنانا مراد نہیں بلکہ زمین کے منافع اور مخلوقات کا بعد میں بنانا مراد ہے۔ اور اس کی تکمیل و ترتیب ہے اور بعدیت منافع کے حصول اور منافع سے متمتع ہونے کی حیثیت سے بھی ہو سکتی ہے تو ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾ میں بعدیت اس نوع کی ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کی جو مراد بیان کی ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ظاہر الفاظ کے پیش نظر محتاج تامل معلوم ہوتی ہے۔

بعض حضرات مثلاً واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ مراد متعین کی کہ آسمان کی تخلیق مقدم ہے اور آیات حٰمٓ میں خلق الارض کا ذکر نفس الامر میں پیدا کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ یہ خلق بمعنی تقدیر ہے کہ اللہ نے یہ مقدر اور طے فرمایا جیسے آیت مبارکہ ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (آل عمران:۵۹) میں ﴿خَلَقَ قَدَّرَ﴾ کے معنی میں ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

بہر کیف آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کے اقوال نقل کر کے ان آیات کے تعارض کو رفع کیا تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ روح المعانی ج ۲۴ از ص ۸۸ تا ص ۹۷ ملاحظہ فرمائیں۔

اُستاد محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں احقر کو ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پسند ہے کہ آیت ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ﴾ (البقرہ:۲۹) اور ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ میں یہ ضروری نہیں کہ ثم اور لفظ بعد تراخی زمان کے لیے ہو ممکن ہے کہ تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد ہو جیسے آیت ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البلد:۱۷) حالانکہ ظاہر ہے کہ جو اوصاف اس سے قبل بیان کیے گیے ہیں وہ مؤمن ہی کے اوصاف ہیں اور ایمان کے بعد ہی ان اوصاف کا تحقق ہوتا ہے نہ کہ ایمان ان اوصاف کے بعد حاصل ہو بہر حال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا ذکر مقدم رکھا اور عظمت و قدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا جس کی لطافت ادنیٰ تامل و غور سے ظاہر ہے تو اس ترتیب ذکری سے یہ لازم نہیں کہ اس کو ترتیب وقوعی اور ترتیب وجودی قرار دیا جائے۔ تخلیق کائنات میں دنوں کی بعض روایات میں تعیین بھی آئی ہے مثلاً حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ مٹی کو اللہ نے سنیچر کے روز پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے روز اور نباتات کو پیر کے روز۔ برائیوں اور بیماریوں کو منگل کے روز نور اور بھلائیوں کو بدھ کے روز۔ بہائم اور چوپائے جمعرات کے روز اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز کے آخری پہر میں عصر و مغرب کے درمیان۔ لیکن ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو معلول فرمایا۔ اگرچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو تخریج فرمایا ہے۔ مگر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو غرائب صحیح میں بیان کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو معلول فرمایا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ اس کو کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کا کلام قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فوائد شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آسمانوں اور زمین کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی شنبہ اور یک شنبہ کے دن پہاڑ اور پہاڑوں کے منافع سہ شنبہ کے دن، اور درخت، پانی، نہریں اور آبادیاں چہار شنبہ کے دن یہ چار دن مکمل ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے کے ہو گئے اس کے بعد پنجشنبہ کے

دن آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے، چاند، سورج اور فرشتے پیدا کیے۔ تو یہ مضمون پہلی روایت سے مختلف ہے۔ مناسب اور بے تکلّف وہی چیز ہے جس کو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا۔

## عاد و ثمود کی تاریخ اہل عرب کے لیے عظیم درس عبرت

مقام عبرت و تنبیہ میں عاد و ثمود کے واقعہ کا حوالہ ان آیات میں خاص طور پر اس وجہ سے دیا گیا کہ قریش کے لوگ اور عرب میں بسنے والے ان قوموں کو خوب جانتے تھے ان کے ساز و سامان مادی وسائل کی کثرت و فراوانی اور طاقت و غلبہ سب کچھ تاریخی حیثیت سے مشہور و معروف تھا تو ان کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ جب یہ طاقت ور قومیں بھی اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے رسولوں کا مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب سے نہیں بچ سکیں جن کے آثار و نشانات آج تک بھی اہل عرب، یمن اور شام کے سفر میں دیکھتے ہیں کہ کس طرح عذاب خداوندی نے ان کو ہلاک کیا۔ ان آیات میں عاد و ثمود کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا: ﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ﴾ یعنی جب کہ ان کے پاس ان کے رسول آئے (جمع کے صیغے کے ساتھ) قوم عاد کے رسول تو حضرت ہود علیہ السلام تھے اور ثمود کے رسول حضرت صالح علیہ السلام تھے تو ان دو رسولوں کو جمع کے صیغے سے یا تو اس بنا پر تعبیر فرمایا گیا کہ ممکن ہے کہ ان دو کے علاوہ بھی کچھ اور رسول و پیغمبر قوم عاد و ثمود کے لیے بھیجے گئے ہوں۔ لیکن قرآن کریم نے ان ہی دو حضرات کا ان کی عظمت و خصوصت کے باعث ذکر کیا۔ اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں فرمایا بقانون ﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (المومن: ۷۸) یا اس بناء پر کہ کسی قوم کا ایک رسول کی تکذیب کرنا بھی اللہ کے سارے پیغمبروں کو جھٹلانا ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الشعراء: ۱۰۵) کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے تمام رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ قوم نوح تو صرف نوح علیہ السلام ہی کی تکذیب کی مرتکب ہوئی تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ گزشتہ مضامین میں متعدد مواقع پر یہ بات دلائل سے واضح کی جا چکی کہ حق تعالیٰ کے نام انبیاء و رسل اصول توحید جزاء و سزا اور قیامت کے مسئلہ میں متفق ہیں۔ اس وجہ سے کسی بھی ایک رسول کا انکار اللہ کے تمام رسولوں کا انکار ہے۔ اس بنیاد پر عیسائی یا دوسرے اہل کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے خود اپنے پیغمبر پر بھی ایمان رکھنے والے نہ رہیں گے۔ اس کے برعکس ہر مسلمان جس طرح وہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اسی طرح وہ حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ و حضرت داؤد و حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہے تو عیسائیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے وہ حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے بھی کافر و منکر رہیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت تو یہ ہے کہ اگر بالفرض آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔ جیسے کی حدیث میں ہے: ((لوکانَ موسٰی حیًّا لما وَسِعهٗ اِلاّ اتباعی)) اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب زمین پر نزول فرمائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہوں گے اور قرآن پر عمل کریں گے اور اسی کو نافذ و جاری کریں گے۔

وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا

اور جس دن جمع ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر، پھر ان کی مثلیں بٹیں گی۔ یہاں تک کہ جب

مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا

پہنچے اس پر، بتا دیں گے ان کو ان کے کان، اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے، جو کچھ وہ

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا

کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو تم نے کیوں بتایا ہم کو۔ وہ بولے

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ

ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو، اور اسی نے بنایا تم کو پہلی بار، اور

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ

اسی کی طرف پھر جاتے ہو۔ اور تم پردہ نہ کرتے تھے اس سے کہ تم کو بتادیں گے تمہارے

سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ

کان، نہ تمہاری آنکھیں نہ چمڑے، پر تم کو یہ خیال تھا، کہ اللہ

لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ

نہیں جانتا بہت چیزیں جو کرتے ہو۔ اور یہ وہی تمہارا خیال ہے، جو رکھتے تھے

بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ

اپنے رب کے حق میں اسی نے تم کو کھپایا، پر آج رہ گئے ٹوٹے میں۔ پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ

مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ قَيَّضْنَا

ان کا گھر ہے۔ اور اگر وہ منایا چاہیں تو ان کو کوئی نہیں مناتا۔ اور لگا دی ہم نے

لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ

ان پر تعیناتی، پھر انہوں نے بھلا دکھایا ان کو جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے اور ٹھیک پڑی

عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ

ان پر بات، مل کر سب فرقوں میں جو ہو چکے ہیں ان سے آگے جنوں کے اور آدمیوں کے،

ع ۳ ۱۷ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا

وہ تھے ٹوٹے والے۔ اور کہنے لگے منکر نہ کان دھرو اس

الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں، شاید تم غالب ہو۔ سو ہم کو ضرور چکھانی منکروں کو

عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

سخت مار، اور ان کو بدلہ دینا بُرے سے بُرے کاموں کا جو کرتے تھے۔ یہ

جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی آگ۔ ان کو اسی میں گھر ہے سدا کا۔ بدلا اس کا جو

بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا

ہماری باتوں سے انکار کرتے تھے۔ اور کہیں گے جو لوگ منکر ہیں اے رب ہمارے ہم کو دکھا وہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا

مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

جو جن ہیں اور جو آدمی، کہ ڈالیں ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے ، کہ وہ رہیں سب سے نیچے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اسی پر ٹھہرے رہے ان پر اُترتے ہیں فرشتے

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

کہ تم نہ ڈرو نہ غم کھاؤ، اور خوشی سنو، اس بہشت کی، جس کا تم کو وعدہ تھا۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا

ہم ہیں تمہارے رفیق دنیا میں اور آخرت میں اور تم کو وہاں ہے جو

تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ

چاہے جی تمہارا، اور تم کو وہاں ہے جو منگواؤ مہمانی ہے اس بخشنے والے

رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ ع ۴ ۱۸

مہربان سے۔

## تفصیل عذاب آخرت وذلت وناکامی منکرین وانعامات مطیعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ ... الٰی ... نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات کا مضمون دلائل قدرت کے سلسلہ بیان میں مجرمین کی نافرمانیوں پر دنیاوی عذاب کا ذکر تھا۔ اور یہ کہ ایسے واضح دلائل قدرت کے ہوتے ہوئے اس قادر مطلق کی نافرمانی بڑی ہی حیرت اور افسوس کی بات ہے اور وہ اس روش کے باعث دنیا کے عذاب اور ذلت وخواری سے نہیں بچ سکتے۔ اب ان مجرمین پر عذاب اُخروی بیان کیا جارہا ہے کہ آخرت کی ذلت ورسوائی کا کیسا ہولناک منظر ہوگا۔ ساتھ ہی مطیعین پر انعامات خداوندی اور ان کے اعزاز واکرام کا مضمون ارشاد فرمایا جارہا ہے ارشاد ہے۔

اور جس روز کہ جمع کیا جائے گا اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف گھسیٹتے ہوئے تو وہ اس وقت روکے ہوئے ہوں گے تاکہ سب کے سب جمع ہوجائیں اور بیک وقت ان تمام مجرمین کو موقف حساب میں حساب اعمال کے لیے پیش کیا جائے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آجائیں گے کیونکہ جہنم اور اس کی آگ کی لپٹیں انھیں مؤقِف حساب سے قریب ہی نظر آتی ہوں گی تو گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان ان کی نگاہیں اور ان کی کھالیں ان تمام اعمال کی جو یہ کیا کرتے تھے۔ اس وقت یہ بے بسی کے عالم میں حیران ہوں گے اور کہیں گے۔ اپنی کھالوں اور اپنے اعضا سے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں اور کیسے دی حالانکہ تم میں تو بولنے کی صلاحیت اور قدرت نہیں ہے۔ جواب دیں گے گویائی دی ہم کو اس اللہ ربّ العزت نے جس نے ہر ایک چیز کو گویائی دی۔ جو گویا ہے خواہ اس کی گویائی متعارف ومعتاد ہو جیسے انسانوں کی گفتگو اور جانوروں و پرندوں کی آوازیں خواہ غیر متعارف وغیر معتاد ہو یعنی جو چیز بھی گویائی کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اس کے کسی مادہ اور طبیعت کا تقاضا نہیں بلکہ وہ محض عطا الٰہی اور قدرت خداوندی ہے تو اب اس کو اختیار ہے وہ اپنی قدرت سے جس کسی جز اور حصہ میں بھی قوت نطق وگویائی رکھ دے اور اس کے سمجھنے ماننے میں آخر کیا تردد ہے۔ اس کی عظمت قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے تو پیدا کیا تم کو پہلی بار جس کا تم مشاہدہ کر چکے تو اب اس پروردگار نے اپنی قدرت سے تم کو دوبارہ یہاں اٹھایا اور جمع کیا اور تمہاری کھالوں ہاتھ پاؤں اور بدن کے ٹکڑوں میں گویائی پیدا کردی اور وہ بول رہے ہیں اور تم دنیا میں اپنے آپ کو اس چیز سے نہیں چھپا سکتے کہ تمہارے کان تمہارے خلاف گواہی دیں اور نہ اس سے کہ تمہاری نگاہیں اور نہ اس سے کہ تمہاری کھالیں۔ اس لیے کہ انسان پر قادر ہی نہیں اپنے اعمال وافعال اپنی آنکھوں اور کانوں اور خود اپنے بدن کے ٹکڑوں سے چھپالیں دُنیا کی نگاہوں سے بے شک پردہ حاصل کرسکتا ہے لیکن خود اپنے ہی سے وہ کیونکر چھپ جائے گا۔ اس حقیقت ومشاہدہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اے لوگو! تم کسی وقت بھی جرم

کے مرتکب نہ ہوتے۔لیکن تم نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی وہ چیزیں نہیں جانتا جو تم کرتے ہو۔نہ تم کو قیامت کا خیال آیا۔اور نہ حساب و کتاب کا خوف بے فکری سے یہ سب کچھ کرتے رہے۔اے لوگو! یہی تو تھا وہ تمہارا گمان فاسد جو تم نے اپنے رب کے ساتھ قائم کیا۔جس نے تم کو ہلاک وتباہ کیا تو بس اسی گمان اور تصور کی وجہ سے تم لوگ ہو گئے ہو تباہ و برباد ہو جانے والوں میں۔بہر کیف یہ ہوگا انجام ایسے مجرموں کا جنہوں نے دنیاوی زندگی اسی دھوکہ میں گذار دی، نہ کبھی آخرت کو سوچا اور نہ وہاں کے عذاب کی فکر کی تو اس صورت حال میں اگر یہ صبر کریں اور فیصلہ خداوندی پر کسی طرح کی حجت بازی اور حیلہ بہانہ نہ کریں تو بھی دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے۔یہاں یہ ممکن نہ ہوگا کہ خاموشی اور صبر سے مہربانی اور رحمت کے آثار ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔اور اگر عذر پیش کرنا چاہیں گے تو ان کی کوئی معذرت قبول نہ ہوگی اور عذاب الٰہی کا جو فیصلہ ان کے حق میں ہوگا وہ اس سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے اور ہم نے دُنیا میں ان کافروں کے واسطے کچھ ساتھی مقرر کر دیئے تھے شیاطین میں سے ان کی بدنصیبی اور مسلسل عناد و تکبر کی وجہ سے سوانہوں نے رچا دیئے تھے ان کے لیے ان کے تمام اعمال اگلے اور پچھلے اس بنا پر وہ اپنے اعمال پر مصر رہے۔

اور جب وہ ان کو مستحسن سمجھتے تھے تو ظاہر ہے کہ ان کے چھوڑنے پر کیونکر تیار ہوتے۔لہٰذا ان پر مسلط ہو گیا وہ فیصلہ جو ان سے پہلی گذری ہوئی قوموں کے حق میں نافذ ہو چکا تھا۔خواہ وہ جن میں سے ہوں یا انسانوں میں سے کہ بے شک وہ سب ہی خسارہ اور بربادی میں پڑنے والوں میں سے ہیں۔کیونکہ اللہ ربّ العزت کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی کا یہی انجام ہو سکتا ہے۔اور اسی کے مطابق پہلی قومیں ہلاک کی گئیں تو اسی طرح بعد کے مجرمین کا بھی یہی حشر ہوگا۔قیامت کے روز حسرت و ناکامی کا جب ایسا منظر سامنے ہوگا تو کافر بدحواس ہوں گے اور نہ صبر کرتے بن پڑے گی۔اور نہ معذرت و معافی سے کام چلے گا۔ان واقعات کو سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ عبرت حاصل کرتے۔کفر و بغاوت سے باز آتے لیکن اس کے برعکس اور کافروں نے یہ کہا کہ کان ہی نہ لگاؤ اس قرآن کی جانب اور نہ سنو۔اور اگر پیغمبر سنانے لگے تو اس میں شور و شعب مچاؤ۔شاید تم ہی غالب آ جاؤ۔ان کافروں کو اپنی اس بیہودہ حرکت کا انجام معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ضرور بالضرور کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔اور ضرور ہم ان کو بدلہ دیں گے ان بُرے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔یہی ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی اور وہ جہنم کی آگ ہے۔ان کے واسطے اس جہنم میں ہمیشہ کا ٹھکانہ ہوگا۔اس چیز کے بدلے کے طور پر کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور اس فیصلہ اور انجام سے برافروختگی اور غصہ کے عالم میں کافر کہیں گے اے ہمارے پروردگار دکھا دے تو ہمیں وہ لوگ جن و انس میں سے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا کہ ہم ان کو روندیں اپنے قدموں کے نیچے تا کہ وہ بھی خوب ذلیل و خوار ہونے والوں میں سے ہو جائیں۔اگرچہ ان کو گمراہ کرنے والے شیاطین جن و انس بھی جہنم کی آگ میں ہوں گے لیکن جہنم تو ایک وسیع عالم ہے اس بنا پر دیکھنے کی تمنا کریں گے۔اور ذلت و خواری میں تو وہ پہلے ہی مبتلا ہو چکے ہوں گے۔لیکن مزید رسوائی ان کی اس طرح دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ اپنے قدموں کے نیچے ان کو روندیں جن کو انہوں نے دنیا میں اپنے مقتدی و پیشوا بنا رکھا تھا یہ تو انجام ہوگا مجرمین و کفار کا مگر اس کے بالمقابل اللہ سے تعلق رکھنے والے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے مؤمنین کا اعزاز و اکرام اس طرح ہوگا کہ بے شک جن لوگوں نے اقرار کر لیا دل کی گہرائیوں سے کہ ہمارا رب اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود مولیٰ نہیں اور پھر وہ اس پر مضبوطی سے جمے رہے اور صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ چلتے رہے اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اتریں گے۔اللہ کا پیغام رحمت و بشارت لے کر کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو اللہ کی عنایت و رحمت سے تم دُنیا میں بھی ہر اندیشہ سے مامون اور ہر

فکر وغم سے محفوظ ہوؤ گے اور اس دُنیاوی زندگی کے بعد آخرت میں خوشخبری سن لو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے ولی سرپرست اور رفیق ہیں۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی چنانچہ اس ولایت ورفاقت کا یہ اثر تھا کہ اہل ایمان کو طاعت اور نیک کام کی توفیق اور مصائب وشدائد پر صبر اور ایمان وتقویٰ پر استقامت نصیب ہوئی اور اسی پر خاتمہ ہوا۔ اور تمہارے واسطے اے ایمان و تقویٰ والو! ہر وہ نعمت ہوگی۔ جس کے واسطے تمہارے دل چاہیں گے اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو تم طلب کرو گے یہ سب کچھ بطور مہمانی اور اکرام کے ہوگا۔ اس پروردگار کی طرف سے جو بڑی مغفرت کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔ جو اپنی شان مغفرت سے ان کوتاہیوں سے درگذر کرنے والا ہوتا ہے جن کے بعد شاید ایسے اکرام واعزاز کا استحقاق نہ ہوتا اور بڑا ہی مہربان ہے کہ اپنی شان رحیمی سے بندوں کے قلیل وحقیر پر ایسے بلند پایا انعامات سے نوازتا ہے۔

## استقامت کا مفہوم اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرات

آیت مبارکہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ میں ایمان اور ایمان پر استقامت کے ذکر کے بعد اس پر مرتب ہونے والے عظیم ثمرات اور بہترین نتائج کا بیان ہے۔

### پہلا ثمرہ:

﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ہے کہ فرشتے ان پر اترتے ہیں۔ اور فرشتوں کا ان اہل ایمان واہل استقامت پر اترنا ان کا انتہائی اعزاز واکرام ہے۔

### دوسرا ثمرہ:

پیغام بشارت ﴿اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ ہر خوف اور غم کے دور ہو جانے کا۔

### تیسرا ثمرہ:

جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت جو ﴿وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ کے عنوان سے فرمائی گئی تا کہ اس بشارت کو سن کر ذہن ابتداء ہی سے ان بلند پایہ انعامات اور نعمتوں کی طرف متوجہ ہو جائے جن کی تفصیل نعماء جنت کے ذیل میں بیان کی جا چکی۔

### چوتھا ثمرہ:

﴿نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ﴾ ہے کہ ہم تمہارے ولی، سرپرست اور دوست ہیں دنیا اور آخرت میں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ولایت اور محبت دنیا میں اور آخرت میں ایک ایسا عظیم انعام ہے کہ دنیا اور مافیہا کی ساری نعمتیں اس کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔ بلکہ اُخروی نعمتوں میں بھی یہ بہت ہی بلند پایا نعمت ہے کیونکہ اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی جنت کی ہر نعمت اور راحت سے زائد اور بلند ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جنت میں اہل جنت کو تمام انعامات سے نوازنے کے بعد فرمائے گا۔ اے میرے بندو! کیا تمہیں کچھ اور چیز مطلوب ہے۔ جنتی جواب دیں گے اے ہمارے رب اب ہمیں اور کیا چاہیے ہم کو تو وہ نعمتیں دے دی گئیں ہیں جو جہان والوں

میں کسی کو نہیں دی گئیں۔ اس پر اعلان ہوگا ((رضائی لا اسخط علیکم بعدہٗ اَبَدًا)) کہ میری رضا مندی اور خوشنودی ہے تمہارے لیے۔ اب آئندہ میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ:۷۲)

## پانچواں ثمرہ:

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ کہ ہر خواہش کا پورا ہونا۔

## چھٹا ثمرہ:

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ کہ ہر طلب کی تکمیل کہ جو بھی چیز جنتی طلب کریں گے وہ حق تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہو جائے گی۔ اور ہر طلب کا پورا ہونا اور ہر مطلوب کا مل جانا نہایت ہی عظیم انعام ہے۔

## ساتواں انعام و ثمرہ:

﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ اعزاز و اکرام ہے۔ جیسے مہمان کا اعزاز ہوتا ہے اور اس اعزاز و اکرام میں خدا کی شان غفوری و رحیمی ہر تقصیر سے درگذر کرتے ہوئے استحقاق سے بڑھ کر بے پایاں رحمتوں سے نوازنے والی ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا ان اوصاف کاملہ اور بشارت فاضلہ کے سب سے اولین مصداق خلفاء راشدین پھر مہاجرین اوّلین تھے جن کے ایمان و استقامت کی عظمت و بلندی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اللہ کی ربوبیت ان کے اعتقاد کامل کی پوری تصویر اور ان کی عملی زندگی تھی۔ پھر اطاعت و فرمانبرداری کا وہ مقام تھا کہ دُنیا کی کوئی مشقت و رکاوٹ ان کی راہ اطاعت میں حائل نہ ہو سکی تھی۔ ﴿رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ عقیدۂ توحید کی ترجمانی ہے اور اس کے بعد استقامت طاعت و بندگی کا کمال ہے کیونکہ استقامت ہر امر اور حکم کی تعمیل و پیروی اور ہر ممنوع اور خلاف شرع چیز سے پرہیز کرنے کا نام ہے جس میں اعمال قلوب اور افعال حسیہ و ظاہرہ داخل ہیں اور اس عملی کیفیت کا نام ہے جو ایمان اسلام اور احسان کے مقام کو جامع ہو۔ اسی وجہ سے حضرات عارفین کا قول ہے کہ استقامت ہزار ہا کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ... الخ﴾ سے زائد کوئی سخت آیت نہیں نازل ہوئی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر تو بڑھاپا بہت جلد ہی آ گیا۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آثارِ ضعف واقع ہو گئے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اور یہ آیت سورۂ ہود ہی میں ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ صراط مستقیم (شریعت کے راستہ) پر استقامت۔ جہنم پر قائم کردہ صراط (پل) پر گذرنے سے زیادہ شدید ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں صراط مستقیم پر استقامت اور وہاں آخرت میں صراط جہنم پر سے گذرنا بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ مرتبہ استقامت کی اسی عظمت کے باعث ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرات کا حکم فرمایا گیا تا کہ صراط مستقیم پر استقامت کی درخواست بارگاہ خداوندی میں پیش کی جاتی رہے۔

## نزول ملائکہ اور مواقع نزول

روایت و نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول تین موقعوں پر ہوتا ہے۔ ایک تو انسان کی موت کے وقت جیسا کہ

احادیث میں ہے کہ مؤمن جب انتقال کرنے لگتا ہے تو فرشتوں کا نزول ہوتا ہے قبض روح کے لیے اور کہتے ہیں۔ اُخرجی ایتھا النفس الطیبة الیٰ روحٍ و ریحانٍ و ربّ غیر غَضْبَانِ اور بعض روایات میں لفظ المطمئنة یعنی اے پاکیزہ روح یا اے نفس مطمئنہ نکل تو خوشگوار ہواؤں اور خوشبوؤں کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو غضبناک نہیں ہے۔ دوسرا وقت قبر میں ہوتا ہے کہ میت کے سامنے اس کی قبر میں فرشتے آ کر اس سے سوال کرتے ہیں۔ من ربّك ، ومن نبیّك ، وما دینك۔ مؤمن جب جواب ٹھیک دے دیتا ہے تو فرشتے اس کو بشارت سناتے ہیں۔ جنت کی نعمتوں اور راحتوں کی۔ اور کہہ دیتے ہیں نم کنومة العروس۔ یعنی تو سو جا دلہن کی طرح جس کے لیے ہر آرام اور راحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تیسرا موقعہ نزول ملائکہ کا حشر ہے جب مؤمنین کو دخول جنت کی بشارت سناتے ہوں گے۔ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ﴾ اور کہا جا رہا ہوگا ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (الرعد: ۲۴) اور کافروں کو دخول نار کی وعید سنائی جا رہی ہوگی۔

یہ مواقع نزول تو موت کے وقت سے لے کر حشر اور حساب و کتاب تک ہوئے۔ انسان کی دُنیاوی حیات میں بھی فرشتوں کا مؤمنین پر اترنا متعدد صورتوں میں ہوتا ہے کبھی اعمال صالح کی تلقین اور قلب میں ان کی رغبت و شوق ڈالنے کے لیے اترتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے قلب میں غیر شعوری طور پر اعمال صالح کی ایک عجیب رغبت و شوق کی کیفیت محسوس کرتا ہے اور کبھی مصیبت اور غم کے وقت سکینت و طمانیت کا القاء کرنے کے لیے اترتے ہیں جیسے غزوۂ بدر میں ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ (الانفال: ۱۲) ان دو قسموں کے نزول اور رفاقت کے علاوہ فرشتوں کا وہ نزول ہے جو نوبت بنوبت بندوں کے اعمال لکھنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ﴾ (الرعد: ۱۱)

## جنت میں تفاوت درجات کے باوجود باہمی تحاسد نہ ہوگا

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ کا مدلول یہ ہے کہ اہل جنت جس کسی چیز کی خواہش کریں گے وہ ان کو حاصل ہو جائے گی۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا جس سے یہ اشکال دُور ہو گیا کہ جنت میں درجات مختلف ہوں گے اور بعض دوسرے بعض پر بلندی اور فضیلت رکھنے والے ہوں گے تو کم تر درجے کے لوگ اگر اپنے سے بلند مرتبہ والوں کو نہ جانیں گے تو جہل لازم آئے گا۔ اور جہالت عیب اور نقصان ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اہل جنت ناقص اور عیب دار ہوں۔ اور اگر جانے گا تو طبعی تقاضے کے باعث حسد ہوگا تو یہ بھی بُری خصلت ہے تو فرمایا یہی شق اختیار کر لی جائے کہ بعض اہل جنت کو اپنے بلند درجات والوں کا علم ہوگا لیکن حسد انسانی خصائل میں سے ایک مذموم اور بُری خصلت ہے اور جنتی جنت میں جب داخل کیے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ (الاعراف: ۴۳) اور حدیث میں آتا ہے: ((لا تحاسد بینهم ولا تباغض)) اس لیے اس طرح کی کوئی کیفیت نہیں ہوگی۔ اور رہی یہ بات کہ وہ یہ تمنا کرنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے ایسے ہی مراتب عطا فرما دے تو یہ تمنا اس وجہ سے نہیں کریں گے کہ ان کو اپنی استعداد اور صلاحیت معلوم ہوگی وہ اپنے مرتبہ اور استعداد سے بڑھ کر تمنا ہی نہیں کریں گے پھر یہ کہ جنت میں ہر ایک عبدیت کے اعلیٰ اور بلند ترین مقام پر ہوگا اور ان کو تمام باطنی مقامات حاصل

ہوں گے اس وجہ سے ان کو مقام رضا و تسلیم بھی حاصل ہوگا اور ہر ایک اپنے درجہ میں اس قدر مسرور و خوش ہوگا کہ دوسروں کے درجات کا احساس ہی نہ ہوگا چہ جائیکہ وہ ان درجات کی تمنا کرنے لگے۔ دُنیا میں بھی رضا و تسلیم اور قناعت کا مقام حاصل کرنے والے ایسے بعض لوگ مل جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو اپنے سے بہتر جاننے کے باوجود ان کے مراتب کی خواہش تو کیا ان کو اپنے اس درجہ سے ترقی سے بھی نفرت ہوتی ہے۔ تو جب دنیا میں بھی ایسے قانع افراد ہیں تو آخرت اور جنت میں تو ہر ایک ہی پیکر قناعت اور رضا و تسلیم ہوگا۔ حضرت حکیم الامت اس تحقیق کے دوران دل میں پیش آنے والے ایک اشکال کو ہی رفع فرما گئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جنتی اپنے بلند مرتبہ والوں کو دیکھ کر تمنا کریں گے جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ایک جنتی دوسرے کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ میرا لباس بھی کاش ایسا ہی ہوتا تو فوراً اس کا لباس اسی جیسا ہو جائے گا تو اصل یہ ہے کہ لباس کی برابری سے درجات کی برابری ضروری نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مختلف درجات والوں کو لباس ایک سا دے دیا جائے۔ جیسے کسی ضیافت میں مختلف المراتب لوگوں کو ایک ہی قسم کا کھانا کھلایا جائے اور ایک ہی طرح کا اکرام کیا جائے تو درجہ کی مساوات کی تمنا نہ ہوگی۔ نعمت میں برابر کی تمنا رتبہ میں مساوات کی تمنا کو مستلزم نہیں۔ (ھٰذا مافھمت من کلمات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ)

---

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ

اور اس سے بہتر کس کی بات؟ جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام، اور کہا میں

مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ

حکم بردار ہوں۔ اور برابر نہیں نیکی نہ بدی۔ جواب میں تو کہہ

هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾

اس سے بہتر، پھر جو تو دیکھے، تو جس میں تجھ میں دشمنی تھی، جیسے دوست دار ہے ناتے والا۔

وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾

اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو، جو سہار رکھتے ہیں۔ اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے، تو پناہ پکڑ اللہ کی۔ بیشک وہی ہے

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ

سنتا جانتا۔ اور اس کی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن، اور سورت اور چاند۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ

سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے وہ بنائے، اگر

كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ

تم اسی کو پوجتے ہو۔ پھر اگر غرور کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں

يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة

پاکی بولتے ہیں اُس کی رات اور دن، اور وہ نہیں تھکتے۔

## فضیلت دعوت الی اللہ وبیان صبر واستقامت وحلم ودرگذر در راہ حق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ ... الٰی ... وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۳﴾ السجدة﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں اہل ایمان اور ایمان پر استقامت والوں کا اللہ کے یہاں کیا عظیم مقام ومرتبہ ہے بیان فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی فضیلت بیان کی جارہی۔ اور یہ کہ عقل وفطرت کے اس قانون کو بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ہے۔ اور دعوت الی اللہ اور اشاعت حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ان کا مقابلہ اور شدائد پر صبر کی ضرورت ہے۔ یہ چیز کمال کی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص برا طرز عمل اختیار کرے تو اس کے جواب میں وہی طرز اختیار کیا جائے اس طرز عمل سے بُرائی کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اور زائد پھیلتی ہے اگر برائی کو مٹانا مقصود ہو تو اس کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے اس کو دُور کیا جاسکتا ہے۔ یہی صورت کامیابی اور ترقی کی ہوسکتی ہے۔ اور اس راہ میں جہاں خارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ ساتھ ہی خود انسان کے قلب ودماغ پر بسا اوقات ایسے خطرات وخیالات وارد ہوتے ہیں کہ قریب ہوتا ہے کہ راہ حق سے اس کے قدم ڈگمگا جائیں تو خارجی رکاوٹوں کے ساتھ یہ داخلی رکاوٹیں بھی پیش آیا کرتی ہیں تو وساوس شیطانیہ سے بچاؤ صرف اللہ رب العزت کی پناہ و حفاظت سے ہوتا ہے تو دعوت الی اللہ کی بلند منزلوں کو طے کرنے میں اللہ ہی کی پناہ مانگنی چاہیے۔ تو فرمایا۔ اور اس سے بہتر کون شخص ہوسکتا ہے۔ اپنے قول ودعوت کے لحاظ سے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے۔ اور خود نیکی کا کام کرتا رہے اور اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر یہ اعلان کرتا رہے کہ میں تو (اللہ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ مشرکین ومنکرین کے ایسے ماحول میں جو اللہ کے دین کو حقیر سمجھتے ہوں۔ ان کے سامنے بجائے مرعوب ومحجوب ہونے کے فخر کے ساتھ یہ کہے کہ ﴿اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اپنے مذہب پر اس طرح کے فخر اور اعلان سے کافروں کے حوصلے پست ہوں گے۔ اور اہل سعادت کو ایمان کی رغبت اور پختگی نصیب ہوگی۔ اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا فرض انجام دینے میں جہلاء کا مقابلہ اور معاندین کی طرف سے ایذاء رسانی کا معاملہ ہوتا ہے تو ایسی صورت پیش آنے پر ایک ضابطہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ برابر نہیں ہے نیکی برائی اور بدی کے اور نہ بدی برابر ہے نیکی کے۔ ہر ایک کا حال اور اثر جدا ہوتا ہے۔ نیکی کا انجام فلاح

وکامرانی ہوتا ہے اور بدی کا انجام ذلت وناکامی اس لیے دعوت الی اللہ میں مشغول انسان یقیناً کامیاب وسربلند ہوں گے۔ اوران کے مقابلہ ومعارضہ کرنے والے معاند ذلیل وناکام ہوں گے۔ اے مخاطب بس تو اپنا دستورالعمل یہ بنالے کہ مدافعت کرتا رہ برائی کا ایسے طریقہ سے جونہایت ہی خوبی کا ہو تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ تو دیکھ لے گا کہ تیرے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہے وہ گویا * کہ تیرا نہایت ہی مخلص وہمدرد وقریبی دوست اور رشتہ دار ہے۔ اور یہ بات نہیں حاصل ہوتی مگر صرف ان ہی لوگوں کو جو اپنے اخلاق وکردار سے صابر ومستقل مزاج ہوں۔ اور نہیں نصیب ہوتی یہ خصلت مگر ان لوگوں کو جو بڑے ہی نصیب والے ہیں۔ یہ طرز عمل تو اس وقت ہے جب دعوت الی اللہ اور راہ حق میں رکاوٹیں خارج سے پیش آئیں۔ اور اگر خود تیرے قلب ودماغ میں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوکر تجھ کو ڈگمگائے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر۔ بیشک وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ پروردگار تیرے عمل واخلاص کو دیکھنے اور تیرے قول کو سننے کی وجہ سے تجھ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔ نہ خارجی عداوتیں تجھے نقصان پہنچا سکیں گی اور نہ تیرے نفس کی داخلی رکاوٹ اور وسوسے تجھے ناکام بنا سکیں گے۔ اور اللہ کی نشانیوں سے تو رات اور دن ہے اور سورج وچاند ہیں۔ جو اپنے انقلاب وتبدیلی سے ہر مشاہدہ کرنے والے انسان کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی حالت ایسی نہیں کہ جو تبدیل نہ ہو۔ رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی نمودار ہوکر زبان حال سے یہ بتاتی رہتی ہے کہ کسی بھی مغلوب وعاجز یا پریشان ومغموم شخص کو جو آلام وافکار کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے افکار وپریشانیوں کی تاریکیاں عنقریب کامیابی اور غلبہ کی صبح صادق کے نور سے مٹ جائیں گی۔ قدرت خداوندی کے ان کرشموں کو دیکھ کر اے لوگو کارخانہ عالم کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کو پہچانو۔ ہرگز پرستش نہ کرو۔ سورج کی اور نہ چاند کی اور صرف اسی خدا کے لیے سجدہ کرو جس نے سورج وچاند کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم کو اسی خدا کی عبادت کرنا ہے۔ کیونکہ خدا کی خالقیت کے اقرار کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک کرنا درحقیقت اس کی عبادت ہی سے انکار ہے۔ لہٰذا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کی عبادت وپرستش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کریں کہ ہم تو اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

بہرحال یہ حقائق ہیں جن کا تسلیم کرنا ہر صاحب عقل پر ضروری ہے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ اللہ کی عبادت وتوحید سے تکبر کریں اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں یہ سمجھیں کہ ہماری ذلت ہوگی تو پھر ایسے لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اے ہمارے پیغمبر جو فرشتے آپ کے رب کے نزدیک ہیں اور بارگاہِ خداوندی کے مقرب ہیں وہ تو تسبیح وپاکی بیان کرتے رہتے ہیں اسی رب کے لیے رات اور دن۔ اور وہ اس سے تھکتے نہیں ہیں تو جس خدا کی عظمت وبرتری کا یہ مقام ہے کہ ملائکہ مقربین شب وروز اس کی حمد وثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ اور نہ اس کو کسی کی نافرمانی سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے۔ وہ پروردگار عالم تو تمام جہانوں سے مستغنی وبے نیاز ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر اوّلین وآخرین زندہ ومردہ جن وانس جاندار وبے جان چیزیں سب کی سب سراپا تقویٰ ہوجائیں تو خدا کی خدائی میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کرسکتے اور اگر یہ سب خدا کی نافرمانی اور شقاوت کا پیکر بن جائیں تو خدا کی ملک میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کرسکتے۔

---

* ﴿كَاَنَّهٗ﴾ یعنی گویا کہ وہ تیرا دوست وہمدرد ہے یہ عنوان اس لحاظ سے ہے کہ اگرچہ وہ دشمن جس کے ساتھ تم نیکی کا برتاؤ کرو گے حقیقتاً دوست نہ بنے مگر بہرکیف اگر اس میں انسانی شرافت کا ادنیٰ سا بھی اثر ہے تو وہ یقیناً معاملہ ایسا ہی کرنے لگے گا جیسا کہ دوست ہو۔

# دعوت الی اللہ کے آداب اور صبر وتحمل کے بہترین ثمرات

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے ایک وعظ دعوت الی اللہ میں ان آیات کی تفسیر وتشریح میں عجیب لطائف ونکات بیان فرمائے۔ یہ پورا مضمون حضرت اقدس ہی کی عبارت کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے۔

فرماتے ہیں ان آیات میں حق تعالیٰ نے ایک خاص عمل کی فضیلت مع اس کے مکملات اور آداب کے ارشاد فرمائی ہے۔ وہ خاص عمل دعوت الی اللہ ہے یعنی حق تعالیٰ کی طرف بلانا یعنی اس کے دین کی طرف بلانا یہ تو مقصود ہے اور دو اس کے مکمل ہیں یعنی عمل صالح اور تواضع اور اعتراف فرمانبرداری۔

ترجمۂ آیت ''کون شخص ہے زیادہ احسن از روئے قول کے اس شخص سے جو خدا کی طرف بلاوے'' استفہام انکاری ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں جو اللہ کی طرف بلاوے۔ احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی بات ''دعوۃ الی اللہ'' ہے۔ استفہام بقصد نفی ہے۔ سبحان اللہ! کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں ''کون ہے احسن از روئے قول کے'' اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ یہ تردد ہوتا ہے کہ کوئی خلاف جواب دے دے گا۔ وہاں پوچھا نہیں کرتے مثلاً یوں کہتے ہیں کہ میاں فلاں تجارت سے اچھی کون سی تجارت ہے یہ وہاں کہتے ہیں کہ جہاں مخاطب کو متکلم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف جواب دے دے پوچھا نہیں کرتے بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ کون سی بات اچھی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے بدیہی اور حسی بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اسی طرح اس دعوۃ الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہو گیا۔ گویا کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے تو استفہام میں تو یہ بلاغت ہے۔

## اَحْسَنُ قَوْلًا کی تحقیق:

سو یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے یعنی کسی کی گفتگو سب سے اچھی ہے وجہ اس ترجمہ کی ظاہر ہے کیونکہ احسن باعتبار قصد کے صفت ہے قولاً کی اور اقوال ہی کے اعتبار سے اس کی تفصیل بھی ہے اور چونکہ مفضل جنس مفضل علیہ ہی سے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ سب قولوں سے اچھا اس شخص کا یہ قول ہے اور یہاں تک تو کوئی اشکال نہ تھا مگر آگے ارشاد ہے۔ ﴿ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ اور عمل صالح بھی کرے اس جملہ کو اس کے معطوف علیہ کے ساتھ ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ سب سے اچھی بات اس شخص کی ہے جو دعوت الی اللہ کرے اور نیک کام کرے اس میں اشکال یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کو تو احسنیتہ قولاً میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خود قول ہے اور سب سے احسن مگر عمل صالح کا اس میں کیا دخل؟ کیونکہ وہ فعل ہے قول نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ قول نہیں۔ مگر آداب ومکملات قول سے ہے اس لیے یہ بھی قول کے احسن ہونے میں دخیل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ صاحب قول احسن وہ ہے جو دعوت الی اللہ بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی خود عمل بھی کرے۔ یعنی جو کچھ کہے اس کے موافق عمل بھی کرے تب وہ صاحب قول احسن ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کوئی بہت اچھی بات کرے اور عمل اچھا نہ کرے تو قول تو اچھا ہے مگر عمل اچھا نہیں ہے مثلاً اگر کوئی دعوت الی الاسلام کرے اور خود مسلمان نہ ہو دعوت الی الصلوۃ کرے اور خود نمازی نہ ہو اسلام کے اوصاف بیان کرے اور خود ان پر عقیدہ نہ رکھے تو اس پر ﴿ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا ﴾ تو صادق آتا

ہے کیونکہ اس کے معنی من قولہ احسن ہیں۔ یعنی جس کی بات بہت اچھی ہو وہ احسن قولاً ہے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب اگر کوئی خود عمل نہ کرے تو اس کے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل رہا اگر اس نے خود نماز نہ پڑھی تو اس کا یہ قول احسن ہے زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمل احسن نہیں تو اس سے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل پڑا۔ اس کا جواب بنص قرآن بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ قول کے اچھے ہونے میں عمل کے اچھے ہونے کو بھی دخل ہے اور اس بنا پر اس آیت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ داعی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صاحب عمل صالح اور ایک غیر صاحب عمل صالح اول کا قول یا دعوۃ احسن ہے یا دعوۃ غیر احسن ہے۔ الدعوۃ الی اللہ ص ۱۲ تا ص ۱۳ الغرض احسنیتہ جب ہوگی کہ جہاں وعظ کے ساتھ عمل بھی ہوگا۔ اور جہاں نرا وعظ ہوگا اور عمل نہ ہوگا وہ بیان احسن نہ ہوگا کیونکہ افعل التفضیل کی نفی سے مجرد صفت کی نفی لازم آتی ہے اور چونکہ بسا اقات وعظ اور عمل صالح کے ساتھ ہی اس میں کبر اور عجب بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں اس لیے آگے اس کے علاج کے لیے تواضع کی تعلیم فرماتے ہیں: ﴿ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ یعنی یہ بھی کہے کہ میں تو اس کے فرمانبرداروں میں سے ہوں کہ من نیز غلامان اویم کے حکم پر چلتا ہوں اور اننی من مسلمہ نہیں فرمایا کہ جس سے تفرد کا شبہ ہوتا اس لیے ﴿ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ فرمایا تا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ غلام اور فرمانبردار بہت ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں ایک غلام نے اگر فرمانبرداری نہ کی تو اپنا ہی کچھ کھویا۔

جاننا چاہیے کہ ﴿ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ کے دو معنی ہو سکتے تھے۔ ایک دعویٰ وفخر اور ایک تواضع مگر یہاں تواضع مراد ہے اور اس کی تائید کہ ایک ہی لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوسکتا ہے خود قرآن مجید کے دوسرے موقع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک جگہ مقبولین کی مدح میں ان کا مقولہ ارشاد ہے: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا ﴾ (آل عمران: ۹۳) یعنی اے اللہ ہم نے ایک منادی کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے ندا دیتا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ ﴿ فَاٰمَنَّا ﴾ پس ہم ایمان لائے۔ اے پروردگار پس بخش دیجیے ہمارے گناہ اور دور کر دیجیے ہماری برائیاں دیکھیے یہاں ﴿ اٰمَنَّا ﴾ تواضع انکسار وافتقار کے لیے ہے جس کو ذوق سلیم اور سیاق وسباق صاف بتلا رہا ہے۔ اب دوسری آیت لیجیے جو اسی لفظ کو کبر وعجب کے طور پر استعمال کرنے پر دال ہے ﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا ... الاٰیۃ ﴾ (الحجرات: ۱۴) یہاں بھی وہی لفظ منا ہے مگر یہاں اس کو رد کیا گیا ہے۔ جس کا سبب وہی ہے کہ دعویٰ اور فخر سے کہتے تھے چنانچہ بعد والی آیت اس پر صریح دال ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ ۚ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰىکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ ﴾ (الحجرات: ۱۷)

"یعنی وہ لوگ آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں اپنے اسلام لانے کا۔ فرما دیجیے کہ احسان نہ رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی بشرطیکہ تم اس قول میں سچے ہو۔"

غرض یہاں ان کا منا کہنا دعویٰ اور فخر کے طور پر تھا۔ اس کے جواب سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ واقعی خدا کا احسان ہے جو اس نے ہمیں نیک کام کی ہدایت کر دی۔ اسی طرح یہاں بھی فرما دیا ﴿ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ تو ایک تکمیل دعوت الی اللہ کی یہ ہوئی تو اب کل تین چیزیں ہوئیں۔ ایک مقصود یعنی دعوت الی اللہ اور دو اس کے مکمل یعنی عمل صالح اور تواضع و افتقار واعتراف و فرمانبرداری۔ (الدعوت الی اللہ نمبر ۲۹۔ نمبر ۳۰)

﴿وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ فخر اور لذت کے طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہو نہ یہ کہ اس کو اپنے اس عنوان اور انتساب کے اظہار میں کوئی جھجک یا شرم معلوم ہو اور یہ شرم نہ تو قولاً اعلان اسلام میں اور نہ ہی اپنے عمل سے اپنے اسلام کے اظہار میں ہو۔ الحاصل داعی میں دعوت کے ساتھ عمل صالح اور ساتھ تواضع اور انکسار اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضروری ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لیے کہ سب کام خُدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لیے اوپر نظر نہ کرنی چاہیے۔ اب آگے بقیہ آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کیے دیتا ہوں۔

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ﴾ یعنی اچھائی اور بُرائی برابر نہیں۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ اوپر تو دعوت الی اللہ کا ذکر تھا۔ یہاں یہ بیان ہے کہ نیکی بدی برابر نہیں ہے آخر اس جملہ کو سیاق وسباق سے کیا مناسبت ہے۔ آگے ارشاد ہے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ یعنی مدافعت کیجیئے اس طریقہ سے جو اچھا ہو یہ بھی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم ہو رہی ہے جواب یہ ہے کہ اصل تعلق تو دعوت الی اللہ کے معمول سے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ کا ہے اس طرح سے کہ جو شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے عموماً اس کی مخالفت ہوتی ہے لوگ بُرا بھلا کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس میں ہیجان پیدا ہو اور یہ بھی بدی کے بدلہ بدی کر بیٹھے اس لیے ایسے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی سے تعلیم فرماتے ہیں کہ اخلاق درست کرو اپنے میں ضبط وصبر پیدا کرو یہ معنی ہوئے۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ یعنی ﴿اِدْفَعِ السَّیِّئَةَ بِالْحَسَنَةِ﴾ کہ کوئی بُرائی کرے تو اسے نیکی کر کے دفع کر دو پس اصل تعلق تو جملہ ﴿اِدْفَعْ﴾ کا ہے باقی ﴿لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ ... الخ﴾ یہ اس کی تمہید ہے یعنی بتلانا تو مقصود ہے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ... الخ﴾ کا مگر تمہید میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ دیکھو نیکی اور بدی اثر میں برابر نہیں ہوتی یعنی اگر برائی کا انتقام بُرائی سے لے لیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور اگر ٹال دیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور وہ اثر یہ ہوگا کہ ﴿فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ جس شخص کے اور تمہارے درمیان میں عداوت تھی۔ وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گاڑھا دوست۔ مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مخالفین بھڑکیں نہیں کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھے گا پہلے چھپی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا۔ تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ٹال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو۔ تو دشمن دوست بن جائے گا۔ اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں۔ اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہو جائے گا۔ یہاں اس کے متعلق ایک شبہ ہے کہ ہم بعض جگہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس رعایت کے بھی وہ دوست نہیں بنتا۔ بلکہ وہ اپنے شر وفساد میں اسی طرح سرگرم رہتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بقاعدۂ عقلیہ ایک شرط ملحوظ ہے وہ یہ کہ بشرط سلامۃ الطبع کہ وہ شر سے اس وقت باز رہے گا جبکہ سلیم الطبع ہو اور اگر سلامت طبع کی قید نہ ہو تو اس وقت یہ جواب ہے کہ ولی حمیم نہیں فرمایا بلکہ ﴿كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ فرمایا ہے تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ شر ہی میں کمی رہے گی اور اگر تم انتقام لو گے تو گو اس وقت وہ عدم قدرت کی وجہ سے خاموش ہو جائے مگر در پردہ کینہ مضمر رکھے گا اور حتیٰ الامکان لوگوں سے تمہارے خلاف سازش کرے گا جس کو غلطی سے آدمی کبھی یوں سمجھ جاتا ہے کہ انتقام اصلح ہوا۔ تو ایک ادب یہ بتایا تبلیغ کا کہ صبر وضبط سے کام لیا جائے اور جو ناگوار امور مخالفین کی طرف سے پیش آویں انہیں برداشت کیا جائے اور یہ مدافعت سیئة بالحسنة چونکہ کام تھا نہایت مشکل اس لیے اس کی ترغیب کے لیے فرماتے ہیں ﴿وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا﴾ اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ سے دلائی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے سے صابرین میں شمار ہوگا

اور ایک باعتبار اجر وثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اب اس میں ایک مانع بھی تھا۔ یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاج بتاتے ہیں ﴿اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے یعنی بعض اوقات مخالفین کی باتوں پر شیاطین غصہ دلاتے ہیں اور اس وقت صبر کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت کے لیے فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ خدا کی پناہ میں چلے جاؤ یہ مطلب نہیں کہ صرف زبان سے ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ پڑھ لیا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ خدا سے دل سے دُعا کرو کہ وہ شیطان کے وسوسے کو دُور کر دے، اور صبر پر استقامت دے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ بلاشبہ وہ سننے والا خوب جاننے والا ہے یعنی وہ تمہاری زبان سے پناہ مانگنے کو بھی سنیں گے اور دل سے پناہ مانگنے کو بھی جانیں گے اور پھر تم کو پناہ دیں گے اور مدد کریں گے اور شیطان کو دفع کر دیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے پورے پورے آداب اور مکملات دعوت الی اللہ کے اور اس کے طریقے سب بتلا دیئے۔ (انتہیٰ کلامہٗ)

اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر تبرکاً اور تلذذاً یہ تمام کلمات وعظ الدعوت الی اللہ از ص ۴۶ تا ص ۴۸ سے نقل کیے گئے ہیں حضرات قارئین اصل کی مراجعت فرمالیں۔

---

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا

اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی، پھر جب اُتارا ہم نے اس پر

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ

پانی، تازی ہوئی اور اُبھری۔ بے شک جس نے اس کو جلایا، وہ جلا دے گا مردے، وہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ

سب چیز کر سکتا ہے۔ جو لوگ ٹیڑھے دھنستے ہیں ہماری باتوں میں ہم سے چھپے

عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ

نہیں۔ بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں، بہتر یا ایک جو آوے گا بچ کر اس سے دن قیامت کے،

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

کرتے جاؤ جو چاہو، بیشک جو کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔ جو لوگ منکر ہوئے

بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ

سمجھوتی سے، جب ان کے پاس آئی۔ اور یہ کتاب ہے نادر۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہیں

مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ ﴿۴۲﴾

آگے سے نہ پیچھے سے۔ اُتاری ہے حکمتوں والے سب خوبیوں سراہے کی۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدۡ قِيۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ

تجھ سے وہی کہتے ہیں، جو کہہ دیا ہے سب رسولوں سے تجھ سے پہلے۔ تیرے رب کے ہاں

مَغۡفِرَةٍ وَّذُوۡ عِقَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا لَّقَالُوۡا

معافی بھی ہے، اور سزا بھی ہے دکھ والی۔ اور اگر ہم اس کو کرتے قرآن اُوپری زبان کا، تو کہتے اس کی باتیں

لَوۡلَا فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعۡجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ ؕ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

کیوں نہ کھولی گئیں۔ اوپری زبان اور عرب کا آدمی تو کہہ یہ ایمان والوں کو

هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ

سوجھ ہے، اور روگ کا دفع۔ اور جو یقین نہیں لاتے، ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ

ع ۵ ۱۲ ۱۹ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۴۴﴾ ع وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا

ان کو اندھاپا ان کو پکار یہی ہے دُور کی جگہ سے۔ اور ہم نے دی تھی

مُوۡسَى الۡكِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِيۡهِ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ

موسیٰ کو کتاب، پھر اس میں پھوٹ پڑی۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے نکل چکی تیرے رب سے، تو ان میں فیصلہ

بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّهُمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۴۵﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا

ہو جاتا۔ اور وہ دھوکے میں ہیں اس سے جو چین نہیں دیتا۔ جس نے کی بھلائی

فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۴۶﴾

سو اپنے واسطے، اور جس نے کی برائی وہ بھی اسی پر۔ اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر۔

# بیان دلائل قدرت وتنبیہ وتہدید برائے ملحدین درآیات واحکام خداوندی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ . . . الیٰ . . . وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۴۶﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں دعوت الی اللہ کے مضمون کے ضمن میں معاندین کے مقابلہ اوران کی رکاوٹوں کا ذکر تھا۔اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ اپنی قدرت کی ایسی نشانیاں ذکر فرمارہے ہیں جن کو تصور کر کے داعی الی اللہ کو کسی بھی مرحلہ پر مایوس نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ طبعی طور سے یہ ممکن ہے کہ داعی الی اللہ مخاطبین کی بے بسی غفلت عناداور بغاوت کا رنگ دیکھ کر مایوس ہوجائے تو اس کو یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت کی یہ نشانیاں دیکھنی چاہیے کہ زمین بنجر ہوچکنے کے بعد بارش کے پانی سے زندہ ہوجاتی ہے اور ایسی خشک اور بے آب وگیاہ زمین بارش برسنے کے بعد بسا اوقات سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے سبزہ اور پھلواریاں اس میں لہلہانے لگتی ہیں تو اسی طرح یہ بہت ممکن ہے جو مخاطبین آج تک وعظ ونصیحت کا اثر نہیں قبول کررہے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت وحی الٰہی جو قلوب کے لیے حیات وشادابی کا سامان ہے سے اپنے قلوب کو شاداب بنالیں گے۔اس وجہ سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔اسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ایسے مجرمین جو اللہ کے دین میں تحریف کرتے ہیں۔ وہ خدا سے چھپے ہوئے نہیں ہیں اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی ذہنی کوفت اور اذیت آپ ﷺ کو پہنچے اس پر صبر کیجیے۔ یہ بات آج کوئی نئی بات نہیں۔انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوتا رہا ہے ایسے مجرمین کا جرم بیشک اس امر کا موجب ہے کہ وہ جلد ہی حق تعالیٰ کے عذاب اور قہر سے ہلاک کردیئے جائیں لیکن خدا کا یہ قانون طے ہوچکا ہے کہ ان کو مہلت دی جائے تاکہ دُنیا دیکھ لے کہ اللہ کا دین وہ سچا دین ہے کہ مخالفین کی عداوت سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تو ارشاد فرمایا:

اور اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے یہ بھی ایک عظیم نشانی ہے کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے زمین کو کہ دبی دبائی پڑی ہے۔ پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو لہلہانے لگی۔ اُبھرنے اور پھلنے پھولنے لگی۔ بیشک جس پروردگار نے اس خشک وبنجر زمین کو زندہ کیا۔ یقیناً وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے۔تو اسی طرح قیامت میں مردوں کو زندہ کرے گا اور قدرت کاملہ سے وہ دُنیا میں بھی مردہ قلوب کو حیات بخش کر ان کو ایمان ومعرفت اور تقویٰ وطاعت کی شادابی سے سرسبز وشاداب بنا سکتا ہے۔حق تعالیٰ شانہٗ کے یہ دلائل قدرت یقیناً ایسے واضح ہیں کہ ان کو سُن کر ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اس کی طاعت وبندگی کے لیے سرنگوں ہوجائے لیکن حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ پھر بھی بہت سے لوگ اللہ کی آیات میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ سو ایسے ملحدین کو سُن لینا چاہیے کہ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم ان کو خوب دیکھ رہے ہیں اور ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہیں تو بھلا یہ بتاؤ جو شخص آگ میں ڈالا جائے جیسا کہ ان مکذبین ومجرمین کو ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز نہایت ہی امن وسکون کی حالت میں آئے۔ یہ ہے قانون خداوندی اور اس کا فیصلہ لہٰذا کرلو جو جی چاہے۔ بے شک جو کچھ تم کررہے ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ ایسے مجرمین کس طرح اللہ کی باتوں اس کی نشانیوں اور احکام میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ اور آیات اللہ کا مطلب اپنی خواہشات کے مطابق گھڑ لیتے ہیں تو بلاشبہ ایسے سرکش وباغی اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے جہاں ان کا بہت بُرا حشر ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص اور وہ سلیم الفطرت انسان جو اپنی سلامتی اور فطرت سے اللہ کی باتوں کو سُنے، مانے اور ان پر عمل کرے۔ یقیناً برابر نہیں ہوسکتے۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کے پیغام نصیحت کا انکار کیا جب کہ ان کے

پاس وہ پہنچ چکا۔ وہ درحقیقت اپنی کج روی۔ عناد اور حق کے ساتھ بغاوت ہی کی وجہ سے انکار و روگردانی کرتے ہیں۔ خود پیغام خداوندی میں کسی طرح کی بھی کوئی کمی نہیں وہ تو یقیناً ایک بہت ہی باوقعت بلند پایہ کتاب ہے کہ ہرگز نہیں آسکتا ہے کوئی باطل اس تک نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس پروردگار کی طرف سے جو بڑی حکمتوں والا نہایت پسندیدہ قابل تعریف ہے۔ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے ایسی بلند پایہ حکمتوں سے لبریز کتاب پر بھی اگر یہ بدنصیب ایمان نہ لائیں تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ اس پر غم نہ کیجیے اور نہ مایوس ہوں ان منکرین کی طرف سے نہیں کہی جارہی ہیں یہ باتیں آپ ﷺ کو مگر وہی جو آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کو کہی گئیں تو جس طرح انہوں نے ان باتوں کو برداشت کیا آپ ﷺ بھی برداشت کریں اور اس امر سے بھی تسلی حاصل کیجیے کہ بے شک آپ ﷺ کا رب بڑی مغفرت فرمانے والا ہے۔ اگر کوئی شخص بغاوت و سرکشی سے باز آجائے اور بہت ہی دردناک سزا والا ہے۔ * اگر کوئی باز نہ آئے تو آپ ﷺ کو پریشان و غمگین نہ ہونا چاہیے مطیعین و فرمانبرداروں کے واسطے رحمت و مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور مجرمین، نافرمانوں کے واسطے سزا اور عذاب کی کوئی کمی نہیں۔ اور رہی یہ بات ان معترضین و مخالفین کی کہ قرآن کا کچھ حصہ عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا تو اگر ہم اس قرآن کی عجمی بناتے اور اس کے کچھ حصے یا کل کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو پھر یہ لوگ یوں کہتے کیوں نہیں صاف صاف بیان کی گئیں اس کی آیتیں۔ ہم تو عربی ہیں۔ اب عجمی زبان کیوں کر سمجھیں اور یوں کہتے کیا عجیب بات ہے یہ قرآن عجمی ہے۔ اور رسول عربی ہے آپ کہہ دیجیے اے ہمارے پیغمبر ﷺ یہ قرآن تو یقین کرنے والوں کے واسطے، ہر نیک کام اور سعادت و فلاح کے لیے اور شفا ہے۔ ان تمام بیماریوں کے لیے جو بُرے کاموں سے دلوں میں پیدا ہو جائیں جو لوگ اس کے باوجود بھی اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے ہیں تو درحقیقت ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے جس کی وجہ سے کوئی نصیحت و حکمت کی بات سننے ہی پر قادر نہیں اور وہ ان کے تدبر اور توجہ نہ ہونے کی وجہ سے چھپا ہوا ہے۔ عناد و تعصب نے ان کی آنکھیں چندھیا دی ہیں۔ جس کی وجہ سے انہیں قرآنی حقائق اور معارف نظر نہیں آرہے ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی خفاش کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے تو یہ لوگ گویا پکارے جارہے ہیں کسی دور جگہ سے کہ آواز اگر سنائی بھی دے تو سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کیا کہا جارہا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کے مضامین اس کے حقائق اور پیغام نصیحت سمجھنے سے قاصر و محروم ہیں اور یہ بات اور کفار مکہ کی روش کوئی نئی اور عجیب بات نہیں اللہ کے رسولوں کے ساتھ منکرین ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہیں مانا کسی نے کج روی اختیار کی اور کسی نے سلامتی طبع کا ثبوت دیا۔ تو آپ ﷺ کو ان کفار قریش کی ایسی روش پر مغموم نہ ہونا چاہیے اور اگر ایک بات آپ ﷺ کے رب کی طرف سے طے نہ چکی ہوتی اور وہ یہ کہ دُنیا میں ان کو مہلت دینا ہے اور آخرت کا عذاب ان پر دائمی مسلط کیا جائے تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور عذاب سے ہلاک کر دیئے جاتے اور یہ لوگ تو بیشک اس عذاب کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے اللہ نے تو بس یہ قانون طے کر دیا ہے کہ جو شخص نیک کام کرے تو وہ اسی کے فائدے کے لیے ہے اور جو کوئی شخص بُرا کام کرے اس کا وبال اسی پر ہے اور اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ کا پروردگار تو ذرہ برابر بھی بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ وہ کسی کی نیکی اور طاعت کو ضائع کر دے یا کسی کو بلا جرم اور معصیت کے عذاب

---

* سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کی مغفرت اور درگذر نہ ہوتا کسی کی زندگی خوشگوار نہ رہتی۔ اور اگر اس کی وعید و عقاب نہ ہوتا تو ہر شخص بے خوف ہو جاتا۔

میں ڈال دے۔عدل وانصاف سے ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جس کا وہ مستحق ہو۔

## الحاد فی الدین اور تحریف

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا﴾ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان آیات میں ملحدین پر بڑی ہی شدید وعید اور تنبیہ بیان فرمائی ہے۔ نافرمانی کے متعدد مراتب ہیں ایک درجہ کفر کا ہے کہ اللہ ہی پر ایمان نہ لائے۔ قیامت کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا انکار کرے۔ ایک درجہ یہ ہے کہ ایمان لا کر احکام خداوندی کی تعمیل نہ کرے نہ فرائض ادا کرتا ہو اور نہ معاصی سے اجتناب کرتا ہو۔ ایک درجہ یہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو اپنی اغراض کے مطابق بنانے کے لیے اس کے کلام کو اصل مفہوم اور مقصد سے پھیر کر اپنے مقصد پر منطبق کرتا ہو تو اس تیسری نوع کی نافرمانی اور مخالفت کو الحاد کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا الالحاد۔ وضع الکلام علی غیر مواضعہ یعنی کلام کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر دوسرے کسی مقصد پر منطبق کرنا۔ اور اس کے مفہوم کو بدل دینا۔ اسی کو تحریف بھی کہا جاتا ہے۔

الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے مراد بدل دینا تحریف معنوی ہے۔ اسی کا نام بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ تاویل فاسد بھی ہے۔

اہلِ کتاب اور یہود کے قرآن کریم نے منجملہ دیگر عیوب کے یہ بھی ایک عظیم عیب فرمایا ہے: ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾ (المائدہ: ۱۳) یہود تحریف لفظی کے ساتھ تحریف معنوی کے بھی مرتکب ہوتے تھے حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا کیونکہ خود ہی وعدہ فرمالیا جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر: ۹) آیت میں تو یہ امکان نہ رہا کہ قرآن کریم میں کوئی تحریف کر سکے۔ البتہ تحریف معنوی کرنے والے ملحدین ہو سکتے تھے کہ قرآن کریم کے مضامین اور معانی میں تحریف کریں۔ چنانچہ ایسا ہوا اور محرفین وملحدین نے اس طرح کی تحریفات کا ارتکاب کیا تو ان پر بطور وعید فرمایا گیا کہ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

منکرین حدیث اور زائغین بہت سی آیات واحکام میں یہی روش اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً: اقامت الصلوٰۃ کا مفہوم محض اللہ کی یاد ایتاء زکوٰۃ سے مراد پاکی اور اخلاقی عظمتوں کا حصول وغیرہ وغیرہ۔ اسی چیز کو آئمہ مفسرین تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن النقیب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کلام نقل کیا ہے جس میں انہوں نے تفسیر بالرائے کی صورتوں کو واضح فرمایا ہے۔

جملة ما تحصل فی معنی حدیث التفسیر بالرّائے خمسة اقوال احدها التفسیر من غیر حصول العلوم الّتی تجوز معها التفسیر۔ والثانی تفسیر المتشابه الّذی لاَ یعلم اِلاّ الله الثّالث التفسیر للمذهب الفاسد بان یجعل المذهب اصلا والتفسیر تابع فیرد الیه بای طریق امکن وان کان ضعیفَةً الرّابع التفسیر ان مراد الله کذا علی القطع من غیر دلیل۔ الخامس التفسیر بالاستحسان للهویٰ .... الخ

"کہ حدیث تفسیر بالرائے کی شرح میں مجموعی طور پر جو اقوال حاصل اور مفہوم ہوتے ہیں وہ پانچ ہیں۔ **ایک** یہ کہ تفسیر بالرائے یہ ہے کہ انسان ان علوم کو حاصل کیے بغیر تفسیر قرآن کرے۔ جن کے حاصل کیے بغیر تفسیر کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ اور **دوسرے** ان متشابہات کی تفسیر اور بحث اور تمحیص جن کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ **تیسرے** یہ کہ مذہب فاسد اور باطل کی حمایت کے لیے تفسیر کرے جس کی صورت یہ ہو کہ اپنے اس مسلک اور مذہب کو اصل قرار دے پھر آیت قرآن کی تفسیر کو اس مذہب اور

مسلک کی طرف پھیرے اور اس پر منطبق کرے۔ جہاں تک بھی اس کو قدرت و امکان ہو اگرچہ ایسی تاویلات بعیدہ اختیار کرنے کے لیے سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ **چوتھے** یہ کہ بلا کسی ثبوت اور سند (اپنی رائے سے) یہ دعویٰ کرے کہ بس اللہ کی مراد یہی ہے۔ **پانچویں** صورت یہ کہ اپنی پسندیدہ خواہشات کے مطابق تاویل کرے اور ان ہی کی طرف آیات قرآنی کو پھیرے۔ (اور ان پر منطبق کرے)۔ یہی وہ چیز ہے جس کو خداوند عالم نے قرآن کریم میں بھی واضح فرما دیا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾ (الاسراء)

"اور اے مخاطب مت درپے ہو تو اس چیز کے جس کا تجھے کوئی علم نہیں بے شک انسان کے کان اور نگاہ اور دل یہ سب کے سب قیامت کے روز باز پُرس کیے جائیں گے۔"

اور اسی طرح فرمایا گیا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝﴾ (الحج)

"اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جدال و خصومت کرتے ہیں بغیر کسی علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے۔ جھکائے ہوئے ہے اپنے بازو (تکبر و غرور سے) تا کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے گمراہ کر دے ایسے شخص کے لیے دُنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور قیامت میں ہم اس کو جلتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

اللہ کے ساتھ اور اس کے بارے میں جدال و خصومت یہی ہے کہ اللہ کی طرف ایسے امور کی نسبت کرے جو اس کی منشاء اور اس کے دین کے خلاف ہیں اور جن کو وہ پسند نہیں فرماتا گویا یہ روشن نظری اور فکری اعتبار سے اللہ رب العزت سے مقابلہ اور خصومت کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ خصومت و جدال کرنے والا انسان اپنا رخ حق سے پھیر کر باطل کی طرف مائل کرنے والا ہوتا ہے۔ تو بالکل اس کی یہی تصویر ہوتی ہے اپنے بازو پھیرے ہوئے غرور تکبر سے جس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکائے ایسے ہی ظالموں اور خواہشات نفسانیہ کو اپنی معبود بنا لینے والوں کے لیے یہ وعید نازل ہوئی ہے۔

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (القصص)

"اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے اللہ ایسے ظالموں کی رہبری نہیں کرتا۔"

علامہ نظام الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ دیانت اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ہرگز ایسی کوئی تاویل اختیار نہ کی جائے جن سے ان حقائق کا ابطال ہوتا ہو جن کی تفسیر و تشریح اور تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہ اور سلف صالحین نے کی جیسے معاد جسمانی، حشر و نشر، جنت و جہنم، صراط، میزانِ اعمال، نعماء جنت، حور و قصور، انہار و اشجار وغیرہ بلکہ لازم اور ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں کو انہی کیفیات، اور احوال کے ساتھ مانا جائے۔ جن احوال و کیفیات سے یہ چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان حقائق کو برقرار رکھتے ہوئے دوسرے بعض لطائف و اسرار اور رموز کی طرف اشارہ کر دیا جائے جو ان ہی حقائق و رموز سے ماخوذ و مستنبط ہوں جن کو شارع علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اسی نوع کے جو رموز و لطائف حضرات عارفین اور صوفیاء کی تفاسیر میں منقول ہوئے ہیں۔ وہ محض ایک تمثیل و تشبیہ اور اشارہ کا درجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کائنات میں جو

حقائق خارج اور نفس الامر (یعنی عالم صورت) میں پیدا فرمائی ہیں ان کی کوئی نہ کوئی مثال اور نظیر عالم معنی میں ہوتی ہے۔ (انتہیٰ کلامہٗ)

بلکہ عالم معنی میں تو انسان کے اعمال وافعال کی بھی مثالی صورتیں ہوتی ہیں جس کا قرینہ وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ مرد صالح اور مؤمن کے سامنے اس کی قبر میں سوال وجواب کے بعد ایک حسین وجمیل شکل ظاہر ہوگی تو یہ شخص پوچھے گا تو کون ہے تیرا چہرہ تو خیر کی مخبری کر رہا ہے وہ شکل جواب دے گی انا عملك الصّالح کہ میں تو تیرا عمل صالح ہوں۔ اور فاجر وبدکار شخص کے سامنے ایک شکل ظاہر ہوگی جو نہایت ہی قبیح اور ہیبت ناک ہوگی جس کو دیکھ کر یہ کافر وفاجر آدمی دریافت کرے گا تو جواب دیا جائے گا۔ انا عملك الخبیث کہ میں تیرا عمل خبیث ہوں۔ غرض قبر میں ظاہر ہونے والی یہ حسین وجمیل شکل اور قبیح وہیبت ناک صورت اعمال کی صورتیں ہوں گی۔

بہر کیف تفسیر بالرائے کی ان پانچ صورتوں کے علاوہ ایک شکل یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ایسے معنی بیان کرنا جس سے ان حقائق کا ابطال اور رد لازم آتا ہو جن کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا اور شریعت نے اس کو متعین کیا۔

یہ شکل بھی تفسیر بالرائے کے ساتھ ملحق ہے کہ کسی آیت کے کوئی ایسے جدید معنی اختراع اور ایجاد کیے جائیں جس کی طرف نہ تو آنحضرت ﷺ نے کوئی اشارہ فرمایا ہو اور نہ ہی صحابہ وسلف صالحین اور آئمہ متقدمین میں سے کسی کا ذہن اس عجیب وغریب معنی کی طرف متوجہ ہوا ہو تو یہ تفسیر وتشریح بھی اصول شریعت کے لحاظ سے الحاد اور تحریف ہے، اس لیے کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ قرآن کے یہ معنی نہ آنحضرت ﷺ نے سمجھے اور نہ صحابہ اور آئمہ مفسرین نے جن کی زندگیاں ہی قرآن وحدیث کی خدمت میں گذریں، کیا وہ سبھی اس مفہوم کو نہ سمجھ سکے۔ اور ناگہاں چودہ سو برس کے بعد یورپ کی یونیورسٹیوں سے تربیت پا کر آنے والوں پر یہ معنی اور عجیب وغریب حقائق منکشف ہونے لگے اور یہ لوگ نہایت ہی بے باکی کے ساتھ پیغمبر خدا اور صحابہ وآئمہ اور علماء اسلام کے مدمقابل ان کی تعلیمات کو مٹانے اور مسخ کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جن حقائق کو قرآن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ثابت کیا ان کے رد کرنے کے لیے کبھی سائنس اور فلسفہ کا سہارا لے رہے ہیں کبھی ادیبانہ عبارتوں سے نہایت عیاری اور چالاکی سے عامۃ المسلمین کے ذہنوں کو پراگندہ اور مرعوب کر رہے ہیں۔

بہر کیف تمام اُمت کا اس پر اجماع ہے اور شریعت کے اصول سے یہ بات طے شدہ ہے کہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور آئمہ مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قرآن کریم اور آیت کلام اللہ کی جو تفسیر متفق علیہ ہے اس سے خروج اور عدول بلاشبہ ضلالت اور گمراہی ہے کچھ نئے تعلیم یافتہ لوگ ان جدت طرازیوں کو کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کمال نہیں بلکہ یہ تو ضلال ہے۔

فقہاء اور متکلمین ایسے ملحد اور تفسیر بالرائے کرنے والے کو زندیق ہی کہتے ہیں اور زندیق کے معنی یہ بیان کیے گئے کہ جو شخص اسلام اور شریعت کے الفاظ بولتا ہو مگر مراد اسلام اور شریعت کے خلاف لیتا ہو تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں زندیق کہتے ہیں۔

خداوند عالم سب مسلمانوں کو قرآن کریم اسی طرح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح کے اس کے رسول ﷺ نے سمجھایا اور اس پر عمل کی توفیق سے ہمارے قلوب کا تزکیہ اور تطہیر فرمائے جس کے لیے آنحضرت ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔

آمین یارب العالمین

الحمد للہ چوبیسویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا

اسی کی طرف حوالہ ہے خبر قیامت کی۔ اور کوئی میوے نہیں جو نکلتے ہیں اپنے غلاف سے

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

اور گابھ نہیں رہتا کسی مادہ کو، اور نہ وہ جنے جس کی اُس کو خبر نہیں۔ اور جس دن اُن کو پکارے گا

اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ

کہاں ہیں میرے شریک؟ بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا، ہم میں کوئی نہیں اقرار کرتا۔ اور چوک گیا ان سے

مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ

جو پکارتے تھے پہلے۔ اور اٹکلے کہ ان کو نہیں کہیں خلاصی۔ نہیں تھکتا

الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾

آدمی مانگنے سے بھلائی، اور اگر لگ جاوے اس کو برائی تو آس توڑے نااُمید ہو کر۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا

اور اگر ہم چکھادیں اس کو کچھ اپنی مہر، پیچھے ایک تکلیف کے جو اس کو لگی تھی تو کہنے لگے گا یہ ہے

لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ

میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا قیامت اٹھنی ہے۔ اگر میں پھر گیا اپنے رب کی طرف، بیشک مجھ کو ہے

عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ

اس کے پاس خوبی۔ سو ہم جتاویں گے منکروں کو جو انہوں نے کیا ہے۔ اور چکھادیں گے ان کو

مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ

ایک گاڑھی مار۔ اور جب ہم نعمت بھیجیں انسان پر، ٹلا جاوے اور موڑلے اپنی کروٹ۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ

اور جب لگے اس کو برائی تو دعائیں کرے چوڑی۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو! اگر یہ ہو

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ

اللہ کے پاس سے، پھر تم نے اس کو نہ مانا، اس سے بہکا کون؟ جو دور چلتا جاوے

بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ

مخالف ہو کر۔ اب ہم دکھادیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں، اور آپ ان کی جان میں، جب تک کہ کھل جاوے

لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

ان پر، کہ یہ ٹھیک ہے۔ کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ! سُنتا ہے۔

ع ۶ ۱۰ ۱ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے۔ سُنتا ہے! وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو۔

## احاطۂ علم خداوندی وبیان ذلّت وناکامی مجرمین درروز قیامت مع تجہیل وتحمیق اہل ضلال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ ... اِلٰى ... اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں منکرین توحید ورسالت اور قرآن کریم میں طعن واعتراض کرنے والوں کا ذکر تھا اور ان پر وعید وتنبیہ تھی۔ اب ان آیات میں مجموعی طور پر ان کی تحمیق وتجہیل کی جارہی ہے اور یہ کہ اللہ ربّ العزت سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اسی ذیل میں مشرکین مکہ قیامت کے بارے میں تمسخر اور انکار کے رنگ میں جو دریافت کرتے تھے کہ وہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا بھی جواب دیا گیا کہ اس کا علم خدا ہی کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے وہی جانتا ہے کہ کب آئے گی تو فرمایا اسی پروردگار کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے قیامت کا علم۔ بس اسی خالق کو قیامت کے وقوع کا علم ہے مخلوق کو اس کا کوئی علم نہیں اور ظاہر ہے کہ اگر مخلوق کو قیامت کے آنے کا علم نہ ہو تو اس سے یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ قیامت آنے والی نہیں ہے جیسا کہ یہ منکرین استدلال کرتے ہیں۔ اور قیامت تو کیا ہر چیز کا علم اللہ ہی کو ہے تمام کائنات اسی کے احاطۂ علم میں گھری ہوئی ہے حتی کہ وہی پروردگار جانتا ہے جو پھل اپنے خوشوں اور گچھوں سے نکلتے ہیں۔ اور اس حمل کو جو کوئی عورت اٹھائے ہوئے ہو۔ اور نہ ہی کوئی عورت بچہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے کہ کیا ہوگا کیسا ہوگا کب ہوگا غرض یہ سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہوتا ہے اور قیامت تو وہ دن ہوگا کہ اس میں پروردگار پکارے گا ان مشرکین کو اور کہے گا کہاں ہے وہ میرے شریک جن کو تم نے میری عبادت اور الوہیت میں شریک ٹھہرایا تھا اب ان کو لاؤ تا کہ وہ اس مصیبت و پریشانی سے تم کو نجات دلا دیں۔ جواب دیں گے۔ اے پروردگار! ہم تو آپ سے یہی کہتے ہیں کہ اب ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے یا دعویٰ کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اب سب حقائق روشن ہو گئے

اور وہ تمام معبودان سے غائب ہوں گے جن کو یہ پہلے پکارا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ سمجھیں گے کہ اب ان کے واسطے کوئی بچاؤ نہیں ہے۔ ایسا انسان جس کے دل میں نہ ایمان ہو اور نہ اعتقاد توحید مال کی خواہش اور طلب سے کبھی نہیں تھکتا بلکہ حرص میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور یہ بات کفر و معصیت کے آثار لازمہ میں سے ہے جو انسانی طبیعت پر بہر کیف مرتب ہو کر رہتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی اخلاقی خرابی اور گندگی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو نا اُمید و بدحواس ہو جاتا ہے۔ غرض مال کا لالچ۔ اخلاق خرابیوں میں مبتلا۔ اپنے رب سے بدگمان۔ یہ ہیں وہ آثار خبیثہ جو کفر و شرک پر مرتب ہو کر رہتے ہیں اور انہی آثار خبیثہ میں سے یہ بھی ہے اگر ہم ایسے انسان کو کسی مہربانی کا مزہ چکھا دیں بعد کسی مصیبت کے کہ جو اس کو پہنچی تھی۔ تو یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا حق ہی ہے۔ مجھ کو یہ ملنا ہی چاہیے تھا۔ کیونکہ میں تو بہت لائق اور باکمال ہوں میں نے تو اپنی قابلیت سے ایسی ہی تدابیر اختیار کی تھیں تو میری حسن تدبیر کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے تھا۔ اور پھر اپنی اس خود فریبی میں مبتلا غرور و مستی کی حالت میں یوں کہتا ہے اور میں تو نہیں سمجھتا کہ روز قیامت آنے والا ہے اور اگر مجھ کو میرے رب کی طرف لوٹا بھی دیا گیا تو اس کے پاس میرے واسطے بہت ہی بہترین حالت ہوگی یہ بیہودہ لوگ اپنے مونہوں سے اب اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھو یقیناً ہم ان منکروں کو خوب بتا دیں گے۔ ان کے وہ تمام کام جو انہوں نے کیے اور ضرور بالضرور ہم ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور ایسے انسان کی یہ بھی ایک عجیب فطرت ہے کہ ہم جب اس پر انعام فرماتے ہیں تو وہ بے رخی کرتا ہے اور اپنا پہلو بچانے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ نعمتوں میں منعم سے منہ موڑ لینا انتہائی کمینہ پن ہے۔ اور پھر جب اس کو تکلیف پہنچے تو لمبی چوڑی دعاؤں والا ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی غایت بے صبری، دنیا میں انہماک اور حُب مال حرص اور نفس کی خواہشات میں مبتلا ہونے میں بدترین آثار ہیں جو اللہ کی نافرمانی اور کفر و شرک کے باعث انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان حقائق اور کفر و شرک کے مفاسد۔ بیان کرتے ہوئے ان منکرین سے نہایت ہی نرمی اور تلطُّف کے انداز میں آپ ﷺ کہہ دیجیے اگر یہ قرآن جس کا کلام الٰہی ہونا اس کی معجزانہ شان علوم الٰہیہ اور حکمتوں سے لبریز ہونے آخرت اور غیب کی خبروں پر مشتمل ہونے کے باعث اظہر من الشمس ہے ایسی صورت میں کہ تم اس پر ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ میں کہتا ہوں عقل اور فطرت کے لحاظ سے سوچو اور اس پر غور کر کے جواب دو کہ اگر یہ قرآن جیسا کہ حقیقت ہے۔ اللہ کی طرف سے ہو اور پھر بھی تم اس کا انکار کرو تو بھلا بتاؤ اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو انتہائی مخالفت میں پڑا ہوا ہے حق کے قبول کرنے سے سوچو اور عقل سے کام لو تا کہ حق واضح ہو جائے۔ اور قبول حق میں طبعاً کوئی تامل نہ ہو تو ہم اس مقصد کے لیے عنقریب ان کو دکھا دیں گے۔ اپنی قدرت کی نشانیاں آفاق عالم میں یا ان کی اطراف و اکناف میں اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان کے سامنے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ قرآن حق ہی ہے اور یہ مجبور ہو جائیں گے کہ اس کی حقانیت کو دل سے مانیں گو عناد کی وجہ سے انکار کرتے رہے۔ چنانچہ ان کے قرب و جوار میں ظاہر کیے جانے والے دلائل میں غزوۂ بدر اور اس میں مسلمانوں کی فتح و کامیابی تھی۔ حالانکہ اس بے سروسامانی میں ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں فتح حاصل ہو جائے گی۔ اور خود ان کی ذات اور وجود میں ایسے بے شمار دلائل موجود ہیں جن کے باعث ان کو ایمان لانے اور قرآن کریم کی حقانیت تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔ تو کیا یہ بات آپ ﷺ کے رب کو ثبوت اور شہادت کے درجے میں کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا اور جانتا ہے اور ایسے علیم و خبیر سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے اور اس رب کی شہادت میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی ہے اور اللہ کا گواہ ہونا بہت بڑی بات ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ عقلاً ایسے دلائل و شواہد کے

بعد چاہیے تو یہ تھا کہ منکرین آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے اور جو کچھ آپ ﷺ قیامت کے متعلق کہتے ہیں۔ اس کو مانتے لیکن خبردار ہو جاؤ یہ لوگ تو شک وتردّد ہی میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار سے قیامت کے روز ملاقات کرنے سے یادرکھو وہ پروردگار تو ہر چیز کا پورا پورا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

کائنات کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ ہر شخص کے اعمال واحوال بھی اس کے احاطۂ علم میں گھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا قیامت کے روز ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ اور جب کہ ہر چیز اس کے علم میں ہے تو اصل قیامت کے آنے کا علم بھی اسی کو ہے تو منکرین کا یہ سوال نہایت ہی لغو بات ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ بس اس کا علم اور جواب اسی رب کی طرف لوٹایا جائے گا جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ کی تفسیر میں حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ہم ایسے دلائل اور حجتیں قائم کریں گے جن سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ قرآن اللہ کا کلام مُنَزَّل ہے جو اس کے رسول پر اُتارا گیا جن میں سے بعض دلائل تو خارجیہ ہوں گے جو عالم کے کناروں یا کفار قریش کے قرب وجوار میں ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ فتوحات، اسلام کی اشاعت اور تمام ادیان ومذاہب پر اس کے غلبہ نے اس حقیقت کو ظاہر اور ثابت کر دیا اور ﴿فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ﴾ سے انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی میں قدرت خداوندی کے عجیب نمونے اور اس کے احوال مختلفہ مراد ہیں۔

## دلائل آفاق وانفس

آیت مبارکہ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس امر کو واضح کرتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی خالقیت وقدرت اور وحدانیت نیز اثبات قیامت اور آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کے دلائل دو قسم کے ہیں ایک قسم دلائل کی متکلمین کے یہاں دلائل انفس کہلاتی ہے اور دوسری قسم دلائل آفاق۔ حضرات آئمہ متکلمین ان دونوں قسموں کی تفصیل وتحقیق فرماتے ہیں۔ ان تفصیلات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً یہ سمجھ لیا جائے کہ دلائل انفس سے مراد انسانی زندگی اور اس کے جملہ احوال وکیفیات ہیں کہ انسان جب بھی اپنی ذات وصفات اور وہ تمام عوارض وکیفیات جو اس پر واقع ہوتی ہیں غور کرے تو اس کو اس بات پر یقین کرنا پڑے گا کہ ضرور اس کا کوئی خالق ہے اور وہ واحد ویکتا ہے وہی اس کا رب ہے جس کی عظمت وکبریائی کی کوئی حد نہیں۔ دلائل انفس کے تتبع اور تلاش کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے انسانی فکر کو دعوت دی اور فرمایا ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات:۲۱) یعنی اے انسانو! خود تمہارے نفسوں میں بہت نشانیاں ہیں (جن کے ذریعے تم اپنے رب کو پہچان سکتے ہو)۔ تو کیا پھر بھی تم نہیں دیکھتے ہو۔

انسانی ہستی حق تعالیٰ کی خالقیت اور کمالِ قدرت کی ایسی زندہ دلیل ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اس دلیل کے معارضہ اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ انسان ابتداء میں معدوم محض تھا اس کو نہ کسی قسم کا حسی وجود حاصل تھا۔ اور نہ عقلی وجود۔ خدا ہی نے اس کو وجود کا خلعت عطا کیا۔ اس مضمون پر قرآن کریم کی سینکڑوں آیات مشتمل ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں کتاب منازل العرفان فی علوم القرآن از ص ۴۴۹ تا ص ۴۹۰)

## حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ حجۃ الاسلام میں فرماتے ہیں: کون شخص ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے۔ اور عنقریب پھر وہی ایک زمانہ آنے والا ہے کہ ہم اس پردۂ عدم میں جا چھپیں گے۔ ہمارو جود دو عدموں میں اس طرح گھرا ہوا ہے جس طرح نورِ زمین شب گزشتہ اور شب آئندہ کی دو ظلمتوں میں محصور ہے زمین پر نور کی یہ آمد و رفت بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ یہ نور زمین کا ذاتی نہیں ہے بلکہ مستعار اور عطاءِ غیر ہے۔ کیونکہ اگر یہ نور زمین کا ذاتی ہوتا تو کبھی زائل نہ ہوتا پس اس طرح موت و حیات کی کشمکش اور وجود و عدم کی آمد و رفت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کائنات کا وجود ذاتی نہیں ہے۔ ورنہ عدم و زوال کو کبھی قبول نہ کرتا۔ بلکہ جس طرح زمین کی روشنی آفتاب کا فیض ہے اور پانی کی گرمی مثلاً آگ کا فیض ہے۔ اسی طرح ہمارا وجود بھی کسی ایسی ذات کا فیض اور عطیہ ہوگا کہ جس کا وجود اصلی اور خانہ زاد ہو اور وجود اس کی ذات کے لیے اس طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے لیے نور اور آگ کے لیے حرارت اور چار کے عدد کے لیے زوجیت اور تین کے لیے فردیت لازم ہے یہ ناممکن ہے کہ آفتاب ہو اور نور نہ ہو آگ ہو اور حرارت نہ ہو اسی موجود اصلی ازلی اور دائمی کا نام اللہ تعالیٰ خدا اور واجب الوجود ہے یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن کریم کی اس آیت نے بخوبی واضح کر دیا۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۸﴾ (البقرہ)

"کیسے تم اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہو حالانکہ تم پہلے موجود نہ تھے، اسی خدا نے تم کو وجود و حیات عطا کی پھر وہی تم کو موت دے گا۔ پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

حکیم فرفوریوس کا مقالہ ہے کہ جو امور ہدایت عقل سے ثابت ہیں منجملہ ان کے ایک مسئلہ ثبوت صانع کا بھی ہے جتنے حق پسند حکماء گذرے ہیں۔ وہ سب اس مسئلہ کی بداہت کے قائل تھے اور جو لوگ ثبوت صانع کی بداہت کے قائل نہیں۔ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے یا ان کو حکماء کے زمرہ میں شمار کیا جائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتدا ہی سے معرفت خداوندی اور اس کی ربوبیت کی تخم ریزی نہ ہوتی اور انسانی حیات کا سب سے زیادہ اساسی اور جوہری عقدہ کا حل ناخنِ عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھولیاں میں پھنس کر صرف ایک نظری مسئلہ ہی بن کر رہ جاتا۔ جس پر سب کا تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے۔ جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کہ فکر و استدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوا کرتی ہیں۔ اس لیے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نور وحی و الہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی و بنیادی عقیدہ کی تعلیم سے بھی فطرۃً بہرہ ور اور مانوس بنا دیا۔ جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل لپٹی ہوئی تھی۔ اور جس کے بغیر مذہب کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی ازلی اور خدائی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہر قرن اور گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن معدودے افراد نے کسی عقلی اور روحانی بیماری کی وجہ سے عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی وہ انجام کار دُنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظروں میں بھی ذلیل اور اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے

بخار اور صفراء میں مبتلا مریض لذیذ وخوشگوار غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہر طبقہ اور درجے کے انسانوں کا خدا تعالیٰ کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق واجماع اس بات کی نہایت قوی اور واضح دلیل ہے کہ یہ عقیدہ افکار وعقول کی تگ ودو سے پہلے ہی خالق حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرما دیا گیا ہے۔ ورنہ فکر واستدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہونا ممکن نہ تھا۔ قرآن کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے ان آیات میں انسانی فطرت میں رچے ہوئے اس عقیدہ پر روشنی ڈالی۔ یہ صحیح ہے کہ ہم کو یہ یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں دی گئی۔ اور کس ماحول میں ہم اس عقیدہ سے مانوس ہوئے۔ لیکن جس کسی انشاء پرداز اور صاحب بیان انسان کو زمانۂ طفولیت میں طے ہونے والے ان تمام مراحل کا علم نہیں اور نہ ہی قوت حافظہ میں ان چیزوں کے نقوش مستحضر ہیں۔ تاہم وہ یقین کرتا ہے کہ ضرور کسی معلم نے اس کو ابتداء عمر میں یہ الفاظ بولنے سکھائے اور ان الفاظ کے لکھنے کی تربیت دی تب ہی تو یہ اس طرح رواں دواں بول رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا عقیدۂ ربوبیت الٰہی پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز ابتداء فطرت اور خلقت میں ضرور کسی معلم کے ذریعے ان تک پہنچی ہے۔ ❶

الغرض انسانی فطرت اور انسان میں ودیعت رکھے ہوئے عظیم ترین دلائل قدرت دلائل انفس ہیں۔ ان میں غور وفکر خود انسانی فطرت اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمالات ہی میں غور وفکر کرنا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر علامہ حسین جسر طرابلسی کا رسالہ حمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ وحقیقۃ الشریعۃ المحمدیہ۔ (منازل العرفان فی علوم القرآن تالیف ناچیز محمد مالک کاندھلوی)

خالق حقیقی کی حقیقت اور قدرت پر استدلال کے لیے دلائل کی دوسری قسم دلائل آفاق ہیں۔ دلائل آفاق سے مراد کائنات عالم آسمان وزمین اور ان کے درمیان جملہ موجودات ومخلوقات چاند سورج ستارے بحر وبر اور ان کے تہول میں مستور ومخفی عجائب ہیں ان مخلوقات اور ان کے عجائب احوال جو عقول انسانی کو حیرت میں ڈالنے والے ہیں ان سے استدلال کرنا۔ یہ دلائل آفاق سے استدلال کی دوسری نوع ہے، دُنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اور طبیعات کا ماہر بھی ان احوال کا مشاہدہ کر کے ان کا مادی اسباب وعلل پر محمول کرنے سے عاجز ہے۔ ان موجودات کے مشاہدہ اور ان میں پیدا ہونے والے تغیرات سے خالق پر ایمان لانا ہر عاقل کے لیے عقل کا قطعی فیصلہ معلوم ہوتا ہے اس موضوع پر بھی قرآن کریم نے بڑے بسط وتفصیل سے کلام کیا۔ اور خلق سماوات وارض کے دلائل سینکڑوں آیات میں ذکر فرما دیئے۔ (تفصیل کے لیے کتاب منازل العرفان فی علوم القرآن ملاحظہ فرمائیں)

﴿وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ میں ایسے نافرمان انسان کی کمینہ فطرت کا ذکر فرمایا گیا جو اپنے منعم کو پہچاننے کی بجائے اس سے بے رخی اختیار کرے اور بیگانہ بن جائے۔ حالانکہ انعام کا تقاضا ہے کہ منعم سے تعلق ہو۔ منعم کی فرمانبرداری کرے اور منعم کی ناراضگی کا خوف ہو۔ اور انعام کے یہ آثار حیوان پر بھی ظاہر ہوتے ہیں جو انسانی شعور اور احساس سے عاری ہوتا ہے انسان اگر ایسی روش اختیار کرے تو بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے انسان نے اپنا درجہ جانوروں سے بھی زیادہ نیچا کر لیا۔ اور لفظ ﴿فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ سے وہ دُعا مراد نہیں جو تضرع وزاری اور انابت الی اللہ کی صورت میں ہو بلکہ یہ دُعا اس کا جزع وفزع اور اللہ کی شکایت کرنا۔ بے صبری اور بے قراری

---

❶ از تحقیقات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

کا مظاہرہ ہے۔ بہر کیف ان الفاظ میں ایسے انسان کی غایت درجہ ونائت اور کمینہ پن بیان کیا گیا کہ انعامات کے حصول پر فخر وتکبر اور خدا سے بے نیازی بلکہ بغاوت کا رنگ اختیار کر لے۔ اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو بے صبری کے ساتھ رب العالمین کی بارگاہ میں شکوہ کرنے لگے تو جو شخص امن وعیش میں کفر اور کفران اور تکلیف میں بے صبری اختیار کرے۔ اس سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی انسان ذلیل وکمینہ ہوسکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کلمات میں ایسی مذموم خصلت سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ و فقنا لما تحب وترضی من القول والعمل واھدنا الیٰ سواء الصراط

اٰمین اٰمین یاربّ العٰلمین

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ حٰمٓ السجدۃ یوم الاثنین ۲۳ ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سُورۂ شوریٰ

سورۃ الشوریٰ مکیہ ہے اور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے جس کی ترپن آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ ابن عباس، جابر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے فرمایا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کو سورۂ حٰمٓ عٓسٓقٓ بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سورت میں بعض آئمہ مفسرین کے قول کے مطابق چار آیتیں ایسی ہیں جو مکہ مکرمہ میں نازل نہیں ہوئیں۔ ان کا نزول بعد الہجرت مدینہ منورہ میں ہوا وہ آیات ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ سے چوتھی آیت تک ہیں۔ بعض دیگر مفسرین جیسے مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے آیت ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى﴾ کو مستثنیٰ قرار دیا۔ کسی نے ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کو غیر مکیہ کہا۔ اس سورت کا مضمون سورۂ حٰمٓ السجدۃ کے مضمون سے مربوط ہے۔ کیونکہ اس میں بھی مضامین زیادہ تر اثبات رسالت وحی الٰہی اور عظمت قرآن کے بیان پر مشتمل ہیں اور اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار مکہ کی ایذاؤں اور ان کی بیہودہ روش پر رنج نہ فرمائیں۔

آیاتہا ۵۳ ۴۲ سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ ۶۲ رکوعاتہا ۵

سورۃ شوریٰ مکی ہے اور اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ۚ ① عٓسٓقٓ ② كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ

حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف، اور تجھ سے پہلوں کی طرف

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ هُوَ

اللہ زبردست حکمت والا۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہی ہے سب سے

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ

اوپر بڑا۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اوپر سے، اور فرشتے

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ

پاکی بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی، اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے، سُنتا ہے

اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ

وہی ہے معاف کرنے والا مہربان۔ اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس کے سوا رفیق

حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ

اللہ کو وہ یاد ہیں، اور تجھ پر نہیں ان کا ذمہ۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے

اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ يَوْمَ

تجھ پر قرآن عربی زبان کا، کہ تو ڈر سنادے بڑے گاؤں کو، اور آس پاس والوں کو اور خبر سنادے

الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ وَ لَوْ

جمع ہونے کے دن کی، اس میں دھوکا نہیں۔ ایک فرقہ بہشت میں، اور ایک فرقہ آگ میں۔ اور اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ

چاہتا اللہ، تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ پردہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی

رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸ اَمِ اتَّخَذُوْا

مہر میں۔ اور گنہگار جو ہیں ان کا کوئی نہیں رفیق نہ مددگار۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں

مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى

اس سے ورے کام بنانے والے؟ سو اللہ جو ہے وہی ہے کام بنانے والا اور وہی جلاتا ہے مردے۔ اور وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ ع ۲۱-۹-۲

ہر چیز کر سکتا ہے۔ اور جس بات میں چھوٹے ہو تم لوگ کوئی چیز ہو، اس کی چکوتی ہے

اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۱۰ فَاطِرُ

اللہ پر حوالہ۔ وہ اللہ ہے رب میرا، اسی پر مجھ کو بھروسہ، اور اسی کی طرف میری رجوع۔ بنا نکالنے والا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ

آسمان کا اور زمین کا۔ بنا دیئے تم ہی میں سے جوڑے، اور چوپایوں میں سے

اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

جوڑے۔ بکھیرتا ہے تم کو اسی طرح۔ نہیں اس کی طرح کا سا کوئی۔ اور وہی ہے سنتا

الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

دیکھتا۔ اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ پھیلا دیتا ہے روزی جس کو

يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲

چاہے، اور ماپ دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

# اثبات وحی الٰہی مع بیان عظمت رب کبریا ووعید بہ شرک ونافرمانی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ ... الیٰ ... اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۲﴾

**ربط:** گذشتہ سورت کے مضامین کا حاصل مخالفین کے اعتراضات کا رد اور ان پر توبیخ وتنبیہ تھا۔ اب اس سورت میں آنحضرت ﷺ کی رسالت اور وحی الٰہی کی عظمت کو ثابت کیا جارہا ہے۔ اور اسی کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔ اور مجرمین ومنکرین پر توبیخ ووعید بھی ہے کہ یہ اپنے افعال قبیحہ کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ ارشاد ہے:

حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ اللہ رب العزت ہی اس کی مراد خوب جاننے والا ہے۔ اصول دین اور احکامِ شریعت کی تعیین اور تحقیق کے لیے جیسے آپ ﷺ پر یہ سورت نازل کی جارہی ہے اسی طرح اے ہمارے پیغمبر! ہم آپ ﷺ پر وحی اتارتے ہیں اور ان پیغمبروں پر بھی جو آپ سے پہلے گذرے۔ یہ وحی اس خدا کی طرف سے ہے جو بڑی عزت والا زبردست حکمت والا ہے۔ اس پروردگار کی شان یہ ہے کہ اس کے واسطے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہی سب سے برتر اور بڑی عظیم شان والا ہے اس کی عظمت شان کو اگر کوئی منکر وکافر نہ جانے تو نہ جانے لیکن اس کی عظمت شان کی حقیقت تو یہ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ اس کی ہیبت وعظمت کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے [1] اور وہ فرشتے جو آسمانوں میں ہیں پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد وثناء کے ساتھ اور استغفار کرتے رہتے ہیں زمین والوں کے لیے کیونکہ اللہ کا حق عظمت ادا کرنے سے ہر شخص قاصر ہے خواہ وہ کتنا ہی عابد وزاہد اور مطیع وفرمانبردار ہو اور اس لحاظ سے بندہ اپنے رب کا حق نہ ادا کرسکے لامحالہ مستحق عقوبت ہے تو اس وجہ سے روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے فرشتے معافی مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار تیرے حق میں بندوں سے جو کچھ تقصیر وکوتاہی رہ گئی تو اس سے درگذر فرما۔ آگاہ ہو جاؤ اے لوگو! اللہ بڑا ہی مغفرت والا نہایت ہی مہربان ہے کہ اہل ایمان کی تقصیرات اور گناہوں سے درگذر فرماتے ہوئے اپنے انعامات ورحمتوں سے نوازتا ہے۔ اور کافروں کو بھی اس نے اپنی اسی شان غفوری ورحیمی سے یہ موقع دے دیا کہ جب بھی وہ کفر سے تائب ہوکر خدا کی بندگی کا رُخ کریں اور ایمان لائیں تو ان کو دھتکارا نہیں جاتا۔ اے نبی کریم ﷺ! آپ ایسے نافرمانوں کو دیکھ کر رنج نہ کریں ایسے لوگوں کی نافرمانی خدا کی شان عظمت میں کوئی کمی نہیں کرسکتی۔ اور جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود اور کارساز بنالیے ہیں۔ اللہ ان کو خوب دیکھ بھال کر رہا ہے جونہی اس کی حکمت کے لحاظ سے مناسب وقت ہوگا خدا ان کو سزا دے گا اور وہ نہ خدا کے علم سے چھپے ہوئے

---

[1] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ آسمانوں کا اوپر سے پھٹ پڑنا اللہ رب العزت کی عظمت اور ہیبت کے باعث بیان فرمایا گیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شاید اس وجہ سے کہ کفر اور شرک کو دیکھ کر آسمان وزمین کانپ جاتے ہیں جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝۹۰ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝۹۱﴾ جامع ترمذی کی روایت میں ہے: ((اطّت السّمآء وحق لها ان تئط مامن موضع منه اربعة اصابع الاوملك واضع جبهته ساجد الله)) یعنی آسمان کراہتا ہے ناقابل برداشت بوجھ کی وجہ سے اور ضروری ہے کہ وہ کراہے آسمان میں چار انگلی کے بقدر بھی کوئی ایسی جگہ خالی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے سامنے سجدہ میں نہ ہو تو عظمت خداوندی اور اس کی ہیبت وجلال سے آسمان قریب ہے کہ پھٹ پڑیں۔ اور شرک وکفر سے پھٹ پڑنے کے قریب ہونا بھی اللہ رب العزت کی عظمت ہی کے باعث ہے۔ لہٰذا ان دونوں توجیہوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ ۱۲

ہیں اور نہ خدا کی گرفت سے بچ سکتے ہیں۔ اور آپ ﷺ ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور نہ ہی آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ ﷺ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر دیں۔ اور ہم نے اسی طرح جیسا کہ یہ تمام احکام خداوندی آپؐ کے سامنے ہیں آپ ﷺ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے۔ قرآن عربی تا کہ آپ ﷺ ڈرائیں ﴿اُمَّ الْقُرٰی﴾ یعنی مکہ میں بسنے والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے اردگرد ہیں اور اس دن سے جو میدان حشر میں اوّلین و آخرین کے جمع ہونے کا ہے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جس میں بس یہی فیصلہ ہونا ہے کہ ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں [1] اور سب کچھ اللہ کی حکمت اور اس کی تقدیر سے ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور ان میں ایمان و کفر اور توحید و شرک کا فرق و اختلاف نہ ہوتا۔ لیکن یہ اللہ کی بے پایاں حکمتیں ہیں کہ وہ جس کو چاہتا ہے ایمان و ہدایت کے لیے اس کو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور جس کو چاہے اس کی بدنصیبی اور شقاوت کی وجہ سے محروم کر دے اور ایسے ظالموں کے واسطے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔ اور قیامت کے روز جو یوم الجمع ہے یہ ظالم بے سروسامانی اور بدحواسی کے عالم میں عذاب خداوندی میں ڈال دیئے جائیں گے۔ حق تعالیٰ کی عظمت کا پہچاننا چاہیے اور مشرکین و منکرین کو اس کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرنا چاہیے۔ آخر اس طرح کی بے خوفی اور جرات کس وجہ سے ہے؟ کیا انہوں نے خُدا کے علاوہ اپنے واسطے کچھ مددگار بنا لیے ہیں۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بس اللہ ہی ہے جو مددگار و ولی ہے۔ وہی سب کا کارساز ہے۔ بگڑی ہوئی بنانا تو کیا وہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ الغرض توحید و شرک اور ایمان و کفر کا فرق دُنیا میں اللہ نے اپنی حکمت سے مقدر فرمایا ہے کیونکہ دُنیا دارالامتحان ہے اور آخرت دارالجزاء ہے۔ اس لیے بحکمت خداوندی ضروری تھا کہ دنیا میں دونوں چیزیں مقدر کی جائیں تا کہ آخرت میں مطیعین کو جزاء اور مجرمین کو سزا دی جائے۔ اور اللہ رب العزت سے کسی بھی شخص کا حال اور اس کا عمل پوشیدہ نہیں اس لیے اے لوگو! سن لو تم جس کسی بات پر بھی اختلاف کرو گے پس اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ اسی کی بارگاہ سے ہر چیز کا فیصلہ صادر ہوگا۔ یہی ہے خدا جو میرا رب ہے بس میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف ہر حالت میں رجوع کرتا

---

[1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ باہر مجلس میں ہمارے سامنے تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں دو کتابیں (دستاویزیں) تھیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں۔ ہم نے عرض کیا نہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتا دیں۔ آپ ﷺ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو دائیں ہاتھ میں تھی۔ فرمایا: یہ ربّ العالمین کی طرف سے کتاب ہے۔ جس میں اہل جنت کے نام مع ان کے آباء کے ناموں کے اور قبائل کے لکھے ہوئے ہیں اور ان کے آخر میں میزان اجمالی (آخری) لگا دی گئی ہے جس میں نہ کوئی کمی ہوگی اور نہ کوئی اضافہ ہو سکے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو بائیں ہاتھ میں تھی۔ فرمایا اس میں اہل جہنم کے نام ہیں مع ان کے آباؤ اجداد اور قبائل کے ناموں کے اور پھر اخیر میں آخری میزان لگا دی گئی کہ اب آئندہ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ اضافہ ہوگا۔ اس پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ ﷺ اب عمل کی کیا ضرورت باقی رہ گئی (اگر یہ فیصلہ ہو چکا) آپ ﷺ نے فرمایا: (( سَدِّدوا وقاربوا )) کہ استقامت و پختگی کے ساتھ مسلسل عمل میں لگے رہو اور اعتدال کے ساتھ شریعت کے راستے پر چلتے رہو۔ جنتی شخص کے لیے جنت کے کام کے ساتھ مہر لگا دی گئی اسی پر اس کا خاتمہ ہوگا۔ خواہ پہلے وہ کسی قسم کا بھی کام کر چکا ہو۔ اور جو شخص جہنم کے لیے طے ہو گیا۔ اس کے واسطے جہنم کے کام کی مہر لگ گئی ہے خواہ وہ پہلے کچھ بھی کر چکا ہو پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سمیٹتے ہوئے فرمایا: (( فرغ ربکم من العباد )) ایک ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (( فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ )) بائیں ہاتھ سے دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (( فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ )). (جامع ترمذی)
اس موضوع کی تفصیلات مسئلہ تقدیر کے ذیل میں گذر چکیں۔ ۱۲ واللہ اعلم بالصواب

ہوں میں تمہاری مخالفت سے نہ ڈرتا ہوں اور نہ تمہاری کسی قسم کی دلجوئی کے لیے تمہاری طرف مائل ہوسکتا ہوں۔ وہ پروردگار تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے اور اسی طرح مویشیوں میں سے جوڑے انواع واقسام کے بنائے اور ان جوڑوں کے ملانے اور ازدواجی صورت پیدا فرما دینے کے ذریعے تمہیں پھیلا رہا ہے۔ نسلاً بعد نسل۔ یقیناً وہ پروردگار اپنی ذات وصفات میں ایسا کامل اور برتر ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی۔ اسی کے تصرف میں تمام کائنات ہے جب چاہا کسی چیز کو خواہ رزق ہو عمل ہدایت وگمراہی ہو راحت وتکلیف ہو نفع ونقصان صحت وبیماری ہو۔ عزت وذلت ہو ان سب چیزوں کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اگر وہ کسی چیز کو کھول دے تو کوئی دوسرا بند نہیں کرسکتا۔ اور اگر بند کردے تو کھول نہیں سکتا یہ سب باتیں دلائل سے ثابت ہیں۔ جن کے انکار کی عقلاً تو کوئی گنجائش نہیں اسی کے قبضہ میں رزق ہے۔ جس کے واسطے چاہے رزق پھیلا دے۔ اور جس کے واسطے چاہے تنگ کردے بے شک وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ جانتا ہے کہ جس کو رزق زیادہ دیا تو کس حکمت سے دیا۔ اور جس پر تنگی کی تو کس حکمت سے کی۔

## ﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ اور ﴿اُمَّ الْقُرٰی﴾ کا مفہوم

بالعموم مفسرین ﴿اُمَّ الْقُرٰی﴾ سے مکہ مکرمہ مراد لیتے ہیں کیونکہ مکہ مکرمہ عرب کی سرزمین میں قدیم ترین شہر اور قوم عرب کا اصل مولد ومسکن تھا اس وجہ سے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا گیا اور تاریخ قدیم میں اسی نام سے اس کو ذکر کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کو اسی وادی میں چھوڑا تھا جیسے آیت ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ﴾ (ابراہیم: ۳۷) میں مکہ مکرمہ کی آبادی کی تفصیل گذر چکی۔

اس آیت مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جانا کہ آپ ڈرائیں مکہ میں بسنے والوں کو اور اس کے اطراف واکناف میں بسنے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی بعثت کے منافی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لیے داعی اور بشیر ونذیر ہیں تو اس آیت میں تخصیص ﴿اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ کی یا تو اہل مکہ اور قرب وجوار میں رہنے والوں کی اہمیت کی وجہ سے ہے یا یہ معنی کہ اوّلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ڈرائیں۔ پھر تمام دُنیا کے انسانوں کو جیسے کہ ابتداء میں آیت ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴) میں قرابت دار عشیرہ وقبیلہ والوں کو ڈرانے کا حکم نازل ہوا امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مکہ مکرمہ کو اُم القریٰ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کرۂ ارضی اور تمام روئے زمین کے واسطے یہ حصہ زمین اصل نقطۂ مرکز یہ ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ پانی کی سطح پر اللہ رب العزت نے پہلے بلبلے کی طرح یہ ٹکڑا جامد ظاہر فرمایا اور پھر اسی سے ساری زمین بچھائی اور پھیلائی گئی تو تمام آبادی عالم اور خطۂ زمین کے لیے یہی جگہ اصل ہوئی اور اصل کو اُمّ یعنی ماں کہا جاتا ہے۔ امام بغوی اور شیخ قشیری رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور یہ کہ کعبہ سُرَّۃ الارض یعنی زمین کی ناف ہے اور تمام دُنیا اس کے اردگرد پھیلائی گئی اگرچہ جانب شمال میں آبادی زائد ہے۔ بہ نسبت جنوب کی جانب کے۔

آیت مبارکہ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (آل عمران: ۹۶) کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر اور ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہما نے یہی بیان کیا کہ روئے زمین پر دنیا کی آبادی کی اصل یہی سرزمین مکہ ہے جہاں کعبۃ اللہ ہے۔ علامہ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت کا یہ مضمون بیان کیا ہے کہ آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر

تھا۔ اللہ نے ایک ہوا چلائی جس نے پانی کی لہروں کو شق کیا اور پانی کی سطح پر ایک بلبلہ نمودار ہوا جو قبہ کی سی شکل کا تھا پھر اسی سے اللہ نے تمام زمین کو مرکب فرمایا اور بنایا اور سطح زمین کو پانی پر بچھا دیا۔ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ زمین کا جو ٹکڑا سب سے پہلے اللہ نے پیدا فرمایا وہ جگہ کعبۃ اللہ کی ہے تو یہ جگہ روئے زمین کے واسطے نقطۂ مرکزیہ ہوا۔ اس تکوینی مرکزیت کے ساتھ اللہ نے اس کو شرعی مرکزیت بھی عطا کر دی۔ کہ روئے زمین کے انسانوں کو اسی کی طرف عبادت کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اسی جگہ جنت سے موتیوں کا خیمہ اتارا گیا تھا جس کا انہوں نے طواف کیا۔ پھر اسی جگہ بیت اللہ کی عمارت قائم ہوئی۔ تفصیل کے لیے ناچیز کی کتاب تاریخ الحرمین ملاحظہ فرمائیں۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرزمین مکہ میں آمد اور اس کی آبادی

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد زمین پر پھیلی تو حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار دو سو سینتالیس برس قبل شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآب میں واقع تھا۔ اور بقول بعض۔ فرات کے کنارے پر تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جو تارخ کے بیٹے تھے جن کو آذر بھی کہا جاتا ہے۔ قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے جو شہر بابل کے کنارے واقع تھا اور بعض کا خیال ہے خاص شہر بابل میں پیدا ہوئے وہاں کلدانی قوم آباد تھی جو بت پرست تھے۔ اور بت بنا بنا کر بیچا کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ بھی بت پرست بلکہ بت تراش تھے اس زمانہ میں ایک بڑی تعداد لوگوں کی ستاروں کی پوجا کیا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خداوند عالم نے ابتداء ہی سے رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ بُت پرستی اور ستاروں کی پوجا کی بڑی شد و مد سے مخالفت کیا کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی دلائل و حقائق سے تجہیل و تحمیق بھی کیا کرتے تھے جس کی تفصیل گزشتہ پاروں کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ قصۂ نمرود اور ایسے بعض واقعات کے بعد اللہ رب العزت کی وحی سے آپ اسمٰعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہما السلام کو وادی مکہ کی طرف لے کر روانہ ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس وقت شیر خوار بچے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو یہاں چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہو گئے ایک مشک میں پانی اور کچھ کھجوریں چھوڑ کر گئے۔ پانی جب ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت سے اسمٰعیل علیہ السلام تڑپنے لگے۔ اور اسی حالت میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام پانی تلاش کرنے کے لیے صفا و مروہ پہاڑیوں پر چکر لگانے لگیں تو ساتویں چکر پر اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ پر پانی دیکھا دوڑی ہوئی آئیں۔ یہ زم زم کا چشمہ اللہ نے ظاہر فرمایا۔ اسی کی یادگار سعی بین الصفا والمروہ کی صورت میں مقرر کر دی گئی۔ تفصیل کے لیے احادیث و کتب تاریخ کی مراجعت فرمائی جائے۔ تو جب چاہ زم زم میں ایک کثیر مقدار میں پانی دیکھ کر اس غیر آباد بنجر وادی میں ایک قافلہ نے قیام کرنے اور یہاں سکونت کی درخواست کی۔ تو ہاجرہ علیہا السلام نے تنہائی کے خیال سے ان کو اجازت دے دی کہ بہتر ہے کہ یہاں کچھ لوگ آباد ہو جائیں۔ اس طرح ابتداء میں یہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہوا۔ یہ قبیلہ جُرہم تھا۔ اہل یمن سے یہ لوگ تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے انہی لوگوں سے عربی زبان سیکھی۔ اور ان کے بڑے ہونے پر اس قوم نے اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنا سردار بنا لیا رفتہ رفتہ یہ مختصر گاؤں ایک عظیم شہر مکہ مکرمہ ہو گیا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

راہ ڈال دی تم کو دین میں، وہی جو کہہ دیا تھا نوح کو، اور جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف

وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا

اور وہ جو کہہ دیا ہم نے ابراہیم کو، اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو یہ کہ قائم رکھو دین، اور

تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ

پھوٹ نہ ڈالو اس میں۔ بھاری پڑتا ہے شریک والوں کو، جس طرف تو بلاتا ہے ان کو۔ اللہ

يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا

چُن لیتا ہے اپنی طرف، جس کو چاہے۔ اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرلے۔ اور پھوٹ جو ڈالی

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ

سو سمجھ آچکے پیچھے، آپس کی ضد سے۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

نکل گئی ہے تیرے رب سے، ایک ٹھہرے وعدے تک تو فیصلہ ہو جاتا ان میں۔ اور جن کو

اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ

ہاتھ لگی ہے کتاب ان کے پیچھے، وہ دھوکے میں ہیں اس سے جو چین نہیں دیتا۔ سو تو اسی طرف

فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ

بلا۔ اور قائم رہ جیسا فرما دیا۔ اور نہ چل ان کے چاؤں پر، اور کہہ میں یقین لایا

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا

ہر کتاب پر، جو اُتاری اللہ نے۔ اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ، اللہ رب ہے ہمارا

وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ

اور تمہارا۔ ہم کو ملنے ہیں ہمارے کام اور تم کو تمہارے کا۔ کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں۔

| |
|---|
| اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ وَ الَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ |
| اللہ اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھر جانا ہے۔ اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں۔ اللہ کی بات میں، |
| مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ |
| جب خلق اس کو مان چکی، ان کا جھگڑا ڈگ رہا ہے۔ ان کے رب کے ہاں، اور |
| عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ |
| ان پر غصہ ہے اور ان کو سخت مار ہے۔ |

## مقصد وحید جملہ ادیان سماویہ توحید خداوندی وقیام عدل وانصاف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ... الیٰ ... وَّ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾﴾

**ربط:** سورۂ شوریٰ کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وکبریائی اور توحید کے بیان سے تھی۔ اسی کے ضمن میں وحی الٰہی کا اثبات تھا۔ اور کفر وشرک کا رد اور ابطال اب ان آیات میں ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت نے جس قدر بھی پیغمبر مبعوث فرمائے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تک اور جتنے ادیان وشرائع مقرر فرمائے ان سب کا مقصد وحید صرف توحید خداوندی رہا۔ بلکہ جملہ ادیان کی بھی تعلیم تھی۔ اور ہر پیغمبر کی یہی ہدایت تھی۔ اب اسی تعلیم ہدایت کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کوئی نرالی تعلیمات نہیں بلکہ جملہ تعلیمات وہدایت سماویہ کا لباب وجوہر اور ان کی تکمیل ہیں۔ اس بنا پر کسی کتابی اور آسمانی مذہب رکھنے والے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے میں اصولاً کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمام امتوں کے درمیان وحدت واتفاق کا پیغام ہے۔ اس وجہ سے بھی آپ کے پیغام کو قبول کرنے میں کسی کو اختلاف وتردد نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: مقرر کر دیا ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے وہی دین جس کا حکم اللہ نے نوح علیہ السلام کو کیا جس کی بنیاد توحید خداوندی ہے اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس کی دعوت دی۔ اور جس چیز کی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی۔ اور جس چیز کا ہم نے حکم دیا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو اور ان کی امتوں کو وہ یہ تھا کہ اللہ کا یہ دین قائم رکھو۔ اور خدا کی توحید پر قائم رہو۔ اور اس کے سوا کسی کی بندگی ہرگز نہ کرو۔ اس کے تمام احکام مانو اور ان پر عمل کرو۔ اور یہ کہ اس میں تفرقہ نہ ڈالو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات جب کہ ان بنیادی اصول میں متحد تھی تو عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کیا جاتا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے اور شرک وبت پرستی سے اجتناب کیا جاتا مگر مشرکین پر یہ بات یعنی دعوتِ توحید بہت گراں اور ناگوار ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بلا رہے ہیں لیکن اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اسی کو جس کو چاہے اور اپنے تک اسی کو رسائی عطا کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی اللہ ہی کی مشیت سے اجتباء وانتخاب ہوتا ہے اور توفیق ایمان سے نوازا جاتا ہے اور توفیق ایمان کے بعد جس کو رجوع اور انابت الی اللہ

نصیب ہو اسی پر طاعت و بندگی اور قرب کے راستے کھلتے ہیں۔

اور اُمم سابقہ کا یہ تفرق و اختلاف حق میں کسی قسم کے خفا اور التباس کے باعث نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے نہیں اختلاف کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا۔ محض باہمی حسد اور بغض کی وجہ سے ایسی مذموم حرکت اور بدترین روش کا تقاضا تو یہ تھا کہ عذابِ خداوندی ان پر مسلط ہوتا اور یہ ہلاک کر دیئے جاتے لیکن اگر ایک فیصلہ آپ ﷺ کے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا ایک متعین وقت تک مہلت کا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ عذاب خداوندی نازل ہو جاتا اور دُنیا دیکھ لیتی کہ حق سے اختلاف کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے مگر اللہ نے اپنی حکمت سے یہ طے کر لیا تھا کہ دنیا دارالامتحان ہے اسی طرح حق و باطل کی کشمکش چلتی رہے۔ قیامت قائم ہونے پر ایسے مجرمین اور حق سے اختلاف کرنے والوں کو جہنم کے عذاب میں ڈالا جائے گا اور بے شک ان اُمم سابقہ کے بعد اب جن لوگوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا اور وہ آنحضرت ﷺ کی اُمت دعوت ہوئے۔ وہ اس کتاب کی طرف شک ہی میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردّد میں ڈالنے والا ہے۔ اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان منکرین کے انکار اور مشرکین کے شرک سے رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ہی ہمت ہاریں بس آپ ﷺ تو اسی چیز کے لیے جس کی وحی آپ ﷺ کو کی گئی اور اس کا حکم نوح، ابراہیمؑ و موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کیا گیا۔ دعوت دیتے رہیے اور اسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیے جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم کیا گیا۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ اس خیال سے کہ ان کی بعض خواہشات اگر مان لی جائیں تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور بلکہ آپ ﷺ تو یہ اعلان کر دیجیے کہ جب کہ یہ لوگ کسی طرح بھی ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو میں تو ایمان لا چکا ہوں اس چیز پر جو اللہ نے اپنی کتاب سے نازل کی ہے۔ لہٰذا اے منکرو! اور کافرو تم یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہاری کسی خواہش کو پورا کرنے میں اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی یا اس کو نظر انداز کر دوں گا۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ انصاف کروں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے حق پر تمہیں آمادہ کروں اور خود اس پر قائم رہوں۔ اس لیے کہ یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں تم کو حق کی دعوت دیتے ہوئے خود حق سے انحراف کر جاؤں اور تمہاری باطل خواہش اور خوشنودی کو پورا کرنے کا ارادہ کر لوں۔

اللہ ہی ہمارا رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے۔ اب جب کہ تم کسی طرح حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو بس ہمارے واسطے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے واسطے ہیں۔ لہٰذا جیسے تمہارے اعمال ہوں گے۔ ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ اب کوئی حجت بازی اور خصومت کی گنجائش نہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان۔ اللہ ہم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں پہنچ کر سب پر حقیقت کھل جائے گی۔ ایمان و کفر اور توحید و شرک کا انجام نظر آجائے گا۔ اور اس وقت مجرمین و مشرکین کو سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ بھی چارۂ کار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اہل عقل کی طرف سے اس کو قبول کر لیا گیا اور سلیم الفطرت انسان ایمان لا چکے تو اب ایسے لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر خدا کی طرف سے غضب نازل ہونے والا ہے۔ اور ان کے واسطے دُنیوی عذاب اور غضب خداوندی کے علاوہ آخرت میں بڑا ہی سخت عذاب ہے کیونکہ اللہ کے دین کی سچائی اور اس کی کتاب کی حقانیت ظاہر ہو چکی۔ سمجھ دار لوگ ایمان لا چکے اور بہت سے وہ لوگ جو اگرچہ مذہبی تعصب اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔ مگر کتاب الٰہی کی سچائی اور حقانیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اس بنا پر اب حجت پوری ہو گئی۔ اب اس کے بعد جو لوگ بھی خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے ہیں یا ایمان لانے والوں سے اُلجھتے ہیں ان کے واسطے

ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی دُنیا اور آخرت میں ہوگا۔

## ابتداءِ تشریع احکام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کا اصول شرائع میں اتفاق

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے وہ رسول جن سے تشریع احکام کا سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اور سب سے آخر نبی جن پر سلسلۂ نبوت و رسالت منتہی ہوا اور کمالات نبوت کی تکمیل ہوئی۔ وہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل دنیا میں ایمان و کفر اور توحید و شرک کا اختلاف نہ تھا۔ دس قرن اسی طرح گذرے۔ سب سے پہلے رسول شرک کا مقابلہ کرنے والے حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں ہے:

((اول رسول بعث الی الارض نوح علیہ السلام))

"کہ سب سے پہلے رسول جو زمین والوں کے واسطے بھیجے گئے وہ نوح علیہ السلام ہیں۔"

مراد یہ ہے کہ وہ پہلے رسول تھے کفر و شرک کے مقابلہ کے لیے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ ﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ سے معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا۔ ایک مدت کے بعد جب لوگوں نے دین میں اختلاف ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب و نجات کی بشارت سناتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد جس قدر بھی رسول دُنیا میں آئے اور کتابیں نازل کی گئیں وہ سب اصول میں ایک تھے۔ کیوں کہ راستہ ایک ہی تھا۔ (توحید و عبادت خداوندی) البتہ فروع میں تفاوت و اختلاف ہونا چاہیے تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ تندرستی ایک ہے۔ اور بیماریاں بے شمار۔ جب ایک مرض پیدا ہوا تو اسی کے موافق دوا اور پرہیز مقرر کیا گیا۔ پھر جب دوسرا مرض پیدا ہو تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق تجویز ہوا۔ پھر سب سے آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ مقرر فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے وہ طریقہ اسلام ہے۔ جس کے لیے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے اور وہ نسخۂ روحانی قرآن شریف ہے۔ جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے پیغام شفاء ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جتنے انبیاء و رسل علیہم السلام آئے ان میں اولوالعزم رسول حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں یہی زیادہ مشہور ہے اور ان کے مذہب کے پیرو دُنیا میں کثیر تعداد میں ہوئے اس وجہ سے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تشریح ان انبیاء علیہم السلام کے شرائع کی شرکت اور مشابہت کے ساتھ بیان کی گئی۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ ان ادیان سے تعلق رکھنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کرنے میں کوئی تامل باقی نہ رہے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کتب سابقہ کی تصدیق کر رہی ہے۔ اور ان انبیاء سابقین علیہم السلام کی تعلیمات و ہدایات بنیادی اصول کے لحاظ سے متفق و متحد ہیں تو پھر ان انبیاء علیہم السلام پر ایماں لانے والے ان کتب سابقہ کے ماننے والے یہود و نصاریٰ کو عقلاً و طبعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے کسی طرح بھی گریز نہ کرنا چاہیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ

اللہ وہ ہے جس نے اُتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید وہ

السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ

گھڑی پاس ہو۔ شتابی کرتے ہیں اس کی، جو یقین نہیں رکھتے اس پر۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ

اور جو یقین رکھتے ہیں ان کو اس کا ڈر ہے، اور جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے۔ سُنتا ہے

الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ

جو لوگ جھگڑتے ہیں اس گھڑی کے آنے میں وہ بہکے ہیں صریح۔ اللہ نرمی رکھتا ہے

بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۱۰ ۳

اپنے بندوں پر، روزی دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور وہ ہے زور آور زبردست۔

## بیان نزول کتاب باحق وصداقت ونزول میزان برائے عدل وانصاف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... الیٰ ... وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی وحی انبیاء سابقین اور اولوالعزم رسولوں کی وحی ہی کی طرح ہے۔ اور آپ ﷺ کا دین بھی اصولاً وہی دین ہے۔ آپ کی کتاب بھی جملہ کتب سابقہ کے علوم کی حامل اور مصدق ہے۔ اب ان آیات میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمادی ہے۔ اور یہ کتاب الٰہی درحقیقت حق وصداقت کو تولنے کی ترازو ہے۔ اس ترازو میں حق وباطل کو تولا جاتا ہے جیسے مادی ترازو میں مادی اشیاء تولی جاتی ہیں اور پورے تول سے عدل وانصاف قائم کیا جاتا ہے اسی طرح یہ کتاب الٰہی ایک طرف حقوق خداوندی صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے معیار ہے تو دوسری طرف حقوق العباد کو بھی عدل وانصاف سے ادا کرنے کا ایک محکم ضابطہ اور مکمل دستور ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادہ کرنے والی قوت وصلاحیت ایمان بالآخرت ہے۔ اسی یقین کے باعث انسان اپنے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرسکتا ہے۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی دراصل ہر انسان کا اپنی ذات کے ساتھ عدل وانصاف کا قائم کرنا ہے۔ کیونکہ ان حقوق کا اتلاف حقیقت میں اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے اس کتاب یعنی قرآن کو اتارا حق کے ساتھ اور ترازو کو یعنی عدل وانصاف مقرر فرمایا تو جب یہ کتاب اللہ کی

ہے تو اللہ پر ایمان کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت ہو اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد میں عدل وانصاف قائم کیا جائے۔ جیسے ترازو میں کوئی چیز برابر تولی جائے۔ یہی نجات کا ذریعہ ہے کہ قرآن پر ایمان لایا جائے۔ محض خدا کا قائم ہونا یا اس پر ایمان کا دعویٰ کافی نہیں تاوقتیکہ اس کے قانون اور دستور عدل وانصاف پر عمل نہ کیا جائے۔ منکرین کا بلا دلیل معارضہ اور حجت بازی اور قیامت کا ذکر اور یہ سوال کرنا کہ وہ کب آئے گی، بے معنی اور لغوبات ہے آپ ﷺ اس پر رنجیدہ نہ ہوں۔ اور آپ کو کیا معلوم شاید یہ کہ قیامت قریب ہو اگر وقوع قیامت کا وقت معلوم نہیں تو اس سے یہ کیوں کر تصور کیا جاسکتا ہے کہ آنے والی ہی نہیں جیسے کہ یہ منکرین کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جلد ہی قیامت کے آنے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان ویقین نہیں رکھتے کیونکہ ان کو قیامت کی عظمت وہیبت کا اندازہ نہیں ہے اور جو لوگ اس کا یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے کانپتے اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور واقع ہو کر رہے گی۔ خبردار ہو جاؤ جو لوگ قیامت کے بارہ میں جھگڑتے ہیں وہ انتہائی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو گمراہی کا ایسا آخری مقام ہے کہ حق اور یقین سے بہت ہی دور ہو چکا تو اب کیا توقع کی جائے کہ ایسے بدنصیب پھر حق کی طرف رجوع کرلیں گے۔ اور رہا یہ امر کہ منکرین اور نافرمان دُنیا میں عیش وعشرت کر رہے ہیں مال ودولت اور رزق کی کمی نہیں تو اصل یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ مجرموں کو بھی دُنیا میں روزی اور راحت دیتا ہے۔ جس کو چاہے وہ رزق دیتا ہے۔ کیونکہ وہ تو رب ہے۔ اور شان ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ ہر جاندار کو روزی عطا فرمائے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان وہ بڑی ہی قوت اور عزت والا ہے۔ جس کے فیصلہ اور تقسیم کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح آخرت میں بھی اس کے فیصلے کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ مجرمین کو آخرت میں عذاب اور سزا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اس لیے ان کفار ومجرمین کو دنیا کی نعمتوں سے مغرور نہ ہونا چاہیے اور اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں بھی ان کا یہ مال ودولت ان کے کچھ کام آسکے گا یا یہ اسی طرح آرام وراحت میں رہیں گے۔ اللہ رب العزت اپنی شانِ لطیفی کے باعث نیک وبد سب ہی کو رزق عطا فرماتا ہے۔ رزق اور دنیوی راحتوں کی زیادتی اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص اللہ کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور عکرمہ رضی اللہ عنہم [1] سے ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌ﴾ کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی انعام اور مہربانی کا معاملہ فرمانے والا ہے کہ ان کے حق اور استعداد سے زائد ان کو عطا فرماتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا اللہ کا لطف وکرم بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ ایک جانب ان کو منافع پہنچا رہا ہے دوسری جانب ان سے بلائیں اور مصیبتیں ٹال رہا ہے۔ یہ بھی اس کا لطف وکرم ہے کہ بندوں کو ان کے حوائج وضروریات سے بہت زائد عطا فرماتا ہے اور ان کو احکام کا مامور ان کی طاقت سے بہت کم کا فرمایا جاتا ہے۔ ورنہ تو یہ ہوسکتا تھا کہ انسان قویٰ جس قدر عملی محنت برداشت کرسکیں۔ اتنی محنتوں کا ان کو مامور کردیا جاتا۔ سبحان اللہ کیا لطف وکرم ہے کہ عطا میں تو ضرورت وحاجت کو نہیں دیکھا جا رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر دیا جا رہا ہے اور اطاعت میں جس قدر انسان کی ہمت ہوسکتی ہے اس سے بہت کم کا مامور بنایا جا رہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: انّ الدین یسر یہ نہیں کہ جس قدر طاقت بشریہ ہے اتنا ہی مکلّف کردیا جاتا۔ اور پھر ان پابندیوں میں بھی خطا اور نسیان سے درگذر کا ضابطۂ عفو مقرر فرمادیا گیا۔

---

[1] روح المعانی ج ۲۵۔ تفسیر مظہری ج ۸۔

## خوف آخرت ایمان ومعرفت کا ثمرہ ہے

آخرت کا خوف ظاہر ہے کہ ایمان ویقین ہی پر مرتب ہوسکتا ہے۔ جو شخص قیامت پر ایمان رکھتا ہوگا اسی کا دل قیامت کی ہیبت سے کانپے گا اور جس کو قیامت کو یقین نہیں وہ اس کے ذکر ہی کو مذاق شمار کرے گا۔ اور اسی طرح کی بے وقعتی اس بات کا باعث بنے گی کہ وہ قیامت کا فکر دلانے والے اہل ایمان اور ان کی دعوت فکر کو سُن کر یہ کہے کہ لے آؤ جلدی سے وہ قیامت جس سے تم ڈرا رہے ہو۔ اسی استہزاء اور تمسخر کی کیفیت کو قرآن کریم کے یہ لفظ نقل کر رہے ہیں: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ﴾ لیکن ان کے بالمقابل جو اہل ایمان ہیں وہ اس سے لرز رہے ہیں اور دل ان کے کانپتے ہیں جو ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ﴾ میں بیان فرمایا گیا۔ اور یہ خوف ظاہر ہے کہ اعتقاد قیامت ہی سے ہوسکتا ہے لفظ مشفقون اشفاق سے مشتق ہے لغت میں اشفاق کے معنی کسی چیز کے اندیشہ اور خوف سے دل کا کانپنا۔ قلب کا یہ اضطرب وخوف ایک تو قیامت کے واقع ہونے کے اعتقاد پر ہوگا۔ دوسرے اس عقیدہ اور تخیل پر کہ جو ایمان اور عمل صالح قیامت کے روز کام آتے ہیں۔ کہیں وہ رد نہ کر دیئے جائیں۔ رہا یہ امر کہ عارفین اور کامل الایمان اہل اللہ کو اشتیاق موت اور لقاءِ خداوندی وہ شوق طبعی ہوتا ہے۔ اور یہ خوف جس کا ذکر کیا گیا یہ خوف اعتقادی ہے اس وجہ سے معلوم ہوا کہ خوف آخرت شوقِ موت ولقاءِ رب کے منافی نہیں۔ پھر یہ کہ شوق کا باعث لقارب کا تصور ہوتا ہے اور خوف کا منشاء قیامت کی ہیبت اور اپنے اعمال کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک جہت سے قلب میں جذبہ شوق وارد ہو تو دوسری جہت سے خوف سے اضطراب ہو۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث میں بیان فرمایا گیا: ((من احب لقاء اللهِ احب اللهُ لقاءہ)) کہ جو شخص اللہ کی ملاقات محبوب رکھے گا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرمائے گا۔ اسی کیفیت کو قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ تو یہاں اولیاء اللہ کی پہچان اور خصوصیت ہی یہ بیان کی گئی کہ وہ موت ولقاء خداوندی کے شائق وآرزومند ہوں۔ اور ولایت کا صدق تمناء موت ہی ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ بات بھی حل ہوگئی جو احوال قبور کے سلسلہ میں بیان کی گئی کہ کوئی مردہ جب کہ وہ پروردگار کے قاصدوں یعنی نکیرین کا جواب صحیح صحیح دیدے گا تو کہے گا۔ ربّ ﴿ اَقِمِ السَّاعَةَ ﴾ کہ اے پروردگار قیامت (جلدی ہی) قائم کر دیجیے۔ تو یہ خوف آخرت کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ اشتیاق اس کو جنت کی نعمتوں کی بشارت سُن کر حاصل ہوگا۔ اور اس بشارت کے بعد خوف واضطراب کا جو منشاء تھا وہ ہو چکا ہوگا۔ یا یہ کہ یہ شوق عالم برزخ اور احوال آخرت کے انکشاف پر ہے۔ اور جو خوف ایمان کی خصوصیت بیان کی گئی۔ وہ دنیوی زندگی یعنی عالم دُنیا میں ہے بہرکیف مؤمن کی زندگی آخرت اور شوق لقاء خداوندی متضاد جذبوں سے معمور رہتی ہے اور یہ کیفیت دراصل ﴿ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ﴾ کی پوری پوری ترجمان ہوتی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ

جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی، بڑھادیں ہم اس کو اُس کی کھیتی۔ اور جو کوئی ہو چاہتا

حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ

دُنیا کی کھیتی، اس کو دیں ہم اس میں سے، اور اس کو نہیں آخرت میں کچھ حصہ۔ کیا ان کے

شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا

اور شریک ہیں جو راہ ڈالی ہے انہوں نے ان کے واسطے دین کی؟ جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے۔ اور اگر نہ ہوتی

كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

بات فیصلہ کی، تو فیصلہ ہو جاتا ان میں، اور بے شک جو گناہگار ہیں ان کو دُکھ کی مار ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ

تو دیکھے، گنہگار ڈرتے ہوں گے اپنی کمائی سے، اور وہ پڑتا ہے ان پر۔ اور جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ

یقین لائے، اور بھلے کام کیے باغوں میں ہیں بہشت کے۔ ان کو ہے جو چاہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ

اپنے رب کے پاس۔ یہی ہے بڑی بزرگی۔ یہ خوشخبری دیتا ہے اللہ

عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ

اپنے ایماندار بندوں کو، جو کرتے ہیں بھلے کام۔ تو کہہ، میں مانگتا نہیں تم سے اس پر

اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا

کچھ نیگ مگر دوستی چاہیے ناتے میں۔ اور جو کوئی کما وَے گا نیکی، ہم اس کو بڑھا دیں گے اس کی

حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

خوبی۔ بے شک اللہ معاف کرتا ہے حق مانتا۔

## ترغیب دارآخرت وتنبیہ ازطلب دُنیاوخسارۂ مجرمین وظالمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ㉓﴾

**ربط:** گذشتہ مضمون حق تعالیٰ شانہٗ کی شان رزّاقی اور لطیفی پر ختم فرمایا گیا جس سے بتانا مقصود تھا کہ دُنیوی رزق کی تقسیم اللہ ربّ العزت کے محض رزاق ہونے پر ہے رزق کی کمی اور زیادتی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے پر مبنی نہیں ہے۔ اب ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ انسان کی سعادت اسی میں مضمر ہے کہ وہ طالب آخرت بنے۔ اور اسی کو اپنے زندگی کا اصل مقصود سمجھے۔ طلب دنیا انسانی زندگی کا مقصد نہیں۔ اس لیے جو شخص اپنی فکر طلب آخرت بنالے گا خدا کی مدد توفیق اور رحمت شامل ہوگی اور اس کی کوشش کو قبول فرمایا جائے گا۔ اور اس میں برکت دی جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس اگر اس کا مقصود زندگی دُنیا ہی کمانا ہے تو ہم اس کو اگرچہ دُنیا دے تو دیں گے مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ تو ارشاد فرمایا: جو شخص ارادہ کرتا ہے آخرت کی کھیتی کا تو ہم اضافہ کرتے ہیں اس کے واسطے اس کی کھیتی میں کہ طالب آخرت کے اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور اس کے ثمرات اجر وثواب اور انعام کے اس پر مرتب ہوتے ہیں اور اس پر اضافہ اور برکت سے نوازا جاتا ہے۔ اعمال حسنہ اور عبادات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور اجر وثواب میں بھی زیادتی ہوتی رہتی ہے جس طرح ایک تخم اور دانہ زمین میں بو دیئے جانے کے بعد اس کا سلسلۂ نشوونما ہوتا ہے تا آنکہ وہ بلندی کے آخری مقام تک پہنچ جائے۔ اسی طرح اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ یعنی جو شخص ایک نیکی کا کام کرے اس کے واسطے اس سے دس گنا زائد ثواب ہے۔ لیکن جو شخص دُنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم دیدیتے ہیں اس کو دنیا میں سے اور پھر آخرت میں اس کے واسطے کوئی حصہ نہیں۔ بہرکیف اللہ کا مشروع کیا ہوا۔ یہ دین حق ہے جس کی بنیادی تعلیم اور ہدایت اخلاص ہے۔ ہر عمل صرف اللہ ہی کے لیے اور آخرت ہی کے واسطے ہونا چاہیے۔ صرف ایسا ہی عمل قابل قبول ہے۔ اور مثمر بھی ہے۔ اخلاصِ عمل عقیدۂ توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ جو لوگ توحید خداوندی کے قائل نہیں اور انہوں نے شرک جیسے ناپاک اعتقاد سے اپنے قلب کو آلودہ کررکھا ہے وہ بتائیں کہ کیا ان کے واسطے کچھ شرکاء ہیں کہ جو انہوں نے خدا کے ساتھ تجویز کررکھے ہیں تو کیا ان شرکاء نے ان کے واسطے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ نہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ خدا کے سوا دوسرے معبودان کے لیے کوئی دین تجویز کرلیں جو یقیناً خدا کی اجازت سے نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے ایسے مشرکین کے من گھڑت خیالات اور رسوم کو یہ کہنا کہ یہ اللہ کا دین ہے محض مہمل اور بے معنی بات ہے۔ یہ بات بلاشبہ ایسی تھی کہ فوراً ہی اللہ کے عذاب سے ان مجرمین اور گستاخوں کو تباہ کردیا جاتا مگر یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے اور اگر اللہ کا یہ قول فیصل طے شدہ نہ ہوتا کہ ایسے مجرموں کو دنیا میں مہلت دی جائے گی اور آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہونا پڑے گا تو ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا۔ اور ان کا کام تمام ہوجاتا اور بے شک ظالموں کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اس وقت ان کا حال یہ ہوگا کہ اے مخاطب تو ان ظالموں کو دیکھے گا کہ کانپ رہے ہوں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کیے اور وہ عذاب ان پر ضرور مسلط ہوکر رہے گا۔ جس سے وہ کسی بھی صورت سے نہ بچ سکیں گے۔ یہ حشر تو منکرین وکافرین کا ہوگا۔ اور اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے اپنے پروردگار کے پاس یہی ہے بہت بڑی فضیلت اور انعام واکرام یہی ہے وہ

جس کی بشارت دے رہا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے۔

مجرمین کو تنبیہ اور عذاب آخرت سے ڈرانا اور ان کے بالمقابل مؤمنین و مطیعین کو ثواب آخرت اور نعماء جنت کی بشارت سُنانا انتہائی اخلاص اور ہمدردی ہے اگر اس کے باوجود بھی ایسے لوگ جن کی عقلیں بھی بیمار اور قلوب گندہ ہیں وہ اللہ کے پیغمبر کے اخلاص و ہمدردی پر یقین نہیں رکھتے تو اے پیغمبر آپ ﷺ کہہ دیجیے۔ اے لوگو! میں تم سے اس مشفقانہ نصیحت اور ہمدردانہ وعظ اور تبلیغ و دعوت پر کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا ہوں۔ اور اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر صرف اس محبت کا جو قرابت داری میں ہوتی ہے کہ تم میرے ساتھ اس قرابت نسبتی کا جو مجھے قریش کے ہر قبیلہ اور شاخ کے ساتھ حاصل ہے لحاظ کر کے کم از کم ایذاء تو نہ پہنچاؤ اور اس حق قرابت کے باعث میری طرف رخ کرو اور توجہ سے میری بات سنو۔ اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم ایذاء تو نہ پہنچاؤ۔ اور جب کہ میں تم سے کسی مالی صلہ اور معاوضہ کا طالب بھی نہیں تو یہ میرا انتہائی اخلاص ہے اور تعلق قرابت اس کا باعث ہونا چاہیے کہ میری بات پر غور کرو۔ اور اس کو قبول کرو۔ حق نبوت نہیں مانتے تو حق قرابت کا لحاظ کر لو۔ جو عقل اور فطرت کا تقاضا ہے۔ اور میں تم کو پھر یہی بات ہمدردی اور نصیحت کے طور پر کہتا ہوں جو شخص بھی کوئی نیکی کا کام کرے گا۔ اللہ رب العزت کا یہ پیغام ہے کہ ہم اس کے واسطے اس کی نیکی میں اجر و ثواب کا اضافہ کرتے ہیں۔ بے شک اللہ تو بہت ہی درگذر کرنے والا اور قدردان ہے کہ اگر اعمال میں کسی طرح کی تقصیر و کوتاہی ہی واقع ہو جائے تو درگذر فرماتا ہے۔ اور جو کچھ بندہ نیکی کرتا ہے اس کو وہ سراہتا ہے وہ قدردان ہے اہل ایمان و عمل صالح کو انعامات و جوار سے محروم نہیں رکھتا۔

## ﴿ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ ﴾ کی تفسیر

آنحضرت ﷺ کا کفار مکہ کو یہ خطاب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا: ﴿ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ ﴾ یعنی اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو؟ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا۔ تو اس طرح آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا: اے میری قوم! میں تم سے اس دعوت و تبلیغ اور پیغام نصیحت پر کوئی معاوضہ تو نہیں چاہتا البتہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم سے جو قرابت و رشتہ داری ہے۔ اس کے باعث میری طرف کچھ رخ کرو۔ اور میری بات سنو۔ مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ۔ اگر ایمان نہیں لاتے تو میرے حال پر مجھ کو چھوڑ دو تا کہ میں خدا کا یہ پیغام دوسروں تک پہنچا دوں۔

قرابت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری اطاعت کرتے۔ اگر اطاعت نہیں کی تو ایذاء رسانی سے تو باز آجاؤ۔ آخر میں تمہارا عزیز قریب ہوں کوئی دشمن تو نہیں۔ اس لیے میری بات سنو اور اس پر توجہ کرو۔

قوت نیکی نہ داری بد مکن  برُو جود خود ستم بیحد مکن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ﴿ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ﴾ کے یہی معنی منقول ہیں۔

قریش مکہ کی طرف سے جب ایذاؤں اور رکاوٹوں کی یہ نوبت آگئی کہ آپ ﷺ ظاہر اسباب میں پیغام خداوندی لوگوں تک پہنچانے پر قادر نہ رہے تو آپ ﷺ اسی کیفیت کو اس طرح فرمایا کرتے: ((منعونی ان ابلغ کلام ربی)) مجھے تو قریش کے لوگوں نے اس بات سے مجبور کر رکھا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔ تو اس صورت حال میں اس آیت کا نزول ہوا جس میں آپ ﷺ

نے حق قرابت کا احساس دلاتے ہوئے یہی چاہا کہ کلام رب اور پیغام خداوندی پہنچانے میں تم میری دشمنی سے باز آجاؤ۔ ابن جریر طبری حافظ عماد الدین ابن کثیر بغوی امام رازی اور حافظ جلال الدین سیوطی غرض جملہ اکابر آئمہ مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اور امت کے تمام محدثین بالعموم یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ عامر شعبی ضحاک علی بن ابی طلحہ عونی اور یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ آئمہ مفسرین میں سے مجاہد قتادہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہم نے اسی کو اختیار کیا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو فرمایا:

((لَآ اَسْئَلُکُم عَلَیْهِ اَجْرًا اِلاَّ اَن لا تؤذونی فی نفسی المودّة فی القربٰی لِقَرَابَتِیْ مِنْکُمْ وَتحفَظُوا القرابة التِیْ بینی وَبَیْنَکُمْ)).

"یعنی میں تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ۔ میری اس قرابت کی وجہ سے جو تم سے ہے اور تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔" (تفسیر ابن کثیر جلد رابع)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ (ایک زمانہ تھا کہ) لوگ کثرت سے اس آیت کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور حجت بازی کرتے۔ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہ صورت حال ہے آپ اس آیت کی مراد بیان فرمائیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی مراد میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب قریش کی تمام شاخوں سے ملتا تھا کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملتا ہو۔ آپ کی دعوت وتبلیغ پر جو قریش مکہ نے انکار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا عداوت اور ستانے پر تل گئے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تم سے کچھ نہیں طلب کرتا۔ بجز (مودۃ فی القربیٰ) اس لیے تم میری قرابت کا لحاظ کرو۔ اور مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ اور قدرت دو کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچادوں۔ (تفسیر رُوح المعانی جلد ۲۵)

الغرض اس تفسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ﴿اِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ میں استثناء۔ استثناء متصل نہیں بلکہ استثناء منقطع ہے۔ استثناء متصل ہونے کی صورت میں تو مراد میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت ومعاوضہ نہیں مانگتا۔ بجز اس معاوضۂ محبت قرابت کے یعنی تبلیغ رسالت کے معاوضہ سے مجھ کو بس یہ معاوضہ محبت قرابت مطلوب ہے مگر اس کے برعکس روایات مذکورہ کی بنا پر یہ استثناء منقطع ہوگا جہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے ﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلاَّ حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا﴾ میں جس طرح استثناء ﴿بَرْدًا وَ شَرَابًا سے حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا﴾ کا کیا گیا کیونکہ یہ ماقبل کی جنس سے نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخی نہیں چکھ سکیں گے کوئی ٹھنڈک اور نہ ہی کوئی پینے کی چیز مگر کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (زخموں کی) تو یہ استثناء منقطع ہے۔ اسی طرح آیت ﴿اِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ مودت فِی القربیٰ جنس اُجرت سے نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مودت فی القربیٰ تبلیغ رسالت کا کسی قسم کا معاوضہ ہے اور آیت کی مراد صاف طور سے یہی ہے کہ میں تم سے کسی قسم کی اُجرت کا طالب نہیں البتہ صرف اس محبت کو یاد دلاتا ہوں جس کا میں بحق قرابت مستحق اور اُمیدوار ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ اس محبت کا یاد دلانا بھی اپنی کسی منفعت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ بھی صرف تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور یہ بات قطعی ہے کہ حق قرابت کو یاد دلانا یہ کوئی اُجرت ومعاوضہ نہیں کہلایا جاسکتا۔

الفاظ آیت کی دلالت اسی مراد کو متعین کر رہی ہے تمام اہل سنت حضرات اور آئمہ مفسرین نے اسی کو اختیار کیا۔ جیسا کہ بیان کیا

گیا۔ نیز آیت میں لفظ فی القربیٰ بھی اسی معنی کی تائید کر رہا ہے۔ جس کا لفظی ترجمہ یہی ہے کہ مگر وہ محبت جو قرابت داری میں ہو یوں نہیں فرمایا گیا: ﴿ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾ اگر یہ عنوان ہوتا تو احتمال ہو سکتا تھا کہ اس کی یہ تاویل کی جا سکے۔ اہل قرابت کی محبت کا اگرچہ اس تقدیر پر یہ معنی بھی لفظی دلالت سے بعید ہوتے تو ﴿ فِي الْقُرْبٰى ﴾ کے عنوان نے اس احتمالِ بعید کو بھی ختم کر ڈالا۔ اور وہی مراد متعین ہو گئی جو روایات مذکورہ کے حوالہ سے ذکر کی گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ الدھلوی قدس اللہ سرہٗ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں۔

بگونمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن ہیچ مزدے لیکن باید کہ پیش گرید دوستی درمیان خویشاوندان اور پھر اس پر حاشیہ میں یہ فرماتے ہیں یعنی با من صلہ رحمی کنید و ایذا نہ رسانید کہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ایذاء نہ پہنچاؤ۔ اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پر کچھ نیگ (صلہ) مگر دوستی چاہیے ناتے میں اور حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا مگر قرابت کی دوستی یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدی نہ کرو۔ اسی طرح حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ نہیں مانگتا میں تم سے اُوپر اس کے کچھ بدلا مگر دوستی بیچ قرابت کے۔ ❁

## فرقہ شیعہ کی اختراع کردہ تفسیر

فرقہ شیعہ اس آیت کی یہ مشہور و معروف اور جملہ آئمہ مفسرین کی اختیار کردہ تفسیر کو جو الفاظ کی دلالت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے۔ چھوڑ کر جداگانہ تفسیر کرتے ہیں کہ ﴿ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾ سے رسول اللہ ﷺ کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم سے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ پر کوئی اُجرت و معاوضہ نہیں مانگتا البتہ صرف یہ مانگتا ہوں کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو اور میری قرابت والے صرف چار ہیں، فاطمہ، علی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم۔ یہ عجیب فلسفہ ہے کہ قرابت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دے دیا جائے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی تین دیگر صاحبزادیاں بھی آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد بھی قرابت داروں کی فہرست سے خارج ہوں۔ بہرکیف شیعہ فرقہ کی تفسیر کی رو سے اُجرت رسالت قرابت داروں کی اور ان میں سے بھی صرف چار کی محبت ہے۔ پھر یہ کہ قرابت داروں کی محبت بھی محض محبت کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ یہ کہ میرے بعد ان کو اور ان کی اولاد کو خلیفہ اور بادشاہ بناؤ۔ جس کا حاصل دُنیا یہ سمجھ سکتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے ہیں۔ میری محنت و جانفشانی سے جو غلبہ و اقتدار حاصل ہو یعنی یہ حکومت اس طرح مجھ کو مل جائے وہ نسلاً بعد نسل میری اولاد ہی میں رہے باہر جانے نہ پائے۔ اہل حق کے قول اور شیعہ فرقہ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

① پہلے قول کے لحاظ سے القربیٰ کا مفہوم قرابت ہے۔ جو لغت کی وضع کے مطابق ہے اور دوسرے قول کی رو سے قربیٰ کے معنی قرابت داروں کے ہوئے۔ حالانکہ اس معنی کے واسطے اہل عرب لفظ اَلْقُرَبَاء جو جمع قریب ہے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کریم کی جمع کُرَمَأ۔ لفظ القربیٰ تو اپنی وضع عربیہ کی رو سے یہ مفہوم نہیں ادا کرتا۔

② اس کے علاوہ اصل قابل غور یہ امر ہے کہ آیت مبارکہ کا یہ مطلب تجویز کرنا سراسر شانِ نبوت اور منصب رسالت کے خلاف ہے بلکہ

---

❁ من افاضات حضرت الوالد امحترم مولانا الشیخ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ حسب ماضبطت ھٰذہ الکلمات حین ماکنت اسمع منہ تفسیر ھذہ الآیۃ المبارکۃ اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی العلیین واسبغ علیہ من نعمہٖ ظاھرۃ وباطنۃ. آمین یارب العٰلمین

مقام نبوت کے تقدس وعظمت پر ایک بہتان عظیم ہے۔ یہ شیوہ تو اہل دُنیا اور خودغرض قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے کہ کوئی کام کریں تو یہ چاہیں کہ اس کا فائدہ ان کی اولاد کو پہنچے۔ حالانکہ اس قسم کے اوہام وشکوک سے تو انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کو پاک رکھنے کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کا کوئی ترکہ نہیں ہوتا۔ اور ان کی اولاد وورثہ ان کے مال کے وارث نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد حتیٰ کہ آزاد کردہ غلاموں پر صدقات حرام کر دیئے گئے۔ بہرکیف اگر یہ بات تصور کی جائے جو شیعہ کہتے ہیں تو لامحالہ یہ ایک قسم کا معاوضہ ہوگا۔ خدمات نبوت کے انجام دینے پر جو قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کے طرز کے سراسر منافی ہوگا۔ بار بار قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ کہ میں اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے صریح خلاف ہوگا جو قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر ذکر فرمایا۔ مثلاً

① ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰﴾ (سورۂ انعام)

② ﴿وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴﴾ (سورۂ یوسف)

③ ﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۠ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۷۲﴾ (سورۂ المؤمنون)

④ ﴿قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۵۷﴾ (سورۂ فرقان)

⑤ ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷﴾ (سورۂ سبا)

⑥ ﴿قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝۸۶ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۸۷﴾ (سورۂ صٓ)

⑦ ﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝۴۰ ﴾ (سورۂ طور)

تو ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ایسا کوئی مطلب اختراع کرنا جس سے منصب رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے پر اجرت ونفع کا طلب کرنا لازم آتا ہو۔ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ اگر بالفرض ایسا کوئی مضمون تصور کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے گھٹ جائے۔ کیونکہ کسی اور پیغمبر نے تو اداء رسالت پر اس چیز کا مطالبہ نہیں کیا کہ اس کی اولاد اور قرابت داروں سے اس قسم کے منافع اور فوائد پہنچانے کا معاملہ کیا جائے۔

③ پھر یہ کہ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی دلیل بھی بیان کی ہے کہ وہ طالب اُجرت نہیں ہوتے۔ جیسا کہ سورۂ یٰسین ﴿اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں تو آیت ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ﴾ کا یہ مطلب تجویز کرنا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طالب اُجرت ہونا لازم آتا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لازم الاتباع ہونے کو ساقط کر دے گا۔ العیاذ باللہ

④ پھر یہ کہ سورۃ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت حسین ۴ھ اور جب یہ سورت مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی پیدائش سے کئی سال قبل نازل ہو چکی تھی تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں جس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہیں۔ بالخصوص اس صورت میں کہ القربیٰ معرف باللام ہے اور معرفہ وہاں لایا جاتا ہے۔ جہاں مخاطبین کو معلوم اور ان کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا بھی نہیں وہ مخاطبین کو معروف

ومعلوم کیسے ہوسکتا ہے۔ زائد سے زائد یہ ممکن ہے کہ آیت سے حضرت فاطمہ وحضرت علی رضی اللہ عنہما کی محبت کا وجوب ثابت کیا جائے۔ تو اس سے اہلِ سنت کب منکر ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک تو اہل بیت کی محبت جزو ایمان ہے۔ البتہ وجوب محبت سے دوسروں کے ساتھ ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی امام ہونا لازم آئے گا۔ پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ نصوصِ قرآن وحدیث میں جن لوگوں کے ساتھ محبت کا حکم دیا گیا مثلاً علماء وصلحاء تو ان کی بھی امامت ضروری ہو۔ اور ان کو بھی امام معصوم کے درجہ میں قرار دیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی صاحب فہم اس امر کا جواز تصور نہیں کرسکتا۔

⑤ نیز یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ تو اگر کسی تاویل کے ذریعے ﴿الْقُرْبٰى﴾ سے ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ یعنی قرابت والے مراد لیے جائیں تو پھر کلام خداوندی میں ﴿لِلْقُرْبٰى﴾ یعنی قرابت داروں کے واسطے۔ نہ کہ ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ جیسے کہ آیت مبارکہ میں ہے۔ اور قرآن کریم میں جہاں بھی کہیں قرابت داروں کا ذکر ہے وہاں لفظ ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ کا لایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ اور آیت ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ اور اسی طرح ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ اور ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ غرض جہاں بھی کہیں قرآن کریم کو قرابت داروں کا ذکر مقصود تھا وہاں لفظ ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ آیا ہے نہ کہ ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ تو یہ بات واضح ہے کہ ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ کا مفہوم وہی ہے جو اہل حق نے بیان کیا۔ اور تمام آئمہ مفسرین سلف اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا۔ وہ تفسیر جمہور مفسرین کے نزدیک معتبر ہے۔ البتہ ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ کی ایک اور تفسیر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ رضی اللہ عنہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے۔ ﴿الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ اے اِلَّآ اَنْ توادُّوا اللّٰه تعالٰى وَاَنْ تَقَرَّبُوْا اليه بطاعتِهٖ. یعنی میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم اللہ سے محبت کا معاملہ کرو اور اس کا تقرب حاصل کرو۔ طاعت وبندگی کے ذریعہ سے گویا یہ تشریح وتفسیر ہے۔ ﴿بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ کی مراد یہ کہ بس تم سے میں صرف اسی چیز کا طالب ہوں جو تم کو اللہ سے قریب کردے۔ اور وہ اس پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت وبندگی ہے۔

## ذوی القربیٰ کی محبت اہل سنت کے نزدیک ایمان کی بنیاد ہے

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ آل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی اساس اور روح ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم اور جملہ اہل بیت کی محبت فرض ولازم ہے۔ اور اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب اور آپ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اقارب نبوی جو مشرف باسلام ہوئے سب داخل ہیں۔ ہر شخص کی محبت وعظمت اس کے مرتبے کے بقدر لازم ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ اگر اس آیت کے باعث شیعوں کے نزدیک محبت کے لیے اطاعت لازم ہے تو بلا تخصیص تمام اقارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہونی چاہیے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر تین صاحبزادیاں حضرت زینب حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کی اطاعت بھی فرض ہونی چاہیے۔ اور ان کے اصول سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو امام بھی ہونا چاہیے اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اُمت ضروری ہوئی تو دیگر صاحبزادیوں کی بھی امامت کا درجہ فرض ہونا چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ بہرحال یہ آیت اگر اہل بیت کی محبت کو لازم کرتی ہے تو اہل سنت خود اس کے قائل ہیں

لہٰذا اہل تشیع کو اہل سنت پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی اعتراض کریں تو یہ اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ بہتان ہوگا اور اگر محبت سے اطاعت کے لزوم کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ پھر جملہ اہل بیت کی اطاعت کی فرضیت کے کیوں قائل نہیں۔ اور اس کا جواب دو کہ بعض اہل بیت کی محبت کو فرض کہتے ہو اور بعض کی محبت سے گریز بلکہ نفرت کرتے ہو۔ اور اس کا جواب دو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ایک صاحبزادی سے شرف زوجیت کے باعث امام معصوم اور خلیفہ بلافصل ہوئے لیکن حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ دو صاحبزادیوں سے شرفِ زوجیت رکھنے کے باوجود نہ امام ہوئے نہ معصوم اور نہ مستحق محبت ہوئے بلکہ ان کا بغض ونفرت تشیع کی حقیقت اور روح بنا؟ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جواب قیامت تک نہیں دیا جاسکتا۔ اور اس وجہ تفریق پر بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے: ﴿ فَاْتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اہل بیت کے بارے میں وہ تمام احادیث ملاحظہ فرمائی جائیں جو محدثین نے باب فضائل اہل بیت میں بیان فرمائیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ

کیا کہتے ہیں اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ، سو اگر اللہ چاہے مُہر کر دے تیرے دل پر۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

اور مٹا دے اللہ جھوٹ کو، اور ثابت کرتا ہے سچ کو اپنی باتوں سے۔ اس کو معلوم ہے جو

الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ

دلوں میں ہے۔ اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے، اور معاف کرتا ہے

السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

برائیاں، اور جانتا ہے جو کرتے ہو۔ اور دُعا سُنتا ہے ایمان والوں کی جو بھلے کام

الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

کرتے ہیں، اور بڑھتی دیتا ہے ان کو اپنے فضل سے۔ اور جو منکر ہیں ان کو سخت مار ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ

اور اگر پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم اٹھا دیں ملک میں، پر اُتارتا ہے ماپ کر جتنی

مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

چاہتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے۔

# مذمت افتراء علی اللہ ومحرومی بدنصیباں از قبول حق وکامیابی مؤمنین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی... الٰی... اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝۲۷﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں طالبین دنیا اور طالبین آخرت کا ذکر تھا اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام دعوتِ حق سے آخرت کا فکر پیدا کرنے کے لیے کیسی محنت کرتے ہیں اور اخلاص ہمدردی کے جذبہ سے ان کی غرض اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی کہ اللہ کے بندے حق اور ہدایت قبول کر کے نجات وسعادت حاصل کرلیں۔ اب ان آیات میں ایسے معاندین ومتکبرین کا ذکر ہے جو اپنے عناد وتکبر میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ قبول حق تو درکنار وہ اللہ رب العزت پر افتراء وبہتان پردازی سے بھی باز نہیں آتے۔ تو ان کے رد کے ساتھ یہ بیان کیا جارہا ہے۔ اللہ رب العزت یہی چاہتا ہے کہ حق اور باطل میں دُنیا کے سامنے امتیاز کردیا جائے۔ اور دلائل حق کے ذریعہ باطل کو مٹادیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے بعثت انبیاء علیہم السلام ہے۔ اور اسی غرض کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل کیے گئے اور ان سب کی تکمیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے کی گئی۔

ارشاد فرمایا گیا: یہ لوگ تو حق وصداقت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کیا کرتے۔ بلکہ یہ لوگ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے کہ نبوت اور وحی الٰہی کا دعویٰ کررہے ہیں۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے علوم ومعارف خرقِ عادت کے طور پر معجزانہ انداز سے ظاہر اور جاری ہیں اور بطور خرقِ عادت معجزانہ شان سے ایسے علوم ومعارف کا کسی زبان سے جاری ہونا یہ خود دلیل ہے کہ وہ اللہ کی وحی اور اس کی طرف سے عطا کردہ علوم ہیں اور یہ بھی بات ثابت ہے کہ بارگاہِ خداوندی سے علوم ومعارف کی عطا صرف صادق وبرگزیدہ ہی کو ہوسکتی ہے۔ جھوٹے اور افتراء پرداز پر باطنی علوم اور حکمتوں کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ تو اگر اللہ چاہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر مہر کردے اور بند لگادے جس کے بعد ایسے شخص کی زبان سے علم وحکمت کی کوئی بات ہی جاری نہ ہو مگر پھر بھی وحی الٰہی اور علوم ومعارف کا یہ سلسلہ جاری رہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسی طرح باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو ثابت ومضبوط کیا کرتا ہے اپنے کلمات واحکام سے جو دلائل شرعیہ سے بھی اور دلائل تکوینیہ ومعجزات سے اس طرح ثابت کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی منکر کو اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ رہے۔ بے شک وہ پروردگار دلوں کی باتیں اور احوال بھی خوب جاننے والا ہے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت سے کسی کے نہ اقوال وافعال مخفی ہیں اور نہ ہی عقائد۔ وہ سب پر مطلع ہے اور اس پر سزا دینے کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔

اور وہ پروردگار جس طرح معاندین ومخالفین کے ہر عمل اور عقیدہ خیال کو جانتا ہے اسی طرح وہ مطیعین ومنیبین کو بھی جانتا ہے۔ چنانچہ وہ توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں سے اور درگذر کرتا ہے ان کی برائیوں اور خطاؤں سے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم کرتے ہو کہ کون سا قول وعمل اخلاص کے ساتھ اور کون سی بات محض زبان سے اور بے اخلاص ہے۔ لہٰذا اس پر ویسے ہی ثمرات مرتب ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے ان لوگوں کی عبادت کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور ان کو اپنے فضل سے اور ثواب زائد بھی عطا کرتا ہے۔ جو ان کے عمل کے معیار اور درجہ سے بڑھ کر ہوتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے واسطے بڑا ہی سخت عذاب ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں پر اس موجودہ صورتِ حال میں روزی کو پھیلا دیتا۔ اور کوئی کسی کا حاجت مند نہ رہتا تو لوگ بغاوت وفساد برپا کردیتے زمین میں

کیونکہ ایسی صورت میں نہ کوئی تابع رہتا ہے اور نہ کوئی متبوع۔ بلکہ ہر ایک آمر مطلق بن جاتا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ اب اللہ نے اپنی تکوینی حکمت سے ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا حتیٰ کہ بادشاہ اور امراء خدمت گذاروں کے محتاج ہو گئے۔ فقراء اور غرباء جو اگرچہ اپنی کمائی میں امراء کے محتاج ہیں لیکن اس کے بالمقابل امراء بھی ان کے محتاج بنا دیئے گئے کہ ان کی خدمت واعانت کے بغیر ان کی زندگی نہیں گذر سکتی۔ لیکن وہ اتارتا ہے رزق ایک اندازہ کے ساتھ جتنا بھی چاہے اپنی حکمت کے لحاظ سے اس حکمت کے پیش نظر اللہ نے رزق میں مخلوق کے درمیان تفاوت درجات رکھے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ((اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم)). کہ اللہ نے تمہارے درمیان اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کر دی ہے جیسے کہ تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے۔ بے شک وہ پروردگار اپنے بندوں کے احوال پر خوب مطلع ہے۔ اور خوب ان کو دیکھنے والا ہے۔

﴿فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ﴾ کا عنوان فرض محال کے درجہ میں ہے جیسے ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ میں بفرض محال ہی یہ بات آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے بیان کی گئی مقصود محض ایک قانون الٰہی اور ایسی بات پر ہلاکت وتباہی کا مرتب ہونے والا نتیجہ بیان کرنا ہوتا ہے یعنی بفرض محال اگر آپ بھی اللہ پر جھوٹ و بہتان باندھتے تو اللہ رب العزت آپ کے دل پر مہر کر دیتا۔ اور اس کے بعد پھر فرشتہ یہ کلام معجز لے کر آپ ﷺ پر نہ اترتا۔ اور سلسلۂ وحی بند کر دیا جاتا۔ یہ بات بالکل وہی ہے جو اس آیت مبارکہ میں فرمائی گئی تھی: ﴿وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ (بنی اسرائیل) مگر اس لیے کہ درحقیقت یہ جو کچھ آپ ﷺ فرما رہے ہیں حق اور وحی الٰہی ہے اور بد باطنوں کا اس کے بارہ میں یہ کہنا محض بہتان ہے اس لیے یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جاتا بلکہ وحی الٰہی کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا کر دُنیا کے سامنے ظاہر کر دے گا۔ اور حق کی حقانیت ثابت اور پختہ ہو جائے گی۔ حق کو ثابت کرنے والے ظاہر ہے کہ وہ دلائل و براہین ہیں جو دلائل آفاق اور دلائل انفس کی نوعیت سے دنیا کو دکھا دیئے گئے۔ جس کو قرآن کریم نے ارشاد فرما دیا ہے: ﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ﴾ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ آیت ہذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں اور اس تفسیر کی رُو سے ﴿وَ یَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ﴾ جملہ مستانفہ ہوا۔ یعنی اس کا ماقبل جملہ ﴿یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ﴾ کے مضمون پر عطف نہیں بلکہ ایک مستقل مضمون ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آئندہ اس کی حکمت تکوینیہ سے جو بات پیش آنے والی ہے اس کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت باطل کو مٹا دے گا اور حق کو ثابت کرے گا۔ بعض حضرات مفسرین کی رائے میں اس کا عطف ﴿یَخْتِمْ﴾ کے اوپر ہے۔ لیکن اس اعراب کی تقدیر میں قدرے تکلف ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ میں کبائر سے تائب ہونے والوں کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے اور ﴿وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ﴾ میں صغائر سے درگذر کا بیان ہے یا یہ کہہ دیجیے کہ ایک جز یعنی قبول توبہ کے وعدہ میں مستقبل کے گناہوں کی معافی کا بیان فرمایا گیا کہ بندے جب تائب ہوں گے خدا ان کے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔ اور دوسرے جز ﴿وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ﴾ میں ماضی کے گناہوں کے متعلق فرمایا کہ خدا تعالیٰ تو اپنی شان رحیمی کے باعث درگذر فرماتا رہتا ہے۔ لیکن وعدۂ عفو اور معاملۂ درگذر سے کسی کو دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے اور اس کی گرفت ومؤاخذہ سے بے فکر نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بندوں کے تمام احوال سے باخبر بھی ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں تو آئندہ کی عملی زندگی میں مؤاخذہ کی فکر کو قائم کرنے کے

لیے فرمادیا: ﴿وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ... وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت بندوں کی دُعا قبول فرماتا ہے اور دُعا وطلب سے بڑھ کر ان کو عطا فرماتا ہے اور بروایت شقیق بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت کا اپنے فضل سے اہل ایمان اور تائبین کو زائد عطا فرمانا، شفاعت کا حق ہے اُن مذنبین کے لیے جو اپنے گناہوں کے باعث عذاب کے مستحق ہیں۔ ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ﴾ میں حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے تقسیم رزق میں معیار اپنی حکمت ومشیت کو بیان فرمایا کہ وہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ جس میں یہ صورت ہوتی ہے کہ کسی کو زائد عطا فرماتا ہے اور غنی کرتا ہے تو اس کا غنا بھی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جس پر رزق کی تنگی فرماتا ہے اس پر فقر بھی حکمت خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ ایک زمانہ ایک شخص پر تنگی کا گذرتا ہے تو پھر اس کو فراخی اور غنا عطا کر دیا جاتا ہے۔ کبھی اس کا عکس ہوتا ہے کہ ایک زمانہ فراخی ووسعت کا گذرا۔ پھر اس کو فقیر وتنگدست کر دیا گیا۔

آیت مبارکہ میں رزق کی وسعت کا یہ ذکر تمام بندوں کے حق میں ہے ورنہ بعض پر تو رزق کی وسعت متحقق ہے اور لو شرطیہ کا عنوان دلالت کرتا ہے کہ یہ بسطِ رزق متحقق نہیں ہوا تو مراد یہ ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ سب پر رزق کی وسعت کر دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بغاوت وسرکشی کرنے لگتے۔ اور دنیا میں کوئی صالح اور مطیع نہ رہتا۔ اور اگر اس کے بالمقابل سب بندوں کو فقیر ومحتاج بنا دیتا تو سب کے سب اپنے ضعف وعجز کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے اس وجہ سے تقسیم رزق میں بندوں کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔ احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا تو آدم علیہ السلام نے ان میں دیکھا کہ کچھ غنی ہیں اور کچھ فقیر تو عرض کیا لولا سویت بین عبادك کہ اے پروردگار! تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات وبرابری (رزق میں) کیوں نہ کر دی جواب دیا گیا۔ احببت ان اشکر یعنی میں نے یہ چاہا کہ میرا شکر ادا کیا جایا کرے۔ اور یہ بات اسی پر موقوف ہے کہ تفاوت مراتب ہو۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ عباد سے کل بندے مراد نہیں بلکہ اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جن کو اللہ نے اپنی ولایت وقرب کی کرامت سے نوازنا تھا کہ اللہ نے ان پر رزق کو نہیں پھیلایا اگر ان پر رزق پھیلا دیا جاتا تو وہ بغاوت وسرکشی کا رنگ اختیار کر لیتے اور یہ بات اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ وہ اپنے اولیاء مقربین کو غنا وتونگری کی بجائے فقر وتنگدستی میں ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے: ((اذا احبّ اللّٰه عبدا حماه الدنيا كما يظل احدكم يحمي سقيمه الماء)) کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنا لیتا ہے تو اس کو دُنیا اور دُنیا کی لذتوں سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنی اس بیمار کو پانی سے بچاتا ہو جس کو پانی نقصان دیتا ہو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کو پسند نہیں فرمایا۔ الفاظ کی دلالت سے پہلے بیان کردہ معنی بہتر ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ اور اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ اگر تمام بندوں پر رزق پھیلا دیتا تو لوگ زمین میں بغاوت وسرکشی کرنے لگتے۔ بعض حضرات کو یہ اشکال گذرا کہ جس طرح غنا وتونگری کے سبب سے بغاوت کا احتمال تھا تو اسی طرح فقر بھی تو بغاوت ونافرمانی کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو پھر غنا پر ہی کیوں بغاوت کا ذکر فرمایا گیا تو زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ فقر کے ساتھ بغاوت وسرکشی کم ہوتی ہے اور اکثر مادۂ بغاوت، تونگری اور غنا سے پیدا ہوتا ہے تو اس وجہ سے بغاوت کو بسطِ رزق کے ساتھ مخصوص فرما دیا گیا۔ واللہ اعلم (تفسیر روح المعانی ج ۲۵)

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ

اور وہی ہے جو اُتارتا ہے مینہ، پیچھے اس سے کہ آس توڑ چکے، اور پھیلاتا ہے اپنی مہر،

وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اور وہی ہے کام بنانے والا خوبیوں سراہا۔ اور ایک اس کی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور جتنے

ع ۳ ۱۰ ۴ بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ

بکھیرے ہیں ان میں جانور۔ اور وہ جب چاہے ان سب کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور جو

اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾ ؕ

پڑے تم پر کوئی سختی، سو بدلہ اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے، اور معاف کرتا ہے بہت

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

اور تم تھکانے والے نہیں بھاگ کر زمین میں۔ اور کوئی نہیں تم کو اللہ کے سوا

وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ ؕ

کام بنانے والا، نہ مددگار۔ اور ایک اس کی نشانی ہے چلتے جہاز دریا میں، جیسے پہاڑ۔

اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

اگر چاہے تھام دے باؤ، پھر رہ جاویں سارے دن ٹھہرے اُس کی پیٹھ پر۔ مقرر اس میں

لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ ۙ اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَیَعْفُ

پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق مانے۔ یا تباہ کر دے ان کو ان کی کمائی سے، اور معاف بھی کرے

عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ ۙ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ

بہتوں کو۔ اور جان لیویں جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں میں۔ کہ نہیں ان کو

مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا

بھاگنے کی جگہ۔ سو جو ملا ہے تم کو کچھ چیز ہو، سو برتنا ہے دنیا کے جیتے۔ اور جو

عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ﴿۳۶﴾

اللہ کے ہاں ہے بہتر ہے، اور رہنے والا، واسطے ایمان والوں کے، جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

## پیغام بشارت ورحمت برائے بندگان خدادرحالت یأس ونا اُمیدی وذکر دلائل قدرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ... الٰى: ... وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں ایسے مجرمین ونافرمانوں کی مذمت تھی جو خداوند عالم پر جھوٹ بہتان باندھتے ہوں اوران کی ناکامی ومحرومی کا بیان تھا۔اب ان آیات میں اللہ رب العالمین اپنی ایک خاص رحمت وعنایت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ پروردگار عالم اپنی شان ربوبیت سے کس طرح اپنے بندوں پر مایوسی کے عالم میں بھی اپنی رحمت فرماتا ہے اس مضمون سے ایک طرف تو مجرمین کے بالمقابل مطیعین کے لیے رحمت وعنایت کا بیان ہے دوسری طرف آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک سے اس رنج وغم کو دور کرنا ہے جو کفار ومجرمین کی بغاوت ونافرمانی سے پیدا ہورہا تھا۔اسی طرح اہل ایمان کو بھی تسلی مقصود تھی کہ ایک طبقہ کی مخالفت سے نہ پریشان ہوں اور نہ ہی مایوس ہوں۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی شانِ رحیمی کا یہ عالم ہے کہ مایوسی کی حالت میں بارشیں برسا کر مردہ زمین کو زندہ اور بنجر علاقہ کو شاداب بنادیتا ہے۔اوراس کی قدرت کاملہ کی جونشانیاں دنیا کے سامنے ظاہر ہیں۔ان کو دیکھ کر یقین کرلینا چاہیے۔تو فرمایا اور وہی خدا ہے ایسا مہربان وکریم کہ بارش برساتا ہے بعداس کے کہ لوگ نا اُمید ہوچکے ہوں [1] اور بکھیرتا ہے اپنی رحمت سارے عالم پر جس سے ہر قسم کے پھول میوے اور غلے اور نباتات پیدا ہوتے ہیں جو تمام انسانوں اور حیوانوں کی غذا اور منفعت کا سامان ہے اور وہی کارساز لائق حمد وستائش ہے۔اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور ہر اس جاندار چیز کا پیدا کرنا ہے جس کو ان کے درمیان متحرک بنایا اور پھیلایا اور جس طرح اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کے ذریعے ایک ہی امر یعنی امر تکوین سے سارے عالم میں بکھیر دیا وہی خداوند عالم ان سب کو جمع کرنے پر بھی بڑا ہی قادر ہے جب بھی وہ چاہے اور وہ پروردگار جس طرح خالق منعم قادر ولی کارساز ہے اور ہر حالت میں قابل حمد وثناء ہے۔بندوں سے عفو درگذر شانِ رحیمی اور کریمی کے باعث فرماتا ہو اسی طرح وہ منتقم اور صاحب جلال بھی ہے اور بندوں کے اعمال وافعال پر جیسے انتقام عالم آخرت میں ہے دُنیا میں بھی پروردگار نے اپنے بندوں کے واسطے انتقام کا سلسلہ جاری فرمایا اس بنا پر ہر ایک کو یہی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ وہی ہر چیز کا خالق وپیدا کرنے والا ہے خواہ کوئی چیز خیر ہو یا شر راحت ہو یا تکلیف اور جو کچھ اے لوگو! تم کو مصیبت پہنچی ہے وہ ان ہی اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھ انجام دیتے ہیں۔اور یہ مصیبت جو بطور مکافاتِ عمل واقع ہوتی ہے یہ نہیں کہ ہر بُرائی کا بدلہ ہو بلکہ وہ پروردگار تو درگذر فرمالیتا ہے۔بہت سی باتوں سے اور دُنیاوی

---

[1] ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین قحط ہورہا ہے اور بارش نہیں برستی تو اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ۱۲

مصائب بہت ہی کم اعمال کا بدلہ ہوتے ہیں اور جب پروردگار عالم بندوں کے اعمال پر مؤاخذہ فرمائے تو تم ہرگز نہیں عاجز کر سکتے ہو اس کو زمین میں رہتے ہوئے زمین ہی میں انسان کے پاس مادی وسائل ہیں جن کے زریعہ وہ اپنے سے آفات ومصائب کو ٹالنے کی کوشش کیا کرتا ہے تو جب اس عالم اسباب میں بھی وہ عذاب خداوندی اور اس کی گرفت کو نہیں ٹلا سکتا تو آسمانوں کی بلائیں یا عالم آخرت کے مصائب اور سزاؤں کو کہاں ٹال سکے گا۔ اور نہیں ہے تمہارے واسطے خدا کے سوا کوئی حامی ومددگار اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے جہاز وکشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں نمایاں اور بلند نظر آتی ہیں ظاہر ہے ان کا سمندر کی سطح پر چلنا خدا کی قدرت کی نشانیوں میں عظیم تر نشانی ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ سب جہاز وکشتیاں ٹھہر جانے والی ہو جائیں سمندر کی سطح پر۔ تو یہ سب کچھ اس کی قدرت ہے کہ ہوا چلاتا ہے۔ اور جہاز وکشتیاں پانی کی سطح پر چلتی ہیں۔ بے شک اس میں قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ہر صبر اور شکر کرنے والے مؤمن کے لیے جہاں وہ پروردگار ہواؤں کے ذریعہ جہازوں اور کشتیوں کو رواں دواں رکھتا ہے اور اس طرح مخلوق کے منافع اس سے وابستہ ہیں تو یہ اس کی عنایت ورحمت ہے خواہ وہ ان ہواؤں کے ذریعہ مخلوق پر انعام وکرم فرمائے یا اگر وہ چاہے تو ان ہی ہواؤں کو تیز وتند بنا کر ان کے ذریعہ ان جہازوں کو ہلاک وتباہ کرے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کیے ہیں۔ اور وہ تو بہت سے لوگوں سے درگذر فرماتا ہے اور وہ پروردگار جس طرح لوگوں کی بداعمالیاں اور بُرائیاں جانتا ہے اس طرح وہ ان بدمزاج اور کج رو لوگوں کو بھی جانتا ہے جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ان کے واسطے کوئی بچاؤ نہیں۔ نہ دنیا میں کوئی خدا کے مؤاخذہ سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ مجرم وباغی دُنیا کی دولت اور مادی وسائل سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ اور ان کی یہ سب کچھ نخوت وبغاوت دنیاوی زندگی ہی پر غرور کی وجہ سے ہے۔ سوائے لوگو! سن لو جو کچھ بھی تم کو دنیا کی چیزوں میں سے دیا گیا سو وہ محض چند روزہ زندگی کا سامان ہے۔ عارضی نفع اٹھانے کے لیے انسان کی زندگی فانی ہے۔ اور سارا عالم بھی اسی طرح فانی ہے اس لیے ہر ایک کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی یہ سارا ساز وسامان بھی ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اجر وثواب اور نعمتیں اللہ کے یہاں ہیں وہی بہتر ہیں اور پائیدار ان لوگوں کے واسطے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ دُنیا کی فکر اور طلب کو چھوڑ کر آخرت کی فکر اور طلب میں لگ جانا چاہیے اور دُنیاوی مال ودولت سے مغرُور ہو کر خدا کے ساتھ بغاوت کا طرز نہ اختیار کرنا چاہیے۔ آیت ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ کی تفسیر میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں یعنی جیسی نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات واحوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں۔ مصائب کا نزول بھی خاص اسباب وضوابط کے ماتحت ہوتا ہے مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے بعض اعمال وافعال ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض مرتبہ والدہ کی بدپرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا شہر والوں کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ اور شہر کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ یہی حال روحانی اور باطنی بدپرہیزی اور بے تدبیری کی سمجھ لو گویا دُنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لیے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے۔ اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت سے گناہوں سے درگذر کرتی ہے۔ اگر ہر جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ رہتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب عاقل وبالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک۔ مگر نبی اس میں داخل نہیں (اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں) ان کے واسطے اور کچھ

ہوگا اور سختی دُنیا کی بھی آ گئی اور قبر اور آخرت کی بھی۔

غرض مصائب کے نزول کا راز اور اس کی حکمت بنا دی گئی اور یہ بھی الفاظ کی دلالت سے ظاہر ہو گیا۔ مصائب کا عموم ہے خواہ دُنیاوی ہوں یا قبر و آخرت کی۔

ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی بندے کے گناہ زائد ہو جائیں اور اس کے پاس کوئی چیز ان گناہوں کے کفارہ کے واسطے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی غم اور فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴)

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرمایا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھ کر بھول جائے تو بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ اس کے گناہ ہی کی بدولت اس نعمت سے محرومی واقع ہوئی ہے۔ اور پھر یہ آیت تلاوت کی اور افسردگی کے لہجہ میں فرمایا۔ اور کون سی مصیبت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم بھلا دیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ وَارْزُقْنَا تلاوتہ اٰناء اللیل واطراف النّھار واجعلہ لنا حجۃ یا رب العٰلمین. آمین برحمتك یا ارحم الرّاحمین۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

اور جو بچتے ہیں بڑے گناہوں سے، اور بے حیائی سے اور جب غصہ آوے وہ

يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ

معاف کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے حکم مانا اپنے رب کا، اور کھڑی کی نماز۔ اور ان کا کام ہے

شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ

مشورہ سے آپس کے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہ جو ہووے ان پر

الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا

چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور بُرائی کا بدلہ برائی ویسی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کرے

وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ

اور سنوارے، سو اس کا ثواب ہے اللہ کے ذمے، بیشک اس کو خوش نہیں آتے گنہگار۔ اور جو کوئی بدلہ لے

بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى

اپنے ظلم پر، سو ان پر بھی نہیں الاہنا۔ الاہنا تو ان پر،

الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ

جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر، اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق، ان لوگوں کو

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ

ہے دُکھ کی مار۔ اور البتہ جس نے سہا اور معاف کیا بیشک یہ کام ہمت

الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع ۵ ۱۴ ۲

کے ہیں۔

## بیان اوصاف اہل ایمان وتقویٰ وحسن اخلاق ومعاشرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ ... الیٰ ... لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں دینوی زندگی کا فانی ہونا بیان فرمایا گیا تھا اور یہ کہ دُنیا کی تمام نعمتیں اور لذتیں درحقیقت ایک دھوکہ ہے اس میں پڑ کر انسان کو آخرت سے غفلت نہ اختیار کرنی چاہیے اب ان آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کیے جارہے ہیں ایسے اوصاف جن کے باعث ایک طرف ان کی زندگی کا وہ رُخ جو اللہ کے ساتھ ہے وہ بھی نہایت اعلیٰ اور اکمل معلوم ہوتا ہے دوسری طرف حسن اخلاق اور معاشرت کی عظمت وبرتری ظاہر ہورہی ہے۔ فرمایا اور وہ لوگ جو ایمان وتوکل کی صفت سے متصف ہونے کے ساتھ پرہیز کرتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے۔ اور جب ان کو غصہ آئے تو وہ درگذر کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کی اور نماز کی پابندی کی اور ان کے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ اور جب ان پر ظلم وزیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ ہی لیتے ہیں۔ نہ کہ جذبۂ انتقام میں حد سے بڑھ جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ ویسا ہی بُرائی کا معاملہ کرلینا ہے جیسا کہ کہا گیا، لیکن اگر کوئی شخص معاف کردے اور باہمی معاملہ درست کرلے۔ بجائے انتقام لینے کے تو بیشک اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو شخص بدلہ لے اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد نہ کوئی زیادتی کرے بدلہ لینے میں تو بے شک ایسے لوگوں پر کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں۔ بے شک مؤاخذہ ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی اور تکبر کرتے ہیں تو یقیناً ایسے لوگوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو بے شک یہ کام بڑی ہی پختگی اور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ تو جو لوگ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوں گے خدا کے یہاں ان کا بہت بلند مقام ہوگا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے جو اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ان میں عقائد، فرائض، عبادات، معاملات ومعاشرت اور محاسن اخلاق کی تمام عظمتوں اور خوبیوں کو جمع فرمادیا۔ اور ان اوصاف کے ضمن میں یہ بات ظاہر فرمادی گئی کہ ایمان اور

کمالات ایمان ہی دراصل وہ خوبیاں ہیں جن کی بدولت آخرت کی سعادت وفلاح کے ساتھ معاشرتی فلاح اور بلندیاں بھی انسان کو حاصل ہوسکتی ہیں۔ ظالم سے ظلم کا بدلہ لینا درست ہے لیکن زیادتی اور تعدی کسی طرح جائز نہیں اور اگر صبر وعفو سے کام لے تو بہت ہی بہتر ہے۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد تمام سردارانِ قریش کو جو ہمیشہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستانے میں پیش پیش رہے۔ مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے میدان کارزار میں آتے رہے عام معافی کا اعلان فرمادیا اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ظالم بھائیوں کو باوجود قدرتِ انتقام کے یہ کہہ کر معاف کرتے رہے ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ آج کے دن تم پر کوئی ملامت ومؤاخذہ نہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی ان سب کو اعلان عفوودرگذر سے نوازتے رہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم عبدالصمد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ میں نے فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے تو تم یہ کہہ دیا کرو اے میرے بھائی اس کو معاف کر دو۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرا دل گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس کو معاف کروں تو پھر اس کو یہ کہو اگر بدلہ ہی لینا ہے تو اس طرح لو جیسے اللہ نے اس کی اجازت دی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اور ان کی شان میں توہین کر رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ وہیں تشریف فرما تھے اور یہ باتیں سُن کر تعجب فرما رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ جب وہ شخص بہت ہی زیادتی کرنے لگا اور حد سے بڑھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی کسی بات کا جواب دیا اور اس پر آنحضرت ﷺ کو ناگواری ہوئی اور مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے جانے لگے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً ہی دوڑے اور آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! وہ شخص مجھ کو گالیاں دے رہا تھا اور آپ ﷺ بیٹھے رہے۔ لیکن جب میں نے اس کی کسی بات کا جواب دیا تو آپ ناگواری سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! جب تک تم خاموش رہے تو ایک فرشتہ تمہارے ساتھ تھا جو تمہاری بات کا جواب دے رہا تھا۔ لیکن جب تم اس پر غضبناک ہوئے تو فرشتہ اُٹھ کر چلا گیا۔ اور تمہارے درمیان شیطان آ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں تھا کہ شیطان کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا رہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تین چیزیں برحق ہیں ایک یہ کہ جس کسی پر بھی ظلم کیا جائے پھر اس سے چشم پوشی اور درگذر کرے محض اللہ کے لیے تو اللہ اس کو عزت وسربلندی عطا فرمائے گا۔ اور اس کی مدد فرمائے گا۔ اور جو شخص بھی عطاوبخشش کا دروازہ کھولے گا تو اس پر اللہ کی طرف سے برکت وفراخی کا دروزہ کھلے گا اور جو شخص سوال اور بھیک مانگنے کا دروازہ کھولے گا تو اس کے واسطے اللہ کی طرف سے قلت وتنگی ہی کا دروازہ کھلے گا۔

## حلم ودرگذر اور صبر وعفو انسانی کمالات میں عظیم ترین کمال ہے

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مہاجرین اوّلین کے اوصاف واحوال کو صراحتاً اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خصوصیات کو اشارۃً ذکر فرمادیا ہے۔ ابتداء میں مہاجرین اوّلین کے وصف ایمان اور توکل کو بیان فرمایا کہ نہایت ہی عسرت وتنگی میں ہجرت کی اور محض اسلام کی خاطر اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کی وجہ سے اپنا وطن گھر بار چھوڑا اپنے عزیز واقرباء حتیٰ کہ اہل وعیال، تجارت، مال ودولت اور جائیداد سب کچھ اللہ کے لیے چھوڑا اور محض قادر مطلق پر

بھروسہ کرتے ہوئے ہجرت کے لیے قدم اٹھایا اور عرصہ دراز تک مشکلات وشدائد کا مقابلہ کرتے رہے اس وصف کے بعد آیت ﴿ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ ﴾ میں وصف عفت وعدل کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ تہذیب نفس قوت بہیمیہ (شہویہ) اور قوت سبعیہ (قہر وغضب) کو عقل کے تابع کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس آیت کے عموم میں انصار اور ان کے اتباع بھی شامل ہیں۔ اور ﴿ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ ﴾ خصوصیت کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں وہ سب سے مقدم اور سب کے پیشوا ثابت ہوئے۔ اجابت حق تسلیم وانقیاد اور اقامت صلوٰۃ آپ کا معروف اور نمایاں وصف تھا اور اقامت صلوٰۃ کا یہ نمایاں وصف اس امر کا باعث بنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں انہی کو اپنی جگہ امامت کے لیے مامور فرمایا۔ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بار بار اس کو ٹلاتی رہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی فرماتے (( مروا ابابکرٍ لیصلّ بالنّاسِ)) یعنی کہو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور لفظ ﴿ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ﴾ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا معروف وصف شوریٰ تھا آپ اپنے زمانہ خلافت میں کوئی امر بدون فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے نافذ نہیں کیا کرتے تھے اسی وجہ سے ملت اسلامیہ کا عظیم ترین سرمایہ وہ ذخیرۂ اجماعیات ہے یعنی وہ اُمور ہیں جن پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اجماع ہو چکا تھا۔ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی ﴾

ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اجماعیات اللہ کے نزدیک صحیح اور پسندیدہ بلکہ قابل مدح وتحسین ہیں اور یہ ایسا وصف ہے جس کو حق تعالیٰ نے بطور مدح ذکر فرمایا: ﴿ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے یہی ان کا امتیازی وصف تھا اور اسی انفاق فی سبیل اللہ کے باعث بشارت عظیم سے فائز ہوئے۔

اور ﴿ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ ﴾ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منطبق ہے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں باغیوں سے بغاوت پر جہاد وقتال کیا۔ اور آیت ﴿ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ سے انتقام کی اجازت دی گئی مگر عفو اور اصلاح وچشم پوشی اور درگذر کو افضل اور بہتر فرمایا گیا عجب نہیں کہ اس لفظ ﴿ وَاَصْلَحَ ﴾ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح فرمائی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا: ((اِنَّ بنی هٰذا سیّد و یصلح الله به بین فئتین عظیمتین)). یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا اور چونکہ لفظ ﴿ وَاَصْلَحَ ﴾ مسلمانوں کے درمیان اتفاق واقع ہونے اور باہمی نزاع وتفرقہ اُٹھ جانے پر دلالت کرتا ہے اس لیے اس میں ایک لطیف اشارہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وحکومت کی طرف بھی ہے۔ کیونکہ ﴿ وَاَصْلَحَ ﴾ کا مقام مدح میں ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ صلح عند اللہ صحیح اور معتبر ہوگی تو اس طرح اس مصالحت کے نص قرآنی کے اشارہ سے حق ہونا معلوم ہوا ہے۔ اور ﴿ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ ﴾ سے اشارہ امراء بنی اُمیہ کی جانب ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری اُمّت کی ہلاکت چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی اور اخیر میں ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ سے ایسے ثابت قدم علماء ربانیین کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے امراء وسلاطین کے جور وظلم پر صبر کیا۔ اور اس اندیشہ سے کہ امت انتشار وافتراق کا شکار نہ ہو جائے۔ مسلمانوں کو امیر وقت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے منع کیا اور باوجود کراہت کے اطاعت قبول

کی۔اور اس گروہ کے سرخیل اور امام علی بن الحسین تھے رضی اللہ عنہم وعن آبائہ الکرام۔(حضرات قارئین تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء از ص ۵۹۲ کی مراجعت فرمائیں)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا

اور جس کو راہ نہ دے اللہ، تو کوئی نہیں اس کا کام بنانے والا اس کے سوا۔ اور تو دیکھے گنہگاروں کو، جس وقت

رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ

دیکھیں گے عذاب، کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی ہو گی کوئی راہ؟ اور تو دیکھے ان کو

يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ

سامنے لائے گئے آگ کے، نوے آنکھیں ذلّت سے، دیکھتے ہیں چھپی نگاہ سے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ

اور کہتے ہیں جو ایماندار تھے، مقرر ٹوٹے والے وہی ہیں جنہوں نے گنوائی اپنی جان، اور

اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

اپنا گھر قیامت کے دن۔ سنتا ہے! گنہگار پڑے ہیں سدا کی مار میں۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ

اور کوئی نہ ہوئے ان کے حمائتی جو مدد کرتے ان کی اللہ کے سوا۔ اور جس کو

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ ؕ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

بھٹکا دے اللہ اس کو کہیں نہیں راہ۔ مانو اپنے رب کا حکم، اس سے پہلے کہ

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا

آوے ایک دن، جو پھرنا نہیں اللہ کے ہاں سے۔ نہ ملے گا تم کو بچاؤ اس دن، اور نہ

لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ

ملے گا الوپ ہو جانا۔ پھر اگر وہ ٹلا دیں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر نگہبان۔

اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ

تیرا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا۔ اور ہم جب چکھاتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت، اس پر ریجھتا

بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ

ہے۔ اور اگر پہنچتی ہے ان کو بُرائی کچھ بدلہ اپنی کمائی کا، تو انسان

كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ

بڑا ناشکر ہے۔ اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ بخشتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

جس کو چاہے بیٹیاں، اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے۔ یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے

وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اور بیٹیاں، اور کرتا ہے جس کو چاہے بانجھ، وہ ہے سب جانتا کر سکتا۔

## قباحت حال ومحرومی وذلّت کفّار روز قیامت وبیان کمزوری فطرت انسانی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ ... اِلٰى ... اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝﴾

**ربط:** اس سے قبل آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور ان کے اوصاف خلاصہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں گمراہوں اور مجرموں کی بدنصیبی ذلت ومحرومی کا بیان ہے۔ ساتھ ہی انسان کی اس فطری کمزوری کا بھی بیان ہے جو اکثر مراحل میں اس کو افعال رذیلہ اور خصائص ذمیمہ کا مرتکب بناتی ہے ارشاد ہے اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تو پھر اس کے بعد اس کے واسطے کوئی چارہ ساز نہیں کہ اس کو ہدایت دے دے۔ اور اے مخاطب تو دیکھے گا قیامت کے روز ظالموں کو جبکہ وہ عذاب خداوندی دیکھتے ہوں گے کہتے ہوں گے کیا ہے ہمارے واسطے دُنیا کی طرف لوٹنے کی کوئی سبیل تا کہ اب ہم ایمان لا کر اعمال صالح کر لیں۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر ان کی تمنا کو ذکر فرمایا گیا ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ اور اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو جہنم پر پیش کیا جا رہا ہوگا اس حال میں کہ ذلت کی وجہ سے وہ سرنگوں اور دیکھتے ہوں گے چھپی چھپی نگاہ سے جیسے مجرم ذلت وشرمساری سے اپنے اوپر واقع ہونے والی سزا خوف وذلت کی کیفیت سے دیکھتا ہو۔ اور اس کو جرأت بھی نہ ہو کہ کوئی چیز نگاہ اٹھا کر دیکھ لے اور اس وقت ایمان والے کہتے ہوں گے اپنی نجات وکامیابی پر شکر کرتے ہوئے اور خوشی کے جذبہ سے بے شک پورا پورا خسارہ اٹھانے والے لوگ وہی ہیں جنہوں نے ہلاکت وخسارہ میں ڈالا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں متعلقین کو قیامت کے روز بے شک ظالم لوگ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہیں اور

ایسے ظالموں کے واسطے کوئی مددگار بھی نہ ہوں گے۔ جو ان کی مدد کر سکیں خدا کو چھوڑ کر اور حقیقت یہی ہے کہ جس کو خدا گمراہ کر دے اس کے واسطے کوئی راستہ ہی نہیں ہے قبول حق اور ہدایت کا۔ اس صورت حال کا تقاضا یہی ہے کہ اے انسانو! قبول کر لو اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری اس سے قبل کہ وہ دن عذاب خداوندی کا آجائے جس کو کوئی لوٹانے والا نہ ہوگا۔ درآنحالیکہ اس دن تمہارے واسطے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے کوئی روک ٹوک ہی کرنے والا ہوگا کہ اللہ رب العزت سے یہی پوچھ لے کہ ان کا یہ حال کیوں ہو رہا ہے۔ یہ حقائق ایسے ہیں کہ ان کو سُن کر کسی بھی شخص کو اعراض نہ کرنا چاہیے۔ لیکن پھر بھی اگر یہ لوگ اعراض کریں اور ایمان نہ لائیں تو آپ ﷺ اس کی وجہ سے غم اور ملال نہ کریں۔ اس لیے کہ ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے جس کے باعث آپ ﷺ سے باز پرس کی جائے۔ آپ ﷺ کے ذمہ تو صرف پیغام خداوندی پہنچا دینا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ اس اعراض کا سبب تعلق مع اللہ کا ضعف ہے جو ان کی اس حالت سے معلوم ہوتا ہے جو اکثر انسانوں میں پائی جاتی ہے کہ جب ہم اس قسم کے کسی انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہونے لگتا ہے اور اتراتا ہے اور اگر ایسے لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ ان اعمال کی وجہ سے وہ اپنے ہاتھوں سے پہلے کر چکے ہیں تو پھر ایسا آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اور وہ نہ اللہ کے انعام کو سمجھتا ہے اور نہ اپنے کیئے ہوئے گناہوں سے تائب ہوتا ہے اور نہ عملی طور پر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ غرض اپنی اس فطری کمزوری اور خرابی کے باعث اس طرح کی ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالتا ہے اور ایسے انسان کی یہ حالت بتاتی ہے کہ اس کو حق تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں وہ محض اپنی خواہشات نفسانیہ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ لہٰذا ایسے بدنصیبوں کو کہاں سے توفیق ہو سکتی ہے اور وہ کیسے ہدایت قبول کر سکتے ہیں اس لیے اے پیغمبر! آپ ﷺ اس غم میں اپنے کو ہلاک نہ کریں۔ اور زائد فکر و پریشانی میں نہ پڑیں۔ اللہ رب العزت کائنات کا مالک اور خالق ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے جس طرح انواع واقسام مخلوقات میں پیدا کیں ان میں تفاوت مراتب رکھا خیر وشر کی تقسیم کی۔ اسی طرح رب العزت نے انسانوں میں عقائد واعمال کے لحاظ سے بھی تقسیم فرما دی کوئی راہ راست پر ہے۔ اور خیر کے کاموں میں لگا ہوا ہے اور کوئی گمراہی پر ہے اور فواحش ومعاصی میں مبتلا ہے۔ بے شک اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی جو چاہے پیدا کرے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے [1] اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔ یا جن کے واسطے چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں کو جمع کر دیتا ہے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دیتا ہے بیشک وہ بڑا ہی جاننے والا بڑی ہی قدرت والا ہے تو بالکل اسی طرح ہر انسان میں جیسے افعال و خصائل چاہے وہ پیدا فرما دیتا ہے اور جس طرح کسی کو عقیم و بے اولاد بنانا اسی کی قدرت ہے اسی طرح کسی انسان سے ہر طرح کی خیر اور نفع کی توقع ختم ہو جانا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

---

[1] بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام کہ ان کی صرف بیٹیاں تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کے صرف بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بیٹیوں کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور آنحضرت ﷺ کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں جمع کی گئیں۔ اگرچہ آپ ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے صاحبزادوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ کسی صاحبزادے کی موجودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کے بعد لوگ ان کو آپ ﷺ کے قائم مقام پیغمبر کہنے لگتے۔ اور اللہ کے پیغمبروں میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام وہ پیغمبر گذرے کہ جن کی کوئی اولاد ہی نہ تھی۔ ۱۲

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ، مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا، پھر پہنچا دے اُس کے حکم سے جو چاہے وہ سب سے اُوپر ہے حکمتوں والا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا

اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے۔ تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے

الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ

کتاب اور نہ ایمان، پر ہم نے رکھی ہے یہ روشنی، اس سے راہ دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے

عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ

بندوں میں۔ اور تو البتہ سمجھاتا ہے سیدھی راہ۔ راہ اللہ کی، جس کا ہے

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع ۵ ۱۰

جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ سنتا ہے! اللہ ہی تک پہنچ ہے کاموں کی۔

## اثبات رسالت نبی کریم ﷺ و تحقیق اقسام وحی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ... الٰی... تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾﴾

**ربط:** اس سورت کا آغازِ وحی کے مضمون سے تھا درمیان میں دلائل نبوت وتوحید بعث ونشر قیامت جزاء وسزا اور مجرمین ومطیعین کے احوال کا بیان فرمایا گیا۔ اب سورت کا اختتام پھر مضمون وحی سے فرمایا جارہا ہے تاکہ سورت کے مضمون کا آغاز اور اس کی انتہا باہم مربوط ہو جائے اور ربط کی یہ خصوصیت اکثر سورتوں کے مضامین میں پائی جاتی ہے۔ اور بلغاء کے نزدیک کلام اللہ کی یہ بھی ایک معجزانہ شان ہے۔ ان آیات میں مسئلہ نبوت کی تحقیق اور وحی کے اقسام کی تفصیل بیان کر کے مخالفین اور بالخصوص یہود کے ایک شبہ کا جواب دینا بھی ہے۔ یہود کہا کرتے تھے کہ اگر محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان سے بلاواسطہ اس طرح ہم کلام ہوتے جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر اللہ ہم کلام ہوا تھا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا سبب نزول اسی اعتراض کو بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ

سے براہِ راست کلام کیوں نہیں کرتے۔اور کیوں نہیں بالمشافہ اللہ کو دیکھتے ہو۔اگر آپ ﷺ نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہِ راست کلام کریں اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کو دیکھیں۔ جب تک آپ ﷺ ایسا نہیں کریں گے ہم آپ کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو خدا کو نہیں دیکھا (یہ تم غلط کہتے ہو اور اسی طرح انہوں نے اللہ سے براہِ راست بلاواسطہ تو کلام نہیں کیا بلکہ از پس پردہ کلام ہوا تھا) اور یہ آیات نازل ہوئیں ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ... الخ﴾ (قرطبی ص ۵۳ ج ۱۶)

تو ان آیات میں اقسام وحی کی تحقیق کرتے ہوئے یہود کی اس بات کا بھی رد کیا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کو دیکھا اور بلاواسطہ کلام کیا تھا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ﴾ اور کسی بھی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ دُنیا میں خدا تعالیٰ اس سے بلاواسطہ یا بالمشافہ اس کے روبرو اس سے کلام کرے۔ مگر یا تو اشارہ سے کہ باطنی طور سے بحالت بیداری بطریق الہام اس کے دل میں کسی چیز کا القاء کر دے یا بحالت خواب اس کو خواب میں کوئی چیز دکھلا دے یا بتلا دے خواہ یہ القاء الفاظ کے ساتھ ہو یا صرف معنی کے ساتھ یا یہ کہ پردے کے پیچھے سے کلام کرے کہ کلام تو سنائی دے مگر متکلم نظر نہ آتا ہو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی قاصد بھیج دے فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو جو کسی آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر پھر وہ اللہ کی وحی پہنچا دے اس کے حکم سے وہ جو چاہے غرض یہی تین صورتیں ہیں جو خداوند عالم کی اپنے پیغمبر سے ہم کلامی کی ہو سکتی ہیں۔ ان تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کسی بشر کے ساتھ اس شکل میں کلام کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت ہی بلند مرتبہ والا بڑا ہی حکیم ہے اور جس طرح ہم نے اور پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی ہے اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح ہدایت یعنی قرآن کو بذریعہ وحی بھیجا وہ قرآن کریم جو قلوب کے واسطے روح ہے کہ جیسے بدن کی حیات بغیر روح کے ممکن نہیں اسی طرح دلوں کی حیات و زندگی قرآن کریم ہے۔ اور یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے کہ آپ تو اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اُمی ہونے کی وجہ سے جانتے نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے جس کی طرف اب آپ ﷺ دُنیا کو دعوت دے رہے ہیں لیکن ہم نے بنایا ہے اس قرآن کو نور ہدایت جو آپ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا۔ جس کے ذریعے ہم راستہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔ جو تمام عالم کے واسطے نورِ ہدایت اور نورِ مبین ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے کہ آفتاب عالم تاب کی روشنی میں کوئی بینا آدمی ذرہ برابر شبہ نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نور مبین کا منکر نابینا ہی ہو سکتا ہے۔ بے شک اے پیغمبر آپ ﷺ اس نور ہدایت کے ذریعے مخلوق خدا کو سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو ایسے خدا کا راستہ ہے جس کے واسطے ہر وہ چیز ہے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔ وہ سب کا خالق و مالک ہے آگاہ ہو جاؤ خدا ہی کی طرف خلائق کے تمام اُمور لوٹتے ہیں۔ اسی کے حکم سے ہر چیز ہوتی ہے اور ہر امر کا فیصلہ اور عمل کا انجام بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اہل ایمان و ہدایت اور نیکوں کو وہی جزا دے گا اور جو لوگ راہ حق اور ہدایت سے برگشتہ ہوں گے ان کو سزا دے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہادی برحق کی اطاعت کرو۔ اور ان کے احکام کی پیروی کرو۔ اسی میں نجات و کامیابی ہے۔

## وحی کا مفہوم

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے مفردات میں لفظ وحی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: اشارة سريعة فی خفية یعنی پوشیدہ اور مخفی طور

سے ایک سریع اشارہ اور رمز۔ لفظ خفیۃ سے تو یہ ظاہر کیا کہ وحی الٰہی کا تعلق ظاہری حواس کے ادارک اور احساس سے نہیں یہ باطنی مدرکات اور شعور سے تعلق رکھنے والا امر ہے۔ اور لفظ سریعۃ کی دلالت یہ بتا رہی ہے کہ وہ ایک آن کی آن میں عرشِ الٰہی سے قلب پیغمبر پر وارد ہو جاتی ہے اور فی خفیۃ کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ مجلس میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہوتے اور نزول وحی ہو جاتا اس طرح کہ کسی کو کوئی خبر بھی نہ لگتی۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات اللہ کا فرشتہ نظروں کے سامنے محسوس ہوتا اور وہ کوئی کلام کرتا تو دوسرے بھی اس کو سنتے جیسے کہ حدیث ایمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جبریل امین علیہ السلام کا نو وارد شخص کی شکل میں آنا اور ان کے سوالات کا قصہ مذکور ہے۔

لفظ وحی اگرچہ اپنے مشتقات کے استعمال اور اصل وضع کے لحاظ سے عموم رکھتا ہے اور غیر انبیاء کے واسطے بھی استعمال کیا گیا۔ مثلاً ﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ (القصص:۷) بلکہ انسانوں کے سوا کے لیے بھی استعمال ہوا۔ مثلاً ﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ (النحل:۶۸) حتیٰ کہ شیاطین کے بارے میں بھی فرمایا گیا: ﴿وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ﴾ (الانعام:۱۲۱) اور ﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ (الانعام:۱۱۲) لیکن اصطلاح شریعت کی رو سے وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے۔ وحی صرف اسی کلام یا پیغام اور امر خداوندی کا نام ہوگا جو بارگاہِ خداوندی سے اس پیغمبر کو دیا جائے۔ اس لحاظ سے وحی کا مفہوم الہام اور القاء ربانی وغیبی سے ممتاز وجدا ہوگا۔

## حقیقت نبوت اور وحی

حق تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں۔ ایک قوتِ ملکیہ وروحانیہ اور دوسری قوتِ جسمانیہ وبہیمیہ جس طرح اطباء وحکماء کو قوت بہیمیہ کے امراض کے علاج اور اس کی تربیت کے لیے پیدا فرمایا گیا اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام قوت روحانیہ کے علاج وتربیت کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ انبیاء علیہم السلام جو صورت جسمانیہ اور اپنے مادہ کے لحاظ سے اگرچہ بشر ہوتے ہیں لیکن اس بشریت کے باوجود ان کی بشری قوت، قوتِ ملکیہ کے تابع اور اس کی محکوم ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے اور اس کو معصیت کی طرف بلاتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔ لیکن جو قرین مجھ پر مسلط کیا گیا ہے وہ میرا مطیع ومنقاد اور تابع ہے فلا یأمرنی الّا بخیر کہ وہ مجھ کو خیر کے سوا اور کسی چیز کا حکم نہیں کرتا۔ یہ حضرات کسی وقت بشریت سے منسلخ ہو کر ملأ اعلیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور اس حالت میں ملأ اعلیٰ سے جو کچھ علوم وہدایات ان پر القاء فرمائی جاتی ہیں اسی کو وحی کہا جاتا ہے اور اس انسلاخی حالت کے ختم ہو جانے کے بعد وہ علوم وہدایات لے کر بندگان خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت گھنٹی کی سی گونج سُنائی دیتی ہے اور کبھی فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے جو اس کی اصلی صورت ہو اور کبھی کسی بشر کی شکل میں متشکل ہو کر وہ سامنے آتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ کا کلام پہنچا دیتا ہے اور یہ اخذ وحی نہایت ہی سُرعت کے ساتھ ہوتا ہے اسی چیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے اشارۃ سریعۃ کی قید ذکر کی۔ اور یہی وجہ صعوبت کے پیش آنے کی ہوتی تھی جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ (المزمل:۵) حتیٰ کہ سردیوں کے زمانہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہے۔

کیونکہ عالم خواب باطنی قویٰ اور مدرکات سے متعلق ہے تو اس لحاظ سے وحی کے ذریعہ جو علم وادارک ہے وہ ایک گونہ خواب کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ محض باطنی ادراکات کے ذریعہ کسی چیز کے سننے اور جاننے کے اعتبار سے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ خواب ایک ظنی چیز ہے۔

اور وحی الٰہی امر قطعی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وحی کی ابتداء خوابوں سے ہوئی۔ جیسے کہ آفتاب کے طلوع سے قبل آسمان پر صبح کی سپیدی طلوع آفتاب کی تمہید ہوتی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور وحی سے قبل چھ ماہ تک سچے خوابوں کا سلسلہ آفتاب رسالت سے قبل تمہید نبوت تھی۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس بنا پر ان کا خواب بھی وحی کی طرح قطعی اور امر خداوندی ہوتا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا تو کہا ﴿اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ﴾ (الصافات:۱۰۲) اس کے جواب میں اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ فرمانا ﴿یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ کہ اے باپ کر گذریئے وہ بات جس کا آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا۔ یہ نہیں کہا کہ کر گذریئے وہ چیز جو آپ علیہ السلام نے خواب میں دیکھی۔

بہر کیف عالم روحانیت اور ملأ اعلیٰ کے امور کا القاء اللہ کی طرف سے وحی کی حقیقت ہے یعنی جو چیز انسان نہ آنکھ سے دیکھ سکتا ہو اور نہ کان سے سن سکتا ہو اور نہ عقل سے اس کا ادارک کر سکتا ہو اس کا علم بذریعہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔

غرض وحی الٰہی اور نبوت ایک موہبہ اور عطیۂ خداوندی ہے کوئی کسبی و اکتسابی یا فطری صلاحیت یا آثار و کیفیات کا نام نہیں جیسے کہ فلاسفہ اور ملحدین کا گمان ہے۔ فلاسفہ وحی کی حقیقت میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک فطری ملکہ ہے۔ یعنی انسانی فطرت کی ایک اعلیٰ حالت کا نام ہے اور نبی کے قوائے طبیعہ کا ایک عمل ہے تفصیل کے لیے علم الکلام حضرت والد محترم مولانا ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ ملاحظہ فرمائیں۔

## اقسام وحی کی تحقیق و تفصیل

ان آیات میں وحی خداوندی کے اقسام کی تفصیل و تحقیق بیان فرمائی گئی کہ اللہ کی وحی کسی بشر یعنی اس کے پیغمبر پر صرف ان تین شکلوں ہی میں منحصر ہے اللہ کا کلام پیغمبر سے یا بہ شکل وحی یعنی اشارہ خفیہ کی صورت میں ہوگا۔ یا از پس پردہ ہوگا یا کسی قاصد کے ذریعے ہوگا کہ وہ آکر اللہ کا پیغام اور کلام پہنچا دے۔ ان ہی تین صورتوں کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے ﴿اِلَّا وَحْیًا﴾ کی شکل تو وہ ہوگی کہ اندر ہی اندر بغیر کسی ظاہری توسط اور واسطہ کے اللہ کا کلام نازل ہو جائے۔ جس کو ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ﴾ (الشعراء:۱۹۲) میں بیان فرمایا گیا کہ ظاہری طور پر نہ آنکھ کسی متکلم کو دیکھتی ہو اور نہ ظاہری کان کوئی آواز سنتے ہوں اور قلب پر اللہ کی وحی اور کلام نازل ہو جائے کہ حواس ظاہرہ کے دخل کے بغیر ہی قلب اپنے کانوں سے کلام الٰہی سن لے۔ عارفین کہتے ہیں حواس اصل میں تو اندر ہیں۔ جب عالم ظاہر سے تجرد ہوتا ہے تو حواس باطنہ اپنا عمل شروع کرتے ہیں۔ جیسے عالم خواب میں مدرکات اپنا عمل اس وقت شروع کرتے ہیں جب انسان پر نوم (نیند) طاری ہو جائے اور حواس عالم ظاہر کے احساس و ادارک سے معطل اور غافل ہو جاتے ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم کی یہ آیت ظاہر کر رہی ہے ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ﴾ (الحج:۴۶) دوسری صورت کا حاصل یہ ہے کہ قوت سامعہ کا تو دخل اور توسط ہو مگر قوت باصرہ اور آنکھوں کے درمیان میں دخل و توسط نہ ہو وہ از پس پردہ نزول وحی کی صورت ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ کا کلام سنا۔ آنکھوں سے نہ کوئی متکلم نظر آ رہا تھا اور نہ خداوند قدوس کا دیدار تھا۔ تیسری شکل کا حاصل یہ ہے کہ کسی قاصد اور فرشتہ کے ذریعہ وحی الٰہی آئے۔ اور خدا کا پیغمبر اس فرشتہ اور قاصد کو آنکھوں سے دیکھتا بھی ہو اور کانوں سے اس کے کلام کو سنتا ہو جیسے کہ بسا اوقات جبریل امین علیہ السلام حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں اترتے اور اللہ کی وحی پہنچا دیتے۔ آنحضرت ﷺ

سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حارث بن ہشام کے سوال کے جواب میں جو چیز ذکر فرما رہی ہیں وہ وحی کی ان تین شکلوں میں سے دو کو مشتمل ہے جس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشدہ علی وأحیانًا یتمثل لی الملك بشرًا فیکلمنی فأعی مایقول یعنی بسا اوقات وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے گھنٹی یا ٹالی کی جھنکار اور گونج کی طرح اور یہ مجھ پر زائد شدید ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات میرے سامنے فرشتہ بشر کی شکل میں متشکل ہو کر رونما ہوتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے تو مثل صلصلۃ الجرس کی شکل ﴿اِلَّا وَحْیًا﴾ کی ہوتی تھی۔ اور یتمثل لی الملك بشرا کی صورت وہ ہوتی تھی جس کو قرآن کریم نے ﴿اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ﴾ میں بیان فرمایا۔ یہی دو صورتیں غالب تھیں اور ﴿مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ نادر اور قلیل تھی اس وجہ سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کو صراحۃً نہیں فرمایا گیا اور ﴿اِلَّا وَحْیًا﴾ کی صورت شدید اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صفت بشریت سے منسلخ ہو کر ملکیت کی طرح صعود کرنا پڑتا تھا بخلاف اس صورت کے کہ فرشتہ ہی بصورت بشر نزول کر کے پیغام خداوندی پہنچا دے تو اس میں اپنے قویٰ میں تصرف کی مشقت نہیں ہوتی تھی۔ اس وجہ سے یہ دوسری صورت سہل ہوتی تھی بہ نسبت پہلی صورت کے یہ صورتیں تو وحی الٰہی کی وہ تھیں کہ ملأ اعلیٰ سے عالم دُنیا کی طرف پیغمبر پر اللہ کا کلام اتارا جائے گویا یہ نزول وحی کا درجہ ہوا۔ ایک درجہ ایحاء کا یہ ہوا کہ موحیٰ الیہ کو اوپر بلایا جائے۔ جیسے کہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں کی بلندیوں کے بعد سدرۃُ المنتہیٰ اور بیت المعمور تک اور پھر وہاں سے مزید بلندیوں تک پہنچایا گیا کہ قاب قوسین کی صورت ہو گئی اور اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی گئی جیسے کہ فرمایا گیا ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝﴾ (النجم:) یعنی جانبین سے مکالمہ ہوا۔ اگرچہ رؤیت میں اختلاف ہے لیکن بر تقدیر ثبوت یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیدار اور کلام جدا جدا ہوگا۔ رؤیت مع الکلام کا جمع ہونا اس آیت کی رو سے بظاہر مشکل ہے کیونکہ بیان کردہ تین شکلوں کو انفصال کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ کلام خداوندی ان صورتوں میں سے کسی ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کلام من وراء حجاب یعنی از پس پردہ تو ہو سکتا ہے لیکن یہ کہ عیانًا اور بالمشافہ دیدارِ خداوندی کے ساتھ کلام بھی جمع ہو جائے؟ تو یہ نہیں ہوگا۔

## الہام اور اُس کی صورتیں

الہام بھی ملاء غیب سے علوم و ہدایات کے القاء کا نام ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سوا دیگر اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قلب پر ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

**الھام**: جو علم کہ قلب میں بغیر کسی اکتساب اور استدلال کے حق تعالیٰ شانہٗ یا ملأ اعلیٰ کی جانب سے القاء ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ : ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝﴾ (الشمس)

"پھر اللہ نے اس کو فجور اور تقویٰ کا الہام فرمایا۔"

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لیے فرمایا کہ نفس اس پر عمل کرے اور فجور کا الہام اس لیے فرمایا کہ اس سے پرہیز کرے۔

حصین بن منذر خزاعی رضی اللہ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعلیم فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ الھمنی رشدی واعذنی من شرّ نفسی)).

"اے اللہ مجھ کو رشد و ہدایت کا الہام فرما اور شر نفس سے مجھ کو پناہ دے۔"

① وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ﴾ (القصص:۷)

"اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔"

② ﴿وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ﴾ (المائدہ:۱۱۱)

"حواریین کو یہ الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

③ ﴿قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶﴾ (الکہف:۸۶)

"اور ذوالقرنین کو یہ الہام کیا کہ خواہ ان کو عذاب دو یا ان کے ساتھ احسان کرو۔"

الہام کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہِ راست قلب پر القاء ہوتا ہے اس کو علم لدنی کہتے ہیں:

کما قال اللہ تعالیٰ شانہ: ﴿وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (الکہف:۶۵) چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

والعلم اللّدنی هوالذی لا واسطة فی حصوله بین النفس وبین الباری وانما هو کالضوء من سراج الغیب یقع علیٰ قلب صاف فارغ لطیف. (کذافی الرسالة اللّدنیه ص۲۸)

"علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ علم لدنی۔ بمنزلہ روشنی کے ہے کہ سراج غیب سے قلب صاف و شفاف پر واقع ہوتی ہے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منکرین علم لدنی سے یہ فرمایا کرتے تھے:

قد اخذتم علمکم میتا عن میت ونحن اخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت.

(کذافی الیواقیت والجواهر ص۹۱ ج۲)

"تم نے (خطاب بہ علماء ظاہر) علم مَیِّتًا عن مَیِّتٍ حاصل کیا ہے اور ہم نے علم۔ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ سے لیا ہے۔"

اور کبھی ملأ اعلیٰ اور مَلَکِ الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القاء کی جاتی ہے اس کو القاء فی القلب اور نفث فی الروع کہتے ہیں۔ مَلَکِ الہام قلب میں القاء کرتا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

کما قال النبی ﷺ: ((ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس تستکمل رزقها )).(الحدیث)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہ مرے گا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ لے لے۔"

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الانفال:۱۲)

"جب کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی بھیجتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم مسلمانوں کے دلوں کو ثابت اور قائم رکھو۔"

اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد: ((واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن)) جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے واس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس وعظ اللہ سے یہی الہام الٰہی بواسطۃ الملائک مراد ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج السالکین

میں ذکر کیا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ متمثل بشکل بشر ہو کر شفاہاً اور عیاناً مخاطبت اور کلام کرتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲﴾ (آل عمران)

"اور جس وقت کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم (علیہا السلام)! اللہ نے تجھ کو پسند کیا ہے اور تجھ کو پاک بنایا ہے اور جہاں کی عورتوں پر تجھ کو فضیلت دی۔"

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ (آل عمران:۴۵)

"جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم (علیہا السلام)! اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک خاص کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا جو دُنیا و آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔"

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝۱۶ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝۱۷ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝۱۸ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝۱۹﴾ (مریم)

"اور ذکر کرو کتاب میں مریم (علیہا السلام) کا جبکہ وہ شرقی مکان میں اپنے لوگوں سے علیحدہ ہوئیں پس ایک پردہ بنایا۔ پس بھیجا ہم نے ان کے پاس ایک فرشتہ جو آدمی کی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا۔ حضرت مریم (علیہا السلام) بولیں کہ اللہ کی پناہ تجھ سے اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے کہا کہ جز ایں نیست کہ میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تجھ کو لڑکا دے جاؤں۔"

((وقد كانت الملٰئكة تخاطب عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه بالسلام فلمّا اكتوى ترك خطابه فلما ترك الكى عاد اليه خطاب ملكى)).

"فرشتے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو سلام کیا کرتے تھے مگر جب وہ داغ لگوانے لگے تو فرشتوں نے سلام چھوڑ دیا پس جب انہوں نے داغ لینا چھوڑ دیا تو فرشتے پھر مخاطبت اور سلام کرنے لگے۔"

((وقال ابو عمر كان اى عمران بن حصين من فضلاء الصّحابة وفقهآئهم يقول عنه اهل البصرة انه كان برى الحفظة وكانت تكلمه حتىّ اكتوى)). (كذافى الاصابه ص٢٦ ج٣)

"ابو عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر تھے اور فقہاء صحابہ میں سے تھے اہل بصرہ خود حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں کہ وہ کراماً کاتبین کا دیکھا کرتے تھے۔ اور ان سے باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ داغ لیا۔"

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ قلب کے دو دروازے ہیں۔ ایک عالم ملکوت اور ملأ اعلیٰ کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہادت کی طرف۔

ظاہری علوم اور معارف ظاہری باب یعنی حواس خمسۂ ظاہرہ سے قلب میں داخل ہوتے ہیں اور عالم ملکوت اور ملأ اعلیٰ کے علوم باطنی دروازہ سے قلب میں آتے ہیں۔

واردی [1] الحسن عن رسول الله ﷺ العلم علمان فعلم باطِن فی القلب فذٰلك هو العلم النّافع وسئل بعض العلماء عن العلم الباطن فقال هوسّرٌ مِن اسرارالله تعالیٰ یقذفه الله تعالیٰ فی قلوب احبائه لم یطلع علیه ملکًا ولا بشرا وقد قال ﷺ ان من اُمّتی محدثین ومعلمین ومکلمین وان عمرمنهم وقرأ ابن عباس رضی الله عنهما﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ وَّ لَا مُحَدَّثٍ﴾ والمحدث هو المُلْهَمُ وَالملهم هوالذی انکشف له فی باطن قلبه من جهة الداخل لامن جهة المحسوسات الخارجة. وَ کَانَ ابویزید وغیره یقول لیس العَالم الّذی یحفظ من کتاب فاذانَسِیَ ماحفظهٗ صارجاهلا انماالعالم الذی یاخذ علمه من ربه ای وقت شآء بلاحفظٍ ولادرس وهذاهوالعلم الرّبانی والیه الاشارة بقوله تعالیٰ ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ مع ان کل علم من لدنه و لکن بعضها بوسائط علیم الخلق فلا یمسّی ذٰلك علم الدنیا بل اللدنی الذی ینفتح فی سرّ القلب من غیر سبب مالوف من خارج آھ.

"حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: کہ علم دو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی اور آخرت میں علم باطن ہی نفع دیتا ہے بعض علماء سے علم باطن کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ وہ ایک سرِ الٰہی ہے جس کو حق تعالیٰ اپنے محبوبین کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور اس پر کسی فرشتہ اور بشر کو بھی مطلع نہیں فرماتے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میری اُمت میں سے محدث اور معلم اور مکلم ہوں گے۔ اور عمران رضی اللہ عنہ میں سے ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ہے ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ وَّ لَا مُحَدَّثٍ﴾ اور محدث وہ ملہم من اللہ ہے کہ جس کے باطن قلب میں ان حواس ظاہرہ کے علاوہ علوم ومعارف کے لیے کوئی راستہ کھل گیا ہو۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص عالم نہیں جو کسی کتاب کو یاد کرلے اس لیے کہ اگر وہ اس کو بھول جائے تو جاہل رہ جائے گا۔ عالم حقیقتاً وہ ہے کہ جو اپنے رب سے جس وقت چاہتا ہو علم حاصل کرتا ہو بغیر حفظ اور تدریس کے اور یہی علم ربانی ہے اور ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ ہر علم اللہ ہی کے پاس سے ہے مگر بعض علم تعلیم خلق کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے اس کو علم لدنی نہیں کہتے۔ علم لدنی وہ ہے کہ جو بغیر کسی خارجی سبب کے خود بخود قلب میں من جانب اللہ آتا ہو۔"

حجۃ الاسلام قدس سرہٗ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حوض میں پانی لانے کی دو صورتیں ہیں: **ایک** یہ کہ نہر وغیرہ سے پانی لایا جاوے۔ دوم یہ کہ اسی حوض کو کھود کر اور اس کو آلات سے صاف کر کے اسی میں کوئی چشمہ جاری کر دیا جائے اور یہ پانی بہ نسبت نہر کے پانی کے نہایت صاف اور شیریں اور لذیذ ہوگا اسی طرح قلب بھی بمنزلہ حوض کے ہے تو کبھی علم اس میں حواس کی نہر سے لایا جاتا ہے اور کبھی بذریعہ خلوت وعزلت، مجاہدہ وریاضت قلب کو کھود کر صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت خود اندورن قلب ہی سے علم کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور تحصیل علوم میں حواس ظاہرہ کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی۔ حجۃ الاسلام رسالہ لدنیہ میں فرماتے ہیں۔ مگر اس باطنی باب کا انفتاح تحصیل علوم اور صلاح وتقویٰ اور ریاضت صادقہ اور مجاہدۂ کبیرہ اور مراقبۂ صحیحہ اور تفکر پر موقوف ہے۔

---

[1] مدارج السالکین ص ۲۵ ج ۱

كما قال النّبيُّ ﷺ من عمل بماعلم اورثه الله العلم بمالم يعلم وقال ﷺ من خلس الله اربعين صباحا اظهر الله تعالىٰ ينابيع الحكمة من قلبه علىٰ لسانه و قال النبى ﷺ تفكر ساعة خير من عبادة ستّين سنة. فالمتفكر اذا سلك سبيل الصواب يصير من ذوى الالباب وتنفتح روزنة من عالم الغيب فى قلبهٖ فيصير عالما كاملاعاقلاملهمًا مؤيدا . (رساله لدنيه ص۳۷)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو چالیس روز اخلاص کے ساتھ عبادت کرلے اللہ تعالیٰ علم وحکمت کے چشمے اس کے قلب سے اس کی زبان پر جاری فرمادیتے ہیں۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایک گھڑی تفکر اور مراقبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ پس متفکر جب صحیح راستہ پر چلے تو وہ عنداللہ اولی الالباب میں سے ہوجاتا ہے اور عالم غیب سے ایک روزن اُس کے قلب میں کھل جاتا ہے اس وقت یہ شخص پورا عالم اور عاقل اور ملہم اور مؤید من اللہ ہوتا ہے۔"

## الہام انبیاء علیہم السلام اور الہام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم میں فرق

حافظ تور بشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الہام انبیاء علیہم السلام اور الہام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم میں فرق ظاہر ہے انبیاء علیہم السلام کا الہام قطعی ہوتا ہے جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے بخلاف الہام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے کہ وہ ظنی ہوتا ہے اور خطا سے معصوم نہیں ہوتا اور یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے رؤیاء صالح میں انبیاء علیہم السلام کا رؤیاء صالح وحی ہوتا ہے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا نہیں۔

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"والہام کہ اولیاء را ہست مقتبس از انوار نبوت است واز برکات وفیوض متابعت انبیاء است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات"

(مکتوب ۲۳ جلد ۳ ص ۴۱)

ترجمہ: "اور اولیاء کا الہام انور نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض اور برکت سے ہوتا ہے۔" فافہم واستقم

یعنی جس طرح مؤمنین کا ایمان اور ان کی دیگر صفات مثلاً زہد وورع۔ قناعت وتوکل۔ رضا وتسلیم وغیرہ وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام ہی کے ایمان اور صفات کا ایک عکس ہوتا ہے۔ مؤمنین کے ایمان اور ان کے زہد اور ورع کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ایام اور زہد وورع سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

اسی طرح الہام مؤمنین کو الہام انبیاء علیہم السلام سے کوئی نسب نہیں ہوتی۔ الہام مؤمنین تو الہام انبیاء علیہم السلام کا ایک ادنیٰ سا پرتو اور عکس ہوتا ہے۔ یہ کہاں اُس کے ہمسر ہوسکتا ہے این الثرٰی من الثریا۔

نیز الہام اولیاء فقط کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور الہام انبیاء میں امر ونہی اور احکام الٰہیہ جو بندوں کے متعلق ہوں وہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے اور اولیاء پر نہیں بلکہ اُس کا اخفاء اولیٰ ہے۔ جب تک کوئی

ضرورت شرعیہ ودینیہ داعی نہ ہو۔

وحی والہام کی تحقیق وتفصیل میں حضرت والد محترم * کا یہ کلام نہایت جامع اور اسرار وحکمت پر مشتمل تھا جو ہدیۂ ناظرین کیا گیا۔

بحمدالله قدتم تفسير سورة الشورىٰ يوم السبت ۱۹ من شهر جمادى الثانية ۱۴۰۱ھ۔ والحمد علىٰ ذٰلك حمد اكثيرا اَللّٰهُمَّ وفقنى لاتمام هذاالتفسيرالمبارك ويسره لى بفضلك يا ارحم الرّاحمين.

## سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۸۹ | (۴۳) | (۶۳) | رکوعاتہا ۷

سورۂ زخرف مکی ہے اور اس میں نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

حٰمٓ ① قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی زبان کا، شاید کہ تم

تَعْقِلُوْنَ ③ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④ اَفَنَضْرِبُ

بوجھو۔ اور یہ بڑی کتاب میں ہم پاس ہے۔ اُونچا محکم۔ کیا پھیر دیں گے

عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ⑤ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

ہم تمہاری طرف سے یہ سمجھوتی موڑ کر اس سے کہ تم ہو لوگ جو حد پر نہیں رہتے۔ اور بہت بھیجے ہیں

مِنْ نَّبِيٍّ فِى الْاَوَّلِيْنَ ⑥ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

ہم نے نبی پہلوں میں۔ اور نہیں آتا لوگوں کو کوئی پیغام لانے والا، جس سے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧

ٹھٹھا نہیں کرتے۔ پھر کھپا دیئے ہم نے ان سے سخت زور والے، اور چلی آئی ہے حقیقت پہلوں کی۔

---

* بحوالہ علم الکلام۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ

اور اگر تُو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان اور زمین؟ تو کہیں بنائے اس

الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ

زبردست خبردار نے۔ وہی ہے جس نے بنا دی تم کو زمین بچھونا، اور رکھ دیں تم کو

فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ

اس میں راہیں شاید تم راہ پاؤ۔ اور جس نے اُتارا آسمان سے پانی

بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ الَّذِيْ

ماپ کر، پھر اُبھارا ہم نے اس سے ایک دیس مردہ۔ اسی طرح تم کو نکالیں گے۔ اور جس نے

خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا

بنائے سب چیز کے جوڑے، اور بنا دیئے تم کو چوپائے اور کشتی، جس پر

تَرْكَبُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا

سوار ہوتے ہو۔ تا چڑھ بیٹھو اس کی پیٹھ پر، پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان، جب

اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا

بیٹھ چکو اس پر، اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں دیا ہمارے یہ اور ہم نہ تھے اس کے

لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ

مقابل ہونے والے۔ اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ اور ٹھہرائی ہے انہوں نے اس کو اولاد اس کے بندوں

جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ع ۱ ۱۵ ۷

سے۔ تحقیق انسان بڑا ناشکر ہے صریح۔

سورۂ زخرف بھی مکی سورتوں میں ہے۔ اور مکی آیات وسورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی بالعموم توحید ورسالت کے دلائل پر مشتمل ہیں۔ اور شرک کی دلائل عقل وفطرت سے تردید کی گئی۔ اس کی نواسی ۸۹ آیات اور سات رکوع ہیں۔

گزشتہ سورۂ شوریٰ کی ابتداء اثبات وحی سے تھی اور اسی پر اس کی انتہا بھی ہوئی کہ رسالت ونبوت کو ثابت کرتے ہوئے وحی الٰہی کی قسموں کی تحقیق وتفصیل بیان فرمائی گئی۔ اب اس سورت کی ابتداء سورۂ سابقہ کی نہایت کے ساتھ مربوط ہے کہ ابتداء سورت میں کتابِ الٰہی کی عظمت بیان کی جارہی ہے کہ وہ کتاب مبین ہے اور قرآن کریم کلام عربی ہے جس کے عربی ہونے کی وجہ سے اہلِ عرب اس کے اعجاز وحقانیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور اس طرح ان کو قرآن کریم پر ایمان لانے اور اس کو کلام الٰہی ماننے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔

## بیان عظمت وحقانیت کلام ربانی ووعید بر روش مجرمین وملحدین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ ... الیٰ ... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥﴾

**ربط**: گذشتہ سورۃ کا اختتامی مضمون وحی الٰہی کی تحقیق اور نزول وحی کی صورتوں پر تھا۔ اب اس سورت کی ابتداء وحی الٰہی اور کتاب ربانی کی عظمت اور اوصافِ عالیہ کے بیان سے کی جارہی ہے۔ فرمایا:

﴿حٰمٓ﴾ خدا تعالیٰ ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے۔ قسم ہے اس کتاب کی جو واضح ہے جس کی روشنی اور وضاحت جہل اور گمراہوں کی تاریکی بھی دور کرنے والی ہے۔ جس کتاب کو بنایا ہے ہم نے قرآن عربی امید ہے کہ اے مخاطبو! تم اس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے سمجھو کہ وہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ایک جامع کتاب ہدایت ہے اور بیشک یہ قرآن عربی لوحِ محفوظ میں ہمارے پاس ہمیشہ سے ہے جو نہایت ہی بلند پایہ بڑا ہی مستحکم اور محفوظ حکمتوں * سے لبریز ہے کیا پھر تم سے ہم اعراض کرلیں۔ ذکر ونصیحت کرنے سے اس بنا پر کہ تم حد سے گزر جانے والے ہو۔ کہ ہم تمہیں نہ نصیحت کریں اور نہ تمہاری برائیوں پر تنبیہ ووعید نازل کریں۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہم زجر وتنبیہ بھی کریں گے۔ وعظ ونصیحت بھی کریں گے خواہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو اور یہ بات تمہاری اے کفارِ مکہ آج کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ دستور تو پرانے زمانوں سے چلا آرہا ہے۔ اور ہم نے کتنے ہی رسول بھیجے پہلی قوموں میں وہ اللہ کا پیغام لے کر ان قوموں میں مبعوث ہوتے رہے۔ اور نہ آتا اُن کے پاس کوئی بھی رسول، اللہ کے رسولوں میں سے مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ مذاق کرتے۔ تو کسی کے مذاق وتمسخر سے اللہ رب العزت اپنی ہدایات کے نزول کو نہیں روکتا۔ پھر ہم نے ہلاک کرڈالا۔ ان میں سے سخت زور والوں کو بھی۔ اور چلی آئی ہے یہ مثال اور ایک عبرت ناک تاریخ پہلے لوگوں کی۔ اللہ رب العزت کے رسولوں کے منکرین ومکذبین کے یہ عبرتناک واقعات حق تعالیٰ کی قدرت والوہیت اور عظمت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ ان کو دیکھ کر کوئی بھی خدا کی قدرت وخالقیت کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور یہ منکرین بھی اگرچہ اپنی زبانوں سے انکار کرتے ہوں لیکن ان کے دل اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر تم ان سے سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ضرور یہی کہیں گے اس پروردگار نے جو بڑی ہی عزت، زبردست علم والا ہے۔ کیونکہ ہر مخلوق اپنے خالق کی عظمت بھی بتارہی ہے۔ اور اس کے علم وحکمت کی بھی واضح دلیل ہے۔ وہی ہے پروردگار جس نے اے انسانو! زمین کو تمہارے واسطے بچھونا بنایا۔ اور بنائے اس زمین میں تمہارے واسطے راستے تاکہ تم اپنے منافع اور حوائج کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ راستہ پاسکو اور سہولت سے سفر کرسکو اور وہ پروردگار ایسا مہربان ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا اندازے کے مطابق کہ جہاں جتنا پانی چاہا برسایا۔ پھر

---

* مستحکم ومضبوط اور حکمتوں سے لبریز کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ حکیم اس جگہ دونوں معنی پر مشتمل ہے۔

اس پانی کے ذریعہ شاداب کر دیا ایک مردہ جگہ کو جو بے آب و گیاہ بنجر علاقہ تھا پانی نے برس کر اس کو سرسبز شاداب بنا دیا تو جس طرح مردہ زمین سے سبزہ اور غلہ اُگ رہا ہے اور مردہ زمین کی تہوں کے اندار سے نباتات اور سبزے نمودار ہو رہے ہیں زمین کی تہہ میں دبے ہوئے تخم اور دانے زمین میں مِل جانے اور مٹی مٹی ہو چکنے کے بعد پھر اسی طرح نباتات و سبزہ کی شکل میں رونما ہو رہے ہیں جو پہلے موجود تھی تو اسی طرح اے لوگو! تم بھی اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے اگرچہ تم زمین میں دفن ہونے کے بعد زمین کے اجزاء کے ساتھ خلط ملط ہو جاؤ ریزہ ریزہ ہو جاؤ۔ لیکن پھر تمہارا نکلنا اور اٹھنا ہر تخم سے دوبارہ درخت اور سبزہ کے نمودار ہونے کی طرح ہوگا اور وہ پروردگار جس نے جوڑے بنائے ہر چیز کے مثلاً نر و مادہ نیک و بد، اچھا بُرا۔ سیاہ و سفید، خشک و تر، گرم و سرد اور نافع و مضر اور بنا دیا کشتیوں اور چوپایوں کو ایسا کہ تم ان پر سوار ہوتے ہو۔ اور ان پر تم بر و بحر کا سفر کرتے ہو اور کشتیوں اور جانوروں کو اس طرح بنایا ہے کہ تم ان کشتیوں اور چوپاؤں کی پُشت پر برابر جم کر بیٹھ سکو پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کیا کرو جب تم ان پر سوار ہوا کرو اور کہا کرو اپنے پروردگار کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے۔ پاکی ہے اس ذات کی جس نے مسخر و تابع کر دیا۔ ہمارے واسطے اس کو اور ہم تو نہ تھے ایسے کہ اس کو قابو لانے والے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ طاقتور حیوان اور وہ تمام مشینیں جو کائنات کی طاقتوں ہوا پانی اور آگ کی قوتوں سے چلتی ہوں انسانِ ضعیف کی کیا مجال تھی ان کو اپنے قابو میں لاسکتا۔ اور اے انسانو! تم اپنے اس دنیوی سفر کے وقت اصل منزل کی طرف واپسی کا تصور کرتے ہوئے یہ سوچا کرو کہ دنیا کی یہ زندگی بھی ایک سفر ہے اور اس سفر سے اصل حقیقی منزل کی طرف ہی لوٹنا ہے اور کہا کرو۔ [1] بے شک ہم تم اپنے رب کی طرف یقیناً واپس لوٹنے والے ہیں۔ یہ دلائل قُدرت اور انعامات عظیمہ بلاشبہ اس بات کا موجب تھے کہ لوگ اللہ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کو پہچانتے اور اس پر ایمان لاتے لیکن افسوس بہت سے انسانوں نے اپنی بدنصیبی اور محرومی کا ثبوت دیا اور اللہ کے لیے اس کے بندوں میں سے ہی اولاد کو ٹھہرایا۔ جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ جو صریح شرک ہے۔ اور حق تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت کا انکار ہے۔ بے شک انسان بڑا ہی کھلم کھلا ناشکرا اور نافرمان ہے بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر اس کا شاکر و مطیع ہوتا اس نے نافرمانی اور گستاخی کا طریقہ اختیار کیا کہ اللہ کے واسطے اولاد تجویز کی۔

نصاریٰ نے تو ایک بیٹا تجویز کیا تھا مشرکین مکہ نے مزید یہ ظلم کیا کہ بیٹیاں تجویز کر ڈالیں۔ جب کہ خود ان لوگوں کو بیٹیوں سے عار معلوم ہوتا ہے۔ اولاد چونکہ باپ کے وجود کا ایک جز ہوتا ہے تو خداوند عالم کے لیے تجویز اولاد کو اس عنوان سے تعبیر کیا کہ ﴿وَجَعَلُوْا

---

[1] چنانچہ کتاب الاذکار والادعیہ میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کرتے وقت سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ کلمات دُعائیہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سوار ہوتے تو تین بار تکبیر فرماتے اور تین بار سُبحان اللہ فرماتے اور ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور ایک روایت میں ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تین بار فرماتے اور پھر یہ آیت مبارکہ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا پڑھتے۔ اس کے بعد یہ کلمات فرماتے:

اَللّٰھم انی اسئلك فی سفری ھٰذا مِنَ البِر والتَّقوی وَمِن العمل ما تُحِبُّ وترضی اللّٰھُم ھون علینا السَّفر وَ اطْوِلَنَا البُعد اللّٰھمَّ انت الصاحب فی السّفر والخلیفۃُ فی الاھل اللّٰھُمَّ اصحبنا فی سفرنا ھذا واخلفنا فی اَھْلنَا.

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور عمل میں سے ایسے عمل کا جو تجھے پسند ہو۔ اے اللہ! ہم پر یہ سفر آسان کر اور اس کے بُعد کو لپیٹ دے مختصر کر دے۔ اے اللہ! تو ہی ساتھی ہے ہمارا سفر میں اور خلیفہ ہے ہمارے اہل میں۔ اے اللہ! تو ہمارا ساتھی رہے ہمارے سفر میں۔ اور خلیفہ و نگران رہے ہمارے اہل میں۔ ۱۲

لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا﴾ اور ظاہر ہے یہ عقیدہ اس امر کو موجب ہے کہ خداوند عالم کو ایک مرکب شے تصور کیا گیا۔ اور مرکب چیز بلاشبہ حادث ہوتی ہے۔ تو اس طرح تجویز اولاد اس امر کو مستلزم ہوئی کہ خداوند عالم کی خالقیت اور قدرت ہی کا انکار ہے۔ پھر یہ کہ اولاد اور باپ میں یقیناً مشابہت اور مجانست ہوتی ہے۔ دونوں ایک جنس کے نہ ہوں تو والد و مولود کیونکر ہو سکتے ہیں۔ تو اس طرح خدا کے واسطے امثال اور نظائر بھی گویا تجویز کر دیئے۔ جو اس کی شان صمدیت کے منافی ہے پھر یہ بھی ہے کہ اولاد کا رشتہ عالم کائنات میں ایک طرح کی احتیاج پر مشتمل ہے تو اولاد کی تجویز خداوند عالم کے محتاج ہونے کو ثابت کرنے والی ہے جو کسی طرح بھی ممکن التصور نہیں۔ تو پھر کیونکر ایسا لغو اور احمقانہ عقیدہ خدا کے لیے اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر انسان کی ناشکری اور نافرمانی کی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ

کیا رکھ لیں اپنی پیدائش میں سے بیٹیاں؟ اور تم کو دیئے چُن کر بیٹے۔ اور جب ان میں سے کسی کو خوشخبری ملے

اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ

اس چیز کی، جو رحمٰن پر نام دھرا، سارے دن رہے اس کا منہ سیاہ، اور وہ

كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

دل میں گھٹ رہا۔ اور ایسا شخص کہ پلتا رہے گہنے میں، اور جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے۔

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا

اور ٹھہرایا فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمٰن کے عورت۔ کیا دیکھتے تھے

خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ

ان کا بننا؟ اب لکھ رکھیں گے ان کی گواہی، اور ان سے پوچھ ہوگی۔ اور کہتے ہیں اگر چاہتا

الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا

رحمٰن، ہم نہ پوجتے ان کو۔ کچھ خبر نہیں ان کو اس کی۔ یہ سب

يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے ان کو اس سے پہلے؟ سو یہ اس پر مضبوط ہیں۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

بلکہ کہتے ہیں، ہم نے پائے اپنے باپ دادے ایک راہ پر، اور ہم انہی کے قدموں پر ہیں راہ پائے۔

وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ

اور اسی طرح جو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں، سو کہنے لگے وہاں کے آسودہ لوگ،

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ

ہم نے پائے اپنے باپ دادے ایک راہ پر، اور ہم انہی کے قدموں پر چلتے ہیں۔ وہ بولا

اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ

اور جو میں لادوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ، جس پر تم نے پائے اپنے باپ دادے، تو کہنے لگے ہم کو تمہارے ہاتھ

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

بھیجا نہ ماننا۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ سو دیکھ آخر کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۱۰ ۷

جھٹلانے والوں کا؟

## تقبیح وتوبیخ برعناد ومخاصمت مشرکین وانکار از قبول حق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ... الٰى... كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں وحی الٰہی اور کلام ربانی کی عظمت اور حقانیت کے بیان کے ساتھ مجرمین وملحدین کی غلط روش اور بیہودہ خصلتوں پر وعید تھی۔ اب ان آیات میں مشرکین کا عناد اور ان کی مخاصمت کا بیان ہے اور یہ کہ ان کی مشرکانہ روش کس قدر گستاخانہ ہے کہ خدا کے واسطے اوّل تو اولاد تجویز کرتے ہیں اور پھر یہ کہ اس سلسلہ میں بیٹیاں خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود اپنے لیے بیٹیوں کے تصور کو انتہائی عار اور اس کی خبر دی جائے تو غصہ اور غم میں ان کا منہ کالا ہو جاتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ قبول حق سے انکار محض عصبیت کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے تو ارشاد فرمایا کیا اس پروردگار نے اختیار کر لیا ہے۔ اپنی مخلوقات میں سے اپنے واسطے بیٹیوں کو اور تم کو منتخب ومخصوص کر دیا۔ بیٹیوں کے ساتھ کہ تم اپنے واسطے تو بیٹیاں گوارا نہ کرو۔ اور خدا کے واسطے ان کو تجویز کرو۔ حالانکہ جب کبھی بھی ان میں سے کسی کو بشارت سنائی جائے اس چیز کی جس کو انہوں نے رحمٰن کے واسطے

نمونہ بنا رکھا ہے تو غصہ کے مارے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے دن بھر اور حال یہ ہے کہ وہ دل میں گھٹ رہا ہے اور پیچ و تاب کھاتا ہے یہ تو عجیب احمقانہ فیصلہ اور مضحکہ خیز تصور ہے تو کیا وہ لڑکی جو پرورش پاتی ہے (زیب و زینت) زیور میں اور وہ جو خصومت میں اپنے مدعا کو بھی ظاہر کرنے والی نہیں ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کو خدا کی اولاد اور اس کا نمونہ قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ زیبائش و آرائش میں نشوونما پانا جسمانی ضعف اور قوائے بدنیہ کے نقصان کی علامت ہے کیونکہ جسمانی زیب و زینت اور آرائش و آسائش انسان کی عملی صلاحیتوں کو ناقص بنانے والی ہے اور اپنے مدعیٰ کو ظاہر و ثابت نہ کر سکنا یہ قوائے فکریہ اور عقل کی کمزوری کی علامت ہے۔ چنانچہ یہ کمزوری عورتوں میں واضح طور پر پائی جاتی ہے گو بات طویل کریں گی لیکن نہ تو اپنے مقصد کو مدلل کر سکیں گی اور نہ مخالف کی بات کا معقول جواب اور رد کر سکیں گی۔ اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں کس قدر ظلم اور حماقت ہے کہ خدا کے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا جائے۔ کیا یہ لوگ موجود تھے ان کی تخلیق کے وقت۔ اب ہم لکھ رکھیں گے ان کی گواہی اور ان سے باز پرس کی جائیگی۔ کہ تم نے اولاً تو خدا کی اولاد تجویز کی اور پھر فرشتوں کو مؤنثوں کی صف میں لے جا کر کھڑا کر دیا ہے حالانکہ وہ نہ جنس مذکر ہیں اور نہ مؤنث۔ اور پوچھا جائے گا کہ تمہاری اس بات کی کیا دلیل ہے بجائے اس کے کہ اپنی اس احمقانہ اور بیہودہ بات پر شرمندہ ہوتے اور یہ کہنے لگے اگر اللہ چاہتا تو ہم ان بتوں کی عبادت نہ کرتے جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات جانتا ہی ہے تو اس نے ہماری یہ بات جاننے کے باوجود جب ہم کو نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عمل اس کی مرضی سے ہے۔ اور اچھا ہے۔ حالانکہ ان کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں کہ اس چیز کی وجہ سے انسان کے اپنے اختیار و ارادہ سے کیے ہوئے بُرے کام اچھے نہیں ہو سکتے۔ خیر و شر بیشک اللہ کے ارادہ اور قدرت سے ہے۔ لیکن انسان اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے۔ اگر ان کا یہ فلسفہ درست قرار دے لیا جائے تو ہر ظالم و خونخوار اپنے ہر عمل کے درست ہونے کے واسطے یہی استدلال پیش کرنے لگے گا کہ جب خدا نے مجھے اس کام سے نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ یہ کام اچھا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی صاحب عقل اس فلسفہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ تو سب اٹکل اور تخمین کی باتیں کرتے ہیں۔ جو خود انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھی ہیں کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دے رکھی ہے اس سے پہلے تو وہ اس کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں کوئی نوشتہ پیغام یا دلیل عقلی تو کیا ہوتی بلکہ وہ تو یہ کہنے لگتے ہیں بیشک ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر اور ہم انہی کے نشاناتِ قدم سے راہ پاتے ہیں اور جس طرح یہ منکرین و مشرکین اپنے باپ دادوں کی اتباع کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اسی طرح یہ ہے کہ جب بھی ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر بھیجا اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا کسی بستی میں تو وہاں کے عیش پرستوں نے یہی کیا کہ ہم نے تو پایا ہے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر اور ہم تو بس انہی کے قدموں پر چلتے ہیں۔

اللہ کا وہ پیغمبر ہمیشہ ان منکرین کی بات پر بولا تو کیا اگر میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت کی چیز لے آؤں۔ جس پر تم اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ تو بھی تم میرا انکار کرو گے اور اس بے دلیل اور عقل و فطرت کے خلاف بات کے مقابلہ میں رشد و ہدایت کی یہ معقول بات نہیں مانو گے تو انہوں نے بس یہی جواب دیا ہم تو اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو تو ہم نے اس بات پر ان سے انتقام لیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی گستاخیاں کب تک برداشت کی جا سکتی ہیں۔ سوائے مخاطب تو دیکھ لے کیسا ہوتا ہے انجام اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا اور مکذبین و منکرین یعنی قوم عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات تاریخ عالم ہو چکے ہیں۔ ان کو ہر شخص اور بالخصوص اہل عرب خوب جانتے ہیں تو ان عبرت ناک واقعات سے بخوبی یہ کفارِ قریش عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲۶﴾

اور جب کہا ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو، اور اس کی قوم کو، میں الگ ہوں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہو۔

اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ

مگر جس نے مجھ کو بنایا، سو وہ مجھ کو راہ دے گا۔ اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا اپنی

عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

اولاد میں، شاید وہ رجوع رہیں۔ کوئی نہیں! پر میں نے برتنے دیا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

پہنچا ان کو دین سچا، اور رسول کھول سنانے والا۔ اور جب پہنچا ان کو سچا دین، کہنے لگے، یہ

سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى

جادو ہے، اور ہم نہ مانیں گے۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اُترا یہ قرآن کسی بڑے

رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ

مرد پر ان دو بستیوں کے۔ کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی مہر؟ ہم نے

قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ

بانٹی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کے جیتے، اور اونچے کیے درجے ایک کے

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ

ایک سے، کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو کمیرا۔ اور تیرے رب کی مہر

رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ لوگ ہو جاویں ایک دین پر،

لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ

تو ہم دیتے ان کو جو منکر ہیں رحمٰن سے، ان کے گھروں کو چھت روپے کے، اور سیڑھیاں

عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

جن پر چڑھیں۔ اور ان کے گھروں کو دروازے اور تخت، جن پر لگ بیٹھیں۔

وَ زُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ الْاٰخِرَةُ

اور سونے کے۔ اور یہ سب کچھ نہیں مگر برتنا دنیا کے جیتے۔ اور پچھلا گھر

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۳ ۹

تیرے رب کے ہاں انہیں کو ہے جو ڈر رکھیں۔

## بیان استقامت ابراہیم علیہ السلام بر توحید خداوندی ونفرت وبراءت از شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ ... الیٰ ... عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں مشرکین ومنکرین کے عناد وتعصب اور ان کے قبولِ حق سے انکار ونفرت کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا لقب ہی حنیف مسلم تھا ایک رنگ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ کس طرح توحید پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور انہوں نے اسی جذبۂ توحید میں اپنی قوم اور اپنے باپ سے بھی نفرت وبراءت کا اعلان کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید وشرک دو متناقض چیزیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کے دل میں ایمان وتوحید کا رنگ رچ گیا ہو وہ شرک اور مشرکین سے نفرت وبیزاری ہی اختیار کرے گا۔ یہی اسوۂ ابراہیمی ان آیات میں بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہٗ کی اس حکمت تکوینی کا بھی ذکر ہے جس کے باعث اس نے دُنیا میں ایمان وکفر اور ہدایت وضلالت کی تقسیم فرمائی۔ تو ارشاد فرمایا۔ اور جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ کو اور قوم کو کہ اے لوگو! بیشک میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم نے ان کو اپنا معبود بنا رکھا ہے مگر اس ذات سے کہ مجھ کو پیدا کیا۔ بس میں تو اسی کی عبادت کرتا ہوں وہی میرا یکتا معبود حقیقی ہے۔ بیشک وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے۔ اور اسی بات کو ابراہیم علیہ السلام نے ایک باقی رہنے والا پیغام بنا کر چھوڑ دیا اپنی اولاد میں تاکہ وہ رجوع کریں۔ اسی معبود واحد کی طرف۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اسوہ اور ان کی میراث ان کی اولاد اور آنے والی نسلوں میں باقی رہتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ یہ ہوا کہ میں نے ان کو دنیوی ساز وسامان اور راحتوں سے متمتع کیا اور ان کے بزرگوں کو یہاں تک کہ ان کے پاس حق آ گیا۔ اور ایسا رسول جو ہر بات کھول کر بیان کر دینے والا ہے۔ جس نے سچا دین پیش کیا۔ واضح دلائل سے حق ثابت کیا قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ حق وباطل کے فرق اور ان کے ثمرات کو نہایت صفائی سے بیان کر دیا جس کے بعد کوئی گنجائش تو نہ تھی کہ ایسے رسول مبین پر لوگ ایمان نہ لاتے اور اس کے دین سے اعراض وانحراف کرتے مگر افسوس انہوں نے اعراض وانکار کیا اور جب ان کے پاس حق پہنچا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں ہیں۔ اور کہا کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دونوں بستیوں والوں میں سے کسی بڑے مرد پر کہ وہ سربرآوردہ اور دولت مند ہوتا تو ہم اس کی پیروی کر

لیتے۔اب کسی فقیر اور معمولی آدمی کی کیوں کر اتباع کریں۔اے ہمارے پیغمبر تو کیا یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو کہ نبوت ورسالت کا منصب ان کی رائے اور مرضی کے مطابق تقسیم کیا جائے۔دُنیا کے مال ودولت، سرادری اور عزت ووجاہت سے نبوت ورسالت کا کوئی تعلق نہیں تقسیم دنیا کا خدا کے یہاں اور قانون ہے۔اور نبوت ورسالت سے سرفراز فرمانے کا معیار دوسرا ہے۔اور جس طرح دنیا کی نعمت تقسیم کرنے میں ہم ہی قادر ومختار ہیں اس میں کسی کے مشورہ اور مرضی کے پابند نہیں۔اسی طرح رسالت ونبوت کی عطا میں بھی ہم ہی مختار مطلق ہیں جس کو چاہیں اس منصب سے نوازیں۔نعمت خواہ دنیوی یا اُخروی اور روحانی ہو اس کی عطا وتقسیم میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔چنانچہ ضابطہ یہی ٹھہرا ہوا ہے کہ ہم ہی نے تقسیم کیا ہے ان کی روزی کو دنیا کی زندگی میں اور بلند کر دیئے بعضوں کے درجے بعضوں پر کہ کسی کو غنی بنایا اور کسی کو فقیر کسی کو عزت والا تو کسی کو نیچے مرتبہ والا۔یہ سب کچھ اس غرض سے کیا کہ بعض دوسرے بعض کو اپنا تابع اور مددگار بنالے تاکہ دنیوی نظام صحیح اسلوب پر قائم رہے۔اگر ہر ایک کو برابر کر دیتا تو کوئی کسی کی بات نہ مانتا نہ تابعدار ہوتا۔اور نہ کوئی کسی کی خدمت کرتا اور ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو نظام معیشت درہم برہم ہو جاتا تو فرقِ مراتب دنیوی مال ودولت میں مقتضائے حکمت تھا تو اسی کے مطابق دنیا کی دولت تقسیم کی گئی۔کسی کو زائد دیا جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا کے ہاں اس کی قدر ومنزلت زائد ہے۔اصل عزت اور خیر کی چیز رحمت خداوندی ہے۔جو علوم نبوت ہیں۔اور وہ رسول خدا ﷺ کی بارگاہ سے حاصل ہوتے ہیں۔تو اے مخاطب تیرے رب کی رحمت بہتر ہے۔ان چیزوں سے جو یہ دنیا والے جمع کرتے ہیں۔نبوت ورسالت کا شرف دنیوی مال ودولت اور عزت وجاہ سے کہیں بڑھ کر ہے اس لیے یہ فیصلہ درست نہیں کہ نبی اور رسول کسی بستی کا دولت مند شخص ہی ہونا چاہیے۔بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ہی ایک ہی جماعت ہو جائیں تو ہم ان لوگوں کے لیے جو (خدائے) رحمٰن کے منکر ہیں۔گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے۔اور وہ سیڑھیاں بھی چاندی ہی کی بنا دیتے جن پر وہ چڑھیں۔اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں۔یہ سب کچھ چاندی کی بنا دیتے اور سونے کے غرض مکانوں کی چھتیں، سیڑھیں دروازے تخت وچوکیاں سب کچھ سونے چاندی کے بنا دیتے لیکن اس قدر زیب وزینت کو دیکھ کر انسانی طبائع کا متاثر ہونا اور ان چیزوں کی طرف مائل ہو جانا قریب تر تھا۔جس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ دُنیا کے تمام لوگ آخرت سے ترک تعلق کر کے صرف دنیوی ساز وسامان اور زیب وزینت ہی کے ہو کر رہ جاتے اور یہ بات حکمتِ خداوندی کے خلاف تھی۔اس وجہ سے کافروں کو بھی دنیا کی دولت کم دی گئی۔اور اصل یہی ہے یہ سب کچھ نہیں ہے۔مگر صرف دُنیا کی زندگی میں برتنے کا سامان جس سے چند روزہ تمتع ہی ہو سکتا ہے۔اور آخرت کی تمام نعمتیں راحتیں۔عزتیں، اے مخاطب! تیرے رب کے ہاں صرف تقویٰ والوں ہی کے لیے ہے۔دُنیا کی شادابی اور بہار میں سب شریک ہیں۔مگر آخرت کی دائمی اور لازوال نعمتیں ایمان وتقویٰ والوں کے واسطے مخصوص ہیں۔

حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "اگر دُنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ چکھاتا۔"

صحیحین میں ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جس زمانہ میں نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے اس مطالبہ سے ناراض ہو کر ایک ماہ تک کے لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ملنے جلنے بات چیت سے پرہیز کرنے کی قسم کھائی تھی۔اور بالا خانہ پر مقیم تھے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب وہاں حاضر ہوئے اور یہ دیکھا کہ آپ ﷺ کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔جس کی پتیوں نے آپ ﷺ کے

پہلو مبارک پر نشان ڈال رکھا ہے تو اس منظر کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ قیصر و کسریٰ جس حال میں ہیں ظاہر ہے کہ (جن کے پاس دُنیا کی نعمتوں کی کوئی حد و انتہا نہیں) اور آپ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں (جو اس حالت میں ہیں) تو آپ اپنی امت کے لیے دُعا کر دیجیے کہ اللہ ان کو فراخی عطا کر دے۔ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنتے ہی چونک کر آگے کو ہو بیٹھے۔ اور دو بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

((افی شك انت یا ابن الخطاب)). "کہ اے ابن خطاب تو ابھی شک ہی میں پڑا ہوا ہے۔"

یہ لوگ تو وہ ہیں کہ دُنیا کی لذتیں انہیں دُنیا میں جلدی ہی دے دی گئیں۔ جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ ان کے واسطے دُنیا ہو اور ہمارے واسطے آخرت ہو۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

اور جو کوئی آنکھیں چُراوے رحمٰن کی یاد سے، ہم اس پر تعین کریں ایک شیطان، پھر وہ رہے اس کا ساتھی۔

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور وہ ان کو روکتے ہیں راہ سے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ

یہاں تک کہ جب آوے ہم پاس، کہے کس طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو مشرق مغرب کا سا، کہ بُرا

الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ

ساتھی ہے۔ اور کچھ فائدہ نہیں تم کو آج کے دن، جب تم ظالم ٹھہرے اس سے کہ تم مار میں

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ

شامل ہو۔ سو کیا تو سنا دے گا بہروں کو؟ یا سجھاوے گا اندھوں کو؟ اور صریح غلطی

فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

میں بھٹکتوں کو؟ پھر اگر کبھی ہم تجھ کو لے گئے، تو ہم کو ان سے بدلہ لینا۔

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ

یا تجھ کو دکھا دیں، جو ان کو وعدہ دیا ہے، تو یہ ہمارے بس میں ہیں۔ سو تو مضبوط رہ اسی پر

بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۳﴾ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ

جو تجھ کو حکم آیا۔ تو ہے بیشک سیدھی راہ پر۔ اور یہ مذکور رہے گا

لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

تیرا اور تیری قوم کا اور آگے تم سے پُوچھ ہوگی۔ اور پوچھ دیکھ، جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے۔

مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۴ ۱۰ ۱۰

کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمٰن کے سوا اور حاکم کہ پوجے جاویں۔

## تنبیہ وتوبیخ برغفلت واعراض از ذکر خداوندی وحسرت وندامت مجرمین در آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ ... الٰی ... اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾

**ربط:** اس سے قبل آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک خاص اسوہ یعنی توحید خداوندی پر استقامت اور کفر وشرک سے براءت وبیزاری کا بیان فرمایا گیا تھا۔ ساتھ ہی دُنیا کے ساز وسامان اور اس کی آرائش وآسائش کی بے وقعتی کا ذکر تھا اور یہ کہ اصل شرف اور عظمت انسان کو صرف وحی الٰہی ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے غفلت واعراض پر تنبیہ وتوبیخ کی جارہی ہے۔ اور یہ کہ ایسے غافلوں اور بے حس لوگوں کا انجام نہایت ہی عبرتناک ہوگا اور ان کو حسرت وندامت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی مقصود ہے۔ تو فرمایا اور جو شخص اللہ کی نصیحت قرآن کریم اور وحی الٰہی سے اندھا بن جاوے جان بوجھ کر اعراض وغفلت اختیار کرے جیسے کہ اہل کتاب سب کچھ جاننے کے باوجود بھی یہی کہتے رہے کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ (النمل: ۱۴) تو ہم اس پر مسلط کردیتے ہیں ایک شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور بے شک یہ شیاطین اللہ کے ذکر ونصیحت سے اعراض کرنے والے غافلین کو ہر وقت روکتے رہتے ہیں۔ حق کے راستہ سے۔ اور اس کے باوجود یہ لوگ گمان کرتے رہتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں ان کا یہ تغافل واعراض باقی رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو اب اس شیطان کے بہکانے کے ثمرات اور نتائج کو دیکھ کر پچھتاتے ہوئے کہے گا۔ کاش میرے اور تیرے درمیان دنیا میں مشرق ومغرب کے برابر بُعد ہوتا تو تُو بہت ہی بُرا ساتھی تھا کہ تُو نے مجھے اس طرح گمراہ کیا لیکن یہ حسرت کام نہ آئے گی اور نیز ان سے کہا جائے گا اے ظالمو! ہرگز یہ چیز تم کو آج کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ جب کہ تم دُنیا میں کفر کرکے بہت بڑا ظلم کرچکے ہو۔ اب تو بے شک عذاب میں تم سب ہی شریک ہو تو کیا اسی حالت میں کہ ان منکرین نے سب کچھ دلائل حق کا مشاہدہ کرلیا اور حقائق سُن لیے مگر پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے۔ آپ ایسے بہروں کو سنا سکتے ہیں یا ایسے اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ان کو راہِ راست پر لاسکتے ہیں۔ پھر آپ یہ بات یاد رکھیئے کہ ایسے سرکشوں اور نافرمانوں کی یہ بغاوت وسرکشی اپنے

انجام بد سے خالی نہیں جاسکتی ضرور اس پر عذاب خداوندی آکر رہے گا۔ خواہ آپ ﷺ کی حیات میں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ تو اگر ہم آپ کو دنیا سے اٹھالیں تو پھر بھی ان کافروں پر عذاب آکر رہے گا۔ یا وہ عذاب جس کا وعدہ ہم نے کیا ہے۔ آپ کو دنیوی حیات میں دکھلا دیں۔ تو بھی کوئی بعید نہیں۔ بہر کیف ہم ان سے ضرور انتقام لینے والے ہیں۔ اور یہ مجرم انتقام خداوندی سے کسی بھی حالت میں نہیں بچ سکتے۔ * تو آپ مضبوطی سے پکڑے رکھیے اسی اللہ کے کلام اور دین کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا۔ بے شک آپ سیدھے راستہ پر ہیں۔ آپ اپنے کام میں لگے رہیں۔ اعراض کرنے والے اگر اعراض کرتے ہیں تو اس پر غم نہ کیجیے اور بے شک یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بڑے شرف کی چیز ہے آپ ﷺ کے لیے تو ظاہر ہے۔ اس وجہ سے کہ رب العالمین نے اس کلام کے ساتھ آپ کو مخاطب بنایا اور نبوت و رسالت کا منصب عظیم عطا فرمایا اور آپ کی قوم کے لیے اس لیے کہ وہ آپ کے توسط سے کلام الٰہی اور خطاب ربانی کے مخاطب بنے پھرے تاکہ جو کچھ قرآنی تعلیمات ہیں وہ عزت و برتری کی حامل ہیں۔ لہٰذا جس کسی کو اس نعمت سے سرفراز کیا گیا در حقیقت اس کو بڑا عظیم اعزاز دیا گیا جو دنیا اور آخرت کی تمام عظمتوں اور عزتوں کا ضامن ہے۔ اور ایسے عظیم انعام سے نوازے جانے والوں کو بے فکر ہو جانا چاہیے اس وجہ سے جان لینا چاہیئے کہ عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا کہ اس کلام الٰہی کا کیا حق ادا کیا۔ پیغمبر سے حق تبلیغ کا سوال ہوگا۔ اور امت سے اس پر عمل کرنے کا سوال ہوگا۔ اور آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھ لیجیے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا یعنی ان کی کتابوں اور ان پر ایمان رکھنے والوں سے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے سوا اور کچھ معبود بنائے ہیں۔ جن کی عبادت کی جاتی ہو۔ ظاہر ہے کہ تمام پیغمبروں کی تعلیم اور ہدایت توحید کی بنا پر ایک رہی ہے۔ کسی دین و شریعت میں اور کسی نبی کی تعلیم میں خدا کے سوا کسی معبود کا کوئی تصور ہی نہیں تو پھر آخر ان مشرکین مکہ نے خدا کے ساتھ ان بتوں کو عبادت میں کیوں شریک کر لیا ہے۔ اور نصاریٰ نے تین خداؤں کا عقیدہ رکھا اور یہود نے بھی بہت سے رب بنائے۔ غرض تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی تعلیمات اور ان کی تاریخ صرف توحید خداوندی ہے۔ پھر کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ کیوں نہیں آپ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کرتے۔

---

* مقصود یہ ہو کہ اے پیغمبر بعض وعدے تو ہم آپ ﷺ کو آپ کی زندگی میں دکھلا دیں گے اور بعض وعدے آپ کے بعد ظہور پذیر ہوں۔ خدا نے جو وعدے کیے ہیں وہ ضرور بالضرور پورے ہوں گے۔ کوئی دیر سے کوئی سویر سے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ بعض وعدے آپ ﷺ کی زندگی میں پورے ہو گئے جیسے فتح خیبر اور مکہ کا اور بعض وعدے جیسے فارس اور روم کی فتح کا وعدہ سو یہ آپ ﷺ کے زمانۂ حیات میں واقع نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہوا۔ آنحضرت ﷺ ابتداء بعثت سے تاحین وفات فارس اور روم کی فتح کا وعدہ دیتے۔ اور فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو کیا اھل قری و امصار اور کیا اہل بادیہ صحرا غرض سب کے گھروں میں پہنچا دے گا۔ خواہ بعزت اور خواہ بذلت بعزت تو یہ کہ مشرف باسلام ہوں گے اور بذلت یہ کہ جزیہ اور اخراج دیتے ہوئے اسلام کے باج گذار بنیں گے اور ظاہر ہے کہ فتح فارس اور روم کی فتح کا وعدہ زمانۂ نبوت سراپا سعادت میں ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہوا اور جس کے ہاتھ پر اللہ کے وہ وعدے پورے ہوئے جن کا اللہ نے اپنے نبی سے وعدہ کیا تھا۔ وہی اس کے نبی کا خلیفۂ خاص ہے۔
بہر حال معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو لفظ اِمَّا اور اَوْ واقع ہوا ہے وہ تردید اور تردّد کے لیے نہیں بلکہ توزیع و تقسیم کے لیے ہے کہ تکمیل وعدہ کی قسمیں متعدد ہیں۔
اور جملہ ﴿وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے پیغمبر۔ جماعت قریش میں سے چند وہ لوگ ہوں گے جو ظاہر و باطن کی شرافت سے مشرف و ممتاز ہو کر آپ ﷺ کے دین کے مددگار ہوں گے۔ اور آپ کے بعد آپ کے خلیفہ ہوں گے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کریں گے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۵۹۵)

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ

اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں پاس، تو کہا میں بھیجا ہوں

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

جہاں کے صاحب کا۔ پھر جب لایا ان کے پاس ہماری نشانیاں وہ تو لگے اُن پر ہنسنے۔

وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ز وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ

اور جو دکھاتے گئے ہم ان کو نشانی سو دوسری سے بڑی۔ اور پکڑا ہم نے ان کو تکلیف میں،

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ

شاید وہ باز آویں۔ اور کہنے لگے اے جادوگر! پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو، جیسا سکھا رکھا ہے

عِنْدَكَ ج اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا

تجھ کو ہم مقرر راہ پر آویں گے۔ پھر جب اٹھالی ہم نے ان پر سے تکلیف، تبھی

هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ

وہ وعدہ توڑ ڈالتے۔ اور پکارا فرعون اپنی قوم میں، بولا، اے قوم میری! بھلا مجھ کو نہیں

مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ج اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط

حکومت مصر کی اور یہ نہریں چلتی ہیں میرے نیچے۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْ لَآ

بھلا میں ہوں بہتر؟ اس شخص سے جس کو عزت نہیں۔ اور صاف نہیں بول سکتا۔ پھر کیوں نہ

اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

آپڑے اس پر کنگن سونے کے، یا آتے اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ

پھر عقل کھو دی اپنی قوم کی پھر اسی کا کہا مانا۔ مقرر وہ تھے لوگ بے حکم۔ پھر جب

اَسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا

ہم کو بھی جھنجھل دلائی، تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا۔ پھر ڈبا دیا ان سب کو۔ پھر کر ڈالا اُن کو گئے گذرے،

وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع ۵ ۱۱/۱۱

اور کہاوت پچھلوں کے واسطے۔

## قصہ موسیٰ علیہ السلام برائے تائید مضامین سابقہ واثبات غلبۂ حق بر باطل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ... الیٰ ... وَ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں اعراض ونافرمانی کرنے والوں پر توبیخ وتنبیہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود تھا کہ ایسے لوگوں کے اعراض ومخالفت سے اللہ کے دین کو ہرگز کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اب اسی مناسبت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ جب وہ اللہ کی نشانیاں لے کر فرعون کے سامنے آئے تو فرعون کی مخالفت اور مقابلہ اور فرعون کی تمام طاقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکی۔ نتیجہ یہی ہوا کہ حق غالب آیا اور فرعون کی تمام طاغوتی طاقتیں پارہ پارہ ہوئیں۔ تو ارشاد فرمایا اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے دلائل ومعجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان لوگوں کے پاس آکر یہی کیا اے لوگو! بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں تمہاری ہدایت کے واسطے مجھے بھیجا گیا ہے۔ لیکن جب موسیٰ (علیہ السلام) فرعون اور فرعون کی قوم کے پاس ہماری نشانیاں اور معجزات لے کر آئے تو وہ لوگ ناگہاں ان پر ہنسنے لگے اور ان نشانیوں کا مذاق بنانا شروع کر دیا۔ حالانکہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ان دلائل ومعجزات پر غور کر کے ان کو قبول کرتے اور ان کے ذریعہ ہدایت حاصل کرتے۔ اور ہم تو جو بھی نشانی دکھاتے وہ دوسری سے بڑھ کر ہوتی ظاہر ہے کہ سب نشانیاں قبول حق کے واسطے کافی تھیں۔ مگر ان کا اعراض اور نافرمانی کا درجہ بڑھتا ہی گیا۔ اور پھر جب یہ کسی طرح باز نہ آئے تو ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا شاید یہ رجوع کر لیں۔ حق کی طرف۔ باز تو کیا آتے الٹا اور سرکشی بڑھتی گئی اور کہنے لگے اے جادوگر دعا کر دیجیے ہمارے واسطے اپنے رب سے اس چیز کی جس کا اس رب نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی وہ قہر وعذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آپ اس کو دُور کرنے کے واسطے اپنے رب سے دُعا کیجیے اگر ایسا ہو گیا۔ تو بے شک ہم ہدایت قبول کر لیں گے۔ اور ایمان * لے آئیں گے۔ لیکن جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو ناگہاں پھر وہ وعدہ توڑنے والے ہو جاتے اور بار بار انہوں نے اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا کہ جونہی تکلیف اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوئی فوراً اپنے قول وقرار سے پھر گئے اور نوبت بدبختی کی یہاں تک پہنچی کہ فرعون نے اپنی قوم میں پکارا اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین وتحقیر کرتے ہوئے کہا: اے میری قوم! کیا میرے پاس نہیں ہے مصر کی سلطنت اور یہ نہریں جو میرے محلات کے نیچے بہہ رہی ہیں تو کیا تم یہ سب کچھ نہیں دیکھ رہے ہو۔ بھلا میں ہوں بہتر اس شخص سے جس کو کوئی عزت نہیں۔ اور وہ نہیں ہے ایسا کہ صاف بول سکے۔ تو میں مال ودولت اور عزت میں

---

* ان آیات تسع اور قوم بنی اسرائیل کے عذاب کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی۔ ۱۲

بھی اس سے یقیناً بڑھ کر ہوں اور وجاہت و شخصیت میں بھی میرا مقام بلند ہے اگر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے تو پھر کیوں نہ اس پر ڈال دیئے گئے سونے کے کنگن یا کیوں نہ آ گئے اس کے ساتھ فرشتے صفت بستہ ہو کر غرض اس طرح کی بے معنی اور مہمل باتوں کے ذریعہ اس فرعون نے اپنی قوم کی عقل کھو دی پھر قوم نے اس کی پیروی کی۔ حالانکہ ادنیٰ عقل رکھنے والے کو بھی جان لینا چاہیے تھا کہ یہ سب کچھ ان کو بے وقوف بنانے والی باتیں ہیں۔ بے شک یہ لوگ نافرمان تھے۔ جب فطرت میں خبث رچا ہوا اور عمل نافرمانی کا ہو تو پھر یقیناً اس قوم کا یہی شیوہ ہونا چاہیے تھا کہ حقیقت اور عقل کو بالائے طاق رکھ کر فرعون کی باتوں میں آ کر احمق بنیں۔ پھر جب ان لوگوں نے اپنی اس باغیانہ روش سے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو ان سب کو ہم نے ڈبو دیا۔ جب کہ فرعون مع اپنی جماعت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا تھا تو دریا میں اللہ رب العزت نے جو راستہ حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کے گزرنے کا بنایا تھا اسی راستہ پر ان فرعونیوں کو ڈال کر غرق کر ڈالا۔ پھر بنا دیا ان کو دنیا سے گزر جانے والا اور نمونہ عبرت کر دیا بعد میں آنے والوں کے لیے تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں یہ عبرتناک واقعہ سُن کر اس طرح کی سرکشی اور بغاوت سے باز آئیں۔ اور خدا کے پیغمبر کی اطاعت کریں۔

---

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا

اور جب کہاوت لائے مریم کے بیٹے کی تو تبھی قوم تیری لگتے ہیں اس سے چلّانے۔ اور کہتے ہیں

ءَأَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

ہمارے ٹھاکر بہتر ہیں یا وہ؟ یہ نام جو دھرتے ہیں تجھ پر، سب جھگڑنے کو۔ بلکہ یہ لوگ ہیں

خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي

جھگڑالو۔ وہ کیا ہے؟ ایک بندہ ہے کہ ہم نے اس پر فضل کیا اور کھڑا کیا بنی

إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾

اسرائیل کے واسطے۔ اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے، رہیں زمین میں تمہاری جگہ۔

وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ

اور وہ نشان ہے اس گھڑی کا، سو اس میں دھوکہ نہ کرو، اور میرا کہا مانو۔ یہ ایک راہ

مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٦٢﴾

سیدھی ہے۔ اور نہ روکے تم کو شیطان۔ وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ

اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں لے کر، بولا میں لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں،

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾

اور بتانے کو بعضی چیز جس میں تم جھگڑتے تھے۔ سو ڈرو اللہ سے، اور میرا کہا مانو۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

بے شک اللہ جو ہے وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا۔ اس کی بندگی کرو، یہ ایک سیدھی راہ ہے۔

## تردید خصومت مشرکین دربارۂ توحید ودعوت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ... الٰى ... هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾﴾

**ربط:** سابقہ مضامین انبیاء سابقین علیہم السلام کی تعلیم کے بیان پر مشتمل تھے کہ ہر پیغمبر کی دعوت وتعلیم توحید ہی رہی ہے۔ اور اب نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی توحید کی دعوت دی ہے تو پھر کفار قریش کو اس دعوت پر کیا تامل اور اعتراض ہے اور وہ دعوتِ توحید جس پر ہر پیغمبر کا اتفاق رہا کیوں نہیں اس کو قبول کرتے۔ اب ان آیات میں کفار کے ایک معاندانہ اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے جس کا منشاء نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنانا تھا اس لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کے جس پیغمبر یعنی مسیح ابن مریم علیہما السلام کے قصہ کو تم اپنے شرک کی دلیل قرار دے رہے ہو تو خود ان مسیح بن مریم علیہما السلام کی تعلیم تو محض توحید تھی۔

بعض احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے یہ فرمایا تھا: ((لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر)) یعنی اللہ کے سوا جو بھی معبود ہے اس میں کوئی خیر نہیں تو اس پر بعضوں نے کہا پھر تم اس میں عیسیٰ (علیہ السلام) بھی داخل ہیں۔ کیونکہ ان کو بھی نصاریٰ نے معبود بنایا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ نبی صالح تھے۔ تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اس عموم میں عیسیٰ (علیہ السلام) داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ تو شرک کی تردید کرتے تھے۔ اور توحید کے داعی تھے۔ اب اگر ان کی مرضی اور دعوت کے خلاف کوئی قوم ان کو معبود بنالے تو یہ ان کی خیریت کے منافی نہیں۔ خیریت کی نفی اس صورت میں ہوگی۔ جب کہ اس شرک میں ان معبودوں کی مرضی اور دعوت کو دخل ہو اور نہ کبھی انہوں نے اس شرک سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کیا ہو اور نہ ہی روکا ہو۔ لیکن جس نے نفرت وبیزاری ظاہر کی ہو روکا ہو۔ تردید کی ہو اور اس کے برعکس توحید ہی کی دعوت دی ہو تو وہ کیوں کر اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی ﴿اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الانبیاء:۹۸) یعنی اے مشرکو! تم اور وہ تمہارے معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جہنم کا ایندھن ہیں۔ تو یہ لوگ کہنے لگے۔ اچھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو نصاریٰ کے معبود تھے۔ کیونکہ نصاریٰ نے ان کو معبود بنایا تھا۔ تو پھر بتاؤ تمہارے خیال میں ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام؟

ارشاد فرمایا: اور جب کبھی بھی مثال بیان کی جائے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کی تو اسی وقت آپ کی قوم اس سے چلانے لگتی ہے۔ اعتراض اور خصومت کرتے ہوئے اور کہنے لگتے ہیں بتایئے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ اور وہ خود جانتے ہیں کہ ان کا یہ استدلال یا خصومت مہمل اور بے معنی ہے تو نہیں پیش کرتے ہیں ابن مریم علیہما السلام کو آپ کے روبرو محض جھگڑنے کے واسطے۔ اور یہ بات کوئی وقتی یا عارضی نہیں بلکہ یہ لوگ تو ہیں ہی جھگڑالو ان خصومت اور جھگڑا کرنے والے مشرکین کا ابن مریم علیہما السلام کو اپنے معبودوں کے درجہ میں قرار دے کر پیش کرنا قطعاً غلط اور بیہودہ جھگڑا ہے وہ تو داعی توحید تھے شرک سے قطعاً بیزار و متنفر تھے۔ وہ تو صرف ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا۔ اور بنایا تھا ہم نے ان کو ایک مثال بنی اسرائیل کے واسطے کہ بنی اسرائیل کے لیے پیکر ہدایت اور نمونۂ توحید تھے۔ اور سابقہ تاریخ میں بنی اسرائیل نے جو شرک و بت پرستی کی مختلف قسمیں جاری کر رکھی تھیں ان کا رد اور ازالہ کریں۔

یہ بات بیشک درست ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام میں بہت سے آثار فرشتوں کے تھے لیکن ان آثار کی وجہ سے ان کو معبود بنا لینا کیسے ممکن تھا۔ حالانکہ فرشتے خود اللہ کی مخلوق ہیں اور اگر ہم چاہیں تو بنا دیں تم میں سے فرشتے زمین میں جو تمہاری جگہ ہوں اور تمہاری نسل میں سے ہو کر بعد میں زمین پر بسیں جیسا کہ ہر ایک نسل پہلی نسل کے بعد بسا کرتی ہے۔ تو ہم کو سب طرح قدرت ہے تو اگر مریم علیہما السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اس طرح ان کو اللہ نے فرشتوں کا سا نمونہ بنا دیا جن کے نہ باپ ہیں اور نہ ماں یا ان کو آدم علیہ السلام کی طرح پیدا فرما دیا تو نہ آدم علیہ السلام خدا اور خُدا کے بیٹے ہوئے اور نہ فرشتے معبود ہو سکتے ہیں تو پھر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو نصاریٰ کا معبود بنا لینا کیوں کر از روئے عقل صحیح ہو سکتا ہے اور وہ بیشک ایک نشان ہے قیامت کے واسطے تو اس میں ہرگز کوئی شبہ نہ کرو۔ اور میری بات مانو یہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ اور ہرگز ایسا نہ ہونا چاہیے کہ شیطان تم کو روکے۔ اس سیدھے راستے سے وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

غرض یہ کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مریم علیہما السلام کے بیٹے اور خدا کے بندے تھے۔ نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ اور ان کی تعلیم و ہدایت میں سراسر توحید ہی تھی۔ مگر نصاریٰ نے کس قدر ظلم کیا کہ ان کو معبود بنایا۔ اور توحید کی بجائے شرک کو اختیار کیا۔

اور جب آیا عیسیٰ علیہ السلام نشانیاں اور دلائل لے کر تو کہا: اے میری قوم! میں لے کر آیا ہوں تمہارے پاس حکمت کی باتیں اور اس لیے کھول کر بتا دوں میں تم کو بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ اور باہم جھگڑ رہے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ محکم و مضبوط بات جو ہر قسم کی حکمت سے لبریز ہے۔ یہ ہے کہ بیشک صرف اللہ ہی ہے جو میرا بھی معبود ہے اور تمہارا بھی معبود ہے۔ بس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ بہرکیف یہ تھا پیغام مسیح بن مریم علیہما السلام جس میں توحید خداوندی کی دعوت تھی اور شرک سے نفرت و بیزاری کا اعلان تھا۔ اس کے باوجود اگر نصاریٰ نے ان کو معبود بنایا تو یہ چیز ان کی فضیلت و خیریت اور عبدیت و بندگی پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہے۔

## تفسیر ﴿وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ اور مسئلہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿وَ اِنَّهٗ﴾ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بے شک ایک علامت ہیں قیامت کے لیے۔ اور اس سے مراد ان کا آسمان سے نزول فرمانا اور زمین پر آنا ہے تو ان کا یہ آنا منجملہ علاماتِ قیامت کی ایک عظیم نشانی بنایا گیا۔ ترجمانِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، ابوالعالیہ، ابومالک، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، ضحاک، مجاہد اور جملہ ائمہ مفسرین رحمہم اللہ کا اسی پر اتفاق ہے کہ ﴿اِنَّهٗ﴾ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ ❶ تفسیر درمنثور میں مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

((قَالَ ﴿اٰيَةٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ خروج عِيْسٰى اِبنِ مريم قبْلَ يَوْمِ القِيٰمةِ)).

"فرمایا قیامت کی نشانی حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کا قیامت سے پہلے تشریف لانا۔"

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی تفسیر صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف کوئی تفسیر جب منقول نہیں تو ایسی صورت میں حبرِ امت اور بحرِ اُمت ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مقابلہ میں کون سی تفسیر قابل قبول ہوسکتی ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن جریر (۲۵۔۵۴) مطبوعہ میریہ تفسیر ابن کثیر (۶۔۱۴۶) مطبوعہ میریہ الدر المنثور (۶۔۲۰) طبع مصر عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام (ص ۳۳) ملاحظہ ہو۔ عقیدۃ الاسلام (ص ۵) میں جناب امام العصر حضرت انور شاہ علیہما السلام فرماتے ہیں۔

اذا تواترت الاحاديث بنزوله وتواقرات الاثار وهو المتبادر من نظم الاية فلا يجوز تفسيره بغيره.... الخ

"جب (عیسیٰ علیہ السلام) کے نزول کی احادیث و آثار متواتر ہیں اور قرآن کریم کی آیت کا واضح مفہوم بھی یہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر صحیح نہ ہوگی۔"

③ ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴾ (النساء)

"اور کوئی شخص بھی اہل کتاب میں سے نہ رہے گا۔ مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔"

﴿مَوْتِهٖ﴾ کی ضمیر میں نزاع ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین۔ ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح و ترجیح فرمائی ہے کہ موتہ کی ضمیر راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور مقصود یہ ہے کہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لے آئیں گے اور اسی قول کو ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اولیٰ هٰذا الاقوال بالصحة قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وهذا القول هو الحق كما سنبينه بالدليل القاطع ان شاء الله.....

"یہی قول حق ہے جیسا کہ آگے دلیل قطعی کے ساتھ اس کو بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!"

اور پھر فرماتے ہیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی ذات کو ایک خاص نشان بنایا تھا۔ اور حق تعالیٰ کی قدرت عظیم کے دلائل میں سے بہت بڑی دلیل تھے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کا پہلی مرتبہ آنا خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور ماں کی گود ہی سے

بولنا شروع کیا اور اللہ کی ربوبیت اپنی عبدیت کے اقرار اور اعتراف سے بولنے کا آغاز فرمایا اور پھر نبوت ورسالت ملنے کے بعد عجیب وغریب معجزات دکھلائے اور پھر جب دشمنوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ تاکہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح چند روز آسمان پر رہیں اور زمانہ آئندہ میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر نازل ہوں اور ان کا یہ دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس اعتبار سے وہ من وجہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کا نمونہ بنے کہ جو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ﴾ اور باپ کی طرح چند روز کے لیے آسمان پر چلے گئے۔ اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صریحہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر ہبوط اور نزول قطعی طور پر ثابت ہے۔

اسی طرح قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر نزول وہبوط۔ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے ہبوط کا نمونہ ہوگا اور اس طرح آسمان سے ہبوط اور نزول قرب قیامت کی علامت ہوگا ان کے نزول سے لوگ سمجھ لیں گے کہ قیامت بالکل قریب آگئی ہے آیات قرآنیہ سے اور احادیث نبویہ سے تفصیلاً یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ دجال لعین کے خروج کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل فرمائیں گے اور زمین کو دجال اور اس کے متبعین کی خباثت وفساد سے اور یہودیوں کی ناپاکیوں اور گندگیوں سے پاک کریں گے۔ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں۔ اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب انقراض عالم کی مدت قریب ہوگی تو عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بنی آدم علیہ السلام میں سے ہیں اور بعض اعتبارات سے اپنے باپ آدم علیہ السلام کا نمونہ ہیں۔ اس لیے اوّل ان کو خدا تعالیٰ نے کفار کے شر سے بچا کر ایک مدت معینہ کے لیے آسمان پر اٹھالیا۔ اور چونکہ کوئی انسان آسمان پر فوت نہ ہوگا۔ بلکہ زمین ہی پر مرے گا۔

لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام کی اجل مقررہ اور مدت حیات اختتام کو پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمان سے زمین پر نازل کرے گا۔ تاکہ ان کی موت زمین پر آئے اور جس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینے کے لیے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ﴾ ان ہی کے قدموں میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ قیامت کے قریب دجال کے قتل کے لیے آسمان سے نازل ہوں گے اور پھر کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ میں جا کر وفات پائیں گے۔ اور روضۂ اقدس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے۔ اور بعض مورخین مثلاً علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ حجرۂ شریفہ میں جو ایک قبر کی جگہ باقی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے آگے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین سے سمتِ مشرق میں واقع ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۵ جلد ۱۶ وزاد المسیر ص ۳۲۵ جلد ۷ وتفسیر ابن جریر وتفسیر ابن کثیر جلد اربع ودر منثور)

ان تمام تفاسیر میں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے اور اس کے خلاف کسی سے منقول نہیں اور سورۂ نساء کے اخیر میں ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ (النساء:۱۵۹) کی تفسیر میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو قول حق قرار دیا اور فرمایا کہ دلیل قطعی سے یہی ثابت ہے۔

علاوہ ازیں نزول عیسیٰ علیہ السلام احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ آئمہ محدثین نے تو ان

احادیث کو بھی متواتر فرمایا ہے جو تیس ۳۰ سے پچاس ۵۰ تک شمار کی گئی ہیں۔

حافظ ابن کثیر اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہما نے احادیث نزول کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ یہ تمام احادیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں۔ اس لحاظ سے مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام دین کے لوازم اور ضروریات میں سے ہوا جس پر ایمان کے بغیر قانون شریعت سے کوئی شخص مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

فقہ اکبر صفحہ ۱۳ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

وخروج الدجال ویاجوج وَماجوج وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسٰی علیہ السلام من السّماء وسائر علامات القیامة علٰی ماوردت بهِ الاخبار الصّحیحة حق کائن واللہ تعالٰی یهدی من یّشآء الٰی صراط مُستقیم.

"خروج دجال اور خروج یاجوج وماجوج اور آفتاب کا مغرب سے طلوع اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان سے نزول اور باقی علامات قیامت جن کا احادیث صحیحہ میں ذکر آیا ہے۔ یہ اور وہ سب حق ہیں اور ضرور ہو کر رہیں گی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔"

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں نزول کے ساتھ من السماء کا لفظ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ عیسٰی بن مریم علیہما السلام کا نزول آسمان سے ہوگا۔ نیز یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ اس جسد عنصری کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے۔

قال الامام البیهقی اخبرنا ابوعنداللہ الحافظ اناابوبکر بن اسحاق انا احمد بن ابراهیم ثنا ابن کبیر حدثنی اللیث عن یونس عن ابن شهاب عن نافع مولی ابی قتادة الانصاری قال فی کتاب الاسمآء والصّفات.

اِنَّ اَباهریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذانزل ابن مریم من السّمآء فیکم وامامکم منکم.(رواہ البیهقی فی کتاب السماء والصّفات).

"امام بیہقی سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خوشی کا کیا حال ہوگا جبکہ عیسٰی بن مریمؑ تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں سے ہوگا۔"

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر فرمایا اور یہ سند صحیح ہے۔ اس کے بعد امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقال رَواہ البخاری فی الصحیح عن یحیٰی بن بکیر واخرجه مسلم من وجه آخر عن یونس وانّما اراد نزوله من السَّمآءِ بعد الرفع الیه (کتاب الاسماء والصّفات ص۴۲۴ طبع مصر) باب قولهٖ تعالٰی عزوجل لِعیسٰی علیہ السلام ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ... الآیة﴾

"کہ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی روایت کیا ہے اور جزیں نیست کہ نزول سے مراد آسمان سے اترنا ہے جیسا کہ رفع سے آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔"

بخاری اور مسلم کی روایت میں اگرچہ لفظ من السّمآء کا موجود نہیں مگر اصل حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اس لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا۔ اور بتلا دیا کہ حدیث میں صرف نزول میں من السّمآء ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

و عن ابن عباس مرفوعًا قال الدّجال اول من یتبعهٗ سبعون الفا من الیهود علیهم السیجان ...الیٰ قولهٖ... قال ابن عباس قال رسول اللّٰہ ﷺ فعند ذلك ینزل عیسیٰ بن مریم من السّمآء علیٰ جبل افیق اماماها دیاوحکما عادلا(... الحدیث. (کنز العمال ص ۲۶۸ ج ۷)

"اور ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو لوگ دجال کا اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہودی ہوں گے اُن کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت جبکہ دجال خروج کرے گا تو اس وقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو وہ افیق پر آسمان سے نازل ہونگے اور وہ اس اُمت کے حق میں امام اور ہادی اور حاکم منصف ہوں گے۔"

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مفصل روایت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں صراحۃً لفظ آسمان کا موجود ہے اور امام قرطبیؒ نے اسی حدیث کو اپنی تفسیر میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے اس میں من السّمآء کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔

و ذکر الثعلبی و الزمخشری وغیرهما من حدیث ابی هریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّ النّبی ﷺ قال ینزل عیسٰی ابن مریم علیهما السلام من السّمآء علی ثنیة من الارض المقدسة یقال لها افیق. الیٰ آخر الحدیث تفسیر قرطبی ص ۱۰۶ ج ۱۶۔

حاصل یہ ہے کہ اس آیت ﴿وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں ﴿اِنَّهٗ﴾ کی ضمیر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی طرف راجع ہے جو ایک ذاتِ معین کا علَم ہے اور قیامت کے قریب ان کے نزول کی خبر دی گئی ہے اور یہی تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے جیسا کہ عقیدۂ طحاویہ اور شرح عقیدہ سفارینیہ میں صراحۃً مذکور ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسم عنصری کے ساتھ رفع آسمانی قطعی اور یقینی ہے اسی طرح قیامت کے نزدیک اسی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا جن کی ولادت اور نبوت کا قرآن میں ذکر ہے اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے نزول بھی قطعی اور یقینی ہے۔

لہٰذا کسی ملحد اور زندیق کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام خود نہیں آئیں گے بلکہ ان کا کوئی مثیل اور شبیہ آئے گا۔ یہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں صریح تحریف ہے۔ بے شمار احادیث میں نہایت تفصیل اور صراحت کے ساتھ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول کا ذکر ہے اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ایک ذات معین کا علَم اور نام ہے جو فلسطین میں پیدا ہوئے تھے۔ جس سے ذات معین کے علاوہ کوئی دوسرا شخص مراد نہیں ہوسکتا علَم شخصی کا بلاوجہ نکرہ بنانا قطعاً جائز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے آنے والے مسیح کی تعین و تشخیص میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ ان کے اُترنے کا مقام بھی متعین کر دیا کہ وہ دمشق ہے۔ جسے سارا عالم جانتا ہے مگر مرزا کہتا ہے کہ اس سے قادیان مراد ہے۔

نیز احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے بھی ثابت نہیں کہ وہ کسی خطۂ زمین میں پیدا ہوں گے یا کوئی اور شخص حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ہم صورت یا ہم صفت ہندوستان کے کسی خطہ میں پیدا ہوگا۔ اور انگریزوں کا باج گزرا ہوگا اور وہ "مثل مسیح" گھسیٹی کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ اور انگریزوں کی کچہریوں میں گھستا پھرے گا۔

**اشکال:** مرزا کہتا ہے کہ لفظ نزول جو بحق مسیح آیا ہے اس سے آسمان سے اُترنا مراد نہیں بلکہ پیدا ہونا مراد ہے۔

**جواب:** یہ بالکل غلط ہے نزول کے معنی لغت میں پیدائش کے نہیں نیز حدیث نزول میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دو

رنگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے جامع مسجد کے منارۂ شرقیہ پر اُتریں گے۔ سو اگر بقول مرزا نزول کے معنی پیدائش کے ہوں تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے منارۂ شرقی پر پیدا ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی بالکل مہمل ہیں سراسر غلط ہیں۔ اور اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ مسیح بن مریم علیہما السلام تو وفات پا گئے۔ اب ان کی جگہ دوسرا مسیح پیدا ہوگا۔ تو اس دوسرے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسیح ہونے کی دلیل پیش کرے اور بتلائے کہ وہ کس دلیل کی بنا پر اپنے کو مسیح کہتا ہے۔ محض حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی وفات سے تو کسی کا مسیح ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ محض کسی نبی کی موت سے کسی زندہ کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ وہ زندہ اپنی نبوت کی دلیل نہ پیش کرے مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ہندوستان کا ''شاہ جہاں'' یا'' عالمگیر'' ہوں اور دلیل یہ بیان کرتا ہو کہ شاہ جہاں اور عالمگیر مر چکے ہیں تو محض شاہ جہاں اور عالمگیر کی وفات سے تو اس کی بادشاہت ثابت نہیں ہوسکتی اور اگر یہ کہے کہ میں ان کا مثل اور شبیہ ہوں تو سوال یہ ہوگا کہ کس چیز میں آپ شاہجہاں اور عالمگیر کے مشابہ ہیں۔ مرزائے قادیان نہ ذات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے۔ اور نہ صفات میں۔ دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یا اُن کا ظل اور بُروز ہوں جس پر دلیل کوئی نہیں اور اگر محض لفظ ظل اور لفظ بُروز بڑھا دینے سے نبوت اور رسالت اور مسیحیت کا دعویٰ جائز ہے تو پھر اس طرح تو دعوائے الوہیت بھی جائز ہونا چاہیے کہ کوئی یہ کہے کہ میں خدائے تعالیٰ کا ظل اور بُروز ہوں اور اس کی صفات کا مظہر ہوں۔

**اطلاع** یہ تمام تفصیل والدِ محترم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب قدس اللہ سرہٗ کی کتاب القول المحکم فی نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور اس موضوع پر دیگر تالیفات و مضامین سے ماخوذ ہے۔ حق تعالیٰ والد مرحوم کے علوم سے اُمت کو ہمیشہ مستفیض فرماتا رہے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ

پھر پھٹ گئے فرقے ان کے بیچ سے۔ سو خرابی ہے گنہگاروں کو، آفت سے

يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ

دُکھ والے دن کی۔ اب یہی راہ دیکھتے ہیں اسی گھڑی کی، کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک اور

هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا

ان کو خبر نہ ہو۔ جتنے دوست ہیں اس دن دشمن ہوں گے، مگر جو ہیں

الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ ع ۶ ۱۱ ۱۲

ڈر والے۔ اے بندو میرے! نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن، اور نہ تم غم کھاؤ۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ ج اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ

جو یقین لائے ہماری باتوں پر، اور رہے حکم بردار۔ چلے جاؤ بہشت میں تم

وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ

اور تمہاری عورتیں کہ تمہاری عزت کریں۔ لیے پھرتے ہیں ان کے پاس رکابیاں سونے کی

وَّ اَكْوَابٍ ج وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ج وَ اَنْتُمْ

اور آبخورے، اور وہاں ہے جو دل چاہے، اور جس سے آنکھیں آرام پاویں۔ اور تم کو

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ ج وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ

ان میں ہمیشہ رہنا۔ اور وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے ان کاموں کے جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ

کرتے تھے۔ تم کو اُن میں میوے ہیں بہت ان میں سے کھاتے ہو۔ البتہ

الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ صلے ج لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ

جو گنہگار ہیں دوزخ کی مار میں ہیں ہمیشہ رہتے۔ نہ ہلکی ہوتی ہے ان پر اور وہ

فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ ج وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾

اسی میں پڑے ہیں ناامید۔ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا، لیکن تھے وہی بے انصاف۔

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ط قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ

اور پکاریں گے اے مالک! کہیں ہم کو فیصل کر چکے تیرا رب۔ وہ کہے گا، تم کو رہنا ہے۔ تحقیق

جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا

ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین، پر تم بہت لوگ سچی بات سے بُرا مانتے ہو۔ کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے

اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ ج اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

ایک بات تو ہم بھی کچھ ٹھہرا دیں گے۔ کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے ان کا بھید

وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ

اور مشورہ۔ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ان کے پاس ہیں لکھتے۔ تو کہہ اگر ہو

لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

رحمٰن کی اولاد! تو میں سب سے پہلے پُوجوں۔ پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا اور زمین کا صاحب

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى

تخت کا، ان باتوں سے جو بناتے ہیں۔ اب چھوڑ دے ان کو بک بک کریں، اور کھیلیں، جب تک

يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي

ملیں اپنے اس دن سے، جس کا ان کو وعدہ ہے۔ اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں، اور جس کی بندگی ہے

الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

زمین میں۔ اور وہی ہے حکمت والا سب جانتا۔ اور بڑی برکت ہے اس کی جس کا راج ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ

آسمانوں میں اور زمین میں اور جو ان کے بیچ ہے۔ اور اسی کے پاس ہے خبر قیامت کی۔ اور اسی تک

تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا

پھر جاؤ گے۔ اور اختیار نہیں رکھتے جن کو یہ پکارتے ہیں، سفارش کا، مگر

مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ

جس نے گواہی دی سچی، اور ان کو خبر تھی۔ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ ان کو کس نے بنایا؟

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ

تو کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں سے الٹ جاتے ہو؟ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی، کہ اے رب! یہ لوگ ہیں کہ

لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع ۲۲/۱۳

یقین نہیں لاتے۔ سو تو مڑ آ اُن کی طرف سے، اور کہہ سلام ہے، اب آخر کو معلوم کر لیں گے۔

# تنبیہ برمخالفت ازحق وبیان انعام واکرام مطیعین وذلت وناکامی مجرمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ... الیٰ ... فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

**ربط:** آیات سابقہ میں مشرکین مکہ کے ایک لغواور مہمل اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی دعوتِ توحید کا ذکر تھا اور یہ کہ ان کی زندگی کو اللہ نے اپنی قدرت کی ایک عظیم نشانی بنایا تھا۔ جب تک زمین پر رہے اللہ کی نشانیاں دکھاتے ہوئے اپنی قوم کو توحید ہی کی دعوت دی۔ اور جب قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرمائیں گے تب بھی وہ یہی دعوتِ توحید دیتے ہوں گے۔ ان کی تعلیم وہدایت میں نہ کوئی ابہام تھا اور نہ اس سے اختلاف کی کوئی گنجائش تھی۔ اب ان آیات میں اہل کتاب کے مختلف گروہوں اور ان کی حق سے مخالفت کا بیان ہے۔ اور ساتھ اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے انجام سے ہرگز غافل نہ ہونا چاہیے۔ تو فرمایا:

پھر مختلف گروہ ہوگئے ان کے درمیان حالانکہ اہل کتاب کو ایک ہی دین پر متفق ہونا چاہیے تھا لیکن یہود ان کے منکر ہوئے اور نصاریٰ قائل ہوئے۔ مگر قائل ہونے اور عقیدت رکھنے کے باوجود خود نصاریٰ میں بہت سے فرقے ہوگئے۔ کسی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ کسی نے ان کو تین خداؤں میں سے ایک کہا۔ اور کسی نے کہا ﴿اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ﴾ (المائدہ:۱۷) کہ اللہ تو مسیح ہی ہے۔ سو ہلاکت ہے ان ظالموں کے لیے ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ قدرت کی نشانیاں اور مجرمین پر مختلف اوقات میں قہر وعذاب کا نزول تو اس امر کے لیے کافی تھا کہ ایسے لوگ عبرت حاصل کر لیتے لیکن افسوس ایسے لوگ کسی طرح بھی اپنی باغیانہ روش نہیں چھوڑتے تو کیا یہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان پر وہ ناگہاں آجائے اور حال یہ کہ ان کو خبر بھی نہ ہو کہ قیامت آرہی ہے۔ قیامت کا دن جس بے چینی اور گھبراہٹ کا دن ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ دن تو ایسا ہوگا۔ تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان لوگوں کے جو تقویٰ والے ہیں ہر دوست اپنے دوسرے دوست سے بیگانہ وبیزار ہوگا۔ البتہ اہل ایمان وتقویٰ دُنیا کی دوستی کو وہاں بھی یاد رکھتے ہوئے اپنے دوستوں کو پوچھتے ہوں گے اور یاد کرتے ہوں گے [1] تو ایسے ایمان وتقویٰ والوں کو

---

[1] اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان فرمایا کہ دو دوست ایماندار ہوں گے۔ اور دو دوست کافر۔ مؤمن دوستوں میں سے جب ایک کا انتقال ہوا اور اس کو جنت کی بشارت سنائی گئی تو اس نے اپنے دوست کو یاد کیا اور کہا کہ اے پروردگار فلاں میرا دوست مجھ کو تیری اطاعت وبندگی کا اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا حکم کرتا تھا اور مجھ کو خیر پر آمادہ کرتا اور بُرائیوں سے روکتا تھا اور مجھ کو بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں تو اے اللہ! تو میرے اس مؤمن دوست کو میرے بعد گمراہی سے محفوظ رکھنا یہاں تک کہ تو اس کو ایسی ہی نعمتیں دکھادے جیسی نعمتیں تو نے مجھے دکھائیں۔ اور تو اس سے ایسے ہی راضی ہوجائے جیسے تو مجھ سے راضی ہوا۔ اس بات پر اس سے کہا جائے گا کہ اگر تیرا ساتھی ایسا ہی ہے تو اس کے واسطے بھی یہی نعمتیں ہیں۔ پھر جب دوسرا ساتھی اس کا انتقال کرے گا۔ تو دونوں کی روحیں جمع ہوں گی اور ہر ایک دوسرے کو کہے گا کہ تو میرا کتنا اچھا بھائی کتنا اچھا ساتھی اور کتنا عزیز دوست ہے اور اس کے بالمقابل کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اس کو جہنم کی خبر دی گئی تو وہ کہے گا کہ اے پروردگار میرا فلاں دوست مجھے تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت کی ترغیب دیتا تھا اور مجھے شر پر آمادہ کرتا اور خیر سے روکتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تجھ سے نہیں ملوں گا۔ تو اے اللہ! تُو اس کو ہدایت سے محروم رکھ اور ایسا عذاب دے جیسا تو نے مجھے دیا اور یہ کافر اپنے دوست پر غصہ ہوگا۔
اور اس پر لعنت وملامت کرتا ہوگا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اگر دو شخصوں کے درمیان اللہ کے لیے محبت ہو ان میں سے ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں ہو تو بھی اللہ ان دونوں کو قیامت میں جمع کرے گا۔

پروردگارِ عالم کی طرف سے کہا جاتا ہوگا۔ اے میرے بندو کوئی خوف نہیں تم پر آج کے دن اور نہ ہی تم غمگین ہوگے میرا یہ پیغام میرے ان بندوں کے واسطے ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے فرمانبردار رہے۔ ان کو ہماری طرف سے یہ بشارت ہے کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں اس طرح کہ تم عزت واکرام اور راحت ومسرت کے ساتھ ہو گھمائے جاتے ہوں گے۔ ان پر پیالے یار کابیاں سونے کے اور آبخورے اور وہاں ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی۔ جس کے لیے ان کا دل چاہے اور ہر وہ چیز جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں۔ وہ لذتیں جو اہل ایمان کو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔ اور اے میرے بندو! تم ان جنتوں میں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنتیں جن کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے۔ ان اعمال کی وجہ سے جو دُنیا میں کیا کرتے تھے۔ تمہارے واسطے ان میں بہت سے پھل اور میوے جن کو تم کھاتے رہو گے۔ اس کے برعکس مجرمین ونافرمانوں کی ذلت ومعصیت کا یہ عالم ہوگا کہ بے شک یہ مجرمین دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہنے والے ہوں گے اس حال میں کہ نہ وہ عذاب ان سے کسی وقت ہلکا ہوگا اور نہ منقطع ہوگا۔ بلکہ مسلسل اسی شدت وعظمت کے ساتھ جاری رہے گا۔ اور وہ اسی میں رہیں گے۔ تمام اُمیدوں کے ختم ہو جانے کے بعد مایوسی کے عالم میں یہ سب کچھ بلاشبہ ان کے اعمال اور نافرمانیوں کا انجام ہے۔ اور ہم نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

اہل جہنم جب ہر طرف سے مایوس ہو چکیں گے اور کسی طرح اس بات کی اُمید نہ رہے گی کہ یہ عذاب ٹل جائے یا کم از کم ہلکا ہی کر دیا جائے تو اس بے قراری میں داروغۂ جہنم کی طرف متوجہ ہوں گے اور پکاریں گے۔ اے مالک اب ہم میں طاقت برداشت نہیں۔ کہیں کہ ہم پر فیصلہ کر دے آپ کا رب کہ ہمارا کام تمام ہی کر دیا جائے کہ یہ عذاب یا تو ہمارا قصہ ہی ختم کر دے یا ہم پر موت ہی آجائے تاکہ مر کر ہی اس مصیبت سے چھٹکارا نصیب ہو جائے۔ مالک جواب دے گا۔ ایک طویل وقت گزرنے کے بعد جب کہ عذاب کی شدت کے علاوہ جواب کے انتظار کی بھی مزید بے چینی ہوگی۔ آگاہ ہو جاؤ بے شک تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے۔ لیکن تم میں سے بہت لوگ حق سے نفرت ہی کرتے رہے۔

کفارِ مکہ کو چاہیے کہ ان باتوں کو سُن کر خدا کے عذاب سے ڈریں اس کی نافرمانی اور اس کے پیغمبر کی مخالفت وعداوت سے باز آجائیں اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر سوچ لیں کیا انہوں نے ٹھہرالی ہے کوئی بات؟ اگر اس پر یہ بھروسہ کر کے سمجھ رہے ہوں کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے اور اللہ کے پیغمبر کو ناکام بنا دیں گے۔ اگر ایسا ہے تو پھر سُن لینا چاہیے۔ ہم بھی کوئی بات ٹھہراتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ان کی تدبیر اور سازش اللہ کی تدبیر پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سُنتے ہیں۔ ان کے خفیہ راز اور اُن کی آپس کی سرگوشیوں کو۔ بے شک ہم خوب جانتے ہیں۔ اور خوب سنتے ہیں۔ اور ہمارے قاصد تو ان کے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں جو ان کی ہر بات اور عمل لکھتے رہتے ہیں۔ ہمارے سے ان کی کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ یہ بات دلائل قطعیہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ خدا ایک ہے۔ اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اس لیے ایک اور طریقہ سے ان مشرکین مکہ پر حجت پوری کرنے کی غرض سے آپ کہہ دیجیے اگر بالفرض رحمٰن کے واسطے کوئی اولاد ہوتی تو میں ہوتا سب سے پہلے اس کو پوجنے والا اور اس کو خدا کے ساتھ شریک قرار دے لیتا لیکن تم دیکھتے ہو کہ میں سوائے اللہ رب العزت کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتا اور پھر اے نصاریٰ اور عرب کے مشرکو تم کیسے خدا کے واسطے اولاد تجویز کرتے ہو۔ خبردار ہرگز ایسا ممکن نہیں بلکہ پاکی ہے آسمانوں اور زمین کے رب کی جو رب ہے عرش عظیم کا۔ پاکی ہے ہر اس عیب اور شرک کی بات سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

اس صورتِ حال میں کہ ان بدنصیبوں کی آنکھیں نہ کسی عبرت ناک واقعات سے کھلتی ہیں۔ اور نہ ہی دلائل وحقائق سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ تو چھوڑ وان کو یہ اپنی ان ہی بیہودہ باتوں میں منہمک رہیں۔ اور لہو ولعب میں پڑے رہیں۔ یہاں تک کہ یہ ملاقات کرلیں اپنے اس دن سے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ کسی بدنصیب کے انکار سے حق تعالیٰ کی ربوبیت اور شان کبریائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ پروردگار معبود ہے آسمان میں اور وہی معبود ہے زمین میں بھی اور وہی ہے بڑی حکمت والا باخبر۔ اور بڑی برکت وعظمت والی ہے وہ ذات جس کے واسطے آسمانوں اور زمین کی سلطنت۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہو اس کی بھی۔ اور اسی کو ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف اے لوگو تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ اس عظمت وکبریائی اور قدرت کاملہ اور تمام کائنات پر اس کی سلطنت وحکمرانی کے ہوتے ہوئے اگر چند احمق انسان خدا کی الوہیت کا انکار کریں یا دنیوی مال ومتاع کے نشہ میں مغرور وبدمست ہوکر بیہودہ باتیں کریں تو اس سے نہ اللہ کی وحی پر کوئی اثر پڑسکتا ہے۔ اور نہ کوئی اس کے پیغمبر کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اصل نقصان تو ان ہی مجرموں کا ہوگا کہ جب حق تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ تو کوئی نہ بچانے والا ہوگا۔ اور نہ کوئی سفارش کرسکے گا۔ اور جن معبودوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے ان کے وہ معبود خود ان سے بیزار ومتنفر ہوں گے اور حال یہ ہوگا کہ نہیں قدرت رکھیں گے سفارش کی وہ معبود جن کو یہ پکارا کرتے تھے۔ اللہ کو چھوڑ کر مگر ہاں وہ جس نے گواہی دی حق کی اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے تھے۔ اور اہل ایمان بیشک اپنے بھائیوں کے آخرت میں کام آئیں گے۔ اور ان کی شفاعت بھی کریں گے۔

عجیب بات ہے کہ حق تعالیٰ کی توحید والوہیت کا انکار کرنے والے خود دل سے اپنی فطرت سے اس کے معترف ہیں کہ دراصل اللہ ہی کائنات کا خالق ومالک اور اس کا نظام چلانے والا ہے۔ چنانچہ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تو پھر یہ لوگ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر نے دعوت توحید میں کوئی کمی نہیں کی ہر طرح سے سمجھایا۔ حقائق ودلائل پیش کیے لیکن ہر دلیل اور معجزہ پر انحراف واعراض ہی کرتے رہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ خدا کا پیغمبر حسرت ومایوسی کے عالم میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بے بسی کا شکوہ کرنے پر مجبور ہوا۔ اللہ نے اپنے پیغمبر کی مخلصانہ التجاء اور درد بھری آواز کی قسم کھاتے ہوئے اپنی رحمت ونصرت کی بشارت سنائی اور فرمایا۔ اور قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے میرے پروردگار۔ یہ قوم تو ایمان لانے کو تیار ہی نہیں تو اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہوں اور ان سے درگذر کیجیے اور کہہ دیجیے سلام ہے اور عنقریب ہی یہ لوگ معلوم کرلیں گے کہ دُنیا میں کس طرح ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں کیسے عذاب ومصائب میں مبتلا ہونا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے ان کلمات میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی اور ان مجرموں کے ایمان نہ لانے پر جو صدمہ اور رنج تھا اس کو کم کرنے کی تلقین کے ساتھ لطیف انداز سے یہ بشارت دے دی گئی کہ آپ ﷺ کے دشمنوں اور مخالفوں کی اپنی اس عداوت ومخالفت کا انجام معلوم ہوجائے گا۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنی ذلت وناکامی اور اللہ کے پیغمبر کی فتح ونصرت کا مشاہدہ کرلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ رب العزت نے قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمایا یہود اور اہل کتاب بھی ذلیل وناکام ہوئے۔ یہاں تک کہ مکہ اور خیبر فتح ہوا۔ یہود ذلیل ہوئے غلام بنے اور جلاوطن ہوئے اور اس طرح اللہ کا یہ لکھا ہوا فیصلہ ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ﴾ دُنیا کی نظروں کے سامنے آکر رہا۔

والحمد للّٰہِ علی ذٰلك صدق الله وعدهٗ و نصر عبدهٗ وهزم الاحزب وحدهٗ قدتم بحمد الله تعالیٰ تفسیر سورة الزخرف یوم الاثنین ٦ من شهر رجب ١٤٠١ھ. اَللّٰهُمَّ و فقنی لِا تمام هذاالتفسیر المبارك بفضلك ورحمتك انّك تهدی من تشآء الیٰ صراط مستقیم.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سورۃ الدخان

سورۃ الدخان بھی مکی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورت کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورت ان اہم اور عظیم سورتوں میں شمار کی گئی ہے جو آنحضرت ﷺ فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو ان بیس سورتوں میں شامل کیا ہے جو نظائر کہلاتی ہیں اور ان کو آنحضرت ﷺ مضمون کی مشابہت کی وجہ سے ملا کر دو دو سورتیں ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن سورۃ الدخان کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔ بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی شب میں حٰمٓ الدخان اور سورۃ یٰسین کی تلاوت کرے تو صبح کو وہ اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کر دی گئی ہوگی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صبح کو اٹھے گا اس حال میں کہ ستر ہزار فرشتے اس کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہوں گے۔

**ربط**: گزشتہ سورۃ کے اکثر مضامین قرآن حکیم کی حقانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے۔ قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل و براہین کے سلسلہ کے بعد منکرین و مجرمین کی سزاؤں اور ان کے عبرتناک احوال کا ذکر تھا اور اسی پر سورت کا مضمون ختم فرمایا۔ اب اس سورت کا آغاز بھی قرآنی عظمتوں کے مضمون سے ہو رہا ہے اور یہ کہ اس کا نزول جس مبارک رات میں ہوا وہ کیسی عظیم برکتوں والی رات تھی اور اس شب مبارک کی کیا کیا خصوصیات ہیں تو جو کتابِ الٰہی خود عظمت والی ہو اور جس زمانہ میں اتاری جائے وہ بھی برکتوں والا زمانہ ہو تو بلاشبہ اس پر ایمان اور اس کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری بھی ہر خیر و برکت کا موجب ہوگی۔

آیاتہا ۵۹ | ㊹ سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ ㊸ | رکوعاتہا ۳

سورۂ دخان مکی ہے اس کی انسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا

حٰمٓ ○ قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں، ہم ہیں

مُنْذِرِيْنَ ۝٣ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝٤ لا اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ

کہہ سنانے والے، اسی میں جُدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا۔ حکم ہو کر ہمارے پاس سے،

اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝٥ ج رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٦ لا

ہم ہیں بھیجنے والے۔ مہر ہے تیرے رب کی۔ وہی ہے سُنتا جانتا۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝٧ لَآ اِلٰهَ

رب آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو ان کے بیچ ہے۔ اگر تم کو یقین ہے۔ کسی کی بندگی نہیں

اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨ بَلْ هُمْ

سوائے اُس کے، جلاتا ہے اور مارتا ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔ کوئی نہیں! وہ

فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝٩ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ لا

دھوکے میں ہیں کھیلتے۔ سو تو راہ دیکھ جس دن کہ لاوے آسمان دھواں صریح۔

يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ

جو گھیر لے لوگوں کو۔ یہ ہے دُکھ کی مار۔ اے رب کھول دے ہم سے یہ آفت،

اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝١٢ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣ لا

ہم یقین لاتے ہیں۔ کہاں ملے ان کو سمجھنا؟ اور آچکا ان کے پاس رسول کھول سنانے والا۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝١٤ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ

پھر اس سے پیٹھ پھیری۔ اور کہنے لگے، سکھایا ہے باؤلا۔ ہم کھولتے ہیں عذاب

قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝١٥ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا

تھوڑے دنوں، تم پھر وہی کرتے ہو۔ جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ، ہم

مُنْتَقِمُوْنَ ۝١٦

بدلہ لینے والے ہیں۔

# بیان عظمت کتاب اللہ وبرکات زمانۂ نزول قرآن مع دعوت ایمان وبدنصیبی مجرمین واشقیاء سعادت خداوندی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ ... الیٰ ... اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝۱۶﴾

**ربط:** گزشتہ سورت کا مضمون توحید ورسالت کا اثبات تھا اور اس سے اختلاف واعراض کرنے والے مجرمین کی بدنصیبی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے افسوس ناک عبرت ناک انجام کا بیان تھا اور اسی موضوع پر سورت کا مضمون ختم فرمادیا گیا تھا کہ اگر ان واقعات کو سُن کر بھی قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو سوچ لینا چاہیے کہ ایسا ہی عبرت ناک انجام ان کا بھی ہوگا۔ ساتھ ہی آپ ﷺ کو تسلی دینا بھی مقصود تھا کہ قریش مکہ کی مخالفت ودشمنی سے آپؐ زائد پریشان نہ ہوں اور اتمام حجت کے ساتھ فرمادیا گیا تھا ﴿وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزخرف:۸۹) تو اسی مناسبت سے اب اس سورت کی ابتداء قرآن کی عظمت وحقانیت سے ہورہی ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ اس کتابِ الٰہی کی حقانیت وعظمت اس طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ وہ ذات جس نے یہ کتاب نازل کی وہ بھی بڑی عظمتوں والی ذات ہے اور جس زمانہ اور ساعت میں اس کو اتارا گیا اس کی برکتوں اور عظمتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ تو جب اس کتاب کو نازل کرنے والی ذات بھی باعظمت ہے اور زمانۂ نزول بھی برکتوں اور عظمتوں کا زمانہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کتاب الٰہی کی عظمت وبلندی کی کوئی حد وانتہا ہی نہیں ہوسکتی۔ تو ارشاد فرمایا:

﴿حٰمٓ﴾ اللہ رب العزت ہی اس کی مراد خوب جاننے والا ہے۔ قسم ہے اس کتاب کی جو نہایت ہی واضح اور روشن ہے جس کی نور ہدایت سے سارا عالم روشن ومنور ہوا۔ جس کے علوم ہدایت ومعرفت نے لوگوں کو ضلالت وگمراہی کی تاریکی سے نکال کر ایمان ومعرفت کی روشنی بخشی ❁ اس کتابِ الٰہی کی عظمتوں کا یہ حال ہے کہ بے شک ہم نے اس کو اتارا ہے لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر ایک برکت والی رات میں جو کہ شب قدر ہے پھر بتدریج ۲۳ سال کی مدت تک آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور یہ رات ایسی مبارک ہے کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ بے شک ہم لوگوں کو آگاہ کردینے والے ہیں اسی رات میں ❁ جدا ہوتا ہے اور طے کردیا جاتا ہے ہر کام جانچا ہوا جو حق تعالیٰ کی طرف سے محکم وطے شدہ اور حکمتوں سے معمور ہوتا ہے حکم ہوکر ہماری جانب سے۔

بے شک ہم ہیں بھیجنے والے فرشتوں ❁ کو ہر کام پر جو اِن کے مناسب ہے اور احکام خداوندی کی اس وحی کے ساتھ جو جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر بھیجی جاتی رہی رحمت بنا کر اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ کے پروردگار کی طرف سے بیشک وہی

---

❁ ان الفاظ میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ لفظ مبین کا لازمی اور متعدی دونوں معنی میں استعمال درست ہے اور یہ بات اہل عرب کے نزدیک معروف ہے۔ ۱۲

❁ ترجمہ میں لفظ جُدا ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کردہ لفظ ہے جس سے طے کرنے کے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں جیسے بعض روایات سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے لفظ اور طے کردیا جاتا ہے درمیان میں بڑھادیا گیا۔ واللہ اعلم

❁ مفسرین کی ایک رائے کے مطابق مرسلین کا متعلق فرشتے ہیں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے۔ دوسری رائے کے مطابق مرسلین کا مفعول رسل یعنی انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کو اللہ رب العزت نے احکام دے کر بندوں کو بھیجا۔ ۱۲

سننے والا جاننے والا ہے اس لیے تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے۔ اور وہ دُنیا والوں کی پکار بھی سننے والا ہے تو اس نے اپنی حکمت سے خاتم الانبیاء ﷺ کو تمام انبیاء و مرسلین کے بعد خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل کر کے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ جو رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جس کی ربوبیت و خالقیت کائنات کے ایک ایک ذرہ سے ظاہر جس کے مشاہدہ سے تم سمجھ سکتے ہو اگر تم یقین کرنے والے ہو تو اِن روشن اور واضح دلائل سے تم بخوبی جان سکتے ہو کہ نہیں ہے کوئی بندگی کے لائق سوائے اس کے۔ وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ وہی ہے پالنے والا تمہارا۔ اور تمہارے آباؤ اجداد کا جو پہلے گزرنے والے ہیں۔ ان واضح نشانیوں اور قطعی دلائل کا تقاضا تو یہ تھا کہ لوگ خدا کی خالقیت و ربوبیت کو پہچان کر اس کو مانتے اس کی توحید والوہیت پر ایمان لاتے لیکن پھر بھی یہ مشرکین و منکرین نہیں مانتے اور نہ ایمان لاتے ہیں بلکہ وہ تو دھوکہ میں پڑے ہیں۔ اسی طرح کھیل تماشے میں لگے ہوئے ہیں کہ ہر نصیحت اور عبرت کی بات ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں اور ان کی یہ لہو و لعب میں انہماک کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ ان کو خدا کے سامنے پیشی کا کوئی تصور ہی نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ مشرکین و منکرین گزرے ہوئے واقعات سے عبرت حاصل کرتے اور یہ دیکھ کر کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا کیسا بُرا انجام ہوا۔ آپ ﷺ پر ایمان لے آتے لیکن اس غفلت و لاپرواہی کی روش نے جب ان کی طرف سے مایوسی پیدا کر دی ہے تو پھر انتظار کر اس دن کا کہ لے کر آئے آسمان ایک کھلا ہوا دھواں جو لوگوں کو ڈھانک لے جس کے بعد واضح بھی ہو جائے گا اور ہر ایک کو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ ہے دردناک عذاب جس کے واقع ہونے پر بے چینی و بیقراری کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے جاری ہوگا کہ اے ہمارے رب کھول دے ہم پر سے یہ عذاب اور اسے دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہاں ہے ان کے واسطے عبرت و نصیحت حالانکہ اس سے قبل ان کے پاس آچکا ایک ایسا رسول۔ جو کھلی ہوئی شان والا تھا یا وہ رسول جو کھول کھول کر ان کو اللہ کے احکام و نشانیاں بتانے والا تھا تو جب ایسے واضح شان والے رسول اور واضح نشانیوں سے عبرت حاصل نہ ہوئی تو اب کیا اس عذاب یا نشانی کو دیکھ کر عبرت و نصیحت ہوگی۔ چنانچہ یہ لوگ تو ایسے رسول کے آجانے کے بعد بھی پھر اس سے روگردانی کرتے رہے اور کہا کہ یہ تو ایک سکھایا پڑھایا ہوا شخص دیوانہ ہے جس کو کوئی شخص آکر پڑھا جاتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ اور خود یہ مجنون ہے کہ جنون و دیوانگی میں باتیں کہتا ہے الغرض جب ایسے رسول عظیم اور معجزات ظاہرہ کے بعد یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اس دھوئیں کے عذاب کو دیکھ کر کیا ایمان لائیں گے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ وعدہ ﴿اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ﴾ کوئی حقیقی اور سچا وعدہ نہیں بلکہ محض ایک مصیبت کو ٹلانے کے لیے حیلہ اور بہانہ ہے۔ مگر خیر پھر بھی ہم حجت پوری کرنے کے لیے کھولے دیتے ہیں اس عذاب کو تھوڑی مدت تک کے لیے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یقیناً تم پھر لوٹنے والے ہو اپنی پہلی ہی حالت کی طرف اور وہی حرکتیں کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے تو اس روز ہم پورا پورا انتقام لینے والے ہوں گے اور یہ قانون خداوندی ہے کہ جرم کی اصل سزا اور بدلہ سے پہلے کچھ تنبیہ و تہدید کے مرحلے گزارے جاتے ہیں تاکہ اگر کسی میں کچھ بھی صلاحیت اور سعادت کا اثر ہے تو وہ باز آجائے اور یہ قانونِ خداوندی اور طریق سزا بھی دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے حجت کو پورا کر دینا ہے۔

## تفسیر آیت دُخان

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ کی تفسیر میں مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات بیان کی ہیں تفسیر درمنثور، روح المعانی اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں جس دخان کا ذکر ہے وہ دخان مبین گذر چکا ہے یا آئندہ پیش آنے والے واقعہ قیامت میں سے کسی علامت کا بیان ہے سلف سے یہی دو قول منقول ہیں۔ بعضوں نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔ اور بعضوں نے دوسرا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دخان مبین قیامت کے قریب پیش آنے والی علامت ہے جو تمام لوگوں پر پھیل جائے گا مگر اہل ایمان کے حق میں تو یہ محض خفیف زکام کی طرح ہوگا اور کافروں، منافقوں کی ناک میں اور کانوں کے ذریعہ دماغ کے اندر گھس کر ان کو بے ہوش کر ڈالے گا جیسے کہ ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ قیامت کے قریب یہ دھواں لوگوں پر چھا جائے گا۔ مؤمن کو تو محض زکام کی سی کیفیت ہوگی اور کافر کے دماغ میں گھس کر اس کو بے ہوش کر دے گا۔ [1]

حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمیں جھانکا اور یہ فرمایا: جب ہم آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ:

((لا تقوم الساعة حتى تروا عشر آيات طلوع الشمس من مغربها والدخان والدابة وخروج يأجوج و مأجوج وخروج عيسى بن مريم والدجال وثلثة خسوف خسف بالمشرق وَخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب ونار تخرج من قعرعون تسوق الناس تبيت معهم حيث باتوا وتقيل معهم حيث قالوا)). (صحيح مسلم)

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم یہ دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ سورج کا طلوع مغرب سے، دھوئیں کا ظاہر ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا نزول اور دجال کا نکلنا اور تین واقع زمین کے دھنسنے کے زلزلوں کے ساتھ ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں۔ اور ایک آگ جو عون کے علاقہ کے وسط میں سے نکلے گی جو لوگوں کو ہنکاتی ہوگی اور وہ رات کو بھی ان کے ساتھ رہے گی۔ جہاں وہ رات گزاریں گے اور دوپہر کو بھی ان کے ساتھ رہے گی جہاں وہ دوپہر گزاریں گے۔"

اور ایک روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس آیات میں دخان (دھوئیں) کا ذکر فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الدخان "کہ دھواں کیا ہے؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ﴾ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ دھواں مشرق و مغرب کے مابین پھیل جائے گا اور چالیس روز تک باقی رہے گا۔ [2]

اس قول کے بالمقابل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ تھا کہ اس آیت میں دھوئیں سے مراد وہ علامات قیامت والا دھواں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قریش نے جب اسلام کے روگردانی کی اور کسی طرح بھی تمرد و سرکشی سے باز نہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انتہائی رنج اور صدمہ کے باعث یہ کلمات جاری ہوئے: ((اللّٰهم عليهم بسنين كسنى يوسف عليه السلام)) "یعنی اے اللہ! تو ان قریش مکہ پر ایسی شدت و سختی کے سال مسلط کر دے جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں اہلِ مصر پر" تو اس کے بعد

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ روح المعانی ج ۲۴ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

قریش کے لوگ انتہائی فاقہ اور قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ نوبت مردار کا گوشت اور چمڑوں کے کھانے کی آ گئی۔ ہڈیاں اُبال کر پینے لگے۔ کمزوری کا یہ عالم ہو گیا کہ جب بھی آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تو کمزوری اور نقاہت سے آنکھوں کے سامنے ایک بادل اور دھواں سا نظر آتا۔ اور مزید یہ ہوا کہ اسی سال یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو گیا تو جو امداد اور غلہ کی فراہمی وہاں سے ہوتی تھی وہ اس نے بند کر دی تو مزید قحط و فاقہ کی مصیبت بڑھ گئی۔ تو دخان مبین یہ آنکھوں کے سامنے چھا جانے والا اندھیرا اور غبار کی طرح کا منظر ہے جو غایت کمزوری سے محسوس ہوتا ہے۔ روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا ذکر کیا گیا تو اس کی تردید فرمائی۔ چنانچہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ (جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں) فرماتے ہیں: ہم ایک روز کوفہ کی مسجد میں پہنچے ابواب کندہ کے نزدیک تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص وعظ کر رہا ہے۔ اور ﴿ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴾ کے متعلق بیان کر رہا ہے کہ لوگو! تم جانتے ہی ہو کہ یہ دُخان مبین کیا ہے؟ سنو! یہ دخان مبین (دھواں) قیامت کے روز ظاہر ہوگا جو کفار و منافقین کی آنکھوں، ناک اور کانوں میں بھر دیا جائے گا (جس سے وہ بے ہوش ہو جائیں گے) لیکن مؤمن کے لیے صرف ایک زکام کی سی کیفیت ہوگی تو مسروق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے یہ تفسیر نقل کی وہ سُن کر چونک گئے اور اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پیغمبر کو یہ خطاب فرمایا ہے ﴿ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴾ (الصافات: ۸۶) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرما دیجیے کہ میں امر وحی اور تبلیغ رسالت پر کسی قسم کے معاوضہ کا سوال نہیں کرتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ مراد یہ تھی کہ اگر کوئی بات وحی الٰہی نہیں تو پھر میں خود اپنی طرف سے بنا کر پیش کرنے والا نہیں ہوں تو اسی کے مطابق کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ صحیح اور تحقیقی علم کے بغیر کوئی بات کہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ بھی علم کا ایک شعبہ ہے کہ انسان جس بات کو نہ جانتا ہو اس کے بارہ میں یہ کہہ دے۔ واللہ اعلم

اچھا اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ آیت مبارکہ کی کیا مراد ہے اور یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ قریش کے لوگ جب اسلام سے مسلسل نفرت و بیزاری ہی اختیار کرتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نافرمانی ہی کرتے رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا فرمائی، اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط و شدت کے سال مقدر فرما تو ان پر فاقہ اور قحط مسلط ہوا اور نوبت ہڈیوں اور مردار کھانے کی آ گئی اور یہ لوگ فاقہ میں اس قدر کمزور ہو گئے کہ جب نظر اوپر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں ہی دھواں نظر آتا تو یہی وہ چیز ہے جس کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا گیا ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ قریش کے لوگ جب اس مصیبت سے بدحواس ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو مکارم اخلاق اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارش کے لیے دعا فرما دیجیے قومِ مُضر کے واسطے یہ لوگ ہلاک ہوئے جا رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرما دی تو کچھ سیرابی ان کو حاصل ہو گئی۔ یہ سیرابی وہ ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں ہے ﴿ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴾ کہ یہ مصیبت ہم دور کر دیتے ہیں تھوڑے وقت کے لیے مگر بے شک تم پھر لوٹنے والے ہو اسی نافرمانی اور کفر کی جانب۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کیا عذاب قیامت دور ہو سکتا ہے یعنی اگر اس دخان مبین کو احوال قیامت اور قیامت کے عذاب پر محمول کیا جائے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں یہ تصریح ہے کہ ہم یہ عذاب دُور کیے دیتے ہیں۔ اور قیامت کا کوئی عذاب اور شدت دور نہیں ہو سکتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عذاب قیامت کے متعلقات میں سے نہیں ہو سکتا۔ فرمایا: الغرض جب

پھران پر خوش حالی لوٹ آئی تو اس پر اللہ نے یہ فرمایا ﴿یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ اور یہ گرفت غزوۂ بدر کی گرفت ہے (جو قدرتِ خداندی کی طرف سے انتقام تھا) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ الدخان، الروم، القمر، اللزام، البطشہ۔ امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں اس مضمون کو متعدد سندوں کے ساتھ تخریج فرمایا ہے۔ ❶

اور ایک روایت سند صحیح کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا پر جب قریش کے لوگ فقر و فاقہ اور قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور کچھ اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا تو یہ خیال ہے کہ آپ رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہوئی جارہی ہے تو دُعا کر دیجیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اس پر بارش برسی اور قحط کے آثار دور ہوئے اور مسلسل سات روز اس طرح بارش کا سلسلہ جاری رہا کہ آسمان نظر نہ آتا تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کر کے بیان فرماتے ہیں کہ ظاہر مضمون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابنِ کثیر نے تاریخ میں تصریح کی ہے کہ یہ قصہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا (یعنی مکی زندگی میں قبل از ہجرت) اور یہ آیت بھی مکیہ ہے مگر بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ ہجرت کے بعد کا ہے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ جا کر درخواست کرنا مذکور ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ اس قسم کا واقعہ اہل مکہ پر دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ ❷

مفسرین کی ایک جماعت نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے قرائن و مؤیدات کو ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی تفسیر پر کلام فرمانے کے بعد اخیر میں کہتے ہیں الفاظِ آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دخان کو اسی معنی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اختیار کیے اور مضمون کا ربط اس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن حکیم کا نزول لیلۃ مبارکہ میں ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ کتاب الٰہی بڑی ہی برکتوں اور رحمتوں والی کتاب ہے۔ چاہیے تھا کہ اہلِ مکہ اس کتاب سے منتفع ہوتے اور جس ذات سراپا رحمت پر یہ کتاب اُتری اس سے بھی منتفع ہوتے لیکن افسوس کہ وہ شک اور کفر میں مبتلا رہے اور اپنی جبلی بدنصیبی سے لہولہب ہی میں پڑے رہے تو اس کے بعد مناسب یہی تھا کہ ان کی ذلت و محرومی اور بدحالی کا مضمون لایا جاتا چنانچہ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے ان کے فقر و مصیبت اور ذلت کا حال بیان فرما دیا گیا ❸ اور ساتھ ہی اس مہلت کا بھی تذکرہ کر دیا گیا جو ان کو دی گئی۔

---

❶ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں یہ مضمون تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے امام ترمذی اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے اس کو روایت کیا۔ ابن جریر اور ابنِ ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما بھی متعدد سندوں سے اس کو بیان کرتے ہیں۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوسرے تلمیذ خاص اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے مجاہد ابوالعالیہ ابراہیم نخعی ضحاک عطیۃ العوفی رحمۃ اللہ علیہم کی تفاسیر بھی اسی کی تائید کر رہی ہیں۔ یہ سب اسی کے قائل ہیں کہ دخان کا واقعہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

❷ روح المعانی ج ۲۵۔

❸ روح المعانی ج ۲۵۔

# تفسیر لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کی تفسیر میں بعض مفسرین شب براءت یعنی شعبان کی پندرہویں رات بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ان آیات میں ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ بطورِ قرینہ اسی کی تائید کررہا ہے یعنی اس رات میں ہر چیز کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور احادیث میں شعبان کی پندرھویں رات کی یہی خصوصیت ذکر فرمائی گئی ہے کہ اس رات میں ہر پیدا ہونے والا بچہ اور ہر فوت ہونے والا انسان اس کا رزق، عمل غرض جملہ احوال طے کیے جاتے ہیں جیسے حدیث جامع ترمذی میں مذکور ہے۔ لیکن یہاں لیلۃ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ برأۃ سے کرنا اس لیے مشکل ہے کہ اس رات میں حق تعالیٰ نے نزولِ قرآن کا بھی ذکر فرمایا اور قرآن کا نزول ہونا (جو دوسری آیات کی تصریح سے معلوم ہوا) رمضان مبارک اور لیلۃ القدر میں ہے جیسے کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرہ:۱۸۵) اور سورت القدر میں ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝﴾ (القدر) اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہی متعین ہے کہ شب قدر میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر اُتارا گیا اور پھر تیئس سال کی مدت میں بتدریج آنحضرت ﷺ پر اُترتا گیا تو اس وجہ سے اس موقعہ پر لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ برأت مراد لیا جانا مشکل ہے۔

حضرت استاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ سال بھر کے متعلق قضاء وقدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں طے کیے جاتے ہیں۔ اور لوح محفوظ سے نقل کرکے (جس میں ہر چیز ازل سے لکھی ہوئی ہے جیسے کہ ارشادِ مبارک ہے ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾) ان فرشتوں کے حوالے کردیئے جاتے ہیں۔ جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ البرأت یعنی شعبان کی پندرھویں رات ہے ممکن ہے کہ وہاں سے کام کی ابتداء اور شب قدر میں انتہاء ہوتی ہو۔ واللہ اعلم ❶

تو اسی بنیاد پر سمجھا جاسکتا ہے کہ لیلۃ البراءت میں نزول قرآن کا فیصلہ اور اس کو ان ملائکہ کے حوالہ کرنا ہو۔ جو تکوینی طور پر اس کو نازل کرنے پر مامور کیے گئے اور لیلۃ القدر میں اس امر تکوینی کا نفاذ اور تحقیق یعنی لوحِ محفوظ (جہاں یہ کلام الٰہی ہمیشہ سے تھا اور بلکہ اس وقت سے تھا جب کہ زمین وآسمان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی) ❷ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا تو اس طرح ایک نزول بمعنی تکوین۔ لیلۃ براءت میں ہوا اور ایک نزول لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر شب قدر میں ہوا اور کوئی تعجب نہیں کہ اس سورت مبارکہ کی ان آیات میں دونوں قسم کے نزول کی طرف اشارہ ہو کہ شب برأت میں فیصلہ نزول از لوح محفوظ اور شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اُتر جانا مراد ہو۔

---

❶ فوائد قرآن کریم از حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

❷ ان الفاظ میں جامع ترمذی کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کا آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے ہزار سال قبل فرشتوں کے سامنے قرآن کریم کی سورۂ طٰہٰ اور سورہ یٰسین تلاوت فرمانے کا ذکر ہے۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۙ﴿۱۷﴾ اَنْ

اور جانچ چکے ہیں ہم ان سے پہلے، فرعون کی قوم کو، اور آیا ان کے پاس رسول عزت والا۔ کہ

اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ﴿۱۸﴾ وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی

حوالے کرو میرے، بندے خدا کے۔ میں تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا معتبر۔ اور یہ کہ چڑھے نہ جاؤ

اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۚ﴿۱۹﴾ وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ

اللہ کے مقابل میں لاتا ہوں تم پاس ایک سند کھلی۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی، اس سے کہ

تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ

مجھ کو سنگسار کرو۔ اور اگر تم یقین نہیں کرتے مجھ پر، تو مجھ سے پرے ہو جاؤ۔ پھر پکارا اپنے رب کو کہ

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾

یہ لوگ گنہگار ہیں۔ پھر لے نکل رات سے میرے بندوں کو، البتہ تمہارا پیچھا کریں گے۔

وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ

اور چھوڑ جا دریا کو تھم رہا۔ البتہ وہ لشکر ڈوبنے والے ہیں۔ کتنے چھوڑ گئے باغ

وَّ عُیُوْنٍ ۙ﴿۲۵﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ۙ﴿۲۶﴾ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ۙ﴿۲۷﴾

اور چشمے۔ اور کھیتیاں اور گھر خاصے؟ اور آرام جس میں تھے باتیں بناتے؟

كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ

اسی طرح۔ اور وہ سب ہاتھ لگایا ہم نے ایک اور قوم کو۔ پھر نہ رویا ان پر آسمان اور

الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۴-۲۹

زمین اور نہ ملی ان کو ڈھیل۔

# عبرتناک انجام قوم مجرمین وہلاکت وبربادی فرعون لعین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ ... الیٰ ... وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور رسول خدا ﷺ پر ایمان لانے والوں پر وعید تھی اور ان کی نافرمانی واستکبار کرنے پر ہلاکت وتباہی سے ڈرایا گیا تھا تو اب ان آیات میں اس کی مناسبت سے قوم فرعون کی سرکشی ونافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے عبرت ناک انجام کو بیان کیا جارہا ہے۔ جو دنیا کے مغرور وسرکشوں کی عبرت کے لیے کافی ہے اور اس تاریخی حقیقت کو دیکھ کر ایسے لوگ یہ سمجھ لیں کہ خداوند ذوالجلال کی گرفت کیسی شدید ہوتی ہے اور اس کا انتقام کیسا شدید اور ہولناک ہوتا ہے ارشاد فرمایا اور بے شک آزمایا ہے ہم نے ان قریش مکہ سے پہلے قوم فرعون کو اور آچکا تھا ان کے پاس ایک رسول بڑی عزت والا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کی رسالت ونبوت ہی دراصل فرعون اور اس کی قوم کے واسطے ایک امتحان تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے یا نہیں اللہ کا یہ رسول یہ پیغام لے کر فرعون کے پاس پہنچا کہ حوالہ کردو میرے اللہ کے بندوں کو میں ان کو جہاں چاہوں لے جاؤں اور جو احکام خداوندی اس کے بندوں کے متعلق ہیں میں ان کو وہ احکام سکھادوں تاکہ وہ دین ودنیا کی سعادت حاصل کرسکیں۔ یقیناً میں تمہارے واسطے اللہ کا بھیجا ہوا قابل اعتماد رسول ہوں اور یہ بھی تمہیں ایک پیغام ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں ہرگز سرکشی مت کرو یقیناً میں لا رہا ہوں تمہارے پاس ایک واضح نشانی اور سند ودلیل اس بات پر کہ میں خدا کا برگزیدہ اور رسول امین ہوں یعنی عصا اور ید بیضاء کا معجزہ جو اللہ نے مجھے عطا کیا ہے جس کو دیکھنے کے بعد کسی کو بھی میری رسالت کے ماننے اور خداوند تعالیٰ پر ایمان لانے میں ہرگز کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔ لہٰذا نہ میں تمہاری دھمکیوں سے مرعوب ہوسکتا ہوں اور نہ ہی مجھ کو تمہاری طرف سے کسی قسم کی ایذاء کا کوئی ڈر ہے میرا پروردگار جب میرا حامی ومددگار ہے اور اس نے مجھ کو یہ وعدہ کرلیا ہے کہ ﴿فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا﴾ (القصص:۳۵) کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام یہ فرعونی تم تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ تو پھر مجھے کیا پرواہ ہے اور اگر اپنی بدنصیبی اور حماقت سے میری بات نہیں مانتے اور مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو پھر مجھ سے جدا رہو۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو تاکہ میں اپنی قوم کو تو لے جاؤں اور اس میں تم میری راہ نہ روکو مگر ایک طویل عرصہ تک جب فرعون کی شقاوت وبدبختی اور نافرمانی کا مقابلہ کرتے رہے تو بالآخر اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ تو بڑے ہی مجرم ہیں اور اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہیں آرہے ہیں تو بس اب میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادیجیے بارگاہ کبریائی میں کیا دیر ہوسکتی ہے۔ خدا کے پیغمبر نے مجبور وبے بس ہوکر مظلومیت کے عالم میں اپنے رب کو پکارا فوراً ہی دعا کی قبولیت کے ساتھ حکم ہوا تو اچھا نکل جاؤ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر یہ ضرور ہے کہ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی تم بغیر فرعون کو اطلاع کیے راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکل جاؤ۔ ظاہر ہے کہ معلوم ہونے پر وہ تعاقب کرے گا اور جو سمندر راستہ میں پڑے گا تم اس سمندر کو چھوڑ جانا ٹھہرا ہوا جو تمہارے عصا مارنے سے خشک ہوجائے گا۔ اور تم اس پر سے عبور کرجاؤ گے لیکن یہ فکر نہ کرنا وہ اسی طرح خشک رہے گا تو اس پر سے فرعون کا لشکر بھی گزر کر تم کو اور بنی اسرائیل کو پکڑ لے گا۔ نہیں بلکہ یقیناً وہ تو ایک ایسا لشکر ہوگا جس کو ڈبو دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اس سمندر سے عبور کر گئے تو اسی راستہ کو فرعون اور اس کے لشکر نے اختیار کیا اور وہ سب کے سب اس میں ڈبو دیئے گئے جیسا کہ پہلے گزر چکا ﴿وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

الْاٰخَرِيْنَ ﴿۲۶﴾ (الشعراء) خداوند عالم کے قہر وعذاب سے تباہ ہونے والے ان لوگوں نے کس قدر چھوڑے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عزت کے ٹھکانے اور نعمتیں۔ عیش وعشرت کا سامان جن میں یہ مست تھے۔ یہ سب کچھ اللہ نے قوم فرعون سے چھین کر بنی اسرائیل کو عطا کر دیا اور مصر کی سرزمین اپنی تمام شادابیوں پھلوں اور پھولوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دے دی گئی۔ یوں ہی ہوتا ہے خدا کی طرف سے مجرمین کی ہلاکت وبربادی کا انجام چنانچہ ہم نے فرعونیوں کو ہلاک کر ڈالا اور وارث بنا دیا ان سب چیزوں کا ایک دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو۔ بارگاہِ خداوندی میں یہ اس درجہ مبغوض وقابلِ نفرت قوم تھی۔ ان کی ایسی عبرت ناک تباہی ہوگئی لیکن پھر نہ روئیا ان پر آسمان اور نہ زمین اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی مہلت دی گئی بلکہ اناً فاناً ہلاک اور برباد کر دیئے گئے۔ یعنی یہ قوم ایسی قابل نفرت تھی کہ مخلوقاتِ خداوندی میں سے کوئی بھی مخلوق ان کی بربادی پر رنجیدہ نہ ہوئی اس لیے کہ نہ تو کوئی ان کے اعمال صالحہ تھے کہ آسمان پر چڑھتے ہوں اور اب آسمان اس محرومی پر غم کرے اور نہ رُوئے زمین پر کوئی جگہ ایسی تھی جہاں انہوں نے اللہ کی عبادت کی ہو کہ زمین اس سے محرومی پر روئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی بندہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے واسطے آسمان میں دو دروازے نہ ہوں ایک دروازہ جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور دوسرا دروازہ جس سے اس کا عمل چڑھتا ہے تو جب بندۂ مؤمن مرجاتا ہے تو اس پر یہ دونوں دروازے روتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بیان کیا کہ ایک شخص عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوالعباس (یہ کنیت تھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی) کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دیکھا ہے ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ بھلا آسمان وزمین بھی کسی پر رویا کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا۔ بے شک اور فرمایا کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں کہ اس کے واسطے آسمان میں ایک دروازہ نہ ہوتا ہو جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور ایک دروازہ جس سے اس کا عمل چڑھتا ہے اور عمل نہ چڑھنے پر یہ دروازے صدمہ کرتے ہیں اور روتے ہیں اسی طرح زمین کا وہ حصہ جہاں وہ بندہ نماز پڑھتا تھا جب اس پر وہ مؤمن کی نماز اور عبادت نہیں رہتی تو وہ روتا ہے اور فرعون کی قوم وہ تھی جس کے واسطے نہ تو کوئی عمل صالح تھا کہ آسمان روتا اور نہ زمین پر ان کے کوئی آثار صالح تھے کہ وہ روتی اسی لیے ارشاد فرمایا گیا: ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ مومن کی موت پر زمین چالیس روز تک روتی ہے۔ ✱

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس آیت کی تفسیر کی اور کسی نے ازراہ تعجب کہا۔ اچھا کیا زمین بھی روتی ہے فرمایا تمہیں اس پر کیا تعجب ہے وہ کیوں نہ روئے گی جب کہ اس زمین پر سے وہ بندہ گزر گیا جو اس کو رکوع وسجود سے آباد رکھتا تھا اور کیا ہوا آسمان کو؟ کہ وہ اس بندہ کے مرنے پر نہ روئے جس کی تکبیر اور تسبیح وتحمید کی آوازیں اس میں گونجتی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنو اسرائیل کو لے کر بحرِ قلزم سے عبور اور قومِ فرعون کی غرقابی کی تفصیل سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں گزر چکی ہے۔ حضرات قارئین مراجعت فرمالیں۔

---

✱ مگر یہ مضمون کسی سند صحیح سے ثابت نہیں حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی۔ مراد یہ ہے کہ چالیس روز تک رونے کی مدت کا ثبوت کسی سند صحیح اور قابلِ اعتبار روایت سے نہیں ہے۔

وَ لَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۙ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ

اور ہم نے نکالا بنی اسرائیل کو، ذلت کی مار سے۔ جو فرعون سے تھی۔

اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ

بے شک وہ تھا چڑھ رہا، حد سے بڑھنے والا۔ اور ان کو ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر،

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۳۲﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ

جہاں کے لوگوں سے۔ اور دیں ان کو نشانیاں، جن میں مدد تھی صریح۔ بیشک

هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۙ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ

یہ لوگ کہتے ہیں۔ اور کچھ نہیں ہمارا یہی مرنا ہے پہلا اور ہم کو پھر

بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ

اٹھنا نہیں۔ بھلا لے آؤ ہمارے باپ دادے اگر تم سچے ہو۔ اب یہ بہتر ہیں

اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا

یا تبع کی قوم؟ اور جو ان سے پہلے تھے۔ ہم نے اُن کو کھپا دیا وہ تھے

مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا

گنہگار۔ اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین، اور جو ان کے بیچ ہے

لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

کھیل نہیں بنایا۔ ان کو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر، پر بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

## نجات وکامیابی بنی اسرائیل مع بیان بعث بعد موت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الٰى ... اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات کا مضمون قوم مجرمین کے عبرت ناک انجام اور فرعون لعین کی ہلاکت اور تباہی کا تھا تو اب ان آیات میں اس کے بالمقابل یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ساتھیوں کو کس طرح نجات وکامیابی عطا فرمائی اور اسی کے ساتھ ان دلائل کو

بھی ذکر کیا جارہا ہے جو بعث بعد از موت کو ثابت کرنے والے ہیں۔ اور ان شبہات اور لغو اعتراضات کو بھی رد کیا گیا جو منکرین کیا کرتے تھے۔ ارشاد فرمایا: اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو ایک ذلت کے عذاب سے جو فرعون کی طرف سے ان پر مسلط تھا۔ یقیناً وہ بہت ہی سر چڑھا حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا کہ وہ اپنی غرور و سرکشی میں دنیا کے مغروروں اور متکبروں سے بڑھ کر تھا اور اس کی سرکشی ہر ظلم و تعدی کے حدود سے آگے متجاوز تھی۔ اور ہم نے ان کو برتری دی تھی جانتے ہوئے جہاں کے لوگوں پر یعنی ہم جانتے تھے کہ قوم بنی اسرائیل میں کتنی کمزوریاں اور کس کس طرح کے نقائص و عیوب ہیں لیکن محض اپنے انعام و اکرام کے باعث لوگوں پر فضیلت و برتری بخشی تھی اور دیں ہم نے ان کو ایسی نشانیاں جن میں واضح طور پر ان کی مدد تھی اور محض انعام خداوندی تھا اور ان کو من و سلویٰ جیسا پاکیزہ رزق عطا کیا پھر فرعون کی غلامی اور اس کی ذلت سے نکالا اور اس کی سلطنت و دولت کا وارث بنایا تو یہ انعامات نہایت ہی واضح تھے اور محض انعامات خداوندی تھے کہ بنی اسرائیل میں کوئی خوبی نہ تھی کہ وہ انعامات سے نوازے جاتے بلکہ اس کے بالمقابل ان میں تو بہت سے عیب تھے تو ہم نے ان کے عیوب و نقائص کو جانتے ہوئے اور دیکھتے ہوئے بھی یہ نعمتیں دی تھیں یہ واقعات ہر قوم کے واسطے بلاشبہ سامانِ عبرت ہیں اور ایسے مضبوط دلائل ہیں کہ قدرتِ خداوندی پر ایمان لائیں اور قیامت پر یقین کریں مگر عجیب بات ہے۔ قریشِ مکہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے بلکہ انکار کرتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں بس اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی ہے ہمارا مرنا پچھلی مرتبہ اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے بس یہی دنیوی موت آخری موت ہے اس کے بعد نہ کوئی قیامت ہے اور نہ کوئی صور پھونکنا ہے نہ اٹھنا ہے اور نہ پھر مدہوش ہونا ہے۔ یہ منکرین اپنے اس عناد و انکار پر پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے اسی طرح کا مطالبہ کرنے لگے جیسا کہ پچھلے منکرین اپنے انبیاء علیہم السلام سے کیا کرتے تھے تو اچھا اگر دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ زندہ کر کے اگر ہو تم سچے۔ تب ہم یقین کریں گے کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ حق تعالیٰ ایسے بدنصیبوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے بتاؤ کیا یہ بہتر ہیں قوت و شوکت میں یا قوم تبع جو یمن کی نہایت ہی طاقت ور قوم اور مادی ساز و سامان سے پوری طرح آراستہ تھی اور وہ قومیں جو ان سے پہلے گزریں مثلاً عاد و ثمود ہم نے ہلاک کر ڈالا ان سب کو ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے بے شک وہ برے ہی گنہگار تھے آخر ہر انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے اتنا بڑا یہ کارخانۂ عالم کس لیے بنایا یہ حقیقت ہے کہ اور ہم نے جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان پیدا کیا۔ ہم نے اس طرح نہیں بنایا ہے کہ ہم فعلِ عبث کرنے والے ہیں اور یہ سب کچھ محض کھیل تماشا ہے بلکہ یہ کائنات ایک حکمت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے اور نہیں بنایا ہم نے آسمان اور زمین کو مگر ایک قوی اور مضبوط۔ حکمت کے ساتھ چاہیے تو یہ تھا یہ لوگ اس حقیقت و حکمت کو سمجھتے مگر ان قوموں کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور حقائق و دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس عناد و انکار پر ڈٹے رہتے ہیں اور یہی حال اب کفار مکہ کا ہے کہ ہر دلیل کے باوجود قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں حالانکہ یہ بات قطعی اور لازم التسلیم ہے کہ جو قادر کسی چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے اعادہ پر قادر ہے تخلیق کائنات کے سلسلہ میں خدا کی خالقیت کا اقرار کرنے کے بعد یہ ناقابل فہم منطق ہے کہ قریشِ مکہ قیامت پر ایمان نہ لائیں۔

## قومِ تُبّع

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ذکر فرماتے ہیں کہ قوم تبّع یمن کی ایک قوم تھی جو قوم سبا کہلاتی تھی اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے

بے شمار انعامات سے نوازا تھا مگر یہ اپنی سرکشی پر قائم رہی جس کے نتیجہ میں خداوندِ عالم نے اس کو تباہ برباد کر ڈالا ان کے شہر اجڑ گئے باغات اور کھیتیاں بنجر ہو گئیں جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ سبا میں تفصیل سے کیا تو اس قوم کا تاریخی حوالہ قریشِ مکہ کی عبرت وتنبیہ کے لیے فرمایا گیا اور یہ قوم تبّع عرب قحطان تھے جب کہ قریش عرب عدنان تھے تبع یمن کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ کسریٰ شاہ فارس کو اور قیصر شاہ روم کو اور فرعون بادشاہ مصر کو اور نجاشی شاہ حبشہ کو کہتے تھے۔

یمن میں اس لقب سے بہت سے بادشاہ گزرے جس تبّع کا یہاں ذکر ہے اس کا نام بعض روایات میں اسعد بیان کیا جاتا ہے اور بعض احادیث سے اس کا ایمان لانا بھی ثابت ہے۔ واللہ اعلم

قوم تبع اگرچہ بالعموم اپنے تاریخی ادوار میں کافر گزری اور ان کا بادشاہ فرعون اور قیصر وکسریٰ کی طرح کافر ہوتا تھا لیکن اہل یمن کے بعض فرمانروا اور تبع کا یمن سے نکل کر بلاد سمرقند میں جانے کا بعض تواریخ میں ذکر ملتا ہے اور یہ کہ یہ تبّع شاہ یمن جب یمن سے نکلا اور سمرقند وغیرہ پہنچا تو اس زمانہ میں اس کا ملک نہایت وسیع اور مضبوط ہو چکا تھا اور رعایا بھی بڑی تعداد میں تھی اس نے حیرہ شہر آباد کیا تھا۔ ایام جاہلیت میں جب اس کا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو اس نے اہل مدینہ سے قتال کا ارادہ کیا اہلِ مدینہ نے مقابلہ کیا اور اس نے باوجودیکہ دن کے وقت اس کے ساتھ قتال کرتے اور جب رات ہوتی تو مہمان نوازی کرتے اس طرزِ عمل پر یہ بادشاہ شرمایا اور قتال کے ارادہ سے باز آیا۔ اور مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں میں سے ان دو علماء کو اپنا مصاحب بنا لیا۔ جنہوں نے اس کو نصیحت کی تھی کہ اے تبّع تیرا یہ طرز صحیح نہیں اور تو ہرگز اس شہر کے باشندوں پر غالب نہیں آسکتا کیونکہ یہ شہر اس نبی آخر الزمان ﷺ کی ہجرت گاہ ہے جو اخیر زمانہ میں مبعوث ہوں گے تو شاہ تبّع اس ارادہ سے باز آ گیا تھا اور ان دونوں کو اپنا مصاحب بنا کر اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ پھر یہ بادشاہ جب مکہ کی طرف پہنچا تو وہاں بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اِن دونوں نے اس کو اس سے بھی منع کیا اور کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے جسے ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بنایا تھا اور اس کعبہ کی بہت ہی بڑی شان ہوگی ان ہی نبی آخر الزمان ﷺ کی وجہ سے تو بادشاہ یہ سُن کر بیتُ اللہ کی عزت وتکریم وتعظیم کرنے لگا۔ طواف کیا اور قیمتی غلاف چڑھایا اور جب یمن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کو یہودی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین ہی آسمانی ہدایت کا دین تھا اور حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ تو اس وقت اہل یمن بالعموم اس بادشاہ تبع کے ساتھ یہودی ہو گئے تھے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس قِصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بعض مزید چیزیں ذکر کیں۔ تبع کے بارہ میں بعض روایات ابنِ عباس اور کعب احبار رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں کہ اس نے دین حق قبول کر لیا تھا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے تبع نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جس سے قبل بیت اللہ پر غلاف کا دستور نہیں تھا۔

بعض تاریخی نقول سے ثابت ہے کہ اس نے اپنی قوم پر تین سو چھبیس برس حکومت کی اور قوم حمیر میں اس سے زیادہ کوئی طویل العمر نہیں ہوا اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ بادشاہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے تقریباً سات سو سال قبل مَرا ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا کہ جب ان دو علماء یہود نے مدینہ منوّرہ کے بارہ میں یہ بتایا کہ یہ شہر رسولِ آخر الزمان ﷺ کی ہجرت گاہ ہے اور وہ اس شہر میں آکر بسیں گے جن کا نام احمد ومحمد (ﷺ) ہوگا۔ تو اُس نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے۔

شَهِدتُ علیٰ احمد آنّهٗ رَسُوْلُ الله بارئ النّسم
فلومدّ عمری الیٰ عمرہٖ لکنت وزیرًا و ابن عم
وَ جاهدتُّ بالسیف اعدائهٗ وَفرجت عن صدرہٖ کل غم

یعنی میں گواہی دیتا ہوں احمد ﷺ کے بارہ میں کہ وہ اس پروردگار کے رسول ہیں جو کائنات کا خالق ہے اور اگر میری عمر ان کے وقت تک دراز کردی جائے تو میں ان کا وزیر اور چچازاد بھائی ہوتا اور میں تلوار اٹھا کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتا اور ان کے دل سے ہر غم و پریشانی کو دُور کرتا۔

بعض تاریخی نقول سے یہ بھی ثابت ہے کہ مدینہ کے بعض علماء یہود نے اس علم و معرفت کی بناء پر کہ یہ سرزمین حضورِ اکرم ﷺ کی ہجرت گاہ ہے مدینہ میں قیام کی اجازت طلب کی تو شاہ تبّع نے سب کو اجازت دی ان کو بہت سا مال و دولت بھی دیا اور ایک خاص مکان تیار کرایا کہ بنی آخر الزمان ﷺ جب ہجرت کر کے آئیں تو وہ اس مکان میں قیام پذیر ہوں اور ایک خط بھی لکھا جس میں آپ ﷺ سے ملاقات کی تمنا کا اظہار تھا اور مذکورہ اشعار بھی اس میں تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں تھے اور یہ مکان وہی ہے جو تبع نے اسی غرض سے بنوایا تھا چنانچہ خدا کے حکم سے وہ اُونٹنی اسی مقام پر آ کر ٹھہری اور آنحضرت ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم رہے۔ [1]

شیخ زین الدین مراغی رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا کرتے تھے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر نہیں اترے تھے بلکہ اپنے مکان پر اترے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ گویا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قیام تو اس مکان میں آپ ﷺ کے انتظار میں تھا۔ [2]

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى

تحقیق فیصلے کا دن، وعدہ ہے ان سب کا۔ جس دن کام نہ آوے کوئی رفیق

عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ

کسی رفیق کے کچھ، اور نہ ان کو مدد پہنچے۔ مگر جس پر مہر کرے اللہ۔ بے شک

هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ ع ۲ ۱۳/۱۵

زبردست رحم والا۔ مقرر درخت سیہنڈ کا۔ کھانا ہے گنہگار کا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر تاریخ ابن عساکر۔ فتح الباری جلد ۷

[2] روض الانف بحوالہ سیرت المصطفیٰ جلد اوّل حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۲

كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ

جیسے پگھلا تانبا۔ کھولتا ہے پیٹوں سے جیسے کھولتا پانی۔ پکڑو اس کو، اور دھکیل لے جاؤ

اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾

بیچوں بیچ دوزخ کے۔ پھر ڈالو اس کے سر پر جلتے پانی کا عذاب۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

یہ چکھ۔ تو ہی ہے بڑا عزت والا سردار۔ یہ وہی ہے جس میں تم دھوکہ رکھتے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ

بے شک ڈر والے، گھر میں ہیں چین کے۔ باغوں میں اور چشموں میں۔ پہنتے ہیں

مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ ۛ وَزَوَّجْنٰهُمْ

پوشاک ریشمی، پتلی اور گاڑھی ایک دوسرے کے سامنے۔ اسی طرح۔ اور بیاہ دیں ہم نے ان کو گوریاں

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ

بڑی آنکھوں والیاں۔ منگواتے ہیں۔ وہاں ہر میوہ خاطر جمع سے۔ نہ چکھیں گے

فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

وہاں مرنا، مگر جو پہلے مر چکے، اور بچایا ان کو دوزخ کی مار سے۔

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

فضل سے تیرے رب کے۔ یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے تیری بولی میں،

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۳ ع ۱۷/۱۶

شاید وہ یاد رکھیں۔ اب تو راہ دیکھ، وہ بھی راہ تکتے ہیں۔

# تہدید وتنبیہ از روز قیامت وبیان نجات وکامیابی مؤمنین ومتقین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :﴿ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ ... الیٰ ... فَارْتَقِبْ اِنَّھُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مجرمین کی سزاؤں اور ان کے عبرت ناک انجام کا بیان تھا جس کے بعد ان کے بالمقابل مطیعین کے انعام واکرام کا ذکر فرمایا گیا تو اب اختتام مضمون پر مزید یوم آخرت کی عظمت ومصیبت کا بیان فرماتے ہوئے اہلِ ایمان وتقویٰ پر حق تعالیٰ کے جو انعامات ہوں گے ان کا ذکر کیا گیا۔

اور کافر ونافرمان کیسی شدت وتکلیف اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے اس کو بھی واضح کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا گیا کہ اصل کامیابی اور کامرانی حق تعالیٰ پر ایمان لانے اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر یقین کرنے میں ہے اور یہ سب باتیں قرآن کریم اور وحی الٰہی پر ایمان لانے ہی پر موقوف ہیں تو اخیر میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کرتے ہوئے زبان عربی میں نہایت آسان وسہل تعبیرات کے ساتھ نازل کیے جانے کی حکمت بیان کردی گئی اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کو یہ دھمکی بھی دے دی گئی کہ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو پھر عذابِ خداوندی کا ان کے واسطے انتظار کریں۔ تو ارشاد فرمایا:

بے شک فیصلہ کا دن یعنی روزِ قیامت ان سب کا ایک مقرر کردہ وقت ہے کہ سب کا حساب وکتاب بیک وقت ہی ہوجائے گا یہ دن وہ ہوگا کہ جس میں کوئی دوست کسی دوست کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی وہ مدد کیے جائیں گے مگر وہ شخص جس پر اللہ رحم کرے۔ بس وہی اس دن کے عذاب اور پریشانی سے بچ سکے گا۔ ورنہ کسی کو کسی ذریعہ نہ کوئی مدد مل سکے گی اور نہ کوئی کسی کے کچھ کام آئیگا۔ یقیناً وہی بڑی قوت والا مہربان ہے اس کی مہربانی اس قدر غالب ہے کہ ہر چیز پر محیط ہے اور وہ اپنی شان رحیمی کے ساتھ اتنا زبردست اور طاقت والا ہے کہ اس کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا بے شک درختِ زقوم کھانا ہے گنہگار کا وہ اپنی شدت تلخی کے علاوہ ایسا ہے۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا ایسا سخت گرم ہوگا کہ کھولتا ہوگا پیٹوں میں جیسے کھولتا ہوا گرم پانی ان تکالیف وآلام کے ساتھ حکم ہوگا فرشتوں کو جو عذاب جہنم پر مامور ہوں گے کہ پکڑو اس کو اور دھکیل کر لے جاؤ اس دہکتی ہوئی آگ (جہنم) کے بیچ میں پھر ڈالو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب جو دماغ سے اُتر کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل پڑے گا (اعاذنا اللہ) اس دردناک عذاب اور ایسے شدید عذاب میں مبتلا ہونے والے مجرم کو تہدید وتحقیر کے ساتھ کہا جائے گا لے چکھ لے اب اس عذاب وذلت کا مزہ تو ہی ہے وہ بڑی عزت وکرامت والا کہ اپنے اس غرور ونخوت کی وجہ سے اللہ کے سامنے سر جھکانے اور اللہ کے پیغمبر کی فرمانبرداری سے اِنکار کرتا رہا۔ اب دیکھ لے وہ تیری عزت وسرداری کہاں گئی یہی تو ہے بے شک اے مجرمو! وہ آخرت اور عذابِ آخرت جس کے بارہ میں تم دھوکے ہی میں پڑے ہوئے تھے اور بے محابا خدا کے پیغمبر کا انکار کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جب ہم مر کر خاک ہوجائیں گے تو پھر نہ زندہ اٹھنا ہے اور نہ حشر ہے اور نہ ثواب وعقاب یہ سزائیں اور ذلت ورسوائی تو مجرمین کے واسطے ہوگی۔ مگر اس کے برعکس یقیناً تقویٰ والے امن وچین کی جگہ میں ہوں گے باغات اور چشموں میں ہر قسم کی نعمتوں وراحتوں میں ہوں گے۔ پہنتے ہوں گے پوشاک نرم ولطیف اور گاڑھے ریشم کی کہ بعض پوشاک نرم وباریک ہوگی اور بعض دبیزانِ نعمتوں اور عزتوں کے ساتھ حالت یہ ہوگی کہ ایک دوسرے کے سامنے رُخ کرنے والے ہوں گے یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے

اعراض کرے یا نفرت وبغض کی وجہ سے ایک دوسرے سے منہ موڑے جو کہ انسانی زندگی میں ایک آزار ہے تو ہر نوع کی الجھن اور کلفت سے پاک مخلصانہ اور دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف مائل ہوں گے رُخ اور توجہ کرنے والے ہوں گے اے مخاطبو! سن لو ایسا ہی ہے حال ہمارے انعامات اور نوازشوں کا جو ہم اہلِ ایمان اور تقویٰ پر کرتے ہیں اور ہم ان متقین ومؤمنین کے ساتھ ان کے جوڑے ملا دیں گے۔ ایسی حوروں کے جو بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی ان پر نعمتوں کی فراخی اور ان کے اکرام وعزت کا یہ مقام ہوگا۔ طلب کرتے ہوں گے ان جنتوں میں ہر قسم کا میوہ اور پھل نہایت ہی اطمینان اور سکون کی حالت کے ساتھ۔ ہر ڈر اور خوف و پریشانی سے مامون ہوں گے۔ نہ چکھیں گے وہاں موت کا مزہ مگر بس وہی موت جو پہلے آچکی اور یہ کس قدر انعام ہے خدوند عالم کا کہ بچالیا ان کو جہنم کے عذاب سے جو محض فضل ہے۔ اے مخاطب تیرے رب کی طرف سے وگرنہ کوئی بھی اپنے عمل اور تقویٰ سے مستحق نہیں ہے کہ ایسے انعامات سے نوازا جائے اور یہ بھی اللہ کا واقعی فضل وکرم ہے کہ جو انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوریوں سے طرح طرح کی خطاؤں اور غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے اس کو عذاب جہنم سے بچادے۔

بلاشبہ یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے جو قرآنی مضامین اور وحی الٰہی کے ذریعے دُنیا کے سامنے بیان کردی گئی کیا ان حقائق کو اے ہمارے پیغمبر ﷺ! آپ کے یہ مخالفین اوّلین قریش مکہ نہیں سمجھتے ہم نے تو اس قرآن کو نہایت ہی آسان کردیا ہے آپ ﷺ کی زبان عربی میں شاید یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں اس کے باوجود بھی اگر یہ باز نہیں آتے۔ دشمنی اور مخالفت پر ڈٹے رہیں تو پھر انتظار کیجیے ان کی شقاوت ونافرمانی کے بُرے انجام کا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی راہ تک رہے ہیں اس بات کی کہ آپ ﷺ پر کوئی افتاد پڑے اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے لیکن اللہ کے فضل سے حق کو غلبہ ہوگا اور مجرمین ومنکرین ذلیل وناکام ہوں گے۔

## درخت زقّوم

درخت زقوم جس کا ترجمہ اہل لغت سہینڈ کا درخت کرتے ہیں یہ نہایت ہی بدبودار تلخ اور زہریلا ہوتا ہے اس درخت کو اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے دوزخ کے اندر اگایا ہے جو دوزخ کی آگ اور شعلوں سے نشوونما پاتا ہے جو ظالموں اور کافروں کے لیے عذاب جہنم کی مصیبتوں میں ایک خاص مصیبت کے درجہ میں رکھا گیا ہے دوزخی جب بھوک سے بیقرار ہوں گے تو ان کو یہ کھانے کے واسطے دیا جائے گا۔ جس کی بدبو اور تلخی کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ اسے حلق کے نیچے اتارا جاسکے۔

اس کا ذکر سورۂ صافات میں گزر چکا ہے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر کی مراجعت فرمالی جائے۔ (یعنی معارف القرآن ہٰذا کی جلد نمبر ۶)

دُنیا کے درختوں میں یہ درخت نہایت بدبودار اور بدمزہ اور بدشکل ہوتا ہے اور ایسا زہریلا ہوتا ہے کہ اگر بدن سے چھو جائے تو تمام بدن میں زہر سرایت کرجائے اور وہ ہلاک ہوجائے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں درخت زقوم جہنم میں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جس طرح کہ شجرۂ طوبیٰ جنت کا وہ درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ شجرۃ الزقوم ایسا تلخ اور بدمزہ ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر پڑے تو تمام دُنیا میں

بسنے والوں کی زندگی برباد کردے۔ ❁

شیخ الاسلام حضرت الاستاد مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائدِ قرآن کریم میں فرماتے ہیں کہ دوزخ کے اس درخت زقوم کو جس کو سیہنڈ کا درخت کہا جاتا ہے محض کسی ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اس نام سے تعبیر کیا گیا ہے ورنہ دوزخ کے سیہنڈ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جس طرح کہ نعماء جنت اور جنت کے پھل ان ناموں سے تعبیر کیے گئے ہیں جو دنیا کے پھل ہیں محض اشتراک اسمی کی وجہ سے ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا کے پھلوں کو جنت کے پھلوں سے کوئی نسبت نہیں جنت کے پھل کروڑہا کروڑ درجہ بڑھ کر ہیں اسی طرح دنیا کے زقوم سے جہنم کا زقوم بلاشبہ کروڑہا کروڑ درجہ بدتر ہے۔ ❁

درخت زقوم کا آگ میں اُگنا کوئی قابلِ تعجب امر نہیں ممکن ہے اس کا مزاج ناری ہو جیسے بعض کیڑے آگ میں پلتے ہیں اور رہتے ہیں۔

سہارن پور یو۔پی کے کمپنی باغ میں ایک درخت تھا جس سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے اور کچھ درخت ایسے تھے جن کی نشوونما آگ کے ذریعے ہوتی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اپنی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں احقر اور دو صاحب علم ہندی الاصل مکی المسکن ایک مجمع میں تھے ان دو حضرات میں سے کسی ایک نے کہا مکہ میں زقوم کا پھل کھایا جاتا ہے جس کو برشومی کہتے ہیں اور قرآن سے وہ طعام اہل نار کا معلوم ہوتا ہے تو ایسی لذیذ چیز سے وعید کیا ہوئی۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے کہا قرآن شریف میں شجرۃ الزقوم آیا ہے ثمرۃ الزقوم نہیں آیا اور شجرہ ماکول نہیں ہے (تو یہ ممکن ہے کہ پھل کی کیفیت سے درخت کی کیفیت اور حالت جُدا ہو) اور ان دونوں صاحبوں اور اہلِ مجلس نے اس جواب کو بہت پسند کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جواب کی اس وقت ضرورت ہے کہ جب برشومی (درحقیقت) اسی زقوم کا پھل ہو اور اگر کوئی دوسری نوع ہے تو سوال بھی ساقط ہے۔ ❁

شیخ الاسلام حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں یہ فرمایا کسی نے یہ کہا زقوم فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں بعض عرب انہیں سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں۔ ❁ واللہ اعلم بالصواب

کوئی تعجب نہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جو زقوم کا پھل کھانے کا ذکر کیا ہو وہ اسی طرح کا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

## اہل جنت کا ہر خوف اور تکلیف سے مامون ہونا

دُنیا دار الفناء اور دار المحن ہے کہ یہاں نہ کسی چیز کو دوام ہے اور نہ کسی کو آلام ومصائب سے کلی طور پر تحفظ ہوسکتا ہے بلکہ کسی نہ کسی طرح سے تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہونا لوازم دُنیا میں سے ہے اس کے بالمقابل جنت دار الخلد ہے وہاں کی ہر راحت اور نعمت دائمی

---

❁ تفسیر ابن کثیر جلد رابعد۔ ۱۲ ❁ فوائد عثمانی۔ ۱۲

❁ تفسیر بیان القرآن جلد ۱۰۔ ❁ فوائد عثمانی۔ سورۂ صافات۔ ۱۲

ہے اور وہاں ہر خوف وحزن سے تحفظ ہے اس لیے فرمایا ﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ﴾ کہ جنتی جنت میں کسی موت کا مزہ نہ چکھیں گے بس جو موت ان کو دنیوی زندگی میں آ گئی وہ آ گئی اب مزید کسی موت کا اندیشہ ان کو پریشان نہ کرے گا۔

صحیح بخاری صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل دیوار پر اس کو کھڑا کر دیا جائے گا (جہاں سے اس کو جنتی اور جہنمی دونوں دیکھ سکیں گے) اور پھر اس کو ذبح کر کے اعلان کر دیا جائے گا: ((یا اهل الجنة خلود فلا موت ویا اهل النار خلود فلا موت)) یعنی اے اہل جنت بس اب دوام (تمہارے لیے) اس لیے آئندہ کوئی موت نہیں اور اہل نار! تمہیں بھی دوام ہے بس اس کے بعد اب کوئی موت نہیں اس اعلان کے سننے پر اہل جنت کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی اور اہلِ نار کی حسرت و بیقراری کا عالم عجیب ہوگا۔

ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابو مسلم الاغر رحمۃ اللہ علیہ۔ ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اعلان کیا جائے گا۔"

((یا اهل الجنة ان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا وَ ان لکم ان تعیشووا فلا تموتوا ابدا و ان لکم ان تنعموا فلا تبئسُوا ابدا وان لکم ان تشبوا فلا تهرموا ابدا)).

"کہ اے اہل جنت (آگاہ ہو جاؤ) بے شک تمہارے واسطے (اب) یہ ہے کہ تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہیں مرو گے اور یہ کہ تم ہمیشہ خوش رہو گے کبھی سختی اور تنگی میں نہیں پڑو گے اور تمہارے واسطے یہ بھی ہے کہ تم ہمیشہ نوجوان اور مضبوط رہے گے کبھی بوڑھے اور کمزور نہ ہو گے۔"

الحمد للہ! تفسیر سورۂ دخان بتوفیقِ خداوندی مکمل ہوئی۔ فللہ الحمد والمنة.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# تفسیر سورۃ الجاثیہ

| آیاتُہا ۳۷ | ㊺ سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ㊺ | رُکوعاتُہا ۴ |
|---|---|---|

سورۂ جاثیہ مکی ہے اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ

حٰمٓ ○ اُتارا کتاب کا ہے اللہ سے، جو زبردست ہے حکمت والا۔ بے شک آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ

اور زمین میں، بہت پتے ہیں ماننے والوں کو۔ اور تمہارے بنانے میں، اور جتنے بکھیرتا ہے

دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ

جانور پتے ہیں ایک لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں۔ اور بدلنے میں رات دن کے، اور جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ

اتاری اللہ نے آسمان سے روزی پھر جلایا اس سے زمین کو مر گئے پیچھے، اور

تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

بدلنے میں باؤں کے، پتے ہیں ایک لوگوں کو جو بوجھتے ہیں۔ یہ باتیں ہیں اللہ کی، ہم سناتے ہیں

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ

تجھ کو ٹھیک۔ پھر کون سی بات کو اللہ اور اس کی باتیں چھوڑ کر مانیں گے؟ خرابی ہے

لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ

ہر جھوٹے گنہگار کی۔ کہ سنے باتیں اللہ کی، اس کے پاس پڑھی جاویں، پھر ضد کرے

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ

غرور سے، جیسے وہ سنی نہیں۔ سو خوشی سنا اس کو ایک دُکھ کی مار کی۔ اور جب خبر پاوے

مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا ِۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹﴾ مِنْ

ہماری باتوں میں کسی چیز کی، اس کو ٹھہرا دے ٹھٹھا۔ ایسوں کو ذلت کی مار ہے۔

وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا

پرے اُن کے دوزخ ہے۔ اور کام نہ آوے گا ان کو جو کمایا تھا کچھ اور نہ وہ جو پکڑے تھے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى ۚ

اللہ کے سوا رفیق۔ اور ان کو بڑی مار ہے۔ یہ سوجھا دیا۔

ع ۱۱/۱۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے، ان کی مار ہے ایک بلا کی دکھ والی۔

## بیان عظمت کتاب خداوندی وذکر دلائل قدرت وتنبیہ بر اعراض وانحراف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ ... الیٰ ... مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾﴾

**ربط:** گزشتہ سورت کا مضمون ان اوصاف کے بیان پر ختم کیا گیا تھا۔ جو انسانی فوز وفلاح اور سعادت کے ضامن ہیں اور یہ کہ قرآن کریم عربی زبان میں آسان وسہل بنا کر نازل کیا گیا۔ اب اگر اس کے بعد بھی لوگ ہدایت قبول نہ کریں تو یہ ان کی محرومی اور بدنصیبی ہے تو اس مناسبت سے سورۂ جاثیہ کی ابتداء عظمتِ کتابِ خداوندی سے کی جارہی ہے اور ساتھ دلائل قدرت کا بھی بیان ہے کہ قادر مطلق کی قدرت وعظمت کو دیکھ کر اس کی کتاب کی عظمت کو بھی پہچان سکیں۔ ساتھ انعامات کا بھی ذکر ہے اور قادر مطلق ومنعم حقیقی کی نافرمانی پر تنبیہ ووعید بھی۔ تو ارشاد فرمایا:

حٰمٓ ○ اُتارنا ہے اس کتاب کا اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا۔ جس کی عزت وکبریائی اور حکمتیں اس کتابِ الٰہی میں رونما ہیں اور تمام کائنات اللہ رب العزت کی الوہیت ووحدانیت کی گواہ ہے۔ یقیناً آسمانوں میں اور زمین میں بڑی بڑی نشانیاں

ہیں ماننے والوں کے لیے اور کائنات کی دوسری بے شمار نشانیوں کا تو کیا کہنا اے انسانو! خود تمہارے پیدا کرنے میں اور جس قدر بھی پھیلا رکھے ہیں جانور ہر ایک میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لائیں کہ انسان خود اپنی ساخت اور دوسرے حیوانات پر غور کرے تو پروردگار کی معرفت اور اس کی قدرت کو پہچاننے کی ہزار ہا نشانیاں اور دلائل مل جائیں گے۔

اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان سے رزق اتارا کہ بارش برسائی پھر اس سے زمین کو زندہ تر و تازہ وشاداب کیا اس کے مر جانے کے بعد اور ہواؤں کو لوٹانے پلٹانے میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں کہ اگر ذرا بھی غور کریں تو ان کو اس بات کا کامل یقین حاصل ہو جائے کہ یہ تمام کام صرف اسی زبردست طاقت اور حکمت والے پروردگار کے قبضۂ قدرت میں ہے جو یکتا ہے اور عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ اور مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس ذات عزیز و حکیم کے سوا یہ چیزیں کسی کے بس میں نہیں انہی نشانیوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ ہیں اللہ کی نشانیاں جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں ٹھیک ٹھاک اور ان دلائل وحقائق کا سُننا اور مشاہدہ کرنا اس بات کا موجب ہے کہ ہر بات کا یقین کریں اور اس پر ایمان لائیں جب یہ چیز اس قدر واضح ہے تو پھر کون سی بات ہے اللہ اور اس کی نشانیوں کے بعد ایسی کہ یہ اس پر ایمان لائیں گے۔ حقائق اور دلائل کو تسلیم کرنے سے اکثر انسان کا عناد اور اس کی ضد مانع ہوتی ہے تو ایسی صورت میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہلاکت و بربادی ہے ہر جھوٹے افتراء پرداز گنہگار کے لیے کہ سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے کفر و نافرمانی پر اصرار کرتا ہے۔ تکبر کرتے ہوئے اس طرح کہ گویا اس نے سُنا ہی نہیں ہے تو اگر اس نافرمان انسان کے غرور و تکبر کا یہی حال ہے تو پھر اے ہمارے پیغمبر اس کو خوشخبری سُنا دیں ایک دردناک عذاب کی اور اگر کسی وقت ہماری نشانیوں میں کوئی نشانی جان لیتا ہے اور مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کو مانے تو بنا لیتا ہے اس کو مذاق تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے واسطے بڑا ہی ذلت کا عذاب ہے۔ اللہ کے احکام اور اس کی آیات کے ساتھ تمسخر اللہ کے دین کی اہانت وتحقیر ہے یہی سزا ہوگی کہ ان پر ذلت وخواری کا عذاب مسلط کر دیا جائے گا اور ان کے پیچھے جہنم ہے کہ دنیا کی زندگی اس میں حائل ہے جوں ہی دار دُنیا سے کوچ کریں گے۔ جہنم کا عذاب ان پر مسلط اور ان کو محیط ہوگا اور کام نہ آئے گا ان کے واسطے ذرّہ برابر جو انہوں نے اپنی زندگی میں کمایا۔ اور نہ کام آئیں گے جن کو انہوں نے اپنا ولی بنایا تھا خدا کو چھوڑ کر بلکہ ان کے اولیاء اور معبود خود اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں گے اور ان کے واسطے بڑا ہی زبردست عذاب ہے۔ یہ ہے سامان ہدایت جو اللہ کی نشانیوں کے بعد اس کے دلائل قدرت پر مشتمل ہے لیکن جو لوگ اپنے رب کی باتوں۔ دلائل قدرت۔ احکام ونشانیوں کا انکار کریں ان کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے عقل فطرت کے خلاف حق سے انکار وانحراف کیا اور اپنے خالق کی نافرمانی کی اور ظاہر ہے کہ بغاوت ونافرمانی کا تو ایسا ہی انجام ہونا چاہیے۔

دلائل قدرت کی تفصیل اور ان کے انواع کی تحقیق گزر چکی۔

نیز دلائل آفاق وانفس کی بحث منازل العرفان فی علوم القرآن میں قدرے وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے ان آیات کی تفسیر کے لیے اس کی مراجعت فرمالی جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا

اللہ وہ ہے جس نے بس میں دیا تمہارے دریا، کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے، اور تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ ج وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا

اس کے فضل سے، اور شاید تم حق مانو۔ اور کام لگائے تمہارے، جو کچھ ہیں آسمانوں میں اور

فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

زمین میں سب، اسی کی طرح سے۔ اس میں پتے ہیں ایک لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ

کہہ دے ایمان والوں کو کہ معاف کریں ان کو جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی، کہ وہ سزا دے

قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ج وَ مَنْ

ان لوگوں کو، بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ جس نے بھلا کیا تو اپنے واسطے۔ اور جس نے

اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ز ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

بُرا کیا، تو اپنے حق میں۔ پھر اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

## دلائل قدرت وتکوینی انعاماتِ خداوندی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ ... الٰی ... ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات حق تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں پر مشتمل تھیں جن سے پروردگار عالم کی الوہیت ووحدانیت کو ثابت کرتے ہوئے اعراض وانحراف کرنے والوں پر وعید تھی اب مزید چند دلائل کا ذکر کرتے ہوئے بعث بعد الموت اور قیامت کو ثابت فرمایا جارہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے بس میں کردیا ہے سمندر کو تاکہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے حالانکہ سمندر جیسی ہیبت ناک موجوں پر جہازوں اور کشتیوں کا چلنا مادی اسباب کے لحاظ سے متوقع نہ تھا اب بحری سفر انسان کررہا ہے، تجارت بھی۔ سیر وسیاحت بھی اور شکار بھی ہے اور اس کی تہوں میں سے موتی اور ہیرے قیمتی جواہرات بھی نکالے جارہے ہیں۔ مچھلیوں کو دوا اور غذا میں استعمال کیا جارہا ہے تو یہ بے شمار منافع اور فوائد خالق کائنات کی قدرت اور اس منعم حقیقی کے عظیم تر دلائل اور شواہد ہیں اور یہ سب کچھ اس لیے بھی کہ تلاش

کرو اس کے فضل سے اور اُمید ہے کہ تم اپنے اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو۔ ان تمام انعامات کو دیکھ کر انسانی فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ منعم سے قلب میں محبت ہو اور جذبۂ طاعت وفرمانبرداری اور حق انعام ادا کرنے کے واسطے مستعد ہو جائے اور کام میں لگا دیا تمہارے واسطے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس طور سے یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔

اسی نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا اور ان جملہ مخلوقات میں تصرف کرنے اور ان سے منتفع ہونے کی تم میں صلاحیت پیدا کی اور ان کو تمہارے سامنے مسخر و تابع کر دیا ورنہ ایک معمولی جانور بھی انسان سے بہت زیادہ طاقت رکھتا ہے اور ممکن نہ ہو سکتا تھا کہ انسان خود اپنی طاقت سے جانور پر سوار ہو کر اس کو جہاں چاہے لیے پھرے۔ بے شک ان سب باتوں میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ایسے لوگوں کے واسطے جو غور وفکر کرتے ہوں تو غور وفکر کرنے والے یقیناً یہ بات سمجھ لیں گے کہ جب ہمارے خالق نے یہ تمام کائنات ہمارے لیے اور ہمارے کام میں سب چیزوں کو لگا رکھا ہے تو انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ ہم کو اس کے کام میں لگ جانا چاہیے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ دُنیا میں انسان کی یہ زندگی حیاتِ مستعار ہے حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے اس کے واسطے بھی چاہیے کہ عمل کا کچھ ذخیرہ مہیا کیا جائے۔

ایسے دلائل اور خالق حقیقی کی قدرت کاملہ کی نشانیاں اور اس کے لیے بے پایاں انعامات کے باوجود بھی جو لوگ اپنے منعم حقیقی اور خالق کائنات کے ساتھ اپنی زندگیوں کا رشتہ وابستہ نہیں کرتے اہل اللہ کے دلوں میں ان سے تکدر اور تنفر پیدا ہونا ایک ایمانی تقاضا ہے غصہ اور جذبۂ انتقام کا ابھرنا بھی طبعی تاثر ہے تو ان جذبات پر قابو پانے کے لیے صبر وتحمل کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: کہہ دو اے ہمارے پیغمبر ایمان والوں کو کہ درگذر کریں وہ ان لوگوں سے جو اُمید ہی نہیں رکھتے ہیں۔ اللہ کے دنوں کی کہ سزا دے اللہ ایک قوم کو ان اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ اس کی رحمت کی اُمید ہے اور نہ اس کے عذاب کی فکر ہے۔ اور نہ اس بات کا احساس ہے کہ اللہ اپنے اور اپنے دین کے دشمنوں کو خاص سزا دے گا اور ان کو ناکام وذلیل کرے گا اور جو اس کے دوست ہیں اور اس کے دین کے قبول کرنے والے ہیں ان کو اپنے انعام اکرام سے نوازے گا نیز ان کو کامیاب فرمائے گا۔ ہمارے یہاں تو یہ قانون طے ہو چکا کہ جس کسی شخص نے نیکی کا کام کیا بس وہ اسی کے واسطے ہے نافع وباعث عزت اور جس کسی نے بُرا کام کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔ پھر یہ بھی جان رکھو کہ تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے وہاں پہنچ کر ہر شخص اپنے اعمالِ صالحہ کا اجر وثواب دیکھ لے گا اور اعمالِ خبیثہ کی سزا اور عذاب بھی دیکھ لے گا غرض ہر شخص کی نیکی اور بدی اس کے سامنے آجائے گی۔

## اہل ایمان کو کافروں کی معاندانہ روش پر درگذر کی تلقین

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا﴾ میں اہل ایمان کو صبر وتحمل کی تلقین فرمائی گئی کیونکہ انسان طبعاً دشمنوں کی مذموم اور بے ہودہ حرکتوں پر مشتمل ہو جایا کرتا ہے اور اس قسم کا اشتعال اشاعت دین اعلاء کلمۃ اللہ کے مقصد میں رکاوٹ کا باعث بن سکتا ہے تو ان کلمات مبارکہ میں عفو ودرگزر کی ہدایت فرمائی گئی مقصد یہ کہ باہمی نزاع اور مخاصمت کی معمولی سی باتوں میں یہ صورت پیدا نہ کی جائے۔ [1]

---

[1] بعض آئمہ مفسرین مثلاً نحاس اور مہدی رحمۃ اللہ علیہما۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل کسی مشرک نے ان کو گالی دی اور بُرا بھلا کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر بہت زائد مشتعل ہوئے اور اس کے منہ پر چپت بھی مارنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ آیت بھی اس سورت کی دیگر آیات کی طرح مکیہ ہے =

اس تفسیر پر آیت کو قبل از مشروعیت جہاد کے زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت جہاد وقتال کے حکم سے قبل نازل ہوئی تھی۔ جب حق تعالیٰ نے جہاد کا حکم نازل فرمادیا تو پھر عفو ودرگذر کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اس کے بعد تو ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ (مریم:۹) کی صورت مقرر کردی گئی۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ مسلمان کافروں کی ایذاؤں اور تکالیف پر صبر کریں اور درگذر سے کام لیں اور اہل کتاب سے بھی ایسا ہی معاملہ رکھیں تاکہ تالیف قلبی ہو اور وہ اسلام سے قریب ہوسکیں۔ لیکن جب کافروں پر اس مروت اور حسن خلق کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ پہلے سے زائد عناد ودشمنی برتنے لگے تو جہاد کا حکم نازل ہوا۔ قتادہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

| |
|---|
| وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ |
| اور ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور پیغمبری، اور کھانے کو دیں |
| مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ ج وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ |
| ستھری چیزیں اور بزرگی دی ان کو جہاں پر۔ اور دیں ان کو کھلی باتیں |
| الْاَمْرِ ج فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا |
| دین کی۔ پھر پھوٹ جو ڈالی، تو سمجھ آچکے پیچھے آپس کی ضد |
| بَيْنَهُمْ ط اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ |
| سے۔ تیرا رب چکوتی کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں وہ |
| يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا |
| جھگڑتے تھے۔ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستے پر اس کام کے، سو تو اسی پر چل، |
| وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ |
| اور نہ چل چاؤں پر نادانوں کے۔ وہ کام نہ آویں گے |

= اور اس تاویل کی ضرورت نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے بعد ارادہ کیا تھا اس لیے کہ مکہ میں تو مسلمان مجبور و بے بس تھے۔ کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جرأت وہمت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمونہ بن کر اس کافر کے منہ پر گھونسہ مار کر کام تمام کرسکتے تھے۔

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ

اللہ کے سامنے کچھ۔ اور بے انصاف ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اللہ رفیق ہے

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

ڈروالوں کا۔ یہ سوجھ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے، اور راہ کی، اور مہر ہے ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ

کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے ان کو، برابر ان کے جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا

یقین لائے اور کیے بھلے کام؟ ایک سا ان کا جینا اور مرنا۔ بُرے دعوے ہیں جو

يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۰ ۱۸

کرتے ہیں۔

## انعامات دنیوی واُخروی برقوم بنی اسرائیل وبیان بغاوت ونافرمانی ایشاں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ... الیٰ ... سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾

**ربط:** ماقبل آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان چل رہا تھا اور یہ کہ اللہ رب العزت کے کس قدر انعامات ہیں کہ اس نے اپنے بندوں ہی کے فوائد ومنافع کے لیے ساری کائنات پیدا کی اور کائنات پر ان کو تصرف کرنے کی صلاحیت اور قدرت بھی عطا فرمائی جس کا ثمرہ اور نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ انسان اپنے رب کا فرمانبردار ہوتا تو اس مقصد اور حقیقت کی توضیح کے لیے قانون جزاء وسزا بھی ذکر فرما دیا گیا تھا تو اب ان آیات میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے کہ پروردگار عالم نے کیسے انعامات سے ان کو نوازا لیکن اس بدنصیب قوم نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کی نازل کی ہوئی ہدایت ورحمت سے محرومی اختیار کی اور عملی بغاوت وسرکشی کو اپنی زندگی کا شعار بنایا۔ ارشاد فرمایا:

اور بے شک دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور سلطنت وپیغمبری اور ان روحانی انعامات واعزاز وکرامت کے ساتھ عطا کیں ان کو کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں اور فضیلت وبرتری دی ان کو تمام جہاں پر کہ کسی قوم اور خاندان میں اللہ نے اس وقت اس قدر فضیلتیں اور دین دنیا کی عزتیں جمع نہیں فرمائیں تھیں جتنی کہ بنی اسرائیل کو دیں کتاب تورات دی پھر حکومت وسلطنت یا قوت فیصلہ وحکمت سے نوازا کہ دین کی باتیں سمجھیں اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیں اور جو قانونِ الٰہی دے دیا گیا اس کے مطابق وہ نظام حکومت قائم کریں

اور پھر سب باتوں کے علاوہ انہیں کھلی نشانیاں اور دلائل یا احکامِ دین دیئے جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ متحد ہو کر اللہ کے احکام کی پیروی کرتے اور باہم کسی قسم کا اختلاف نہ کرتے مگر افسوس کہ انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا اور سمجھ چکے تھے کہ علم وہدایت یہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تعلیمات سے ہمیں عطا کیا اور یہ اختلاف صرف آپس میں ضِد اور عناد کی وجہ سے تھا اور اصل کتابِ ہدایت کو چھوڑ کر بے شمار فرقے بن گئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نفسانیت اور ضد وعناد کی وجہ سے حق سے بغاوت اور مخالفت حق وباطل کو ملتبس ومشتبہ نہیں کرسکتی۔

بے شک آپ کا رب فیصلہ کردے گا ان کے درمیان قیامت کے روز اس بات کا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کی یہ تاریخ ان کی سرکشی اور نفسانیت وعناد کے باعث باہم فرقہ وارانہ کش مکش کا دور گزر جانے کے بعد پھر بنا دیا ہم نے آپ کو پیغمبر وہادی دین کے ایک دستور پر بس آپ اسی کی اتباع وپیروی کیجیے اور مت چلیے ان لوگوں کی خواہشوں پر جو نادان ہیں اگر کسی وقت جذبۂ ہمدردی یا مصلحت کے خیال سے آپ علیہ السلام ان کی کسی بات کو بالفرض پوری کرنے کا ارادہ کریں تو آپ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ ہونا چاہیے کہ وہ ہرگز خدا کے یہاں آپ کے ذرہ برابر بھی کام نہ آئیں گے۔ اور کسی بھی فرد گزاشت پر اگر خدا کا کوئی قہر کسی کی طرف متوجہ ہوا تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کرسکتا مؤمنِ مطیع کا کافر نافرمان سے اور باغی ومجرم سے کسی قسم کی مرافقت ممکن ہی نہیں ہر ایک کا راستہ جُدا ہے۔

اور بے شک ظالم ومجرم ایک دوسرے کے رفیق ومددگار ہیں اور اللہ مددگار ہے تقویٰ والوں کا اس لیے ایمان وتقویٰ والوں کو اپنے خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ظالم کی خواہشات وافکار کا قطعاً نہ لحاظ کرنا چاہیے اور نہ ان کی روش اختیار کرنی چاہیے ان کا راستہ ظلم وبغاوت کا راستہ ہے اور اہل ایمان کا راستہ فرمانبرداری واطاعت کا راستہ ہے اور اس پر چلنے والوں کا خدا ساتھی اور مددگار ہے تو پھر کسی کی مخالفت ودشمنی کی کیا پرواہ یہ ہیں بصیرت وعبرت کی باتیں دُنیا کے تمام انسانوں کے واسطے اور ہدایت کا سامان ہے اور رحمت ایسی قوم کے واسطے جو یقین رکھتی ہو تو ان بصیرت افروز باتوں اور حقائق پر مشتمل نصیحتوں سے لوگوں کو ہدایت حاصل کرنی چاہیے اور صراطِ مستقیم پر چل کر دین ودُنیا کی رحمت وبرکت کا مستحق بننا چاہیے۔ ❶

انسان کی عملی زندگی میں حق وباطل ہدایت وگمراہی اور عدل وظلم کا راستہ قطعی مختلف ہے یہ ناممکن ہے کہ حق وہدایت کی پیروی کرنے والا مؤمن اور باطل وگمراہی میں مبتلا ہونے والا انسان برابر ہو ایسا تصور ہرگز بھی نہ کرنا چاہیے مگر اہل مکہ ایسی واضح اور روشن حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے بلکہ ان کے نفس نے ان کو ایسی گمراہی میں ڈالا کہ شعور واحساس تک باقی نہ رہا تو کیا ایسے لوگوں نے جو بُرائیاں کمارہے ہیں یہ گمان کرلیا ہے کہ ہم ان کو برابر کردیں گے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اس طرح کہ ان کا جینا اور مرنا برابر ہوجائے۔ اگر کسی قسم کا کوئی تصور اور گمان ہے تو بہت ہی بُرا ہے یہ فیصلہ جو کررہے ہیں کون عقل والا یہ سوچ سکتا ہے کہ ایک بدکار انسان اور ایک مردِ صالح خدا کے نزدیک برابر ہوگا اور اس مجرم کے ساتھ وہی انعام واکرام کا معاملہ کیا جائے گا جو بدکار ظالم ومجرم

---

❶ دین ودُنیا کی رحمتوں اور برکتوں کی طرف اشارہ ہے۔

اسی کے ساتھ ان کلمات سے یہ بھی ظاہر ہورہا ہے کہ قانون شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے: ① بصیرت ② ہدایت اور ③ رحمت ترتیب طبعی بھی ایسی ہی ہے انسان کی پہلے آنکھیں کھلتی ہیں تو صحیح راستہ نظر آتا ہے اور منزل مقصود پہچان کر اس کی طرف چلنا شروع کردیتا ہے تو بصیرت، راستہ نظر آنا ہوا اور ہدایت منزل تک پہنچانے والے راستہ پر چل پڑنا ہے اور رحمت حصول مقصد اور وصول منزل پر مرتب ہونے والے ثمرہ کا نام ہے۔

کے ساتھ ہرگز نہیں آخرت میں تو کیا برابر ہوسکتی ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی یہ ممکن نہیں مؤمن کو دنیا میں بھی حیات طیّبہ نصیب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے عزت ونصر سے نوازا جاتا ہے اور بدکار انسان دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ناکام ومحروم رہتا ہے۔ غرض نیکی اور بدی کا فرق دُنیا میں بھی نظر آتا ہے اور آخرت میں بھی اسی طرح نظر آئے گا اس لیے کسی نافرمان ومجرم کو مادی اور ظاہری عیش وعشرت کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے بنی اسرائیل پر فائز کردہ انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مجرمانہ نافرمانیاں اور بغاوت کا بیان اہل کتاب کو تنبیہ کے لیے فرمایا اور اس لیے بھی کہ اہل کتاب کو ان باتوں سے صبر وہمت حاصل ہو۔

ابن کثیر وعلامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہما نے ائمہ مفسرین سے بحوالہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت نقل کی ہے کہ کفار قریش میں سے عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حمزہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے بعض مسلمانوں سے ایک روز یہ کہا کہ خدا کی قسم تمہارا دین کوئی بہتر دین نہیں اور نہ تم ہم سے افضل ہو ہمارا حال تم سے بدرجہا بہتر ہے۔ اگر وہ بات یعنی آخرت وقیامت ہو بھی گئی تو وہاں بھی ہم تم سے افضل اور بہتر ہوں گے جیسا کہ ہم دُنیا میں تم سے افضل ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ﴾ جس میں قانونِ خداوندی بیان کر دیا گیا کہ مجرم وفرمانبردار برابر نہیں ہوسکتے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غرض ہے کہ ہر مؤمن کو اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر یہی تصور واعتقاد اپنے قلب ودماغ کی گہرائیوں میں رچاتے ہوئے اپنی کوتاہیوں اور غفلت سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اعمالِ صالحہ کے لیے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرتا رہے۔

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ربیع رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ تہجد کی نماز میں جب اس آیت پر سے گزرے اور اس کو تلاوت کیا تو یہی آیت بار بار لوٹاتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ ان دو فریقوں میں سے میں کس فریق میں شامل ہوں۔

اَللّٰھُمَّ ارزقنا حلاوۃ الایمان وبشاشتہٗ. آمین یارب العالمین

## انسانی زندگی شریعت اور شارع کی محتاج ہے

﴿ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ انسانی زندگی شریعت اور شارع کی محتاج ہے اس لیے کہ انسان اپنی ذات سے خود ہر کام انجام نہیں دے سکتا تاوقتیکہ اس کی مدد دوسرے نہ کریں اسی واسطے انسانی حیات مدنیت واجتماعیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ لوگوں کی ضرورتیں اغراض اور خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور طبعاً ہر شخص اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اور اپنی غرض کو دوسرے کی غرض ومقصد پر مقدم رکھتا ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک اپنی غرض وخواہش کو پورا کرنا چاہے گا اور جبکہ اغراض وخواہشات متناقض ہیں تو یقیناً نزاع وفساد کا برپا ہونا لازم ہے اسی وجہ سے انسانی حیات اس بات کی محتاج ہوئی کہ اس کے واسطے ایک ایسا قانونِ ہدایت ہو جو سرتاپا رحمت ہو جو عدل وانصاف کا پیکر ہوتے ہوئے اغراض وخواہشاتِ نفس سے پاک ہو اور ظاہر ہے کہ اس ضرورت واحتیاج کو کوئی انسانی دستور اور قانون پورا نہیں کرسکتا کیونکہ انسانی فہم۔ ادارک وشعور اول تو ناقص پھر یہ کہ اغراض وخواہشات

نفس کی آمیزش سے پاک نہیں ہوسکتے پھر طبائع اور مزاج کا بھی عظیم اختلاف وفرق تو ایسی صورت میں صرف وحی الٰہی اور قانونِ خداوندی ہی انسان کے واسطے راہنما اُصول اور باعث رحمت وعافیت ہوسکتا ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام دُنیا کی ہدایت کے واسطے لے کر آئے اور ان جملہ علوم ہدایت ورحمت کا مجموعہ اور لباب وجوہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شریعت ہوئی جس کو ان الفاظ میں یاد فرمایا جارہا ہے۔ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ ... الخ﴾

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا

اور بنائے اللہ نے۔ آسمان اور زمین جیسے چاہئیں، اور تا بدلہ پاوے ہر کوئی اپنی

كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ

کمائی کا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ بھلا دیکھ تو! جس نے ٹھہرایا اپنا حاکم اپنی چاؤ کو اور راہ سے

اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى

کھویا اس کو اللہ نے جانتا بوجھتا، اور مہر کی اس کے کان پر اور دل پر، اور ڈالی اُس کی

بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

آنکھ پر اندھیری۔ پھر کون راہ پر لاوے اس کو اللہ کے سوا؟ کیا تم سوچ نہیں کرتے؟

وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا

اور کہتے ہیں، اور نہیں، یہی ہے ہمارا جینا دُنیا کا، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور مرتے ہیں ہم سو

الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

زمانے سے۔ اور ان کو کچھ خبر نہیں اس کی۔ نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا

اور جب سنایئے ان کو ہماری آیتیں کھلی، اور جھگڑا نہیں ان کو، مگر یہی کہتے ہیں

ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ

لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ، اللہ جلاتا ہے تم کو، پھر

يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ لٰكِنَّ

مارے گا تم کو، پھر اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن تک اس میں کچھ شک نہیں، پر

ع ۳ ۱۹ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ اور اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ تَرٰى كُلَّ

اور جس دے اُٹھے گی قیامت، اُس دن خراب ہوں گے جھوٹے۔ اور تو دیکھے ہر

اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ قف كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

فرقہ زانو پر بیٹھے ہیں۔ ہر فرقہ بلایا جاتا ہے اپنے دفتر پر، آج بدلہ پاؤ گے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا

جیسا تم کرتے تھے۔ یہ ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک۔ ہم

كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

لکھواتے جاتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے۔ سو جو یقین لائے ہیں، اور

الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

بھلے کام کیے، سو ان کو داخل کرے گا ان کا رب اپنی مہر میں۔ یہ جو ہے یہی ہے صریح مراد ملنی۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ قف اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ

اور جو منکر ہوئے کیا تم کو سُنائی نہ جاتی تھیں باتیں میری؟ پھر تم نے غرور کیا،

وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ

اور ہو رہے تم لوگ گنہگار۔ اور جب کہیے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور اس گھڑی میں

لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا

دھوکا نہیں، تم کہتے ہو، ہم نہیں سمجھتے کیا ہے وہ گھڑی، ہم کو آتا ہے تو ایک خیال سا،

وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ

اور ہم کو یقین نہیں ہوتا۔ اور کھلیں اُن پر برائیاں اُن کاموں کی جو کیے تھے اور اُلٹ پڑی

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا

ان پر جس چیز سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ اور حکم ہوا کہ آج ہم تم کو بھلائیں گے جیسے

نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

تم نے بھلا دیا اپنے اس دن کا ملنا، اور گھر تمہارا دوزخ ہے، اور کوئی نہیں تمہارے مددگار۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ

یہ تم پر اس واسطے، کہ تم نے پکڑا اللہ کی باتوں کو ٹھٹھا اور بہلے دنیا کے جینے پر۔

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

سو آج نہ ان کو نکالنا ہے وہاں سے اور نہ اُن سے چاہیں توبہ۔ سو اللہ کو ہے سب خوبی،

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي

جو رب ہے آسمانوں کا، اور رب ہے زمین کا، رب سارے جہاں کا۔ اور اُسی کو بڑائی ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع ۴ ۱۱ ۲۰

آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

## دلائل قدرتِ خداوندی وتردید کفار دھریین مع بیان انجام ہدایت وضلالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... اِلٰی ... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۲﴾﴾

**ربط:** ماقبل آیات میں بنی اسرائیل پر ان خاص انعامات کا بیان تھا جن سے ان کو نوازا گیا تھا ان انعامات میں دین ودُنیا کی نعمتیں عزت وراحت اور علم وحکمت کے فضائل وکمالات شامل تھے ساتھ ہی ان کی نافرمانی اور بغاوت کا ذکر تھا اور یہ کہ قانونِ خداوندی یہ طے ہو چکا کہ نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ دھریوں کا رد فرمایا اور یہ کہ خالقیت ومالکیت سب اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اور قرآن حکیم وہ کتاب ہدایت ہے جو حق وصداقت کے ساتھ ہر بات دُنیا کے سامنے پیش کرتی ہے اس کتاب پر عمل نجات وکامیابی کا باعث ہے اور خدا کے احکام فراموش کر دینا اس کے

انعامات ورحمتوں سے محرومی ہے۔ارشادفرمایااور پیدا کیااللہ نے آسمانوں اورزمین کوٹھیک انداز کے ساتھ کہ جیسے چاہیے تھاایسے پیدا کیا جس میں بڑی عظیم حکمتیں اور بلند پایہ مصلحتیں ہیں ان میں سے ہر چیز اللہ رب العزت کی قدرت کی عظیم نشانی اوراس کی الوہیت ووحدانیت کی کھلی دلیل ہے۔

اور یہ ساری کائنات آسمان وزمین بیکار وعبث نہیں بنائے گئے بلکہ اس وجہ سے کہ بدلہ دیا جائے ہر انسان کوان کے اعمال کا جو وہ کرے اور یہ حقیقت ہے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔تخلیق کائنات میں عمل کی مکافات کے نمونے رکھ دیئے گئے جن کو دیکھ کر ہر انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ نیکی کا انجام فلاح وکامیابی اور بدی کا انجام تباہی وبربادی ہے کھیتی کرنے والا جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔

گندم از گندم بروید جَو از جَو　　از مکافات عمل غافل مشو

کا سبق ہر کھیتی سبزہ اور درخت انسانوں کو سکھا رہا ہے راہ ہدایت سے بھٹکانے والی اصل چیز انسان کا نفس اور نفس کی خواہشات ہیں تو اے مخاطب! کیا تو نے دیکھ لیا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنالیا ہے جس طرف اس کی خواہش لے جانا چاہتی ہے اسی طرف چل پڑتا ہے حق وصداقت ظاہر ہونے اور اس کو سمجھنے کے باوجود بھی حق کی پیروی نہیں کرتا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے گمراہ کر دیا اللہ نے اس کو اس کی اپنی شقاوت کی وجہ سے اور مہر لگادی اس کے کان پر اور اس کے دل پر اور پردہ ڈال دیا اس کی نگاہ پر تو اللہ کی طرف سے اس محرومی اور بدنصیبی کے بعد کون ایسے شخص کو ہدایت دے سکتا ہے۔

اے مخاطبو! کیا پھر بھی تم غور وفکر نہیں کرتے ہو افسوس کہ جب انسان حق وصداقت سے اعراض کر کے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ضائع کر ڈالتا ہے نہ دلائل وحقائق کو دیکھتا ہے اور نہ ہی عبرت ناک واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرتا ہے تو پھر اس کے احساسات۔ ادارک شعور سب کچھ اسی دنیوی زندگی تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور ایسے لوگ کہتے ہیں یہ کچھ نہیں بجز ہماری اس دُنیا کی زندگی کے بس ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔اور یہ سلسلہ موت وحیات کا بس اسی طرح جاری ہے اور ہم کو سوائے زمانہ * کے اور کوئی چیز نہیں مارتی یہ

---

* اس آیت مبارکہ میں ان منکرین خُدا کے بیہودہ نظریہ کا رد ہے جو خدا کی خالقیت اور قدرت کا انکا کرتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز کو زمانہ اور زمانہ کی تاثیر، اس کے انقلابات کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ زمانہ ہی ہے اور اس کی پشت پر نہ کسی خالق وقادر مطلق کی طاقت وارادہ کارفرما ہے اور نہ ہی زمانہ کا کوئی خالق ہے اسی وجہ سے اس فرقہ کو دھریہ کہا جاتا ہے۔

"دَھر" لغت میں طویل زمانہ کو کہا جاتا ہے امام راغبؒ فرماتے ہیں دھر اصل میں بقاء عالم کی مدت کا نام ہے اس کی ابتداء سے لے کر فناء وانقضاء تک۔لیکن دھر کا بالعموم مدت طویلہ پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض ائمہ لغت کا خیال ہے کہ دھر مصدر ہے دھر یدھر کے لیے جس کے معنی غلبہ کے ہیں۔

یہ فرقہ قدرتِ خداوندی کا انکار کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے زمانہ ہی کرتا ہے۔نہ کوئی موت وحیات کا مالک ہے نہ ملک الموت ہے اور نہ کوئی حکم خداوندی ہے بس انسان دنیا میں ایسے ہی آجاتے ہیں اور یوں ہی مَر جاتے ہیں۔ان کی موت وحیات کسی کے حکم وارادہ کے تابع نہیں یہ فرقہ حوادث وآفات اور عزت وذلت نفع نقصان کو بھی دھر کی طرف منسوب کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ ایسے منکرین اور دہریوں یا ان کے اثرات سے متاثر ہو کر لوگوں کے اشعار وقصائد زمانہ کے ظلم وستم کی شکایت سے بھرے ہوتے ہیں۔

فلاسفہ کے نزدیک زمانہ حرکت فلکیہ کا نام ہے تو اس نوع کے لوگ فلک کو بُرا بھلا کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اسی کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لاتسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر کہ زمانہ کو گالیاں نہ دیا کرو اللہ ہی کی قدرت وارادہ زمانہ اور زمانہ کے تغیرات ہیں ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص یہ کہے افسوس زمانہ کی بدنصیبی وناکامی یا نحوست۔ =

زمانہ ہی سب کچھ انقلابات وتبدیلیاں لاتا ہے یہی مؤثر وکارساز ہے اور زمانہ کے انقلابات وتغیرات کی پشت پر کوئی بھی قدرت وطاقت کارفرما نہیں یہ ہے۔ ان کا عقیدہ اور حال یہ ہے کہ ان کو کچھ بھی خبر نہیں یہ تو محض اٹکل وتخمین ہی ہے جو یہ گمان کررہے ہیں کہ اگر اس قسم کے بدنصیب لوگوں نے اپنی عقل ودانائی اور فکر وتدبر کی صلاحیتوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا تو کم ازکم یہی کرتے کہ اللہ کی آیتوں ہی کو سُن کر کچھ حق وہدایت کی طرف رخ کر لیتے مگر افسوس ایسا نہ ہوا بلکہ اسی شقاوت وبغاوت پر قائم رہے اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی حجت اور دلیل اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہنے لگتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ قیامت آئے گی اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے اللہ ہی تم کو زندگی دیتا ہے وہی پھر تم کو مارتا ہے اور وہی پھر تم سب کو جمع کرے گا قیامت کے دن تک جس میں کوئی شبہ نہیں اور ظاہر ہے ایسی مدلل اور شبہ سے پاک حقیقت ہر ایک کو تسلیم کرنی چاہیے اور اس پر ایمان لانا چاہیے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ہیں کہ جس پروردگار نے ایک مرتبہ زندگی عطا کی ہے اس کو مارنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کر دینا کیا مشکل ہے اور ہر ایک کو ایک جگہ اکٹھا کر دینا اس کی قدرت کے آگے کوئی دشوار چیز نہیں۔ عالم میں بکھرے ذرات۔ اڑتی ہوائیں اور سمندر کی موجوں کو جو پروردگار ایک جگہ جمع کرنے پر قادر ہے وہی قادر مطلق ہر انسان کو دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کر لے گا اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی جس طرح چاہے وہ آسمانوں اور زمین میں اپنا حکم جاری ونافذ فرما دے دنیا کی کوئی طاقت اس کا حکم نہیں پھیر سکتی۔ جس طرح کہ ساری کائنات ہوا کا رُخ اور اس کا جھونکا نہیں تبدیل کر سکتی چاند سورج کی رفتار نہیں روکی جا سکتی بالکل اسی طرح اللہ کا ہر ارادہ اور فیصلہ اٹل ہے اس کے حکم وارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن خسارہ میں پڑے ہوں گے جھوٹے اور باطل پرست لوگ ذلت و عاجزی کا یہ مقام ہوگا۔ اور تو دیکھے گا ہر قوم کو کہ گھٹنوں کے بل بیٹھے * ہوں گے اور ذلت وخواری کی وجہ سے ایک حرف بھی منہ سے بولنے کی قدرت نہ ہوگی۔ ہیبت ورعب طاری ہوگا۔ ایسی حالت میں ہر اُمت کو بلایا جاتا ہوگا اس کے نامۂ اعمال کی طرف کہ اے مجرمو! آجاؤ اور اپنے نامۂ اعمال کے مطابق بدلہ لے لو۔ کہا جاتا ہوگا آج تمہیں بدلہ دیا جا رہا ہے ان اعمال کا جو تم کرتے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی حجت قائم کی جا رہی ہوگی کہ یہ ہے ہمارا دفتر جو تمہارے سامنے بول رہا ہے ٹھیک ٹھیک جس میں ذرّہ برابر بھی کمی بیشی نہیں ہم تو لکھوا لیتے تھے وہ کام جو تم کرتے تھے۔ تو اب اس کا یہی انجام ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کو ان کا رب داخل کر لے گا اپنی رحمت میں۔ جہاں ہر نوع کی نعمتیں اور رب العالمین کی مہربانیاں ہوں گی۔ یہی ہے روشن کامیابی لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ بلاشبہ ناکام وذلیل ہوں

---

= اور ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ابنِ آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے زمانہ کو بُرا کہتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں میرے ہی قبضہ میں رات دن ہے جس طرح چاہوں زمانہ کو لوٹاتا پلٹتا رہتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (روح المعانی جلد ۲۵۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

* یعنی ہیبت وعظمتِ خداوندی سے مرعوب ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں ایک روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ کافروں کے سامنے جب جہنم لائی جائے گی (ظاہر کی جائے گی) اس کے شعلے بھڑکتے ہوں گے اور آگ کے شعلوں کی آواز سمندر کے طوفانی تھپیڑوں کی طرح اٹھتے ہوئے جب نظر آئے گی تو کوئی بھی ایسا باقی نہ رہے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل نہ بیٹھ جائے حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی یہی کہتے ہوں گے نفسی نفسی اے پروردگار میں آج تجھ سے کچھ نہیں مانگتا۔ نفسی نفسی حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کہتے ہوں گے۔ مجاہد کعب احبار اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

گے اور ایسے مجرموں، ناکاموں اور ذلیل انسانوں کو خطاب کیا جارہا ہوگا کہ اے لوگو! کیا ایسا نہیں تھا کہ میری آیتیں تم کو سنائی جاتی تھیں مگر تم نے غرور و سرکشی کی اور تم نافرمان و مجرم قوم رہے اور ایسے نافرمانوں اور مغرور و متکبر مجرموں کا حال تو یہ ہے کہ جب کہا جائے گا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور جس طرح اس نے قیامت کا وعدہ فرمایا تو وہ ضرور قائم ہو کر رہے گی اور قیامت وہ حقیقت ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں تو اے لوگو! تم کہتے ہو ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے بس ہم تو زیادہ سے زیادہ گمان ہی کرتے ہیں۔ ایک قسم کا گمان کرنا اور ہمیں اس پر ہرگز یقین نہیں کہ عالم فنا ہو جانے کے بعد قیامت قائم ہوگی اور مُردوں کو پھر دوبارہ زندہ کر کے حشر قائم کیا جائے گا اور ظاہر ہو جائیں گی ایسے لوگوں کے سامنے ان کی وہ برائیاں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیں اور مسلط ہو جائے گا ان پر عذاب اس چیز کا جس پر تمسخر و مذاق کرتے تھے۔ اور قرآن کریم میں جو وعید و عذاب کی آیات نازل ہوتی تھیں دنیا میں اُن کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آخرت میں وہی وعید و عذابِ خداوندی ان پر مسلط ہوگا اور ان مجرموں کے واسطے اعلان کر دیا جائے گا آج کے دن ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جیسے کہ تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلایا اور اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار بھی نہیں تمہاری یہ ذلت و رسوائی اور بے یاری و مددگاری یہ تم پر اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا اور دُنیا کی زندگی نے تم کو دھوکہ میں ڈالے رکھا اور تمہیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے سو آج نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے کوئی معذرت و توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس امر کا امکان اور موقعہ ہوگا کہ وہ کسی طرح خدا کو راضی کر لیں۔

بس اللہ ہی کے واسطے ہے ہر تعریف و ثناء جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا اور رب ہے تمام جہانوں کا اور اسی کے واسطے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کو نہ کسی کی اطاعت و فرمانبرداری کی حاجت ہے اور نہ کسی کی نافرمانی و بغاوت سے ڈر ہے اگر کفار و منکرین اس کی نافرمانی کریں تو اس کی شان کبریائی میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور وہ نافرمانوں کو سزا دے تو اس کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی اس کا مجرمین کو ڈھیل دینا محض اس کی حکمت ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ہر مغرور و متکبر کے غرور و سرکشی کو ایک آن میں تہہ و بالا کر ڈالتا ہے لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ اس کی عظمت و بزرگی کے سامنے سراپا اطاعت و انقیاد بنا رہے اس کے انعامات و احسانات کو پہچان کر انعامات خداوندی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے دُنیا کی زندگی، مال و دولت اور عزت و جاہ پر مغرور ہو کر خدا کے ساتھ مقابلہ اور بغاوت پر آمادہ نہ ہونا چاہیے اور اس کے انجام سے بھی ایک لمحہ کے واسطے غافل نہ ہونا چاہیے۔

ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا:

(( الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدامنهما قَذَفْتُهٗ فی النّار )). (رواہ مسلم)

کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہہ بند ہے (یعنی جس طرح یہ لباس سارے بدن انسانی پر محیط ہے اسی طرح عظمت و کبریائی ذاتِ خداوندی کا ہر جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہے) لہٰذا جو شخص بھی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت کرے گا میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا۔

اعاذنا الله منها وجعلنا مطيعين لا مرك يا رب العٰلمين واحفظنا عن غضبك يا ارحم الراحمين و قنا عذاب الجحيم يا اكرم الاكرمين.

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ﴿وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ﴾ کی تفسیر میں حق تعالیٰ شانہٗ کی حاکمیت وسلطنت بیان کی گئی اور لفظ ﴿هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ذاتِ خداوندی کی اس غلبہ وقدرت کی صفت کو بیان کر رہا ہے کہ اس کے امر اور ارادہ کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور لفظ حکیم یہ ظاہر کر رہا ہے کہ مجرموں کو جرائم کی سزا فوراً ہی نہ دینا اور اس میں تاخیر ومہلت یہ سب کچھ اس کی حکمت پر موقوف ہے۔

الحمد للہ! سورۂ جاثیہ بتوفیق خُداوندی پوری ہوئی خداوند عالم باقی تفسیر کی تکمیل اپنی تائید وتوفیق سے فرمائے۔

آمین یاربّ العالمین

الحمد للہ پچیسواں سپارہ مکمل ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۂ احقاف

سورۂ احقاف مکیہ ہے جس کی پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسی روایت کے پیش نظر اکثر مفسرین نے اس کو مکیہ قرار دیا ہے اور جملہ آیات کے بارہ میں بغیر کسی استثناء کے ان کی یہی رائے ہے۔

بعض مفسرین آیت ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی طبرانی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ﴾ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے قصہ میں نازل ہوئی ہے۔ امام بخاری، مسلم، نسائی، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہم باسناد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی ایسے شخص کے بارہ میں جو زمین پر چلتا ہو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے سوائے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اور انہی کے متعلق قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے مکی آیات میں سے اس آیت کو بھی مستثنیٰ کیا ہے ﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ﴾ مروان نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب یہ کہا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی جب کہ وہ اسلام لانے سے اعراض کر رہے تھے اور ان کے والدین ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی اور فرمایا کہ یہ آیت تو ابو مروان کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ مروان اس کی پشت میں تھا اس سورت کے زیادہ تر مضامین دلائل قدرت، قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات حشر ونشر پر مشتمل ہیں۔

سورۂ احقاف کا نام اس مناسبت سے ہے کہ اس سورت میں قوم عاد کا ذکر ہے جن کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث عذابِ خداوندی نے ان کو ہلاک وتباہ کیا تو ان کی بستیاں سرزمین یمن کے علاقہ ''احقاف'' میں تھیں جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ﴾ اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کے بیان سے ہے پھر شرک وبت پرستی کا رد ہے اور منکرین کے شبہات کا رد اور دلائل کے ساتھ حقانیت قرآن کو ثابت کیا گیا پھر انسانی زندگی کے دونوں رخ ہدایت وگمراہی کے بیان کیے گئے اخیر میں حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا قصہ ہے اور ان کی ہلاکت کا بیان ہے اس طرح اس سورت کے مضامین گزشتہ سورت کے مضامین کے ساتھ مربوط ہیں۔

آیاتہا ۳۵ | ㊻ سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ ㊻ | رکوعاتہا ۴

سورۂ احقاف مکی ہے اس کی پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا

حٰمٓ ① اُتارا کتاب کا ہے اللہ سے جو زبردست ہے حکمت والا ہم نے جو بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ

آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ ہے سو ایک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدہ پر اور جو

كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ

منکر ہیں ڈر سنایا نہیں دھیان کرتے تو کہہ بھلا دیکھو تو! جن کو پکارتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ

اللہ کے سوا دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں؟ یا کچھ ان کو ساجھا ہے آسمانوں میں؟

اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا چلا آتا کوئی علم اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ④ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا

سچے اور اس سے بہکا کون؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ

يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤

پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥

اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے ان کے دشمن اور ہوں گے ان کے پوجنے سے منکر

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

اور جب سنائیں جاتیں ان کو ہماری باتیں کھلی کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب

جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ

ان تک پہنچی یہ جادو ہے صریح کیا کہتے ہیں؟ بنا لایا۔ تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں

فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى

تو تم میرا بھلا نہیں کر سکتے اللہ کے سامنے کچھ اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں لگے ہو وہ بس ہے

بِهٖ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ

حق بتانے والا میرے تمہارے بیچ اور وہی ہے گناہ بخشتا مہربان تو کہہ میں کچھ

بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ

نیا رسول نہیں آیا اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور نہ تم سے؟ میں اسی پر چلتا ہوں

اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ

جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام یہی ہے ڈر سنا دینا کھول کر تو کہہ بھلا دیکھو تو! اگر یہ ہو

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ

اللہ کے ہاں سے اور تم نے اس کو نہیں مانا اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا

عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ ع ۱۰/۱

ایک ایسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا بے شک اللہ راہ نہیں دیتا گنہگاروں کو

## دلائل قدرت خداوندی وگمراہی منکرین قیامت واثبات رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ ... اِلٰى ... لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰﴾

**ربط:** گذشتہ سورت کی آخری آیات میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان تھا اور یہ کہ قیامت ایک حقیقت ہے جس پر ایمان ویقین انسانی سعادت اور فوز وفلاح ہے اور دین واحکام دین کا تمسخر ومذاق جس طرح کہ منکرین ومکذبین کا شیوہ ہے بدنصیبی وبدبختی ہے حق تعالیٰ کی

شانِ کبریائی کے مقابلہ میں کسی کو بھی جرأت نہیں ہوسکتی کہ سر اٹھا سکے ارشاد فرمایا جارہا ہے حٰمٓ خداوند عالم ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے قسم ہے اس کتاب ہدایت کی اتارنا ہے اس کتاب عظیم کا اللہ ہی کی طرف سے جو زبردست حکمت والا ہے اس کی شان حکیمی کے باعث اس کتاب الٰہی کی ہر بات حکمت سے لبریز ہے اور اس کی قوت وغلبہ کی وجہ سے اس کے کسی حکم یا فرمان کو ٹلایا نہیں جاسکتا۔ اسی ہدایت اور احکام کی تمام مخلوق کو دعوت دی گئی اور اس کے واسطے عالم پیدا کیا گیا چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے نہیں بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر ٹھیک ٹھیک اور حق کے ساتھ کہ ہر پیدا کی ہوئی چیز حکمت کے ساتھ ہے اور اس کا حق ہونا اور حق تعالیٰ کی خالقیت کا دلیل ہونا برحق ہے اور ایک مقررہ وقت کے ساتھ لہٰذا عالم کی ہر چیز اسی وقت تک کے لیے جس کے واسطے اللہ نے اس کو بنایا حتیٰ کہ خود عالم بھی اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک کے واسطے اللہ نے اس کو بنایا ہے اور جو لوگ منکر ہیں وہ ان باتوں سے بے رخی کرتے ہیں جن سے ان کو ڈرایا گیا نہ تنبیہ وتہدید کا خیال ہے نہ عبرتناک واقعات کی طرف کوئی توجہ اور نہ آخرت کی تیاری جو بھی وعید ونصیحت کی باتیں سنتے ہیں بے توجہی سے اس کو ٹال دیتے ہیں کہہ دو اے ہمارے پیغمبر بھلا دیکھو تو کہ تم جن کو پکارتے ہو اللہ کو چھوڑ کر تم مجھے دکھلاؤ کہ انہوں نے کیا چیز پیدا کی ہے زمین سے یا ان کے واسطے کچھ شرکت ہے آسمانوں اور آسمانوں کی کسی چیز میں خداوند عالم نے تو سارا عالم بنایا زمین وآسمان پیدا کیے بتاؤ ان معبودوں نے جن کو خدا کی الوہیت وعبادت میں تم شریک کرتے ہو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے کیا زمین کا کوئی ٹکڑا بنایا یا آسمان وآسمان کی کوئی چیز پیدا کی میرے پاس لے کر آؤ کوئی نوشتہ یا لکھی ہوئی کتاب یا کوئی ثبوت اور نقل علم سے اگر تم سچے ہو ظاہر ہے کہ اس دعوی پر دنیا میں کسی کی ہمت نہیں کہ جواب دے سکے اور ثبوت پیش کرسکے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارتا ہے جو اس کو قیامت تک جواب نہیں دے سکتا اور جواب تو کیا وہ معبود تو اپنے عابدوں کی پکار سے ہی بے خبر ہیں بت پرستوں کے معبودیت ہوں یا مادہ پرستوں کے خیالی معبود کوئی بھی ان میں سے ایسا نہیں کہ خود اس میں ادراک اور شعور ہو تو جب ان معبودانِ باطلہ میں خود ہی ادراک وشعور نہیں تو اپنے عابدوں کی پکار کہاں سے سنیں گے اور ان کی باتیں کیا پوری کریں گے فرشتوں اور انبیاء کو خدا اور معبود بنانے والے بھی خود اپنی آواز نہ فرشتوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ انبیاء علیہم السلام کو فرشتے اور انبیاء وہی سن سکیں گے جو خدا انہیں سنائے گا اور وہی کرسکیں گے جس کی اجازت خدا دے گا اور جب یہ لوگ مشرکین وکفار جمع کیے جائیں گے میدان حشر میں تو وہ ان کے معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے بلکہ سخت بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں گے اور ان کی بیزاری ونفرت اپنے عابدوں سے دشمنی کی صورت میں محسوس ہوتی ہوگی اور جب سنائی جاتی ہیں ان کو ہماری واضح آیتیں اور کھلے احکام تو یہ منکر اس حق کو جو ان کے سامنے آچکا کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے بجائے اس کے کہ آیات قرآنیہ کی طرف توجہ اور ان سے عبرت ونصیحت حاصل کریں یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ ”یہ تو جادو ہے“ اور اس میں ان کی یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ آیات کو سن کر قلبی میلان جو ہوتا ہے تو اس سے لوگوں کے ذہنوں کو برگشتہ کرنے کے لیے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ جادو ہے اور دلوں کا میلان بھی جادو کا اثر ہے بلکہ یہ لوگ کبھی کبھی یہ کہتے ہیں یہ تو خود ہی انہوں نے بنایا ہے نہ خدا کی وحی ہے اور نہ یہ خدا کے رسول ہیں خدا پر بہتان لگایا ہے کہ یہ اس کی کتاب ہے تو کہہ دو اے ہمارے پیغمبر اگر میں اس خدا پر کسی بات کا افتراء کروں یا کوئی کلام خود بنا کر تمہیں سناؤں اور یہ کہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بات خدا کے قہر اور غضب کی دعوت دینا ہوگی اور میں یہ کیسے جسارت کرسکتا ہوں کہ انسانوں پر تو کبھی جھوٹ نہ لگاؤں اور خداوند عالم پر جھوٹ بہتان لگاؤں یقیناً ایسا اگر کیا تو خدا کا غضب

نازل ہوگا تو پھر تم میرے واسطے کسی بات کی بھی قدرت نہ رکھ سکو گے اللہ کے سامنے وہ خوب جانتا ہے ان باتوں کو جن میں تم لگے ہوئے ہو لہٰذا اس قسم کی بے ہودہ باتوں اور مہمل خیالات کے انجام سے غافل نہ ہو وہی پروردگار کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لحاظ سے یقیناً وہ میرے اور تمہارے درمیان ایسا فیصلہ کردے گا کہ تم خود اس کلام ربانی کی حقانیت اور میری نبوت ورسالت کا یقین کر لو گے اور وہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو اس کی مغفرت ومہربانیاں تمہیں نوازنے کے لیے کافی ہیں کہہ دو اے ہمارے پیغمبر میں نہیں ہوں کوئی نرالا رسول رسولوں میں سے بلکہ اللہ کے رسول جس طرح دنیا میں اللہ کی ہدایات لے کر آئے میں بھی اس خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں اس کی وحی اور کلام مجھ پر نازل ہوتا ہے جس طرح اللہ کے پیغمبروں نے خدا کی توحید والوہیت کی طرف دعوت دی میں بھی تم کو خدا کی توحید کی دعوت دیتا ہوں شرک وکفر اور بت پرستی چھوڑ دینے کے لیے کہتا ہوں پھر آخر میری باتوں سے تم کیوں بدکتے ہو اور میری نبوت ورسالت کے ماننے اور قرآن کریم پر ایمان لانے میں کیا تامل ہے میں اللہ کا رسول ہوں میرے ذمہ صرف اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانا ہے میں اس کا ذمہ دار نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میری کامیابی وناکامی بھی اللہ کے علم میں ہے اور یہ بھی اللہ کے علم میں ہے کہ تمہاری اس نافرمانی اور بغاوت کا انجام کیا ہوگا ان سب باتوں سے بے پرواہ ہو کر میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں عذابِ خداوندی اور آخرت کے انجام سے اللہ کا معاملہ جو کچھ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ دُنیا میں ہوگا وہ تو تمہارے سامنے آ ہی جائے گا اور جو آخرت میں ہوگا اس کو بھی تم دیکھ لو گے اے ہمارے پیغمبر کہہ دو بھلا یہ بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کے یہاں سے ہوا اور تم اس کا انکار کرو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والا گواہی دے اسی کی مثل کتاب پر جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اور یہ کہے کہ ایسی ہی وحی اللہ کی موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوتی تھی اور ان کو کتاب تورات وانجیل دی گئی جن میں اس قرآن اور صاحب قرآن پیغمبر کی خبر دی گئی نشانیاں اور علامت بتائی گئی اور خود یہ قرآن ان کی تصدیق بھی کر رہا ہے پھر وہ قرآن پر ایمان لائے اور تم غرور وتکبر ہی کرتے ہو قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لانے اور ان کے سامنے اطاعت وفرمانبرداری کا سر جھکانے سے تو بھلا بتاؤ تمہارا کیا انجام ہوگا یہ تو صریح ظلم اور ناانصافی ہے اور اللہ تعالیٰ راہنمائی نہیں کرتا ہے ظالموں کو بلکہ وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث توفیق خداوندی سے محروم رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ گمراہ ہی رہیں اور عذاب آخرت سے نیز دُنیا کی ذلت سے نجات نہ پاسکیں۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت

آیتِ مبارکہ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ان منکرین کو خطاب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے میں طرح طرح کے شکوک واوہام اور اعتراضات کرتے تھے تو فرمایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اعلان کر دیجیے کہ میں کوئی انوکھا اور عجیب رسول نہیں ہوں کہ تم کو میری نبوت پر ایمان لانے اور اس کو سمجھنے میں کوئی دشواری ہوئی بلکہ میری رسالت ونبوت اور وحی انبیاء سابقین علیہم السلام کی طرح ہی ہے۔ اس عنوان میں ایک طرف مکذبین ومنکرین کو قرآن کریم کے وحی الٰہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کو سمجھنے کی دعوت دی جارہی ہے تو دوسری طرف انبیاء سابقین علیہم السلام کی تاریخ کی طرف بھی ذہنوں کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ اس قدیم تاریخ

سے عبرت حاصل کریں کہ ان کی قوموں نے جب ان کو جھٹلایا تو عذابِ خداوندی سے تباہ برباد کر دیئے گئے تو اے قریش مکہ تم بھی اپنے انجام سے غافل نہ رہو اسی کے ساتھ اہل کتاب کو بھی گویا مخاطب کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب انبیاء سابقین کی نبوت اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کو اہل کتاب پہچانتے ہیں تو بس ان کو حقیقت وحی اور میری رسالت کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے اسی حقیقت کو قرآن کریم کی اس آیت میں ظاہر فرما دیا گیا ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ﴾ (النساء:۱۶۲)۔

﴿وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ﴾ کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی مجھے اس سے سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا و آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا ہے اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دُنیا یا آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کوئی مطلب۔ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

ان کلمات میں ﴿مَآ اَدْرِيْ﴾ کی مراد دُنیا و آخرت کے احوال کے تعمیم کے ساتھ فرمائی ہے اور اصل مقصد آیت کی توضیح و تعیین سے ان اشکالات کو رفع کر دیا جو بعض مفسرین کو اس لحاظ سے پیش آئے کہ آخرت کے بارہ میں تو انجام کا علم آپ ﷺ کو متعدد آیات اور وحی خداوندی سے ہو چکا تھا جن میں آپ ﷺ کے درجات کی عظمت و برتری بیان کر دی گئی تھی حتیٰ کہ مقام محمود میں اُٹھانے کی بشارت دے دی گئی تو پھر ﴿مَآ اَدْرِيْ﴾ کا مفہوم بلحاظ آخرت کیا ہوگا حضرت شیخ کے یہ کلمات متقدمین مفسرین اور ائمہ کو اس سلسلہ میں پیش آنے والے اشکالات اور ان کے دیئے ہوئے جوابات سے ذہن کو علیحدہ رکھتے ہوئے اصل مراد اور مقصد آیت کو متعین اور واضح کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بلحاظ آخرت اس کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ یہ آیت ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ﴾ (الفتح:۲) سے قبل نازل ہوئی تھی اس کے بعد پھر حق تعالیٰ نے اعلان فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آخرت میں آپ ﷺ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ جان لیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تفسیر میں بیان کیا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ اسکے بعد مجھے کیا حکم دیا جائے گا اور کس چیز سے مجھ کو منع کیا جائے گا"۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ نفی علم معاذ اللہ آخرت کے انجام کے لحاظ سے نہیں کیونکہ آخرت کی عظمت و سیادت تو آپ ﷺ کو بتا دی گئی اور آپؐ نے اس کو جان لیا اب یہ نفی علم دُنیا کے لحاظ سے ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دُنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا میں اپنے وطن سے نکالا جاؤں گا جیسے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام نکالے گئے یا قتل کر دیا جاؤں گا جیسا کہ دوسرے انبیاء کو بھی قتل کیا گیا اور اسی طرح میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا کہ تم کو زمین میں دھنسایا جائے گا جیسا کہ پہلی اُمتوں کو دھنسایا گیا یا مسخ کیا جائے گا جیسا کے بعضوں کو کیا گیا یا پتھروں کی بارش کر کے ہلاک کر دیا جائے گا جیسا کہ بعض قوموں کو ہلاک کیا گیا اسی طرح یہ بھی نہیں جانتا کہ اے لوگو! تم ایمان لاؤ گے یا کفر ہی پر قائم رہتے ہوئے عذابِ خداوندی سے تباہ کر دیئے جاؤ گے۔

رہا اس حدیث کا مضمون جو خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ اُم العلاء رضی اللہ عنہا کی سند سے بیان کرتے ہیں یہ ام العلاء رضی اللہ عنہا ان صحابیات میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارکہ پر بیعت کی تھی اور مہاجرین کی نصرت کا عہد کیا تھا تو جب انصار نے حضرات مہاجرین کو قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنی اپنی برادری میں شریک کیا تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قرعہ ان کے نام پر نکلا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور وفات پا گئے تو جب ان کو غسل دینے کے بعد کفنا دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ام علاء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میری زبان سے یہ کلمات نکلے اے ابو السائب (یہ کنیت تھی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی) خدا کی رحمتیں تم پر ہوں میری گواہی ہے تمہارے متعلق کہ خدا نے تمہارا بڑا اکرام کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور تمہیں کیا معلوم کہ خدا نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ اکرام کا کیا ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر ان کا اکرام نہ ہو تو پھر اللہ کے یہاں کس کا اکرام ہوگا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ام علاء رضی اللہ عنہا بس ان پر ان کے رب کی طرف سے یقین واقع ہو گیا یعنی موت آ چکی اور مجھے ان کے بارہ میں خیر کی امید ہے اور حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

تو یہ ان بشارات کے منافی نہیں ہے جو آپ ﷺ کے بارہ میں رفع درجات اور اس مقام محمود میں اٹھائے جانے کے متعلق ہے جس پر اوّلین و آخرین رشک کرتے ہوں گے مقصود آپ ﷺ کا یہ تھا کہ احوال آخرت کی انواع تو بے شمار ہیں نفس نجات و جنت متعین ہونے کے باوجود وہاں کا کیا حال ہوگا کس قسم کا معاملہ ہوگا یہ کوئی نہیں جانتا۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس پر بطور فائدہ یہ فرماتے ہیں پس جب اپنے اور تمہارے احوال آئندہ کے علم کا باوجود شدت تلبس ان احوال کے میں مدعی نہیں ہوں تو اور مغیبات بعیدہ کی نسبت تو میں کیا دعویٰ کرتا پس اس باب میں بھی کسی امر عجیب کا مدعی نہیں ہوں یہ وہی چیز ہے جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الانعام:۵۰) البتہ جن احوال و اُمور کا وحی سے علم ہو گیا ہے خواہ وہ اپنے متعلق ہوں یا غیر کے اور خواہ دنیاوی احوال ہوں یا اُخروی ان کا علم بے شک کامل ہے اور اسی کا اشارہ آئندہ یہ الفاظ کر رہے ہیں ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الانعام:۵۰)۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ❁

﴿شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد ضحاک اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ یہ شاہد بنی اسرائیل اور علماء تورات میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر پہلی نظر پڑتے ہی آپ ﷺ کی نبوت کو پہچان لیا اور اعتراف کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے وہی سچے رسول ہیں جن کی کتب سابقہ میں بشارت موجود ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کے مشرکین بنی اسرائیل کے علم و فضل سے مرعوب تھے آنحضرت ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے بہت سے لوگ متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور عرب میں اس بات کا کافی چرچا ہونے لگا تو مشرکین نے چاہا کہ اہل کتاب کا عندیہ لیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کی کیا رائے ہے مقصد یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی تکذیب کر دیں گے تو ایک بات ہاتھ آ جائے گی اور اس کو سند بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان باتوں کو غلط کہتے ہیں مگر مشرکین اپنی اس غرض میں ناکام ہوئے حق تعالیٰ شانہٗ نے انہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرائی نہ صرف اس حد تک بلکہ انہوں نے اقرار کیا کہ اس عظیم الشان رسول کی بشارت اور ان کی علامت و نشانیاں تو ہماری کتابوں میں

---

❁ تفسیر ابن کثیر جلد ۴ روح المعانی قرطبی۔ فوائدِ عثمانی۔ بیان القرآن

موجود ہیں اور یہ کتاب (قرآن کریم) بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ اس کا ذکر کتب سماویہ میں فرمایا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار رضی اللہ عنہما جیسے حق پرست علماء یہود اسلام لائے اور جو لوگ ان میں متعصب و معاند اور جاہ پرست تھے انہوں نے جان بوجھ کر بھی عناد اور انکار کی روش اختیار کی تو اس آیت مبارکہ ﴿شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ میں اسی چیز کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔

ابو یعلی طبرانی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد سے نکل کر) باہر جانے لگے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا یہاں تک کہ یہودیوں کے کنیسہ میں داخل ہوئے یہ ان کی عید کا دن تھا ان لوگوں کو اس روز ہمارا وہاں پہنچنا کچھ پسند نہیں آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر جانے کے بعد فرمایا اے یہودیو! مجھے وہ بارہ آدمی دکھاؤ جو گواہی دیتے ہوں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ تو آسمان کے نیچے جو بھی یہودی ہے اس سے اللہ تعالیٰ اپنا غضب دور فرما دے گا یہ سن کر وہ سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بھی کسی نے جواب نہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا تب بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اگر تم جواب نہیں دیتے تو سن لو میں البتہ حاشر ہوں میں ہی وہ عاقب ہوں اور میں ہی مقفی ہوں خواہ تم ایمان لاؤ یا انکار کرو یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنیسہ سے لوٹنے لگے اور میں آپ کے ساتھ تھا ہم نکلنے ہی والے تھے کہ ایک شخص آپؐ کے پیچھے سے یہ کہتے ہوئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذرا آپؐ اسی جگہ ٹھہریں آپ نے اس شخص کی طرف رخ کیا تو اس نے کہا اے گروہ یہود تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو سب نے جواب دیا خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص تم سے زیادہ کتاب اللہ کا نہ عالم ہے نہ تم سے زیادہ کوئی سمجھنے والا ہے اور نہ تمہارے باپ سے اور نہ تمہارے دادا سے۔

جب یہود یہ کہہ چکے تو اس شخص نے کہا تو پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے برحق رسول ہیں میں خدا کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کو تم تورات و انجیل میں پاتے ہو یہ سن کر سب یہودی غیظ و غضب میں مشتعل ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹے ہو تم ہمارے میں سب سے برے اور سب سے برے آدمی کے بیٹے ہو راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے تو میں اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے باہر چلے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ .... الخ﴾

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو اگر یہ کچھ بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر پہلے ہم

اِلَيْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَ

سے اور جب راہ پر نہیں آئے اس کے بتانے سے تو یہ اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے مدت کا اور

مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ

اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی ہے راہ ڈالتی اور مہر اور ایک یہ کتاب ہے اس کو سچا کرتی

لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۚ ﴿۱۲﴾ اِنَّ

عربی زبان میں کہ ڈر سناوے گنہگاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو مقرر

الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ

جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ۚ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا

غم کھاویں گے وہ ہیں بہشت کے لوگ سدا رہیں گے اس میں بدلہ اس کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ

جو کرتے تھے اور ہم نے تاکید کی ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا پیٹ میں رکھا اس کو

اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ

اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ

یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچا چالیس برس کو کہنے لگا اے رب میرے! میری قسمت میں کر

اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ

کہ شکر کروں احسان تیرے کا جو مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں

صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ

نیک کام جس سے تو راضی ہو اور نیک دے مجھ کو اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں

مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

حکم بردار وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے بہتر سے بہتر کام جو کیے ہیں

وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ

اور معاف کرتے ہیں ہم برائیاں ان کی جنت کے لوگوں میں سچا

كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ

وعدہ جو ان کو ملتا تھا اور جس شخص نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہوئے کہ

اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ

میں نکالا جاؤں گا قبر سے؟ اور گذر چکی ہیں اِتّی سنگتیں مجھ سے پہلے اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی تیری

اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾

تو ایمان لا بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں پہلوں کی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ

وہ لوگ ہیں جن پر ثابت ہوئی بات شامل اور فرقوں میں جو گذرے ہیں ان سے پہلے

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ

جنوں کے اور آدمیوں کے بیشک وہ تھے ٹوٹے میں آئے اور ہر فرقے کے کئی درجے ہیں اپنے کیے کاموں سے

وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ

اور تاپورے دے ان کو کام ان کے اور ان پر ظلم نہ ہو گا اور جس دن لائے جاویں گے

كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ

منکر آگ کے سرے پر ضائع کیے تم نے اپنے مزے اپنے دنیا کے جیتے اور ان کو برت چکے

بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي

اب۔ آج سزا پاؤ گے ذلت کی مار بدلہ اس کا جو تم غرور کرتے تھے

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۰ ۲

ملک میں ناحق اور اس کا جو تم بے حکمی کرتے تھے۔

# بیان ذہنیت کفار در بارۂ قبول ہدایت وانحراف ازحق وتحسین استقامت اہل ایمان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا... الیٰ... وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝٢٠﴾

**ربط** : ماقبل آیات میں کتاب الٰہی کی عظمت بیان کرتے ہوئے کفار کے بے ہودہ اعتراضات کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں اسی طرح کے چند لغو اور مہمل اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اہل ایمان کی استقامت کا ذکر اور ان پر حق تعالیٰ شانہٗ کے خاص انعامات بیان کیے جارہے ہیں اسی کے ساتھ انسان کی سعادت مندی اور اس کی محرومی اور بدنصیبی کا ایک معیار اور ضابطہ بھی بیان فرمایا جارہا ہے ارشاد فرمایا: اور کہنے لگے کافر ایمان والوں کو اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے سبقت نہ کرتے کیونکہ ہم لوگ عزت والے اور عقل مند ہیں بہتر چیز کی طرف سبقت کرنا ہمارا ہی کام ہے جب ہم نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو قبول کرنے والے غلام اور لونڈی کمزور اور غریب ہیں جیسے بلال، صہیب، عمار، خباب اور سمیہ رضی اللہ عنہم تو معلوم ہوا کہ یہ دین کوئی بہتر دین نہیں ظاہر ہے کہ کافروں کی یہ باتیں مہمل اور خلاف عقل ہیں اور یہ لوگ جب اس دین حق کی ہدایت اور راہ نہ پاسکے تو آئندہ یہ کہیں گے یہ پرانا جھوٹ ہے کہ انبیاء سابقین بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے وہ بھی خدا پر بہتان تھا یہ بھی خدا پر بہتان ہے اور یہ اس کے رسول نہیں حالانکہ [1] اس سے پہلے تو موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی جو ان کے واسطے پیشوا سیدھی راہ پر ڈالنے والی اور رحمت کا سامان تھی اور یہ کتاب قرآن کریم اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو عربی زبان میں ہے اس وجہ سے اہل عرب اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور ان پر اس کتابِ الٰہی کی حقانیت کسی درجہ میں بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی اس وجہ سے کہ ڈرائے ظالموں کو اور خوشخبری سنائے نیکی کرنے والوں کو کتاب الٰہی اور وحیٔ خداوندی سے یہ قانون طے ہو چکا ہے کہ بے شک جن لوگوں نے کہہ لیا دل کے اعتقاد اور ایمان ویقین کے ساتھ کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر ثابت قدم رہے اور ان کی عملی زندگی کے ہر شعبہ سے حق تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت کے عقیدہ پر ثابت قدم رہنے کا ثبوت ملتا ہے تو ان پر نہ کوئی خوف واندیشہ ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اطمینان وسکون اور ہر غم وصدمہ سے محفوظ یہ لوگ بہشت والے ہوں گے جو ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے یہ ان اعمال کا بدلہ ہوگا جو وہ اپنی زندگی میں کرتے تھے جو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو عطا فرمائے گا اس کتاب الٰہی میں جو کتب سماویہ کے واسطے مصدق ہے اور زبان عربی میں نازل کی گئی جس کو اہل عرب بخوبی سمجھ سکتے ہیں انسانی سعادت کے جملہ اصول بیان کردیئے گئے ہیں جہاں اس کتاب الٰہی میں عقیدہ ربوبیت کے حقوق اور تقاضوں کو پورا کرنے کے احکام ان بندوں کے واسطے اتارے گئے جو اس کے رب ہونے کا اقرار کر چکے اسی کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کرنے کی ہدایت وتاکید فرمادی گئی۔ وحیٔ الٰہی ایک طرف رب کے حقوق ادا کرنے کا حکم دے رہی ہے تو دوسری طرف انسان کو اپنے مربی کے حقوق ادا کرنے کے لیے کہا جارہا ہے اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا باپ کے احسانات وانعامات انسان اپنے شعور کے عالم میں محسوس کرہی لیتا ہے ماں کی شفقت ومحبت اور اس کے انعام واحسان کو ہر انسان اسی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا ایک مدت تک تکلیف کے ساتھ اور اس کو جنا ہے تکلیف سے کہ

---

[1] ترجمہ میں لفظ حالانکہ اختیار کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ آیت ﴿وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى﴾ میں واؤ حالیہ ہے ۱۲۔

حالت حمل میں بوجھ برداشت کیا طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں بھی پیش آئیں پھر وضع حمل کے وقت بھی مشقت اور خطرہ کا مقابلہ کیا اور اس کا حمل اور دودھ کا چھڑانا تیس مہینہ میں ہے یہاں تک کہ جب پہنچ گیا اپنی قوت کو کہ جسمانی قویٰ کے لحاظ سے پوری توانائی اور طاقت آ گئی اور پہنچا چالیس برس کی عمر کو جس پر پہنچ کر اس کی عقلی اور فکری صلاحیتیں بھی مکمل ہو گئیں تو یہ صاحب سعادت اور عقل وفطرت کے مطابق روش اختیار کرنے والا انسان اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر کے کہنے لگا اے میرے رب مجھے اس بات کا حصہ عطا کر دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے ماں باپ پر اور مجھے اس امر کی توفیق عطا فرما کہ میں ایسا نیک کام کروں جس کو تو پسند کرے اور صالح بنا دے تو میری اولاد کو میرے واسطے کہ دُنیا میں بھی ان کے صلاح وتقویٰ اور سعادت مندی سے مجھے خوشی اور راحت حاصل ہو اور آخرت میں بھی اولاد صالح کی نیکیوں سے میرے لیے اللہ کی عنایات اور رحمتوں میں اضافہ ہو میں آپ کی طرف اے پروردگار رجوع کرتا ہوں اپنے گناہوں سے تائب ہوتے ہوئے اور بیشک میں آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ ✿

یہ ہے وہ سعادت وصلاح کا نمونہ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی ہمہ وقت کوشش میں لگا ہوا ہے جو اپنی صلاحیت کے باعث اللہ رب العزت سے تین چیزوں کا طالب ہے۔ **ایک** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کے شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ **دوسرے** یہ کہ ایسے عمل کی توفیق سے نواز دے جو اسے پسند ہو اور اس عمل سے وہ راضی ہو جائے۔ **تیسرے** یہ کہ اولاد کو نیک اور صالح بنا دے۔ یہی تین چیزیں درحقیقت سعادت بشریہ ہیں اور اس سعادت اور خوبیوں سے متصف افراد اہل ایمان میں سے بارگاہِ خداوندی میں پسندیدہ افراد ہیں ان کے بارہ میں رب العالمین کا یہ پیغام بشارت ہے کہ یہ ہیں وہ لوگ جن سے ہم قبول کرتے ہیں ان کے وہ بہتر کام جو انہوں نے کیے اور درگزر کرتے ہیں ہم ان کی برائیوں سے اس طرح کہ وہ جنت والوں میں سے ہیں یہ اللہ کا وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے ہمیشہ کیا جاتا تھا بلاشبہ ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے مطابق اہل جنت میں ہوگا اور بطور اکرام دخول جنت کے وقت اس کے اظہار کیا جاتا ہوگا یہ تو پیکر سعادت اور ایمان وتقویٰ کی خوبی سے متصف انسان کا حال ہے اور اس کے بالمقابل جو شقاوت وبدبختی میں مبتلا انسان ہوگا وہ ایسا شخص ہے جس نے اپنے ماں باپ کو کہا جب کہ اس کے ماں باپ ایمان وتقویٰ کی دعوت دیتے ہوں افسوس ہے تم پر کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو اور ڈراتے ہو میں نکالا جاؤں گا قبر سے یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ بہت سے قرن انسانوں کے جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں سے کوئی بھی اب تک زندہ ہو کر نہیں آیا تو پھر میں کیونکر اس بات کا اعتبار کر لوں اس ناعاقبت اندیش بدبخت انسان کے مشفق ومحسن ماں باپ جذبہ اخلاص ومحبت میں اس کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں ہلاکت وبربادی ہو تیرے واسطے بس ایمان لے آ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اس بدبخت انسان کے ماں باپ اگرچہ نصیحت کرتے ہیں اللہ سے اس کی توفیق وہدایت کی دعا بھی کرتے ہیں پھر اپنی عظمت وبزرگی کا حق ادا کرتے ہوئے ڈانٹتے بھی ہیں مگر پھر کہتا ہے نہیں ہیں یہ سب باتیں مگر پہلوں کی نقل کی ہوئی کہانیاں جو ہم پرانے وقتوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں جن کا کوئی واقعی مصداق نہیں تو یہ ہیں وہ لوگ جن پر خدا کا فیصلہ عذاب ثابت ہو

---

✿ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ مہاجرین وانصار میں سے صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے شخص ہیں جو خود بھی ایمان لائے اور ان کے والدین بھی اور ان کی اولاد بھی فتح مکہ کے بعد ان کے گھرانہ میں ایک مرد بھی ایسا باقی نہ رہا تھا جو اسلام نہ لے آیا ہو۔

چکا ان اُمتوں کے درمیان ان کا شمار ہونے کی وجہ سے جو پہلے گزر چکیں جنوں * میں سے اور انسانوں میں سے یقیناً وہ لوگ خسارہ میں تھے کیونکہ اللہ نے فطری طور پر ایمان وہدایت کا جوہر ان میں ودیعت رکھا تھا اس کو ضائع کر دیا اور ہر ایک کے واسطے درجے ہیں اپنے کیے ہوئے کاموں کے مطابق اور یہ سب کچھ احکام خداوندی وحی الٰہی اور ہدایت وگمراہی کے اصول اور نجات وہلاکت کے راز اس لیے نازل کر دیئے گئے تا کہ اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دے دے ان کے اعمال کا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا نہ کسی کی نیکی ضائع کی جائے گی اور نہ ہی یہ ہوگا کہ کسی کو بلا جرم کے سزا دی جائے قیامت برحق ہے وہ آ کر رہے گی اور جس دن لائے جائیں گے کافر آگ کے سامنے جہنم کے کنارے تو ان کو کہا جائے گا لے جا چکے ہو تم اپنے مزے دُنیا کی زندگی میں اور ان سے تم نفع اٹھا چکے ہو لیکن اس دُنیوی زندگی کو تم نے غفلت ولا پرواہی اور نافرمانی میں گزار دیا بس اب آج کے دن تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس غرور وتکبر کی وجہ سے جو تم زمین یعنی دُنیا میں کرتے تھے ناحق اور ان نافرمانیوں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جھوٹی شیخی اور تکبر کی سزا یہی ہے کہ ذلت و رسوائی کا عذاب مسلط ہو۔

**فائدہ:** ﴿اَذْهَبْتُمْ﴾ کی مراد ترجمہ کے الفاظ سے یہ ظاہر کی گئی کہ حاصل کر لیں دُنیا کی لذتیں اور راحتیں بعض آئمہ مفسرین نے اذھب باب افعال سے ہونے کی وجہ سے ازالہ اور اضاعت کے معنی کیے ہیں تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ضائع کر دیئے تم نے اپنے مزے یعنی صورۃً وہ نیکیاں اور بھلائیاں جو کیں وہ اس بناء پر کہ ایمان کی روح ان اعمال میں موجود نہ تھی ضائع کر دیں اور آخرت میں ان کا کوئی ثمرہ اور فائدہ تو کیا ہوتا الٹا عذاب وذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

## مدت حمل وزمانہ رضاعت کے بارہ میں مفسرین کی تحقیق

حافظ عماد الدین ابن کثیر ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت اور سورۂ لقمان کی آیت ﴿وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ سے بعض آئمہ مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ مدت حمل کم از کم چھ ماہ ہے اور دو سال مدت رضاعت کا بیان ہے جو کہ سورۂ لقمان میں فرمایا گیا اور مدت رضاعت اور مدت حمل دونوں کو مجموعی طور پر یہاں اس آیت میں ﴿ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ "تیس ماہ" کی تعبیر سے ذکر فرمایا اس استدلال کو درست فرماتے ہوئے محمد بن اسحاق کی سند سے ایک حدیث کا مضمون بیان کیا کہ ایک واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسا ہی پیش آیا کہ ایک شخص کے یہاں نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور صورت حال بیان کی ابتداءً عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تردّد ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس میں کوئی تردّد نہ کیا جائے کیا آپ قران کریم کی یہ آیت نہیں دیکھتے ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ اور دوسری جگہ ﴿يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ اور سورۂ لقمان میں ہے ﴿وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ تو جب دودھ پلانے کی مدت دو سال ہوئی تو ظاہر ہے کہ تیس ماہ میں سے اب حمل کے لیے چھ ماہ ہی باقی

---

* جن وانس کی تعمیم اسی فرمان کے مطابق ہے جو ارشاد فرمایا گیا ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ چونکہ حق تعالیٰ کی بندگی اور اس کی الوہیت پر ایمان لانے کے مکلّف جن وانس دونوں ہیں جیسے کہ فرمایا گیا ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ تو انسانوں کی طرح جو جنات منکر ونافرمان رہے وہ بھی کفار ومشرکین کی طرح جہنم کا ایندھن بنے۔

رہیں گے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے موافقت فرمائی [1] اس روایت سے بہر کیف یہ معلوم ہوا کہ امکان ہے کہ وضع حمل چھ ماہ میں بھی ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا اگر وضع حمل نو ماہ میں ہو تو پھر دودھ پلانے کی مدت ۲۱ ماہ رکھی جائے اگر سات ماہ میں وضع حمل ہو تو ۲۳ مہینہ تاکہ ﴿ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ کی تکمیل و تعمیل ہو جائے کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ مجموعی مدت حمل و رضاعت کی تیس ماں بطور عادت اکثر یہ بیان کی گئی ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینہ حمل کے'' اس طرح تیس ماہ ہو گئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس مجموعی مدت میں ایک چیز یعنی حمل کی اقل مدت چھ ماہ اور رضاعت کی اکثر مدت یعنی دو برس اس وجہ سے اختیار کی گئی کہ یہی دو مدتیں منضبط ہو سکتی ہیں ورنہ دودھ چھڑانے کی کم سے کم مدت کی کوئی تحدید نہیں اسی طرح اکثر مدت حمل کی بھی کوئی تحدید قطعی نہیں روح المعانی میں جالینوس اور ابن سینا کا مشاہدہ نقل کیا ہے۔ [2]

فقہ حنفی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مدت رضاعت ڈھائی سال بیان کی گئی ہے تفسیر مدارک میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تفسیر میں یہ ذکر کیا گیا وَحملهٗ بالاکُفِ یعنی بانہوں اور گود میں اٹھانا اور بانہوں پر لیے پھرنا جو کہ بالعموم شیر خوارگی کے زمانہ میں ہوتا ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت ﴿يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرہ: ۲۳۳) میں دو سال کی مدت بلحاظ اُجرت رضاعت بیان فرمائی گئی ہو گی کہ اس سے زائد مدت کی رضاعت کے مصارف والد کے ذمہ نہ ہوں گے اگر کسی مرضعہ سے دودھ پلوانا ہے فتویٰ اگرچہ جمہور کے قول پر ہے مگر حرمت رضاعت کے مسئلہ میں احتیاط بھی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کیا جائے۔

**فائدہ:** ﴿وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ میں انسان کی جوانی اور قویٰ کی مضبوطی بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا: ''اور پہنچ گیا چالیس سال کی عمر کو'' جو قوائے عقلیہ اور فکریہ کا کمال اور اس کا بلوغ ہے انسان کا فہم اور فکر جس حالت پر چالیس برس کی عمر میں پہنچ جاتا ہے اس کے بعد بالعموم اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نشوونما کا دور مکمل ہو چکا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو خلعت نبوت و رسالت چالیس برس کی عمر پر عطا فرمایا گیا۔

حافظ موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان بندہ جب چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہلکا فرما دیتا ہے اور جب ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو اس کو رجوع الی اللہ کی صلاحیت و توفیق نصیب ہوتی ہے اور جب ستر برس کا ہو جائے تو آسمانوں میں ملائکہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی برس کا ہو جائے تو اس کی خطاؤں کا کفارہ ہونے لگتا ہے اور اس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ ثابت فرما دیتا ہے اور اگر نوے برس کا ہو گیا تو اس کے گناہوں کی مغفرت کے ساتھ اس کی شفاعت بھی اس کے گھر والوں کے لیے قبول کر لی جاتی ہے اور آسمان والے اس کو کہتے ہیں۔ اسیر اللہ فِی ارضہٖ۔ [3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

[2] تفسیر بیان القرآن ج ۲۔

[3] تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔ اخرجه الحافظ الموصلی و روی مِن غیر هذا الوجه فی سند الامام احمد وقد طعن المحدثون علی اسنادہ ۱۲

﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ﴾ کے ترجمہ میں جو توضیحی الفاظ اضافہ کیے گئے ان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کلمات سے پہلے اس انسان کا ذکر تھا جو سعادت وتقویٰ کا پیکر ہے اس کے بعد شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہونے والے انسان کا بیان ان کلمات سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر بدبخت انسان کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ جب اس کے ماں باپ اس کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہیں وہ ان کی ہمدردانہ نصیحتوں کو ایسے ہی انداز سے ٹھکرا دیتا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ہر اس کافر کا ذکر ہے جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہو جو اس کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہوں اور وہ ماں باپ کی بات ٹھکرا رہا ہو اور مسلسل انکار قیامت کرتا رہے اور کسی طرح کفر سے باز نہ آئے اسی لیے یہ ضروری نہیں کہ اس آیات کا مصداق کسی معین شخص کو قرار دیا جائے۔

مروان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جس وقت کہ وہ خطبہ دے رہا تھا ابن ابی حاتم نے عبداللہ المدینی سے روایت کیا ہے کہ مروان جس وقت خطبہ دے رہا تھا تو میں مسجد میں تھا وہ کہنے لگا کہ میں امیر المؤمنین یزید کے متعلق بہتر رائے رکھتا ہوں اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تھا تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی تو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو متعین کیا تھا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات کی مجلس شوریٰ مقرر کر کے ان ہی میں سے کسی ایک کو خلافت کے واسطے طے فرما دیا تھا لہٰذا یہ تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ اور ان کی سنت ہوئی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا یہ طریقہ اور میراث ہرقل کی نہیں ہے؟ خدا کی قسم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہ تو اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنایا اور نہ ہی اپنے خاندان کے کسی فرد کو اور فرمایا کیا تو وہ ابن اللعین نہیں ہے کہ تیرے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لعنت فرمائی تھی جب تو اس کی پشت میں تھا یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن لی اور فرمایا اے مروان کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ایسا کہتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے خدا کی قسم یہ آیت ان کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی یہ تو فلاں ابن فلاں کے متعلق اتری ہے اور اگر میں چاہوں تو ان کے نام بھی بتا سکتی ہوں۔ (روح المعانی ج۔۲۶ کثیر ج ۴)

سب سے بڑا قرینہ اس بات کا خود قرآن کریم کے وہ الفاظ ہیں جو اس آیت میں مروان کے دعویٰ کی تردید کر رہے ہیں کیونکہ اس مضمون کا اختتام ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ یہ بتا رہا ہے کہ یہ ذکر اُن بدبخت اور شقاوت کے پیکر بیٹوں کا ہے جو ماں باپ کے پیغام رشد و ہدایت کو ٹھکرا دیں اور زندگی میں کبھی قبول نہ کریں حتیٰ کہ کفر پر خاتمہ ہو جائے اور اس کا انجام ان ہی نافرمان قوموں کی طرح ہو جو گزر چکیں اور خدا کے عذاب کا فیصلہ ان کے حق میں ہو گیا تو ظاہر ہے ان الفاظ کا مصداق ہرگز ایسا کوئی فرد نہیں ہو سکتا جو ایمان کی سعادت سے مشرف ہوا ہو اور شرف صحابیت نصیب ہوا ہو حجۃ الوداع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا ہو ناممکن ہے کہ ان خصائص وفضائل کے حامل فرد کو قرآن کریم اس طرح معذبین اور مجرمین کی فہرست میں درج کر دے اور عذاب کا فیصلہ بھی کر دیا جائے۔ (واللہ عالم بالصواب)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ

اور یاد کر عاد کے بھائی کو جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں اور گذر چکے تھے ڈرانے والے

مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ

آگے سے اور پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی اللہ کے سوا میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ

تم پر آفت سے ایک بڑے دن کی بولے کیا آیا ہے ہمارے پاس کہ پھیرے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ

سو لے آہم پر جو وعدہ دیتا ہے اگر ہے تو سچا کہا یہ خبر تو

عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا

اللہ ہی کو ہے اور میں پہنچا دیتا ہوں جو کچھ دیا میرے ہاتھ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ

تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا

نادانی کرتے ہو پھر جب دیکھا اُس کو ابر سامنے آیا ان کے نالوں کے بولے یہ

عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ

ابر ہے ہم پر برسے گا کوئی نہیں یہ وہ ہے جس کی تم شتابی کرتے تھے باؤ ہے جس میں دُکھ کی

اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا

مار ہے اکھاڑ مارے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئے کوئی نظر نہیں آتا سوائے

مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ

ان کے گھروں کے یوں ہم سزا دیتے ہیں گناہ گار لوگوں کو اور ہم نے مقدور دیئے تھے ان کو

فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ

جو تم کو مقدور نہیں دیئے اور ان کو دیئے تھے کان اور آنکھیں اور دل

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَآ اَبْصَارُهُمْ وَ لَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ

پھر کام نہ آئے ان کو کان ان کے نہ آنکھیں ان کی نہ دل ان کے

شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

کسی چیز میں، کہ تھے اس پر منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور الٹ پڑی ان پر، جس بات سے

یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۳

ٹھٹھا کرتے تھے۔

## تسلی بنی کریم ﷺ بر تکذیب کفار و مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ ... الٰی ... مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾

**ربط**: سعادت وشقاوت کا ایک بنیادی ضابطہ اور قبول ایمان واعراض عن الحق پر مرتب ہونے والے ثمرات ونتائج کا ذکر کر کے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اُمم سابقہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہ کس طرح اللہ کے پیغمبران کو ہدایت کی دعوت دیتے رہے بالآخر جب وہ اپنی بغاوت وسرکشی سے باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ کے قہر وعذاب سے تباہ وبرباد کر دیئے گئے فرمایا۔

اور یاد کرو عاد کے بھائی ہود علیہ السلام * کو جب کہ ڈرایا انھوں نے اپنی قوم کو احقاف میں جیسے کہ ان سے پہلے بھی نبی اپنی قوموں کو ڈراتے رہے اور بہت سے ڈرانے والے ان سے پہلے گذر چکے تھے اور ان کے پیچھے بھی سب کا پیغام یہی تھا کہ نہ بندگی کرو کسی کی بھی سوائے اللہ کے میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے ہیبت ناک دن کی آفت سے جس آفت کو نہ کوئی ٹلانے والا ہوگا اور نہ کسی کی دوستی اور سفارش کام دے گی یہ سب کچھ خدا کے پیغمبر نے کہا لیکن یہ لوگ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس آیا ہے اس لیے کہ تو ہم کو اپنے معبودوں سے پھیر دے کسی اور معبود کی طرف اگر یہی غرض ہے تو پھر لے آ ہمارے سامنے وہ چیز جس کا تو دعویٰ کرتا ہے اور اس سے ہمیں ڈراتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے ہم اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر قائم رہیں گے اور اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اگر تو سچا ہے تو پھر وہ عذاب لے آ جس سے ڈراتا ہے خدا کے پیغمبر نے کہا یہ علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے کہ عذاب کب نازل ہوگا میں تو تم کو وہی باتیں پہنچا دیتا ہوں جو دے کر بھیجا گیا ہوں اور پیغمبر کا کام ہی صرف یہ ہے کہ اللہ کے احکام اور پیغام اس کی مخلوق کو پہنچائے تمہیں چاہیے تھا کہ تم اس بات پر یقین کرتے لیکن میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم نادانی کرنے والے لوگ ہو کیونکہ تمہارے یہ مطالبے بلاشبہ تمہاری نادانی اور جہالت کی

---

* ہر پیغمبر چونکہ خود اپنی قوم میں مبعوث ہوئے اس بناء پر حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا گیا دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ... وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ ہود علیہ السلام سے پہلے اور ان کے بعد بہت سے ڈرانے والے آئے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کو عذابِ خداوندی سے ڈرایا اور سب کا یہی ایک پیغام تھا ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ﴾۔

دلیل ہیں خدا کے پیغمبر کو عذاب نازل کرنے کی قدرت ہے اور نہ اختیار اور نہ اس کا علم کہ نافرمان قوم پر کب دنیوی عذاب نازل ہوگا اور کب تک ان کو مہلت ہے۔

پھر جب دیکھا اس ابر کو جو ان کی وادیوں کی طرف آنے والا تھا تو اس کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر خوش ہو کر کہنے لگے کہ یہ سامنے سے آنے والا بادل تو ہم پر برسنے والا بادل ہے جس سے ہماری یہ ساری وادیاں اور ندی نالے بھر جائیں گے * قہر خداوندی نے ان کو جواب دیا نہیں بلکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کو تم جلدی طلب کر رہے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو اکھاڑ پھینکے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے چنانچہ وہ بادل بجائے سیرابی کے عذابِ خداوندی بن کر ان پر برسنے لگا اور سات رات اور آٹھ دن مسلسل یہ غضبناک طوفانی آندھی عذابِ خداوندی برساتی رہی جس نے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا عمارتیں منہدم ہو گئیں انسان اور بڑے بڑے طاقت ور جانور اس ہوا کے سامنے تنکوں کی حقیقت سے کچھ زائد نہ تھے۔

چنانچہ جب صبح کو یہ اٹھے تو کوئی چیز نظر نہ آتی تھی بجز ان کے مکانوں کے جو کھنڈرات کی صورت میں نظر آ رہے تھے جس کو دیکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں نافرمان قوم کو اس لیے قریش مکہ کو بھی چاہیے کہ وہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آ جائیں اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بغاوت اور اللہ کی نافرمانی پر ان کو ڈرنا چاہیے کہیں ان کا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو جائے اور کفار مکہ کو اپنی قوت و طاقت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو طاقت و مضبوطی دی تھی ان ہی چیزوں میں کہ جن میں اے کفار مکہ تم کو طاقت اور زور دیا ہے مال و دولت اور عزت و وجاہت کا مگر ان کا مال و اولاد طاقت و اقتدار اور جتھے کچھ کام نہ آئے اور عذابِ خداوندی نہ ٹلا سکے تو اسی طرح تمہاری یہ تمام قوتیں بھی عذابِ خداوندی کے سامنے بے حقیقت ہوں گے پھر آخر تم کس چیز پر مغرور ہو اور ہم نے دیئے تھے ان کو کان اور آنکھیں اور دل نصیحتوں کو سن سکتے تھے عبرت کی نشانیاں دیکھ سکتے تھے اور دلوں سے اللہ کی باتوں پر یقین کر سکتے تھے مگر کام نہ آئے ان کے کان اور نہ ان کی نگاہیں اور نہ ان کے دل کسی بھی چیز میں جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے اور چمٹ گیا ان پر وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہ عذاب ان پر مسلط ہوا اور جس چیز کا تمسخر کر رہے تھے وہی ان کی ہلاکت کا باعث ہوئی اور آخر الامر انجام یہی ہوا کہ قوتیں سب موجود مگر عذاب الٰہی نے آ گھیرا نہ کوئی اندرونی قوت اس عذاب کو رفع کر سکی اور نہ بیرونی تو اسی طرح قریش مکہ کو بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہیے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سند غریب سے ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند سے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم عاد ایک دفعہ قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے ایک وفد روانہ کیا جس کو قیل کہا جاتا ہے وہ وفد معاویہ بن بکر پر سے گزرا تو ایک ماہ اس کے یہاں ٹھہرا جو اس کو شراب پلاتا اور دو گانے والی لونڈیاں اس کو اپنے نغمہ و سرور میں مست کرتی رہیں یہاں تک کہ ایک ماہ گزر گیا تو وہ مہرہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوا اور کہا اے پروردگار تو جانتا ہے کہ نہ تو میں کسی مریض کی جانب آیا ہوں کہ اس کا علاج کروں اور نہ کسی قیدی کی طرف کہ اس کا فدیہ ادا کروں۔

اے اللہ (بس یہی طلب ہے) تو عاد کو سیراب کر دے جس چیز سے بھی تو سیراب کرنے والا ہو تو اچانک چند بادل سیاہ رنگ کے سامنے سے گزرنے لگے تو ان میں سے ایک آواز آئی ان میں جو بادل چاہے اختیار کر لے اس نے ان بادلوں میں سیاہ ترین بادل

---

* بعض تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سال ان پر نہایت ہی قحط اور خشکی کا تھا تو اور بھی اس بادل کو دیکھ کر توقعات باندھنے لگے۔

اختیار کرلیا فوراً اس میں سے آواز آئی خذھا مادًا رمددًا الخ یعنی لے لے یہ بادل اس طرح کہ جلا کر راکھ کر دینے والے شعلے اور ریزہ ریزہ کر دینے والا کہ قوم عاد میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑے تو ایک آندھی چلی جس نے پوری بستی ہلاک کر دی اور کوئی مکان باقی نہ بچا کہ وہ منہدم نہ ہو گیا ہو اور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے اور یہ تناور اور طاقت ور ڈیل ڈول والے زمین پر پچھڑے ہوئے پڑے تھے جیسے کہ کھجور کے درخت اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہوں ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ (الحاقہ:۷) یہ آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ دن تک چلتی رہی ﴿سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا﴾ (الحاقہ:۷)۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت کے مضمون میں یہ بیان کیا کہ سب سے پہلے اس عذاب کو ایک عورت نے دیکھا کہ ایک ہوا کا جھونکا ان کی بستی کی طرف اٹھا جس میں دہکتی ہوئی آگ کے شعلے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ آندھی عذاب خداوندی لے کر آ رہی ہے تو ایک خط اپنے پر کھینچ لیا اور ایک خط اس جگہ پر جہاں مؤمنین تھے تو ان پر یہ ہوا نہایت لطیف و خوشگوار ہو کر لگ رہی تھی حالانکہ یہی ہوا قوم عاد کو، ان کی بستی درختوں اور مکانات کو اکھاڑ پھینک رہی تھی اور یہ نظر آ رہا تھا کہ ان پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔ (ابن ابی شیبہ بحوالہ تفسیر روح المعانی) ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب کبھی تیز ہوا چلنے لگتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ انی اسألك خير ها وخير مافيها وَخيرما ارسلت به واعوذبك من شرها و شرما فيها و شرما ارسلت به)). ❷

"کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی خیر کا اور ہر اس چیز کا جو اس میں ہو اور جس کے ساتھ اس ہوا کو چلایا گیا اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور ہر اس برائی سے جو اس میں ہے اور جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی۔"

اور جب آسمان پر بادل چھاتا تو آپ کے چہرۂ انور کا رنگ فکر و پریشانی سے متغیر ہو جاتا اور اضطراب کی سی کیفیت میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلتے اور کبھی اندر داخل ہوتے اور آگے چلتے اور کبھی پیچھے ہٹتے اور جب بارش برسنے لگتی تو یہ آثار فکر و بے چینی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور ہو جاتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے دریافت کر لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے اور یہ کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں واقع ہوتی ہے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے نہیں معلوم جب بادل آتا ہے تو یہ کیسا بادل ہو گا کہیں ایسا ہی تو نہیں جیسا کہ ایک قوم نے اس بادل کو دیکھ کر کہا یہ ابر تو ہم پر برسے گا اور ہمیں سیراب کرے گا۔ ❸ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی ان لوگوں کو کیا خبر تھی اس بادل میں کیسا خطرناک عذاب ہے نہ ہی اس کا تصور ہو سکتا تھا تو اسی وجہ سے میں ہر بادل کو دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہوں کہ خدا جانے یہ عذاب و ہلاکت کو لے کر آ رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) یا اللہ کی رحمت رزق و برکت اور شادابی لے کر آ رہا ہے۔

---

❶ روح المعانی ج ۲۶۔

❷ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

❸ صحیح مسلم، جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و مسند عبد بن حمید۔ بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۶۔

## مقام احقاف

آئمہ مفسرین فرماتے ہیں کہ عاد کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام تھے جن کو حق تعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف مبعوث فرمایا تھا ان کی بستیاں مقام احقاف میں واقع تھیں لفظ احقاف حقف کی جمع ہے جو ریت کے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ طبقات الارض کے ایک ماہر امام ابن زید کا یہ قول نقل کیا عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ احقاف پہاڑوں اور غاروں کو کہتے ہیں عاد اولیٰ کی آبادیاں ایسی ہی سرزمین میں واقع تھیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضر موت میں ایک وادی کا نام احقاف ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ یہ بات مشہور ہے کہ عاد یمن میں رہنے والی ایک قوم تھی جو ریگستانی علاقہ میں ساحل سمندر پر آباد ہوئی اور اسی کے قرب وجوار میں ان کی بستیاں بھی آباد ہو گئیں۔

مؤلف ارض القرآن بلاد احقاف کے تحت یہ لکھتے ہیں کہ یمامہ بحرین حضر موت اور مغربی یمن کے درمیان جو صحرائے اعظم الدھناء یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے اگرچہ وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف وجوانب میں کہیں کہیں آبادی کے لائق کچھ صاف زمین ہے خصوصاً اس حصہ میں جو حضر موت سے بحران تک پھیلا ہوا ہے گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضر موت اور بحران درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خداوند عالم نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست ونابود کر دیا تھا۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم کھپا چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں اور پھیر پھیر سنائیں ان کو باتیں شاید وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا

پھر آویں۔ پھر کیوں نہ مدد پہنچے ان کی جن کو پکڑا تھا اللہ سے درے درجہ پانے کے

اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

پوجنا؟ کوئی نہیں گم ہوئے ان سے اور یہی جھوٹ تھا ان کا اور جو باندھتے تھے۔

## تذکرہ ہلاکت امم سابقہ برائے عبرت اہل مکہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ ... الیٰ ... وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں قوم عاد کی ہلاکت وتباہی کا ذکر فرمایا گیا جس سے مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی

ان کے دین کا تمسخر و مذاق بنایا اور عذاب خداوندی کی وعید کو سن کر پیغمبر سے مطالبہ کرنے لگے کہ اچھا وہ عذاب لے آؤ جس سے ڈرا رہے ہو تو اب اس مناسبت سے اجمالاً ان دوسری قوموں کی تباہی کا حوالہ دیا جا رہا ہے جو مکہ کے اطراف اور شام کے علاقہ میں بسنے والی تھیں اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے معبود کام آئے اور نہ ان کے وسائل اور مال و دولت عذاب خداوندی ٹلا سکے تو ان واقعات سے قریش مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی اور بغاوت سے باز آ جانا چاہیے۔

ارشاد فرمایا اور بے شک ہم ہلاک کر چکے ہیں تمہارے آس پاس کی بہت سی بستیاں مثلاً قوم ثمود اور قوم لوط کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کر دیں جیسے کہ عاد کی بستی تباہ کر دی گئی جو مکہ والوں کے قرب و جوار میں واقع تھیں اور ان علاقوں پر سے اہل مکہ کا تجارتی سفروں میں گزر ہوتا تھا اور ان کی ہلاکت کے واقعات عام طور پر لوگوں میں معروف تھے ہر ایک جانتا تھا اور تاریخی واقعات کے ذیل میں ان کو بیان بھی کیا جاتا تھا ان کا حسرت ناک حال یہ تھا کہ اور پھیر پھیر کر ہم نے سنائیں ان کو باتیں اور دلائل و نشانیاں بار بار دکھائیں شاید یہ کہ وہ لوٹ جائیں حق و ہدایت کی طرف لیکن نہ ان کو نصیحتوں سے کچھ فائدہ پہنچا اور نہ دلائل و بینات سے حق کی طرف رجوع کیا جس کا انجام یہی ہوا کہ تباہ برباد کر دیئے گئے تو کیوں نہ مدد کی انہوں نے جن کو انہوں نے اپنا معبود بنا لیا تھا تقرب حاصل کرنے کے لیے خدا کو چھوڑ کر نہیں مدد تو کیا کرتے بلکہ وہ تو ان سے گم ہو گئے اور قطعاً بے گانگی اختیار کر لی اور یہ ان کا صریح جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ اپنی طرف سے گھڑتے تھے اور یہ بات یقینی ہے کہ من گھڑت باتیں اور جھوٹ نہ چلا کرتا ہے اور نہ کام آتا ہے تو اسی طرح جو مشرکین زندگی بھر شرک کرتے رہے اور اپنے بتوں کو یہ سمجھتے تھے کہ ان کی عبادت خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہے جب میدان حشر ہو گا تو وہ سب معبود غائب ہوں گے اور ان کے سارے جھوٹ اور من گھڑت افسانے ان کے سامنے وبال اور عذاب بن کر ظاہر ہو رہے ہوں گے ان مضامین کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا

اور جب متوجہ کر دیئے ہم نے تیری طرف کتے لوگ جنوں میں سے سننے لگے قرآن پھر جب

حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

وہاں پہنچے بولے چپ رہو پھر جب تمام ہوا اُلٹے گئے اپنی قوم کو ڈر سناتے

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا

بولے اے قوم ہماری! ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے موسیٰ کے بعد سچا کرتی

بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ

سب اگلیوں کو۔ سوجھاتی سچا دین اور ایک راہ سیدھی اے قوم ہماری

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ

مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ کہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے اور بچاوے تم کو

مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ

ایک دکھ کی مار سے اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر

فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

زمین میں اور کوئی نہیں اس کو اس کے سوا مددگار وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح کیا نہیں دیکھتے؟

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ

کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور نہ تھکا

بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

ان کے بنانے میں وہ سکتا ہے کہ جلاوے مردے۔ کیوں نہیں؟ وہ ہر چیز

قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا

کر سکتا ہے اور جس دن سامنے لائیے منکروں کو آگ کے اب یہ

بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

ٹھیک نہیں؟ کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی کہا تو چکھو مار۔ بدلہ اس کا

تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا

جو تم منکر ہوئے تھے سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہمت والے رسول اور

تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا

شتابی نہ کر ان کے واسطے یہ لوگ جس دن دیکھیں گے جس چیز کا اُن سے وعدہ ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی

اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۴

مگر ایک گھڑی دن پہنچا دینا اب وہی کھپیں گے جو لوگ بے حکم ہیں۔

# اطاعت وقبول حق جماعتے از جنات ببرکت استماع قرآن آیات بینات وانجام معرضین از دعوت داعی اللہ ومنکرین دین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ... الٰی ... اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۳۵﴾

**ربط**: اس سے قبل آیات میں انسانوں کے تمرد وسرکشی کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں جنوں کی اطاعت وفرمانبرداری کا حال بیان کیا جارہا ہے جس سے یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہے کہ جنات طبعی طور پر متمرد وسرکش ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تخلیق آگ سے فرمائی گئی لیکن اس کے باوجود ان میں سے ایک جماعت نے جب قرآن حکیم کی طرف توجہ کی اور کان لگا کر آیاتِ خداوندی سنیں تو ان کی وہ تمام سختی بالکل موم بن گئی یہ محض برکت اس بات کی تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کی طرف توجہ کی اور آیاتِ قرآنیہ سنی مگر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ کفار مکہ انسان ہونے کے باوجود نہ تو نرماتے ہیں اور نہ ہی ان میں سعادت کے آثار محسوس ہوتے ہیں اور یہ صرف اسی وجہ سے کہ ان کو کبھی قرآن کریم کی طرف نہ توجہ ہوتی ہے ورنہ وہ آیات سنتے ہیں اس بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے اخیر میں قیامت کا مضمون بیان کیا گیا اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی یہ فرماتے ہوئے کہ مجرمین اس کے علم اور نگاہوں سے چھپے ہوئے نہیں ہیں اور ہرگز بھی خداوندِ عالم کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اور غلبہ وکامیابی یقیناً حق کی ہوگی۔

ارشاد فرمایا اور جس وقت کہ متوجہ کر دیا ہم نے آپ کی طرف جنوں میں سے ایک جماعت کو جو کان لگا کر سننے لگے قرآن کو تو جب وہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے ان میں سے بعض افراد اپنی ساتھیوں کو کہ خاموش رہو قرآن کا حق یہی ہے کہ جب تلاوت ہو تو سب سننے والے خاموش رہیں اور سنیں پھر جب ختم ہوا سلسلہ تلاوت تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ان کو عذابِ خداوندی سے ڈراتے ہوئے۔

کلام الٰہی کو سن کر اس کی بلاغت اور اس کی حقانیت کو پہچانا اور یقین حاصل ہوگیا کہ بے شک یہ کلام خداوندی ہے کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے سنی ایک کتاب جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُتاری گئی ہے تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی جو راہنمائی کرتی ہے سچے دین اور سیدھے راستہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ جو کتاب حقانیت اور راہِ حق کی رہنمائی کرتی ہو انبیا سابقین کی کتابوں کی تصدیق بھی کر رہی ہو تو بلاشبہ اس پر ایمان لے آنا چاہیے اور داعی حق کی دعوت پر لبیک کہنا یہ عقل اور فطرت کا تقاضا ہے اس لیے اے ہماری قوم مان لو اللہ کے داعی کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ پروردگار بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور پناہ دے گا تمہیں دردناک عذاب سے کیونکہ اللہ کے داعی کی دعوت قبول کر لینا اور اس پر ایمان لانا گزشتہ گناہوں اور گمراہیوں کا کفارہ ہے اور آئندہ عذاب آخرت سے بھی نجات کا ذریعہ ہے قبول حق اور پیغمبر خدا پر ایمان لانے میں خود ایمان لانے والے ہی کا فائدہ ہے اور اس سے اعراض وانحراف میں خدا کی شان عظمت الوہیت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اور جو اللہ کے داعی کو نہ مانے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ عاجز نہیں کر سکتا اللہ کو زمین میں اور نہ اس کے واسطے خدا کو چھوڑ کر کوئی مددگار ہو سکتے ہیں ایسے لوگ بڑی ہی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جنہوں نے نہ کلام خداوندی کی عظمت اور اس کی شان کو پہچانا نہ اس کی حقیقت کو سمجھا اور نہ ہی یہ سوچا کہ وہ کلام جو صحیح عقائد پاکیزہ

اصول حق وہدایت کا پیکر ہو خدا کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہو وہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے اور اس کلام کو لانے والا خدا کا پیغمبر اور اس کا داعی ہے ان حقائق کو سمجھنے کے واسطے تو کائنات میں بے شمار دلیلیں موجود ہیں۔

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہیں تھکا ان کے بنانے میں تو وہ خدا قدرت رکھتا ہے اس بات پر کہ مردوں کو زندہ کردے بے شک وہ ہر چیز پر بڑی ہی قدرت رکھنے والا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے کہ مر کر کہاں زندہ ہوں گے جس اللہ کو زمین وآسمان جیسی عظیم مخلوقات پیدا کرنا کچھ مشکل نہ ہوا اس پروردگار کو مردوں کو زندہ کرنا کیا مشکل ہوسکتا ہے قیامت اور بعث بعد الموت برحق ہے اور جس دن کافروں کو پیش کیا جائے گا جہنم پر اور ان کو دہکتی ہوئی آگ اور اس کے شعلے نظر آرہے ہوں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کیا نہیں ہے یہ حق کہیں گے بے شک! اور قسم ہے ہمارے رب کی اس اقرار واعتراف کے بعد پروردگار فرمائے گا تو پھر چکھو تم عذاب اس کفر ونافرمانی کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔

بہر حال یہ حقائق ہیں جن پر کائنات اور کائنات کی ہر چیز شاہد ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں کہ منکرین کو سزا ضرور ملتی ہے خواہ دنیا وآخرت دونوں میں یا آخرت میں اگر اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہو تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ صبر کیجیے آپ بھی جیسا کہ صبر کیا ہمت والے رسولوں نے جیسے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور جلدی نہ کیجیے ان کے لیے نزول عذاب کی۔

اگر مجرمین ومنکرین کو ڈھیل اور مہلت دی جارہی ہے تو وہ اللہ کی حکمت پر مبنی ہے عذاب آکر رہے گا اگر دنیا میں نہ آیا تو آخرت کے عذاب سے تو کوئی منکر وکافر کسی طرح نہ بچ سکے گا اور آخرت کا عذاب اس قدر ہولناک ہوگا کہ وہ دنیا کی ہر راحت ولذت کو بھلا دے گا صورت حال یہ ہوگی یہ لوگ جس دن کہ وہ عذاب دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا محسوس کرتے ہوں گے کہ نہیں ٹھہرے ہیں مگر دن کی صرف ایک گھڑی اور دُنیاوی عیش وعشرت کی ساری زندگی صرف ایک گھڑی محسوس ہونے لگے گی اور عذاب آخرت کا پہلا منظر ہی دُنیا کی ساری لذتوں کو بھلا دے گا۔

یا یہ کہ دُنیا کی زندگی میں عذاب کی تاخیر سے جو یہ خیال کررہے تھے کہ بہت دیر ہوگئی اور طویل مدت گذر گئی مگر عذاب نازل نہیں ہوا مگر جب عذاب خداوندی نظر آئے گا تو سمجھیں گے مہلت اور ڈھیل تو ہم کو صرف دن کی ایک گھڑی ہی کے بقدر ملی ہے نہ یہ کہ کوئی طویل زمانہ گذرا ہو۔

یا یہ کہ عالم قبر کو وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ وہ ایک طویل مدت نہیں بلکہ صرف ایک گھڑی ہی گزری ہے کہ مرنے کے بعد اب ہم پھر زندہ ہو کر خداوند عالم کے روبرو حاضر ہیں تو مرنے کے بعد سے لے کر عالم آخرت تک خواہ کتنی ہی طویل مدت گذرے مگر قبر میں رہنا صرف ایک گھڑی ہی معلوم ہوگا جس طرح ایک انسان سونے کے بعد آنکھ کھلنے پر یہ نہیں محسوس کرتا کہ اس کے سونے کے دوران کتنا وقت گذرا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ لگی اور بس پھر بیدار ہو گئے نیند آنے اور بیدار ہونے میں کسی امتداد وقت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا عالم قبر اور مرنے کے بعد سے آخرت وقیامت میں اٹھنے کا مسئلہ بس ایسا ہی ہے جیسا انسان سویا اور اس کے بعد پھر بیدار ہوا یہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے اس کے رسول نے دنیا کو پہنچا دیا اب اس کے بعد ہلاک وہی لوگ کیے جائیں گے جو نافرمان ہیں اور جنہوں نے اللہ کے پیغمبر کے پہنچائے ہوئے پیغام کو نہ سنا نہ اس کو مانا اور نہ اس پر عمل پیرا ہوئے۔

# جنوں کے ایک گروہ کا قرآن کریم سننا

جنوں کی ایک جماعت کا ذکر جوان آیات میں فرمایا گیا اس کی غرض تو یہ ہے کہ کفار مکہ باوجود یہ کہ از قسم بنی آدم اشرف المخلوق ہیں اور خدا نے نوع بشر میں حلم و بردباری اور تاثر انفعال کی صلاحیت بہت زائد رکھی ہے اس کے بالمقابل نوع جن میں اس وجہ سے کہ وہ مخلوق ناری ہیں شدت وتمرد اور سرکشی اور خارجی تاثرات سے متاثر نہ ہونے کا وصف ان میں زائد ہے لیکن اس جماعت نے جب قرآن کریم کی طرف توجہ کی اور غور وفکر کے ساتھ سنا تو فوراً ہی حق کی طرف قلوب مائل ہو گئے اور قرآن کریم کی عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اطاعت وفرمانبرداری کا سر جھکا دیا اور نہ صرف یہ کہ خود ہدایت قبول کی بلکہ اپنی قوم کی طرف ہادی اور رہنما اور داعی بن کر لوٹے تو اس قصہ سے اہل مکہ کے عناد اور تمرد وسرکشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم اور رسول خدا ﷺ سے کس قدر متنفر و برگشتہ تھے۔ جنوں کا یہ گروہ کون تھا اور کس وقت اور کہاں یہ واقعہ پیش آیا؟ تو اس سلسلہ میں۔

ایک روایت تو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ نقل کی ہے کہ یہ واقعہ مقام ''نخلہ'' میں پیش آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء ادا فرما رہے تھے اور یہ افراد نصیبین کے جنوں میں سے تھے جن کی تعداد سات تھی اس روایت کو ائمہ محدثین نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات میں شمار کیا ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنات کے سامنے خود کچھ نہیں پڑھا اور نہ ان کو دیکھا اصل قصہ یہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جنات وشیاطین اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان رکاوٹ قائم کر دی گئی تھی اور جب بھی کوئی جن آسمانوں پر چڑھ کر غیبی خبروں کی طرف کان لگاتا تو شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ پڑتا اور جلا کر راکھ کر دیتا تو جنوں میں سے اس صورت حال کے پیش آنے پر تشویش ہوئی اور باہم یہ کہنے لگے کہ ضرور کوئی نئی بات ایسی پیش آئی ہے جس کے باعث اب آسمانوں کی خبروں کا سننا ممکن نہیں رہا تو تلاش کے لیے جنوں کی جماعتیں روئے زمین کے اطراف مشرق ومغرب کی طرف نکل کھڑی ہوئیں ان میں سے ایک جماعت جس نے تہامہ (مکہ) کا رخ کیا تھا رسول اللہ ﷺ کی طرف جب کہ آپ ﷺ مقام نخلہ میں تھے (بازار عکاظ جاتے ہوئے) اور اس وقت صحابہ کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو ناگہاں قرآن کریم کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی فوراً ہی متوجہ ہوئے اور غور سے سننے لگے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو کہنے لگے بس یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے قرآن کریم کی آواز انہیں نہایت ہی عجیب مؤثر اور دل کش معلوم ہوئی اس کی ہیبت وعظمت دلوں پر چھا گئی اور اپنے دلوں میں ایمان وایقان کا ایسا جوہر لے کر لوٹے کہ اپنی قوم کو بھی رشد وفلاح کی دعوت دینے لگے جس کا ان کلمات میں ذکر ہے ﴿يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ﴾ یہی وہ قصہ ہے جس کو سورۂ جن میں ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝﴾ (الجن) میں فرمایا گیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ آنحضرت ﷺ کو ان کی آمد کا اور قرآن کریم کے سننے کا علم نہیں ہوا تھا ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ ﷺ کو دی اور پھر اس کی تفصیل بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتائی گئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ

جنوں کی اس جماعت نے داعی بننے کے بعد جنوں میں اسلام پھیلایا اور بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لیے ان کے وفود آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ مرتبہ جنوں کی آمد کو بیان کیا ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے لیلۃ الجن کا قصہ کتب حدیث میں معروف ہے قارئین تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی کی مراجعت فرمائیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفع قصداً آپ ﷺ جنوں کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو وعظ و نصیحت کے ساتھ دین کی تعلیم دی۔

تمت تفسیر سورۃ الاحقاف بفضل اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۴۰۳ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## تفسیر سورۂ محمد (ﷺ)

سورۂ محمد مدنی ہے جس کی اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں اس سورت کا مدنی ہونا اکثر مفسرین کے نزدیک بالاتفاق ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ اس سورت کی تمام آیات مدینہ ہیں لیکن آیت ﴿وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ﴾ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکل کر غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور مکہ مکرمہ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے یہ فرما رہے تھے اے سرزمین مکہ تو مجھ کو روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب بستی ہے اور اگر یہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا تو اس لحاظ سے اس آیت کا مکیہ کہا جا سکتا ہے مفسرین کی اس اصطلاح کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو آیات مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل نازل ہوئیں وہ مکیہ ہیں حتیٰ کہ سفر ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی مکیہ ہی ہیں۔

اس سورت کی ابتداء ایک عجیب اور پُرعظمت اعلان سے ہو رہی ہے کہ کافر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں جن کا مقصد زندگی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے اور دعوت محمدیہ ﷺ کا مقابلہ کرنا ہے ان کے اعمال برباد ہیں اس کے بعد مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم ہے پھر مسلمانوں کی فتح و نصرت اور غلبہ و عزت کا معیار بیان کیا گیا اور یہ کہ مسلمان قوم اللہ کی نصرت کی کب مستحق ہوتی ہے ساتھ ہی کفار مکہ کی تباہی کی مثال واضح کر دی گئی اس کے ضمن میں منافقین کی سازشوں کا بھی ذکر ہو گیا پھر سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے عزت و کامیابی کا راستہ طے کریں سورۂ محمد کا دوسرا نام مفسرین نے سورۃ القتال بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس سورت کا نزول سچے مسلمان اور کفار و منافقین کے درمیان تمیز کرنے ہی کے لیے فرمایا گیا ہے جس میں مختلف اسلوب اور پیرایوں میں سعداء و اشقیاء کے حالات اور ان کے مراتب و منازل بیان کیے گئے ہیں۔

آیاتھا ۳۸ | ۴۷ سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ ۹۵ | رکوعاتھا ۴

سورۂ محمد مدنی ہے جس کی اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کا نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے کھو دیئے اس نے ان کے کیے اور جو

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ

یقین لائے اور کیے بھلے کام اور مانا جو اُترا محمد ﷺ پر اور وہی ہے سچا دین

مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ

ان کے رب کی طرف سے اُن سے اُتاریں اُن کی بُرائیاں اور سنوارا ان کا حال یہ اس پر کہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ

جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انہوں نے مانی سچی بات

رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③ فَاِذَا لَقِيْتُمُ

اپنے رب کی طرف سے یوں بتاتا ہے اللہ لوگوں کو ان کے احوال سو جب تم بھڑو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا

منکروں سے تو گردنیں ہیں مارنی یہاں تک کہ جب کٹاؤ ڈال چکے ان میں تو مضبوط باندھو

الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ

قید پھر یا احسان کریو پیچھے اور یا چھڑوائی لیجیو، جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنا راچھ

ذٰلِكَ ۛؕ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ

یہ سن چکے اور اگر چاہے اللہ تو بدلہ لے اُن سے پر جانچنے کو تمہارے ایک سے

بِبَعْضٍ ط وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

دوسرے کو اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ کھووے گا ان کے کیے

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥

ان کو راہ دے گا اور سنوارے گا ان کا حال اور داخل کرے گا ان کو بہشت میں معلوم کروا دی ہے ان کو

## تنبیہ وتہدید بر کفر وانکار منکرین وبشارت برائے اہل ایمان و مطیعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... الیٰ ... عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ ﴾

**ربط:** گذشتہ سورت کا اختتام مجرمین کی ہلاکت وتباہی کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا اور مقصود اہل مکہ کو تنبیہ تھی کہ وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کو تسلی بھی دینا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کی مدد اور رحمت کا انتظار کریں حق بہر حال غالب ہوگا تو اب اس سورت کی ابتداء کافروں اور منکروں کے اعمال کی بربادی کے بیان سے کی جارہی ہے اور یہ کہ حق اور باطل کا فرق اس دنیوی زندگی میں بھی انسان کے سامنے آکر رہے گا اور آخرت میں بھی باطل پرستوں کو تباہی اور عذاب اور اہل حق کی کامیابی ونجات قطعی اور یقینی ہے۔

ان مضامین کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ حق اور باطل کا معرکہ اس کا متقاضی ہے کہ اہل حق اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے باطل سے جہاد کرنے کے واسطے تیار ہوجائیں جہاد کا حکم ایک امتحان ہے جس کے ذریعہ مؤمنین ومطیعین کا ایثار واخلاص اور قربانی کا جذبہ معلوم ہوگا اور ساتھ ہی باطل پر حق کی فتح وکامیابی بھی تاریخ عالم میں ایک حقیقت بن کر دُنیا کی نظروں میں آئے گی۔

فرمایا جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے روکا انہوں نے اپنے اعمال برباد کردیئے اگرچہ قبل از اسلام ان کے اعمال کتنے ہی بہتر ہوں سخاوت کی ہو غریبوں کی اعانت وامداد کی ہو یا خدمت خلق کی ہو جیسے کہ بہت سے شریف الطبع لوگ جاہلیت میں کرتے تھے لیکن جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کا دین اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تو سب نیکیاں اور خوبیاں برباد کردیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور مانا اس کتاب یا دین کو جو نازل کیا گیا محمد (ﷺ) پر اور وہی تو حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے تو اللہ نے ان کی برائیاں مٹادیں جو بھی کچھ انہوں نے جاہلیت کے زمانہ میں کرلی ہوں اور درست کردیا ان کا حال جیسے کہ کسی بیمار کی بیماری دور ہوگئی تو اب وہ اپنے نظام بدن کو محسوس کرے گا کہ درست ہوگیا ہے تو کفر کا مرض دور ہونے سے اعمال واحوال کی درستگی ہونی ہی چاہیے یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے پیروی کی باطل کی اور ایمان والوں نے حق کا اتباع کیا جو ان کے رب کی طرف سے ہے بس یونہی قائم کردیتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے ان کی مثالیں کہ منکرین ونافرمانوں کے واسطے ان کے نمونہ ہیں جن کے نقش قدم پر چل کر بعد والے بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اہل ایمان ومطیعین ایمان ویقین والوں کے واسطے نمونہ ہوتے ہیں جن کی پیروی کرتے ہوئے وہ نجات وکامیابی کے مستحق ہوتے ہیں اور یہی وہ معیار ہے جس پر اعمال کی بربادی یا احوال کی اصلاح موقوف ہے عالم دُنیا میں جب حق تعالیٰ نے

حق اور باطل کا مقابلہ مقدر فرما دیا ہے تو لامحالہ اہل حق پر باطل کے مقابلہ میں جہاد کی ذمہ داری عائد ہوگی تو ایسی صورت میں بارگاہِ رب العزت سے اہل ایمان کو فرمایا جارہا ہے تو اے ایمان والو! جب تم میدان جہاد میں مقابلہ کرو کافروں سے تو مارو ان کی گردنیں یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو باقی ماندہ کافروں کو مضبوط باندھ لو قید و بند سے پھر اس کے بعد یا تو احسان کرو اور ان کو رہا کر دو بغیر کسی فدیہ کے یا معاوضہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی قتل وخونریزی اور ضرب وقید کا سلسلہ جاری رہے تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور قتال موقوف ہو جائے یہی ہے فیصلہ جس کو خوب توجہ اور غور سے سن لینا چاہیے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا اور قوم عاد اور ثمود کی طرح ہلاک کر دیتا اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ جہاد وقتال کا حکم دیا جاتا لیکن یہ اس لیے کہ امتحان لے اور جانچے اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ اور جو لوگ جہاد کے دوران اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے تو اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا ان کی راہنمائی فرمائے گا جنت کے منازل ومحلات کی طرف اور ان کا حال بھی بہتر فرمائے گا ہر طرح کی نعمتیں اور کرامتیں عطا فرما کر بالخصوص اپنی رضا اور خوشنودی کے انعام سے بھی جو ہر نعمت اور لذت سے بڑھ کر ہے اس لیے اگر کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو یہ نہ سمجھیں کہ ان کی جان ضائع ہوگئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بہترین اور اعلیٰ عوض حاصل کر لیا۔

اور داخل فرمائے گا ان شہیدوں کو جنت میں جو ان کو معلوم کرا دی ہے اس کے احوال اور نعمتوں کا قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ پورا علم کرا دیا ہے اور نیز شہید فی سبیل اللہ کو دنیا سے گزرنے سے قبل اللہ ربّ العزت اس کا وہ مقام بھی دکھا دیتا ہے جو اللہ نے اس کو آخرت میں عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہوتا ہے چنانچہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ہر ایک اپنے ٹھکانے کو اس طرح پہچانتا ہوگا جیسے دُنیا میں ہر ایک کو اپنا گھر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ﴿عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾ کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے ﴿طيَّبها لهم﴾ طیب کے معنی خوشبو کے ہیں یعنی وہ مکانات جنتیوں کے واسطے خوشبوؤں سے مہکائے ہوئے ہوں گے۔

## میدان جہاد میں مسلمانوں کو ثابت قدمی اور قوت کے ساتھ مقابلہ کا حکم

آیت مبارکہ ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ میں مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد کا حکم اور کفر وشرک کی طاغوتی طاقتوں کی سرکوبی کی تاکید کی جارہی ہے ابتداء میں حق اور باطل کا مقابلہ ذکر فرمایا گیا تو ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہی ہے کہ اہل حق اور مؤمنین کو ضروری ہے کہ کفر کی شوکت اور غلبہ پامال کرنے کے واسطے جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور کافروں سے خوب مقابلہ اور مقاتلہ کریں اور ان کی گردنیں اڑائیں اور ان مجرمین کا خون بہائیں تا آنکہ ان کی قوت اور حوصلے شکستہ ہو جائیں اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہے کافروں کے عناد اور مسلمانوں سے مقابلہ میں جو ایک طویل عرصہ تک ان کی ظالمانہ جدوجہد کا سلسلہ رہا کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ اب مسلمان ان کی یہ طاغوتی طاقتیں پامال کرنے کے لیے جہاد کریں اور جب تک لڑائی ختم نہ ہو جائے اس کے علاوہ اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہاں جب لڑائی ختم ہو جائے اور کافروں کے خون بہہ جائیں اور مسلمانوں کے سامنے عاجز ودرماندہ ہو جائیں تو پھر بے شک اختیار ہے کہ احسان کر کے بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے حاصل یہ کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور کفر کے غلبہ کو ختم کرنے کے لیے جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:۳۹) خوب قتال کیا

جائے اور اعداء اللہ کی جب تک خوب خونریزی نہ ہو جائے قتال ترک نہ کیا جائے یہاں تک کہ حق کی ہیبت اور رعب کافروں کے دلوں پر اس قدر طاری ہو جائے کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور آئندہ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں سر اُٹھانے کی ہمت بھی نہ کر سکیں۔

غزوۂ بدر کے موقعہ پر اعداء اللہ کے اثخان یعنی خوب خون ریزی اور حوصلہ شکستگی سے قبل فدیہ لینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا قبل اس کے کہ کوئی واضح حکم خداوندی نازل ہوتا بارگاہِ خداوندی سے عتاب نازل ہوا ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ (الانفال:۶۷) جس کی تفصیل سورۂ انفال میں گزر چکی ہے کہ غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے غالب آجانے کے بعد کفارِ قریش میں سے جب ستر آدمی مسلمانوں کی قید میں آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بارہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ آپؐ کے خویش و رشتہ دار ہیں اگر فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے تو ممکن ہے کہ اس احسان و نرمی سے یہ لوگ ایمان کی طرف مائل ہو جائیں اور یہ حسن سلوک ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے اور ساتھ ہی فدیہ کی وجہ سے تنگ دست اور بے سہارا مسلمانوں کی بھی کچھ اعانت ہو جائے اور یہ مال فدیہ آئندہ مسلمانوں کے لیے جنگی قوت میں اضافہ کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ آئمۃ الکفر اور کافروں کے سرغنہ اور سردار ہیں ان کی گردنیں اڑا دیجیے تا کہ کفر کی طاقت پارہ پارہ ہو جائے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی موافقت کی آنحضرت ﷺ نے اپنی طبعی رافت و مہربانی اور نرم دلی کے جذبہ سے فدیہ لے کر رہا فرمانا قبول فرما لیا تھا جس پر وہ عتابِ خداوندی نازل ہوا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ سورۂ انفال تفسیر روح المعانی ابن کثیر اور معارف القرآن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

ان آیات میں کون سی آیات کس آیت کے لیے ناسخ ہے؟ اس کی تحقیق کے لیے تفسیر احکام القرآن قاضی حصاص رحمۃ اللہ علیہ کی مراجعت فرمائیں۔

بعض ائمہ حنفیہ سے منقول ہے کہ آیت ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً﴾ سورۂ براۃ کی آیت ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾ (براۃ:۵) سے منسوخ کر دی گئی بعض روایات میں عبداللہ بن عباس اور ضحاک رضی اللہ عنہم سے بھی اس طرح نقل کی گیا لیکن اکثر ائمہ مفسرین نسخ کے قائل نہیں ہیں اس موقعہ پر ان آیات میں باہم کوئی تعارض اور مفہوم کا کوئی اختلاف نہیں اور اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی آیت کو منسوخ قرار دیا جائے ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً﴾ کا حکم جب کہ اثخان و خون ریزی کے بعد ہے تو لامحالہ یہ نوبت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ کے بعد ہی آئے گی۔

اور غزوۂ بدر میں چونکہ اس وقت تک کفر کی شوکت پامال نہ ہوئی تھی اس وجہ سے فدیہ قبول کرنا مشیت خداوندی کے مطابق نہ ہوا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شیخ الاسلام حضرت شیخ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں حق و باطل کا معرکہ تو رہتا ہی ہے جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے مقابلہ کرنا چاہیے باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا جب بڑے بڑے شریر مارے جائیں اس لیے ہنگامہ کارزار میں کسل و سستی و بزدلی اور توقف و تردد کو راہ نہ دو دشمنانِ خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو کافی خون ریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا

ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى... الخ﴾ (الانفال:٦٧) یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لیے تازیانہ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اس بات کا بھی موقعہ ملے گا کہ وہ اپنی اور مسلمانوں کی حالت کا موازنہ کریں اور جانچیں اور تعلیمات میں غور کرنے کا بھی موقعہ ملے گا اس طرح ہوسکتا ہے کہ شدہ شدہ حق وصداقت کا راستہ اختیار کرلیں یا مصلحت سمجھو تو بدون معاوضہ کے رہا کردو تو اس صورت میں ممکن ہے کہ بہت سے افراد تمہارے اس احسان سے اور خوبی اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں اور خود ہی مشرف باسلام ہو جائیں یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان قیدیوں کے عوض ان مظلوم مسلمانوں کو رہا کرایا جاسکے جو کفار کے قید و بند میں مبتلا اور ظلم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں تو یہ متعدد فوائد اس میں ہیں۔ بہرحال اسیرانِ جنگ کو ان کے وطن واپس کر دینے کی دو ہی صورتیں ہیں معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کر دینا ان میں جو صورت امام کے نزدیک اصلح ہو وہ اختیار کرسکتا ہے حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اسی طرح کی روایات موجود ہیں ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنالینا یا قتل کر دینا احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہوسکتی تھی البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (فوائد عثمانی)

اس سورت کا موضوع چونکہ مؤمنین مخلصین اور منافقین ومنکرین کے درمیان تمیز قائم کرنا اور ان کی علامات ونشانیاں اس طرح ظاہر کرنا ہے کہ اہل ایمان اور منافق کے درمیان کسی طرح کا التباس باقی نہ رہے تو اس ضمن میں اشارۃً خلافت خاصہ اور اس کے لوازم کا بھی اظہار ہو رہا ہے کیونکہ ایک طرف بیان فرمایا جا رہا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے کافروں اور اللہ کے راستہ سے روکنے والے فریق کا تو دوسری طرف ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ سے دوسرے فریق مؤمنین مخلصین کا ذکر ہے اور یہ دونوں فریق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے یہ الفاظ آیات ان کے وجود پر دلالت کر رہے ہیں آیت کا عموم اگرچہ ہر مسلمان اور کافر و منافق کو شامل ہے مگر بلحاظ نزول اشارہ اور تعریض ہے کہ یہ دونوں گروہ نزول آیت کے وقت موجود تھے اس کے بعد آیۃ مبارکہ ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے گروہ کو چاہیے کہ وہ کافروں سے جہاد وقتال کرے اور حق کی حمایت ونصرت کے واسطے مستعد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی بدولت ان کو دنیا میں مظفر ومنصور فرمائے گا اور آخرت میں نجات ومغفرت اور جنت کی بلند وبالا نعمتوں سے سرفراز فرما کر آخرت کا بھی اعزاز بخشے گا جس کے لیے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ سے فرمائی جا رہی ہے گویا واضح اعلان ہو رہا ہے کہ دُنیا میں فتح ونصرت حاصل ہوگی اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کا وعدہ پھر اس کے بعد جملہ ﴿مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ﴾ اور آیۃ ﴿زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾ کے مقابل ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سے دلالۃً سمجھ میں آیا کہ یہ مہاجرین اوّلین ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ میں ان کے اجر وثواب کا بیان ہے پھر اس کے بعد آیت ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ سے یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اگر فاسقین ومنافقین کے گروہ کو اقتدار دے دیا جائے تو فساد فی الارض اور قطع رحمی کا سلسلہ عالم میں پھیل جائے گا اس کے بالمقابل جب مؤمنین مخلصین اور صالحین کی حکومت واقتدار کا دور ہوگا تو اہل زمین امن وعافیت اور صلاح کی زندگی گزارنے لگیں گے۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے دور نے دنیا کے سامنے اس کا ثبوت پیش کر دیا منافقین ومفسدین ناکام و

ذلیل ہوئے فتوحات سے اسلام کو اللہ نے غلبہ عطا فرمایا قیصر وکسریٰ کی حکومتیں اور طاقتیں پارہ پارہ ہوگئیں اور مسلمانوں کا افلاس ان کی غربت اور ذلت عناد وخوشحالی اور غلبہ وعزت سے تبدیل ہوگئی اور جو وعدے اہل ایمان واخلاص سے کیے گئے تھے دُنیا ہی میں اس کا مشاہدہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دَور میں ہوگیا یہ تاریخی حقیقت ہر صاحب عقل انسان کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ وہ خلافتِ راشدہ کے منہاج نبوت پر ہونے پر ایمان لائے اور خلفائے راشدین کے اخلاص، ایمان وتقویٰ اور عنداللہ تعالیٰ ان کے مکرم ومشرف ہونے اور ماجور ومظفر ومنصور ہونے کو قرآنی فیصلہ سمجھے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف:۲۹) ماخوذ از افاضات حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ مراجعت فرمائیں۔ (ازالۃ الخفاء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا

اور جو لوگ منکر ہوئے ان کو لگی ٹھوکر اور کھو دیئے ان کے کیے یہ اس پر کہ انہوں نے پسند نہ رکھا

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

جو اتارا اللہ نے، پھر اکارت کر دیئے ان کے کیے کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَ

آخر کیسا ہوا ان کا جو پہلے تھے ان سے؟ اکھاڑ مارا اللہ نے ان کو اور

لِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ

منکروں کو ملتی ہیں ایسی چیزیں یہ اس پر، کہ اللہ رفیق ہے ان کا جو یقین لائے اور جو

الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع ۱۱/۵

منکر ہیں ان کا رفیق نہیں کوئی۔

## معیار نصرتِ خداوندی وغلبہ مؤمنین وخسران وہلاکت منکرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ... الیٰ ... وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱﴾

**ربط:** سابق مضمون مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی ترغیب وتشویق پر مشتمل تھا اور یہ کہ اہل حق پر یہ لازم ہے کہ باطل

کومٹانے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرڈالیں جب تک وہ فریضہ جہاد ادا نہیں کریں گے عنداللہ بری الذمہ نہ ہوسکیں گے تو اب ان آیات میں مسلمانوں کی فتح وکامیابی اور میدانِ جہاد میں ان کی ثابت قدمی کا معیار بیان فرمایا جارہا ہے۔

فرمایا اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور میدان جہاد میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا کہ اللہ کی مدد سے تمہارے قدم کبھی بھی نہیں ڈگمگائیں گے اسلام اور طاعتِ خداوندی پر بھی قائم رہو گے اور یہ عملی واعتقادی پختگی وثابت قدمی اس طرح مسلمان کی زندگی میں سرایت کرجائے گی کہ میدانِ جنگ میں جب کافروں سے مقابلہ ہوگا تو وہاں بھی مضبوط وثابت قدم رہیں گے اور اس کے برعکس جولوگ کافر ہیں ان کے واسطے منہ کے بل گرانا ذلیل ومغلوب [1] کرنا ہے اور بجائے اس کے کہ اچھے کام یا ان کی وہ کوششیں جو مسلمانوں کے خلاف ہوں کامیاب ہوں یہی فیصلہ ہے کہ ان کے کیے ہوئے کام برباد کردیئے اس وجہ سے نہ تو ان کے کوئی اچھے کام اور نیک عمل ان کے کام آئے اور نہ اس کے ساتھ جو کچھ انہوں نے اسلام اور رسول خدا ﷺ کے خلاف محنت کی تدبیریں کیں وہ کارگر ثابت ہوئیں جس کا حاصل یہی ہے کہ آخرت اور دنیا ہر لحاظ سے ان کے اعمال اور کوششیں حبط وبرباد ہوئیں اور یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ انھوں نے نفرت کی اس چیز سے جو اللہ نے نازل کی تو ظاہر ہے کہ اس کا یہی انجام ہوا کہ ان کے اعمال برباد کردیئے حالانکہ اگر یہ خیر کے کام ایمان کیساتھ کیے جاتے تو اجر وثواب کا ذریعہ ہوسکتے تھے۔

جہاد کا حکم فرمانے کے بعد ان آیات میں رب العزت نے مسلمانوں کو خدا کے دین کی مدد کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بتادیا کہ خود ان کی کامیابی وفتح کا راز یہی ہے۔

اگر مسلمان من حیث القوم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور عزت کی زندگی مطلوب ہے تو ان کو چاہیے کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رہیں اور اپنی کوششیں اسی مقصد کے واسطے وقف کردیں اسی کی برکت سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں مضبوط وثابت قدم رہیں گے اور یہی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اصل کامیابی آخرت کی ہے وہ صرف ایمان وتقویٰ پر موقوف ہے۔

تاریخ اس کی شاہد ہے دیکھ لیں تو کیا انہوں نے سفر نہیں کیا ہے زمین میں کہ دیکھ لیں کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے جب انہوں نے انکار کیا اور خدا کے رسولوں کا مقابلہ کیا تو ہلاکت وتباہی مسلط کردی اللہ نے اُن پر اور کافروں کے واسطے ان کی مثالیں ہیں جو عبرت کے واسطے کافی ہیں تو اب کفار مکہ بھی ان واقعات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرسکتے ہیں اور ابھی وقت ہے کہ وہ ہدایت قبول کرلیں اور رسول خدا ﷺ پر ایمان لے آئیں یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ مولیٰ ومددگار ہے ایمان والوں کا اور بے شک جو کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں حتیٰ کہ خود ان کے معبود اور ان کے ذرائع ووسائل بھی ان کو عذاب خداوندی سے نہ بچاسکے نہ دُنیا میں اور نہ آخرت میں۔

**فائدہ:** غزوۂ اُحد میں جب وقتی طور پر مسلمانوں کو کچھ پریشانی پیش آگئی تھی تو ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے پکارا تھا: لنا العزٰی ولا عزٰی لکم۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں آپؐ نے فرمایا: کہہ دو اللہ مولانا وَلَا مولیٰ لکم۔

---

[1] حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کردے پر یہ بھی منظور نہیں جانچنا منظور ہے سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنی اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

مقرر اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیے بھلے کام باغوں میں نیچے بہتی

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ

ان کے ندیاں اور جو منکر ہیں برتتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کھاویں

الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ

ڈھور اور آگ ہے گھر ان کا اور کتنی تھی بستیاں جو زیادہ تھیں

قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

زور میں اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکالا۔ ہم نے ان کو کھپا دیا پھر کوئی نہیں ان کا مددگار

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ

بھلا ایک جو چلتا ہے سوجھی راہ پر اپنے رب کی، برابر اس کے جس کو بھلا دکھایا اس کا بُرا کام اور

اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ

چلتے ہیں اپنے چاؤں پر احوال اس بہشت کا جو وعدہ ہے ڈر والوں کو اس میں

اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ

نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کرگیا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ

اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کو اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اُتارا ہوا

وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ

اور ان کو وہاں سب طرح کے میوے اور معافی ہے ان کے رب سے برابر اس کے جو

خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ

سدا رہتا ہے آگ میں اور پلایا ہے ان کو کھولتا پانی تو کاٹ نکلا ان کی آنتیں اور بعضے ان میں

مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ

ہیں کہ کان رکھتے تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں ان کو

اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ

جن کو علم ملا کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی یہ وہی ہیں جن کے دل پر مہر رکھی ہے اللہ نے

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ⑯ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ

اور چلے ہیں اپنی چاؤں پر اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں ان کو اور بڑھی اس سے سوجھ اور ان کو اس سے ملا

تَقْوٰىهُمْ ⑰ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ

بچ کر چلنا اب یہی راہ دیکھتے ہیں اس گھڑی کی کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک کیونکہ

جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ⑱ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ

آچکی ہیں اس کی نشانیاں سو کہاں ملے گی ان کو جب وہ آپہنچی سمجھ پکڑنی سو تو جان رکھ کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ

کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کو اور ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲ ع ۲ ۸ ۶

اور اللہ کو معلوم ہے گشت تمہاری، اور گھر تمہارا۔

## جزاء وانعامات اہل سعادت ومحرومی وبدنصیبی اہل شقاوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... اِلٰى... مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں مسلمانوں کے غلبہ وکامیابی کا ایک راز بیان فرمایا گیا اور وہ ضابطہ جس پر نصرتِ خداوندی ان کے شامل حال ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ تاریخی واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے ظاہر کر دیا گیا کہ ہمیشہ سے قانون قدرت اسی طرح چلا آ رہا ہے کہ حق کو غلبہ ہوتا ہے اور باطل اپنے جملہ مادی وسائل اور ذرائع کے ناکام ومغلوب ہوتا ہے تو اب ان آیات میں اہل مکہ پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہونے والے انعامات کا بیان ہے اور یہ کہ ان کو دُنیوی کامیابی برتری اور عزت کے علاوہ آخرت میں جنت کی بے پایاں

نعمتوں سے نوازا جائے گا اور جو قومیں شقاوت و بدبختی کا شکار ہو گئیں ان کے واسطے سوائے ذلت و ناکامی اور عذاب آخرت کے اور کچھ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ کافر کی حیات بے مقصد اور بے معنی ہے اس لحاظ سے ان کا دنیوی زندگی میں کھانا پینا مادی اسباب عیش و راحت سے تمتع بالکل حیوانوں کی طرح ہے کہ حیوان کا بھی اس دُنیوی زندگی کا کوئی مقصد حیات نہیں بس یہی دُنیا کی زندگی اس کی زندگی ہے بالکل یہی حال کفار و منکرین کا بھی ہے۔

ارشاد فرمایا جا رہا ہے بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے نیکی کے کام کیے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ دُنیا کے ساز و سامان سے نفع اٹھا رہے ہیں اور کھا رہے ہیں جیسے کہ چوپائے کھاتے ہوں کہ ان کو اس حیات دنیوی کے مابعد آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں اور سمجھتے ہی نہیں کہ یہ دُنیوی حیات کس مقصد کے لیے انسان کو دی گئی ہے اور نیز مال و دولت کی حرص بھی اچھے بُرے اور نفع نقصان میں ان کو تمیز نہیں کرنے دیتی جس طرح چوپائے تمیز نہیں کرتے کہ کیا چیز اچھی ہے اور کیا بُری بس چارہ کی حرص ہے اور ہر چیز پیٹ میں بھرے چلے جا رہے ہیں تو ٹھیک ہے چند دن مزے اڑا لیں مگر پس آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے جو ان کے واسطے گویا اسی طرح تیار کیا ہوا ہے جیسے کسی انسان کے واسطے اس کا گھر بطور ٹھکانے کے تیار کیا جاتا ہے۔

اور کتنی ہی بستیاں تھیں گزری ہوئی تاریخ میں جن کے تذکرے موجود ہیں جو زیادہ طاقت ور تھیں بہ نسبت آپ کی اس بستی کے کہ جس نے نکالا آپ کو اور آپ اس سرزمین سے ہجرت کر کے اب مدینہ منورہ جا رہے ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا پھر ان کا کوئی مددگار نہ تھا اس لیے اہل مکہ کو اپنے زور اور طاقت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے یہ قوم عاد و ثمود اور مدین والے تو بڑے ہی طاقتور تھے مالی وسائل بھی بہت تھے ہر قسم کا ساز و سامان تھا حتیٰ کہ پہاڑوں میں تراشے ہوئے محفوظ ترین مکانات تھے لیکن کیا کسی نے ان کی کوئی مدد کر لی جب عذابِ خداوندی آیا تو ایک ہی رات میں بستیاں کی بستیاں نیست و نابود ہو گئیں [1] تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح حجت اور صحیح راستہ پر ہے وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کے واسطے اس کے بُرے اعمال رچا دیئے گئے اور وہ ان ہی اعمال خبیثہ کو اچھا سمجھ رہا ہے اور وہ لوگ اپنی خواہشات پر ہی چلتے ہیں؟ ہرگز نہیں دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے ظاہر ہے کہ جو شخص نہایت ہی شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ حق و صداقت کے کشادہ راستہ پر بے روک ٹوک چل رہا ہو وہ اس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو متحیر و مبہوت و بدحواسی کے عالم میں ایک تاریک راستہ میں بھٹک رہا ہے اور ٹھوکریں کھا رہا ہے حتیٰ کہ وہ سیاہ و سفید اور نیک و بد کی بھی تمیز نہ کر سکتا ہو اور خواہشات نفس کی پیروی میں ہر بُری چیز کو بھلی سمجھ رہا ہو حال اس جنت کا جس کا تقویٰ والوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جو متغیر و بدبُودار نہیں ہوتا خواہ وہ کتنے ہی زمانہ تک رکھا رہے جس کا مزہ شہد سے زیادہ شیریں اور رنگ دودھ سے زائد سفید ہے نہ اس کے رنگ میں تغیر آتا ہے اور نہ اس کے مزے میں اور نہریں ہیں دودھ کی جس کے مزہ میں کوئی فرق نہیں آتا خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے اور نہریں ہیں شراب طہور کی جس میں لذت ہے پینے والوں کے واسطے برخلاف دُنیوی

---

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ منورہ جا رہے تھے اور مکہ سے نکلتے وقت آپ نے چہرہ انور مکہ کی آبادی یعنی بیت اللہ کی طرف کیا اور فرمایا اے سرزمین مکہ تو مجھے کس قدر محبوب ہے خدا کی قسم اگر مجھ کو نکلنے پر مجبور نہ کرتی تو میں ہرگز نہ نکلتا۔ ۱۲

شرابوں کے کہ نہ ان میں کوئی لذت نہ مزہ نہ فرحت بلکہ بدبوگندگی اور قلب کی بے چینی اور دماغ کی مدہوشی اور جسمانی امراض کے سوا ان میں کچھ نہیں [1] اور نہریں ہیں شہد کی جو چھاگ سے صاف کیا ہوا ہو جس میں تکدر کا تو کیا شائبہ ہو اس میں چھاگ تک بھی نہ ہوگا بلور کی طرح صاف اور چمکدار ہوگا۔

اور غرض ان کے واسطے اس جنت میں ہر قسم کے پھل ہوں گے کہ لطیف مشروبات کے لطف وسرور کے ساتھ ماکولات میں بھی مفرح اور لذیز پھل ہوں گے اور ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ کہ مغفرت ومعافی ہوگی ان کے رب کی طرف سے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے بھی قلب کو اطمینان ہو جائے گا کہ اب آئندہ کسی بات پر پروردگار کی طرف سے عتاب وعقاب نہ ہوگا ورنہ تو انسان کو ہر نعمت کے ہوتے ہوئے بھی نعمتوں کے زوال اور مصیبت کے نزول کا تصور فکر وغم کا موجب ہوتا ہے جس سے اہل جنت مامون کر دیئے جائیں گے حق تعالیٰ کی طرف سے اعلان معافی اور اعلان خوشنودی فرما دینے کی وجہ سے ﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ:۷۲) تو کیا یہ ایمان وتقویٰ والے جن کو ایسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا جائے گا اس شخص کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے آگ میں ہو اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو بھی کاٹ ڈالے۔ (اعاذنا اللہ منہ) یقیناً دونوں گروہ برابر نہیں ہر عقل والا سمجھ سکتا ہے بس اسی طرح اہل ایمان اور منکر بھی برابر نہیں اہل ایمان وتقویٰ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سرشار ہوں گے اور منکرین وکفار آلام ومصائب اور نار جہنم میں مبتلا ہوں گے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد حکیم بن معاویہ عن ابیہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے بیشک جنت میں پانی کے سمندر کے ساتھ ایک سمندر دودھ کا ہے اور ایک شہد اور ایک شراب طہور کا جن سے نہریں نکل رہی ہیں۔

اور ایک حدیث میں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اے لوگو! جب تم اللہ سے جنت کے لیے دُعا مانگو تو فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ فردوس جنت کا درمیانی اور اعلیٰ ترین مقام ہے جس سے تمام نہریں جنت کی بہہ رہی ہیں اور اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے۔

بہر حال اہل ایمان وتقویٰ یقین وتوجہ کے ساتھ ان باتوں کو سن کر وحی الٰہی اور تعلیمات نبویہ کے آثار قبول کرتے ہیں اور روحانی ہدایات ومعارف سے اپنے قلوب کو منور اور اپنی زندگیوں کو مزین بناتے ہیں اس کے بالمقابل ایک گروہ منافقین کا ہے جن کا یہ حال ہے اور بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ جو کان لگاتے ہیں اے ہمارے پیغمبر آپ کی طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو کہتے ہیں ان لوگوں سے جن کو علم دیا گیا اور وہ علم ورشد کے باعث ایمان سے مشرف ہوئے یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا ہے یہ بات جو ابھی آپ نے کہی ہے اس ارشاد فرمائے ہوئے قول کی تحقیر وتنقیص کرتے ہوئے کہ یہ بھی کوئی ہم تو نہیں سمجھ سکے کیا کہا ہے تاکہ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سننے والے ان سے متاثر نہ ہوں بلکہ جو تاثر ان پر ہوا ہو اس کو بھی تذبذب کی کیفیت میں بدل ڈالیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور جب دلوں پر مہر لگ گئی تو اب کہاں ان کو سمجھ اور ہدایت نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی خدا تعالیٰ ان کی ہدایت میں اور اضافہ کرتا ہے اور خدا نے ان کو تقویٰ عطا کیا ہے اس وجہ سے جب بھی وہ پیغمبر خدا کا ارشاد سنتے ہیں ان کے ایمان وتقویٰ

---

[1] اس کا ثبوت شراب کے اثرات کے تجزیہ وتحقیق سے واضح طور پر موجود ہے اور یورپ کے لوگ جو شراب میں بدمست رہتے ہیں ان کی صورت وشکل اور حالت اس کا شاہد ہیں۔ ۱۲

میں اضافہ ہوتا ہے اور منافقین جب بھی اس طرح کی کوئی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ایمان واعتقاد کو کوئی ٹھیس پہنچے خدا تعالیٰ اس کے برعکس ان کے نور ایمان وتقویٰ میں اور زیادتی ہی فرماتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کو سن کر ہر منافق ومنکر کو اپنے نفاق وکفر اور اسلام کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں کے ساتھ ریشہ ودانیوں سے باز آجانا چاہیے بلکہ دلائل وحقائق کی روشنی میں ان لوگوں کو حق وہدایت قبول کر لینا چاہیے مگر پھر افسوس ان کے نفاق وکفر میں نہ کوئی کمی ہے اور نہ ہی اس سے رجوع کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں تو پھر کیا یہ صرف قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ناگہاں ان پر آجائے ایسے منکروں کو قیامت دور نہ سمجھنی چاہیے اور نہ اس کا ذکر سن کر مذاق اڑانا چاہیے۔ پس حقیقت تو یہ ہے کہ قیامت کی نشانیاں تو آچکی ہیں پھر بھی یہ لوگ نہ باز آتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔

تو کہاں سودمند ہوگا ان کا نصیحت قبول کرنا جب کہ قیامت ان پر آ ہی جائے گی اس وقت تو توبہ کے سب دروازے بند ہو چکے ہوں گے نہ تو کوئی توبہ قبول ہوگی نہ کوئی معذرت سنی جائے گی اور نہ ہی کسی کا ایمان قبول ہوگا جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ میں یہ قانون واضح فرما دیا گیا: ﴿يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام:۱۵۸) کیونکہ قیامت کے قریب علامت مثلاً طلوع الشّمس من المغرب سے نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا اور عالم غیب نظروں کے سامنے مشاہد ہونے لگے گا تو پھر ایمان بالغیب ہی نہ رہے گا اور ایمان تو وہی ہے جو بالغیب ہو۔

بہرکیف ✿1 یہ پیغام توحید اور دعوت ایمان منکرین وکفار سنیں یا نہ سنیں، مانیں یا نہ مانیں اے ہمارے پیغمبر! آپ جان لیجیے یہ بات کہ یقیناً وہ خدا تنہا ایک ہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ✿2 جیسا کہ آپ جانتے ہیں اسی پر قائم رہیے اور استغفار کرتے رہیے اپنی تقصیر ولغزش کے لیے اور تمام ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیے اور اللہ کو معلوم ہے تمہارا لوٹنا پلٹنا چلنا پھرنا اور تمہارا ٹھکانہ تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور نہ کسی کا انجام اور ٹھکانہ کہ آخرت میں کیا ہے وہ بھی اس سے مخفی نہیں اس لیے نہ تو اہل ایمان کو مایوس ہونا چاہیے اور نہ کفار پر عالم دُنیا میں عذاب کی تاخیر سے پریشان ہونا چاہیے اور نہ ہی یہ سمجھنا چاہیے کہ جس مغلوبی اور مظلومی کے دَور سے مسلمان آج گزر رہے ہیں وہ کبھی بدلے گا نہیں یہ سب باتیں اللہ کے علم محیط وازلی میں ہیں غرض عارضی اور وقتی احوال کو مستقل نہ سمجھنا چاہیے۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امر بالا استغفار کی حقیقت

آیت مبارکہ ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ میں استغفار کا حکم مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تو اس صورت میں ''ذنب'' سے مراد امر خداوندی کی خلاف ورزی اور نافرمانی جیسی کوئی چیز ہرگز ممکن نہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ دین کے اصول مسلّم میں سے ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل کے ساتھ کلام فرمایا ہے اس وجہ سے لامحالہ لفظ ''ذنب'' سے مراد کوتاہی اور کمی یا منشاء خداوندی کی کسی اجتہادی

---

✿1 ''بہرکیف'' فاعلم میں جو ''فا'' ہے اس کا ترجمہ کیا گیا۔ ۱۲

✿2 بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ خطاب عام ہے اور بعض کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے تو یہ الفاظ جیسا کہ آپ جانتے ہیں اسی قول کے پیش نظر ہیں یہ علم اگرچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے تھا لیکن مقصود اس کے مقتضاء پر عمل کی تلقین وتاکید ہے۔

مسئلہ میں پوری پوری مطابقت کا نہ ہونا سمجھا جائے گا قانون ہے حسنات الابرار سیئات المقربین کے عام نیکوں کے حسنات ونیکیاں بارگاہِ خداوندی کے مقربین کے حق میں خطاو تقصیر ہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہر لحظہ مدارج کی ترقی اور بلندی کا ہوتا ہے اور ہر آنے والی گھڑی گذشتہ گھڑی کی نسبت عظمت و بلندی کے مقام پر پہنچانے والی ہوتی تھی اور آپ ﷺ کے قلب و ذہن میں جن مدارج و مقامات کی آرزو ہوتی تھی ان تک آپ ﷺ کا اپنے تخیل کے لحاظ سے یہ محسوس کرنا کہ نہیں عروج ہوا تقصیر کا درجہ ہے جس کو ذنب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس پر گویا یہ حکم ہے اور اسی کی تعمیل میں آپ کا یہ دستور العمل تھا جس کو ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنّی [1] لاستغفر الله كل يومٍ مأة مرة کہ ہر روز میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں سو مرتبہ (مسند احمد بن حنبل جامع ترمذی)

امام مسلم، ابوداؤد و نسائی نے اغر مُزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انه ليغان قلبی وانی لا ستغفر الله كل يومٍ مأه مرة)) کہ میرے قلب پر ایک قسم کی رکاوٹ یا تکدر محسوس ہوتا ہے اور البتہ میں اللہ رب العزت سے استغفار کرتا ہوں ہر روز ایک سو مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: جب بھی میں صبح کرتا ہوں تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ میں سو مرتبہ استغفار نہ کرلوں معلوم ہوا کہ کل یوم سے ہر دن کی صبح کے وقت اس کی پابندی مراد ہے وگرنہ آپ ﷺ کی تو ایک ایک مجلس میں ایک ہی دن میں متعدد بار ایک سو مرتبہ سے زائد استغفار کی تعداد ہو جاتی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک ہی نشست میں آپ ﷺ کے استغفار شمار کرتے تو سو مرتبہ سے زائد ہو جاتا تھا۔ اور یہ جو رکاوٹ یا مراتب عالیہ کی عروج و بلندی میں کمی کا ذکر حدیث میں وارد ہوا اس کی حقیقت یہ معلوم ہوئی ہے کہ پیغمبر خدا کی ظاہر اشتغال کے لحاظ سے دو جانبیں ہیں ایک اشتغال الی الحق اور دوسری جانب اشتغال مع الخلق ہے اگرچہ آپ ﷺ کا اشتغال مع الخلق بھی جو کہ امت کی تعلیم و تربیت کی صورت میں ہے اللہ ہی کے لیے ہے لیکن صورۃً اشتغال مع الخلق سے بظاہر تعطل نظر آتا ہے تو اسی کو آپ ﷺ تقصیر و کوتاہی فرما رہے ہیں اور اسی پر سلسلہ استغفار ہے اور یہی وہ ہے جس کو ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ میں فرمایا گیا۔

| |
|---|
| وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ |
| اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اُتری ایک سورت پھر جب اُتری ایک سُورت |
| مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ |
| جانچی ہوئی اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تُو دیکھتا ہے جن کے دلوں میں روگ ہے |
| يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ ﴿۲۰﴾ |
| تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بیہوش پڑا مرنے کے وقت سو خرابی ہے ان کی |

[1] مسند احمد بن حنبلؒ، جامع ترمذی، صحیح مسلم، سنن نسائی۔

طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۙ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۙ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے،

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي

تو ان کا بھلا ہو پھر تم سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت ہو کہ خرابی ڈالو

الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ

ملک میں، اور توڑو اپنے ناتے ایسے لوگ وہی ہیں جن کو پھٹکار اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرے،

وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ

اور اندھی ان کی آنکھیں کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں

اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

اُن کے قفل؟ جو لوگ اُلٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر پیچھے اس سے کہ کھل چکی

لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ان پر راہ شیطان نے بات بنائی ان کے دل میں اور دیر کے وعدے دیئے یہ اس واسطے کہ انہوں نے

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۖۚ

کہا ان سے جو بیزار ہیں اللہ کے اُتارے سے ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کام میں

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ

اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا پھر کیسا ہو گا؟ جب کہ فرشتے جان نکالیں گے ان کی مارتے جاتے ہیں

وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ

ان کے منہ پر اور پیٹھ پر یہ اس پر کہ وہ چلے اس راہ جس سے اللہ بیزار،

وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع ۳ ۹ ۷

اور نہ پسند کی اس کی خوشی، پھر اس نے اکارت کر دیئے ان کے کیے۔

# جذبہ ایمان واخلاص مؤمنین وشناعت اعتقاد وعمل منافقین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ... الیٰ ... فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۲۸﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں سعادت منداور اہل ایمان اوران کی مقبولیت عنداللہ کا ذکر تھا اور یہ کہ مجرمین کا انجام ہلاکت اور دین ودُنیا کی ذلت ورسوائی کے علاوہ کچھ نہیں تو اب ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ مؤمنین مخلصین کا جذبہ کس قدر پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اللہ کا دین قائم کرنے کے لیے کس طرح جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں مگر اس کے برعکس منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے وہ کس کس طرح دین اور احکام دین کی پیروی کرنے سے گریز کرتے ہیں ایسے لوگوں کی بداعمالیوں اور فساد فی الارض کو بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا پھر اعادہ کیا گیا انسانی سعادت اور کامیابی خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی فرمانبرداری میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتاری گئی ایک سورت خاص طور سے جس میں جہاد کی اجازت دے دی جائے اور احکام جہاد کی تفصیل بیان کردی جائے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد کی فرضیت سے قبل اس کی تمنا اور طلب میں تھے جس کے لیے سب سے پہلے ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ (الحج:۳۹) نازل کی گئی یہ تو جذبہ اہل ایمان کا تھا لیکن پھر جب نازل کی گئی ایک سورت جانچی ہوئی جو اپنے ٹھیک وقت پر اتاری گئی اور جس میں جچے تلے احکام تھے اور اس میں ذکر ہوا قتال کا تو اے ہمارے پیغمبر! آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے تو وہ حیرانی اور بدحواسی کے عالم میں آپ کی طرف دیکھتے ہیں اس شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت کا وقت کی غشی طاری ہوئی ہو کہ خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی بے رونق آنکھوں سے دیکھتا ہے جیسے کہ مرتے وقت انسان کی آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے پس ہلاکت وبربادی ہے ان کے واسطے جو نفاق اور ضعف ایمان کی وجہ سے اسی طرح کی کیفیات میں مبتلا ہیں حکم ماننا اور بھلی بات کہنا ہی سعادت ونجات ہے پھر جب معاملہ پختہ ہو جائے اور جہاد کے لیے قدم اٹھانا ضروری ہو جائے تو کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ فرمانبرداری واطاعت کا جو زبان سے اظہار کیا جارہا ہے اس کی تکمیل عملاً کریں یہی ان کے قول وقرار کی عملی تصدیق ہوگی [1] تو اگر وہ سچے رہتے اللہ کے ساتھ اپنے وعدوں اور اقرار میں تو ان کے حق میں بہتر ہوتا تو اے وہ لوگو! جو دل کی بیماری نفاق اور گندگی میں مبتلا ہونے کے باعث جہاد کی فرضیت کا حکم نازل ہوتے ہی اپنے اوپر موت کی سی گھٹن اور بدحواسی محسوس کرنے لگے ہو کیا یہ بات متوقع نہیں ہے کہ اگر تم جہاد سے روگردانی کرو تو پھر نوبت یہ آجائے گی کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور قطع رحیمی کرو گے کہ قرابتوں کو پامال کر کے اور ان

---

[1] علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے ﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ﴾ میں اذا کا جواب ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ﴾ ہے اس تقدیر پر مراد یہ ہوگی کہ جہاد کے حکم وتاکید اور مرحلہ جہاد کے سامنے آجانے پر اگر یہ لوگ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو بہتر تھا اور بعض آئمہ نحاۃ وعربیہ کی رائے یہ ہے کہ ﴿فَاِذَا عَزَمَ﴾ کا جواب محذوف ہے اور وہ ﴿كَرِهُوْا﴾ وغیرہ جیسا مضمون ہے یعنی جہاد کے حکم اور اس کی نوبت آنے پر دل سے اس کو ناگوار سمجھنے لگے اور پہلوتہی کرنے لگے جیسے کہ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ اور فرمایا: ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ تفسیر سورۂ نساء میں گزر چکی ۱۲۔

کی حق تلفی کر کے نظام عالم کو تباہ و برباد کر دو گے یہ لوگ یقیناً ایسے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اس طرح ✿ کہ ان کو بہرا کر دیا حق کے سننے سے اور اندھا کر دیا ہے حقائق کے مشاہدے سے ان کی آنکھوں کو اس وجہ سے نہ تو کوئی حق کی بات سننے کی توفیق ہو سکتی ہے اور نہ ہی حق اور دلائل و آیات کا مشاہدہ ممکن ہے اور یہی وہ ذرائع اور راستے ہیں جن سے انسان سعادت اور حق قبول کیا کرتا ہے اور ظاہر ہے حق تعالیٰ نے جو حواس انسان کو اسی غرض سے عطا کیے ہیں وہ ان کو کام میں لاتے اگر وہ ان کی اپنی بدنصیبی سے معطل کر دے تو یقیناً خدا کی رحمت سے دور ہو گا رحمتِ خداوندی کا مستحق انسان تو وہی ہے جو ہدایت اور حق قبول کرے۔ انسان کو اللہ نے جس طرح ظاہری بینائی اور بصارت عطا کی ہے اس کو قلب کی بینائی اور بصیرت بھی عطا کی ہے اور عقل و فکر سے نوازا ہے۔

تو ایسے لوگ کیوں نہیں غور و فکر کرتے قرآن میں غور فکر نہیں کرتے یا دلوں پر لگے ہوئے ہیں ان کے قفل کہ ان کی بداعمالیوں اور غفلت کی وجہ سے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا بے شک جو لوگ الٹے پھر گئے ہیں اپنی پیٹھ پر بجائے اس کے کہ حق و ہدایت کی طرف بڑھیں اور پیش قدمی کریں وہ پھر پشت کی طرف اُلٹے جاہلیت و کفر ہی کی جانب لوٹ رہے ہیں بعد اس کے کہ ان کو سیدھا راستہ واضح ہو چکا حقیقت یہ ہے شیطان نے ان کے واسطے گمراہی رچا دی ہے ✿ ان کے دلوں میں اور دور کی باتیں سمجھائیں کہ جہاد میں جانے سے تو ہو سکتا ہے جلد مر جائیں اور اگر نہ گئے تو دیر تک زندہ رہیں گے خواہ مخواہ جہاد میں جا کر مر جانے سے کیا فائدہ دور دراز کی باتیں اور اُمیدیں بھی دل میں رچائیں اور دھوکہ میں ڈال جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (الاسراء: ۶۴) یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کی نازل کی ہوئی چیز سے نفرت کرتے تھے کہا یعنی یہودیوں سے ہم تمہاری اطاعت کریں گے بعضے کاموں میں اگرچہ ہم نے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہم درحقیقت ان کے ساتھ نہیں بلکہ دل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری موافقت و اطاعت کریں گے اگر مسلمان تم پر حملہ کریں گے تو ہم اس وجہ سے کہ ظاہر میں مسلمان ہیں یہ نہیں ہو گا کہ ان کا ساتھ دیتے ہوئے تم سے لڑیں بلکہ ایسی صورت میں کہ تم مسلمانوں سے مقابلہ کرو ہم تمہارا ساتھ دیں گے منافقین یہ باتیں کہہ رہے ہیں اور اللہ ان کے یہ خفیہ مشورے جانتا ہے یہ منافقین ان خفیہ معاہدوں اور رازدارانہ مشوروں کو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی کسی کو خبر نہیں یہ غلط ہے خدا جانتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی معاندانہ باتیں اور حاسدانہ مکاریاں خدا کو معلوم ہیں اور عنقریب ان کے مکر و فریب کے تمام حربے طشت از بام کر دے گا اور یہ لوگ اپنی ان منافقانہ سازشوں کی سزا اور عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو پھر یہ سوچ لیں کہ کیا حال ہو گا جب کہ فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور مارتے جا رہے ہوں گے ان کے مونہوں ✿ اور پیٹھ پر تو اس وقت

---

✿ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ فاتصویر کے معنی ہے نہ کہ تعقیب کے لیے کیونکہ ان لوگوں کا اندھا اور بہرا ہونا مقدم ہے ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ سے بلکہ ملعون ہونا ان احوال پر مرتب ہے۔ ۱۲

✿ ﴿اَلشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ میں شیطان کی طرف دو باتوں کی نسبت کی گئی ایک تسویل اور دوسرے املاء تسویل کے معنی مزین کر دینے اور رچا دینے کے ہیں یعنی شیطان نے بُرے اور قابل نفرت کاموں کو مزین کر کے ان کے دلوں میں پسندیدہ اور قابل رغبت بنا دیا مراد یہ کہ ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور اُمیدوں میں اُلجھا دیا کہ ان کے پورے ہونے کی اُمید نہیں۔

✿ جیسے کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ یوں تو کفار کی ارواح کے قبض کے وقت جسم کا ایک ایک حصہ کرب و عذاب میں مبتلا ہو گا لیکن اس وجہ سے کہ منافقین نے مونہہ سے جھوٹ بولا تھا مونہوں پر مار پڑتی ہو گی اور اللہ کی اطاعت سے پیٹھ پھیری تھی تو پشت پر فرشتے گرز مارتے ہوں گے۔ ۱۲

نفاق کا مزہ خوب چکھیں گے یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس نے اللہ کو ناراض کیا اور خدا اس سے بیزار ہے اور پسند نہ کی انہوں نے اللہ کی رضا مندی تو ان کے سارے کام اکارت کر ڈالے اور جو تدبیریں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی تھیں وہ بھی برباد ہوئیں اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اس طرح دنیا میں تباہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کو بھی اپنے اوپر مسلط کرلیا۔

## اقتدار و حکومت ایمان و اخلاص کے بغیر فساد عالم کا باعث ہے

**فائدہ:** آیت مبارکہ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ میں لفظ تولی کا ترجمہ روگردانی سے کیا گیا ہے جیسا کہ بعض آئمہ مفسرین کرام یہی مفہوم ذکر کرتے ہیں تو اعراض و روگردانی کے معنی لینے کی صورت میں ﴿اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد سے اعراض و روگردانی کرو گے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے گا اور عدل و انصاف قائم نہ رہ سکے گا بلکہ ظلم و استبداد اور حق تلفی و قطع رحمی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اس سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ درحقیقت دنیا میں قیام امن اور تحفظ حقوق کا ذریعہ ہے اس لیے کہ حقوق انسانی کا تحفظ صرف اللہ کے قانون میں ہے اور جہاد اعلاء کلمۃ اللہ اور دین خداوندی کے قائم کرنے ہی کے واسطے ہوتا ہے اس کے برعکس کفر ہر قسم کی بدامنی ظلم و حق تلفی کا باعث ہے اور آج کی دُنیا میں یہ بات مشاہدہ اور تجربہ میں بخوبی آ چکی ہے دنیا کے امن و سکون کو تباہ کرنے والی ایٹمی طاقتیں سرزمین کفر ہی سے تمام عالم میں پھیل رہی ہیں اور اس امر کا اعتراف ہر صاحب عقل کرنے پر مجبور ہے کہ کفر ہی درحقیقت تمام فتنوں کا سرچشمہ اور امن عالم کو تباہ کرنے والا ہے ایک طرف کفر فساد عالم کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف حق تلفی اور ظلم و استبداد کا بھی باعث ہے بعض آئمہ مفسرین نے ﴿اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ کا ترجمہ ولایت سے مشتق قرار دیتے ہوئے حکومت و ولایت کے حاصل کرنے کا کیا ہے یعنی ''اگر تم کو حکومت مل جائے'' حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار فرمایا تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ایسے منافقین جن کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ سے بھی کوئی بات سچی نہیں کرتے اگر حکومت و اقتدار حاصل کرلیں تو انجام یہ ہوگا امن عالم کو تباہ کر دیں گے اور لوگوں کے حقوق پامال کرتے ہوئے قطع رحمی کرنے لگیں گے حکومت و اقتدار کا نشہ بالعموم اعتدال و انصاف کی راہ سے بھٹکا دیتا ہے دنیا کی حرص، جاہ و مال، نفس پرستی، اغراض و خواہشات کی پیروی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ فتنے اور ہنگامے پھیلتے ہیں باہمی تعلقات انس و محبت اور اخوت کی فضا قطعاً ختم ہو جاتی ہے ان تمام بُرائیوں سے بچانے والی قوت ایمان و اخلاص ہے اس لیے اگر حکومت و اقتدار ان برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے تو وہ ایمان و اخلاص ہی کی وجہ سے ممکن ہوگا ورنہ منافق قسم کے لوگوں کا اقتدار و حکومت عالم کی تباہی ہی کا موجب ہوگی۔ ❶

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ میں یہی ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ فساد فی الارض اور قطع علائق مخلوق خدا کو خدا کی رحمت سے دُور اور محروم کر دینے والی ہے۔

---

❶ ملاحظہ فرمائیں روح المعانی تفسیر قرطبی اور ابن کثیر ۱۲ منہ۔

## صلہ رحمی کی تاکید اور معاشرہ میں اس کے آثار و برکات

تفسیر کے سابق حصوں میں صلی رحمی کے بارہ میں تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے صلی رحمی حقوق قرابت کے ادا کرنے کا نام ہے قطع رحمی کرنے والے کتاب اللہ میں بدترین مجرم قرار دیئے گئے اور صلہ رحمی اور حقوق قرابت ادا کرنے والوں کو مفلحین فائزین میں شمار فرمایا گیا۔

لفظ ''رحم'' وضع لغت کے لحاظ سے ماں کے پیٹ میں بچہ کے مقام تخلیق کو کہتے ہیں کیونکہ تمام رشتوں اور قرابتوں کا اصل منشاء یہی ہے اس وجہ سے رحم قرابت کا نام ہوا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [1] کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اس کو اپنے قریب کروں گا اور جو شخص قطع رحمی کرے گا میں اس کو اپنے سے قطع اور جدا کروں گا۔"

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ میں رحمٰن و رحیم ہوں رحم (قرابت) کو میں نے اپنے نام میں سے نکالا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی آخرت کی سزا کے علاوہ دُنیا میں بھی اس کی سزا جلد از جلد دیتا ہو [2] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے اور صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی عزیز و قریب قرابت کا لحاظ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہی حق قرابت کی ادائیگی کا معاملہ کیا جائے گا بلکہ صلہ رحمی کی حقیقت وہ ہے جس کو فرمایا گیا:

لیس الواصل بالمکافیء ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه و صلها.

یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو مکافات اور بدلہ کا معاملہ کر رہا ہو۔ حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا تو وہ شخص ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع تعلق اور حقوق قرابت کی پامالی کا معاملہ کیا جائے تو یہ صلہ رحمی کرے اور اپنے اوپر جو حق قرابت عائد ہے اس کو ادا کرتا رہے۔

ظاہر ہے کہ معاشرہ میں اگر یہ خوبی عملی طور پر پھیل جائے کہ ہر شخص اپنے حقوق کی وصولی اور مطالبہ کے جذبات و جدوجہد سے بے نیاز ہو کر صرف اسی کی فکر میں لگ جائے کہ مجھ پر جو حقوق دوسروں کے عائد ہیں جس طرح ممکن ہو اور جو بھی کچھ ہو ادا کروں گا تو بلاشبہ یہ طرز زندگی انسانی حیات کو اطمینان و راحت اور سکون و عافیت کا گہوارہ بنا دے گا۔

---

[1] ابن کثیر۔ جامع ترمذی ابوداؤد۔ ۱۲

[2] ابن کثیر۔ ۱۲

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ

کیا خیال رکھتے ہیں؟ جن کے دل میں روگ ہے کہ اللہ نہ کھولے گا

اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ

ان کے جیوں کے بیر اور اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھاویں ان کو، سو پہچان تو چکا ہے تو ان کے چہرے سے

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

اور آگے پہچان لے گا بات کے ڈھب سے اور اللہ کو معلوم ہیں تمہارے کام اور البتہ تم کو جانچیں گے

حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

تامعلوم کریں جو تم میں لڑائی والے ہیں اور ٹھہرنے والے اور تحقیق کریں تمہاری خبریں

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے اور خلاف ہوئے رسول سے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ

پیچھے اس کے کہ کھل چکی ان پر راہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دے گا

اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

ان کے کیے اے ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے

وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اور ضائع مت کرو اپنے کیے۔

## تہدید وتحذیر باظہار مکر وتدابیر منافقین ودشمنان اسلام ومساعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ... الیٰ ... وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾﴾

**ربط**: گذشتہ آیات میں جہاد کے حکم پر منافقین کے بیہودہ رویہ اور طرز عمل کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں ان کو مخاطب کرتے ہوئے تنبیہ کی جارہی ہے اور آگاہ کیا جارہا ہے کہ اللہ ربّ العزت سے ان کی کوئی بھی بات مخفی نہیں ہے اللہ جب چاہے ان کے راز فاش کرسکتا ہے

ان کے نام ان کی علامات اور نشانیوں کے ذریعے سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کرسکتا ہے کہ یہ لوگ منافق اور اسلام و مسلمانوں کے دشمن ہیں ساتھ ہی اہل ایمان کو اس پر متوجہ کیا جارہا ہے کہ دشمنانِ اسلام کے اس رویہ اور طرزِ عمل سے نہ گھبرائیں بلکہ اس کو ایک طرح سے جہاد کا مرحلہ سمجھتے ہوئے ہمت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کریں اور صبر استقامت اختیار کریں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں لگے رہیں اسی میں کامیابی ہے ارشاد فرمایا:

کیا گمان کرلیا ہے ان لوگوں نے جنکے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہیں کرے گا ان کے کینے اور دل میں چھپے ہوئے وہ جذبات حسد و عناد جو مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں بھرے ہوئے ہیں ان کو ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیے بلکہ ان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے کہ سارے مکائد اور راز بہت جلد طشت از بام کردیئے جائیں گے اور امتحان و آزمائش کی ایسی بھٹی میں ان کو ڈالے گا کہ کھرا اور کھوٹا الگ ہوجائے گا اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھلا دیں وہ لوگ اور ان منافقین کو نام بنام آپ کے سامنے ظاہر کردیا جائے لیکن حکمت خداوندی یہ نہیں کہ سب منافقوں کو باشخاصہم آپ ﷺ کو دکھلا دیا جائے ویسے * تو آپ ان کو پہچان چکے ہیں ان کے چہروں کی نشانیوں سے اور آئندہ پہچانیں گے ان کی گفتگو کے انداز سے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے اعمال، انسانوں کی نظروں سے تمہارے اعمال چھپ سکتے ہیں مگر اللہ سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں خواہ کتنے ہی پردوں میں وہ کام کیا جائے اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم معلوم کرلیں دیکھ لیں اور دنیا کی نظروں میں بھی یہ بات لے آئیں کہ کون لوگ تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور تم میں سے کون صابر اور ثابت قدم رہنے والے ہیں اور خوب جانچ لیں ہم تمہاری خبریں تاکہ ہر ایک کے ایمان و انقیاد اور اطاعت و فرمانبرداری کا حال عملی طور سے ظاہر ہوجائے۔

بے شک جو لوگ منکر ہیں اور انہوں نے اللہ کی راہ سے دوسروں کو بھی روکا اور مخالفت کی اللہ کے رسول کی۔ بعد اس کے کہ ظاہر ہوچکی ہدایت اور سیدھی راہ ان پر تو ایسے لوگ ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور ضائع کردے گا اللہ ان کے سب کام اور ان کی وہ تمام تر کوششیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کریں گے وہ سب کوششیں بے کار ہوں گی اور اس سلسلہ میں جو وہ نام و نمود کے طور پر کچھ بہتر کام کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی برباد کردے گا اس لیے اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور فرمانبرداری کرو اس کے رسول ﷺ کی اور اپنے اعمال باطل نہ کرو کسی قسم کی ریاء اور باطنی کھوٹ کی وجہ سے۔

## نفاق کے آثار کا چہرہ اور لب ولہجہ سے نمایاں ہونا

منافقین کا ذکر کرتے ہوئے ان آیات میں یہ فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہیں تو آپ ﷺ کو ان کے چہرے دکھا دیں اور معین اشخاص کے ساتھ ان کے سامنے آپ ﷺ کو کردیں مگر یہ بات حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے اس وجہ سے صرف اتنی ہی بات پر اکتفاء کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ ان کے باطنی نفاق کے آثار و نشانات ان کے ظاہری اعمال اور احوال میں جانچیں۔ چنانچہ جب بھی اس حیثیت سے

---

* لفظ ''ویسے تو'' ﴿ فَلَعَرَفْتَهُمْ ﴾ میں حرف ''فا'' کا ترجمہ ہے فا چونکہ تعقیب کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور یہاں بھی جس معرفت کا ذکر ہورہا ہے وہ ایسی معرفت اور پہچان ہے جو حاصل ہوچکی اس بناء پر ''ویسے تو'' کا عنوان محاورہ کی رو سے اختیار کیا۔ ۱۲

دیکھا جائے گا تو وہ پہچان لیے جائیں گے اللہ رب العزت نے مؤمن کو نور فراست عطا کیا ہے وہ لب ولہجہ اور طرز گفتگو سے پہچان لے گا مخلص ومنافق کی بات اور عمل کا رنگ ڈھنگ مختلف ہوتا ہے بعض روایات سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور ﷺ کو بعض منافقین کے نام سے آگاہ کر دیا تھا اور جس وقت آپ ﷺ کو ان کے ناموں سے آگاہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کو اسی وقت نام بنام اپنی مجلس سے پکار کر اٹھا دیا بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کچھ منافقین کے نام بتا دیئے اور اسی وجہ سے بعض دفعہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے راستہ میں جب کبھی ملتے تو قسم دے کر پوچھتے کہ تمہیں خدا کی قسم، بتا دو کہیں ہمارا نام تو رسول اللہ ﷺ نے منافقین میں نہیں ذکر فرمایا۔

الغرض ابتداء میں تو شخصی طور پر منافقین کو ظاہر و معین نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہی بتایا گیا تھا ﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ لیکن تفسیر درمنثور کی ایک روایت سے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے معلوم ہوا کہ بعد میں کچھ منافقین کے نام اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بتا دیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ثم دَلّ الله تعالیٰ النبی ﷺ بعد علی المنافقین فکان یَدعوُا باسم الرّجل من اهل النفاق کہ بعد میں اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو جب منافقین بتا دیئے تو آپ ﷺ منافقین میں کسی کا نام لے کر بعنوان منافق پکارا کرتے۔

اور تفسیر روح المعانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ((کَانَ علیه السّلام یعرفهم بسیماهم)) یعنی نبی کریم ﷺ ان کی نشانی سے ان کو پہچان لیتے تھے یہاں اس آیت میں ایک پہچان تو سابق بتائی ﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ﴾ اور ایک معرفت و پہچان مستقبل کے بارہ میں فرمائی گئی ﴿فَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ کہ لب ولہجہ سے پہچان لیں گے ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں سابق پہچان باطن کے نفاق کا اثر ظاہر میں محسوس ہونا ایک امر ظنی کے درجہ کی چیز ہے اور لحن القول ایک حسّی مشاہدہ ہے۔

اور رہا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نام بنام منافقین کا بتا دینا تو وہ اشخاص معینہ کی حیثیت سے تھا جن کو گویا بارگاہِ رب العالمین سے طے کر دیا گیا تھا کہ یہ منافق ہیں ان کے علاوہ باقی منافقین کے بارہ میں یہ فرما دیا گیا کہ آپ ﷺ ان کو ان کے لب ولہجہ سے پہچان لیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَ اَنْتُمُ

تو ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ سو تم بودے نہ ہوئے جاؤ اور پکارنے لگو صلح اور تم ہی رہو گے

الْاَعْلَوْنَ ۚ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ

الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ

تو کھیل ہے اور تماشا اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ چلو گے دے گا تم کو تمہارے نیگ، اور

لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ

نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تنگ کرے، تو بخیل ہو جاؤ اور

يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ

کھول دے تمہارے دل کی خفگیاں سنتے ہو تم لوگ تم کو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کی راہ

اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

میں پھر تم میں کوئی ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دے گا سو نہ دے گا آپ کو

وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ

اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج اور اگر تم پھر جاؤ گے بدل لے گا کوئی لوگ سوا تمہارے

ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۴ ۱۰ ۸

پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے۔

## بیان انجام کفر وعناد از اسلام وتلقین صبر واستقامت برائے مؤمنین مع بشارت غلبہ وکامیابی حق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... الٰى ... لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع﴾

**ربط**: اس سے قبل بیان چل رہا تھا کہ منافقین کا نفاق چھپا نہیں رہ سکتا اور ان کی سازشیں بھی مخفی نہیں رہ سکتیں نفاق اور ان منافقین کی سازشیں اور مکر وفریب سب کچھ طشت از بام کر دیا جائے گا اب ان آیات میں منکروں اور اسلام کے دشمنوں کا انجام بد بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کے واسطے دُنیا میں بھی ہلاکت ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کو صبر واستقامت کی تلقین فرماتے ہوئے ان کو غلبہ وکامیابی کی بشارت سنائی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح ونصرت کس بنیاد پر قائم ہے ان کو چاہیے کہ دنیا اور دُنیا کی زیب وزینت اور دھوکہ میں نہ پڑیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد میں مصروف رہیں اور کسی قسم کی بھی جانی اور مالی قربانی سے

کوئی دریغ نہ کریں جو کچھ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے لوٹ کر اس کا فائدہ تصور سے بھی بالا و برتر ان ہی کو پہنچے گا اور اگر مال و دولت کی محبت میں بخل کریں گے اس کے نقصانات انہی کو برداشت کرنے پڑیں گے۔

ارشاد فرمایا بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے دوسروں کو روکا پھر وہ مر گئے اس حالت پر کہ وہ کافر ہی رہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اس لیے کہ کفر و شرک کی اللہ کے یہاں کوئی معافی اور مغفرت نہیں۔ بالخصوص جب کہ یہ کافر بھی رہے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے رہے۔

کافر چونکہ اسلام کا دشمن ہے اور دشمن اپنی ہر طاقت اور تدبیر بروئے کار لایا کرتا ہے غلبہ حاصل کرنے کے لیے تو یقیناً وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں سست کمزور اور کم ہمت نہ بنیں اس لیے اے مسلمانو! تم کمزور اور بودے نہ بنو اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر تم پکارنے لگو صلح کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنی کمزوری کی وجہ سے ان کے غلبہ اور تسلط کو مان لو گے اور پھر ایسی صورت میں نہ کبھی تم کافروں سے جہاد کر سکو گے اور نہ کفر کی قوت و شوکت کو توڑ سکو گے اور جب کفر کی قوت و شوکت نہ ٹوٹ سکے گی تو پھر ایمان و ہدایت عالم میں کس طرح پھیلے گی اور اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبہ دین اسلام کیونکر ہو سکے گا۔

تو اے مسلمانو! تم ہرگز نہ گھبراؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اگر تم صبر و استقلال کے ساتھ احکام خداوندی پر ثابت قدم رہے تو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز بھی وہ پروردگار تمہارے کاموں میں کوئی نقصان نہ ہونے دے گا تم مطمئن رہو جب وہ تمہارے ساتھ ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم مغلوب ہو جاؤ اور تمہاری کوششیں کامیاب نہ ہوں اس لیے گھبرا کر کافروں کے ساتھ بغیر جہاد و قتال کے صلح کی طرف مائل نہ ہونا ہاں اگر کسی وقت اسلام کی مصلحت اور مسلمانوں کی بھلائی مصالحت میں نظر آئی تو اس پر وحی الٰہی سے تم کو مطلع کر دیا جائے گا اور اس میں پھر مضائقہ نہ ہوگا جیسے کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور اس پر مصالحت نہ ہونے کی صورت میں جو عظیم خطرات و نقصانات تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بچانے کے لیے صلح کر لینے کی اجازت دی جبکہ پہلے متعدد غزوات ہو چکے تھے اور کافروں کو مسلمانوں کی قوت و ہمت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

رہا ہر مقابلہ اور جہاد کی صورت پیش آنے پر صلح کی پیش کش کرنا اور عملاً جہاد کی کوششوں سے گریز کرنا دُنیوی حیات کے مرغوب ہونے کے آثار میں سے معلوم ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ بات ہر وقت قلب کی گہرائیوں میں رچی رہنی چاہیے بس دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور تقویٰ اختیار * کرو گے تو وہ پروردگار تمہارے اجر تم کو دے گا اور وہ نہیں مانگتا تمہارے مال اپنے

---

* استاد محترم شیخ السلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: آیت ﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ کی تفسیر میں یعنی اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشے سے ذرا بچ کر چلو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا اسے کیا حاجت ہے وہ تو خود دینے والا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○﴾ اور اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہی ہے تمام مال اسی کا ہے مگر اس کے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو تمام مال خرچ کرنے کو نہیں بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدہ کو ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حق تعالیٰ نے ملک فتح کرا دیئے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن (اپنی گرہ سے) پیسہ خرچ کرنا پڑا پھر جتنا خرچ کیا تھا اس سے سو سو گنا ہاتھ لگا اسی مطلب سے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ کو قرض دو۔'' انتہیٰ کلامہٗ

کسی فائدہ کے لیے بلکہ یہ جو کچھ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے اول تو مال میں سے بہت ہی معمولی مقدار کا ہے یہ نہیں کہ سارا مال تم سے طلب کیا جارہا ہے اور پھر جو تھوڑا بہت مانگا جاتا ہے اس کے اجور اور بدلے دُنیا اور آخرت میں تم ہی کو لوٹا دیئے جاتے ہیں۔

اگر وہ سوال کرلے تم سے تمہارے سارے مال کا جو تم کو دے رکھا ہے جس کا اس کو حق ہے پھر تم کو تنگ کرے اور مجبور کیا جائے کہ کل مال ہی دینا ضروری ہے تو تم بخل کرنے لگو گے اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کردے مال کی محبت تنگ دلی اور بخل جو انسان کی فطری کمزوری سے اس کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے تو کل مال طلب کرنے میں بہت سے لوگوں کے یہ مخفی عیب ظاہر ہوتے صرف چند ہی باکمال مردان خدا ایسے ہوتے جو اپنا سب کچھ سمیٹ کر لے آتے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح کہ دیتے جو کچھ تھا سب لے آیا اور گھر والوں کے واسطے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں اس لیے اللہ کا یہ کس قدر احسان عظیم ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ جو درحقیقت خود انسانوں کے واسطے باعث خیر وفلاح اور برکت ہے اس میں صرف تھوڑے سے مال کو طلب کرتا ہے اور اس صورت سے ان کی کوتاہیوں اور عیوب کی پردہ پوشی فرمانے والا ہو خبردار ہو جاؤ تم ایسے ہو کہ تم کو جب دعوت دی جاتی ہے اس بات کے لیے کہ تم خرچ کرو اللہ کی راہ میں تو جو کچھ لوگ تم میں سے وہ ہوتے ہیں کہ جو بخل کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو شخص بھی بخل کرے گا وہ حقیقت میں اپنے ہی لیے بخل کر رہا ہے اس لیے کہ اس بخل کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا اور جو برکات وفوائد انفاق فی سبیل اللہ پر مرتب ہوتے ان سے اپنے آپ ہی کو محروم کردینے والا ہوگا اور اللہ تو بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں اور نہ کسی کے خرچ کا وہ محتاج ہے اور تم ہی تو محتاج ہو اللہ رب العزت کے حتیٰ کہ تم اپنے وجود اور بقاء حیات میں سراپا احتیاج ہو اور ایک لمحہ کے لیے بھی خدا سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔

اور گر تم روگردانی کرو گے تو اللہ ایک دوسری قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا اور وہ پھر تمہاری طرح نہ ہوں گے کہ احکام خداوندی کی فرمانبرداری میں پس وپیش کریں اور مال ودولت کی محبت میں اور انفاق فی سبیل اللہ کا فرض انجام دینے میں کوتاہی کریں خدا کا دین کسی جماعت پر موقوف نہیں کہ بس وہی دین خدا کی حفاظت واعانت کرسکتے ہیں ان کے سوا اور کوئی یہ کام انجام نہیں دے سکتا یہ خیال باطل ہے وہ اپنی حکمت سے جس قوم اور طبقہ کو چاہے اقامۃ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے منتخب کرلے ﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ ﴾

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازوکہ بخدمت بداشتت

## امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود بابرکت کے لیے قرآنی بشارت

﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا ﴾ کا خطاب درحقیقت ان قاصرین وضعفاء کے لیے تنبیہ وتہدید ہے جو اپنی فطری کمزوریوں یا حالات اور دیگر مصالح کے پیش نظر جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا مقدس فرض ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی برتیں اور حبِ مال کے باعث خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل کریں تو ان کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ خدا کو تم جیسوں کی اعانت اور مدد کی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے اور تم ہی سراپا محتاج ہو اگر تم اپنی اس روش سے باز نہ آؤ گے تو خداوند عالم تم جیسے گروہ کی جگہ اور کوئی گروہ اور جماعت لے آئے

گا اور پھر وہ اپنے جان و مال اور علمی و عملی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں سے اللہ کا دین قائم کرنے میں مصروف ہو جائیں گے وہ نہایت فراخ دلی سے اللہ کے احکام کی تعمیل کریں گے اور بے دریغ اس کی راہ میں خرچ کریں گے۔

حدیث میں ہے کہ اس آیت کو سن کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دوسری قوم کون سی ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا [1] ''اس کی قوم'' اور فرمایا خدا کی قسم ایمان اگر ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ اس کو وہاں سے بھی اتار لائیں گے ''الحمد للہ کہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بے مثال ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور علمی و دینی ایسی زبردست خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے موافق یہ ہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پُر کر سکتی تھی۔

ہزار ہا علماء و ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وجود ہی اس پیش گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے بلکہ اس بشارت عظمیٰ کے کام اور اوّلین مصداق امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مناقب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو کتاب لکھی اس میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ آبنائے فارس میں کوئی جماعت علم کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچ سکی جس پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب پہنچے اور یہ حقیقت ہے کہ فقہ حنفی پر نظر کرنے والا شخص یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگا کہ واقعی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلائل فقہیہ اور استنباط احکام میں آسمان کے تارے توڑ کر لائے ہیں۔

الحمد للہ تم تفسیر سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صباح یوم الجمعۃ ۵ ربیع الاوّل ۱۴۰۳ ھجری وللہ الحمد والمنۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

# تفسیر سورۃ الفتح

## سورۃ الفتح کا مقام نزول:

سورۂ فتح مدنی سورت ہے جس کی انتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے اگرچہ یہ نقل کیا گیا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی لیکن تاریخی روایات و احادیث کثرت سے اس کی تصریح کر رہی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ

[1] ایک اور روایت ہے کہ ان کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا ۱۲۔

کے مقام سے واپس ہوئے تو یہ دورانِ سفر نازل ہوئی خاص مدینہ میں نزول نہیں ہوا یہی روایت صحیح ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں یہی بیان کیا۔ ابن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کی یہی رائے ہے ائمہ محدثین کی ایک جماعت مثلاً ابوداؤد نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ جب ذی القعدہ ۲ ہجری میں حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے قریش مکہ سے مصالحت ومعاہدہ کرنے کے بعد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار وحی شروع ہوئے آپ نے فرمایا: اللہ رب العزت نے آج کی رات مجھ پر ایک سورت نازل فرمائی ہے جو مجھے دُنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے اور وہ سورۃ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بروایت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت یہ سورت مقام کراع الغمیم کے نزدیک نازل ہوئی جس کو آپ نے اپنی ناقہ پر سوار چلتے چلتے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلاوت کر کے سنایا۔ طبقات ابن سعد میں مقام نزول ضجنان پہاڑ بتایا ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑ کا نام ہے بہرکیف ان جملہ نقول اور روایت سے یہی ثابت ہے کہ سورۂ فتح حدیبیہ سے واپسی پر دوران سفر نازل ہوئی ہے مگر چونکہ جمہور مفسرین کے نزدیک سورتوں اور آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا یہی ضابطہ ٹھہرا ہے کہ قبل از ہجرت جو آیات وسورتیں اتریں وہ مکیہ ہیں اور جو بعد ہجرت کے نازل ہوئیں وہ مدنیہ ہیں خواہ وہ کسی جگہ بھی اتری ہوں حتیٰ کہ حجۃ الوداع میں عرفات میں نازل ہونے والی آیت بھی مدنیہ ہوگی۔

گذشتہ سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون کافروں اور دشمنانِ اسلام سے مقابلہ اور جہاد کا تھا جس میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کے مکروفریب اور ان کی ذلت وناکامی کا بیان تھا تو اب اس کے بالمقابل اس سورت فتح میں مسلمانوں کے غلبہ اور کامیابی کا ذکر اور فتح مبین کی بشارت ہے اور اہل ایمان واخلاص کے اوصاف اور نشانیوں کو بیان کیا جا رہا ہے اور اخیر میں جو طبقہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے قدم نہیں اٹھاتا جہاد کا عزم اور ہمت نہیں کرتا تو ان کو دھمکی دی گئی تھی ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ (محمد:۳۸) تو اب اسی سورت میں ان تمام احوال اور اوصاف کے متبادل چیز سامنے رکھ دی گئی اگر پہلے مغلوبی ہے خدا اس کو فتح و کامیابی سے بدل رہا ہے اگر ایک قوم ضعف ایمان یا نفاق کی وجہ سے اللہ رب العزت کے دین کی حفاظت نہیں کر سکی تو کوئی حرج نہیں خدا نے ان کے بدلے ایسے مخلصین ومؤمنین اور جانثاروں کا گروہ پیدا فرما دیا ہے کہ ان کے ایمان واخلاص اور تقویٰ کی برکتوں سے فتوحات اور حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایات مسلمانوں کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھیں اور یہی واقع فتح عظیم کا ذریعہ اور اشاعت اسلام کا وسیلہ بنا اور اس فتح کے ذریعہ سے قوم منافقین کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے مخلصین ومؤمنین کی جماعت عطا فرمائی اور مکہ دارالکفر سے دارالایمان ہو گیا تو ان وجوہ سے سورۂ فتح کے مضامین ﴿يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ کی بشارت اور اعلان کی پوری پوری تصویر ہے ایک حدیث میں ہے کہ جب جبریل امین علیہ السلام یہ سورت لے کے اُترے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد دی جبریل علیہ السلام کے پیغام تہنیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مبارک باد دی اور یہ بشارت سنائی۔ (طبقات ابن سعد بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۶)

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ سورت رمضان المبارک کی پہلی رات میں پڑھے گا تو تمام سال خیر وبرکت اور عافیت اس کے واسطے قائم رہے گا۔

# مقاصد سورۃ الفتح

سورۂ فتح اپنے نام اور اپنے آغاز عنوان سے ہی فتح مبین کا پیغام ہے اور تہنیت ہے حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام اہل ایمان کے لیے اس سورۂ مبارکہ کے اہم مقاصد میں سے اس معاہدہ کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے پایا یہ معاہدہ اسلام کی اشاعت وتبلیغ اور دین کی برتری اور غلبہ کا سبب بنا اور مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازا جس پر ﴿یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا﴾ (نصر:۲) کی بشارت مکمل ہوئی نیز اس سورت میں یہ بھی بتایا گیا کہ ایمان وتقویٰ مؤمن کو کس طرح اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور مؤمنین کس جانثاری کے جذبہ سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

نیز بیعت الرضوان جیسے عظیم واقعہ کا ذکر ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عہد کرنے والے ہیں ان کا کیسا عظیم مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی رضامندی کی بشارت دُنیا ہی میں سنا دی اسی کے ساتھ اس سورت کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ جہاد سے پہلو تہی کرنا اور لغو ومہمل اعذار پیش کر کے خود گھروں میں بیٹھے رہنا درحقیقت خود اپنے آپ کو ہلاکت اور ذلت میں ڈالنا ہے۔

اہل ایمان کے انقیاد واطاعت کا ذکر ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو فضائل وکمالات حضور اکرم ﷺ کی محبت اور شرف صحبت کی برکت سے حاصل ہوئے اور یہ کہ دراصل وہی کمالات انسانی عظمتوں کے حامل ہیں تو یہ سورت مبارکہ ان بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے۔

اہل حدیبیہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو فضائل بیان فرمائے گئے ظاہر ہے کہ ان میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بدرجہ اتم شامل ہیں بہرکیف اس سورت میں زیادہ تر مقصود دو چیزوں کو بیان کرنا ہے ایک یہ کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سفر میں آپ کے ہم رکاب تھے ان کی جانثاری کی قدر افزائی کی جائے اور مغلوبانہ صلح کی وجہ سے جو ان کے دل زخمی ہو رہے تھے ان پر مرہم رکھا جائے اس وجہ سے خاص طور پر اہل حدیبیہ ہی کو مخاطب بنایا گیا اور ان ہی کو بشارتیں سنائیں گئیں۔

دوسرا مقصود یہ ہے کہ جن اعراب نے اس سفر میں آپ ﷺ کی معیت اور مرافقت سے پہلو تہی کی تھی ان کو تنبیہ وتہدید کی جائے۔

مقصود اوّل یعنی اصحابِ حدیبیہ کی قدر افزائی کے لیے طرح طرح کے عنوان اختیار فرمائے کہیں ان سے فتح ونصرت کے وعدے فرمائے اور کہیں بیعت کے فضائل بیان کیے اور اپنی خوشنودی کی بشارت سنائی کہیں ان کے اخلاص کی شہادت دی کہیں ان کو غنیمتوں کا مژدہ سنایا اور خیبر کی غنیمتوں کو ان کے واسطے مختص کر دیا اور کہیں ان کو نزول سکینہ سے سرفراز فرمایا۔ اس سورت میں تین جگہ نزول سکینہ کا ذکر فرمایا اور سکینہ بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اطمینان وسکون قلب کا نام ہے جو ایمان کی آخری منزل ہے جس کے بعد استقلال واستقامت کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہوسکتا اور یہ سکینت وہ نعمت ہے جو پیغمبرانِ خدا اور خاصان خدا پر نازل ہوتی ہے کہیں یہ فرمایا کہ وصف تقویٰ کو اصحاب حدیبیہ کے لیے لازم کر دیا جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَ اَلۡزَمَہُمۡ کَلِمَۃَ التَّقۡوٰی﴾ اور لازم اسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کا ملزوم سے جدا ہونا محال ہو تو معلوم ہوا کہ ان حضرات سے وصف تقویٰ کا جدا ہونا محال ہے پھر یہ فرمانا کہ ﴿وَ کَانُوۡۤا اَحَقَّ بِہَا وَ اَہۡلَہَا﴾ مزید اکرام واعزاز ہے کہ یہ حضرات ہی درحقیقت اس کے مستحق تھے اور اس پر مہر ﴿وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا﴾ فرما کر لگا دی کہ جیسے اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کی رسالت کے لائق کون ہے اسی طرح اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون لوگ ان بشارتوں کے مستحق اور لائق ہیں۔

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ سے میں نے ان آیات کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرات شیعہ بتلائیں کہ جب خدا ان سے راضی ہو گیا اور صفت تقویٰ کو ان کے واسطے لازم کر دیا تو اب عصمت میں کیا کسر باقی رہ گئی شیعوں کو اگر ایسی کوئی آیت اپنے ائمہ کے متعلق مل جاتی تو نہ معلوم کیا کچھ کرتے آسمان وزمین سر پر اٹھا لیتے۔

مقصود دوم یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب ومنافقین کی تہدید وتنبیہ! تو وہ بھی اس سورت میں بحد کمال فرما دی گئی۔ حتیٰ کہ ان کے دل میں چھپے ہوئے خیالات اور بیہودہ آرزوؤں اور باطل منصوبوں کو ظاہر کر کے ان کو قیامت تک کے واسطے تمام عالم میں شرمندہ کیا اور خیبر کی غنیمتوں سے محروم کر دیئے گئے۔

## واقعۂ حدیبیہ اور فتح مبین

عمرۂ حدیبیہ اور واقعہ الحدیبیہ کے نام سے یہ قصہ معروف ہے جس کی تفصیل احادیث میں ہے سورۂ فتح دراصل عمرۂ حدیبیہ کے ضمن میں پیش آنے والے واقعہ صلح اور معاہدہ کے اسرار اور حکمتوں پر مشتمل ہے کہ اللہ رب العزت نے اس معاہدہ میں کیا انعامات فرمائے اور اپنی قدرت وحکمت سے اس معاہدہ کو فتح مبین بنایا۔

واقعہ حدیبیہ متعدد واقعات کا مجموعہ ہے جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ فتح کا مفہوم کسی بند چیز کو کھول دینا ہے تو صلح حدیبیہ کے ذریعہ اسلام کی ترقی اور فتوحات کے لیے جو دروازے بند تھے وہ کھل گئے اس بناء پر یہ صلح ہی اللہ کے کلام میں فتح مبین کے عنوان سے تعبیر کی گئی حتیٰ کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تو فتح مکہ کی بجائے صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین کا مصداق کہا کرتے تھے جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: اے لوگو! تم تو فتح، فتح مکہ کو شمار کرتے ہو اور ہم تو صلح حدیبیہ کو ہی فتح سمجھتے ہیں [1] اسی طرح حضرت جابر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما بھی کہا کرتے تھے اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے ہم تو بیعت الرضوان کو فتح سمجھتے ہیں۔

واقعہ حدیبیہ احادیث میں جس طرح ذکر فرمایا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ ہجری کی ابتداء میں خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا کچھ نے حلق کیا اور کچھ نے سر کے بال کم کرائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کو بیان فرماتے ہوئے کوئی مدت متعین نہیں فرمائی تھی کہ کون سے سال کے بارہ میں دیکھا ہے کہ عمرہ کر کے واپس ہو رہے ہیں مگر شدت شوق میں یہی خیال کیا کہ اسی سال عمرہ اور حرم مکہ میں داخل ہونا نصیب ہوگا اور آپ نے بھی یہی قصد فرمایا کہ عمرہ کے لیے روانگی ہو جائے تو چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ کی جماعت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۶ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور ہدی (قربانی کا جانور) بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ لے لیا جو حرم میں ذبح کیا جائے قریش مکہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اہل مکہ کو جمع کیا اور یہ طے کیا کہ کسی طرح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے حالانکہ خود قریش کے لوگ حرم بیت اللہ کا بہت احترام کرتے تھے اور یہ جائز نہیں سمجھتے تھے کہ کسی

---

[1] صحیح بخاری جلد دوئم۔

کو بھی بیت اللہ کے طواف اور عمرہ سے روکا جائے حتیٰ کہ دشمن کو بھی نہ روکتے تھے مقام حدیبیہ پہنچ کر آپ ﷺ کی ناقہ بیٹھنے لگی لوگ اس کو چوکا مارتے اور کوشش کرتے کہ یہ اٹھ کر چلنے لگے مگر وہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی آپ نے فرمایا: ((حبسها حابس الفيل)) کہ اس اونٹنی کو اسی ذات نے روک دیا ہے جو ہاتھیوں کو روکنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکم سے یہ ناقہ رکی ہے اور آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا: خدا کی قسم! اہل مکہ مجھ سے جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے اور شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ ہو تو میں ضرور اس کو منظور کرلوں گا کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ اس مرحلہ پر ضرور اہل مکہ کچھ نہ کچھ باتیں اپنی منوائیں گے اور دباؤ بھی ڈالیں گے الغرض آپ ﷺ نے وہیں قیام فرمایا اسی کو آج کل "شمسیہ" کہتے ہیں آپ ﷺ نے اہل مکہ کی طرف قاصد روانہ فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں ہم کو مکہ میں آنے دو ہم عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے قریش مکہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انتظار کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہی پیغام دے کر بھیجا اور ساتھ ہی ان مظلوم اور مغلوب مسلمان عورتوں اور مردوں کو جو کفار مکہ کی قید و بند میں تھے یہ بشارت بھی بھیجی کہ عنقریب اللہ کے فضل سے اسلام کا غلبہ ہوگا اور مکہ میں کامیابی اور غلبہ کے ساتھ اسلام داخل ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی واپسی میں دیر ہوئی کفار مکہ نے ان کو روک لیا ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے اس وقت آپ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ شاید اب لڑائی اور مقابلہ کی نوبت آئے گی تو آپ نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیعت کی دعوت دی کہ آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر جہاد کی بیعت کریں۔

قریش مکہ کو جب معلوم ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا اور کچھ رؤسائے مکہ کا وفد آپ ﷺ کے پاس صلح کی غرض سے آیا اور گفتگو کے بعد صلح نامہ تحریر کر کے اس پر طرفین کے دستخطوں کا معاملہ طے پایا شرائط صلح کے بارہ میں باہم بحث و تمحیص بھی ہوئی اور بعض شرائط صلح میں مسلمانوں کو اپنی مغلوبی اور پستی کا احساس ہو کر جوش اور ولولہ بھی آ رہا تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے بوحی الٰہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی اور فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ان باتوں کو مان لو آپ ﷺ کے فرمانے پر مسلمانوں نے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے وہ شرائط صلح مان لیں اور صلح نامہ تیار ہو گیا کفار کی طرف سے شرائط صلح میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال غیر مسلح حالت میں آ کر عمرہ کرلیں اور فریقین دس سال تک ایک دوسرے پر کسی قسم کا حملہ اور جنگی اقدام نہ کریں گے اور اس مدت میں اگر کوئی مرد اہل مکہ میں سے آپ ﷺ کے پاس مدینہ چلا جائے خواہ وہ مرد مسلمان ہی ہو تو آپ اس کو واپس کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر کوئی آپ لوگوں میں سے مکہ واپس آ جائے گا تو ہم اس کو واپس نہ کریں گے اس آخری شرط پر صحابہ کو کافی تشویش تھی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بار بار یہ کہتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم یہ ذلت اسلام میں کیوں قبول کریں مگر بمصلحت آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اس کو بھی مان لو اور نہایت ہی حکیمانہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بدنصیب ہمارے میں سے دارالکفر آنا چاہتا ہے تو آنے دو ایسے کی ہمیں کیا ضرورت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کرنے کا ارادہ کیا ہو یعنی جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں میں جانا چاہتا ہے تو جانے دو ایسے بدبخت کی ہمیں کیا پرواہ ہے اور اگر کوئی مسلمان کفار کی قید و بند میں ہوگا اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے واسطے راستہ خلاصی کا پیدا فرما دے گا۔

یہ حکیمانہ بات سن کر صحابہ کے دل مطمئن ہو گئے صلح کا تمام معاملہ طے ہو گیا دستخط ہو گئے اور آپ ﷺ نے حدیبیہ ہی میں

(کیونکہ وہ حصہ حدود حرم میں داخل تھا) ہدی کا جانور ذبح کیا اور احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور راستہ ہی میں مقام کراع الغمیم یا ضجنان پر یہ سورت فتح نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ۷ ہجری کے اوائل میں خیبر فتح کیا جو مدینہ منورہ کے شمال کی جانب واقع ہے یہود کا بڑا عظیم مرکز تھا خیبر پر حملہ میں صرف وہی چودہ سو یا پندرہ سو صحابہؓ تھے جو حدیبیہ کی بیعت الرضوان میں آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے تھے پھر حسب معاہدہ ۷ ہجری ذی قعدہ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا عہد نامہ میں دس سال تک باہم لڑائیوں کا سلسلہ بند کر دینے کا معاہدہ تھا لیکن قریش مکہ نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نقض عہد کیا تو آنحضرت ﷺ نے ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف فوج کشی فرمائی اور رمضان المبارک میں اس کو فتح فرمایا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے حدیبیہ میں جو بشارت فتح نازل فرمائی تھی وہ پوری ہو گئی۔ (تفصیلات کتب سیرت سے ملاحظہ فرمائیں)

## معاہدۂ حدیبیہ اسلام کی عزت وسربلندی اور فتح عظیم

معاہدوں کی نزاکت بڑی ہی اہم ہوتی ہے۔ قوموں کے درمیان معاہدوں میں بسا اوقات طبعی جذبات اور قومی عظمت ووقار کا مسئلہ بڑی ہی رکاوٹوں کا باعث ہو جاتا ہے اور پھر یہ کہ معاہدے صرف کسی موجودہ معاملہ اور وقتی مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے نہیں ہوا کرتے بلکہ ایک طویل مستقبل کے مقاصد اور نشیب وفراز اور عواقب ونتائج پر نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ پائیدار عظمت وعزت اور اصل مقصد کی کامیابی کس صورت میں ہے اگر وقتی طور پر کوئی بات ظاہری مغلوبی اور پستی کی ایسی مان لیجائے جس میں آئندہ کی عظمتیں اور غلبہ وکامیابی مضمر ہو تو بصیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ وقتی عزت وسربلندی یا اپنی بات رہ جانے کے مسئلہ کو بالائے طاق رکھ کر حقیقی عزت اور غلبہ کی جانب کو ترجیح دی جائے معاہدہ حدیبیہ میں آنحضرت کی معجزانہ تدبیر، بے پناہ بصیرت وعواقب پر صحیح نظر اور اس کے واسطے بہترین فیصلہ پھر یہ کہ طبعی جذبات پر قابو رکھنا صبر واستقامت جیسا اوصاف واضح طور پر نمایاں ہیں۔

شیخ الاسلام استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں ان ہی کے کلمات میں ملاحظہ فرمائیے۔

''حدیبیہ'' کی صلح بظاہر ہر ذلت ومغلوبی کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعت کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا مگر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ان احوال ونتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لیے کھول دیا تھا آپ ﷺ بے مثال استغناء اور توکل وتحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللہ و رسولہ اعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے تا آنکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام ''فتح مبین'' رکھا لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ہاں! یہ بہت بڑی فتح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقعہ پر اغماض اور عفو ودرگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیعت اللہ کی خاطر ان کے بیہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا یہ واقعات ایک طرف اللہ کی

خصوصی مدد ورحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شانِ پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کر دیا کہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لیے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتی ہے اس صلح کے بعد کافروں اور مسلماوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقعہ ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال واطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے خالد بن الولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما جیسے نامور صحابہ اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے یہ جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کر لینا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظّمہ کو فتح کر کے ہمیشہ کے لیے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہو گیا حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانثار تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظّمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپ ﷺ کے ہم رکاب تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لیے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زرین دیباچہ کے تھی اور اس تحمل وتوکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلے میں ظاہر ہوتی جن علوم و معارف قدسیہ اور باطنی مقامات و مراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اس کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے یعنی جس طرح سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز واکرام سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ ﷺ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز غفران الذنوب ہے۔ (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ ﷺ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی اور بندہ کے لیے نہیں فرمائی مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں! اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا فرماتے:

((افلا اکون عبدًا شکورا)). "تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جائے بلکہ اور زیادہ خدا سے ڈرنے لگے شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آ چکی ہے) بجز ان کے اور کسی کا یہ کام نہیں۔ (کذا فی الفوائد العثمانیہ)

آیاتھا ۲۹ | ۴۸ سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۱ | رکوعاتھا ۴

سورۂ فتح مدنی سورت ہے جس کی انتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے

ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا

تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلاوے تجھ کو راہ

مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾

سیدھی اور مدد کرے تجھ کو اللہ زبردست مدد

## پیغام تہنیت برائے سید المرسلین ﷺ بفتح مبین
## واعلان اتمام نعمت رب العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ ... الٰی ... نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾﴾

**ربط:** جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا کہ سورۂ محمدؐ یا سورۂ قتال کا موضوع اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ تھا اور یہ کہ اہل ایمان کو منافقین کی سازشوں سے نہ پریشان ہونا چاہیے اور نہ ہی اپنے مادی وسائل کی قلت سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے، قوی کو ضعیف اور ضعیف کو قوی کر سکتا ہے غالب کو مغلوب و مفتوح اور مظلوم و بے سہارا قوم کو فتح و نصرت سے ہم کنار کر سکتا ہے تو اس سورۂ پاک میں مسلمانوں کو فتح مبین کی بشارت سنائی جا رہی ہے۔

فرمایا بے شک ہم نے فیصلہ کر دیا ہے آپ کے واسطے فتح مبین کا جو کہ صلح حدیبیہ ہے جس سے ظاہری اور باطنی فتوحات اور دینی و دُنیاوی نعمتوں کا دروازہ کھول دیا گیا یہ صلح * حدیبیہ جن رحمتوں نعمتوں اور کرامات کا آغاز ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ درگزر کرے

---

* جمہور علماء کا قول یہی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ احمد بن حنبل، ابن سعد، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہم نے یہی بیان کیا اور اس روایت کی ابن المنذر، ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہما نے تصحیح کی، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں مجمع بن جاریۃ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: قال شهدنا مع رسول الله ﷺ الحديبية فلما انصرفنا عنها الٰی کراع الغميم فاذا رسول الله ﷺ عند کراع الغميم فاجتمع الناس اليه فقرء عليهم ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ... الخ﴾۔ ۱۲

آپ کے واسطے اللہ تعالیٰ آپ کی وہ تمام تقصیرات جو پہلے گذریں اور وہ جو بعد میں گذریں اس لیے اب آپ ﷺ کی کسی بھی ایسی تقصیر پر جو قبل از نبوت ہوئی یا بعد از نبوت جو بمقضائے بشریت قبل از وحی پیغمبر سے ممکن ہے آپ سے نہ کوئی مؤاخذہ ہوگا اور نہ سوال وعتاب اور نہ ہی ان باتوں پر کوئی گرفت ہوگی جو آپ ﷺ کے مقام عالی اور آپ کی آرزو سے کم تر ہوں کیونکہ آپ ﷺ کی تو آرزو ہر لمحہ یہی تھی کہ درجات زیادہ سے زیادہ بلند تر ہوں اور اللہ کا دین زائد سے زائد غالب اور بلند ہو اور صرف تقصیرات سے درگذر ہی نہیں بلکہ پورا کردے آپ ﷺ پر اپنا انعام ظاہری و باطنی اور مادی و روحانی انعامات میں جواب تک آپ ﷺ پر ہو چکے ہیں اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر کہ ہمیشہ ہدایت اور استقامت کی سیدھی راہ پر آپ ﷺ معرفت و شہود کے غیر محدود مراتب طے کرتے رہیں اور ابدان و قلوب پر اسلام کی حکومت قائم کرنے کی راہ میں آپ ﷺ کے واسطے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی [1] اور مدد کرے اللہ آپ کی نہایت ہی مضبوط مدد۔ جس کو دُنیا کی کوئی طاقت روک نہ سکے۔ اور جب وہ مدد و ظفر و کامیابی آپ کے قدموں کے ساتھ ہوگی تو لوگ دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں گے تو اس وقت آپ ﷺ کا بس یہی وظیفہ ہوگا کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید اور استغفار ہی میں منہمک ہو جائیں گے تو یہ بات اس وعدہ کی تکمیل اور تتمیم ہو جائے گی جو اس وقت فرمایا جا رہا ہے۔ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ... الخ﴾

## فتح مبین اور انعاماتِ خداوندی

ان آیات میں فتح مبین کی بشارت سناتے ہوئے چار خصوصی انعامات کا بیان فرمایا۔ **اوّل:** مغفرت۔ **دوم:** اتمام نعمت۔ **سوم:** ہدایت صراط مستقیم۔ **چہارم:** نصر عزیز۔

مغفرت ذنوب سے کنایہ ہے کہ آپ ﷺ سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ آپ ﷺ سید البشر ہیں اور اوّلین و آخرین انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں یہ کرامت و فضیلت ایسی ہے کہ کسی کو عطا نہیں کی گئی جس کا خاص طور پر ظہور قیامت کے روز شفاعت عظمیٰ کی صورت میں ہوگا جب کہ تمام پیغمبر نفسی نفسی کہتے ہوں گے اور ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی امر پر مؤاخذہ کا اندیشہ ہوگا اگرچہ وہ تقصیر نہ تو گناہ ہوگی اور نہ کسی خلاف امر خداوندی کا ارتکاب ہوگا بلکہ یا تو وہ بات بغیر کسی وحی خداوندی یا قبل از وحی منشاء خداوندی سے کچھ مختلف واقع ہو گی کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت کے منافی یہ امر ہے کہ صریح حکم خداوندی کے خلاف دیدہ و دانستہ کسی امر کا واقع ہونا۔ سو ظاہر ہے کہ یہ کسی بھی پیغمبر سے نہیں ہوا چہ جائیکہ سرور کائنات جناب رسول اللہ ﷺ سے! تو ارحم الراحمین نے خاتم النّبیین کو ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ کی بشارت عظمیٰ سنا کر ہر قسم کے مؤاخذہ سے مطمئن کر دیا۔ [2]

حدیث شفاعت میں ہے کہ جب اہل محشر روزِ حشر کی شدت سے گھبرا کر اوّل حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ وہ خدا کے خلیفہ اور پہلے رسول اور نبی ہیں اور ہمارے باپ ہیں تا کہ وہ ہمارے لیے شفاعت کریں تو حضرت آدم اپنی اُس لغزش کی بناء پر جو بھولے سے سرزد ہو گئی تھی معذرت کریں گے اور فرمائیں گے "لست لها" میں اس مقام اور مرتبہ کے لائق نہیں۔

بالآخر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں یہ درخواست لے کر جائیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام اوّل تو یہی عذر کریں گے "لست لها"

---

[1] فوائد شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ [2] روح المعانی جلد ۲۶۔

کہ میں بھی مقام شفاعت میں کھڑے ہونے کا اہل نہیں اور بعد ازاں اہلِ محشر کو یہ مشورہ دیں گے۔

((و لٰکِن ایتوا محمدًا ﷺ عبدًا غفر اللّٰہُ له ما تقدم مِنْ ذنبهٖ وماتاخر)). ❁

ترجمہ: "اور لیکن تم سب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی اور پچھلی تمام تقصیرات کو اللہ نے معاف کر دیا ہے۔"

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ خطرہ نہیں کہ ان سے کسی تقصیر پر کوئی سوال اور مؤاخذہ ہو اللہ تعالیٰ نے ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ کی بشارت دے کر اُن کو اس خطرہ اور اندیشہ سے مامون اور مطمئن کر دیا ہے۔ لہٰذا تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرو۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

((فیاتون محمدًا ﷺ فیقولون یامحمد انت رسول اللّٰہ وخاتم الانبیاء وقد غفر اللّٰہ لَكَ مَاتقدم من ذنبك وَ ما تأخر اشفع لنا اِلٰی ربّكَ الاترٰی مانحن فیه)). ❁

ترجمہ: پس اہل محشر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ نے آپ ﷺ کی اگلی اور پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دیا۔ اس لیے آپ ہمارے رب سے ہمارے لیے شفاعت کیجیے کیا آپ ہماری اس مصیبت و پریشانی کو نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔"

سورۂ محمد کی تفسیر میں جیسا کہ گذر چکا ذنب سے اس آیت مبارکہ میں وہ سہو و نسیان مراد ہو سکتا ہے جو بمقتضائے بشریت آپ ﷺ سے کسی وقت مدت العمر ظہور میں آیا ہو مقصد آیت یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمارے محبوب ہیں آپ ﷺ کو تسلی اور بشارت دی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی ہر بات سے درگزر کیا گیا اور کسی بھی امر پر آپ سے سوال و مؤاخذہ نہ ہوگا یہ **پہلا انعام** ہوا۔

**دوسرا انعام**: اتمام نعمت، کہ عفو تقصیر پر درگذر ہی پر اکتفاء نہ کیا جائے گا بلکہ اس نعمت و بشارت کے بعد اور جس قدر بھی نعمتیں ہیں ان کی بھی تکمیل و تتمیم فرما دی جائے گی اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی اور عظیم تر نعمت یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کا دین کامل اور تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے گا۔

**تیسرا انعام**: ہدایت صراط مستقیم یعنی آپ ﷺ کا دین اور شریعت ایسا سیدھا واضح اور ہموار راستہ ہوگا کہ اس پر چلنے میں نہ کسی کو رکاوٹ ہوگی نہ کوئی ابہام و خفا باقی رہے گا جس طرح کہ سورج کی روشنی میں سیدھے راہ پر چلنے والا مسافر بلا روک ٹوک سہولت کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہا ہو۔

**چوتھا انعام**: نصر عزیز، کہ ایسی کامیابی اور غلبہ جو نہایت مضبوط و مستحکم ہو جو کسی کی مخالفت و مقابلہ اور بغاوت سے متاثر نہ ہو سکے اور اسلام کے واسطے اس طرح راستہ کشادہ ہو جائے گا کہ بلا کسی روک ٹوک کے لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں گے اور جب فتح و نصرت اور غلبہ دین اور اشاعت و قبولیت اسلام کا یہ منظر آپ ﷺ کے سامنے آ جائے تو سمجھ لینا کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد

---

❁ صحیح بخاری ص ۱۱۰۸۔ باب قول اللہ: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾
صحیح بخاری ص ۲۴۲۔ باب قول اللہ عزّوجلّ: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ از کتاب التفسیر۔

❁ صحیح بخاری تفسیر سورۂ اسراء

پورا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے جس غرض کے واسطے دنیا میں آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا وہ غرض پوری ہو گئی تو بس مخلوق سے فارغ و یکسو ہو کر صرف اپنے خالق کی طرف رجوع کرنا اور اسی کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جانا جس کو سورۃ نصر میں فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳﴾

اور جب دارِ دُنیا سے روانہ ہو کر دارِ آخرت میں قدم رکھو تو رنجیدہ و پریشان نہ ہونا کیونکہ ہم نے آپ ﷺ کی ہر بات سے درگزر کر لیا ہے۔

اور جو فتح مبین اور نصر عزیز آپ کو عطا کی گئی اس کی تکمیل اور باقی ماندہ رفعت و بلندی کے مراتب آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں کے ہاتھوں پورے ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایران اور شام کی سرزمین آپ ﷺ کے خلفاء نے فتح کی اور قیصر کسریٰ کے خزائن تقسیم کیے گئے یہ تھی اتمام نعمت جس کی خبر ان کلمات میں دے دی گئی تھی ﴿وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ﴾ اور یہی نصر عزیز کی تکمیل تھی جس کو ﴿وَیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا﴾ میں فرمایا گیا۔

الغرض یہی حدیبیہ کی صلح فتح خیبر کا سبب بنی، دو سال بعد مکہ فتح ہو گیا حنین و طائف بھی فتح ہو گئے جس کے بعد کل حجاز، نجد اور یمن کے علاقوں میں اسلام کی حکومت قائم ہو گئی فتح روم و فارس سے ظاہری اور باطنی نعمتوں اور خیر کے دروازے کھل گئے۔

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے اور قیصر و کسریٰ اور مقوقس شاہِ مصر وغیرہ وغیرہ کی طرف خطوط دے کر قاصد روانہ کیے اور اس صلح کی وجہ سے مشرکین کا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط شروع اور کافروں کے دلوں پر جو قفل پڑے ہوئے تھے وہ کھلنا شروع ہوئے اور اسلام کی باتیں کافروں کے کانوں اور دلوں میں داخل ہونے لگیں نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی ہی مدت میں بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور جو لوگ بیس سال سے اسلام کے دشمن خونخوار بنے ہوئے تھے اب وہ اسلام کے عاشق جانثار بن گئے۔

قریش نے اسلام کی رفتار اور گفتار اور اس کے کردار سے اندرونی طور پر یہ سمجھ لیا کہ اب اسلام دبنے والا نہیں اور جو لشکر حضور پُرنور ﷺ کے ساتھ ہے وہ کوئی بادشاہی فوج نہیں بلکہ وہ عاشقوں اور جانبازوں اور پروانوں کا کوئی لشکر ہے جن کے عشق کا یہ عالم ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرتا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر گرتا ہے جس کو وہ اپنے منہ پر مَل لیتے ہیں اور جب حضور پُرنور ﷺ بولتے ہیں تو سناٹے کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہیں قریش نے یہ منظر دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے جس پر محبوبیت ختم ہے اور یہ مسلمان جو آپ ﷺ کے گرد جمع ہیں ان پر عاشقیت ختم ہے ان دیوانوں اور پروانوں سے جنگ کرنا آسان نہیں اس لیے صلح پر آمادہ ہو گئے بیس سال سے جو عداوت کا نشہ سر پر چڑھا ہوا تھا وہ ڈھیلا ہو گیا اور آج کل کی اصطلاح میں صلح کے معنی ہتھیار ڈال دینے کے ہیں قریش ظاہر میں بڑائی کی باتیں کرتے تھے مگر دل سے خوفزدہ تھے اور آنحضرت ﷺ دل سے مطمئن تھے اور قریش کی ہر شرط کو منظور کرتے جاتے تھے اس لیے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ یہ سب چند روزہ قصہ ہے۔ ❁

---

❁ از افادات حضرت والد محترم سید المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا

وہی ہے جس نے اتارا چین دل میں ایمان والوں کے، کہ اور بڑھے ان کو ایمان

مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا

اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار

حَكِیْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ

حکمت والا تاپہنچاوے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو باغوں میں، نیچے بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ

ان کے نہریں، سدا رہیں ان میں اور اتارے ان سے ان کی برائیاں اور

ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ﴿۵﴾ وَّ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ

یہ ہے اللہ کے ہاں بڑی مراد ملنی اور تاعذاب کرے دغاباز مردوں کو اور عورتوں کو

وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ

اور شرک والے مردوں کو اور عورتوں کو جو اٹکلتے ہیں اللہ پر بری اٹکلیں انہیں پر پڑے

دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ

پھیر مصیبت کا اور غصے ہوا اللہ ان پر اور ان کو پھٹکارا اور رکھا ان کے واسطے

جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۶﴾ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ

دوزخ اور بری جگہ پہنچے اور اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور

كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۷﴾

ہے اللہ زبردست حکمت والا۔

## بشارت اہل حدیبیہ بعطاء نعمائے دُنیویہ واُخرویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ ... اِلٰی ... عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝﴾

**ربط:** گذشتہ آیات فتح مبین کی بشارت کے ساتھ ان بشارتوں اور کرامتوں پر مشتمل تھیں جو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اب ان آیات میں وہ کرامات اور بشارتیں ذکر فرمائی جارہی ہیں جو آپؐ کے ہمرکاب رفقاء اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ہیں اور اس لحاظ سے کہ (بضد ھا تتبین الاشیاء) نور کی نورانیت ظلمت و تاریکی کے ہی مقابلہ میں پہچانی جاتی ہے تو اوّلاً اہل حدیبیہ کے فضائل بیان فرمائے گئے اور پھر بطور تکمیل مضمون ان کے مقابل منافقین و متخلّفین کی ذلت اور کمینہ پن بیان کیا جارہا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سفر حدیبیہ سے واپس ہوئے تو آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں آپ ﷺ نے ان آیات کے نزول پر فرمایا یہ نصیحتیں اور بشارتیں جو اللہ نے نازل فرمائیں مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سن کر فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ! یہ انعامات و کرامتیں جو اللہ نے نازل فرمائیں تو وہ آپ ﷺ کے واسطے ہیں اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ تو کرے گا لیکن ہماری عرض یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو اللہ ہمارے ساتھ کرے گا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ... الآيات﴾

ارشاد فرمایا: وہی ہے پروردگار جس نے سکینت و طمانینت کو اتارا اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو جائے استقامت و یقین کامل کی صورت میں ان کے اصل ایمان کے ساتھ کہ اس سکینت اور طمانینت قلب سے رسول اللہ ﷺ کی بات پر دل مطمئن ہو گئے گو کہ بعض باتیں بظاہر خلاف طبع تھیں اور ہو سکتا تھا کہ جس طرح کافر ضد پر ڈٹے ہوئے تھے یہ بھی ایسی ہی ضد کی صورت اختیار کر لیتے مگر اس اطمینان قلب کی وجہ سے ان کے مراتب ایمان و عرفان میں ترقی ہوئی۔

پہلے تو جہاد کی بیعت سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں بہرکیف یہ ایمان کا ایک عجیب رنگ تھا اس کے بعد جب پیغمبر ﷺ نے مسلمانوں کے ابھرتے ہوئے مجاہدانہ جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو یہ تو ان کے ایمان کا دوسرا رنگ تھا جو پہلے رنگ پر اضافہ ہوا کہ اپنے جذبات و عواطف کو مغلوب کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا ان کو اس ایمان و انقیاد کے ساتھ اس پر یقین بھی حاصل ہو گیا کہ اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ بڑا ہی خبردار حکمت والا ہے اس کے علم سے دشمنانِ اسلام کی کوئی سازش اور مخالفت پوشیدہ نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہے گا۔ اپنے لشکروں کو جہاد کے واسطے حکم دے دے گا اور جب اس کے لشکر میدان جہاد میں آئیں گے جیسے کہ بدر و حنین میں تو پھر کسی کو مقابلہ کی تاب نہ ہوگی اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ پہنچا دے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں * کو ایسے باغوں (جنتوں) میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں جو ہمیشہ ان میں رہنے والے ہوں گے اور اس انعام و اعزاز کے علاوہ یہ بھی ایک خصوصی انعام ہوگا کہ مٹا دے گا ان سے ان کی برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی ہی کامیابی جو مخلصین و مطیعین اور مؤمنین صادقین حصہ میں آتی ہے اور اس کے برعکس منکرین و منافقین کے حق میں یہ مصلحت ہے کہ عذاب دے منافق مردوں (دغاباز مردوں) اور منافق عورتوں (دغاباز عورتوں) * کو اور

---

* احادیث سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں تو قرآن کریم نے ان کے اکرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاص طور پر مومنات کا لفظ بھی بول دیا ورنہ تو بالعموم فضائل و احکام میں ایک ہی عنوان اور صیغہ مذکر دونوں کو شامل ہوا کرتا ہے۔ ۱۲

* حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ نے منافقین و منافقات کے ترجمہ میں یہ لفظ استعمال کیا جو نہایت ہی بلیغ و لذیذ ہے اس وجہ سے بین القوسین ذکر کر دیا گیا۔ ۱۲

کواور شرک کرنے والے مردوں اور شرک کرنے والی عورتوں کو جو گمان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارہ میں برا گمان بیشک انھی پر لوٹے گا چکر ان کی برائی کا اور خدا کا غضب ہے ان پر اور لعنت کی خدا نے ان پر اور تیار کی ان کے واسطے جہنم اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے جہاں کی مصیبتوں اور تکالیف کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اللہ کے واسطے ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ❁ اس وجہ سے منافقین ومنافقات اور مشرکین ومشرکات عذابِ خداوندی سے نہیں بچ سکتے جن کے خیالات نہایت گندے تھے اور ان کے دلوں میں بیہودہ آرزوئیں تھیں وہ سوچتے تھے مسلمان اگر لڑائی ہوئی تو ضرور ناکام ہوں گے کیونکہ نہ ان کے پاس فوج ہے نہ ساز وسامان، وطن سے دُور ہوں گے مدد بھی نہ پہنچ سکے گی اس کے برعکس قریش مکہ طاقت وار ہیں ساز وسامان ان کے پاس ہے وہ ضرور کامیاب ہوں گے تو ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں کبھی یہ سوچتے کہ مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ہم عمرے کے واسطے جارہے ہیں یہ محض ایک دھوکہ ہے دراصل ان کا مقصد لڑائی ہے اور قریش مکہ پر حملہ کرنا ہے غرض اس طرح کے اوہام وخیالات میں تھے کہ اللہ رب العزت نے ارادہ کیا کہ ذلیل کیا جائے اور عذاب دنیوی واخروی میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ جس قدر انہوں نے پیش بندیاں کیں، احتیاط برتا ان کی سب تدبیریں ضائع گئیں اور مصیبتوں کے چکر نے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا یہ تو دُنیا کا عذاب ہوا مزید عذابِ اُخروی یہ کہ غضبِ خداوندی کے مستحق بنے خدا کی لعنت ان پر ہوئی اور عذابِ جہنم جو ہمیشہ کے لیے ہے مقرر کر دیا گیا۔ اللہ رب العزت بڑے ہی غلبہ اور طاقت والا ہے اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا ساتھ ہی وہ حکمت والا بھی ہے بمقتضائے حکمت جب بھی مناسب جانتا ہے مجرمین کو سزا دیتا ہے۔

## حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں نزول سکینت کی بشارت ان کے مؤمن کامل اور صاحب تقویٰ ہونے کا اعلان ہے

آیت مبارکہ ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کا مصداق بلاشبہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور بالخصوص وہی حضرات ہیں جو حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جب قرآن کریم نے واضح طور پر اس امر کی شہادت دے دی کہ اللہ رب العزت نے ان کے دلوں میں سکینت وطمانینت نازل فرما دی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان افراد اور مقدس ہستیوں کے بارہ میں کسی طرح کی ایمان ویقین کی کمزوری کا تصور کرنا قرآنی شہادت العیاذ باللہ ٹھکرانا ہے قرآن کریم نے شہادت دے دی کہ وہ تقویٰ، ایمان، عفت و پاکدامنی کے پیکر ہیں اور ایمان پر استقامت کا ان کو ایسا مقام حاصل ہے کہ ان کے قدم صراطِ مستقیم سے کسی بھی مرحلہ پر کسی بھی لمحہ نہیں ڈگمگا سکتے اور حتیٰ کہ تقویٰ اور پرہیز گاری کا وصف ان کے لیے لازم ذات بنا دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ اور ساتھ

---

❁ ان آیات میں دو جگہ ﴿وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ فرمایا گیا پہلی جگہ ان الفاظ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت ہی مخلوقات کے تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اپنی حکمت کے تقاضے سے جس طرح چاہتا ہے ہر امر طے فرماتا ہے اس بناء پر وہاں اللہ رب العزت نے اپنی صفت ﴿عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴾ فرمائی لیکن یہاں مقصود مجرمین ونافرمانوں کو تہدید ودھمکی ہے اس وجہ سے اس موقعہ پر وصف ﴿عَزِیْزًا حَكِیْمًا﴾ ارشاد فرمایا۔ ۱۲ (روح المعانی)

یہ بھی فرمادیا گیا کہ اللہ رب العزت کے علم ازلی کے لحاظ سے وہی اس کے تمام عالم میں سب سے زیادہ مستحق اور لائق تھے اور جب تقویٰ کمال ایمان اور استقامت وسکینت کا وصف ان حضرات کا لازم ذات وصف ہو گیا تو بلاشبہ ان کا مقام ومرتبہ خداوندِ عالم کے نزدیک اولیاء اور اس کے محبوب ہونے کا ہو گیا اب اس میں شبہ وتردّد قرآن میں شبہ کرنا ہے اور اللہ کی شہادت میں شبہ وتردد بدترین جرم ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا، اور خوشی اور ڈر سناتا تاتم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر

وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اس کی مدد کرو، اور اس کا ادب رکھو، اور اس کی پاکی بولو صبح اور شام اور جو لوگ

يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ

ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے، وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے پھر جو کوئی

نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ

قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے بُرے کو اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے،

فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع ۱۰/۹

دے گا اس کو نیگ بڑا۔

## انعام بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحق تعظیم وتوقیر وعہد اطاعت وفرمانبرداری

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾ ... الیٰ ... فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں فتح مبین کی بشارت کے ساتھ ان چار انعامات کا ذکر فرمایا گیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مخصوص تھے۔ اب ان آیات میں اس انعام عظیم کا ذکر فرمایا گیا جو تمام اُمت پر بلکہ تمام انسانوں اور کل کائنات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت کے ذریعہ فرمایا گیا۔ اس انعام عظیم کے ذکر کے ساتھ رسول عظیم کے حقوق کا بھی اجمالاً تذکرہ فرمادیا گیا اور یہ کہ آپؐ پر ایمان اور بیعت کس قدر بلند پایہ فضیلت ہے کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور جس وقت وہ بیعت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر رکھتے ہیں تو اللہ کا ہاتھ اس کی شان بے چگون کے مطابق ایمان لانے والے مسلمانوں کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے اے ہمارے پیغمبر گواہی دینے والا تمام انبیاء علیہم السلام کے حق رسالت ادا کرنے اور ان کی قوموں کی نافرمانی کرنے پر اور بشارت سنانے والا اہل ایمان و طاعت کے لیے اور ڈرانے والا نافرمانوں کو تا کہ اے لوگو! تم ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم و توقیر کرو * اور پاکی بیان کرو اس اللہ کی جس نے ایسا رسول عظیم مبعوث فرمایا صبح اور شام نمازوں میں اور دیگر اوقات میں یقیناً جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ سے وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے سو جو شخص بھی اس عہد و پیمان کو توڑے گا تو بس اس کا توڑنا خود اسی پر وبال و مصیبت ہوگا اور جو شخص پورا کرے گا وہ عہد جو اس نے اپنے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو ضرور عنقریب اللہ اس کو اجر عظیم دے گا اس لیے کہ عہد و پیمان کو پورا کرنا بہترین خصلت اور موجب انعام ہے اور اس کے برعکس عہد توڑنا غداری ہے اور مجرمانہ کردار کا عملی ثبوت ہے جس کی سزا سے انسان ہرگز نہیں بچ سکتا عہد شکنی اور غداری کی سزا دُنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی اور اہل استقامت جس طرح آخرت میں انعام و اکرام کے مستحق ہوں گے دُنیا میں بھی حق تعالیٰ کے انعامات سے نوازے جائیں گے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام اُمتوں اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہ ہونا سورۂ نساء کی آیت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾ (النساء:۴۱) کی تفسیر میں وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان حشر کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہر پیغمبر اور اس پیغمبر کے ساتھ اس کی اُمت ہوگی اُمت سے جب یہ سوال ہوگا کیا ہمارا پیغام تم تک پہنچا تو وہ انکار کریں گے انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ شانہٗ کے پیغام پہنچا دینے کا اقرار کریں گے تو ان کو گواہ پیش کرنے کے لیے کہا جائے گا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ اے اللہ آپ کے پیغمبر آپ کا پیغام اور ہر حکم اپنی اپنی اُمتوں کو پہنچا چکے۔

(تفصیل کے لیے سورۂ نساء کی تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے)

## رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت اللہ سے بیعت ہے

بیعت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا جا رہا ہے کہ صورۃً تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرنا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ بیعت اللہ کے ساتھ ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ بیعت خدا ہی کی طرف سے اور اسی کی نیابت میں لے رہے ہیں اللہ کا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ کے احکام ہی کی اطاعت کے لیے بیعت لے

---

* حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اکثر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ کی ضمیریں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں اور ﴿وَتُسَبِّحُوهُ﴾ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیونکہ مدد اور تعظیم حقوق رسالت سے ہے اور ظاہر ہے کہ اعانت و مدد پیغمبر ہی کی ہو سکتی ہے اس کے احکام و دین کی اشاعت اور مقاصد دین کی تکمیل کے لیے اس بناء پر یہ ممکن نہیں کہ ﴿وَتُعَزِّرُوهُ﴾ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہو اور تسبیح و پاکی ذاتِ کبریاء کے لیے ہے اس وجہ سے ﴿وَتُسَبِّحُوهُ﴾ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ﴿وَتُوَقِّرُوهُ﴾ پر وقف لازم ہے اور آگے لفظ ﴿وَتُسَبِّحُوهُ﴾ جملہ مستانفہ کے طور پر کلام مستقل ہے۔ ۱۲

رہا۔ لہٰذا یہ بیعت حقیقت میں اللہ ہی سے ہے یہ وہی حقیقت ہے جس کو قرآن کریم کی اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

اسی طرح سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (الانفال:۱۷)

یہ بیعت حدیبیہ میں اہل ایمان اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھی جو پہلے سے اصل اسلام پر بیعت کر چکے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایمان اور اسلام پر بیعت کے علاوہ جہاد پر اور کبھی کسی اور امر خیر پر بھی بیعت لیتے تھے جیسے صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((بايعت رسول الله ﷺ على النصح لِكُلِّ مسلم)).

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس بات پر کہ ہر مسلمان کے ساتھ اخلاص و ہمدردی کروں گا۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو حدیبیہ میں ہمراہ تھے موت پر بیعت نہیں لی (کیونکہ مرنا تو مقصود نہیں) بلکہ اس بات پر بیعت لی تھی کہ ہم میدان جہاد سے بھاگیں گے نہیں۔

امام احمد بن حنبل نے ﴿فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ کی تفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے:

((عن جابر رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلّم انّهٗ قال لا يدخل النّار اَحدٌ مِّمن بايع تحت الشجرة)). (ابن كثير)

"کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً کوئی شخص بھی جہنم میں نہیں جائے گا ان لوگوں میں سے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی (یعنی بیعت الرضوان میں شامل ہونے والا کوئی بھی شخص جہنم میں نہیں جائے گا)"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے ہم سفر لوگوں میں سے نہ کسی نے بیعت کو توڑا اور نہ کوئی بیعت سے پیچھے رہا بجز ایک شخص جد بن قیس منافق کے یہ شخص منافق تھا جیسے کہ صحیح مسلم کی روایت میں وضاحت ہے جب بیعت لی جا رہی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک تھامے ہوئے تھے یہ شخص جد بن قیس اپنے بیٹھے ہوئے اُونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ کر بیٹھا رہا بیعت الرضوان کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آیت ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے تحت آئے گی۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہٖ۔

| | |
|---|---|
| سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا | |
| اب کہیں گے تجھ کو پیچھے رہنے والے گنوار ہم لگے رہ گئے اپنے مالوں میں اور گھروں میں | |
| فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ | |
| سو ہمارا گناہ بخشوا کہتے ہیں اپنی زبان سے جو نہیں ان کے دل میں تو کہہ | |

فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ

کس کا کچھ چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تم پر تکلیف یا چاہے تم کو

نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ

فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے کام سے خبردار کوئی نہیں! تم نے خیال کیا کہ

يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ

پھر کر نہ آوے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور بھلا نظر آیا

قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ⑫ وَمَنْ لَّمْ

تمہارے دل میں یہ اور اٹکل کی تم نے بُری اٹکلیں اور تم لوگ تھے کھپنے والے اور جو کوئی

يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

یقین نہ لاوے اللہ پر اور اس کے رسول پر تم ہم نے رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ اور اللہ کا ہے راج

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ

آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو چاہے اور مار دے جس کو چاہے اور ہے

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى

اللہ بخشنے والا مہربان اب کہیں گے پیچھے رہ گئے جب چلو گے

مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا

غنیمتیں لینے کو چھوڑو ہم چلیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدلیں

كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ

اللہ کا کہا تو کہہ ہمارے ساتھ نہ چلو گے یونہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے پھر اب کہیں گے نہیں

بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑮ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ

تم جلتے ہو ہمارے بھلے سے کوئی نہیں! پر وہ سمجھتے نہیں رہے مگر تھوڑا کہہ دے پیچھے رہ گئے

مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ

گنواروں کو آگے تم کو بلاویں گے ایک لوگوں پر بڑے سخت لڑویئے تم ان سے لڑوگے

اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ

یا وہ مسلمان ہوں گے پھر اگر حکم مانو گے، دے گا تم کو اللہ نیگ اچھا اور اگر

تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ

پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے پہلی بار مار دے تم کو ایک دکھ کی مار نہیں

عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ

اندھے پر تکلیف اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا اس کو داخل کرے گا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں

وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع ۲ ۱۰ ۱۷

اور جو کوئی پلٹ جاوے اس کو مار دے دکھ کی مار۔

## قبائح وشنائع منافقین ومتخلفین وبیان حکم معذورین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ... اِلٰى ... عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾﴾

**ربط:** آیات سابقہ میں مؤمنین ومطیعین کا ذکر تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے عہد وپیمان پر قائم رہنے والوں کی فضیلت ومدح تھی۔ اب ان آیات میں منافقین اور عہد وپیمان توڑنے والوں کی شناعت وقباحت بیان فرمائی جارہی ہے اور یہ کہ اس طرح کے نفاق اور دھوکہ کا انجام کس قدر بُرا ہے دنیوی ذلت ورسوائی کے علاوہ عذاب آخرت بھی ہوگا البتہ حقیقتاً جو لوگ معذور ہیں ان پر اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں ان آیات کی تفسیر وتوضیح میں اس صورت حال کا ذکر فرمایا ہے جن پر ان آیات کا مضمون مرتب ہے۔

احادیثِ صحیحہ اور صریحہ سے بھی اس کو ان آیات کا شان نزول بیان کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری

میں جب عمرہ کا ارادہ فرمایا تو اعراب یعنی بادیہ نشینوں اور دیہات میں بسنے والے بعض قبائل کو بھی بلایا تا کہ وہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ سفر میں شامل ہو جائیں آپ ﷺ کو یہ خیال تھا کہ شاید قریش کے قبائل رکاوٹ ڈالیں اور مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں یا ہو سکتا ہے کہ مقابلہ کی صورت پیدا ہو جائے کیونکہ غزوۂ بدر اور غزوہ احزاب میں ان کے بہت سے خویش و اقارب مارے گئے تھے اور یہ احتمال غالب تھا کہ جذبہ انتقام میں آمادہ پیکار ہو جائیں اور اسی بات کو جنگ کا بہانہ بنالیا جائے تو آپ ﷺ کا جو اصل مقصد عمرہ کرنے کا ہے وہ فوت ہو جائے گا اس لیے مناسب سمجھا کہ ایک کثیر جماعت آپ ﷺ کے ساتھ ہو تا کہ قریش کو ایسی جرات ہی نہ ہو اور پھر یہ کہ ان بادیہ نشینوں کی اہل مکہ کے ساتھ کچھ قرابتیں بھی وابستہ تھیں تو یہ توقع کی کہ شاید اس لحاظ میں قریش مکہ عمرہ کرنے سے نہ روکیں بہر کیف آپ ﷺ نے جب اعراب کو طلب فرمایا تو بہت سوں نے تو پہلے ہی انکار کر دیا اور مختلف حیلے اور بہانے کر کے بیٹھے رہے البتہ ان میں سے جو با اخلاص مؤمن تھے وہ آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہونے کے واسطے تیار ہو گئے جب مقام حدیبیہ میں پہنچے تو قریش اپنی جاہلانہ حمیت اور جوش انتقام سے مغلوب ہو کر جنگ پر آمادہ ہو گئے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) اس موقعہ پر کافی ردوقدح کے بعد مصالحت کی گئی جو بظاہر مغلوبانہ تھی اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جذبہ جہاد کے باعث یہی خیال تھا کہ بجائے کسی معاہدہ اور صلح کے مقابلہ اور جہاد کیا جائے اور حضور اکرم ﷺ کے عشاق و جانثار مخلصین و محبین کو صدمہ بھی گذرا جس پر حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہ فرمایا کہ یہ معاہدہ کسی قسم کی شکست اور مغلوبی نہیں بلکہ یہ تو ''فتح مبین'' ہے اس معاہدہ میں بہت سی مصلحتیں فتوحات اور فوائد ہمارے علم میں ہیں خیبر فتح ہو گا، مکہ فتح ہو گا۔

خیبر و مکہ اور حنین کی غنیمتیں اے مسلمانو! تمہارے ہاتھ آئیں گی تو اس طرح قلب کی شکستگی دور کی گئی اور جو صدمہ اور دل پر زخم تھا ان آیات نے اس پر مرہم کا کام دیا۔

معاہدہ حدیبیہ کے بعد جب واپسی ہو گئی اور قریش نے خود اپنے عمل سے غداری کا ثبوت دیتے ہوئے عہد و پیمان پارہ پارہ کر ڈالا اور اس وجہ سے آپ ﷺ نے خیبر پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو اللہ کی وحی سے آپ ﷺ نے یہ اعلان فرما دیا کہ خیبر میں صرف وہی جا سکے گا جو سفر حدیبیہ میں ساتھ تھا تا کہ وہ اعراب نہ جا سکیں جنہوں نے حیلے بہانے کر کے سفر حدیبیہ میں ساتھ چلنے سے جان بچائی تھے اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ خیبر کی غنیمتوں میں سے صرف اس شخص کو ہی حصہ ملے گا جو حدیبیہ میں تھا ان اعراب نے ہر چند چاہا کہ ہم بھی ساتھ چلیں تا کہ ہمیں بھی مال غنیمت مل جائے اسی کا ان کلمات مبارکہ میں ذکر ہے۔ ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ یہ غنیمتیں خیبر ہی کی تھیں جو حدیبیہ کے بعد فوراً ہی مسلمانوں کو ملیں اور پھر انعامات خداوندی میں اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا گیا بلکہ مزید اور غنائم کی بشارت سنا دی گئی ﴿وَ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا﴾ سے کہ ان کے علاوہ اور بھی غنیمتیں اے مسلمانو! تم کو ملیں گی جن پر ابھی تم قادر نہیں ہوئے ہو یہ غنیمتیں روم اور فارس کی غنائم تھیں جن کا اس وقت وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا تو ان آیات میں ان منافقین اعراب کو تنبیہ کی گئی جو آنحضرت ﷺ کے بلانے پر بھی حاضر نہ ہوئے اور حدیبیہ کے سفر میں شریک ہونے سے عذر کر دیا تو اس تنبیہ و وعید کے علاوہ ان اعراب کو یہ دھمکی بھی دی گئی کہ اچھا اب تو تم نے بہانے کر کے اپنی جان بچالی لیکن عنقریب ایک وقت آئے گا اور ایک سخت اور جنگجو اور طاقت ور قوم سے لڑنے کے لیے تم کو بلایا جائے گا اس وقت تمہاری جانثاری اور اخلاص کا امتحان ہو جائے گا اس کی تم کو ابھی سے خبر کر دی ہے تا کہ تم سوچ لو اور خوب غور کر لو اس وقت خیبر میں تو تم کو چلنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاتی

البتہ آئندہ جب اس جنگ جو اور طاقتور قوم سے مقابلہ ہوگا تو اس میں تم چاہو تو چلنا اس میں تم کو جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

جس کا ذکر ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ میں فرمایا گیا اور یہ طاقتور جنگ جو قوم قریش مکہ کے علاوہ ہوگی جو قوت وشوکت میں ان قوموں سے بڑھ کر ہوگی جن سے اب تک مقابلہ پیش آیا اور ظاہر اسباب میں ان پر غلبہ وفتح ممکن معلوم نہ ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بطور خرق عادت کمزور مسلمانوں کو فتح وکامیابی عطا فرمائے گا۔ اور اس پر شوکت وعظمت قوم یعنی فارس وروم کی حکومت وسلطنت درہم برہم کردے گا۔ اور اس زمانہ میں فارس اور روم آدھی دُنیا کے مالک تھے اور ساری دنیا ان سے مرعوب وہیبت زدہ تھی اور لفظ ﴿سَتُدْعَوْنَ﴾ یہ بتا رہا ہے کہ یہ دعوت آئندہ عنقریب زمانہ میں دی جائے گی اور یہ عنوان بتا رہا ہے کہ اس دعوت کا داعی ظاہراً کوئی انسان واحد مخصوص نہ ہوگا بلکہ وہ داعی، اللہ ہوگا اور اس دعوت کو قبول کرنا اللہ کی دعوت کو قبول کرنا ہوگا اور اس کو ٹھکرانا اللہ کی دعوت کو ٹھکرانا ہوگا اور تاریخ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ روم وفارس سے قتال ومقابلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہو کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا تو اس نص قرآنی اور تاریخی حقیقت نے خلفائے ثلاثہ کی دعوت کو اللہ رب العزت کی دعوت قرار دیا اور ان کی دعوت کی قبولیت کو ایمان کا ثبوت شمار فرمایا گیا اور اس دعوت کے انکار کو کفر وارتداد اور بغاوت کا درجہ دیا گیا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اب کہیں گے آپ ﷺ سے یہ پیچھے رہ جانے والے لوگ بادیہ نشینوں یعنی جنگلی قسم کے لوگوں میں سے حیلے کے طور پر ہم کو مشغول رکھا اور مہلت نہ دی ہم کو ہمارے مالوں (کاروبار) اور گھر والوں نے تو آپ ہمارے واسطے مغفرت طلب کیجیے اس وجہ سے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر نہیں کر سکے کہہ رہے ہیں یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات جو ان کے دلوں میں نہیں ہے جانتے ہیں کہ یہ عذر غلط ہے، نہ حقیقت میں ان کو کوئی عذر ہے اور نہ وہ آپ کے ساتھ نہ جانے میں اپنے کو قصوروار سمجھ رہے ہیں کہ اس پر استغفار کی درخواست کریں یہ بھی ایک دھوکہ دینا ہے کہ ان کی اس درخواست پر یہ گمان کر لیا جائے کہ واقعی یہ لوگ مجبور ہیں اور نہ جانے پر شرمندگی کے ساتھ معافی طلب کر رہے ہیں آپ کہہ دیجیے تو کس کو قدرت ہے تمہارے واسطے اللہ سے کسی چیز کو دفع کرنے کی۔ اگر اللہ چاہے کسی ضرر و مصیبت کو تمہارے لیے یا ارادہ کرے تم کو کوئی نفع پہنچانے کا یقیناً اللہ پر کسی کا بس نہیں دنیا کی کوئی طاقت اس کے کسی بھی ارادہ کو نہیں ٹلا سکتی ہر نفع ونقصان اسی کے قبضے میں ہے اور اسی کی مشیت کے تابع ہے خداوند عالم کو اس طرح غلط اور حیلوں سے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو خوب خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو اے لوگو! یہ غلط ہے کہ تم کو تمہارے کاروبار اور گھر کے لوگوں نے مہلت نہیں دی کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں نکلتے بلکہ تم نے تو یہ گمان کر لیا تھا کہ اب ہرگز نہیں لوٹیں گے رسول اور ایمان والے اپنے گھروں کی طرف کبھی بھی۔ یہ دیکھ کر کہ مسلمان کمزور اور بے سروسامان ہیں اور قریش مکہ بڑے طاقتور اور ساز وسامان سے آراستہ ہیں اور یقیناً مقابلہ کی صورت میں یہ جتنے جانے والے مسلمان ہیں سب کے سب قتل کر دیئے جائیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں پوری طرح رچا دی گئی تھی اور تمہاری دلی آرزو تھی حالانکہ یہ بات اور اس طرح کی تمنائیں خود تمہاری ہلاکت وتباہی کا باعث تھیں اور بے شک تم نے یہ گمان بہت ہی بُرا گمان کیا اور تم لوگ اپنے اس کمینہ پن کے باعث تباہ ہو جانے والی قوم ہو کیونکہ یہ چیز ایسی نہیں کہ خدا تعالیٰ اس پر درگزر کرے اور تم اس کی سزا سے بچ سکو اور قانون خداوندی یہی ہے جو بھی کوئی ایمان نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو بس سمجھ لینا چاہیے

کہ ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب جس سے ہرگز بھی کوئی نہیں بچ سکتا اور اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت زمینوں اور آسمانوں کی اس کے حکم کو مجال نہیں کہ کوئی ٹلا سکے جس کو چاہے وہ بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اگر اپنی مہربانی سے کسی کو بخشنا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر کسی کی معصیت و نافرمانی پر سزا دینا چاہے تو اس کو کوئی ٹلا نہیں سکتا اور اللہ ہے بڑا ہی درگزر کرنے والا مہربان کہ بندوں کے ہر گناہ پر انھیں سزا نہیں دیتا بلکہ درگزر ہی فرماتا ہے یہ اس کی مہربانی ہے اور رحمت ہے ورنہ قانون عذاب کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر تقصیر و معصیت پر سزا دی جائے اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا مواخذہ اور قانون سزا کا نفاذ ہونے لگے تو کوئی بھی عذاب سے نہیں بچ سکتا بلکہ نوبت یہ آجائے ﴿وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ﴾ (الفاطر:۴۵) تو وہ محض اپنی شان رحیمی سے ایسے عذاب سے درگزر فرماتا ہے۔ ✿ اس وقت تو یہ اعذار اور حیلے کر کے بیٹھے رہے مگر اس کے بعد اب عنقریب یہ پیچھے رہنے والے کہیں گے جب اے مسلمانو! تم چلو گے غنیمتوں کے حاصل کرنے کے لیے چھوڑ دو ہمیں اپنے ساتھ چلنے سے نہ روکو ہم بھی چلتے ہیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا ہوا اور اس کا یہ فیصلہ ہے کہ جو اعراب جھوٹے ہیں اعذار پیش کر کے حدیبیہ کے سفر سے رہ گئے اب وہ آئندہ خیبر کے سفر میں شریک نہ ہو سکیں گے ان لوگوں کو چونکہ خیبر میں فتح کی توقع اور مال غنیمت کا لالچ تھا تو اس سفر میں ساتھ چلنے کی خواہش مند تھے جب کہ سفر حدیبیہ میں خطرہ غالب تھا اور ظاہر اسباب سے ان کے دلوں میں یہی رچا ہوا تھا کہ مسلمان بچ کر واپس نہیں آسکیں گے تو اس میں چلنے کے واسطے تیار نہ ہوئے اس لیے اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان سے کہہ دو تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے یونہی فیصلہ کر دیا ہے اللہ نے تمہارے واسطے پہلے ہی سے۔ لہٰذا اب یہ تمہارے لیے ممکن نہیں کہ تم اس سفر میں روانہ ہو اور غزوہ میں شرکت کرو تم اس پر یہ لوگ کہنے لگیں گے نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم لوگ تو ہم پر حسد کرتے ہو کہ ہمارا کچھ فائدہ ہو جائے اور بوجہ حسد تمہیں یہ برداشت نہیں کہ مال غنیمت میں ہمیں بھی کچھ حصہ مل جائے اس لیے یہ کہہ رہے ہو کہ خدا نے ہمارے جانے کو منع کر دیا ہے حالانکہ ہمارے جانے کی کوئی ممانعت نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی وجہ تو اس طرح یہ منافقین خدا کے فیصلہ اور بات کو بدلنا چاہتے ہیں کچھ نہیں! یہ تو سمجھتے ہی نہیں کسی بھی بات کو مگر بہت کم نہ ان کو یہ شعور ہے کہ ان کے جھوٹ کو اور فریب کو مسلمان اور رسول خدا ﷺ خوب سمجھ رہے ہیں اور نہ ہی ان کو یہ احساس ہے کہ ان کی یہ حرکتیں ان کے کمینہ پن اور مال کی حرص و لالچ کو عیاں کر رہی ہیں عجیب خود فریبی میں مبتلا ہیں اپنی عیاری سے یہ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھیں حالانکہ وہ خود دھوکہ میں مبتلا ہیں کہہ دو! اے ہمارے پیغمبر ان پیچھے رہنے والے گنواروں سے اچھا جب تم اب سفر خیبر میں نکلنے کا شوق ظاہر کر رہے ہو تو عنقریب تمہارا یہ شوق اور جذبہ ظاہر ہو جائے گا تو سن لو عنقریب تم کو بلایا جائے گا ایک ایسی قوم کی جانب جو بڑی ہی قوت و شوکت والی ہوگی تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے یعنی از خود مرعوب ہو کر مطیع و فرمانبردار ہو جائیں گے یا اس کے بعد تم قتال کر لو پھر مغلوب و مفتوح ہوں پھر اگر تم اطاعت کر لو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایمان و اخلاص کے ساتھ تو اللہ تم کو بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ تم پہلے روگردانی اور نافرمانی کر چکے تو تم کو عذاب دے گا نہایت ہی دردناک عذاب یہ وعید و تنبیہ اور تہدید ان منافقین اور جھوٹوں کے واسطے ہے جو غلط اعذار پیش کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ واقعتاً معذور و مجبور ہیں سفر کی ان میں قدرت ہی نہیں ان کے متعلق قانونِ خداوندی یہ ہے کہ نہیں ہے نابینا پر کوئی حرج اور نہ ہی کوئی حرج ہے کسی لنگڑے معذور

---

✿ ان کلمات سے مضمون عذاب کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کے وصف غفور رحیم کی مناسب اور لطافت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

انسان پر اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اگر یہ لوگ سفر جہاد پر نہ نکلیں ان پر نہ کوئی مؤاخذہ ہے اور نہ یہ اس کے پابند ہیں کہ خواہ کچھ بھی مشقت وتکلیف ہو یہ ضرور نکلیں اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ایسے باغات (جنتوں) میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص روگردانی ونافرمانی کرے گا اس کو دردناک عذاب دے گا۔

## سفر حدیبیہ میں شریک نہ ہونے والوں کی آزمائش اور سزا

ان آیاتِ مبارکہ میں جن منافقین کا حدیبیہ کے سفر سے تخلف کرنے اور پیچھے رہ جانے کا ذکر فرمایا گیا ان پر بطور تہدید کے یہ واضح کر دیا گیا کہ ایسے منافقوں کے لیے بطور سزا حق تعالیٰ کی طرف سے دو چیزیں مقدر کی گئیں۔

ایک تو غزوۂ خیبر (جس میں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی) میں شرکت کی ممانعت جس کے نتیجہ میں مال ودولت سے محرومی ایسے منافقوں اور مال کے حریص لوگوں کے واسطے تکلیف دہ چیز اور حسرت وملال کا باعث بنی دوسری سزا یہ طے کی گئی ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ﴾ کہ ایسی قوم کے مقابلہ اور جہاد کی طرف ان کو بلایا جائے گا جو بڑی قوت اور شوکت والی ہوگی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ میں لفظ قوم نکرہ ہے اور نکرہ ظاہر ہے کہ غیر معین اور غیر معروف ہوتا ہے تو ان الفاظ کی دلالت سے یہ متعین ہو گیا کہ وہ قوم قریش کے علاوہ ہوگی جس سے تم واقف نہ ہوگے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا کہ یہ قوم فارس اور روم تھی اور ان کے قتال کی طرف دعوت دینے والے حضراتِ خلفائے ثلاثہ تھے اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس کا ظہور نہ ہوا تھا کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں حدیبیہ کے فوراً بعد غزوۂ خیبر ہوا اس میں تو واضح طور پر ممانعت نازل ہو گئی ﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا﴾ ”کہہ دو کہ ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلو“ اس کے بعد فتح مکہ اور غزوۂ حنین پیش آیا تو یہ دونوں واقعات بھی اس پیش گوئی کا مصداق نہیں کیونکہ یہ قومیں بھی قریش اور ان کے لواحق میں تھے نیز حنین میں مقابلہ ہوازن سے پیش آیا اگرچہ وہ لوگ بڑے سخت تیر انداز تھے مگر وہ نہ تو تعداد میں زائد تھے اور نہ ہی قوت وشوکت والے تھے پھر غزوۂ تبوک پیش آیا وہ بھی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تبوک میں تو قتال کی نوبت ہی پیش نہیں آئی حالانکہ آیت یہ ہیں ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ کہ اس جنگ کا انجام یہ ہوگا کہ حریف یا تو مرعوب ہو کر اسلام لے آئے گا یا جنگ وقتال کی نوبت آئی تو مفتوح ومغلوب ہوگا تو غزوۂ تبوک میں اس کی نوبت ہی نہیں آئی الغرض ان وجوہ سے بھی متعین اور ثابت ہوا کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد پیش آیا اور یہ مقابلہ فارس اور روم ہی کے ساتھ تھا۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ پیش آنے والے مقابلہ کی حقیقت

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز نے ”ازالۃ الخفاء“ میں اس آیت پر تفصیل سے کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وعدہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پورا ہو گیا خلافت عثمانی کے بعد اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی قتال اور مقابلہ کی صورت پیش آئی لیکن انہوں نے جس قتال کی طرف لوگوں کو دعوت دی وہ مسئلہ خلافت کو مضبوط کرنے کے لیے تھا اور اس گروہ کے مقابلہ میں جو خود مسلمانوں میں سے تھا ان کو مغلوب کرنے اور شکست دینے کے واسطے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ ہوا یہ مقابلہ نہ تو کفر کے مقابلہ میں تھا اور نہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعراب کی دعوت دی تھی۔

بعض روایاتِ صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت امیر کے حق میں فرمایا تھا: (( یا علی رضی اللہ عنہ اِنَّكَ لتقاتل علیٰ تاویل القرآن کما قاتلتُ علی تنزیله)) کہ اے علی رضی اللہ عنہ تم قتال کرو گے قرآن کی تاویل پر یعنی اس کی مراد کی تحریف کرنے والوں سے مقابلہ کرو گے جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل پر لوگوں سے قتال کیا یعنی اس پر ایمان لانے کے واسطے ان لوگوں سے قتال کیا جو اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور یہ امر قطعی ہے کہ تاویل پر قتال و مقابلہ اسی سے ہوسکتا ہے اور اسی صورت میں کہ وہ گروہ اصل قرآن کو تو مانتا ہو مگر اس کی مراد میں تحریف و تاویل کرتا ہو اور تنزیل قرآن پر قتال کافروں ہی سے ہوسکتا ہے جو نزول قرآن کے منکر ہوں تو قتال علی التاویل اور قتال علی التنزیل دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ الغرض وہ جنگ جو اور طاقت ور قوم جس کے ساتھ قتال کے لیے اعراب کو بلانے کا ذکر آیت مبارکہ میں ہوا اس کا ظہور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ خلیفہ راشد تھے ان کی دعوت کو قبول کرنا قرآنی حکم اور امر لازم تھا اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والا نص قرآنی سے مستحق اجر و ثواب تھا اور جنہوں نے ان کے حکم سے انحراف کیا وہ مستوجب عذاب ہوئے۔ [1]

شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اس کے واسطے کوئی ادنی سے ادنیٰ اور ضعیف سے ضعیف بھی روایت و دلیل نہیں اس کے بالمقابل ان حضرات صحابہ اور اصحاب حدیبیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جرح و تنقید بلکہ طعن و تنقیص کرتے ہیں جن کے واسطے قرآن کریم نے صفت تقویٰ کو لازم فرمادیا گویا ان حضرات کے واسطے وصف تقویٰ لازمہ حیات ہوا ان کے ایمان و فضائل میں ایک نہیں متعدد آیات موجود ہیں۔

## قرآنی پیش گوئی کا مصداق خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم تھے

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا زمانہ مبارک اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہوسکتا بچند وجوہ **اوّل** یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین لڑائیں ہوئیں۔ ① جمل، ② صفین، ③ نہروان۔ یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویان اسلام سے تھیں ﴿اَوْ یُسْلِمُوْنَ﴾ اس پر صادق نہیں آتا یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لیے تھیں۔ **دوم** یہ کہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں۔ **سوم** یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ ان بدوؤں کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دعوتِ جہاد دی ہو۔

بنی امیہ نے بھی کبھی حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت جہاد نہیں دی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں باقی رہے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم تو واقعات تاریخیہ بتلا رہے ہیں کہ ان کے عہد میں دُنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی روم و ایران سے لڑائی ہوئی اور رومیوں اور ایرانیوں کا ﴿قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ ہونا یقیناً ناقابل انکار ہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ ان تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم نے ان لڑائیوں میں حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت دی لہٰذا وہ بلانے والے قطعاً یہ تینوں خلفاء خصوصاً حضرات شیخین رضی اللہ عنہم ہیں پیشین گوئی کے تمام اجزاء ان پر منطبق ہیں اور جب ان کا داعی جہاد ہونا اور ان کی دعوت کی اطاعت کا فرض ہونا ثابت ہوگیا تو خلیفہ برحق ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

---

[1] خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بروایت واقدی رحمۃ اللہ علیہ، مراجعت فرمائیں ازالۃ الخفاء جلد اوّل طبع قدیم۔ ۱۲

اگر باوجود اس پیشین گوئی کے تمام اجزاء کے منطبق ہو جانے کے کوئی شخص ان تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کو اس آیت کا مصداق نہ مانے اس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہو اور کلام الٰہی کی تکذیب ہو جائے۔ نعوذ باللہ

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت بیان فرمائی ہے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی عمدہ تقریر تحفہ اثناء عشریہ میں لکھی ہے مگر حضرت مولانا الشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں جو تقریر اس آیت کی لکھی ہے وہ انھیں کا حصہ تھی میں اس موقع پر ازالۃ الخفاء کی وہ پوری تقریر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں اور اسی کو خاتمہ بیان بناتا ہوں میں نے جو کچھ لکھا وہ سب ازالۃ الخفاء میں ہے۔

چکر لطف تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار و گل این ہمہ آوردۂ تست

ازالۃ الخفاء مقصد اوّل کی تیسری فصل جلد اوّل میں فرماتے ہیں:

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ سُوْرَةُ الْفَتْح :﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝۱۶﴾

اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح (چھبیسویں پارہ) میں فرمایا ہے: "کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! پیچھے چھوڑے ہوؤں کو جو بادیہ نشینوں سے (ہیں) کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک ایسی قوم (کی لڑائی) کی طرف (جو) سخت لڑنے والی (ہوگی) تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے پس اگر اطاعت کرو گے تو دے گا خدا تم کو اچھا بدلہ اور اگر منہ پھیرو گے تم جیسے کہ منہ پھیرا تھا اس بلانے سے پہلے تو عذاب کرے گا تم پر درد دینے والا عذاب۔"

اس آیت کا سبب نزول باجماع مفسرین اور بدلالت سیاق و سباق آیات اور موافق مضمون احادیث صحیحہ کے یہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔

اس تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پھر فرماتے ہیں:

جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب جاننا چاہیے کہ بلانے والے خلفائے ثلاثہ تھے ان کے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ موافق احتمالات عقلیہ کے یہ بلانے والے یا جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے یا خلفائے ثلاثہ یا حضرت مرتضی یا بنی امیہ یا بنی عباس یا ترک جنہوں نے سلطنت عرب کے ختم ہو جانے کے بعد سر اٹھایا تھا ان (چھ احتمالوں) سے زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا (اب دیکھو کہ خلفائے ثلاثہ کے سوا جس قدر احتمال ہیں سب باطل ہیں کیونکہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا بلانا کبھی ظاہر نہیں ہوا اس لیے کہ یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات گنتی کے ہیں اور معلوم ہے کہ ان میں سے کسی میں اس قسم کا بلانا نہیں ہوا حدیبیہ کے بعد ہی علی الاتصال غزوۂ خیبر ہوا اس غزوہ میں اعراب کے کسی متنفس کو آپ نے نہیں بلایا بلکہ اس غزوہ میں تو سوا ان لوگوں کے جو حدیبیہ میں شریک تھے کسی اور کا شریک کرنا منع تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ (یعنی اے نبی! اعراب سے) کہہ دو کہ تم (خیبر میں) ہمارے ساتھ نہ آؤ تمہارے متعلق پہلے ہی اللہ نے ایسا فرما دیا ہے خیبر کے بعد غزوۂ فتح پیش آیا

اس غزوہ میں کچھ اعراب بلائے گئے مگر اہل مکہ ﴿قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ نہ تھے کیونکہ یہ وہی لوگ تھے جن سے لڑنے کے لیے حدیبیہ میں بلائے جا چکے تھے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ ﴿قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ سے اہل مکہ کے علاوہ کوئی دوسری قوم مراد ہے۔ غزوۂ حنین بھی مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اہل ہوازن (جن سے اس غزوہ میں لڑائی تھی) اس سے بہت ہی قلیل وذلیل تھے کہ ان کو بارہ ہزار مردان جنگی کے مقابلے میں (جو حنین میں) ہمرکاب حضرت نبوی ﷺ تھے یعنی (مہاجرین وانصار و مسلمین فتح مکہ) ﴿اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ کہا جائے یہ دوسری بات ہے کہ حکمتِ الٰہی نے میدان جنگ میں بوجہ اس کے کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ ناز پیدا ہو گیا تھا دوسرا رنگ دکھا دیا غزوۂ تبوک بھی مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ وہاں ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ﴾ نہیں پایا جاتا (یعنی اس غزوہ کا انجام یہ نہیں ہوا کہ حریف اسلام لاتا یا اس سے جنگ کی نوبت آتی) مقصود (الٰہی) اس غزوہ سے صرف اہل شام وروم کے دلوں میں ہیبت پیدا کرنا تھا جب ہرقل نے جنبش نہ کی اور فوج نہ بھیجی تو مسلمان لوٹ آئے (باقی رہے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) اور بنی امیہ اور بنی عباس اور ان کے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لیے بلایا ہی نہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے یقیناً یہ خاص قسم کا بلانا (جس میں چاروں مذکورہ اوصاف پائے جائیں) اتنی طویل مدت میں سوائے خلفائے ثلاثہ کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب رسول خدا ﷺ کی وفات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا لیے گئے ان کے عہد میں مسلیمہ بن قیس مارا گیا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور انہیں نے بنوحنیفہ سے قتال کیا نیز انہیں کے زمانے میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہو گیا اس وقت انہوں نے ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر کشی کریں اور ان کی توجہ غزوہ روم کی طرف مائل ہوئی چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور نبی ﷺ کو یاد کیا اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو تم کو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے سبب سے فضیلت دی ہے اور تم کو محمد ﷺ کی اُمت میں کیا ہے اور تمہارے ایمان ویقین کو ترقی دی ہے اور کھلم کھلا تمہاری مدد کی ہے اور تمہارے ہی حق میں فرمایا ہے ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ ... الخ﴾ یعنی آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے اسلام کو تمہارے لیے دین اور یہ بھی واضح رہے کہ رسول خدا ﷺ کی توجہ اور ہمت ملک شام کی طرف تھی مگر اللہ نے ان کو اٹھا لیا اور ان کے لیے اپنا قرب پسند کیا (ﷺ) لہٰذا اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے شام کی طرف بھیجوں کیونکہ رسول خدا (ﷺ) نے اپنی وفات سے پہلے (اشارۃً) مجھے اس کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ زمین کی مشرق ومغرب سب میرے لیے لپیٹ دے گئی ہے اور جس قدر حصہ زمین کا میرے لیے لپیٹا گیا وہاں تک میری اُمت کی سلطنت پہنچے گی پس اب تم لوگ (اس بارے میں کیا کہتے ہو اللہ تم پر رحم کرے ان لوگوں نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ (ہمارا بولنا آپ کے سامنے کیا مناسب ہے) آپ رضی اللہ عنہ اپنے حکم سے ہمیں اطلاع دیں اور جہاں چاہیں بھیج دیں کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء:۵۹) یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت مسرور ہوئے اور خوش ہوئے اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور بادشاہانِ یمن اور سردارانِ عرب اور اہل مکہ کے نام خطوط لکھے ان تمام خطوط کا مضمون یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عبداللہ (ملقب بہ) ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام۔ سلام ہو تم پر ..... میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس

کے سوا کوئی معبود نہیں اور درود پڑھتا ہوں اس کے نبی محمد ﷺ پر۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ملک شام کی طرف بھیجوں تا کہ تم لوگ اس کو فتح کرو پس جو شخص تم میں سے جہاد کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ سبقت کرے اطاعت خدا اور اطاعت رسول ﷺ پر خط کے آخر میں یہ آیت لکھی تھی ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ... الخ﴾ (التوبہ:۴۱) اس کے بعد یہ خط سب کے پاس بھیج دیئے اور اس کے جواب کا انتظار کیا۔ سب سے پہلے جو شخص یمن بھیجا گیا وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول خدا ﷺ کے خادم تھے۔ (واقدی کا کلام ختم ہوا)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اس بلانے میں مثل جارحہ کے ہونا اور ان کا اس واقعہ میں اس حدیث قدسی کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ نے بخطاب آنحضرت ﷺ کے فرمائی کہ تم ایک لشکر بھیجو تو ہم ویسے پانچ لشکر بھیج دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے چنانچہ (ان کے) اس خط نے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر کیا جو دنیاوی عقل سے بالاتر ہے یہاں تک کہ غزوہ یرموک میں چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے اور ان کے ہاتھ سے عجیب کوشش ظاہر ہوئی اور ایسی فتح حاصل ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی بمقابلہ کوشش اور اہتمام کے دوگنا اور چوگنا نتیجہ حاصل ہوا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہی کام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے دستور العمل بن گیا انہوں نے اس طریقہ سے غزوہ قادسیہ میں اعراب کو دعوت دی روضۃ الاحباب میں ذکر غزوۂ قادسیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ خبر ملی کہ اہل عجم نے یزدجرد کو بادشاہ بنایا ہے تو انہوں نے اپنے عمال کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ ان اطراف میں جس کو تم جانتے ہو کہ اس کے پاس گھوڑا اور ہتھیار ہے اور ہمت و شجاعت بھی رکھتا ہے اور فن حرب سے واقف ہے اس کو فوراً سامان درست کر کے مدینہ روانہ کرو اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی کمک کے لیے جب کہ انہوں نے وہاں کے بادشاہ سے جنگ چھیڑی اعراب کو بلایا اور یہ واقعہ بھی مشہور ہے تو یہ تمام تفصیلات اسی امر کو ثابت کر رہی ہیں کہ وہ بلانا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ انہی خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ہے اور ان میں سے ہر ایک خلیفہ راشد تھے ان کی طرف سے جہاد کی دعوت حکم شرعی تھا اور ان کا حکم ماننا قرآنی فیصلہ تھا جس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا اور ان کے حکم کی خلاف ورزی عذابِ خداوندی کا سبب تھا۔

اور ان سب تفصیلات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شیعوں کا یہ دعویٰ کہ یہ دعوت دینے والے حضرت امیر (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہیں باطل ہے انہوں نے جس کو بھی دعوت دی تھی وہ بیعت کے توڑنے پر مقابلہ کرنے کے لیے تھی۔ ❶ ان آیات کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی یہ تحقیق نہایت ہی بلند پایہ اسرار و حکم اور اصول دین اور خلافت راشدہ میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مقام عظمت و نزاہت اور عنداللہ تعالیٰ ان کی مقبولیت کے بیان پر مشتمل تھی اس وجہ سے اس تحقیق انیق کو علامہ آلوسی و دیگر ائمہ مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کے کلام اور حضرت والد محترم شیخ المحدثین والمفسرین مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمائے ہوئے اشارات سے مرکب و جمع کر کے اس ناچیز سراپا تقصیر نے پیش کر دیا ہے جو حقائق و لطائف ہیں وہ ان حضرات کے ہیں اور ان کی تربیت و بیان میں اگر تقصیر و نقائص محسوس ہوں تو وہ ناچیز کے ہیں جس پر طالب عفو و درگزر ہوں۔

(اللہ تعالیٰ مؤلف کو بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین) ''مرتب''

---

❶ ازالۃ الخفاء جلد اوّل۔ روح المعانی جلد ۲۶۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اُس درخت کے نیچے، پھر جانا

مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ﴿۱۸﴾

جو اُن کے جی میں تھا پھر اُتارا ان پر چین، اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک،

وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ

اور بہت غنیمتیں جو ان کو لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا وعدہ دیا ہے تم کو

اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ

اللہ نے بہت غنیمتوں کا تم ان کو لو گے، سو شتاب ملا دی تم کو یہ اور روکے لوگوں کے ہاتھ

النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا

تم سے اور تا ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے اور چلاوے تم کو راہ

مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲۰﴾ وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ

سیدھی اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی، وہ اللہ کے قابو میں ہے

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور ہے اللہ ہر چیز کر سکتا اور اگر لڑتے تم سے کافر،

لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ

تو پھیرتے پیٹھ، پھر نہ پاویں گے کوئی حمایتی اور نہ مددگار رسم پڑی اللہ کی،

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ

جو چلی آتی ہے پہلے سے اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی رسم بدلتی اور وہی ہے

كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ

جس نے روک رکھے ان کے ہاتھ تم سے، اور تمہارے ہاتھ اُن سے بیچ شہر مکہ کے، پیچھے اس کے

اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ

کہ تمہارے ہاتھ لگا، دیئے وہ اور ہے اللہ جو کرتے ہو دیکھتا۔ وہی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا

ہیں جنہوں نے انکار کیا، اور روکا تم کو ادب والی مسجد سے اور نیاز کی قربانی کو، بند پڑی

اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ

نہ پہنچے اپنی جگہ تک اور اگر نہ ہوتے کتنے مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں ایمان والیاں،

لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ

جو تم کو معلوم نہیں یہ خطرہ کہ ان کو پیس ڈالتے پھر تم پر خرابی پڑتی

عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا

بے خبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا اپنی مہر میں جس کو چاہے اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ

منکروں کو دکھ کی مار جب رکھی منکروں نے

قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى

اپنے دل میں بیچ نادانی کی ضد، پھر اُتارا اللہ نے اپنی طرف کا چین

رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ

اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور لگے رکھا ان کو ادب کی بات پر اور یہی تھے

بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۹ ۱۱

اس کے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار۔

# بیعت الرضوان وفضائل اہل بیعت مع بشارت
# انعام خداوندی بعطاء غنائم وغلبہ اہل ایمان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ... الیٰ ... بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں ان اعراب ومتخلفین کا ذکر تھا جو جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کر کے حدیبیہ کے سفر سے پیچھے رہ گئے تھے ان کی باطنی گندگی اور قبائح کے ذکر کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے جس وعید اور تنبیہ کے وہ مستحق تھے بیان کی گئی تھی۔ اب اس گروہ کے بالمقابل ان مخلصین ومطیعین اور جانثاروں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے رسول خدا ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی کہ ہم زندگی کے آخری سانس تک رسول خدا (ﷺ) کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور آخری دم تک ہر طرح کی مدد واعانت کرتے رہیں گے اور اطاعت وفرماں برداری سے قدم ہرگز پیچھے نہ ہٹائیں گے حق تعالیٰ شانہٗ نے ایسے مخلصین کا ذکر اپنی رضا وخوشنودی کے اعلان سے فرمایا ارشاد ہے۔

بے شک اللہ خوش ہوا ان ایمان والوں سے جب کہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ ﷺ سے اے ہمارے پیغمبر اس درخت کے نیچے جو ایک کیکر کا درخت تھا مقام حدیبیہ میں جہاں کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے بیعت کا اعلان فرمایا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس درخت کے نیچے بیعت کا سلسلہ شروع کیا پھر جان لیا اللہ نے اس چیز کو جو ان کے دلوں میں تھا [1] اخلاص وایمان اور ایثار وجہاد کے جذبات سے تو اتارا ان پر سکون واطمینان اور انعام دیا ان کو ایک نزدیک فتح کا اور بہت سی غنیمتوں کا جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی عزت وحکمت والا ہے کہ اس کے ارادہ اور عطاء کو کوئی طاقت روکنے والی نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس لیے اگر اس نے مقام حدیبیہ میں فتح اور غنائم کے بجائے معاہدہ اور صلح کو مقدر فرما دیا تو یہ اس کی شان حکیمی ہے کہ فتح وغنائم کو قریب وقت کے لیے مؤخر کر دیا جو فتح خیبر کی صورت میں فوراً ہی ظاہر ہوئی جیسا کہ تفصیل گذر چکی وعدہ کیا ہے اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جن کو تم آئندہ لو گے جس کا ایک حصہ خیبر کی غنیمتیں ہیں سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیئے لوگوں کے ہاتھ تم سے کہ مقام حدیبیہ میں کفار قریش تم پر حملہ نہ کر سکے ورنہ اس حالت میں کہ تم صرف چودہ سو یا پندرہ سو تھے بے سروسامان وطن سے دور تو اس حالت میں کفار مکہ اگر حملہ کر دیتے تو ظاہر اسباب بڑی پریشانی اور تکلیف کے تھے تو یہ کس قدر انعام ہوا اور اللہ کی رحمت ہوئی اور یہ سب کچھ اس وجہ سے بھی کیا گیا کہ ایک نشانی ہو جائے ایمان والوں کے لیے اللہ کی قدرت اور ایمان پر خصوصی عنایات خداوندی کی اور تم کو صراط مستقیم پر چلائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا اللہ رب العزت کے وعدوں اور اس کی لامحدود طاقت پر بھروسہ ہمیشہ قائم رہے گا اور اس وقت کی فتح کے علاوہ ایک اور فتح بھی اللہ نے تمہارے واسطے طے کر دی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو جس کا اللہ نے احاطہ کر لیا ہے اور وہ اس کے قابو میں ہے اور

---

[1] یعنی ظاہری احوال سے اندیشہ اور خطرے کے ساتھ حسن نیت صدق واخلاص توکل واعتماد اور حب اسلام کے ساتھ۔ علامہ ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلح کی شرائط سے قلب میں جو آثار رنج وغم تھے وہ بھی مراد ہیں۔ ۱۲

اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اس لیے جس غنیمت اور فتح کو مسلمانوں کے واسطے اللہ نے طے کر دیا ہے دُنیا کی کوئی طاقت اس کو اللہ کے قابو سے نہیں نکال سکتی۔

اور اس صورت میں کہ اللہ نے ایمان والوں کے واسطے فتح و کامیابی طے کر دی ہو اگر قتال کرتے کافر تم سے تو پیٹھ پھیرتے شکست کھاتے ہوئے پھر نہ پاتے اپنا کوئی حمایتی اور نہ مددگار تم ہی غالب ہوتے اور فتح و کامرانی حاصل ہوتی اور ان کافروں کو کسی کی حمایت و مدد عذابِ خداوندی سے نہ بچا سکتی مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہی تقاضا ہوا کہ فی الحال مقابلہ اور قتال نہ ہو اور معاہدہ و صلح ہی ہو جائے اور اس صلح کی ان برکات سے مسلمان مستفید ہوں جو مستقبل میں ان کے واسطے مقدر کر دی گئیں۔

اللہ کا طریقہ یہ ہے جو اسی طرح پہلے سے چلا آ رہا ہے اور اے مخاطب تو اللہ کے طریقہ اور قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا کہ جب بھی اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن مرحلہ پر مقابلہ ہو تو آخر کار حق کو فتح ہوتی ہے اور اہل باطل مغلوب و مقہور ہوتے ہیں اللہ کی یہ سنت ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ بس شرط صرف اتنی ہے کہ اہل حق مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہیں اور اللہ کے اس قانون کو کوئی دوسرا ہرگز تبدیل نہیں کر سکتا اور وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کافروں کے ہاتھوں کو تم سے جب کہ قریش مکہ کی کچھ ٹولیاں حدیبیہ کے مقام میں چوری چھپے حملہ آور ہونے کے ارادہ سے مسلمانوں تک پہنچ گئی تھیں اور تمہارے ہاتھ روک دیئے ان سے سرزمین مکہ میں بعد اس کے کہ تم کو ان پر غلبہ و (کامیابی) بھی دے دیا تھا اور اس قسم کی چند ٹولیاں شر پسندوں کی جو آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ پر خفیۃً حملہ کرنے کی نیت سے آئے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو پکڑ بھی لیا تھا اور زندہ گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش بھی کر دیا تھا اور اللہ دیکھنے والا ہے ان تمام کاموں کو جو تم کرتے ہو تو اس نے تمہارے اس حلم اور تحمل و درگزر کو بھی دیکھ لیا ہے اور وہ یقیناً ایسے صبر و تحمل کا بہتر بدلہ دے گا اور خدا تعالیٰ کے علم اور نظروں سے مجرم و نافرمان چھپے ہوئے نہیں ہیں خدا کو خوب معلوم ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو بندھا ہوا تھا اس بات سے کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ تک پہنچ جائے یعنی حرم تک جہاں قربانیاں لے جا کر ذبح کی جاتی ہیں اور اگر نہ ہوتے کچھ مرد ایمان والے اور کچھ عورتیں ایمان والی جن کو تم نہ جانتے تھے تو اس صورت میں اگر قتال و جہاد کا حکم دے دیا جاتا تو خطرہ تھا کہ تم ان کو پیس ڈالتے پھر تم پر ان کی وجہ سے کوئی خرابی اور مصیبت پیش آ جاتی بے خبری کے ساتھ تو اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو اس وقت اللہ کی طرف سے حکم قتال ہو جاتا لیکن ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کہ مکہ میں بہت سے مؤمن مرد اور عورتیں موجود تھے جن کے ایمان کا تم کو علم نہ ہوتا اور قتال کی نوبت آ جاتی تو وہ بھی لاعلمی میں پس جاتے اور ایمان والوں کا مارا جانا بلاشبہ ایک بہت بڑی خرابی اور تکلیف تھی جو تم پر واقع ہوتی تو اس مصلحت کے باعث اللہ نے معاہدہ اور صلح کی صورت پر اپنے پیغمبر ﷺ کو آمادہ کر دیا تا کہ اللہ داخل کر لے اپنی رحمت میں جس کو چاہے کیونکہ یہ ایک بے مثال تحمل اور صبر کا مظاہرہ تھا یقیناً ایسی مہربانی اور حلم کا بدلہ ضرور ملتا اور وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کر لے اگر وہ مسلمان مرد اور عورتیں ایک طرف جدا ہو جاتے تو ہم عذاب دیتے ان اہل مکہ میں سے کافروں کو بڑا ہی دردناک عذاب طبعی طور پر کافروں کی بے جا ضد اور عناد کی روش مسلمانوں کو متاثر اور مشتعل بنا سکتی تھی اور طبعاً ضد کا جواب ضد ہی سے دیا جا سکتا تھا لیکن یہ خدا کا کس قدر عظیم انعام ہے کہ ایسے وقت مسلمانوں کے خدا نے صبر و تحمل کا حوصلہ دیا جب کہ رکھی کافروں نے حمیت اور ضد اپنے دلوں میں جاہلیت کے زمانہ جیسی ضد نادانی کی لیکن اللہ نے سکون کی کیفیت اتاری اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر باوجود یہ کہ سخت اضطراب اور بے چینی کا عالم تھا اور صحابہ جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے محمود تھے اور قائم

رکھا ان پر تقویٰ * کا کلمہ کہ وحی الٰہی اور فرمان رسول ﷺ کے سامنے صحابہ سراپا پیکر تقویٰ بن گئے اور حقیقت یہ ہے کہ وہی اس کے لائق تھے اور اس کے اہل تھے اس کے کام کے اور اس کے ثمرات کے مستحق تھے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے باز رہے اور حرم و کعبہ کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا۔ تو اللہ نے تقویٰ اور طہارت کا یہ وصف اصحاب رسول ﷺ کی زندگیوں کے ساتھ لازم کر دیا کہ ان کی حیات اور عمل اور تقویٰ کے تقاضوں سے جدا نہیں ہو سکتا اور کل اُمت میں وہی اس کے سب سے زیادہ مستحق اور اس کے حق ادا کرنے کے اہل تھے کہ جن کو خدا نے اپنی حکمت اور علم محیط سے چن لیا تھا اور بے شک اللہ تو ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے وہی جانتا ہے کہ کس کے واسطے تقویٰ لازمہ حیات بنایا جا سکتا ہے اور کس کو تقویٰ کا پورا پورا حق ادا کرنے کے واسطے منتخب کیا جا سکتا ہے۔

## سبب بیعت الرضوان

اس بیعت کا نام اس آیت مبارکہ کی وجہ سے بیعت الرضوان ہوا جس میں حق تعالیٰ نے ان اہل بیعت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنی رضامندی و خوشنودی کا اعلان فرمایا سفر حدیبیہ اور صلح و معاہدہ کی تفصیل ابتداء سورۃ فتح میں گزر چکی اور یہ کہ بیعت کس طرح واقع ہوئی روایات سیرت اور کتب احادیث سے بیعت الرضوان کا جو سبب معلوم ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے مقام میں پہنچ کر خراش بن امیۃ الضمری رضی اللہ عنہ کو بطور قاصد اہل مکہ کی طرف بھیجا یہ پیغام دے کر کہ آپ ﷺ صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں اس کے علاوہ اور کوئی ارادہ مقابلہ یا قتال کا نہیں خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ جب اہل مکہ کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ان کا اونٹ ذبح کر ڈالا اور خود ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن قریش کے کچھ لوگوں کے روکنے پر وہ اس بات سے باز رہے اس واقعہ پر آنحضرت ﷺ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر عداوت اور غیظ و غضب رکھتے ہیں اور مجھے یہ توقع نہیں کہ اہل مکہ اگر میرے ساتھ کوئی زیادتی کریں گے تو میرا کوئی مددگار ہوگا اس وجہ سے مناسب ہے کہ آپ ﷺ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں وہاں ان کا مضبوط قبیلہ ہے اور وہ لوگ ان کی قدر بھی کرتے ہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو قریش مکہ کی طرف قاصد بنا کر روانہ فرمایا یہی پیغام دیکر کہ ہم لوگ صرف عمرہ کرنے ہی آئے ہیں اور ان کو اسلام کی بھی دعوت دینا اور یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں جو مسلمان مرد اور عورتیں مظلومیت کی زندگی گزار رہے ہیں ان کے پاس جا کر ان کو بشارت سنا دینا فتح و کامیابی کی اور یہ بھی بتا دینا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مکہ میں اپنا دین غالب فرمائے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے راستہ میں ابان بن سعید العاص مل گیا اس نے اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

---

* کلمۃ التقویٰ کی تفسیر کلمہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہے اس پر قائم رہنا سچے فرمانبردار اور پکے موحد کا کام ہے اور ایسا ہی فرمانبردار شخص رسول خدا ﷺ کے حکم پر اپنے تمام جذبات اور رجحانات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور عین جوش و خروش کے وقت صرف اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے اپنے تمام طبعی جذبات قربان کر ڈالتا ہے نہ اس کو اپنی عزت و ذلت کا سوال رہتا ہے نہ وقار کا مسئلہ حائل ہوتا ہے۔ حدیث میں کلمۃ التقویٰ کی تفسیر اسی وجہ سے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ سے کی گئی ہے کہ تمام تر تقویٰ اور طہارت کی بنیاد یہی ہے جس کو اللہ رب العزت نے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کے ساتھ لازم کر دیا اور اس کا حق ادا کرنے کے واسطے بھی ان کو چن لیا۔ ۱۲

کو اس پر بٹھایا اور ان کو اپنی پناہ دے کر قریش کو اس کی اطلاع کی کہ عثمان رضی اللہ عنہ میری پناہ میں ہیں ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی کہا کہ اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف بھی کر سکتے ہو لیکن یہ بات کہ تم سب مکہ میں داخل ہو سکو یہ ممکن نہیں ہے عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف بیت اللہ کر لوں اس پر قریش کے لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے یہ کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ تو قتل کر دیئے گئے اس خبر کے ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اعلان کرایا کہ قریش سے اس کا انتقام لینا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا حکم لے کر اُترے کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان فرمانے سے سب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور درخت کے نیچے سلسلہ بیعت شروع ہو گیا ہر ایک اس پر بیعت کر رہا تھا کہ ہم میدان جہاد سے کسی بھی حالت میں ہرگز نہ بھاگیں گے۔ ❶

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس درخت کی شاخیں ہاتھ سے تھامے ہوئے تھا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور شاخوں سے نہ چھپے ❷ اور سب سے پہلے اس روز جس شخص نے بیعت کی وہ ابوسنان وہب بن محصن رضی اللہ عنہ، عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اعلان بیعت فرمایا تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں بیعت کر لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرے گا (یعنی جانتا بھی ہے؟) عرض کیا یارسول اللہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہے بس اسی پر میں بیعت وعہد کرتا ہوں خواہ میں اس وقت اس کو جانوں یا نہ جانوں یعنی جو بھی کچھ حکم ہو گا بس قبل اس کے کہ وہ معلوم ہو میں اس کی اطاعت وفرماں برداری کے لیے عہد کر رہا ہوں۔

## بیعت الرضوان میں ایک بیٹے کی اپنے باپ سے سبقت

بیعۃ الرضوان میں عام بیعت کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور صحابہ بیعت کرتے جاتے تھے صحیح بخاری میں نافع رضی اللہ عنہ کی روایت ❷ سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ اس بیعت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سبقت کرنے والے تھے اور انہوں نے والد سے پہلے بیعت کی جس کی صورت یہ ہوئی کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک گھوڑا کسی انصاری کے پاس تھا انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو انصاری شخص سے گھوڑا لانے کے واسطے بھیجا مقصد یہ تھا کہ اگر جہاد کی نوبت آ جائے تو اس پر قتال کر سکیں عین اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر بھی نہ تھی کہ بیعت شروع ہو گئی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فوراً درخت کے نیچے پہنچ گئے اور فوراً بیعت کر کے پھر گھوڑا لینے کے واسطے گئے۔ اور آ کر اپنے والد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے کھڑے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں اور میں بیعت کر آیا ہوں یہ سنتے ہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھامے کھڑے رہے اور بیعت کا سلسلہ جاری رہا اس

---

❶ صحیح بخاری۔ تفسیر روح المعانی۔ احکام القرآن للقرطبی۔ ❷ صحیح مسلم۔

❷ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر۔ ۱۲

سلسلہ بیعت میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو کہ اس وقت مکہ میں محصور تھے ان کی بیعت اس شان کے ساتھ فرمائی۔ کہ اپنا ایک ہاتھ پھیلایا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھ لو یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مارا اور جس طرح بیعت میں ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ پکڑا جاتا ہے اسی طرح اپنے ہاتھ سے دوسرا دستِ مبارک پکڑا۔

عراقی لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان عظمت پر جب جرح وتنقید اور طعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزامات اور تہمتوں کی ایک فہرست تیار کی ہوئی تھی اور طے شدہ منصوبہ کے مطابق ہر مجمع میں ایک یہ بات بھی کہتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ وہ ہیں جو بیعۃ الرضوان میں غیر حاضر رہے تو ایک عراقی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی ان الزامات کو دھراتے ہوئے پوچھا بتاؤ کیا عثمان رضی اللہ عنہ وہ شخص نہیں ہیں جنہوں نے بیعت الرضوان میں حضور ﷺ سے بیعت نہیں کی فرمایا میں تجھے اس کی حقیقت بتاتا ہوں اور یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے اس بیعت میں جو لوگ حاضر تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے بیعت کی تھی مگر جب عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی نوبت آئی تو حضور ﷺ نے خود اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام بنایا خدا کی قسم ہم سب کی بیعت سے افضل اور بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت تھی۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تلمیذ سعید بن قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اصحاب حدیبیہ جنہوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی چودہ سو تھے فرمایا مجھے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا ہے کہ وہ پندرہ سو تھے بعض روایات میں تعداد اس سے کم اور بعض میں اس سے زائد بیان کی گئی لیکن ائمہ محدثین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ سو کی تعداد راجح ہے۔

## شجرۂ مبارکہ جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی

سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخت کیکر کا تھا جس کے نیچے یہ بیعت لی گئی جس کا نام ''بیعت الرضوان'' ہے اور قرآن کریم نے ان مقدس نفوس سے اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا بعض روایات وتاریخی نقول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اس درخت کی تعظیم وتکریم کرنے لگے اور وہاں آ کر نفلیں بھی پڑھتے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس درخت کو کاٹ دینے کا حکم فرمایا اس اندیشہ سے کہ کہیں اس درخت کی پرستش نہ ہونے لگے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں طارق بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ میں ایک دفعہ حج کے لیے جا رہا تھا تو میں نے مقام حدیبیہ سے گزرتے ہوئے ایک جماعت کو دیکھا کہ اس میدان میں نماز پڑھ رہے ہیں میں نے کہا یہ کون سی مسجد ہے (کہ اس جگہ نماز پڑھی جا رہی ہے) لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت الرضوان لی تھی یہ سن کر میں حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور ان کو یہ بتایا تو انہوں نے فرمایا میرے والد نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ ہم جب آئندہ سال عمرۃ القضاء کے وقت وہاں پہنچے تو ہم اس درخت کو بھول گئے اور یہ طے نہ کر سکے کہ وہ کون سا درخت تھا اور میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی یہ قصہ سنا کر سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ (عجیب بات ہے) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تو اس درخت کو نہ پہچان سکے اور اس پر ان کو قدرت نہ ہوئی اور تم نے اس کو پہچان لیا اب خود ہی سمجھ لو کہ یہ کیا بات ہے۔

## تعبیر ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کی بلاغت ونکتہ

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں رضا کے معنیٰ ''خوشنودی'' بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ لفظ رضا کا استعمال کلام عرب میں متعدد صورتوں سے ہوتا ہے کبھی بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے مثلاً کہا جائے رَضِیْتُ زَیْدًا اور کبھی عن اور با کے ساتھ مثلاً رضیتُ زیدًا باحسانہ اور کبھی لام کے ساتھ مثلاً رضیتُ لكَ۔

علماء عربیہ فرماتے ہیں ''ب'' کے ساتھ استعمال سببیت کے معنیٰ ظاہر کرتا ہے، باحسانہ کہنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس کے احسان کی وجہ سے میں خوش ہوا۔ اور جہاں بغیر صلہ کے استعمال ہو تو محض ذات بحیثیت ذات رضا کے معنیٰ ہوں گے اور جس جگہ "ب" کا صلہ اور ذات دونوں کو جمع کیا جائے مثلاً: ﴿رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا﴾ تو ذات سے خوشنودی کی نوعیت کو بتانا ہوگا یعنی اللہ رب العزت کے ساتھ خوشنودی بحیثیت اس کی ربوبیت اور بندگی ہے اور جب عن کے ساتھ استعمال ہوگا تو یہ ظاہر کرنا مقصود ہوگا کہ رضا اور خوشنودی کس چیز سے واقع ہوئی اور رضا وخوشنودی کا منشا کیا ہے تو اس موقعہ پر ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کا عنوان اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی خوشنودی ان کے ایمان واخلاص کی وجہ سے واقع ہوئی اور یہی ایمان واخلاص اس رضاء الٰہی کا منشاء بنا جب کہ یہ عمل بیعت ان کے ایمان کامل کے ثبوت پر ظاہر ہو رہا ہے جب کہ اس درخت کے نیچے بیعت ہو رہی تھی تو یہ عنوان بلیغ ترین عنوان ہوا بہ نسبت اس کے کہ ﴿رَضِیَ اللّٰہُ بیعتھم﴾ کیونکہ اس میں صرف اس عمل پر ہی خوشنودی کا اظہار ہوتا اب یہاں اس کے بالمقابل عمل کو ظرف بنایا گیا اور خوشنودی کا محل صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذات قرار دی گئی اور اس کا منشاء ان کا ایمان واخلاص بتایا گیا جس کی گواہی دینے والا خود اللہ رب العزت ہوا اب اس کے بعد ان حضرات میں سے کسی کے بھی ایمان واخلاص میں شبہ کرنا درحقیقت خدا تعالیٰ کی گواہی کو ٹھکرانا ہوگا۔

العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہِ

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

اللہ نے سچ دکھایا ہے اپنے رسول کو خواب تحقیق تم داخل ہو کر رہو گے ادب والی مسجد میں

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ

اگر اللہ نے چاہا چین سے بال مونڈتے اپنے سروں کے اور کترتے بے خطرہ

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِیْٓ

پھر جانا جو تم نہیں جانتے پھر ٹھہرا دی اس سے ورے ایک فتح نزدیک وہی ہے

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ

جس نے بھیجا اپنا رسول راہ پر اور سچے دین پر کہ اوپر رکھے اس کو ہر دین سے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ

اور بس ہے اللہ حق ثابت کرنے والا محمد رسول اللہ کا اور جو اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں

عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ

کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل

اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ

اور اس کی خوشی بانا ان کا ان کے منہ پر ہے سجدے کے اثر سے یہ

مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ

کہاوت ہے ان کی توریت میں اور کہاوت ان کی انجیل میں، جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا

فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ

پھر اس کی کمر مضبوط کی، پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہوا اپنے نال پر خوشی لگتا کھیتی والوں کو، تا جلا دے

بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ

ان سے جی کافروں کا وعدہ دیا ہے اللہ نے ان میں سے جو یقین لائے ہیں اور کیے ہیں بھلے کام

مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع ۴ ۳ ۱۲

معافی کا اور بڑے نیگ کا۔

## خاتمہ سورت بر بشارت غلبہ وترقی اسلام مع بیان فضائل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ... الٰى ... اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾﴾

**ربط** : سورۃ کا آغاز فتح مبین کی بشارت سے فرمایا گیا تھا اور یہ کہ وہ معاہدہ وصلح جو اللہ رب العزت کی طرف سے فتح مبین ہے بے شمار عنایات اور کرامت کا ذریعہ ہے۔ فتوحات اور غنائم سے مسلمان قوم عظمت اور سربلندی حاصل کرے گی روم اور فارس کی فتح کی بھی

بشارت سنا دی گئی جس کو اللہ تعالیٰ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پورا فرمایا ساتھ ہی حیلے اور بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھے رہنے والوں منافقین کی خباثت وشناعت کے ساتھ ان پر وعید وتنبیہ بھی فرما دی گئی تو اب اختتام سورت پر جس خواب کی تعبیر کو اللہ نے پورا فرمایا اس کو ذکر کرتے ہوئے غلبہ دین اور ترقی اسلام کی بشارت سنائی جا رہی ہے اور اعراب منافقین کے بالمقابل مخلصین کاملین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات بیان فرمائے جا رہے ہیں فرمایا۔

بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ خواب تحقیق کے ساتھ اس کی پوری پوری تعبیر دُنیا کے سامنے ایک حقیقت بنا کر ظاہر فرما دی کہ اے مسلمانو! یقیناً تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن واطمینان کے ساتھ اس طرح کہ مونڈائے ہوئے ہو گے اپنے سروں کو اور کچھ لوگ تم میں سے کترتے ہوں گے اس حال میں کہ تم کسی سے کوئی اندیشہ نہیں رکھتے ہو گے پھر جانا اللہ نے اپنے علم محیط کے لحاظ سے اس چیز کو جو تم نہیں جانتے تھے کہ اس خواب کی تعبیر ایک سال میں ظاہر کرنے میں کس قدر حکمتیں اور عظیم مصلحتیں ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جب وہ خواب ۶ ہجری میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں کوئی سر منڈا کر حلال ہو رہا ہے اور کوئی بال کترا کر اور اتفاق امر یہ کہ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا قصد فرما کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اپنے ہمراہ لے کہ روانگی کا اعلان فرما دیا تو صحابہؓ نے یہ خیال کیا کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ ادا کریں گے جب صلح مکمل ہونے پر بغیر عمرہ کیے ہوئے حدیبیہ سے واپس ہونے لگی تو بعض صحابہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپؐ نے ہم کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ ادا کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا عرض کیا نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تو بے شک یوں ہی ہو کر رہے گا تم امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈائے گا اور کوئی بال کترائے گا اور اس طرح تم احرام سے حلال ہو گے اور جب وہاں جاؤ گے تو یہ حال ہو گا تمہیں کسی کا خوف نہ ہو گا۔ چنانچہ حدیبیہ کی واپسی سے اگلے سال ایسا ہی ہوا اس آیت مبارکہ میں اسی کو فرمایا جا رہا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا دکھایا ہے اور وہ پورا ہو کر رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ پھر اس خواب کی تعبیر ظاہر ہونے سے پہلے اللہ نے مقرر کر دی ہے ایک نزدیک فتح یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جو دراصل مستقبل کی فتوحات اور اسلام کی عظمت وترقی کا ذریعہ بنی جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے اپنا رسول ہدایت دے کر اور سچا دین تا کہ غلبہ دے اس کو ہر دین پر جو اپنے اصول وعقائد اور فروع کے اعتبار سے اس قدر مضبوط واضح اور مستحسن ہے کہ اس سے قبل جس قدر ادیان گزرے شریعتیں اتاری گئیں اور انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے سب پر اس کو غلبہ حاصل ہو گا۔ چنانچہ تاریخ نے اسلام کو دُنیا کے تمام مذاہب واقوام پر غالب ثابت کر دیا اور اسلام نے بڑی شان وشوکت سے صدیوں تمام مذاہب والوں پر حکومت کی اور آئندہ بھی دُنیا میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرے گی باقی یہ بات کہ اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے تو بس سن لینا چاہیے کہ اللہ ہی کافی ہے حق ثابت کرنے والا ہونے کی حیثیت سے کہ تاریخ عالم دین اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ بڑے ہی مضبوط اور زور آور ہیں کافروں کے مقابلہ میں [1] اور نہایت ہی نرم دل ہیں آپس میں جس سے کافروں پر رعب پڑتا ہے اور کفر سے نفرت وبیزاری کا اظہار مگر اس شدت

---

[1] یعنی یہ دو صفتیں ''شدت ونرمی'' ان حضرات میں تھی لیکن ((اَلْحُبُّ فِی اللّٰہ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہ)) کی شان ان میں اس قدر رچی ہوئی تھی کہ کفر اور کافروں کے مقابلہ میں بڑے زور آور اور مضبوط اور شدید لیکن ایمان والوں کے واسطے سراپا پیکر محبت ومہربانی۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ =

اور سختی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑے ہی نرم دل ہیں ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کا پیکر ہیں اور یہ دونوں شانیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقام حدیبیہ میں پوری طرح نمایاں ہورہی تھیں اس ایمانی پختگی اور عظمت کے ساتھ ان کے ذوقِ عبادت اخلاص اور خشیتِ خداوندی کا یہ حال ہے کہ دیکھے گا تو ان کو اے مخاطب رکوع کرتا ہوا اور سر بسجود اس طرح کہ ڈھونڈتے ہیں اللہ کی مہربانی اور اس کی خوشنودی اس اخلاص اور جذبہ سے کہ ان کی ہر عبادت ہر ریا سے پاک صرف اسی غرض اور مقصد پر دائر ہوئی ہے ان کے باطنی تقویٰ کے آثار ایسے قوی ہیں کہ باطن سے ان کے آثار چہروں پر نمایاں محسوس ہوتے ہیں کہ دیکھے گا اے مخاطب ان کی نشانی اور اثر باطنی تقویٰ اخلاص اور خشیت کا ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے کیونکہ نمازوں کی پابندی بالخصوص تہجد کا خاص اور رونق عابدین کے چہروں پر جھلکتی ہے گویا حسن نیت اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں * یہ ہے ان کی صفت اور شان تورات میں اور مثال ان کی انجیل میں ایک کھیتی کی طرح ہے جس نے زمین سے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کو مضبوط کیا پھر اس کو موٹا کیا پھر وہ برابر کھڑا ہو گیا اپنی پنڈلی یعنی نال پر اس طرح کہ پسند آتا ہے کھیتی کرنے والوں کو۔ یہ سب کچھ جو اس مثال کے ذریعہ صحابہ اور اسلام کی ترقی و شادابی اس کے نشوونما بلندی اور استقامت و قوت مقدر فرمائی گئی اور اس کو بیان کیا گیا اس غرض سے کہ ان کے ذریعہ کافروں کو غیظ و غضب میں ڈالے اور اسلام کی ترقی سے ان کے دل جلیں اور یہ بات اللہ نے پہلے ہی طے کر لی تھی کہ اسلام اس طرح کمزوری کے عالم میں نمودار ہوگا پھر ابھرے گا۔ ترقی کرے گا اور پھلے پھولے گا تا آنکہ کافروں کے دل اسلام کی عظمت کو دیکھ کر جلنے لگیں۔ جیسا کہ ارشاد مبارک ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ (الصف:۸)

وعدہ کیا ہے اللہ نے ایمان لانے والوں اور نیکی کے کام کرنے والوں سے مغفرت و معافی کا اور بڑے ثواب کا اور اللہ کے وعدے سے بڑھ کر اور کون سا وعدہ سچا ہو سکتا ہے؟ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ﴾ ... ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (النساء:۸۷) چنانچہ دُنیا کے سامنے یہ وعدہ پورا ہو کر رہا اور آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا اور جو مثالیں تورات و انجیل میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان و تقویٰ اور ان کے ذریعہ اسلام کی ترقی و عظمت کی بیان کی گئی تھیں وہ بھی پوری طرح دُنیا کے سامنے آ گئیں۔

---

= کافروں کے ساتھ شدت و نفرت کا تو یہ عالم تھا کہ یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ان کے کپڑے بھی کافروں کے کپڑوں سے لگیں یا ان کے بدن سے کافروں کا بدن چھوئے اس کے بالمقابل اہل ایمان کے ساتھ محبت کا یہ حال تھا کہ جب بھی کوئی مسلمان اپنے دوسرے بھائی سے ملتا تو مصافحہ اور معانقہ کرتا ۱۲۔ روح المعانی ج ۲۶۔

* حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے الگ پہچانے جاتے تھے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)
مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا خشوع اور تقویٰ بیان کیا ہے اور بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا ہے: ان للحسنة نورًا فی القلب وضیاءً فِی الوجه وسعة فی الرزق۔ کہ نیکی کا نور قلب میں ہوتا ہے اور اس کی رونق چہرہ پر ہوتی ہے اور وہ رزق میں فراخی کا باعث ہوتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے فرمایا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلوص نیت اور ان کے محاسن اعمال کا یہ اثر تھا کہ جو بھی ان کو دیکھتا اس کا دل گواہی دیتا کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور نصاریٰ نے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر ہی شام کے راستے ان کے لیے کھول دیئے تھے اور کہنے لگے خدا کی قسم یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بھی اچھے ہیں۔ ۱۲ تفسیر ابن کثیر

## تورات وانجیل میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان وتقویٰ کی نشانیاں

ان کلمات میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عجیب ایمانی شان اور عظمت بیان کی گئی کہ ان کی تورات وانجیل میں وہ نشانیاں ذکر کردی گئی تھیں کہ اہل کتاب دیکھ کر انہیں پہچان جاتے تھے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں تورات میں بیان کردہ مثال تو وہ تھی جو ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ﴾ میں ذکر فرمائی گئی اور انجیل میں جو مثال تھی وہ ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ تھی اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ﴾ پر وقف ہے اور ﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان حضرات کی مثال انجیل میں اس کھیتی کی طرح بیان کی گئی ہے چنانچہ مجاہد، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ نے اسی کی تصریح کی ہے۔ (روح المعانی ج ۲۶)

یہ کھیتی جس کا ایک پٹھا نکالنا بیان کیا اس سے مراد وہ ایک شخص ہے جس نے سب سے پہلے دین اسلام قبول کیا اور وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی شان میں قرآن کریم کی یہ آیت ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ (الزمر: ۳۳) کا مصداق باجماع مفسرین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی ''اوّل اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی حضرت کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں'' بعض علماء فرماتے ہیں کہ ﴿اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ میں عہدِ صدیقی ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ میں عہدِ فاروقی ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ میں عہدِ عثمانی اور ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ میں عہدِ مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دیگر اکابر نے ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ کو بالترتیب خلفائے اربعہ پر تقسیم کردیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت جملہ حضرات صحابہ کی بہیئت مجموعی مدح ومنقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے۔ (فوائد عثمانی)

## حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خصوصی فضائل اور ان کے ایمان وتقویٰ کی قرآنی شہادت

قرآن کریم میں یہ آیات حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس انداز کے ساتھ عظمت وبرتری ان کا تقدس اور عنداللہ ان کا محبوب ہونا اور کافروں کا ان سے بغض وعداوت رکھا بیان کررہی ہیں وہ اپنے حقائق ولطائف کے لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔

سب سے اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رسالت کو بیان کیا گیا جس کو مشرکین نے صلح نامہ میں سے نکلوایا تھا جس کو اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی کتاب میں لکھ دیا بعد ازاں صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کیے جو آپ کی نبوت و رسالت کی عظیم دلیل ہیں شاگردوں کا کمال استاد کے کمال کی دلیل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کا ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ہے اور آئندہ آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال اور اخلاص کا بیان ہے۔

اور آیت ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اس لیے کہ اوّل تو اُوپر سے سلسلہ کلام اصحاب حدیبیہ کی مدح میں چلا آرہا ہے۔ دوم یہ کہ معیت کے حقیقی معنی کسی مقام میں کسی کے ساتھ ہونے کے ہیں اور

معیّت کے یہ معنی حقیقی ہیں اور جب تک معنی حقیقی بن سکیں معنی مجازی مراد نہیں لیے جاتے۔ سوم احادیث مستفیضہ مشہورہ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ یہ آیات اصحاب حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئیں اب اس کے بعد ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ سے ان کے فضائل اور ان کی صفات کے ذکر کا آغاز ہوتا ہے۔ ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمال ایمان کی طرف اشارہ ہے جب کہ حدیث میں ہے: (( مَنْ احب لِلّٰه وَاَبغض لِلّٰه فقد استَكمل الاِيمان )). یعنی ان لوگوں کی محبت اور عداوت کا دارومدار ایمان اور کفر پر ہے ان لوگوں نے اپنی محبت اور شفقت کو اور عداوت ونفرت کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے غضب کے تابع کر دیا ہے جن پر خدا نرم ہے ان پر یہ بھی نرم ہیں اور جن پر خدا گرم ہے ان پر یہ بھی گرم ہیں اور لفظ ﴿عَلَى الْكُفَّارِ﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافروں کے محض کفر کی وجہ سے عداوت ہے کسی ذاتی غرض کی وجہ سے عداوت نہیں اور ظاہر ہے کہ کفر میں اصل اور بالذات شیطان ہے کما قَالَ اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۷) اور نفس شیطان کا توام (جڑواں بھائی) ہے معلوم ہوا کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کافروں کے حق میں سخت ہیں تو نفس اور شیطان کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ اشد ہوں گے کیونکہ (( اَلْبُغْضُ فِي اللّٰه )) میں خدا کے دشمنوں سے عداوت بقدر دشمنی ہوتی ہے جو خدا کا دشمن زیادہ ہوگا اس سے دشمنی بھی زیادہ ہوگی لہٰذا جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ ہیں تو شیطان پر تو اور بھی زیادہ اشداء ہوں گے کیونکہ شیطان تمام کافروں کا سردار ہے اور علیٰ ہذا القیاس نفس بھی اعداء میں سے ہے بلکہ ایک اعتبار سے شیطان سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ شیطان بھی نفس ہی کے سہارے سے اپنا کام کرتا ہے اگر نفس نہ مانے تو شیطان کیا کرے نیز یہ بھی یاد رہے کہ آیت میں ''کفار'' سے وہ کفار مراد ہیں جو ان اہل ایمان کے اعزہ واقارب تھے تو جب مطلق عداوت کمال ایمان کی نشانی ہے تو اقرباء کی عداوت کو تو اکملیت کا نشان سمجھا جائے۔

الغرض جو شیطان کا ذاتی دشمن ہوگا وہ بھلا شیطان کے بہکائے میں کیسے آسکتا ہے اور جس پر نفس اور شیطان کا بس نہ چلتا ہو بلکہ نفس اور شیطان ہی ان کے سامنے بے بس ہوں ان کے سایہ ہی سے بھاگتا ہو اور جس راستہ پر وہ چلتے ہوں اس راستہ ہی کو بھول گیا ہو تو ایسے لوگوں کے مخلص اور مؤمن کامل ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے لہٰذا ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ کو اکملیت ایمان کا نشان سمجھنا چاہیے ولذا قال اللّٰه تعالیٰ فی اية اخریٰ ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدہ: ۵۴) الغرض اس لفظ سے صحابہ کا کمال ایمان اور اللہ تعالیٰ کا محب اور محبوب ہونا خوب واضح ہوگیا اور ظاہر ہے کہ کمال محبت کا درجہ بدون حق الیقین کے حاصل نہیں ہوسکتا۔

**نکتہ** : انسان میں حق تعالیٰ نے دو قوتیں رکھی ہیں ایک قوتِ شہویہ اور ایک قوتِ غضبیہ قوت شہویہ کا کمال یہ ہے کہ اس کو رحمت الٰہی کے تابع کر دے جس پر اللہ تعالیٰ مہربان ہو اس سے محبت کرے، ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے اور قوتِ غضبیہ کا کمال یہ ہے کہ غضبِ خداوندی کے تابع ہو اور ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۴۲ ج ۱)

الغرض ﴿اَلَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ کی **پہلی صفت**: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمال ایمان کی طرف اشارہ ہے۔

**دوسری صفت** : ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی عبادت اور اعمال کا بیان ہے کہ بکثرت نمازوں میں مشغول رہے ہیں اور نماز مؤمن کی معراج ہے۔

**تیسری صفت:** ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاص اور کمال عرفان کا بیان ہے کہ وہ عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں کسی اجر اور معاوضہ کے طالب نہیں [1] بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے یہ اعمال تقیہ کی بناء پر نہیں ان کا ظاہر اور باطن سب یکساں ہیں گذشتہ آیت یعنی ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا حال بیان کیا اور اس آیت میں یعنی ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ میں ان کے اخلاص و نیت کو بیان کیا کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتے ہیں۔

**چوتھی صفت:** ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے اندرونی ایمان کا رنگ چہروں پر نمایاں ہے مناجات اور دعا اور عبادت کے انوار باطن سے نکل کر ظاہر میں آشکارا ہوں گے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی صحابی کسی مجمع میں بیٹھتے تو دُور سے پہچان لیے جاتے اور اپنے چہرہ کے نور سے پہچانے جاتے کہ یہ صحابی ہیں۔

؎ مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش زی شعور

قانون ہے کل اناء یترشح بما فیہ۔ ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے اور عجب نہیں کہ ان مقامات میں ان کے قرب من اللہ کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ حدیث میں ہے: ((اقرب مایکون العبد من ربہ وَھُوَ ساجد)) بندہ کو اللہ کا قرب سب سے زیادہ حالت سجود میں حاصل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے۔

**پانچویں صفت:** ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ فضائل اور اوصاف توریت اور انجیل میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم میں خبر دی گئی ہے ﴿النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ﴾ (الاعراف:۱۵۷) کہ علماء اہل کتاب نبی اُمی کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی صفت بھی توریت و انجیل میں مذکور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكَ﴾ اسم اشارہ ہے جس کا اشارہ مابعد کی طرف ہے یعنی ﴿كَزَرْعٍ ... الخ﴾ کی طرف ہے جو بعد میں مذکور ہے جیسا کہ حق جل شانہٗ کے قول میں ﴿وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ﴾ (الحجر:۶۶) میں ﴿ذٰلِكَ﴾ کا مشار الیہ ﴿اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ﴾ ہے جو بعد میں مذکور ہے۔

**چھٹی صفت:** ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ ... الخ﴾ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دین اسلام کی تدریجی ترقی کو بیان فرمایا اور ان کی ترقی کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی اور کھیتی کی چار حالتیں اور مثال کے ذریعہ تدریجی ترقی کے بڑے بڑے چار مرتبوں کی طرف اشارہ کیا کہ جس طرح کھیتی کی ترقی کے چار درجے ہیں اسی طرح اسلام کی ترقی کے چار درجے ہیں۔

**پہلا درجہ:** ﴿اَخْرَجَ شَطْئَهٗ﴾ کا ہے۔ یعنی دانہ نکلنے کی حالت کا ہے یہ حالت آغازِ وجود کی ہے جو نہایت کمزور حالت ہے یہ مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء بعثت کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا جو نہایت کمزور حالت تھی اتنی کمزور حالت کی صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اسلام

---

[1] ظرف طریقت بود کا ولیا .... تمنا کنند از خدا جز خدا!
گراز دوست چشمت بر احسان دوست تو در بند خویشی نہ در بند اوست

کے ظاہر کرنے پر قادر نہ تھے ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ سے اسی مرتبہ اور اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اسی طرح صحابہ کی حالت قبل از ہجرت کمزور تھی۔

**دوسرا مرتبہ:** ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ یعنی دوسری حالت اس کھیتی کا مضبوط ہو جانا ہے جس سے یہ امید ہو جائے کہ یہ کھیتی اب ضائع نہ ہوگی بلکہ درخت بن جائے گی یہ حالت ہجرت کے بعد پیدا ہوئی کہ جب آپ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشرکین کے جو روستم سے نکل کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اور سلسلہ جہاد کا شروع ہوا اور دشمنان خدا سے جہاد میں مشغول ہوئے اسلام کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم ہوگئی یہ ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ کا درجہ ہوا سب سے پہلے بدر کا عظیم معرکہ پیش آیا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور تمام حجاز آپ ﷺ کے زیر اطاعت آ گیا اور جزیرۃ العرب میں اسلام کی ایک درجہ کی ریاست اور حکومت قائم ہوگئی یہ ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ کا درجہ ہوا پس جب یہ درجہ حاصل ہو گیا تو اس حالت کے آخر میں آنحضرت ﷺ نے دار دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی۔

**تیسرا درجہ:** ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ یعنی تیسری حالت درخت موٹا ہو جاتا ہے یہ حالت شیخین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حاصل ہوئی کہ شیخین نے دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں سے جہاد کیا اور ان پر غالب آئے اور قیصر و کسریٰ کی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی اور کفر کی شوکت زیر و زبر ہوگئی اور اسلام کو کفر پر برتری اور بالادستی حاصل ہوئی تو اب ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ کا درجہ حاصل ہوا۔

**چوتھا درجہ:** ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ کا ہے کہ درخت اپنے تنہ پر کھڑا ہو گیا یہ انتہائی کمال کی حالت ہے یہ حالت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حاصل ہوئی کہ قیصر و کسریٰ کے ماتحت جو بڑی بڑی ریاستیں تھیں وہ سب فتح ہو گئیں اور اسلام کی باجگذار بن گئیں اور معمورۂ عالم کے قلب پر اسلام کا قبضہ ہو گیا اور روئے زمین پر اسلام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہو گیا کہ روئے زمین کی کسی حکومت کو اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہی اور مشرق اور مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے خزانہ میں پہنچ گیا اور تمام بلاد مفتوحہ میں قرآن اور حدیث کی نشر و اشاعت ہوئی جا بجا مسجدیں بن گئیں اور ہر شہر میں قاضی اور مفتی اور معلم مقرر ہو گئے ہر جگہ دین کی تعلیم جاری ہوئی اور ملک کے تمام مقامات کا فیصلہ شرعی قانون کے مطابق ہونے لگا اب اسلام کو ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ کا درجہ حاصل ہوا کہ اسلام کی کھیتی اپنے عروج اور ترقی کے آخری درجہ پر پہنچی اور تمام دُنیا میں اسلامی سکہ رائج ہوا اور اس کا بول بالا ہوا اور اسی کا حکم اور قانون دُنیا میں رائج ہوا یہ سب فضل الٰہی تھا جو بطور خرق عادت ظہور میں آیا اور یہ سب باتیں خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اسلام کو بام عروج پر پہنچایا اور اسلام کو ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ کا درجہ حاصل ہوا اس لفظ میں ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حاصل ہوئیں اور اسلام کو استحکام تام حاصل ہوا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

غرض یہ کہ لفظ ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ میں خلافت شیخین کی طرف اشارہ ہے اور ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ میں خلافت عثمانیہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ کی تفسیر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ ﴿يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ سے کارکنان قضا و قدر مراد ہوں کیونکہ اسلام کی کھیتی کے کاشتکار ملائکہ مدبرات ہیں اور لفظ یعجب حق تعالیٰ کی خوشنودی پر دلالت کرتا ہے۔

**ساتویں صفت:** ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ پھر اخیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک صفت ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ بیان

فرمائی کہ کافر اسلام کی اس کھیتی کو دیکھ کر غیظ وغضب میں آجائیں گے یہ نہیں فرمایا ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْاَعْدَآءَ﴾ کہ ان کے دشمن یہ دیکھ کر جلیں گے تاکہ یہ چیز اس عنوان سے واضح ہوجائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جلن اور غیظ وغضب رکھنے والے کفر کے مرتکب اور کافر ہیں کہ خدا تعالیٰ جن کو پسند کرے ان کی مدح کرے یہ لوگ ان پر جرح وطعن کریں اور ان سے جلیں تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سا درجہ کفر کا ہوگا اور ایسا طرز یقیناً اس پر دلالت کرے گا ایسے لوگوں کو دراصل خدا ہی سے دشمنی اور ضد ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے روافض کی تکفیر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان سے بغض نص قرآنی سے کفر ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول اور فتویٰ کی تائید بہت سے اکابر، فقہاء اور ائمہ سے منقول ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص وتوہین کرتا ہے تو اس پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا جو شخص بھی صبح کو اس حالت میں اٹھے کہ اس کے دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض ہے تو یقیناً یہ آیت اسی پر منطبق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس اُمت کے سب سے زیادہ برگزیدہ اور متقی افراد تھے جن کا علم نہایت عمیق تھا اور ان میں تکلّف کا نام ونشان نہ تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پیغمبر کی مرافقت کے لیے اور اپنا دین قائم کرنے کے واسطے چنا تو ان کی فضیلت وعظمت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو جہاں تک بھی تم سے ہوسکے۔ ❶

## وعدہ مغفرت واجر عظیم از جملہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح وتوصیف کو وعدۂ مغفرت اور اجر عظیم پر فرما کر ان جملہ کمالات پر مزید عظمت وبرتری کی ایک مہر ثبت فرمادی اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ لفظ ﴿مِنْهُمْ﴾ میں مِنْ بیانیہ ہے اور ضمیر کا مرجع وہی ہے جو ابتداء کلام ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ سے متعین ہو چکا وہ جملہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منہم کی ضمیر مجرور اس جماعت کی طرف راجع ہے جو ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ اور ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ اور ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ سے سمجھی جاتی ہے تو ضمائر سابقہ کے ساتھ یہ ضمیر بھی اسی جماعت کی طرف راجع ہے اور اسی وجہ سے ''مِنْ'' بیانیہ ہے جیسا کہ من بیانیہ بہت سے مواقع میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ (الحج:۳۰) اور یہ بات ظاہر ہے کہ جن حضرات کی حق تعالیٰ نے یہ صفات عظیمہ بیان کیں تورات و انجیل سے ان کی شان بتائی گئی ان کے ایمان وتقویٰ کمال عبادت خشوع وخضوع کے اوصاف واضح کیے گئے تو بلاشبہ ان سب ہی سے وعدہ مغفرت اور اجر عظیم ہوگا۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان اوصاف وکمالات کو بیان کر کے وعدہ مغفرت اور اجر عظیم پوری جماعت سے نہ کیا جائے بلکہ مبہم طور پر بعض سے کیا جائے۔ بلاشبہ جن کی یہ خوبیاں اللہ نے آسمان اور زمین کی تخلیق سے قبل اپنی کتاب میں لکھ دیں وہ جماعت بلا استثناء فرد واحد اس وعدہ کی مستحق ہے اور جس گروہ کے بارہ میں وعدۂ مغفرت اور اجر عظیم ثابت ہو چکا ان کے بارہ میں کسی بھی وقت بعد نزول آیات، ارتداد اور گمراہی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

---

❶ روح المعانی، سنن نسائی، جامع ترمذی۔ ۱۲

شیعہ اس آیت میں من تبعیض کا لے کر صرف چند نفوس پر اس وعدہ کو منطبق کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ نص قرآنی کا انکار اور تحریف دین ہے اصول شریعت کی رو سے اس زعم اور دعویٰ کے گمراہی اور خروج عن الحق والحدایۃ میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ازالۃ الخفاء میں اس آیات پر کلام کرتے ہوئے لفظ مِنْ کو تبعیض کے معنی میں لیا تو العیاذ باللہ اس تقدیر پر نہیں کہ صحابہ اس کا مرجع ہوں اور پھر ان میں سے بعض کے بارہ میں یہ وعدہ ہو بلکہ اس صورت میں یہ کلام مستقل ہے اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والی دوسری جماعتوں کے بارہ میں یہ وعدہ فرمایا جارہا ہے کہ بعد میں آنے والی جو جماعتیں ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلیں گی اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ متصف ہوں گی ان سے بھی اللہ رب العزت نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمالیا ہے فرماتے ہیں کہ اس کا مرجع اصحاب حدیبیہ نہیں ان کے کمالات وفضائل ایمان وتقویٰ کی پختگی عاشق خدا اور رسول ہونا تو پہلے ہی بیان کردیا گیا تو اب آیت ﴿وَعَدَ اللّٰهُ﴾ کا مضمون اصحاب حدیبیہ کے بارے میں ہونا تو ماقبل کے منافی ہوگا کیونکہ وعدہ مستقبل کے واسطے ہوتا ہے تو جب ان کے فضائل واکرام کا تحقق ہوگیا تو وعدہ کا کیا درجہ رہ گیا اس لیے ﴿مِنْهُمْ﴾ کی ضمیر جماعت جدیدہ اور بعد میں آنے والے اور ہونے والے مسلمانوں کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

هٰذا توضيح ما قالهٗ الشاه ولى الله رحمه الله فى ازالة الخفاء والله اعلم بالصواب. و هٰكذا حقق الشيخ الجلال المحلى رحمه الله وَ هٰكذا سمعت من حضرت الوالد الشيخ محمد ادريس الكاندهلوى رحمه الله قد تمّ بحمد الله تعالىٰ و توفيقهٖ تفسير سورة الفتح وللّٰهِ الحمد، اَللّٰهُمَّ افتح لى ابواب رحمتك و اشرح صدرى لعُلُوم الكتاب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# تفسیر سورۂ حجرات

سورۂ حجرات سورۂ مدینہ ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

**پچھلی سورت سے ربط:** گذشتہ سورت میں فتح مبین کا اعلان اور فتح خیبر کی بشارت تھی۔ فارس اور روم سے جہاد کا ذکر تھا جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوا ان مضامین کے ساتھ مخلصین اور غیر مخلصین کا فرق اور ان کے کچھ احوال بھی بیان ہوئے اور اہل ایمان میں وہ ہستیاں جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے امت کے واسطے ایک نمونہ بنایا یعنی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص طور سے ان کے اوصاف وفضائل بیان کیے گئے تو اب اس سورت میں بوضاحت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایمان وانقیاد اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رنگ بیان کیا جارہا ہے جس کے باعث وہ ان کرامتوں اور بشارتوں کے مستحق ہوئے جو گزشتہ سورت میں بیان کی گئیں اور ساتھ ہی ان کے قلوب کی پاکی اور تقویٰ کے امتحان کا ذکر ہے کہ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ کہ خداوندِ عالم نے ان کے دلوں

اور قلوب کے باطنی تقویٰ کا امتحان لے لیا ہے جس میں الحمدللہ ان کی کامیابی کا اعلان ان کلمات نے کر دیا جس کے اوّلین اور عظیم ترین مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں جیسا کہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں بیان کیا اسی کے ساتھ آداب رسول اور حقوق رسالت کا بھی بیان ہے کہ اُمتی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

## سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتہا ۱۸ | ۴۹ | ۱۰۶ | رکوعاتہا ۲

سورۂ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی اس کی اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ

اللہ سنتا ہے جانتا اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

اوپر اور اس سے نہ بولو کھک کر جیسے کھکتے ہو ایک دوسرے پر

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ

کہیں اکارت ہو جاویں تمہارے کیے اور تم کو خبر نہ ہو جو لوگ دبی آواز

اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ نے

لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳

ادب کے واسطے ان کو معافی ہے اور نیگ بڑا۔

# حقوق آداب وعظمت رسول اکرم ﷺ وانحصار فلاح وسعادت درانقیادواطاعت پیش فرامین بارگاہ رسالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا ... الٰی ... لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

**ربط:** سورۂ فتح کا اختتام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے خصوصی اوصاف وفضائل اور کمالات کے ذکر پر ہوا تھا تو اب اس سورت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ امت پر رسول خدا ﷺ کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے جو ایسے فضائل وکمالات سے نوازا تھا وہ ان کے انقیادواطاعت ہی کے باعث تھا۔ دلوں کے تقویٰ کے ساتھ ظاہری آداب اور حقوق عظمت کا کس قدر لحاظ تھا کہ مجلس میں جب بیٹھتے تو وہی شان ہوتی جو احادیث میں فرمائی گئی کہ ((كَاَنَّ علٰی رؤسنا الطير)) گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں تو ان مضامین کا آغاز رسول اعظم کے حق تعظیم کے بیان سے کیا جارہا ہے ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! ہرگز آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ اور اس کی بات سے آگے بڑھو اس کی خلاف ورزی یا اپنی بات کو رسول خدا کی بات پر اونچی کرو یا کسی معاملہ میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے پہلے ہی کچھ طے کرلو یا اپنی رائے کے مقابلہ میں وحی الٰہی کو نظر انداز کردو * بلکہ اس کے برعکس ہر حکم الٰہی اور فیصلہ رسول کے بے چون و چرا سنو اور اس کی اطاعت کرو اور اس کے خلاف دل میں بھی کسی قسم کی تنگی نہ رکھو اپنی اغراض وخواہشات اور جذبات وحی الٰہی کے تابع کردو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی خوفِ خدا اور خشیت وتقویٰ اس امر کا ضامن ہوگا کہ تم کسی بھی مرحلہ پر خدا اور اس کے رسول سے آگے قدم نہ بڑھا سکو گے اور یہ باطنی تقویٰ اس اعتقاد پر موقوف ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے اس لیے کسی انسان کا کوئی قول و فعل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا ہے اللہ رب العزت کی سچی فرماں برداری اور کامل اطاعت اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت وفرمانبرداری میں مضمر ہے اور اطاعت وفرمانبرداری تعظم وتوقیر اور ادب پر موقوف ہے اس لیے پیغمبر خدا ﷺ کی توقیر وتعظیم کا یہ حق ہے۔ کہ اے ایمان والو! تم بلند نہ کرو اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز پر اور نہ تڑخ کر بات کرو ان سے جیسے کہ تم ایک دوسرے پر تڑختے ہو اور سخت لب ولہجہ میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو ہرگز اس طرح کی بے ادبی اور بے حرمتی خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ بات کرنے میں اختیار نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو تمہارے اعمال نیکیاں برباد ہوجائیں اور تم کو خبر ہی نہ ہو اس لیے کہ اس قسم کی بے حرمتی اور بے ادبی سے گفتگو کرنا رسول خدا ﷺ کی اذیت اور دل آزاری کا ذریعہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانا یا ایسی کوئی حرکت کرنا جس سے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تکدر واقع ہو اصل ایمان ہی کی بربادی کا باعث ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں واضح طور پر اعلان فرمادیا گیا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ﴾ (الاحزاب: ۵۷) بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں

---

* یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ خدا اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی یہ متعدد صورتیں ہیں کسی مومن کے لیے ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کرنا یہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے۔ ۱۲

رسول اللہ ﷺ کے پاس اور جب بھی وہ مجلس رسول ﷺ میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ کی تعظیم وتوقیر میں آوازیں پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہیبت ورعب ان پر اس قدر طاری رہتا ہے کہ آواز ہی گویا نہیں نکلتی تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے جانچ لیا ہے تقویٰ کے واسطے کہ ادب کی تخم ریزی کے لیے ان کے قلوب کو پرکھا اور ان کو مانجھ کر اور صیقل کر کے تقویٰ وطہارت سے مزین کیا ان کے واسطے درگزر ہے ان کی کوتاہیوں سے اور بڑا ہی ثواب ہے جو ان کو ایمان واخلاص رسول خدا ﷺ کے احکام کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کی تعظیم وتوقیر پر بارگاہِ رب العزت سے عطا کیا جائے گا۔

الغرض یہ ایمان کے بنیادی تقاضے ہیں جن کی رعایت اور تکمیل ہر مؤمن پر فرض ہے کامل اطاعت وفرمانبرداری کہ ہر حکم خدا اور رسول کے سامنے سرنگوں ہو جانا اور کسی بھی بات میں فرمان خداوندی اور حکم رسول سے آگے نہ بڑھنا جس کی اساس تقویٰ ہے پیغمبر خدا کا ادب اور تعظیم وتوقیر اور ہر ایسی بات سے اجتناب واحتیاط جس سے پیغمبر خدا ﷺ کو تکدر یا دلآزاری ہو۔

## بارگاہِ رسالت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ادب وتواضع

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں پیش آنے والے بہت سے واقعات امت کے واسطے عظیم رحمت اور سامان ہدایت بنتے ہیں کہ قیامت تک کے واسطے ایک ایسا ضابطہ میسر آ جاتا ہے کہ اس پر ایمانی زندگیوں کی تعمیر وتشکیل کی جا سکے۔

حضراتِ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ آیت ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ایک واقعہ میں نازل ہوئی بخاری رحمہ اللہ [1] نے ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی آواز آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بلند ہو گئی جب کہ بنو تمیم کا ایک وفد آیا تو ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ امیر اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو بنایا جائے دوسرے نے کہا نہیں ان کو نہیں کسی [2] اور کو بنایا جائے اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تم نے میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہوئے اس کے خلاف کہا انہوں نے جواب دیا۔ نہیں میں نے تمہاری مخالفت کا کوئی قصد نہیں کیا تو اس وقت ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے کچھ آواز بلند ہو گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ اس کے بعد ان حضرات کی تو یہ کیفیت ہو گئی کہ بات کرتے وقت ان کی آواز ہی نہیں سنائی دیتی تھی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو بار بار پوچھنا پڑتا تھا کہ بھائی کیا کہہ رہے ہو۔

حافظ رحمہ اللہ نے مسند بزار کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اب آئندہ کبھی بھی کوئی بات نہ کروں گا مگر صرف اسی طرح کہ جیسے کوئی آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے والا ہو۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے آداب عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر بعض ایسے صحابہ نے جن کی قدرۃً آواز اُونچی تھی آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر ہونا ہی چھوڑ دیا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ انصار کے خطیب تھے اور نہایت بلند آواز تھے ارادہ کر کے بھی آہستہ آہستہ بولتے تب بھی ان کی

---

[1] صحیح بخاری ۲ کتاب التفسیر ۱۲۔ [2] بعض روایات سے ان کا نام معلوم ہوا قعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ۔ ۱۲

آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے اُونچی ہی ہوجاتی تو انہوں نے ڈر کر مجلس ہی میں حاضر ہونا ترک کر دیا اور یہ سمجھا کہ جب بھی بولوں گا آواز اونچی ہو جائے گی اور اس طرح وعید ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾ کی زد میں آجاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے کئی روز ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو مجلس میں نہ دیکھنے کی وجہ سے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا ثابت رضی اللہ عنہ کو؟ کیا وہ بیمار ہے؟ (کہ نہیں آرہا ہے) ایک صحابی نے اس کا تذکرہ کیا تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے یہ سبب بیان کیا اور کہا کہ ایسی صورت میں مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں اہل نار میں سے ہو جاؤں گا ان صاحب نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ وجہ بیان کی آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں ((بل هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّة)) بلکہ وہ تو اہل جنت میں سے ہے۔ ❁

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ثابت رضی اللہ عنہ! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم زندگی گزارو قابل تعریف زندگی اور اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو اور جنت میں داخل ہو جاؤ بولے کیوں نہیں یا رسول اللہ میں راضی ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت پر۔ ❁

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا: اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے کہ) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ ﷺ میں۔ اس حدیث سے علماء اُمت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت ﷺ کا احترام آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں تھا اسی طرح احترام وتوقیر اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیّ (زندہ) ہیں اور جس طرح کہ آپ ﷺ کی دُنیوی حیات مبارکہ میں ﴿لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ کی حرمت وممانعت تھی اسی طرح اب بھی ہے اس لیے قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا اور سخت لب ولہجہ اختیار کرنا ممنوع ہے وقار وسکون اور تعظیم وتکریم ملحوظ رکھتے ہوئے بات کرے۔ ❁

**فائدہ:** حبط اعمال کی وعید کفر وشرک اور ارتدار کے بعد اس پر بیان فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا کے مقابلہ میں بے تمیزی اور گستاخی ارتداد اور کفر کے درجہ کی معصیت ہے کیونکہ یہ چیز ایذاء رسول ہے اور رسول خدا کو ایذاء پہنچانا ایمان سے محرومی ہے۔ العیاذ باللہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④

جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور اگر وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا ان کی طرف تو ان کو بہتر تھا اور اللہ

---

❁ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ ❁ اخرجہ الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۔ ❁ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ

بخشتا ہے مہربان اے ایمان والو! اگر آوے تم پاس ایک گنہگار خبر لے کر

فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ

تحقیق کرو، کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو لگو اپنے کیے پر

نٰدِمِيْنَ ۝۶ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ

پچھتانے اور جان لو، کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر تمہاری بات مانا کرے بہت

مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ

کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے پر اللہ نے محبت ڈالی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اس کو

قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

تمہارے دلوں میں اور برا لگایا تم کو کفر اور گناہ اور بے حکمی وہ لوگ وہی ہیں

هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

نیک چال پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

## تنبیہ وتہدید بر بے تمیزی و بے حرمتی دربارگاہِ رسالت وتلقین آدابِ تعظیم واطاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ ... الٰى ... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸﴾

**ربط**: گذشتہ آیات میں ان حقوق وآداب کا ذکر تھا جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لیے امت پر عائد اور فرض ہیں اور ان حقوق میں کوتاہی پر وعید وتنبیہ تھی اور یہ کہ یہ ایسی خطرناک تقصیر وغلطی ہے کہ مسلمان سرمایہ اعمال سے ہی محروم ہوسکتا ہے جو اس نے اپنی زندگی میں کمایا تو اب ان آیات میں بعض ایسی گستاخیوں اور بے تمیزیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو جہلاء اور کم عقل لوگوں سے پیش آتی تھیں اور اس پر تنبیہ کی گئی اور یہ بتایا جارہا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کو مخاطب بنانے اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوکر بات کرنے کا کیا طریقہ ہے ادب اور تعظیم وتوقیر اختیار کرنا چاہیے ارشاد فرمایا۔

جولوگ آپ ﷺ کو اے ہمارے پیغمبر پکارتے ہیں حجروں کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے انکو چاہیے تھا کہ اس طرح بے تمیزی کا مظاہرہ نہیں کرتے کہ حجروں کے پیچھے ہی سے یا محمد، یا محمد، یا، یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہہ کر پکارنے لگیں ان کو تو متانت اور ادب کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف نکل کر باہر آجاتے اور اس وقت آپ ﷺ سے تخاطب شروع کرتے تو بہتر تھا ان کے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس وجہ سے جو بات بے عقلی یا نادانستگی سے سرزد ہوئی اللہ تعالیٰ اس سے درگزر اور اس کو معاف فرمائے گا۔

صبر و تحمل اور متانت انسان میں وہ وصف ہے کہ اس کی بدولت بہت سی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے اور معاملات و معاشرت میں باہمی اخوت وہ ہمدردی کی فضا قائم ہوتی ہے اس لیے کہ ہدایت کی جاتی ہے کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق و فاجر آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ ہو تم جا پڑو کسی قوم پر نادانی اور صحیح حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو کیونکہ بسا اوقات انسان کسی غلط خبر پر جذبات میں آکر کسی کے مقابلہ میں غلط قدم اٹھا لیتا ہے پھر جب حقیقت سامنے آتی ہے تو اپنی نادانی اور حماقت پر پچھتانا پڑتا ہے اور ظاہر ہے اس طرح کی باتوں سے مسلمان قوم کی اجتماعی اور انفرادی زندگی مختلف اقسام کی خرابیوں میں پڑ جائے گی ہر فتنہ اور شر سے تحفظ کے لیے خدا نے اپنا پیغمبر تمام عالم کے واسطے ہادی اور رحمت بنا کر مبعوث فرما دیا ہے تو پیغمبر خدا کی ہدایت و ارشاد کو لائحہ عمل بنانا چاہیے اور اے ایمان والو! یہ بھی جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ قیامت تک مسلمانوں میں رہے گا مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ رسول خدا ﷺ اور اسوۂ رسول ہی کی اتباع و پیروی کریں یہ روش ہرگز اختیار نہ کریں کہ اللہ کے پیغمبر کو اپنی مرضیات اور جذبات کے تابع کریں یا رسول خدا ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کو اپنی اغراض و خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کریں اگر اللہ کا رسول تمہاری موافقت کرنے لگے تمہاری بہت سی باتوں میں تو یقیناً تم بڑی ہی مشقت میں پڑ جاؤ گے اور بالفرض اگر ایسی صورت واقع ہو جائے کہ تم اللہ کے رسول اور اس کی ہدایات و تعلیمات کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق بنانے لگو تو بلاشبہ تم ہلاکت و تباہی میں پڑ جاؤ گے مگر اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے قلوب میں رچا دیا ہے اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر کی اور گناہ و نافرمانی کی تو اس کی بدولت اے اہل ایمان تم اپنی خواہشات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے قربان کر دیتے ہو جو ایمان کا رنگ اور ایمان کا تقاضا ہے اور تم اسی ایمانی جزبہ اور معرفت کے باعث اس حقیقت کو سمجھ گئے ہو ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ (المومنون:۷۱) کہ اگر حق اور وحی الٰہی ان لوگوں کی خوہشات کی موافقت کرنے لگے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ برباد ہو جائیں گے تو اس حقیقت کو سمجھ لینے والے ہی وہ لوگ ہیں جو فلاح و رشد کے سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں اور ایسے سعادت مند لوگوں کا راہِ راست پر چلنا فضیلت و کرامت ہے اللہ کی طرف سے اور انعام ہی اسی کا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا حکیم ہے تو اپنے علم و حکمت سے جس کے واسطے چاہتا ہے رشد و ہدایت مقدر فرماتا ہے اور جس کسی کو چاہتا ہے اپنے فضل و انعام سے نوازتا ہے۔

## قبیلہ بنو تمیم کا گستاخانہ طرز اور ان کو تنبیہ و نصیحت

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔

آنحضرت ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف رکھتے تھے وہ حجرہ کی دیواروں کے پیچھے ہی سے پکارنے لگے ''یا محمد'' اور ایک روایت میں یا رسول اللہ اخرج الینا کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! باہر آیئے بلاشبہ یہ ان کی بے عقلی اور بے تمیزی تھی ان کو حضور ﷺ کے مرتبہ کا لحاظ کرنا چاہیے تھا اور یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ ممکن ہے کہ اس وقت آپؐ پر اللہ کی وحی اتر رہی ہو یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں آپ ﷺ پر تو اُمت کے تمام اُمور کی ذمہ داری تھی اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ان کے دنیوی و دینی اُمور کا مرکز اور ملجاء تھی آپ ﷺ تو ہر لمحہ ذہنی اور فکری مشغولیت کے علاوہ اپنے دیگر معمولات میں منہمک و مصروف رہتے تھے۔ پھر یہ طریقہ بے ادبی کا بھی ہے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ صبر کیا جائے اور جب آپ ﷺ باہر تشریف لائیں تو اس وقت اپنا مدعا پیش کیا جائے اس ادب اور رسول خدا ﷺ کی تعظیم و توقیر کی تعلیم کے ساتھ یہ فرما دیا گیا کہ جو غلطی اور تقصیر نادانستگی سے پیش آئی اللہ اس کو معاف فرمانے والا ہے اس وجہ سے یہ چاہیے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہوں اور آئندہ پھر کبھی ایسی چیز کا ارتکاب نہ کریں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہ ہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں جس ادب اور تعظیم و توقیر کی تعلیم دی گئی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ، تابعین اور مشائخ ائمہ اپنے بزرگوں کے ساتھ اسی طرح کا ادب ملحوظ رکھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بزرگ صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنے جایا کرتا تو ان کے مکان پر پہنچ کر آواز یا دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازے کے باہر بیٹھ جاتا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے تو اپنا مدعیٰ عرض کردوں گا وہ جب باہر تشریف لاتے اور مجھے دیکھتے تو فرماتے اے ابن عم رسول ﷺ آپ جب آئے تو آپ نے دروازہ پر دستک دے کر اطلاع کیوں نہ کردی فرمایا حق تعالیٰ نے پیغمبر کے پاس آنے والوں کو یہ ادب سکھایا ہے، ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ﴾ تو میں نے یہ چاہا کہ جس سے میں اس پیغمبر ﷺ کا علم حاصل کر رہا ہوں اس کا بھی اسی طرح ادب کروں۔ ❶

## اعتبار روایت کا قرآنی ضابطہ

آیت مبارکہ ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾ سے محدثین و اصولیین نے نقل حدیث و روایت میں ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہونا شرط قرار دیا ہے اور یہ کہ راوی میں اور مخبر میں ایسے اوصاف ہونے چاہئیں جن کے باعث اس کو ثقہ عادل و متقی کہا جاسکے اس لیے کہ قرآن کریم نے فاسق شخص کی خبر کو نا قابل قبول فرمایا ہے۔

کیونکہ جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ اسی میں ہے کہ صداقت و دیانت کے تقاضے، نقل روایات اور بیان واقعات میں پورے کیے جائیں ورنہ تو فتنہ فساد کا راستہ کھل جائے گا۔

---

❶ روح المعانی۔ ۱۲۔

حضرات مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ بن ابی معیط کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنوالمصطلق کے صدقات وزکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حارث رضی اللہ عنہ بن ابی ضرار الخزاعی کا واقعہ بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی میں نے اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کرلیا اور احکام اسلام اور ارکان دین کی پابندی کا عہد کیا اور ساتھ ہی میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اپنی قوم کی طرف واپس جاتا ہوں اور ان کو اسلام کی دعوت دوں گا اور احکام اسلام کی پابندی پر آمادہ کروں گا اور ان سے ان کے مالوں کی زکوٰۃ بھی وصول کر کے جمع کروں گا آپ ﷺ فلاں وقت اپنا قاصد بھیج دیجیے تاکہ وہ جمع کردہ زکوٰۃ میں آپ ﷺ کے پاس بھیج دوں جو یہاں فقراء مسلمین پر خرچ ہو سکے حارث رضی اللہ عنہ نے یہاں آکر اپنی قوم کی زکوٰۃ جمع کی اور انتظار کیا کہ وقت مقررہ پر آنحضرت ﷺ کا قاصد آئے گا طے کردہ وقت پر آنحضرت ﷺ کا قاصد نہ پہنچنے سے حارث رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور دل میں خطرہ گزرا کہیں ایسا تو نہیں کہ آنحضرت ﷺ ناراض ہو گئے ہوں (کسی بات پر) اور اس وجہ سے قاصد نہیں بھیجا۔ اس خیال و پریشانی پر اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور مشورہ کیا کہ ایسی صورت میں ہم کیا کریں اور یہ بھی رائے دی کہ اگر ایسی صورت ہو کہ کسی بات پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی ناراضگی ہوئی ہے تو ہم سب کو مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ اِدھر قصہ یہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو حارث رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا تاکہ زکوٰۃ وصول کر کے لے آئے لیکن ولید رضی اللہ عنہ جب روانہ ہوئے تو راستہ میں کچھ خائف ہوئے اور درمیان میں راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے آکر یہ بیان کیا یارسول اللہ ﷺ حارث رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا (اس وجہ سے میں واپس آ گیا ہوں) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت ناگواری ہوئی اور ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ حارث رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہو جائے بعض روایات میں ہے کہ اس جماعت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے حارث رضی اللہ عنہ انتظار میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قاصد آئے تو ان کو جب معلوم ہوا کہ ایک جماعت مدینہ سے آرہی ہے تو استقبال کے لیے اپنی بستی سے باہر آئے اور ان لوگوں سے ملے تو وہ لوگ ان پر لپکے حارث رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا آپ لوگ کس پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا تم پر ہی تو حملہ کرنے ہمیں بھیجا گیا ہے پوچھا کس وجہ سے؟ ان لوگوں نے جواب دیا آنحضرت ﷺ نے تمہارے پاس ولید رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا تو تم نے زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی انکار کیا اور ولید کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا حارث رضی اللہ عنہ نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے حق دے کر محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا نہ ولید رضی اللہ عنہ میرے پاس آیا اور نہ میں نے اس کو دیکھا اس کے بعد حارث رضی اللہ عنہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے یہی سوال کیا۔ اے حارثؓ! تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا حارث رضی اللہ عنہ نے بے قرار ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا میں نے تو ولید رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھی نہیں اور میں آپ ﷺ کی طرف اس وقت روانہ ہوا جب کہ میں آپ کے قاصد کا منتظر رہا اور قاصد کے نہ پہنچنے سے مجھے اندیشہ ہوا کہ حضور ﷺ ناراض تو نہیں ہیں تو صورتِ حال معلوم کرنے کے ارادہ سے میں روانہ ہوا تھا اور اس طرح خدمت میں حاضری ہوئی حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں اس واقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ کی بنوالمصطلق کے ساتھ قدیم زمانہ سے دشمنی تھی تو اس وجہ سے ان کو ڈر ہوا کہ وہ

لوگ اس قدیم دشمنی کی بناء پر مجھے قتل کر دیں گے محض اس وہم کے باعث واپس لوٹ گئے اور یہ لغزش ہوئی کہ اس طرح کی بات خلاف واقعہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کی۔

روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی صحیح الاسلام تھے یہ عمل اور یہ صورتِ حال ان کے نفاق کی وجہ سے نہیں پیش آئی اور ساتھ ہی یہ امر بھی متعین ہے کہ اس آیت کا نزول ولید بن عقبہ ہی کے بارہ میں ہوا ہے جیسا کہ صحیح روایات میں ہے تو اس صورت میں لفظ ''فاسق'' کا اطلاق صحابہ میں سے ایک فرد پر محض عملی صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا۔ جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا: ((یا اباذر انك امرء فیك جاهلية)) حالانکہ جاہلیت معصیت وشرک جیسے امور پر مشتمل ہونے والا عنوان ہے تو اس طرح کے بعض تنبیہی عنوانات حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت اور دین کے اس مسلم قانون کے منافی نہیں جو مشہور ہے۔ الصحابة کُلُّهم عدول۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت تو مسلمات دین میں سے ہے لیکن عدالت کے لیے عصمت لازم نہیں کہ اس ذات سے کوئی معصیت اور خطاء سرزد ہی نہ ہو البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت کوئی چوک اور غلطی واقع ہو جائے تو وہ اس پر تائب ہوتے ہیں اور ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا مقام ایمان وتقویٰ اور توبہ جیسے عالی اوصاف ہی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے

قاضی ابو یعلی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''رضاء'' اللہ رب العزت کی ایک صفت ہے وہ اپنی رضا کا اعلان انہی لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں جن کے بارہ میں وہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات موجبات رضاء پر ہوگی اس لیے اگر کسی صحابی سے کسی وقت کوئی غلطی سرزد ہوئی اور اس پر وہ تائب ہو گئے تو یہ عدالت کے منافی نہیں ہے کیونکہ توبہ تو گناہوں کو کالعدم کر دیتی ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان سے ایک غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے فتح مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ کی فوج کشی کی خبر اہل مکہ کو بھیج دی تھی جس پر آیات ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ... الخ﴾ (الممتحنہ:۱) نازل ہوئیں۔ اسی طرح ایک دفع ابولبابۃ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی ہوئی تو انہوں نے خود اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ لیا کہ جب تک میری معافی نازل نہ ہوگی میں اپنے آپ کو اسی ستون سے باندھے رکھوں گا تا آنکہ رسول خدا ﷺ مجھے کھولیں چنانچہ معافی نازل ہوئی حتیٰ کہ اس ستون کا نام ہی ''اُسطوانةُ التَّوبة'' ہو گیا اور اس عظیم برکت اور تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اس ستون کے سامنے حاضر ہو کر گنہگار جب تائب ہوں تو بارگاہ رب العزت میں ان کی بھی توبہ شرف قبول حاصل کر لیتی ہے۔

یا اسی طرح بعض حضرات سے کسی گناہ کے سرزد ہونے پر معافی وتوبہ اور عند اللہ پاکی کے لیے خود اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دینا جب کہ نہ کوئی مدعی ہے نہ کوئی استغاثہ ہے اور نہ کسی قسم کی شہادت ہے۔

الغرض اس نوع کی تقصیرات جن پر توبہ کا عمل اس قدر قوی ہو کہ اس سے صاحب توبہ اللہ کی بارگاہ میں پہلے کی نسبت زیادہ قرب حاصل کر لے وہ عدالت وتقویٰ کو مجروح نہیں کرتا بلکہ مزید مراتب کی بلندی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (التحریم:۸)

قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں فرمایا یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ فاسق کی روایت اور خبر قابل

اعتبار اور لائق قبول نہیں اور اس ضمن میں یہ قانون متعین فرما دینا کہ ﴿فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ایسی خبر پر اس وقت تک عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کی پوری تحقیق نہ کر لی جائے اور ایک قرات میں یہ لفظ ﴿فَتَبَيَّتُوْٓا﴾ پڑھا گیا ہے یعنی اس کا ثبوت حاصل کر لو۔ تو جب کسی فاسق کی روایت اور خبر بھی معتبر نہیں تو ظاہر ہے کہ شخص فاسق کی شہادت کیوں کر معتبر ہو سکتی ہے۔ فاسق شریعت کی اصطلاح میں ہر وہ شخص ہے جو کبائر کا ارتکاب کرتا ہو اور فرائض کا تارک ہو اور اس کے باوجود اس کی طرف سے نہ رجوع ثابت ہو نہ وہ تائب ہوا ہو اور نہ اس نے اپنی حالت معصیت میں تبدیلی کی ہو۔

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ

اور اگر دو فرقے مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو پھر اگر

بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ

چڑھا جاوے ایک ان میں دوسرے پر تو سب لڑو اس چڑھائی والے سے جب تک پھر آوے

اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ

اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کراؤ ان میں برابر اور انصاف کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا

بے شک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں ملا دو

بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ع ۱۳

اپنے دو بھائیوں کو اور ڈرتے رہو اللہ سے، شاید تم پر رحم ہو اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا

ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ دوسروں سے، شاید وہ بہتر ہوں ان سے، اور نہ

نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا

عورتیں دوسری عورتوں سے، شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ دو

اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ

الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہے بے انصاف۔

## ترغیب وتاکید باہمی اخوت وہمدردی وتنبیہ وتہدید بر تحقیر وتذلیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ... الٰى ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں اس امر پر تنبیہ کی گئی تھی کہ کسی غیر مستند اور غیر معتبر بات کو سن کر اس پر یقین نہ کرنا چاہیے بلکہ اس کی تحقیق کر لی جائے محض افواہوں سے متاثر ہو کر جذبات میں مغلوب ہو جانا بہت سے مفاسد اور فتنوں کا ذریعہ ہے اور باہمی منازعت وخصومت کا اس سے دروازہ کھل جاتا ہے تو ان آیات میں اس کے بالمقابل ایسی ہدایت وتعلیم دی جارہی ہے کہ مسلمان قوم کو چاہیے کہ وحدت واخوت قائم رکھے، باہمی منازعت اور اختلاف وخصومت سے پوری طرح بچے اور اگر کسی وقت دو جماعتوں میں اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ امت اس طرح کی باہمی خصومتوں سے خود اپنے آپ کو تباہ وبرباد نہ کر ڈالے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی عظمت وشوکت کو پامال نہ کر لے۔ اخوت ووحدت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی تحقیر اور طعن وتشنیع سے بھی پرہیز کرے کیوں کہ اس قسم کی باتیں باہمی محبت کی بجائے منافرت اور بغض واختلاف پیدا کرتی ہیں جس کا انجام قوم من حیث القوم ہلاکت وتباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پھر اگر چڑھا چلا آئے ان میں سے ایک دوسرے پر تو تم قتال کرو (لڑو) اس گروہ سے جو چڑھ آئے اور زیادتی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم اور قانون کی طرف پھر اگر رجوع کر لے وہ گروہ تو ان کے درمیان صلح کرادو عدل وانصاف کے ساتھ اور ہمیشہ ہر معاملہ میں انصاف کیا کرو اللہ تعالیٰ بے شک انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بہر حال مسلمانوں کو ہر معاملہ میں ایسے ہی عدل وانصاف اور باہمی اخوت ومحبت کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے جذبات اور اغراض میں ایک دوسرے پر ظلم کیا جاتا ہے لیکن ایسی صورت میں دو جماعتیں باہم لڑیں تو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی قوت اور فہم وفکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان جماعتوں میں مصالحت کرادینی چاہیے یکسو اور بے تعلق ہو کر بیٹھے رہنا درست نہیں زیادتی کے مرتکب فریق کو مجبور کریں کہ وہ اپنی زیادتی سے باز آجائے نزاعات اور خصومتوں کے پیش آنے کا امکان صرف اسی وجہ سے ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ محبت ویگانگت نہ ہو۔ حالانکہ اسلام ایک ایسا قوی ومضبوط رشتہ ہے جو تمام اُمت کو وحدت واخوت کی لڑی میں منسلک کر دیتا ہے تو اس رشتہ اخوت ومحبت سے ہرگز غفلت نہ اختیار کرنی چاہیے یہ حقیقت ہے کہ تمام مسلمان باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو اگر کسی وقت اختلاف پیش آجائے تو ملاپ کرادیا کرو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور اللہ سے ڈرتے رہو اُمید ہے کہ تم پر مہربانی کی جائے اس لیے کہ خوف خدا اور تقویٰ ہی تمام احوال کی اصلاح کا ضامن اور حق تعالیٰ کی عنایات ومہربانیوں کا موجب ہے۔

نزاع واختلاف اور باہمی منافرت وعداوت اور اس کے نتیجہ میں خصومتوں کا سلسلہ تحقیر وتذلیل اور استہزاء وتمسخر سے پیدا ہوتا

ہے جس کی وجہ سے محبت واخلاص ختم ہو کر شکوک واوہام اور تنفر دلوں میں راسخ ہو جاتا ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا معاشرہ ان برائیوں سے پاک کریں اس لیے یہ حکم ہے کہ اے ایمان والو! ہرگز تمسخر اور ٹھٹھا پن نہ کرے ایک قوم دوسری قوم سے شاید وہ لوگ ان سے بہتر ہوں جوان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ بُرے القاب سے ایک دوسرے کو چڑاؤ بہت ہی برا ہے گنہگاری کا نام ایمان کے بعد کیونکہ اس طرح سے مسلمان بھائی کی تحقیر وتذلیل اس کے مؤمن ہونے کے بعد اس کو فاسق وفاجر کے درجہ میں شمار کرنا ہے۔

اور ساتھ ہی [1] خود یہ شخص جو مسلمان ہو کر بھی ایسی روش اختیار کرتا ہے اپنے مؤمن ہونے کے ساتھ فاسقانہ کردار پیش کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص کذاب ومفسد اور ایذاء رسانی وافتراء پردازی بھی کر رہا ہے تو مؤمن ہو کر ایسے کام کرنا اپنے کو فاسق وفاجر کے عنوان سے موسوم کرنا ہے جو نہایت ہی بدترین نام ہو سکتا ہے بعد اس کے کہ کوئی شخص ہو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو چاہیے کہ نادم و شرمندہ ہو کر تائب ہو جائے اور اگر ایسے لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے (جو اپنی ذات پر ہوگا اور دوسروں پر بھی یہ ظلم وتعدی ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی بے حرمتی کا موجب ہوگا)۔

## اہل ایمان کے دو گروہوں کے درمیان باہمی قتال کی صورت میں تمام مسلمانوں پر ذمہ داری

آیت مبارکہ ﴿وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر کسی قسم کا اختلاف ونزاع مقاتلہ کی صورت اختیار کر لے تو مسلمانوں میں سے اہل فہم اور ارباب حل وعقد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس منازعت ومخالفت کو ختم کرانے کی پوری جدوجہد کریں اور آپس میں ان کے درمیان صلح کروادیں۔ باہمی اخوت ومحبت کا جو رشتہ جذبات میں مغلوب ہو گیا۔ اس کو زندہ کیا جائے اس کے لیے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ اور ساتھ ہی وہ بنیاد واساس بھی ظاہر کر دی گئی جس پر اخوت ومحبت کی عظیم عمارت قائم ہو سکتی ہے وہ اللہ کا خوف ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یعنی جب حکم شرع کے تابع ہوں تو انصاف سے صلح کرو اور ایک کی طرف داری نہ کرو یہ حکم ہے خانہ جنگی کا جو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں۔''

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس میں سمجھا بجھا کر مابہ النزاع اُمور کو ختم کرا کے اصلاح کرا دیں اور دونوں پارٹیوں میں صلح کرا دیں اور اگر باوجود اصلاح اور صلح کی کوشش کے کسی جماعت کی زیادتی دیکھو۔ یعنی وہ قتال کے ترک پر آمادہ نہ ہو اور زیادتی اور تعدی سے باز نہ آئے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے تم سب مل کر لڑو اور جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تعدی اور زیادتی کرنے والی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے آگے جھک جائے اور جنگ بند کر دے، پھر

---

[1] اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ ﴿الِاسْمُ الْفُسُوْقُ﴾ کا مرجع دونوں جانبیں ہیں۔ خود طعن وتشنیع اور تحقیر کرنے والا اور وہ شخص جس کی تحقیر وتوہین کے لیے ایسے لغو اور بے ہودہ عنوانات اختیار کیے جائیں۔

جب وہ پارٹی جھک جائے اور جنگ سے رجوع کر لے تو حدود شرعیہ کے مطابق ان کی اصلاح کر دو۔ عدل کا مطلب ہے شرعی حدود کے موافق صلح کرانا تا کہ صلح پائیدار اور دائمی ہو صرف جنگ بند کرا دینے سے پھر اندیشہ رہے گا کہ کسی وقت پھر لڑائی ہو جائے اس لیے تمام معاملات کو انصاف کے ساتھ طے کرا دو اور انصاف کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے آگے پھر اسی مضمون کی تاکید ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں تو کبھی بھائیوں کی لڑائی ہو جائے تو اپنے دونوں بھائیوں میں اصلاح کرا دیا کرو کیونکہ بہر حال وہ دونوں پارٹیاں تمہارے بھائی ہیں اور صلح کراتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو یعنی جانبداری سے کام نہ لو اور کسی پارٹی کی طرفداری نہ کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

کہتے ہیں کہ انصار کے بعض حضرات اور عبداللہ بن اُبی کے بعض طرفداروں میں ایک جھگڑا ہو گیا جھگڑا معمولی سی بات پر تھا۔ نبی کریم ﷺ ایک سواری پر سوار تھے سواری نے پیشاب کیا عبداللہ بن اُبی نے پیشاب پر کچھ ناک اور بھوں چڑھائی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ناک بھوں چڑھانے پر کچھ ناراضگی کا اظہار کیا اس پر بات بڑھ گئی اور اس پر آیتیں نازل ہوئیں اس آیت کے متعلق بہت سے مسائل ہیں کیونکہ یہ آیت ہر اس جنگ کو شامل ہے جو مسلمان آپس میں لڑیں یا امام سے بغاوت کر کے مقابلے میں آئیں اور آپس میں لڑیں ان کا حکم فرمایا مرتدین کا نہیں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ جمل اور جنگ صفین کے موقع پر فرمایا تھا "اخواننا بغوا علینا" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغاوت کرنے والوں کو اپنا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ ایسی بغاوت و باہمی جنگ سے مسلمان کا نام باقی رہتا ہے اور ایک مسلمان کو کافر نہیں کہا جا سکتا اسی لیے اس قسم کے لڑنے والوں کے احکام بھی جدا ہیں مثلاً جو دو پارٹیاں باہم نبرد آزما ہیں وہ دونوں امام المسلمین کی ولایت کے تحت ہیں۔ یا دونوں امام المسلمین کی ولایت کے ماتحت نہیں ہیں یا ایک امام کی ولایت کے تحت ہے اور دوسری نہیں ہے ان کے تمام احکام علیحدہ علیحدہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ یہاں صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ مسلمانوں کو اخوۃ قائم رکھنے کی غرض سے ایک طریقہ صلح و آشتی اور باہم صفائی کا بتایا گیا ہے اور تیسری پارٹی جو اصلاحی ہو اس کو عدل و انصاف کی تاکید کی گئی اسی پر اُمت کا نظام اخوت اور نظام عدل قائم ہو سکتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اصلح ذات بیننا واحفظنا من الفتن ماظھر منھا ومابطن۔

## ایمان کے ساتھ فسق کا عنوان زیب نہیں دیتا

آیت مبارکہ ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ﴾ اس امر کی طرف راہنمائی کر رہی ہے کہ ایمان لانے کے بعد مسلمان کے لیے فسق کا نام بہت بُرا ہے اور جو توبہ نہ کریں گے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ایسا مذاق اور تمسخر جو کسی کی تحقیر اور دل آزاری کے لیے کیا جائے وہ حرام ہے خواہ مرد کسی مرد کے ساتھ مذاق کرے یا عورت کسی عورت کے ساتھ ایسا مذاق کرے یا عورت مرد کے ساتھ یا مرد عورت کے ساتھ تحقیر آمیز مذاق کرے تو وہ ناجائز ہوگا باقی جس میں دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری نہ ہو وہ مزاح اور خوش طبعی ہے اس میں مضائقہ نہیں اور مزاح جائز ہے۔

یہاں جو رجال اور نساء فرمایا ہے اس سے محض جنس مراد ہے جیسا کہ ہم نے عرض کر دیا ہے یہاں یہ بحث شاید غیر ضروری ہوگی کہ قوم کا اطلاق صرف مردوں پر ہوا کرتا ہے۔ عورتیں قوم کے لفظ میں داخل نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی ہیں تو تبعًا داخل ہوتی ہیں اور یہ جو فرمایا

کہ شاید وہ تم سے بہتر ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بہتر ہو جس کی تم تحقیر اور دل آزاری کر رہے ہو یعنی اس کا خاتمہ ایمان پر مقدر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ مقبول ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "البلاء موکل بالقول لو سخرتُ من کلب لخشیت ان احول کلبًا" یعنی ہر قسم کی بلا قول پر سونپی گئی ہے۔ اکثر بلائیں زبان کی بدولت نازل ہوتی ہیں میں تو کسی کتے سے بھی مذاق نہیں کرتا اگر کتے سے بھی تحقیر آمیز سلوک کروں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ بہر حال وہ شخص جو اپنی حقارت اور ذلت پر نظر رکھتا ہے وہ ہمیشہ دوسرے آدمی کو ذلیل کرنے سے احتیاط کرتا ہے۔ ﴿تَلْمِزُوْٓا﴾ کو میم کے زیر سے اور میم کو پیش دونوں طرح کی قرات ہے خواہ کسی طرح پڑھیئے مطلب یہ ہے کسی پر طعن نہ کرو اور عیب نہ لگاؤ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسا کوئی فعل اختیار نہ کرو جس کی وجہ سے تم کو طعن کیا جائے تنابز بالالقاب کا مطلب ہے کسی کو برے لقب سے پکارنا جو کسی کو ناگوار گذرے یعنی ایسے لقب سے نہ پکارو جو اس کی دل آزاری کا موجب ہو جیسے کسی شخص کی چڑ بنا لیتے ہیں اور پھر اس چڑ سے اس کو پکارتے ہیں اور وہ ایک مؤمن کی ناگواری کا سبب ہوتا ہے ہاں اگر کوئی ایسا نام لیا جائے اور ایسا لقب دیا جائے جو ناگوار نہ ہو تو مضائقہ نہیں جیسا کہ بعض لوگ کسی لقب سے خوش ہوتے ہیں آخر میں فرمایا کہ ایمان کے بعد تو مسلمان کے لیے سب سے بُرا نام فسق کا ہے یعنی کسی مسلمان کو "یا فاسق" کہہ کر پکارنا۔ جیسے بعض لوگ ان مسلمانوں کو جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے "یا یہودی" کہہ کر پکارتے تھے تو سب سے بُرا لقب تو ایمان لانے کے بعد فسق کا لقب ہے اس میں سب گناہ داخل ہو گئے مثلاً کسی کو یا فاسق یا زانی یا سارق کہنا سب داخل ہو گئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو بُرا لقب دینے سے پہلے یہ تو دیکھو کہ تم ایک گناہ کرنے سے فاسق ہو جاتے ہو جو ایمان کے بعد بہت ہی بُرا لقب ہے یعنی دوسرے کو بُرا لقب دینے سے اپنا لقب فاسق ہو جاتا ہے اس لیے ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہیے جس میں اپنا لقب فاسق ہو جائے اور جو شخص ان حرکات ناشائستہ اور ممنوعہ سے باز نہ آئے گا اور توبہ نہ کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم اور ناانصاف ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہاں کسی پر بُرا نام ڈالا پہلے تو اپنا نام پڑ گیا فاسق آگے تھا مؤمن اسے پر عیب لگایا نہ لگا خلاصہ یہ کہ ایسے افعال سے بچنا چاہیے جو کسی مسلمان کی دل آزاری اور ناگواری کا موجب ہو اور بات بڑھ کر فتنہ فساد اور قتل و قتال کی نوبت آئے اور خود فاسق قرار پائے انسان اگر اپنے آپ کو خود حقیر سمجھے تو دوسروں پر عیب لگانے کی جرات نہ کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا مشہور ہے: ((اَللّٰھُمَّ اجعلنی صبورًا واجعلنی شکورًا وَاجعلنی فی عینی صغیرًا وفی اعین الناس کبیرًا)) "یعنی اللہ مجھ کو صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا بنا دے اور مجھ کو اپنی آنکھوں میں چھوٹا اور دوسروں کی آنکھوں میں بڑا بنا دے۔" یعنی جب میں خود اپنے پر نظر کروں تو اپنے کو چھوٹا سمجھوں اور دوسرے جب مجھ کو دیکھیں تو بڑا سمجھیں۔

---

| |
|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ |
| اے ایمان والو! بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے |
| وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ |
| اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور بد نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھاوے |

لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو، سو گھن آئے تم کو اس سے اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

## تنبیہ وتہدید بر بدگمانی وغیبت وممانعت از تجسس احوال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا... الٰى... اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی گروہ بندی اور باہمی منازعت ومخاصمت سے منع کیا گیا تھا اور اس پر وعید وتنبیہ کی گئی تھی کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے یا اس کا مذاق اڑائے کیونکہ ایسی ہی باتیں مسلمانوں میں نفاق وشقاق پیدا کرنے والی ہیں تو اب ان آیات میں مزید ایسے اسباب بیان فرمائے جارہے ہیں جن کی وجہ سے باہمی منافرت اور عداوت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ آپس میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور نوبت جنگ وجدل اور قتل وخون ریزی تک پہنچ جاتی ہے جن میں سب سے بڑی اور بنیادی چیز قلوب سے اخلاص کا نکل جانا اور باہم بدگمانی میں پڑ جانا ہے بدگوئی غیبت الزام تراشی غرض یہ سب باتیں مہلک ہیں ان سے بچنے کی ضرورت ہے تو فرمایا۔

اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کیا کرو اور بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیب کی ٹٹول نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم کو اس سے گھن آئے اور تم اس سے متنفر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

چونکہ ظن کی بہت سی اقسام ہیں بعض جائز، بعض واجب، بعض مباح، بعض حرام۔ اس لیے فرمایا۔ ظن اور گمان کی کثرت سے احتراز کرو یا یہ مطلب ہے اجتنبوا اجتنابا کثیرًا. "کہ بچو بچنا بہت۔" اہل خیر اور صلاح کے ساتھ بدگمانی کرنا بہت بُری بات ہے اور اہل فسق کے معاملے میں بدگمانی جائز ہے اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بعضے افراد ظن اور گمان کے گناہ ہیں تو ان کی تحقیق کرنے کے بعد جہاں بدگمانی جائز ہو یا ضروری ہو وہاں بدگمانی کرے تو مضائقہ نہیں۔ یہ نہیں کہ ہر موقع پر اور ہر معاملے میں بدگمانی کرو اور بُرے ظن سے کام لو جو شخص بہت بدگمانیوں سے احتراز کرے گا تو بعض سے بچ جائے گا "تجسس" کسی کے عیب کی تلاش کرنا اور مسلمانوں کے عیب ڈھونڈتے پھرنا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: خذوا ما ظهر ودعوا ما ستره الله. یعنی جو کچھ ظاہر ہو وہ لے لو اور جو اللہ نے چھپا لیا اسے چھوڑ دو بہر حال عیب جوئی سے منع فرمایا کسی کی چھپ کر باتیں سننا یا سونے والے کی حالت بنا کر جاگتے رہنا اور دوسروں کی باتیں سنتا رہنا تجسس ہے اس میں بھی اگر کہیں اپنے آپ کو ضرر سے بچانے یا کسی مسلمان کو نقصان سے بچانے کی غرض سے دشمن کی تدابیر کا کھوج لگائے تو جائز ہوگا پھر فرمایا ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ یعنی پیٹھ کے پیچھے ایسی برائی کرنا جو سچی ہو کہ اگر اس کے سامنے کرو تو اس کو ناگوار گزرے یہ غیبت ہے اور اگر وہ بات سچی نہ ہو تو بہتان ہے غیبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کھانا فرمایا جس طرح کسی انسان کا گوشت

نوچ کر کھانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی آبروریزی بھی اس کی تکلیف کا موجب ہے اگرچہ اس آبروریزی کا اس کو علم نہ ہو تو عدم حس میں مشابہت مردے کے ساتھ دی لیکن فی نفسہٖ تو تکلیف دہ چیز ہے گویا مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہو پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اسی طرح اس کی پیٹھ پیچھے اس کی آبروریزی سے بھی بچو اور اس کو بُرا سمجھو۔ پس پشت ہر صورت میں بدگوئی کی ممانعت فرما دی گئی البتہ مظلوم ظالم کی بدگوئی کر سکتا ہے بشرطیکہ دین کا کچھ فائدہ ہو۔

''تحقیر'' جس طرح قول سے ہوتی ہے فعل سے بھی ہوتی ہے مثلاً کسی لنگڑے کی نقل اتارنا یا کسی پستہ قد کو اشارہ کر کے اور مٹھی بنا کے دکھانا وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ جو فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کرنے سے بچو اور توبہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتا ہے اور وہ بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ غیبت حق العباد بھی ہے اور حق اللہ بھی یعنی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کراؤ اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے لیے استغفار کرے غیبت صرف مسلمان ہی کی حرام نہیں بلکہ کافر جو ذمی ہو اس کی بھی غیبت حرام ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بات جو میں اپنی بھائی کے پس پشت کہہ رہا ہوں وہ اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! یہ بھی غیبت ہے اور اگر تم ایسی بات اس کے متعلق کہو گے جو اس میں موجود نہیں تو تم اس پر بہتان لگانے والے ہو گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور

قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

گوتیں، تا آپس کی پہچان ہو مقرر عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا اللہ سب

عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ

جانتا ہے خبردار۔ کہتے ہیں گنوار، ہم ایمان لائے! تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پھر

قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا

کہو مسلمان ہوتے اور ابھی نہیں پیٹھا ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر حکم پر چلو گے

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اللہ کے اور اس کے رسول کے، کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ اللہ بخشتا ہے

رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ

مہربان ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر

يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ

شبہ نہ لائے اور لڑائی کی اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے وہ جو ہیں

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

وہی ہیں سچے تو کہہ کیا جتاتے ہو اللہ کو اپنی دین داری؟ اور اللہ کو خبر ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ يَمُنُّوْنَ

جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز جانتا ہے تجھ

عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ

پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنی مسلمانی کا بلکہ اللہ

عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰ اِنَّ اللّٰهَ

تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو راہ دی ایمان کی اگر سچ کہو بیشک اللہ

يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ ع ۲ ۸ ۱۴

جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہو۔

## مدار فضیلت وکرامت ایمان وتقویٰ نہ کہ نسبت خاندان وقبائل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى ... الٰى ... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱﴾

**ربط:** اس سے قبل آیات میں ایسی خصلتوں اور بُرائیوں سے اجتناب کی تعلیم تھی جو انسانی زندگی کو ذلت وپستی میں ڈالنے والی ہیں اور انسانی معاشرہ میں اس قسم کے عیب نہایت ہی بدترین عیب اور تباہ کردینے والی بیماریاں ہیں تو اب ان آیات میں اس کے بالمقابل وہ اوصاف بیان کیے جارہے ہیں جو انسانی کرامت اور شرف کا باعث ہیں اور اس کو عزت وسربلندی کے مقام پر پہنچادینے کا باعث ہیں۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو

شناخت کرسکو اور پہچان سکو ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تم سب میں بڑا شریف اور عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیز گار اور زیادہ تقویٰ والا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے ❁ خلاصہ یہ کہ سب لوگ ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام سے پیدا ہوئے ہیں جس قدر اولاد بڑھتی گئی ان کے شعب قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ اور فصیلہ بنتے گئے اس سے باہمی تعارف اور پہچان میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ ایک ایک نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں اس کے علاوہ بھی اور بہت سے فوائد ہیں مثلاً قرب و بعد کی مناسبت سے ان کے حقوق شرعیہ ادا کیے جاتے ہیں حاجب اور محجوب کا پتا چلتا ہے ایک خاندان کا آدمی دوسرے خاندان کے آدمی سے متمیز رہتا ہے، ''شعوب'' جمع شعب کی۔ شعب جمع کرتا ہے قبائل کو اور قبیلہ جمع کرتا ہے عمائر کو اور عمارہ جمع کرتا ہے بطون کو اور بطن جمع کرتا ہے افخاذ کو اور فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو یہ ہم نے عربی قبائل کی اصطلاح بیان کی دوسری قوموں میں کوئی اور دستور ہوگا۔ بہرحال یہ اولاد آدم کی تقسیم ہوتی چلی گئی مثلاً فرض کرو خزیمہ شعب ہے اور کنانہ قبیلہ اور قریش عمارہ اور قصی بطن اور ہاشم فخذ اور عباس فصیلہ۔ یہ تمام تقسیمیں صرف باہمی شناخت کے لیے ہیں اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ شرافت اور بزرگی اور عزت اللہ تعالیٰ کی نظر میں اسی کی ہے جو متقی ہو۔ جو تقویٰ میں اُونچا اور اعلیٰ اور اتقیٰ ہے وہی اللہ کے نزدیک بڑا شریف اور مکرم ہے اس اعلان نے بنی نوع انسان میں مساوات اور یگانگت پیدا کردی اور زمانہ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور بڑائی کو پارہ پارہ کردیا نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ فرمایا اس میں اس بات کا اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلی کی نخوت اور تکبر کو دور کردیا۔ آدمیوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ مومن تقی جو پرہیز گار ہو وہ اللہ کے نزدیک عزت دار اور کریم ہے۔ اور جو شخص فاجر شقی ہے وہ اللہ کی نظر میں ذلیل و خوار ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾۔ ❁

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ عربی کو عجمی پر کوئی بزرگی ہے۔ نہ سرخ رنگ والے کو سفید رنگ والے پر کوئی بزرگی ہے، نہ سفید رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت اور بڑائی حاصل ہے مگر تقویٰ اور پرہیز گاری سے۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کا یہ بنی نوع انسان پر کتنا بڑا احسان ہے کہ تمام دنیا کے نسبی تفاخر کو مٹا کر سب کو بھائی بھائی بنا دیا اور صرف تقویٰ اور پرہیز گاری کو امتیاز کی وجہ قرار دیا یعنی جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے وہی بڑا ہے جس قدر تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے اسی قدر بزرگی میں بڑھا ہوا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے ((من بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُه لم يسرع به نَسَبُهٗ)).

---

❁ اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے فضیلت اور افضلیت کا ایک معیار اور قاعدہ کلیہ ارشاد فرما دیا ہے ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے جب آیت مبارکہ یعنی ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾ پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کا شان نزول روایات سے یہ پاتے ہیں کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ بہ نص قرآنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اتقی الامۃ المسلمہ ہیں اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ متقی ہیں تو جس شخص کا قرآنِ کریم کی صریح آیت سے امت اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان سب سے زیادہ متقی ہونا ثابت ہو گیا اس پر طعن و تشنیع یا توہین و تحقیر کرے وہ انسان کیسے مسلمان رہ سکتا ہے۔ ۱۲

❁ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی بڑائیاں ذات کی اور قوم کی عبث ہیں صفت نیک چاہیے نری (صرف ذات کس کام کی) روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا: اے لوگو! اب اللہ نے جاہلیت کی عصبیت و نخوت کو ختم کردیا ہے اب تو بس انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں یا مؤمن متقی یا شقی فاجر۔ ۱۲

جو عمل میں پیچھے رہا اس کا نسب اس کو آگے نہ بڑھا سکے گا اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے یعنی ہر شخص کے نسب اور اس کے نسبی تفاخر کو بھی جانتا ہے اور ہر شخص کے تقویٰ سے بھی باخبر ہے۔

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہو گئے یعنی ہم نے مخالفت ترک کر دی ہے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی صحیح اطاعت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

عرب کے اکثر دیہاتیوں نے صدق دلی سے ایمان قبول کیا تھا۔ لیکن یہ بنی اسد کے لوگ قحط کے زمانے میں غلہ وغیرہ حاصل کرنے مدینے میں آئے تو کہنے لگے ''ہم ایمان لائے'' اس پر تنبیہ کی کہ ایمان صرف زبان کے کہنے سے نہیں ہوتا بلکہ دل سے اس کی نیت بھی کرو۔ یعنی جب تک تصدیق قلبی میسر نہ ہو صرف قول سے مؤمن نہیں ہوتا ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم صلح میں داخل ہو کر آپ ﷺ کے مطیع ہو گئے ہیں اور ہم نے مخالفت ترک کر دی ہے اور ابھی ایمان تمہارے قلب میں داخل نہیں ہوا یعنی صدق قلبی حاصل نہیں ہوئی اور اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو جس میں تصدیق قلبی بھی آ گئی یعنی دل سے بھی ایمان لے آؤ اور زبان اور قلب میں مطابقت پیدا کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری ان اعمال کے اجر میں جو ایمان لانے کے بعد تم کرو گے اس وقت کے کفر و شرک کی وجہ سے کچھ کمی نہیں کرے گا یعنی ایمان لانے کے بعد جو عمل کرو گے اس کا پورا پورا ثواب ملے گا۔

یہ ایمان کی حقیقت نہیں ہے کہ کسی خوف یا کسی مفاد کی طمع اور لالچ میں ایمان کا اعلان اور دعویٰ کر دیا ایمان و یقین تو دل میں راسخ ہو جانے والی اس کیفیت کا نام ہے جو درخت کی مضبوط جڑ کی طرح جمی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں ابھر رہی ہوں بلندی تک نظر آ رہی ہوں اس وقت مؤمن کی یہ شان ہوتی ہے کہ غیبت و تہمت اور نزاع و خصومت جیسے عیوب سے پاک ہو کر صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے واسطے تیار رہتا ہے نہ اس کو کسی چیز کا ڈر ایمان کے راستہ سے ڈگمگاتا ہے اور نہ لالچ و طمع اللہ کی نافرمانی پر کبھی آمادہ کرتی ہے اس لیے اس طرح کے دعوے کرنے والوں کو سن لینا چاہیے کہ ایمان والے تو بس وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور پھر اس پر ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے کہ کوئی تردد اور شبہ بھی نہ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کسی بات میں بلکہ استقامت اختیار کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں تو درحقیقت یہی لوگ سچے ہیں اس لیے اس قسم کے مدعیان اسلام کے دعوؤں کو دیکھ کر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایمان کا محض دعویٰ ہے۔ ظاہری اسلام ہے حقیقی ایمان نہیں ایمان حقیقی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((یامَعْشر من اسلم بلسانہٖ ولم یفض الایمان الیٰ قلبہ لاتغتابوا المسلمین وَلا تتبعُوْا عوراتھم)).

''یعنی اے وہ لوگو! جو اپنی زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہو لیکن ایمان ابھی تک اس شخص کے دل کے اندر نہیں پہنچا تو تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے عیوب و نقائص تلاش کیا کرو۔''

ان اعراب اور بنو اسد قوم کے لوگوں کی یہ حالت بلاشبہ ایمان والوں کی نشانیوں سے قطعاً مختلف اور جدا ہے پھر بھی ایمان کے دعوے اور یہ کوشش کہ کسی طرح خدا کا پیغمبر اس قسم کے لوگوں کو سچا مسلمان سمجھ لے بلاشبہ فضول اور بے معنی کوشش ہے تو ایسی صورت میں

اے ہمارے پیغمبر کہہ دو کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری۔ حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اسی قسم کے یہ لوگ اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں آپ ﷺ کہہ دو مت احسان جتلاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا' بلکہ اللہ ہی تم پر احسان کرتا ہے اگر تم کو ہدایت دے دے ایمان لانے کی اگر تم سچے ہو۔ اپنے اس دعوے میں کہ تم مسلمان ہو گئے ہو ایمان و اسلام کی دولت سے سرفراز فرما دینا یہ اللہ ہی کا انعام و احسان ہے کسی کا ایمان لانا خدا پر کوئی احسان نہیں۔ ❖

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازد کہ بخدمت بداشتت

بے شک اللہ ہی جانتا ہے پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور اللہ خوب دیکھتا ہے۔ اے لوگو! جو کچھ تم کرتے ہو تو جب اللہ رب العزت پر آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہی تمام اعمال و افعال حتیٰ کہ دلوں کے بھید اور راز بھی جانتا ہے تو اس پروردگار سے کسی کا ایمان و اطاعت اور اس کا اخلاص و نفاق کیسی مخفی رہ سکتا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی منافق خدا کو دھوکہ دے سکے۔

تم تفسیر سورۃ الحجرات بعون اللہ تعالیٰ و توفیقہ

بندۂ ناچیز **محمد مالک کاندھلوی** رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور۔ پاکستان
۱۰ جمادی الثانی ۱۴۰۳ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سُورۂ قٓ

گزشتہ سورت یعنی سورۂ حجرات کے مضامین آداب و حقوق رسالت پر مشتمل تھے اور اس امر کی توضیح و تفصیل تھی کہ انسانی سعادت و فلاح کا دار و مدار صرف رسولِ خدا ﷺ کے احکام و فرامین کی اطاعت و پیروی ہی میں منحصر ہے اور بارگاہِ رسالت میں انقیاد و فرماں برداری حقیقت ایمان ہے تو اب اس سورۂ قٓ میں قرآنِ کریم کی عظمت و برتری بیان کی جا رہی ہے اور یہ کہ یہ جملہ ہدایات اور سعادت و فلاح کے خزانے کتاب الٰہی قرآن حکیم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

روایات صحیحہ کی رو سے یہ ثابت ہے کہ مفصلات قرآن میں یہ پہلی سورت ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن میں روایت کیا ہے

---

❖ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نیکی اپنے ہاتھ سے ہو یہ اپنی تعریف نہیں رب العزت کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کرائی۔

کہ اوس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ دریافت کیا کہ آپ حضرات قرآن حکیم کے حصے کس طرح کرتے ہیں فرمایا تین تین سورتوں اور پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ سورتوں کے حصے متعین کر لیتے ہیں اور مفصلات کا ایک حصہ (جو سورۂ قٓ سے شروع ہوتا ہے) تین سورتوں سے مراد بقرہ، آل عمران اور سورۂ نساء ہیں اور پانچ سے مراد مائدہ، انعام، اعراف اور انفال و براۃ ہیں اور سات سے سورۂ یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور سورۂ نحل ہیں اور نو سے مراد سورۂ سبحان الذی، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون اور فرقان ہیں اور گیارہ سے مراد سورۂ شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الٓم سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، اور سورۂ یٰسین ہیں اور تیرہ سے مراد سورۂ صافات، ص، الزمر، غافر، حٰمٓ سجدہ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، الزخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، قتال، سورۂ فتح اور حجرات ہیں اور ان کے بعد مفصل۔ ❶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ❷ اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے اس سورت کے مضامین اکثر ابتداء تخلیق کائنات، بعث بعد الموت، حشر و نشر حساب و وزن اعمال جنت و جہنم اور ثواب و عقاب نیز ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہیں اس لحاظ سے یہ سورت گویا قرآن حکیم کے اہم مضامین اور اعظم مضامین کا خلاصہ اور لب لباب ہے اسی عظمت و اہمیت کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارا مکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے بالکل قریب تھا حتیٰ کہ دو سال تک ہماری روٹی ایک ہی تنور پر پکتی رہی تو مجھے سورۂ قٓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعے کے خطبے میں سنتے سنتے حفظ ہوگئی حضرت ❸ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ بتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں کون سی سورت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ جواب دیا سورۂ قٓ ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ اور ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (القمر:۱) اور صبح کی نماز میں بھی کثرت سے اس سورت کا پڑھنا ثابت ہے۔



## آیاتہا ۴۵ — ۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳۴ — رکوعاتہا ۳

سورۂ قٓ مکی ہے، اور اس کی پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قٓ ۚ قف وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

قٓ ○ قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی۔ بلکہ ان کو تعجب ہوا، کہ آیا ان کے پاس ایک ڈر سنانے والا ان ہی کا

---

❶ تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔ ❷ تفسیر روح المعانی۔ ❸ صحیح مسلم

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ

تو کہنے لگے منکر یہ تعجب کی چیز ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی یہ

رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا

پھر آنا بہت دور ہے۔ ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین ان میں سے اور ہمارے پاس

كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ

لکھا ہے جس میں سب یاد ہے۔ کوئی نہیں پر جھٹلانے لگے ہیں سچے دین کو جب ان تک پہنچا سو وہ پڑ رہے ہیں الجھی

مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

بات میں۔ کیا نگاہ نہیں کی آسمان کو اپنی اوپر؟ کیسا ہم نے اس کو بنایا اور رونق دی

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور اس میں نہیں کوئی سوراخ۔ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۙ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ

اور اگائی اس میں ہر قسم قسم کی رونق کی چیز۔ سوجھانے کو اور یاد دلانے کو اس

عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ

بندے کو جو رجوع رکھے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگائے اس سے باغ،

وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۙ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا

اور اناج کٹتے کھیت کا۔ اور کھجوریں لمبی ان کا گابھا ہے تہ بر تہ۔ روزی دینے کو

لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

بندوں کے، اور جلایا اس سے ایک مردہ دیس، یوں ہی ہے نکل کھڑے ہونا۔

# بیان عظمت کلام خداوندی وانکار منکرین وتعجب برحشر ونشر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿قٓ ۟ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝۱ ... الٰی ... كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱﴾

**ربط** : سورۂ حجرات کے مضامین کا اختتام اس امر کے بیان پر تھا کہ اسلام کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہدایت ہے اور اس کا عظیم انعام ہے اسپر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہیے ایمان پر استقامت اور دین حق پر ثابت قدمی اس اعتقاد ویقین پر موقوف ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ بندہ کی ہر حالت سے باخبر ہے وہ ہر عمل کو دیکھتا ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے تو اس مناسبت سے اب سورۂ قٓ کی ابتداء عظمت کلام خداوندی سے کی جارہی ہے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہدایت کا سرچشمہ قرآن کریم ہے اس پر ایمان لانا چاہیے تو فرمایا ق قسم ہے اس قرآن کی جو بڑے ہی مجد اور شرف والا ہے' ایسے کلام پر چاہیے تھا کہ لوگ ایمان لاتے اور اس کے ذریعے ہدایت اور سعادت حاصل کرتے لیکن افسوس ان اہل مکہ نے اس پر ایمان لانے سے انکار کیا بلکہ اس پر تعجب کرنے لگے کہ ان کے پاس آیا ہے ایک ڈرانے والا انہی میں سے جو ان کو عذابِ آخرت سے ڈراتا ہے اگر وہ ایمان نہ لائیں ایمان سے انحراف وروگردانی ہی کچھ کم بدنصیبی نہ تھی اس سے بڑھ کر یہاں تک نوبت پہنچی کہ پھر کہنے لگے کافر یہ تو بہت ہی قابل تعجب چیز ہے جو عذابِ خداوندی سے ڈرانے والا ہمیں بتا رہا ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے جس کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں اور ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں تو کیا جب ہم مرجائیں گے اور مرچکنے کے بعد خاک میں مل کر مٹی ہوجائیں گے تو بھی ہم پھر دوبارہ زندہ ہوکر اٹھیں گے یہ تو لوٹنا بہت ہی بعید ہے عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی اس طرح زمین میں دفن ہوکر ریزہ ریزہ ہوچکنے کے بعد پھر بھی کوئی انسان دوبارہ زندہ ہو اور خدا کی طرف لوٹے یہ منکرین ومکذبین ہماری قدرت وعظمت سے بے خبر ہیں ہمیں تو معلوم ہے زمین ان میں کتنا گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر چیز محفوظ ہے تو جس ذات کا علم اس قدر بلند اور محیط ہے کہ انسانی ابدان زمین میں دفن ہونے کے بعد کس حالت میں ہیں اور کس طرح گھٹتے ہیں اور زمین ان میں سے کتنا کھاتی ہے تو بے شک اس ذات کو اس بات پر بھی قدرت ہے کہ وہ اجزاء بدنیہ جہاں بھی کہیں ہوں جس شکل میں بھی ہوں ان کو لوٹا کر پھر زندہ کردے ❁ اور صرف یہی نہیں کہ ہمارا علم اشیاء کے وجود اور اس کے بعد ہے بلکہ یہ

---

❁ احادیث میں ہے کہ جب قیامت قائم کرنے کے لیے اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ یہ ندا کریں گے ((ایتها العظام البالية والاوصال المتقطعة والشعور المتفرقة ان الله يامركن ان تجتمعن)) کہ اے بوسیدہ ہڈیو اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جوڑو اور منتشر بالو! تم سب کو اللہ کا حکم ہے کہ جمع ہوجاؤ۔ چنانچہ اس نداء ہی کے ساتھ انسانی اجزاء جہاں بھی اور جس حالت میں ہوں گے ایک جا جمع ہوجائیں گی اور اس طرح دوبارہ زندہ ہوکر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

صحاح ستہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ایک شخص نے پہلی اُمتوں میں سے جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو جلانا اور جلا کر راکھ کردینا اور جب میں جل کر رکھ ہوجاؤں تو اس میں سے نصف راکھ سمندر میں بہادینا اور نصف ہواؤں میں اڑادینا اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس روز تیز ہوائیں چل رہی ہوں اس روز راکھ ہوا میں اڑادینا اور ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر دوبارہ اٹھانے کی قدرت ہوگئی تو وہ مجھ کو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ ہوگا (گویا اس کے نزدیک یہ شکل عدم محض کے درجہ میں ہوجانے کی تھی اور اس حالت کے بعد اس کو تصور نہ تھا کہ پھر دوبارہ زندگی کا امکان ہوگا وہ قدرت خداوندی پر یقین تو رکھتا تھا مگر اس کے احاطۂ فکر میں قدرت خداوندی کی یہی حد تھی کہ کوئی مردہ اپنے جسم کے ساتھ زمین میں موجود ہو تو بس اس کو دوبارہ اٹھالیا جائے گا) ==

علم قدیم ہر چیز کے وجود سے قبل بھی ہمارے پاس ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے خواہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے یہ لوگ ان حقائق اور دلائل کو اپنے عناد و سرکشی سے کیا مانتے بلکہ انہوں نے اس حق کو جھٹلایا جب کہ وہ ان کے پاس آچکا تو اب وہ تردّد و حیرت ہی کی بات میں اُلجھے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حق کا انکار کرنے والا تو اضطراب و تحیر ہی میں مبتلا رہے گا کیونکہ سکون و طمانیت تو حق اور قبول حق میں ہے آخر ان کو قدرتِ خداوندی پر ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے تو کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کو جو ان کے اُوپر ہے اور ہم نے اس کو کیسا عجیب اور عظیم بنایا اور اس کو مزین کیا ستاروں سے اور اس میں کسی قسم سے کوئی پھٹن (شگاف) نہیں ہے۔ کہ ایسا عظیم الشان جسم چھت کی طرح کیسے بغیر کسی ستون کے قائم اور مستحکم ہے اور رات کے وقت جب ستارے روشن ہوتے ہیں وہ قندیل کی شکل میں کس طرح بارونق اور خوبصورت نظر آتے ہیں اور پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس چھت میں نہ کوئی سوراخ نظر آیا اور نہ ہی اس کا کوئی کنگرہ گرا اور نہ ہی اس کے رنگ میں کوئی فرق آیا۔ الغرض آسمان پر نظر کرنے اور اس کو غور سے دیکھنے سے یہ سب حقائق واضح ہوتے ہیں اور ان حقائق سے ہر عقل رکھنے والا آدمی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس عظیم مخلوق کی تخلیق میں بڑے ہی باکمال قادر مطلق اور حکیم خالق کا دست قدرت شامل ہے اور زمین کو پھیلا دیا ہم نے اور ڈال دیئے ہم نے بوجھ اور وزنی پہاڑ میخوں کی طرح اس میں گاڑ دیئے کہ کرۂ ارضی اپنی اوپر بسنے والی مخلوق کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے نہ حرکت ہے اور نہ دباؤ جھکاؤ ہے کہ اس پر انسان و حیوان چل رہے ہیں اور سواریاں دوڑ رہی ہیں اور اگائی ہم نے اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز سمجھانے کے لیے اور یاد دلانے کے لیے ہر اس بندہ کے واسطے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا ہو کہ ان محسوسات اور عجیب مخلوقات کو دیکھ کر ان کے خالق کو پہچانے اور سمجھے کہ یہ کارخانۂ عالم بغیر کسی خالق کے نہیں بنا اور یہ نظام عالم بغیر کسی چلانے والے پروردگار کے نہیں چل رہا ہے اور برسایا ہم نے آسمان سے پانی برکت والا پھر اس سے اگائے ہم نے باغات اور سبزے اور اناج کے دانے جس کے کھیت کو کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے طویل درخت ان کے خوشے تہہ برتہہ ہیں بندوں کے واسطے روزی کا سامان بنائے ہوئے اور زندہ کیا ہم نے اس بارش سے مردہ سرزمین کو تو جس طرح ایک بنجر زمین بارش کے ذریعہ زندہ کی جارہی ہے اور اس سے سبزے، درخت، پھل اور پھول پیدا ہو رہے ہیں جن کے تخم زمین میں بو دیئے جانے کے بعد مٹی میں مل گئے تھے اور مٹی ہی کے ریزوں کی طرح ہو گئے لیکن پھر بھی ان سی درخت سبزے پھل اور پھول اُگائے جارہے ہیں بس اسی طرح میدان حشر میں بھی تمام انسانوں کا نکل کھڑا ہونا ہے اس وجہ سے منکرین حشر کو ان مشاہدات کے بعد انکار و تکذیب سے باز آجانا چاہیے اور جو کچھ خدا کے پیغمبر نے وحی الٰہی سے بتایا اس پر ایمان لانا چاہیے۔

بارش کے برسنے سے زمین بنجر کے شاداب ہونے اور زمین کی تہوں سے سبزے غلے، پھل اور پھول کی پیدائش کے مناظر کو دیکھ کر اقرار کر لینا چاہیے ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى﴾ (البقرہ: ۷۳) کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی بس اسی طرح زمین سے یا جہاں بھی ہوں قیامت کے روز میدان حشر میں اٹھائے گا اور جمع کرے گا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

---

= حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا گیا حق تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اس میں جو اجزاء تھے وہ اس نے جمع کر لیے ہواؤں کو حکم ہوا، ہوا نے جو ریزے اس میں منتشر تھے ان کو جمع کر لیا اور حق تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے سوال فرمایا: اے میرے بندے! یہ بات تو نے کس وجہ سے کی عرض کرے گا، اے پروردگار! تیرے ڈر سے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بارگاہِ خداوندی سے اس کے اس تقویٰ اور خشیت پر مغفرت فرما دی جائے گی۔ ۱۲

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۳۹) کہ اس پروردگار کی نشانیوں میں سے ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک اور بنجر پڑی ہے پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو وہ شاداب ہو کر سبز لہلہانے لگی اور ابھری (تو) یقیناً وہ ذات جس نے اس زمین کو زندہ کیا (اور اس سے سبزوں کو پیدا کیا) بلاشبہ وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے والی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود اور عاد اور

فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ

فرعون اور لوط کے بھائی اور بَن کے رہنے والے اور تبع کی قوم سب نے

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ

جھٹلایا رسولوں کو پھر ٹھیک پڑا میرا وڑ کا کیا اب ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر کوئی نہیں؟

فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾ ع ۱۵/۱۵

ان کو دھوکہ ہے ایک نئے بننے میں۔

## تنبیہ وتہدید کفار قریش بر انکار آخرت وحوالۂ تاریخ ہلاکت اُمم سابقہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ... الیٰ ... مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾ ﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں مسئلۂ آخرت اور حشر جسمانی کا ذکر تھا اور اس پر دلائل وشواہد بیان فرمائے گئے اور کفار قریش کے انکار وتعجب کا رد کیا گیا کہ بعث بعد الموت کا انکار عقلاً وطبعاً ممکن ہی نہیں اب اس کے بعد بطور عبرت اجمالاً امم سابقہ کی ہلاکت وبربادی کی تاریخ دہرائی جارہی ہے کہ کس قدر طاقت ور قومیں تھیں لیکن عذاب خداوندی نے ان کو تباہ وبرباد کر ڈالا۔

ارشاد فرمایا جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس یعنی کنوئیں والے اور ثمود وعاد اور فرعون اور لوط کی برادری والے اور اصحاب ایکہ یعنی بن کے رہنے والے جو شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھے اور تبع کی قوم جو اہل یمن تھے ان سب نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا بس ان پر مسلط ہوگئی میری وعید یعنی تکذیب انبیاء علیہم السلام پر جس عبرت ناک انجام سی ڈرایا گیا تھا اور عذاب سے آگاہ کیا گیا تھا وہ عذاب ان پر آکر رہا۔ چنانچہ کوئی قوم طوفان سی تباہ کردی گئی تو کسی کو آندھیوں نے ہلاک کردیا کوئی زلزلہ اور زمین میں دھنسا دیئے جانے کے عذاب سے نیست ونابود کردیئے گئے کسی کو آسمان سے پتھروں کی بارش نے تباہ کر ڈالا یہ سب عبرتناک واقعات ہیں جو

خدا کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر پیش آئے اور تاریخ عالم اس کی گواہ ہے تو ان کفار قریش کو بھی ڈرنا چاہیے کہ کہیں یہ بھی اسی طرح کسی عذاب سے ہلاک وتباہ نہ کر ڈالے جائیں۔

(یہ واقعات اور اقوام کے قصے سورۂ ہود، حجر، فرقان اور سورۂ دخان وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں)

ان واقعات وحقائق کو دیکھ کر ہر شخص کو خدا کی باتوں پر ایمان لے آنا چاہیے اور یقین کر لینا چاہیے کہ بے شک خداوندِ عالم انسانوں کو دوبارہ قیامت میں اٹھائے گا اور ان کا حساب ہوگا اور جزاء سزا بھی ہوگی اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر تردّد اور شک کی گنجائش نہیں تو اب اس حقیقت کے واضح ہو چکنے کے بعد اے منکرو! سن لو کیا ہم عاجز ہو گئے پہلی مرتبہ پیدا کر کے کہ کوئی شخص یہ تو تسلیم کرے کہ ابتداً تخلیق اللہ نے کی لیکن وہ دوبارہ پیدا کرنے میں تردد کرے۔ نہیں۔ حقیقت میں تو نہ کوئی تردّد ہے اور نہ ہی شبہ کی گنجائش ہے بلکہ وہ تو ایک دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں دوبارہ نئے طریقے سے پیدا کرنے کے معاملہ میں حالانکہ جب ابتداً خلق کو تسلیم کر لیا گیا تو اعادۂ خلق (جو قیامت کی حقیقت ہے) کے تسلیم کرنے میں کیا تردّد ہو سکتا ہے۔

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

((قال اللہ تعالیٰ کذّبنی ابن اٰدم ولَم یکن لہٗ ذالِك. ... الخ)).

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ابن آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے مجھے جھٹلایا حالانکہ یہ بات اس کو زیب نہیں دیتی تھی اور وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ رب مجھ کو دوبارہ نہیں زندہ کرے گا جس طرح کہ اس نے مجھے پہلے پیدا کیا تھا۔

بہر حال یہ اس کا فضول دھوکہ ہے جس میں وہ مبتلا ہے بھلا جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کر دیا اس کو دوبارہ زندگی بخش دینے میں کیا مشکل ہے اگر ایسا گمان ہے کہ وہ پروردگار پہلی مرتبہ پیدا کر کے تھک گیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

اس لیے اب دوبارہ اس کو ہم تو طاقت نہیں ہے کہ پیدا کر دے اس قادر مطلق کے متعلق اس قسم کا توہم سخت جہالت اور گستاخی ہے اسی امر کو قرآن کریم نے متعدد مواقع میں ثابت فرمایا جیسے کہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ﴾ (الروم: ۲۷) اور ﴿كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴)

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَ نَحْنُ

اور ہم نے بنایا انسان کو اور جانتے ہیں جو باتیں آتی ہیں اس کے جی میں اور ہم

اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ

اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ جب لینے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا

وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ

اور بائیں بیٹھا نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس پاس ایک

عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ

راہ دیکھتا تیار اور آئی بے ہوشی موت کی تحقیق یہ وہ ہے جس سے تو ٹل رہا

تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ

کرتا تھا اور پھونکا گیا نرسنگا یہ ہے دن ڈر کے کا اور آیا ہر ایک

نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

جی اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا اور ایک احوال بتانے والا تو بے خبر رہا اس دن سے

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ

اب کھول دی ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری' اب تیری نگاہ آج تیز ہے اور بولا اس کے ساتھ والا

هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ

یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر ڈالو تم دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو

لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ

نیکی سے اٹکانے والا حد سے بڑھنے والا' شبہے نکالتا جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کوئی پوجنا تو ڈالو

فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ

اس کو سخت مار میں بولا اس کا ساتھی اے رب ہمارے! میں نے اس کو شرارت میں نہیں ڈالا'

فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ

پر یہ تھا بھولا راہ سے دور فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس اور میں بھیج چکا پہلے ہی تم کو

بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع ۲ ۱۴/۱۶

دڑکا بدلتی نہیں بات میرے پاس' اور میں ظلم نہیں کرتا بندوں پر

# کمال قدرتِ خداوندی از روئے علم واحاطہ باحوال انسانی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ... الٰی ... وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝۲۹﴾

**ربط**: ماقبل آیات میں منکرین حشر ونشر کا ذکر تھا اسی کے ساتھ پہلی اُمتوں کی عبرت ناک تاریخ دہرائی گئی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اس کے نتیجے میں مختلف انواع واقسام کے عذاب ان پر نازل ہوئے اور ان کو ہلاک کر دیا گیا تو اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی تکذیب ومخالفت کرنے والی قوم کفار قریش کو عذابِ خداوندی سے بے فکر نہ ہونا چاہیے سزا دینا چونکہ دو چیزوں پر موقوف ہے ایک علم پر کہ مجرم کے جرم کا علم ہو دوسرے قدرت پر کہ مجرم کو سزا دینے پر قادر ہو تو اب ان آیات میں حق تعالیٰ کا کمال علم اور قدرت کا بیان ہے کہ وہ پروردگار احوال انسانی پر ہر لمحہ پورا پورا مطلع ہے حتیٰ کہ وہ دل کے احوال اور وساوس وخطرات سے آگاہ ہے اور اسی طرح اس کے احاطۂ قدرت سے بھی کوئی باہر نہیں لہٰذا کسی مجرم کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے کہ اس کے جرم کی خبر نہ ہوگی یا وہ جرم کی سزا سے بچ سکے گا تو ارشادِ خداوندی ہے۔ اور بے شک پیدا کیا ہے ہم نے انسان کو جس کو ہر صاحب عقل تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور اس کے انکار کی عالم مادیت ودھریت میں کوئی دلیل نہیں اور ہم جانتے ہیں ان باتوں کو بھی جو اس کے نفس (دل) میں گزرتی ہیں لہٰذا انسان کا کوئی عمل اور حال حتیٰ کہ خیال وتصور بھی ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے اور ہم اس کے نزدیک تر ہیں اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ۔ یعنی اس کی دھڑکتی ہوئی رگ جس کو شہ رگ کہا جاتا ہے۔ تو جب اللہ رب العزت اور اس کا علم انسان کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان کی کوئی بات اللہ سے مخفی رہے جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے انسان کے دائیں اور بائیں سے اس طرح ہے کہ ہر ایک ان میں تیار بیٹھا رہتا ہے کہ جونہی کوئی کام کیا اس نگران وپہریدار نے اس کو اچک کر محفوظ کر لیا نہیں بولتا انسان کوئی لفظ اپنے منہ سے مگر یہ کہ ایک نگران اس کے پاس تیار اس کو دیکھنے والا ہوتا ہے کہ جوں ہی کوئی لفظ منہ سے نکلا اس نگران پہرے دار نے لکھ لیا اس طرح سے انسان کی زندگی اس کے احوال اور زبان سے نکلنے والا اور دل میں گزرنے والا ہر طرح خدا کے علم میں ہے اور ان میں سے ہر ایک کو محفوظ کر کے پوری زندگی کی ایک دستاویز مکمل ہوتی ہے اور اسی طرح جب اس کی زندگی اپنی انتہا کو پہنچتی ہے موت کی غشی اس پر آجاتی ہے حقیقت کے ساتھ اور جان کنی کی سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس وقت اس کی حالت اور غیب کی ندا اس کو کہتی ہوتی ہے کہ اے انسان یہی تو ہے وہ جس سے تو اپنا رخ موڑتا رہتا تھا اور کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہ ہوتا تھا کہ اس کی طرف توجہ کرے یا اس کو ٹلاتا رہتا تھا لیکن موت کب کسی تدبیر سے ٹلا کرتی ہے بہر کیف ہر انسان اپنی انفرادی زندگی پوری کرتے ہوئے موت اور آخرت کی حقیقت تو دیکھتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا اور صور پھونکا جائے گا بس یہی دن ہے ڈرانے کا جس سے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں کو ڈراتے رہے اور یہی وہ پیغام تھا جو آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر تمام قبائل قریش ومکہ کو پہنچایا اور جس وقت یہ دن آئے گا تو حالت یہ ہوگی کہ ہر انسان آتا ہوگا۔ اس طرح کہ میدان حشر میں کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے احوال کی گواہی دے رہا ہوگا اس وقت دنیا کی لذتوں میں پڑ کر آخرت سے غافل ہونے والے انسان کو کہا جا رہا ہوگا اے انسان! بے شک تو بڑی ہی غفلت میں پڑا رہا اس دن سے اور تیری مادی لذتوں نے تیری آنکھوں پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا سو اب کھول دیا ہے تیرا وہ پردہ تجھ سے تو بس تیری نگاہ آج تو خوب تیز ہے اور وہ چیزیں تجھے صاف نظر آرہی ہیں جن کے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے تیری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور کہے گا اس کا ساتھی یعنی

وہ فرشتہ جو نامۂ اعمال لیے حاضر ہوگا یہ ہے میرے پاس جو کچھ بھی مرتب کیا ہوا ہے جس پر ان دونوں کو جس میں سے ایک سائق ہنکانے والا اور دوسرا شہید و گواہ تھا حکم ہوگا ڈال دو تم جہنم میں ہر اس نافرمان، مغرور و مخالف انسان کو جو خیر سے لوگوں کو روکنے والا حد سے بڑھنے اور شک وشبہ میں ڈالنے والا تھا جس نے خدا کے ساتھ بہت سے اور معبود بنا لیے تھے خواہ وہ معبود بت ہوں یا انسان کی نفسانی خواہشات اور دنیاوی لذتیں ہوں سو پھینک دو اس کو سخت عذاب میں اس وقت کہے گا اس کا ساتھی شیطان اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو سرکشی میں نہیں ڈالا بلکہ یہ تو خود ہی راہ حق سے بہت دور بھٹکا ہوا گمراہی میں پڑا رہا نافرمان اور مجرم انسان اپنے جرائم اور گمراہی کی ذمہ داری شیطان پر ڈال رہا ہوگا اور شیطان اپنی برأت کرتے ہوئے کہتا ہوگا کہ اے پروردگار میں نے کیا زبردستی اس کو اس راستہ پر ڈالا؟ میں نے تو بس اس کو دعوت دی تھی اور یہ خود برضا و رغبت ساری عمر گمراہی کی راہ پر چلتا رہا اور دعوت تو اس کو حق و ہدایت کی بھی پہنچتی تھی یہ تو سراسر اسی کا قصور ہے کہ اس نے ہادیٔ حق کی دعوت کو ٹھکرا کر گمراہی کی دعوت کو قبول اور اختیار کیا غرض جب یہ تُو تُو میں میں ہو رہی ہوگی تو حق تعالیٰ فرمائے گا جھگڑا مت کرو میرے پاس اور میں تو پہلے ہی بھیج چکا تھا تمہاری طرف اپنی دھمکی۔ نیک و بد سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ کس جرم کی کیا سزا ہوگی اور کوئی بھی شخص اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے بچ نہ سکے گا میرے یہاں بات نہیں بدلتی اور نہ ہی میں ظلم کرنے والا ہوں ذرہ برابر بھی بندوں پر جو کچھ فیصلہ ہوگا وہ عین عدل و انصاف اور قانون حکمت کے مطابق ہوگا اور یہ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ کافر و مشرک کی بخشش و معافی نہیں ہو سکتی سو یہ قانون اسی طرح اٹل ہے اور اسی کے مطابق اب کفر و شرک کی سزا نافذ و جاری کی جا رہی ہے اور جب کافر کی بخشش نہیں تو وہ شیطان جو ہر کفر و گمراہی کا اصل سرچشمہ اور سبب ہے اس کی کیونکر بخشش ہوگی۔

﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾ سے حق تعالیٰ شانہٗ کے علم محیط کا ہونا بیان کیا جا رہا ہے کہ ظاہری اعمال و احوال تو درکنار اللہ رب العزت تو دل میں گزرنے والے خطرات بھی جانتا ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (البقرہ: ۲۸۴) قلب کے خطرات و وساوس میں جو درجہ غیر اختیاری ہے اس سے اللہ نے درگزر فرمانے کا وعدہ فرما لیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ((ان الله تجاوز عن امتی مَا توسوست بها صُدُورها)) کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے ان چیزوں کے بارہ میں درگزر فرما لیا ہے جو بطور وسوسہ ان کے دلوں میں گزریں البتہ عقائد اور باطنی گندگیاں اور نافرمانیوں کا عزم وہ یقیناً قابل گرفت ہے اس لیے کہ وہ عمل اختیاری ہے جس کو آیت ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا﴾ میں فرمایا گیا۔ (تفصیل سورۂ بقر میں گزر چکی ہے)

﴿حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ لغت میں دھڑکتی ہوئی رگ کو کہا جاتا ہے وہ گردن کی رگ ہے جس کو شہ رگ اور رگِ جان بھی کہا جاتا ہے جس سے مراد انسان کی روح اور جان ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العزت انسان سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور یہ قرب ظاہر ہے کہ اللہ کے علم اور قدرت کے لحاظ سے قرب ہے یعنی انسان کو اپنے احوال کا علم اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ اللہ کو اس کے احوال کا علم ہے۔

استادِ محترم شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علت اور منشاء کو معلول اور ناشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا (کیونکہ علت پر معلول کا اور منشاء پر ناشی کا وجود موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ موقوف علیہ موقوف سے تقدم رکھتا ہے تو اس وجہ سے خداوندِ عالم کا یہ فرمانا ہے کہ ہم تو انسان سے بہ نسبت اس کی رگ جاں سے زیادہ قریب ہیں) [1]

---

[1] فوائدِ عثمانی۔ ۱۲

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگِ آخر باہر ہے جان سے کسی نے خوب کہا:

جاں نہاں در جسم واو در جاں نہاں

اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ﴾ سے مراد دو فرشتے ہیں جو خدا کے حکم سے ہر وقت اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں جو بھی لفظ اس کے منہ سے نکلتا ہے لکھ لیتے ہیں ایک دائیں طرف ہوتا ہے جو نیکیاں لکھنے پر مامور ہوتا ہے اور دوسرا بائیں طرف ہوتا ہے جو بدی اور گناہ لکھنے پر مقرر ہوتا ہے ان دو فرشتوں کا محل کیا ہے؟ اس بارہ میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ [1] نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ کبھی ایک کلمہ اللہ کی خوشنودی کا بول دیتا ہے جس کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ ایک کلمہ اس درجہ تک پہنچ جائے گا تو اسی ایک کلمہ کی بدولت اس کے واسطے قیامت تک کے لیے اللہ کی رضامندی کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایک کلمہ اللہ کی ناراضگی کا بول دیتا ہے۔ حالانکہ اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ اس درجہ تک پہنچا دے گا تو اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی قیامت تک کے واسطے لکھ دی جاتی ہے۔

علقمہ رضی اللہ عنہ اس روایت کو نقل کر کے کہا کرتے تھے کہ بہت سی باتیں ہیں جن کو میں اسی وجہ سے کہنے سے باز رہتا ہوں یعنی اس فرمان کا تصور مجھ کو ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرنے کی جانچ پڑتال پر آمادہ کرتا ہے اور میں انتہائی احتیاط اختیار کرتا ہوں۔

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے دائیں ہاتھ والا فرشتہ جو خیر لکھتا ہے دوسرے فرشتے پر نگران رہتا ہے کہ اگر بندہ نے کوئی خطا کر لی تو دائیں ہاتھ والا فرشتہ بائیں جانب والے کو کہتا ہے ذرا ٹھہر جا ابھی اس کی یہ برائی نہ لکھ تا کہ اس مہلت میں بندہ استغفار کر لے لیکن بندہ نے اگر استغفار نہ کیا تو پھر لکھ لیتا ہے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ آیت ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ ... الخ﴾ پڑھ کر فرمایا کرتے. اے ابن آدم! تیرا نامۂ اعمال میں نے کھول رکھا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے ہیں ایک تیری دائیں جانب ہے اور دوسرا بائیں جانب۔ دائیں جانب والا تیری نیکیاں لکھ رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری بُرائیاں لکھ رہا ہے اب تیری مرضی جو عمل چاہے کر کم کر یا زیادہ کر یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا تو تیرے یہ صحیفے لپیٹ کر تیری گردن میں ڈال دیئے جائیں گے یہاں تک کہ جب قیامت کے روز تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت کہا جائے گا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۴) اس کے بعد فرمایا کرتے خدا کی قسم تیرے بارہ میں اس ذات نے عدل و انصاف کیا جس نے خود تیرے نفس کو تیرا محاسب بنایا [2] اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: ۱۳)

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ﴾ سکرۃ الموت موت کی بے چینی کا نام ہے جو جسمانی طور پر نزع روح کے وقت پیش آتی ہے یہ سکرۃ الموت ہر ایک کے حق میں ہے حدیث صحیح میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی کیفیت واقع ہونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پسینہ آلود ہو گئی آپؐ پیشانی کا پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے: ((سبحان الله إن للموت سكرات)).

اس آیت میں ہر انسان کی موت کا ذکر ہے اور ہر انسان کی موت اس کے حق میں قیامت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ((انَّ مَنْ مات فقد قامت قيامته)) کہ جو شخص مر گیا بس اس کی تو قیامت شروع ہو گئی تو اس انفرادی قیامت کے ذکر کے بعد

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۱۲۔ [2] تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر قرطبی۔

عمومی اور اجتماعی قیامت (جو کل عالم کائنات پر برپا ہوگی) کا ذکر فرما دیا گیا ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن رافع رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ سنی اور فرمایا سائق محشر کی طرف گھسیٹ رہا ہوگا اور شہید اس کے ہر عمل کی گواہی دیتا ہوگا مجاہدؒ و قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سائق فرشتہ ہے اور شہید انسان کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا سائق تو فرشتوں میں سے ہوگا لیکن شہید خود وہ انسان ہے جو اپنے ہر عمل کی خود ہی گواہی دے رہا ہوگا جیسے کہ ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ﴾ (یٰسین:۶۵) میں واضح فرما دیا گیا۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سائق و شہید کافر کے حق میں ہوگا اور بعض کا خیال ہے کہ ہر شخص خواہ وہ نیک یا بدکار ہو ہر ایک کے واسطے یہی ہوگا کہ ایک سائق ہے اور دوسرا شہید۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾

جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر چکی اور وہ بولے گی کچھ اور بھی ہے

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ

اور نزدیک لائی گئی بہشت ڈر والوں کے واسطے دور نہیں یہ ہے جس کا وعدہ ہے تم کو ہر ایک

اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿٣٣﴾

رجوع کرتے یاد رکھنے والے کو جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے اور لایا دل جس میں رجوع ہے

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا

چلے جاؤ اس میں سلامت یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کو ہے وہاں جو چاہیں اور ہمارے پاس ہے

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ

کچھ زیادہ بھی اور کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں ان کی قوت زبردست تھی ان سے

بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

پھر لگے کرید کرنے شہروں میں کہیں ہے بھاگنے کو ٹھکانہ؟ اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

جس کے اندر دل ہے یا لگا دے کان دل لگا کر اور ہم نے بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ

آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے چھ دن میں اور ہم کو نہ آئی

لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ

کچھ ماندگی۔ سو تو سہتا رہ جو کہتے ہیں اور پاکی بول خوبیاں اپنے رب کی، پہلے سورج نکلنے سے اور

الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

پہلے ڈوبنے سے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیچھے سجدے کے

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ

اور کان رکھ جس دن پکارے گا پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے جس دن سنیں گے

الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ

چنگھاڑ تحقیق۔ وہ ہے دن نکل پڑنے کا۔ ہم ہیں جلاتے اور مارتے

وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ

اور ہم تک ہے پہنچنا جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑے وہ دوڑتے۔ یہ اکٹھے کرنا

عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ق

ہم کو آسان ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور نہیں تو ان پر زور کرنے والا

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ ع ۳ ۱۶/۱۷

سو تو سمجھا قرآن سے اس کو، جو ڈرے میرے دڑکے سے۔

## شدت عذابِ خداوندی بر مجرمین وعزت واکرام مطیعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ ... الٰى ... مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ خداوندِ عالم کا علم جملہ احوال بشریہ کو محیط ہے کہ کوئی مجرم نہ اس کے احاطۂ علم سے غائب ہوسکتا اور نہ اس کی قدرت وگرفت سے بچ سکتا ہے تو اب ان آیات میں مجرمین کے عذاب کی شدت بیان کی جارہی ہے اور ساتھ ہی اہل ایمان اور

مطیعین پر جو کچھ انعام وکرم ہوگا اس کا ذکر ہے کہ وہ کس اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل کیے جائیں گے اسی کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ ہدایت اور قبول حق کا دارومدار قلب کی سلامتی اور رجوع الی الحق پر ہے اگر قلب امراض خبیثہ میں مبتلا ہے تو دلائل وحجج اس کے واسطے بیکار ہیں اور اگر قلب بیمار تو نہیں لیکن توجہ اور رغبت قبول حق اور ہدایت کی نہیں تو بھی کوئی نفع حاصل نہ ہوگا یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ راہِ حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آیا کرتی ہیں اس لیے صبر واستقامت چاہیے اور صبر وعزم ذکر خداوندی اور تسبیح وتحمید پر موقوف ہے کیونکہ یہ روح کی غذا ہے اسی سے روح کو قوت وتوانائی حاصل ہوتی ہے ان مضامین کو حشر اور قبور سے نکل کر حساب وکتاب کے لیے حاضری کے مضمون پر ختم فرمایا۔ ارشاد ہے جس روز کہ ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر چکی وہ اپنی شدت اور وسعت اور پھیلاؤ اور غیظ وغضب کی حالت میں جواب دے گی اور کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ جس سے مجھے بھرا جائے گا اور مجرموں کو ان کے کفر و نافرمانی کی سزا دی جائے گی اور اس وقت جب کہ کافروں کے سامنے قہر خداوندی کا یہ ہیبت ناک منظر ہوگا قریب کردی جائے گی جنت تقویٰ والوں کے لیے جو دور نہ ہوگی جو نہایت ہی نزدیک پوری زیب وزینت کے ساتھ اہل ایمان کے سامنے ہوگی اس وقت کہا جارہا ہوگا یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا اے ایمان والو! ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اس کے احکام واوامر کی حفاظت کرنے والا ہو بے شک جس نے خشیت اور تقویٰ اختیار کیا حالت غیب میں یعنی بغیر خدا اور قیامت کو دیکھے ہوئے پروردگار رحمٰن سے اور لے کر آیا ایک صاف ستھرا دل رجوع کرنے والا اس پر ایسا ہی انعام وکرم ہوگا اس قسم کے جملہ اہل ایمان وتقویٰ سے کہا جائے گا داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ یہی دن ہمیشہ رہنے کا ہے عافیت وسلامت کا اعلان خداوند عالم کی طرف سے بھی ہو رہا ہوگا اور فرشتے بھی یہی بشارت سنا رہے ہوں گے ان اہل ایمان کے واسطے جنت میں جو کچھ چاہیں گے وہ ہوگا اور ہر خواہش پوری ہوگی بلکہ ہمارے پاس تو ان کے لیے اس سے بھی زائد ہے کہ اہل جنت کی طلب اور خواہش ختم ہو جائے گی اور ان کے تصور میں بھی وہ انعامات نہ آسکیں گے جو ان کی خواہش اور طلب سے بڑھ کر دیئے جائیں گے پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اعلان ہوگا رضاء خداوندی کا فرمایا جائے گا ((رضائی لااسخط علیکم بعدی ابدا)) اور مزید اس پر دیدارِ خداوندی سے بھی نوازے جائیں گے ظاہر ہے یہ سب کچھ انعام و اکرام اہل ایمان وتقویٰ پر ہوگا لیکن اس کے بالمقابل کافروں ونافرمانوں کے واسطے تو ذلت ورسوائی اور عذاب کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا عذاب تو کوئی کیا ٹلا سکے گا دنیا میں بھی جب خدا کا قہر وعذاب کسی مجرم قوم پر مسلط ہوتا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ چنانچہ اور کتنی ہی جماعتیں ہم ہلاک کر چکے ان کفار مکہ سے پہلے جو ان سے زیادہ طاقت اور گرفت والے تھے جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے جیسے قوم عاد وثمود اور اہل مدین لیکن جب ان پر عذابِ خداوندی آیا تو کیا کوئی ہوا ان میں بچ کر نکل جانے والا نہ کوئی بھاگ سکا نہ کسی کو کوئی ٹھکانہ اور پناہ مل سکی بے شک اس میں سوچنے اور عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے اندر قلبِ سلیم ہے یا وہ توجہ سے اللہ کی باتوں کو سنے درآں حالیکہ وہ غور وفکر کرنے والا ہو تو بلاشبہ ان عبرتناک واقعات سے اس کے سینہ میں سمجھنے والا دل قبول حق کے واسطے تیار ہو جائے گا جنت وجہنم کے ان احوال اور وسعتوں پر کسی کو کوئی تعجب وحیرت کی قطعاً ضرورت نہیں ہم تو ہر چیز پر قادر ہیں اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جملہ مخلوقات کو چھ دن کے اندر بنا دیا اور ہم کو کوئی تکان نہ ہوا اور چھ دن کی مدت بھی محض ان مخلوقات کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے لگائی ورنہ تو اللہ ایک آن اور لمحہ میں ہی ساری کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے تو جب ہم ان تمام عظیم مخلوقات کو ابتداءً پیدا کر چکے تو ہمارے واسطے دوبارہ لوگوں کو زندہ کر کے اٹھانا اور جنت جیسی مخلوقات کا بنانا کیا مشکل ہوسکتا ہے

تو اگر ان حقائق کے باوجود بھی کفار و مشرکین نہ مانیں اور انکار ہی کرتے رہیں اور آپ ﷺ کی باتوں کا تمسخر و مذاق کریں تو پس آپ ﷺ صبر کیجیے ان باتوں پر جو یہ منکرین کہتے ہیں اور پاکی بیان کرتے رہئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے اور رات کے کچھ حصوں میں بھی خدا کی پاکی بیان کرتے رہئے اور سجدہ کرنے کے بعد بھی جب بھی فرض نماز ادا کریں اور اس میں سجدوں سے فارغ ہوں تو ان سجدوں کے بعد خدا کی تسبیح و پاکی کرتے رہیے اور اس طرح ہمہ اوقات یادِ خداوندی میں لگے رہئے اور کان لگائے رکھ اس دن پر کہ پکارنے والا پکارے قریب ہی جگہ سے یہ وہ دن ہوگا کہ لوگ سنیں گے ایک چیخ ٹھیک ٹھیک بس یہی دن نکل پڑنے کا ہوگا مردوں کا اپنی قبروں سے یا جس جگہ بھی اور جس حالت میں انسان کے بدن اور اس کے اجزاء ہوں گے سب کو خدا تعالیٰ جمع کرلے گا بے شک ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ وہ دن ہوگا کہ زمین شق ہو جائے گی ان سے اور زمین کے پھٹ جانے سے اس سے مردے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو رہے ہوں گے نہایت ہی تیزی سے دوڑتے ہوئے یہ اکٹھا کرنا ہم پر نہایت ہی آسان ہے۔ ❁

ہم خوب جانتے ہیں وہ باتیں جو کہہ رہے ہیں آپ ﷺ کی مخالفت اور دشمنی میں اور آپ ﷺ ان پر کوئی زبردستی کرنے والے نہیں کہ کسی کو ہدایت پر زبردستی لے آئیں یا اس کی بے ہودہ باتوں سے اس کو روک دیں سو آپ ﷺ تو نصیحت کرتے رہیے قرآن کے ذریعہ ہر اس شخص کو جو میری ❁ دھمکی سے ڈرتا ہو اس طرح کی تذکیر و نصیحت اور یاددہانی سے ہر وہ شخص جس کے دل میں ادنیٰ درجے کا بھی خوفِ خدا ہے وہ کفر و عناد سے باز آجائے گا اور اُمید ہے کہ ہدایت اور حق قبول کرلے نصیحت و فہمائش بہرکیف نفع سے خالی نہیں اور انجام خدا کے حوالہ کر دیجیے بندہ کے لیے ہر معاملہ میں تفویض الی اللہ ہی چاہیے اسی میں کامیابی اور اللہ کی مدد اور رضا و خوشنودی ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرہ:۲۷۲)

---

❁ ظاہر ہے کہ جب ایک انسان عاجز خدا کے عطا کردہ اسباب اور مادی وسائل سے فضا میں منتشر آوازوں اور صورتوں کو جمع کرسکتا ہے تو اس قادرِ مطلق اور خالق کائنات کے لیے انسانوں کا قیامت کے روز جمع کرنا کیا مشکل ہوسکتا ہے۔ (تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ﴾ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ندا کرنے والا فرشتہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جو بامر خداوندی نفخ صور کے ساتھ یہ آواز دیں گے۔ ((ایتها العظام البالية والشعور المتفرقة والاوصال المتمزقة ان الله يامركن ان تجتمِعْن)). کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اور پراگندہ بالو! اور ریزہ ریزہ شدہ ہڈیوں کے جوڑو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم سب یکجا جمع ہو جاؤ۔

چنانچہ یہ مخلوق کو ایسی سنائی دے گی گویا کہ اس کے قریب ہی سے اس کو پکارا جا رہا ہے اور انسانی بدن کے اجزاء منتشرہ جمع ہو جائیں گے یہ روایت جمہور متکلمین کے اس قول کی تائید کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا حشر جسمانی قیامت کے روز نئے اجسام کو بنانا نہیں بلکہ اجسام قدیمہ دُنیویہ ہی کو از سرنو زندہ کرنا ہے اور ارواح کو ان سے وابستہ کرنا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (تفسیر احکام القرآن للقرطبی و تفسیر مظہری)

❁ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ جب یہ تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے:

((اللّٰهم اجعلنا ممّن يخاف وعِيدكَ ويرجوا وعدك يابارّ يارحيم)).

کہ اے اللہ تو ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیری وعید اور دھمکی سے ڈرتے ہوں اور تیرے وعدہ کی امید لگائے ہوئے ہوں۔ اے کریم مہربان۔

آمین بِرَحْمتك يا ارحم الراحمين

# هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کی تفسیر

﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہنم کا ایندھن جہنم میں ڈالا جارہا ہوگا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گئی؟ تو جواب دے گی نہیں، ہے کچھ اور؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم (بے چون وچگوں) اس پر رکھ دے گا تو کہے گی قط قط، بس بس۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مضمون کو قدرے تفصیل کے ساتھ بروایت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جنت میں کشادگی ہی باقی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کر کے جنت کی اس زائد جگہ کو پر فرمائے گا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی بیان فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت وجہنم کا باہم مناظرہ اور حجت بازی ہوگی جہنم کہے گی کہ دیکھو میرے میں کس قدر بڑے بڑے مغرور وسرکش اور جبار لوگ ہیں مثلاً فرعون، ہامان وشدّاد وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے میری حیثیت بہت اُونچی ہے کیونکہ اُونچے طبقے کے لوگ میرے اندر ہیں۔ جنت بولے گی ٹھیک ہے مجھے کیا ہوا اگر مجھ میں ضعفاء ومساکین اور درویش قسم کے لوگ ہیں اس پر ارشادِ خداوندی ہوگا جنت کے لیے اے جنت تو میری رحمت ہے تیرے ذریعہ سے میں بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں رحم کرتا ہوں اور اے جہنم تو تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جس کو عذاب دینا چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں اور تم میں سے ہر ایک کو پر کیا جانا میرے ذمہ ہے۔

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ... الخ﴾ کی تعلیم سے یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ منکرین ومکذبین کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ اور ذریعہ یہی ہے کہ ان کی طرف سے پیش آمدہ اذیتوں پر صبر کیا جائے اور اپنا معاملہ خدا کے حوالہ کرتے ہوئے اس کی یاد اور تسبیح وتحمید میں مصروف ہوجانا چاہیے یہ تفویض اور انابت الی اللہ ہی دشمنوں پر غالب وکامیاب بنائے گی۔

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ میں ان دو اوقات کی تخصیص یا تو اس امر پر مبنی ہے کہ اسراء معراج سے قبل دو نمازیں فجر اور عصر فرض تھیں اور تہجد (قیامِ لیل) کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت پر واجب کیا گیا تھا جو ایک سال تک رہا جس کے بعد قیامِ لیل کا وجوب امت کے حق میں منسوخ کر دیا گیا اور جب معراج میں پنجگانہ نمازیں فرض ہوگئیں تو اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق ہر ایک سے اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا۔ گو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر پابندی ایسی ہی کرتے تھے جیسے کہ امر واجب کی کی جائے حتیٰ کہ کسی رات اگر ضعف یا بیماری کے باعث قیام لیل نہ فرما سکے تو اس کی قضا کے طور پر طلوعِ شمس اور زوال کے درمیانی وقت میں بارہ رکعت ادا فرما لیتے۔ (کبا و ردفی الاحادیث الصحاح)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک روز ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے (رات کا وقت تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا (اے لوگو!) بے شک تم اپنے رب کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور پھر تم اپنے رب کا دیدار اسی طرح کرو گے جیسے اس وقت تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھ رہے ہو جس میں تمہیں کسی قسم کی دقت ورکاوٹ نہیں (اور فرمایا) اگر تم سے ہو سکے تو تم ہرگز عاجز نہ ہونا اس نماز سے جو قبل طلوع الشمس ہے اور

اس نماز سے جو غروب سے پہلے ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾۔

﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ کی تفسیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہ نمازوں کے بعد والی تسبیحات ہیں جیسا کہ اس حدیث مشہور میں وارد ہوا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء مہاجرین کو ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ﴾ اور ۳۳ مرتبہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور ۳۳ مرتبہ ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ اور ایک مرتبہ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی اس کی دوسری تفسیر جو بروایت عکرمہ اور شعبی رضی اللہ عنہما منقول ہے ''دو رکعتیں بعد مغرب ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض کے بعد علاوہ فجر اور عصر دو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رہا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رات کی عبادت کا دیکھ سکوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز کے لیے جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ہلکی ادا کیں اور فرمایا اے ابن عباس رضی اللہ عنہما ((رکعتین قبل الفجر ادبار النجوم و رکعتین بعد المغرب ادبار السجود)) یعنی ستاروں کے پیٹھ پھیرنے پر تسبیح کا حکم آیۃ ﴿وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ میں فجر سے پہلے کی دو سنتیں ہیں اور تسبیح کا حکم ﴿اَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ اس آیت قٓ میں وہ مغرب کے بعد والی دو سنتیں ہیں۔

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ قٓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۃ الذاریات

اس سورت کے مضامین بھی زیادہ تر اثبات حشر ونشر ہی پر مشتمل ہیں گزشتہ سورت تخلیق کائنات اور انسان کے جملہ احوال پر حق تعالیٰ شانہٗ کے علم قدرت کا احاطہ بیان کرتے ہوئے ان حقائق کو ثابت فرمایا گیا تھا کہ کسی بھی مجرم اور نافرمان منکر کو اللہ کی گرفت اور عذاب سے بے فکر اور مطمئن نہ ہو جانا چاہیے اور نہ ہی وہ کسی طرح حق تعالیٰ کی گرفت سے بچ سکتا ہے اسی کے ساتھ اثبات قیامت کے لیے دلائل قدرت اور مشاہدات کونیہ کو پیش کیا گیا کہ کسی درجہ میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں تردد باقی نہ رہے۔ اب اس سورت میں وقوع قیامت کی نہایت عظمت اور اہمیت کے ساتھ خبر دی جا رہی ہے اور انسانوں کو پوری قوت کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ آخرت سے غافل نہ ہوں فکر آخرت اور اس کی تیاری میں مصروف ہو جائیں یوں تو قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جو مسئلۂ حشر ونشر اور اثبات قیامت پر مشتمل ہیں لیکن جس عظمت وجلال اور پر رعب انداز سے کلام الٰہی اس موقعہ پر قیامت کا ذکر فرما رہا ہے وہ انداز اور طرز تعبیر بھی مستقل ایک معجزانہ شان رکھتی ہے اسی وجہ سے قسم کے عنوان سے مضمون کا آغاز فرمایا جا رہا ہے۔

آیاتھا ۶۰ ۵۱ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۶۷ رکوعاتھا ۳

سورۂ ذاریات مکی ہے اور یہ ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَ الذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر۔ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو پھر چلنے والیاں نرمی سے

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّ اِنَّ الدِّيْنَ

پھر بانٹنے والیاں حکم سے بے شک جو وعدہ دیا تم کو سو سچ ہے اور بے شک انصاف ہونا ہے

لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾

قسم ہے آسمان جالی دار کی تم پڑے رہے ہو ایک جھگڑے کی بات میں

يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ

اس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا مارے گئے اٹکل دوڑانے والے وہ جو غفلت میں ہیں

سَاهُوْنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ؕ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ

بھول رہے پوچھتے ہیں، کب ہے دن انصاف کا؟ جس دن وہ آگ پر

يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

الٹے سیدھے پڑیں گے چکھو مزہ اپنی شرارت کا یہ ہے جس کی تم شتابی کرتے تھے۔

## اعلان وقوع قیامت وتنبیہ وتوبیخ بر تردّد وانکار حشر ونشر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ ... الٰى ... كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾

**ربط:** سورۂ قٓ کا مضمون قیامت اور حشر ونشر کے ثابت کرنے پر مشتمل تھا اور اسی ضمن میں کچھ احوال قیامت حساب وکتاب کی پیشی مجرمین کی سزا اور مطیعین پر انعامات کا ذکر تھا۔ اب اس سورۂ پاک میں وقوع قیامت کا اعلان فرمایا جارہا ہے اور ہواؤں، بادلوں ستاروں

اور وہ فرشتے جو نظام کائنات پر مامور ہیں ان کی قسم کھا کر ایک طرف اس اعلان کے گویا دلائل پیش کیے جا رہے ہیں کہ جس ذات کے قبضۂ قدرت میں یہ عظیم کارخانہ چل رہا ہے وہی ذات قادر مطلق جب چاہے۔ اس نظام عالم کو درہم برہم کر کے قیامت برپا کر دے تو دوسری جانب احوالِ قیامت کی ہیبت و عظمت بھی مخاطبین کے ذہن میں قائم کی جا رہی ہے اور ان کی غفلت و لاپرواہی پر توبیخ و ملامت بھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر پھر قسم ہے ان کی جو اٹھانے والی ہیں بوجھ کو پھر قسم ہے ان کی جو چلنے والی ہیں نرمی سے پھر قسم ہے ان کی جو تقسیم کرنے والی ہیں از روئے حکم بے شک بس یہی ہے کہ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ یقیناً سچا ہو کر رہے گا کہ دُنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس حیات دنیوی کے بعد دوبارہ قیامت میں اللہ جل شانہٗ کے روبرو حاضر ہونا ہے اور بے شک انصاف ہونا ہے کہ نہ کسی کی کوئی نیکی ضائع ہوگی اور نہ بدی کی سزا سے بچ سکے گا اور ہر ظالم خواہ اس نے دوسرے پر ظلم کیا ہو یا اپنی ذات پر ظلم کا بدلہ بہرحال اس پر ہوگا قسم ہے آسمان کی جو جال والا ہے کہ ستاروں کا جال اس پر گھرا ہوا ہے جو آسمان پر رونق کا باعث ہونے کے علاوہ خداوند عالم کی عظیم قدرت کی بہترین نشانی بھی ہے ان دلائل اور نشانیوں کے باوجود بھی حق سے انحراف و انکار کرنے والے لوگو! بے شک تم تو ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو اس سے وہی باز رہے گا جو اس سے پھیر دیا گیا اور اپنی بدنصیبی کی وجہ سے اس خیر و سعادت کی راہ کو قبول کرنے سے محروم رہا۔ تو ظاہر ہے جو سعادت و خیر سے دھتکار دیا گیا اس کے حصہ میں اب کہاں سے ہدایت و سعادت حاصل ہو سکتی ہے ہلاک ہوں اٹکل و تخمین لگانے والے لوگ جو اپنی غفلت و جہالت میں بھٹک رہے ہیں پوچھتے ہیں تمسخر اور مذاق کے انداز میں بتایئے تو کب ہے وہ جزاء کا دن ایسے احمقانہ سوال کرنے والوں کو جواب دے دو جزاء کا دن وہ ہوگا جس دن وہ جہنم کی آگ پر آزمائے جائیں گے اور اوندھے منہ آگ پر ان کو ڈالا جا رہا ہوگا ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ﴾ (القمر:۴۸) اس وقت کہا جاتا ہوگا چکھ لو مزہ اپنی شرارت و خباثت کا یہی تو ہے وہ عذاب یا جزاء کا دن جس کی تم جلدی کر رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ کب آئے گا وہ انصاف کا دن جیسا کہ ان کو اس دن کا بہت انتظار ہے اور اس کی تاخیر ان کو بھاری معلوم ہو رہی ہے تو جب عذاب ان پر مسلط ہوگا تو کہا جاتا ہوگا کہ بس اب دیکھ لو اور یقین کر لو بلاشبہ ان کے استہزاء و تمسخر کا ایسا ہی جواب قدرت کی طرف سے ہونا چاہیے سو ایسے منکرین اور گستاخ لوگوں کو ہماری طرف سے سب کچھ سنا دیا جائے۔

## کلمات قسم کی تشریح

﴿وَالذّٰرِيٰتِ ... الخ﴾ میں واؤ قسمیہ ہے جیسے ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ﴾ وغیرہ میں قسم کے معنی ہیں لفظ ذاریات جمع ذاریۃٌ کی ہے ذروًا کے معنی بکھیرنے کے ہیں تو ذاریات اہلِ عرب کے یہاں ان ہواؤں کو کہا جاتا ہے جو غبار اور ذرات بکھیرتی ہیں گویا تیز ہوائیں اور آندھیاں اس کا مصداق ہوئیں پھر ان سے بادل بنتے ہیں جن میں اللہ کی قدرت سے پانی کے ذخائر جمع ہوئے ہیں اور اس طرح یہ ہوائیں ان بادلوں کو لیے پھرتی ہیں اور بوجھ اٹھائے ہوتی ہیں جب پانی برسنے کا وقت قریب آتا ہے تو ان ہواؤں میں نرمی آ جاتی ہے پھر اللہ کے حکم سے جہاں جس قدر بارش کا حصہ ہوتا ہے تو وہ زمین کے اس حصہ کو تقسیم ہو جاتا ہے تو اس لحاظ سے یہ ہوائیں جن کی تحریک سے یہ بادل حرکت میں آئے اور برسے گویا تقسیم کرنے والی ہوئیں۔

یہ تفسیر ان ائمہ مفسرین کے قول پر ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یہ چاروں یعنی ذاریات، حاملات، جاریات اور مقسمات ہواؤں ہی کی صفات ہیں لیکن بعض ائمہ مفسرین ذاریات سے ہوائیں مراد لیتے ہیں اور حاملات سے بادل جاریات سے کشتیاں اور بعض ستارے اور مقسمات سے فرشتے مراد لیتے ہیں۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین مجھے بتایئے کہ ﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا﴾ کیا ہے؟ فرمایا یہ ہوائیں ہیں اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنتا کبھی نہ کہتا پھر پوچھا فرمایئے ﴿حَامِلَاتِ وِقْرًا﴾ کیا ہے؟ فرمایا بادل ہیں اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنتا کبھی نہ کہتا پھر سوال کیا کہ ﴿جَارِيَاتِ يُسْرًا﴾ کیا ہے؟ جواب دیا یہ کشتیاں ہیں جو سمندر میں بڑی سہولت اور آسانی سے تیرتی ہیں اور حسب سابق اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا پھر کہا اچھا ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ﴾ کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا: یہ ملائکہ ہیں جو اللہ کی مخلوق پر اس کا رزق تقسیم کرنے والے یا اس کے اوامر و احکام مخلوقات تک پہنچانے والے ہیں تو جمہور مفسرین کے مشہور قول کے مطابق الجاریات سمندر میں تیرنے والی کشتیاں اور جہاز ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی تفسیر میں الجاریات سے مراد ستارے ہیں تو اس لحاظ سے ان آیات میں جن اشیاء کی قسم کھائی گئی وہ عالم زمین سے ہوائیں اور عالم جو سے بادل اور ملکوت السماوات سے ستارے اور فرشتے ہوئے اس طرح ان مخلوقات عظیم کا ذکر نہایت ہی لطیف انداز سے ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ کا نمونہ ہو گیا حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ❶

مسند بزار میں اس طرح کا مضمون حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب کہ وہ کوفہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے ان کلمات کی تفسیر دریافت کی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح جواب دیا۔ ❷

﴿اَيَّانَ﴾ لغت عربیہ میں زمانہ اور وقت کے سوال کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن اس کا استعمال اس موقعہ پر ہوتا ہے جہاں متکلم کسی چیز کی آمد بعید اور ناقابلِ تسلیم سمجھتا ہو برخلاف لفظ متیٰ کے کہ وہ مطلق سوال عن الوقت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے الغرض ان کے اس سوال میں عناد و انکارِ قیامت اور یہ کہ جس قیامت کی دھمکی دی جا رہی ہے وہ کہاں آئے گی تو اس طبعی شقاوت کے باعث جواب میں تنبیہ اور سختی کا رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا ﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ﴾ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں یہ جواب اسی طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے واسطے پھانسی کا حکم ہو جائے مگر وہ احمق باوجود قیام براہین کے محض اس وجہ سے کہ تاریخ نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کیے جائے اور یہی کہتا رہے اچھا وہ دن کب آئے گا چونکہ یہ سوال از راہ تعنت ہے اس لیے جواب میں بجائے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا بھی نہایت ہی مناسب ہوگا "وہ دن اس وقت آئے گا جب تم پھانسی پر لٹکائے جاؤ گے" تو اسی طرح یہاں ﴿اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ کے جواب میں بھی مناسب ہوا کہ فرمایا جائے ﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ﴾ ان کلمات میں مجرمین پر تنبیہ کے بعد اہل انعام اور مطیعین کے انعام و اکرام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

---

❶ تفسیر ابن کثیر۔ روح المعانی۔

❷ بحوالہ تفسیر ابن کثیر۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ

البتہ ڈر والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں پاتے ہیں جو دیا ان کو ان کے رب نے

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ ؕ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا

وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے وہ تھے رات کو تھوڑا

يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ

سوتے اور صبح کے وقتوں معافی مانگتے اور ان کے مال میں

حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِيْٓ

حصہ تھا مانگتے کا اور ہارے کا اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کو اور

اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا۔

ع ۱ ۲۳ ۱۸ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع

سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کے کی یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔

## انعام واکرام مطیعین وآثار ایمان وتقویٰ در حیات مؤمنین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ ... الیٰ ... مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اور معاندین کے انکارِ قیامت پر تنبیہ وتہدید تھی اور عذابِ خداوندی سے آگاہ کیا گیا تھا تو اب ان آیات میں معاندین ومنکرین کے بالمقابل اہل ایمان وتقویٰ کے کچھ احوال اور ان کی ایمانی زندگی کا رنگ بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی طرف سے جن انعامات سے ان کو نوازا جائے گا اس کا اجمالی بیان ہے تو فرمایا جا رہا ہے۔

بے شک تقویٰ والے اللہ کے فضل وانعام سے باغات اور چشموں میں ہوں گے جو چشمے اور نہریں ان کے محلوں کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی بڑی فرحت اور خوشنودی کے ساتھ لینے والے ہوں گے ان نعمتوں کو جو ان کے رب نے ان کو عطا کیں اور یہ انعاماتِ خداوندی اور اعزاز واکرام اس بناء پر ان کے لیے ہوگا کہ بے شک اس سے پہلے وہ عالم دُنیا میں نیکیاں کرنے والے تھے وہ ایسے

محسن [1] اور نیکوکار اور اللہ رب العزت کی محبت اور ذوقِ عبادت میں مخمور تھے کہ بہت ہی کم رات کے حصہ میں ایسا ہوتا کہ وہ سوتے ہیں اور باوجود عبادت کے اس ذوق وشوق اور انہماک کے وہ اپنے کو خطاوار ہی سمجھتے ہوئے صبح کے وقتوں میں اپنے رب سے معافی ہی مانگتے ہوتے ہیں اور ان کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ ان مالوں میں حق ہے مانگنے والوں کا اور محتاج وتنگ دست لوگوں کا اور خود اپنی رضا وخوشنودی طبع سے مساکین وتنگ دستوں کا ایک حصہ مقرر کر رکھا ہے گویا کہ یہ اہل اللہ اس حصہ مال کو ان کا حق سمجھ کر ادا کر رہے ہیں اور یہ خوبیاں اور محاسن خدا پر ایمان اور آخرت پر یقین کی صفت پر مبنی ہیں سو خدا پر ایمان اور آخرت پر یقین کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے روئے زمین کی نشانیاں تو بہت ہی عظیم وبلند ہیں۔ اور خود تمہارے اندر بے شمار دلائل ونشانیاں ہیں جن سے خدا کی قدرت پر کامل ایمان اور آخرت پر یقین حاصل ہوسکتا ہے تو کیا تمہیں یہ نشانیاں نظر نہیں آتی ہیں احسان وانفاق فی سبیل اللہ سے نفس میں ہرگز یہ خطرہ اور وسوسہ پیدا نہ ہونے دیا جائے کہ ہمارے مال میں کمی آجائے گی اور پھر ہم کہاں سے کھائیں گے اور آسمان میں رزق ہے جو تمہارے واسطے لکھ دیا گیا ہے اور وہ تم کو ہر حال میں ملے گا اور وہ ہر نعمت تم کو ملے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ صدقہ اور خیرات کی برکات میں سے ہے کہ ایک کا ثواب اور بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا اور صدقات کی برکت دنیا میں بھی رزق اور مال کو کثیر کرے گی اور آخرت میں بھی اجر وثواب کا مستحق بنائے گی سو قسم ہے آسمان وزمین کے رب کی یہ بات حق اور قطعی ہے جیسا کہ تم بولتے ہو اور تم کو اپنے بولنے میں کوئی شبہ اور شک نہیں اسی طرح اللہ کا وعدہ بھی یقینی اور حق ہے اس میں بھی ہرگز کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

## اہل ایمان وتقویٰ کے خصوصی اوصاف

ان آیات میں اہل ایمان وتقویٰ کے خصوصی احوال واوصاف بیان فرمائے گئے جو ان کے واسطے بارگاہِ خداوندی میں اعزاز واکرام کا باعث ہیں اس پہلے بیان کردہ گروہ کے برعکس جو اپنی نافرمانی اور سرکشی کے باعث خدا کے قہر وغضب اور عذاب کا مستحق بنا تو پہلی چیز تو یہ ذکر فرمائی گئی کہ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے جو ان کے سکون وراحت کی دلیل ہے دوسری چیز یہ فرمائی گئی ہے ﴿اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ﴾ کہ اللہ کے انعامات مسلسل ان پر ہو رہے ہوں گے جو ان کو بڑی خوشی دیتے ہوں گے عطاء الٰہی کے قبول کرنے میں اس کے بندوں کو کس قدر لذت ہوتی ہے وہ اس سے ظاہر ہے پھر اس کا راز بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ انعام واکرام ان کے ایثار وسخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ اور ذوقِ عبادت کے باعث ہے کہ پوری پوری رات اللہ کی عبادت میں گزار دیں اور بستروں پر پہلو بھی نہ ٹیکیں اور پھر اس درجہ کمال عبادت کے باوجود خشیت خداوندی کا یہ عالم کہ صبح کے اوقات میں استغفار میں مصروف ہوں جیسے کوئی قصوروار گڑگڑا کر معافی مانگتا ہو ان حضرات کو معرفت حق بھی اس درجہ اعلیٰ واکمل حاصل ہے کہ زمین کی نشانیوں اور خود اپنی ذات کی نشانیوں یعنی دلائلِ آفاق اور دلائلِ نفس سے اپنے عجز وذلت کو اور خالق کائنات کی عزت وعظمت کو خوب پہچان رہے ہوں پھر یہ کہ سائلین اور تنگ دستوں کو دے کر فخر وغرور یا احسان جتانا تو درکنار ان کا طرز اور اندازِ زندگی تو یہ بتاتا ہے کہ گویا انہوں نے اپنے اوپر اپنا حق سمجھ رکھا ہے نیز خدا پر اعتماد و

---

[1] محسنین کے ترجمہ میں اختیار کردہ الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صفت احسان بمعنی احسان فی العبادۃ ہے جو اخلاص اور کمال عبادت کا نام ہے اور یہ بھی مراد ہے کہ احسان بمعنی انعام وانفاق فی سبیل اللہ ہو کہ علاوہ زکوٰۃ کے وہ صدقاتِ نافلہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتے ہیں۔

بھروسہ اس درجہ کو نہ تنگی کا خطرہ نہ مستقبل کا فکر بلکہ یہ اعتماد کہ ہمارا رزق آسمانوں پر اللہ کے پاس محفوظ ہے وہ ہمیں ضرور ملے گا اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ آخرت کا یقین، غرض یہ ہیں وہ اوصاف جو اہلِ ایمان وتقویٰ کے ان آیات میں نظر آتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا کہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کرتے میں تو اس آیت کا مصداق اپنے کو نہیں پاتا۔ (غایۃ تواضع کے باعث)

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا اے ابو اسامہ رضی اللہ عنہ قرآن کریم نے جس قوم کا ذکر کیا ہے ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ میں وہ صفت ہم اپنے میں نہیں پاتے ہم تو خدا کی قسم تھوڑا حصہ بھی رات کا قیام نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں میرے والد نے جواب دیا اچھا ہے اس شخص کے لیے جب اونگھ آئی تو سو گیا اور جب بیدار ہوا تو خدا کا تقویٰ اختیار کیا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے میں اپنے عمل کا جب اہل جنت کے اعمال سے موازنہ کرتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت بلند مرتبہ لوگ ہیں اور ایک ایسی قوم ہیں کہ ہمارے اعمال ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے لیکن جب اپنے اعمال کا اہل جہنم کے اعمال سے موازنہ کرتے ہیں تو الحمدللہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم ان کے درجہ کے نہیں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور الحمدللہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اس لیے بس ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ ہم اس گروہ میں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ (التوبہ:۱۰۲) تو اس وجہ سے اُمید یہی ہے کہ اللہ رب العزت ہم پر اپنی رحمت وعنایت کے ساتھ توجہ کرتے ہوئے درگزر فرمائے گا۔

غرض یہ اوصاف وہی ہیں جن کا ذکر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جوق در جوق رجوع کرنے لگے میں بھی انہی میں سے ایک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جس وقت پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نظر پڑی تو ایک ہی نظر سے یقین کرلیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا سب سے پہلے چیز جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی وہ یہ تھی: ((یاأیّها النّاس اَفْشوا السّلام واطعِموا الطّعام وفِی روایة وَصِلُوا الارحام وَصَلُّوا باللّیْلِ والنّاس نیام تدخلوا الجنة بسلام)). "کہ اے لوگو! کثرت سے سلام کیا کرو (محتاجوں کو) کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کرو اور رات کے ان حصوں میں نماز پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں بس تم جنت میں سلامتی وعافیت کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔"

اور حدیث اختصام [1] ملأ اعلیٰ میں ہے کہ جب درجات کا سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کلمات ارشاد فرمائے: ((افشاء السّلام واطعام الطّعام والصّلٰوة باللیل والنّاس نیام))۔

## ﴿الْمَحْرُوْمِ﴾ کی تفسیر

﴿الْمَحْرُوْمِ﴾ کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کا بیت المال میں کوئی حصہ نہ ہو اور نہ اس کے پاس کسب معاش کا کوئی ذریعہ ہو جس سے وہ اپنا گزارہ کرسکے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی تقریباً یہی مفہوم نقل کیا گیا۔

---

[1] جامع ترمذی ابواب الصلوٰۃ اللیل۔ ۱۲

سعید بن المسیب اور عطاء رحمۃ اللہ علیہما بیان کرتے ہیں محروم وہ شخص ہے جس کا مال ضائع ہو گیا ہو قتادہؒ اور زہریؒ سے منقول ہے اس تنگ دست کو محروم کہتے ہیں جو لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا ہو اور اس پر اس حدیث کو بیان کیا کرتے: ((لَیْسَ المسکین بالطَّوافِ الذی تردہ اللقمۃ واللقمتان والتمرۃ والتمرتَان ولکن المسکین الذیْ لایجد غنی یغنیہ ولا یفطن لَہٗ فیتصدق علیہ)) کہ مسکین یہ گشت کرنے والا سائل نہیں ہے کہ اس کو ایک لقمہ دو لقمے در در بھٹکا رہے ہوں اور ایک کھجور دو کھجوریں ایک در سے دوسرے در پر لے جا رہی ہوں مسکین تو درحقیقت وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی سہارا نہ ہو اور نہ اس کی حالت وظاہری طور وطریق سے سمجھا جاتا ہو کہ وہ مسکین محتاج شخص ہے کہ اس کو صدقہ ہی دے دیا جائے۔

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ﴾ کی تفسیر میں بعض حضرات نے بیان کیا کہ یہ بارش ہے جس سے اللہ بندوں کا رزق پیدا فرماتا ہے بعض مفسرین نے نقل کیا کہ کسی اعرابی نے یہ آیت سنی ﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ تو گھبرا کر کہنے لگا۔ سبحان اللہ یہ کون ہے جس نے خداوند رب جلیل کو غصہ دلایا یہاں تک کہ اس کو قسم تک کھانے کی نوبت آئی کیا ایسا بھی ہے کوئی کہ خدا کی بات کو سن کر فوراً ہی تصدیق نہ کرے حتیٰ کہ وہ قسم کھا کر اپنی بات کو مؤکد و ثابت فرمائے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ

کیا پہنچی ہے تم کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے؟ جب اندر آئے اس کے پاس،

فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ

تو بولے سلام! وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے پھر دوڑا اپنے گھر کو، تو لایا

بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ

ایک بچھڑا گھی میں تلا پھر ان کے پاس رکھا، کہا کیوں تم کھاتے نہیں؟ پھر جی میں ہڑ بڑایا

مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ

ان کے ڈر سے بولے تو نہ ڈر اور خوشخبری دی اس کو ایک لڑکے ہوشیار کی پھر سامنے آئی

امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا

اس کی عورت بولتی پھر پیٹا اپنا ماتھا اور کہا کہیں بڑھیا بانجھ وہ بولے

كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

یوں ہی کہا تیرے رب نے وہ جو ہے، وہی ہے حکمت والا خبردار۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟ اے بھیجے ہوؤ! وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک لوگوں

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً

گنہگار پر کہ چھوڑیں ان پر پتھر مٹی کے نشان پڑے

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾

تیرے رب کے ہاں بے حد چلنے والوں کو پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً

پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوا ایک گھر کے مسلمانوں کا اور رکھا اس میں نشان

لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ

ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں دکھ کی مار سے اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اس کو

اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

فرعون پاس دے کر سند کھلی پھر اس نے منہ موڑا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ

پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ان کو دریا میں اور اس پر پڑا الاہنا اور نشانی ہے عاد میں

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ

جب بھیجی ہم نے ان پر باؤ بے خبر نہ چھوڑتی کوئی چیز جس پر گزرتی

عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا

کہ نہ کر ڈالتی اس کو جیسے چورا اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا ان کو برتو

حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ

ایک وقت تک پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا ان کو کڑاکے نے اور وہ

يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

دیکھتے تھے پھر نہ سکے کہ اٹھیں اور نہ ہوئے کہ بدلہ لیں

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۲/۱ ۲۳

اور نوح کی قوم کو اس سے پہلے، مقرر وہ تھے لوگ بے حکم۔

## تذکرۂ مہمانان ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر ثواب مصدقین وعقوبت مکذبین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ... الٰی ... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۶﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مؤمنین ومتقین اوران کے انعامات کا بیان تھا قرآن کریم کا یہ خصوصی طرز بیان ہے کہ ایک فریق کے ذکر کے بعد اس کے بالمقابل فریق کا بھی حال بیان کردیا جائے تاکہ دونوں کا تقابل کرلیا جائے اوراس طرح ذہنی طور پر سامعین کے لیے قبول حق کی رغبت اور کفر ونافرمانی سے نفرت اور ڈر پیدا ہوسکے تو اب ان آیات میں نافرمانوں اور مجرموں کا ذکر ہے کہ خدا کے فرشتے ان پر عذاب لے کر پہنچے اوران کو اس طرح ایک آن کی آن میں ہلاک کردیا گیا اور ہلاکت بھی ایسی عبرتناک کہ سننے والے سن کر کانپ جائیں۔

ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو قصہ معلوم ہوا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا جو معزز تھے، اس لیے کہ وہ اللہ کے فرشتے تھے اور اللہ کے فرشتے ﴿عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ اس کے مکرم بندے ہوتے ہیں یا معزز۔ بایں معنی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مکارمِ اخلاق کے لحاظ سے ان کا اعزاز واکرام فرمایا جب کہ وہ مہمان ان کے پاس پہنچے پھر ان کو سلام کیا ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواباً ان کو کہا سلامٌ (کہ تم پر خدا کی سلامتی ہو) پھر غور کرتے ہوئے کہ یہ کون لوگ ہیں کہنے لگے یہ تو انجان لوگ ہیں جن کو میں نہیں پہچان رہا ہوں ممکن ہے کہ یہ بات دل میں کہی ہو۔ اور ممکن ہے کہ زبان سے کہا ہو۔ لیکن بحکمتِ خداوندی فرشتوں نے سن کر سکوت کیا ہو اور یہ واضح نہ کیا ہو کہ ہم فرشتے ہیں۔ کیونکہ ابھی اس وضاحت کی ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہوگی پھر ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا ان کے سامنے لے کر آئے پھر اس کو ان کے قریب کرکے رکھ دیا جیسے کسی مہمان کے سامنے کھانا رکھ دیا جائے چونکہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے کھاتے پیتے نہیں وہ تو نور محض اور مخلوق نوری تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ کچھ نہیں کھاتے تو بولے کیا آپ لوگ کھاتے نہیں جب اس پر بھی فرشتوں نے کھانا شروع نہ کیا تو پھر دل میں ایک ڈر محسوس کیا ان کی طرف سے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ عزت واکرام کے ساتھ ان کی ضیافت کی جارہی ہے پھر بھی نہیں کھا رہے ہیں کہیں یہ کوئی دشمن تو نہیں۔ اس زمانہ میں کوئی دشمن ہوکر کسی کے یہاں آتا تو اس کا کچھ کھایا نہیں کرتا تھا کیونکہ کسی کا کھا کر اس کے ساتھ دشمنی کرنا انسانی وقار کے خلاف سمجھتے تھے فرشتے اس ڈر اور خوف کو محسوس کرکے کہنے لگے مت ڈرو ہم تو اللہ کے فرشتے ہیں اس وجہ سے نہیں کھا رہے ہیں نہ کھانے کی وجہ یہ نہیں کہ ہم تمہارے دشمن ہیں بلکہ ہم تو تمہیں ایک بشارتِ خداوندی سنانے آئے ہیں اور بشاری دی ان کو ایک فرزند کی جو بڑا ہی علم والا ہوگا کیونکہ

وہ فرزند اللہ کے علم میں طے تھا کہ پیغمبر ہوں گے اور پیغمبر کا علم اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور یہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی تھی جن کی نسل سے انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ علیہا السلام جوان باتوں کو سن رہی تھیں، سامنے سے آئیں، پکارتی ہوئی پھر اپنے چہرہ کو پیٹا اپنے ہاتھ سے اور کہنے لگیں اچھا بڑھیا اور بانجھ اور عجیب ہے کہ اس کے بچہ پیدا ہوگا۔

فرشتوں نے کہا تعجب کی کیا بات ہے خدا کی قدرت اور اس کے امر سے ایسا ہی تمہارے لیے تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے وہ بے شک بڑا ہی حکمت والا خوب جاننے والا ہے اگرچہ یہ بات اپنی جگہ قابلِ تعجب ہے لیکن خداوند عالم کی بلند پایہ حکمتوں اور اس کے علم کے پیشِ نظر نہ اس کی قدرت میں تردد کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی اس حکمت پر کہ بڑھاپے کے زمانہ میں ایک بانجھ کو بچہ دے دے کوئی شبہ ہو سکتا ہے بلکہ اس کی شان علیمی اور حکیمی پر ایمان رکھنے والے ہر فرد کو بلا تردّد اور بلا تعجب اس پر یقین کرنا چاہیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فراست نبویہ سے سمجھا کہ فرشتوں کی آمد علاوہ اس بشارت کے کسی اور غرض سے بھی ہے ممکن ہے کہ کچھ آثار ظاہر ہو رہے ہوں اور کوئی تعجب نہیں کہ جو فرشتے خدا کی طرف سے ایک مجرم قوم کے لیے اس کا قہر و عذاب لے کر آئے ان پر آثار قہر محسوس کیے ہوں اور اس سے کچھ طبعی گھبراہٹ بھی ہوئی ہو جس کا بعد میں دور ہونے کا ذکر ہے تو دریافت کیا اچھا پھر بتاؤ کیا اہم بات ہے تمہاری اے بھیجے ہوئے فرشتو! کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم یعنی قومِ لوط کی طرف تا کہ ہم ان پر برسائیں کنکریاں پتھر کی جن پر علامت [1] ہوگی آپ کے رب کی طرف سے جو حد سے گزرنے والی قوم کے لیے ہے۔ چنانچہ ان بستیوں پر عذاب کا وقت آیا تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تو ہم نے ان بستیوں سے نکال لیا ہر اس شخص کو جو مؤمنین سے تھا تا کہ ان کو جدا کرنے کے بعد باقی ماندہ مجرمین پر خدا کا عذاب نازل ہو لیکن ہم نے مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا بجز ایک گھر کے اور چھوڑ دیا ہم نے اپنی نشانی کو بعد میں آنے والے ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں عبرت کا سامان اور ہمارے قہر کی نشانیاں موجود ہیں جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا فرعون کی طرف ایک واضح حجت اور ید بیضاء اور عصا جیسے معجزات کے ساتھ مگر اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے روگردانی کی اور کہنے لگا یہ تو جادوگر یا مجنون ہیں سو ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکر کو پھر پھینک دیا دریا کی موجوں میں اور وہ ملامت کا مستحق تھا اس لیے اس طرح بدحالی اور ذلت کے ساتھ غرق کیا گیا کہ اس کی تاریخ خود اس پر ہمیشہ ملامت کرتی رہے گی اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان پر ایک آندھی [2] چھوڑی جو بہت ہی منحوس تھی نہ گزرتی وہ کسی چیز پر بھی مگر یہ کہ اس کو بنا دیتی بوسیدہ ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ اور ثمود کے واقعہ میں بھی عبرت کا سامان ہے جب کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا مزے اڑا لو ایک وقت معین تک اگر کفر سے باز نہ آئے تو بس اتنے دن اور چین و آرام سے گزار لو وہ تین دن کی مہلت تھی جیسا کہ گزر چکا۔ اس معین مدت کے گزرنے پر عذابِ خداوندی سے تباہ کر دیئے جاؤ گے مگر وہ سرکشی ہی کرتے رہے اپنے پروردگار کے حکم سے سو ایک بجلی جیسی کڑک نے ان کو دبوچ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے پس نہ تو ان میں سکت تھی کھڑے ہونے کی کہ کہیں بھاگ ہی جائیں بلکہ اوندھے منہ گر رہے تھے جیسے کہ پہلے ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ

---

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کنکری پر نام لکھا ہوا تھا اور وہ اسی پر پڑتی اور اگر ان میں سے بھاگتا تو وہ کنکری اس کا تعاقب کر کے اس کے سر کو پاش پاش کرتی (سورۂ ہود میں تفصیل گزر چکی)۔ (ابن کثیر۔ قرطبی)

[2] یہ آندھی مغربی ہوا تھی یہی وہ حقیقت تھی جس کو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((نُصِرْتُ بالصبا وَاهلكت عاد بالدبور)) مجھے مدد دی گئی بادِ صبا (مشرقی ہوا) سے اور قوم عاد کو ہلاک کیا گیا پچھمی ہوا سے۔

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ (الاعراف:۹۱) اور نہ ہی وہ بدلہ لے سکے اور ظاہر ہے کہ انتقام خداوندی کا بدلہ لینے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے۔

اور قوم نوح کو بھی یاد کرو جو ان سے پہلے گزری بے شک وہ لوگ بڑے ہی نافرمان تھے کہ ایک طویل مدت حضرت نوح علیہ السلام کے وعظ و نصیحت اور تبلیغ سے بھی باز نہ آئے اور خدا کی نافرمانی پر تلے رہے جس کا انجام یہی ہوا کہ طوفان [1] میں غرق کر دیئے گئے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا یہ واقعات بسط و تفصیل کے ساتھ متعدد سورتوں میں گزر چکے۔

**فائدہ:** فرشتوں کا سلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچنے پر ان لفظوں کے ساتھ قرآن نے ذکر کیا ﴿فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ منصوب تو یہ جملہ فعلیہ کی صورت میں تھا کہ ﴿سَلَّمْنَا عَلَيْكَ سَلَامًا يا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ سَلَامًا﴾ جس کا مفہوم یہی ہے کہ ہم آپ کو سلام کرتے ہیں اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام کہنا مرفوع جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لحاظ سے فرشتوں کے سلام سے زیادہ بلیغ ابراہیم علیہ السلام کا سلام ہوا اور قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر اس کے سلام کا جواب دیا کرو تو اس طرح ابراہیم علیہ السلام کا جواب قرآن کریم کے فرمان کے مطابق فرشتوں کے سلام سے احسن اور بہتر ہو گیا۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا

اور آسمان کو بنایا ہم نے ہاتھ کے بل سے اور ہم وسب مقدور ہے اور زمین کو بچھایا ہم نے

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے شاید

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَ

تم دھیان کرو۔ سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر اور

لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کوئی پوجنے کا۔ میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ

اسی طرح ان سے پہلوں کو جو رسول آیا یہی کہا کہ جادوگر ہے یا

---

[1] تفصیلات سورۂ اعراف ہود اور یونس میں گزر چکیں۔

مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ

دیوانہ کیا یہی کہہ مرے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں! پر یہ لوگ شریر ہیں سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے

فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَ

اب تجھ پر نہیں الاہنا اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو اور

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ

میں نے جو بنائے ہیں جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا ہوں ان سے

رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ

روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلا دیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور

الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ

مضبوط سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھرا ہے جیسے ڈول بھرا ہے ان کے ساتھیوں کا

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ

اب مجھ سے شتابی نہ کریں سو خرابی ہے منکروں کو اپنے اس دن سے جس کا

يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۳ ۱۴ ۲

ان سے وعدہ ہے۔

## اثبات توحید ورسالت مع دلائل وبراہین وتسلی سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ... الٰى... الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾

**ربط:** سلسلۂ بیان مکذبین ومنکرین کے انکار وتکذیب کے عبرتناک انجام کا چل رہا تھا۔ اب ان مکذبین ومنکرین پر حجت قائم کرنے کے لیے توحید ورسالت کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا جارہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اور آسمان کو ہم نے بنایا ہے اپنی قدرت سے اور ہم بہت ہی وسیع القدرت ہیں اور زمین کو ہم نے فرش بنایا سو ہم کیسے اچھے اس کو بچھانے والے ہیں کہ اس میں کس قدر منافع رکھے اور کتنی انواع واقسام کی چیزیں پیدا کیں غلے، پھل سبزے اور پھول سب کچھ

انسانوں کے نفع اور راحت کے لیے پیدا کیا اور زمین کو اس طرح بچھا دیا کہ اس پر نقل و حرکت کا سلسلہ بھی جاری ہے اور یہ تمام چیزیں اس سے پیدا ہو رہی ہیں اور اس کی تہہ میں جو معدنیات و خزائن ودیعت رکھے وہ مزید برآں ہے اور ہر چیز (نوع) سے ہم نے جوڑا بنایا جیسے سیاہ و سفید، شیریں و تلخ، خوبصورت و بدصورت، اور روشنی و تاریکی، نافع و مضر، بلند و پست اور مذکر و مؤنث امید ہے کہ تم مخلوقات کے اس تنوع اور قدرتِ خداوندی کے عظیم مظاہر سے اللہ کی توحید و خالقیت کو سمجھ جاؤ اس لیے ان دلائل توحید اور قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر تم کو چاہیے کہ بس تم اللہ کی طرف دوڑو عقل اور انسانی فطرت ہی آمادہ کر رہی ہے کہ خالق کائنات کو پہچان کر اس کی خالقیت اور وحدانیت پر ایمان لایا جائے اور یہ بھی عقل انسانی اور فطرت فیصلہ کر رہی ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہلاکت و بربادی کا باعث ہے لیکن مع ھذا۔ اے کفار قریش میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہو کر آیا ہوں کہ توحید و خالقیت رب العالمین کے انکار پر تم کو آگاہ ہو جانا چاہیے کہ عذاب آ کر رہے گا پھر تاکید سے کہتا ہوں اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ میں تمہارے واسطے اسی خدا کی طرف سے واضح ڈرانے والا ہوں ایسے روشن دلائل کے ساتھ دعوت توحید دینے والے پیغمبر پر چاہیے تھا کہ ایمان لاتے اور ایسا مخلص و مشفق رسول ﷺ جو ہلاکت سے بچانے کے لیے تباہی کے انجام سے آگاہ کر رہا ہے اور اس سے ڈرا رہا ہے اس کی بات پر یقین کرتے لیکن افسوس کہ قریش مکہ نہ ایمان لائے اور نہ اللہ کے پیغمبر ہادی کی بات پر یقین کیا بلکہ وہ تو تمسخر پر آمادہ ہو گئے کہ کبھی ساحر کہا اور کبھی مجنون و دیوانہ، تو حق تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہوں۔ صبر کیجیے اسی طرح ان سے پہلے جس کسی قوم کے پاس بھی کوئی رسول اللہ کا پیغام لے کر آیا ان لوگوں نے یہی کہا جادوگر یا مجنون تو اسی طرح اگر یہ کفار مکہ آپ ﷺ کو کچھ کہیں تو تعجب کی بات نہیں کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے چلے آئے ہیں کہ ہر ایک قوم اللہ کے رسولوں سے ایک ہی قسم کا مذاق اور ایک ہی طرح کا انکار کر رہی ہے حالانکہ ایک قوم کا دوسری قوم سے کبھی ملنا بھی نہیں ہوا پھر بھی سب کا ایک ہی بات کہنا عجیب ہے اصل میں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ایک قوم دوسری قوم سے مل کر اس کو طے کرتی چلی آتی ہو کہ تم بھی اپنے پیغمبر کا اس طرح انکار کرنا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ سرکش ہیں اور سرکشی کی یہ علت مشترکہ سب میں یکساں ہے اس وجہ سے اس کی نتیجہ میں زبانوں سے نکلنے والی بات بھی ایک ہی معلوم ہوتی ہے علت جب واحد اور متحد ہے تو اس کا ثمرہ اور نتیجہ بھی ایک ہی ہوگا۔ پس آپ ﷺ ان سے اعراض کر لیجیے اور بلا وجہ ان کی طرف التفات سے اپنے آپ کو افسردہ و غمگین نہ بنائیے آپ ﷺ کسی طرح بھی قابل مؤاخذہ نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو اس کی آپ ﷺ پر ذمہ داری نہیں خدا کی طرف ہی لو لگائے رکھیے اور نصیحت کرتے رہیے کیونکہ بار بار سمجھانا اور نصیحت کرنا یقین کرنے والوں کو نفع پہنچاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان مخاطبین میں کسی وقت کسی کو اللہ تعالیٰ یقین کی صلاحیت عطا کر دے اور پھر یہی ہے کہ وعظ و نصیحت سے اگر منکرین و کفار کوئی فائدہ نہ اٹھائیں گے تو اہل ایمان کو تو بہر حال نفع ہوگا اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن و انس کو مگر صرف اسی لیے کہ وہ عبادت کریں اصل مقصد تخلیق تو یہی ہے اگرچہ وہ اپنی مادی زندگی کے اسباب کی تکمیل و فراہمی کے لیے اور بھی دوسرے کام کریں لیکن اصل مقصد حیات عبادتِ خداوندی برقرار رکھتے ہوئے دُنیا کے ہر کام اور ہر عمل کو خواہ وہ کسب معاش ہو، کھانا پینا ہو، سونا جاگنا ہو، لباس و سکونت ہو ان امور میں اشتغال اور ان کی تکمیل میں عملی کوشش عبادت کے اصل مقصد تخلیق ہونے کے منافی نہیں پھر جب ان کو اصل مقصد تخلیق کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیا جائے تو پھر ان منافع کا حصول اور ان میں اشتغال اس مقصد کے منافی ہونے کے بجائے مقصد اصلی کے مبادی میں سے ہو جائے گا۔ اور اس مقصد کے تعین کے بعد دُنیا چونکہ دارالامتحان ہے اس لیے اس مقصد کے

حصول کے لیے انسان کو قدرت علی العمل اور اختیار کی صلاحیت دی اور خیر و شر اس کے سامنے واضح کر کے خیر کی دعوت دے دی اور شر سے بچنے کا حکم دے دیا گیا تا کہ وہ اپنے اختیار اور عملی صلاحیت کو ایمان و ہدایت کے راستہ پر صرف کر کے نجات و انعام خداوندی کا مستحق بنے اور اگر سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کرے تو عذاب کا مستحق ہو۔ الغرض تخلیق جن و انس کا مقصد تو اللہ کی عبادت ہی ہے مگر عبادت اور طاعت کا کرنا جن و انس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا اور ان کے عمل ہدایت و گمراہی کو شجر و حجر کی حرکات کی طرح بے بس و بے اختیار نہیں رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ ان اشیاء کے لیے جن و انس کی طرح جنت و جہنم اور جزاء و سزا کا تصور نہیں کیونکہ ان کے احوال میں ان کے کسب و اختیار کو دخل نہیں ہے۔ قرآن کریم میں حیوانات، طیور، شجر و حجر، بادلوں اور سایوں کی تسبیح و تحمید اور عبادت کا ذکر ہے جیسے ارشاد ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ﴾ (النور:۴۱) مگر ان کی عبادات پر اہل ایمان و طاعت کی طرح جنت اور نعماء جنت کا ذکر نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون کے قریب آیت مبارکہ کی تفسیر بعض مفسرین مثلاً بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ جن و انس کی تخلیق ایسی استعداد و صلاحیت اور جوہر پر کی گئی کہ وہ ہدایت اور حق کو قبول کر کے اللہ کی عبادت کر سکیں۔ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ (الروم:۳۰) کا مضمون اس کی تائید کرتا ہے اور وہ حدیث معروف بھی ((كُل مولودٍ يولد على الفِطْرة فَأَبَوَاهُ يهود انه اوينصر انه اويمجسانه)). "کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنالیں یا نصرانی بنالیں یا مجوسی۔" اسی کی مؤید ہے۔

الغرض اس تقدیر پر مراد یہ ہوگی کہ میں نے نہیں پیدا کیا جن و انس کو مگر ایسی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ متکلمین اور اکثر مفسرین کے ذوق سے پہلی تفسیر اولیٰ اور راجح معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم)

بہر کیف جن و انس کا مقصد تخلیق عبادتِ خداوندی ہے اور اس مقصد کے حصول و تکمیل کو جن و انس کے اختیار و کسب پر موقوف کر دیا گیا اور ان کو عقل و فہم کی صلاحیتوں کے عطا کرنے کے بعد ایمان کی دعوت دی گئی اور ظاہر ہے اس طلب عبادت میں اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ اس کو مخلوق کی عبادت کی حاجت ہے بلکہ خود مخلوق اپنے خالق کی عبادت کی محتاج ہے اور اسی میں سعادت و فلاح مضمر ہے۔ اس لیے فرمایا:

میں ان سے نہیں چاہتا ہوں کوئی روزینہ اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں میں نے بندگی کا حکم دُنیا کے آقاؤں کی طرح نہیں دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو کہتا ہے کہ محنت کرو اور کما کر لاؤ بلکہ میں ہی تو سب کو روزی دینے والا ہوں اور سب میرے محتاج ہیں عبادت کا حکم صرف اسی لیے دیا ہے کہ میری عظمت و شہنشاہیت کو پہچان کر میری بندگی کرو اور میرے انعام کے مستحق * بنو بے شک اللہ ہی روزی

---

* یہی وہ حقیقت ہے جس کو فرمایا گیا ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

﴿مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ کی یہ تفسیر قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ہے دوسرا مفہوم ﴿مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ﴾ کا یہ ہے کہ جن و انس کی تخلیق سے میں نے ارادہ یہ کیا کہ وہ میری عبادت کریں اور یہی ان کا مقصد حیات ہے جس کی وجہ سے ان کو چاہیے کہ وہ اپنی فکری اور عملی صلاحیتیں عبادت ہی کے لیے صرف کریں ان کی تخلیق سے میں نے کسی قسم کے رزق کا ارادہ نہیں کیا یعنی یہ کہ وہ اپنے رزق اور اپنی اولاد کی رزق کی فراہمی کو مقصود اصلی سمجھ کر آخرت =

دینے والا بڑا طاقتور مضبوط ہے۔ان حقائق کو دیکھتے ہوئے شرک وکفر سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن پھر بھی اگر کوئی نافرمانی سے باز نہیں آتا تو وہ بہت بڑا ظالم ہے اور ظالم سزا سے بچ نہیں سکتا۔ بے شک ان ظالموں کا ڈول بھر چکا جیسے ان کے ساتھیوں کا ڈول بھر چکا۔اور ڈول بھر چکنے کے بعد انسان کنوئیں سے ہٹتا ہے اور اپنا حصہ لے کر اب دوسرے کے واسطے ڈول چھوڑتا ہے تو اسی طرح یہ ظالم دُنیا کی زندگی کے عیش وراحت کا ڈول بھر چکے اور اب خدا کی گرفت اور سزا کا وقت آچکا ہے جب کہ ان کے ساتھیوں کا بھی اسی طرح انجام ہوا کہ نافرمانی کرتے رہے لیکن جب خدا کا عذاب آیا تو اس سے بچ نہ سکے تو اسی طرح بس ان ظالموں کے لیے خدا کا عذاب طے ہو چکا ہے اب یہ لوگ مجھ سے جلدی نہ کریں جیسے کہ یہ بد بخت پہلے سے کہتے رہتے ہیں کہ اچھا وہ عذاب لے آیئے جس کی دھمکی دی جارہی ہے سو ہلاکت ہے کافروں کے لیے ان کے اس دن کے عذاب سے جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے یعنی قیامت کا دل یا اس سے پہلے ہی جو دُنیاوی سزا کا دن اللہ کے علم میں طے ہو چکا تھا چنانچہ بدر کا دن آیا اور مشرکین مکہ کو دُنیا میں بھی سزا مل گئی۔ ❁

**فائدہ:** ﴿فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ﴾ کے ترجمہ میں بعض مفسرین کی رائے کے موافق ﴿ذَنُوْبًا﴾ بمعنی بھرا ہوا ڈول لیتے ہوئے یہ مراد واضح کی گئی کہ یہ ڈول کا بھر جانا بس دنیاوی منافع اور راحتوں کا سلسلہ ختم ہو جانا ہے جیسا کہ ڈول بر لینے والا شخص کنوئیں سے ہٹ جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے اسی طرح بس ان کافروں کی زندگی اور منافع حیات کا ڈول بھر چکا اب تقدیر خداوندی سے مصائب وعذاب کا دَور شروع ہو جانے والا ہے۔

بعض مفسرین نے ذنوب کی تفسیر "حصہ" سے کی ہے تو اس صورت میں مراد حصۂ عذاب ہوگا۔ان ظالموں کے واسطے بھی عذاب کا ایسا ہی حصہ طے کر دیا گیا ہے جیسا کہ ان کے ساتھیوں کے لیے تھا لہٰذا اب جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

= اور عبادت کو نظر انداز کر دیں جیسے یہ ممکن نہیں کہ بندے مجھ کو کھلائیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی دوسرے کو کھلائے میں ہی تو رزاق ذوالقوۃ المتین ہوں۔

گویا یہ مضمون اسی کے قریب ہو گیا جو سورۂ طٰہٰ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ﴾ تو ﴿لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اے مخاطب اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس پر پابند رہیے ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے مراد یہ ہے کہ ہر گھر کا سرپرست اپنے افراد خانہ کے لیے معاش کا فکر کرتا ہے تو بجاء اس کے کہ وہ اپنی سرپرستی تمام تر اصلاح معاش کے لیے صرف کرے اور اپنے گھر والوں کی آخرت کی فکر نہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ افراد خانہ کی اصلاح معاد کے لیے پوری کوشش کرے اصلاح معاد میں اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو اس پر باز پرس ہوگی لیکن اصلاح معاش کی کوتاہی پر ہم درگزر کریں گے اور اس بات کا حکم اور تاکید اسی وجہ سے ہے کہ رزق دینے والے تو ہم ہیں حدیث قدسی کا مضمون ہے "اے ابن آدم! تو میری عبادت کے واسطے فارغ ہو جا میں تیرے قلب کو غنا سے بھر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے قلب کو افکار و پریشانیوں سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور نہ کروں گا۔"

❁ اشارہ ہے کہ وعدۂ عذاب کا دن آخرت تو ہے ہی لیکن دُنیا میں بھی عذاب کا جو وقت اللہ نے مقرر کر لیا تھا وہ خدا تعالیٰ جل شانہٗ نے غزوہ بدر میں دکھا دیا۔ ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سورۂ طور

سورۃ الطور کے مضامین بھی دین کے بنیادی عقائد کی تحقیق وتثبیت پر مشتمل ہیں۔ خاص طور سے توحید ورسالت کا مضمون دلائل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کفار مکہ پر حجت قائم کی گئی اسی طرح بعث بعد الموت اور جزاء وسزا کا مسئلہ بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا اور یہ کہ قیامت کے احوال کس قدر شدید ہوں گے ان کی شدت اور ہولنا کی ذکر فرمائی گئی اور یہ کہ عذابِ خداوندی جب کفار پر مسلط ہوگا تو اس کو کوئی دفع نہیں کرسکتا اسی اہمیت کے پیشِ نظر مضمون کی ابتداء عظیم الشان قسموں سے فرمائی گئی مجرمین کی سزا وعقوبت کے بیان کے بعد اہل ایمان اور تقویٰ پر انعاماتِ خداوندی کا بیان ہے اور اسی ضمن میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو ثابت فرمایا گیا۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے معبودانِ باطلہ کی تقبیح ومذمت کرتے ہوئے ان کو تنبیہ وتہدید کی گئی اور آگاہ کیا گیا کہ اگر وہ اپنے عناد وبغاوت سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب ان کو تباہ کردے گا اس سورت کا نام سورۃ الطور اس وجہ سے ہے کہ مضمون کی ابتداء طور پہاڑ کی قسم سے فرمائی گئی اور یہ کوہِ طور وہ مقدس جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا تو اس لحاظ سے یہ وہ مقدس جگہ ہوئی جہاں اللہ تعالیٰ کی برکات اور اس کے جمال وجلال کا ورود ہوا۔

| آیاتُھا ۴۹ | ۵۲ سُوْرَۃُ الطُّوْرِ مَکِّیَّۃٌ ۷۶ | رُکُوْعَاتُھَا ۲ |
|---|---|---|

سورۂ طور مکی ہے اس کی انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾

قسم ہے طور کی اور لکھی کتاب کی کشادہ ورق میں اور آباد گھر کی

وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾ وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ

اور اُونچی چھت کی اور ابلتے دریا کی بے شک عذاب تیرے رب کا

لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ

ہونا ہے اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا جس دن لرزے آسمان کپکپا کر اور پھریں

الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ

پہاڑ چل کر سو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کو جو باتیں

خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ

بناتے ہیں کھیلتے جس دن دھکیلے جاویں دوزخ کو دھکیل کر یہ ہے

النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۘ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ

وہ آگ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں

لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ

سوجھتا پیٹھو اس میں پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو تم کو برابر ہے

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے۔

## تہدید وتوبیخ منکرین معاد ووعید عذاب برائے اہل عناد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ ...الی... مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾

**ربط:** سورۂ والذاریات کا اختتامی مضمون جن وانس کی تخلیق بغرض عبادت خداوندی تھا۔ اسی کے ساتھ جو قومیں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو نہیں تسلیم کرتیں اور بلا حجت ودلیل نافرمانی اور بغاوت پر قائم ہیں ان کو عذاب خداوندی کی دھمکی دی گئی۔ ارشاد فرمایا:

قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ورق میں لکھی ہوئی ہے اور قسم ہے بیت معمور کی اور قسم ہے ایک بلند چھت کی اور قسم ہے ابلتے ہوئے سمندر کی یقیناً آپ ﷺ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا جس کا کوئی ٹلانے والا نہیں اور یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جس دن کہ آسمان تھرتھرانے لگے گا لرزے کے ساتھ اور ہٹ جائیں گے پہاڑ اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہوئے پس ہلاکت وبربادی ہے ان لوگوں کے واسطے جو جھٹلانے والے ہیں اس عذاب خداوندی، روز قیامت، حساب وکتاب اور جزاء وسزا کو جو اپنی اس بیہودگی میں منہمک لہو ولعب میں پڑے ہوئے ہیں اور باوجود ان حقائق اور دلائل کے نہ ان کو خدا پر یقین آتا ہے اور نہ وہ خدا کی باتوں

کو مانتے ہیں۔ انسانی عقل اور فطرت سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اس طرح ان حقائق و دلائل سے غفلت و چشم پوشی برتے یہ بدنصیب اپنی بدبختی کے باعث اسی غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ وہ دن آ جائے جب کہ ان کو دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جا رہا ہوگا اس وقت کہا جائے گا یہی ہے وہ جہنم جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے جیسا کہ تم دُنیاوی زندگی میں ان باتوں کو گھڑ لیا کرتے تھے یا یہ کہ اب بھی تم کو نظر نہیں آ رہا ہے۔

اب بھی بتاؤ کیا تمہیں یہ عذاب جہنم نظر آ رہا ہے یا نہیں اگر ہمت ہے تو اب انکار کرو اچھا اب اس میں داخل ہو جاؤ پھر تم صبر کرو یا نہ کرو برابر ہے تم پر دونوں نہ تو تمہارے واویلا سے جہنم سے چھٹارا مل سکے گا اور نہ ہی یہ ہوگا کہ اگر تم سکوت و انقیاد اختیار کر لو تو تم پر کچھ رحم کر دیا جائے نہیں بلکہ عذاب جہنم ہر طرح برقرار رہے گا اصل بات یہ ہے کہ تم کو بدلہ اسی چیز کا دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے تم دُنیا کی زندگی میں اپنے ہوش و حواس اور اپنے کسب و اختیار سے کفر کرتے رہے جو اللہ کی سب سے بڑی معصیت ہے اور کبھی تم کو اس کا احساس نہ ہوا کہ اب بہت ہو چکا اس بغاوت و نافرمانی کو چھوڑ دیا جائے تو جب تم دُنیا میں کبھی کفر سے باز نہ آئے اور اللہ کی بغاوت و معصیت کو نہ چھوڑا تو پھر اب اس کی سزا بھی یہی ہے کہ بس تم ہمیشہ عذاب جہنم میں رہو جس طرح کہ ہمیشہ کفر کیا اس کی سزا بھی دوام و ہمیشگی کی صورت میں ہوگی اس وجہ سے آہ و واویلا سے بھی کوئی کام نہ چلے گا اور سکوت و خاموشی بھی کوئی مفید نہ ہوگی۔

## کلمات قسم اور جواب قسم میں ربط و مناسبت

اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے ایک عظیم الشان مضمون یعنی ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ کہ اے مخاطب تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اور قیامت ضرور آئے گی حساب اور جزاء و سزا کا مرحلہ انسان سے ٹل نہیں سکتا تو اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس خبر اور بیان کے لیے پانچ عظیم الشان چیزوں یعنی کوہ طور، کتاب مسطور، بیت معمور، سقف مرفوع اور بحر مسجور کی قسم کھائی کہ ان عظیم الشان مخلوقات کی عظمت کا مخاطب اپنے ذہن میں استحضار کرتے ہوئے آئندہ بیان کی جانے والی خبر پر نہ حیرت کرے نہ اس میں تردّد کرے بلکہ بلا جھجک اور تامل اس پر ایمان لائے یہ دیکھتے ہوئے کہ جس خدا نے اس عظیم الشان اور فکر انسانی کی پرواز سے بڑھ کر چیزوں کو پیدا کر دیا وہ قادر مطلق قیامت اور حشر و نشر پر بلاشبہ قادر ہے پھر چونکہ قیامت جزاء و سزا کا دن ہے جس کا دار و مدار ایمان و کفر سعادت و شقاوت اور حیات انسانی کی خیر و شر میں مضمر ہے اس وجہ سے قسموں میں پہلے کوہ طور کی قسم کھائی جو وادی مقدس اور وہ جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناجات فرمائی ان کو اس خطاب دلنواز سے سرفراز فرمایا ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝﴾ (طٰہٰ) یہ وہی مبارک جگہ ہے جس میں الواح تورات عطا کی گئیں جس میں ہدایت کے علوم تھے یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ (الاعراف:۱۵۶) کی درخواست کی تو جواب دیا گیا ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ (الاعراف ۱۵۶، ۱۵۷) اور اس جواب میں یہ ظاہر فرما دیا گیا تھا کہ یہ رحمتِ عامہ اور حسنۂ تامہ تو میں نے اس نبی اُمّی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے لکھ دی اور طے کر دی ہے جس کو اہل کتاب تورات و انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے جس نبی اُمّی کی یہ شان ہوگی۔

پھر دوسری قسم کتاب مسطور کی کھائی کتاب مسطور کی تفسیر میں بعض ائمہ مفسرین انسان کا نامۂ اعمال لیتے ہیں اور ہر انسان کی زندگی کا عمل ایک کھلے ورق کی صورت میں موجود ہوگا اور وہ اس کی گردن میں لٹکا ہوگا۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۳) جس کے متعلق ہر انسان کو مبعوث ہونے پر حکم ہوگا کہ ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۴) یا بعض کی رائے کے مطابق کتاب مسطور قرآن کریم ہے جو ایک کھلے ورق کی طرح واضح اور روشن ہے یا بقول بعض کتاب مسطور لوح محفوظ ہے۔

تیسری قسم بیت معمور جو کہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کے لیے کعبہ ہے اور عرشِ الٰہی کے محاذات میں ہے اور اس کے محاذات میں زمین پر خانہ کعبہ قائم ہے۔ چوتھی قسم سقفِ مرفوع یعنی آسمان کی ہے کہ آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے ستارے، چاند، سورج جو ایسی عظیم الشان مخلوقات ہیں کہ سارے عالم کی عقلیں ان چیزوں کی عظمت کے سامنے حیران اور مبہوت ہیں۔ پانچویں قسم بحر مسجور * یعنی اُبلتے ہوئے اور طوفانی تھپیڑوں اور موجوں سے امنڈتے ہوئے سمندر کی ہے ان قسموں کے ساتھ ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ کا ربط اور مناسبت واضح ہے کہ قیامت کی اصل وجہ مجازات اور اعمال کا بدلہ ہے اور ظاہر ہے کہ مجازات میں احکامِ ہدایت و شریعت اصل ہیں جن کی بحیثیت مکان اور محل کے نسبت طور کی طرف ہے اور وہ سامانِ ہدایت وحی الٰہی قرآن حکیم یا لوحِ محفوظ سے انسانی حیات کے لیے ہادی و رہنما ہے اور ان پر عمل محفوظ رہنے والا نامۂ اعمال ہے جو کھلے ورق کی مانند ظاہر و روشن ہے اور جزاء و سزا کا مدار عبادت و طاعت اور ترک طاعت پر ہے جس کا مرکز آسمانوں پر بیتِ معمور اور زمین پر کعبۃ اللہ ہے اور اعمالِ صالحہ و سیئہ کی جزاء و سزا جنت و جہنم ہے جو عالم سماوات میں ہے اور جنت و جہنم کی وسعت و عظمت کو انسان ستاروں اور چاند و سورج کی عظمت کے مشاہدہ سے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور سمندر کی موجوں کو دیکھ کر انسان جہنم کی آگ کے شعلوں اور موجوں کو پہچان سکتا ہے تو اس طرح ان قسموں کی اصل مضمون قیامت اور مجازات سے لطیف مناسب سمجھی جا سکتی ہے۔

علاء بن بدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بحرِ مسجور سمندر کو اس وجہ سے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی نہ پیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے کھیتی ہو سکتی ہے حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی تفاسیر میں بھی یہی نقل کیا گیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے ایک قول میں یہ نقل کیا گیا کہ مسجور کے معنی معکوف یعنی روکا گیا کے ہیں اور اس کی تائید عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوئی کہ سمندر تین مرتبہ اپنی گردن بلند کر کے اللہ رب العزت سے پھیل جانے کی اجازت نہ طلب کرتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کو روکتا ہے اور اپنی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ (رواہ احمد ابن حنبل فی المسند۔ بحوالہ ابن کثیر)

بعض روایات کی رو سے یہ بھی خیال کیا گیا کہ بعید نہیں کہ اسی سمندر کو قیامت برپا ہونے پر جہنم کی آگ اور اس کی موجیں بنا دیا جائے جس خدا نے یہ سمندر پانی کے بنائے وہی خدا اس پانی کو آگ بھی بنا سکتا ہے۔

حافظ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک رات عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ کی آبادی میں کسی طرف گشت فرما رہے

---

* بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ سمندر قیامت کے روز آگ بنا دیا جائے گا اس آیت کے پیش نظر ﴿وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ یعنی جب کہ سمندر دہکائے جائیں گے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ بحرِ مسجور آسمانوں سے اوپر عرشِ الٰہی کے نیچے ہے۔

تھے (جیسا کہ ان کا اکثر معمول تھا کہ راتوں کو گشت کر کے معلوم کریں کہ لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں) تو ایک شخص کے مکان کے سامنے سے جب گزرے تو وہ شخص تہجد میں قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا تو ٹھہر گئے اور سننے لگے تو اس شخص نے سورۂ والطور پڑھی پہلے ہی سے اس کی تلاوت وقرأت اور تہجد کے آثار وانوار سے طبیعت پر ایک خاص اثر اور کیفیت طاری تھی کہ مزید اس کی پرسوز آواز سے جب یہ سنا ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ تو ایک چیخ نکلی اور فرمایا قسم ہے رب کعبہ کی اور ایسا معلوم ہوا کہ کمر ٹوٹ گئی۔ سواری سے اُترے دیوار کی ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے اور پھر گھر لوٹے اس وقت کی رقت اور طبعی تأثر نے بیمار کر ڈالا ایک ماہ مریض کی طرح صاحب فراش رہے لوگ عیادت کے لیے آتے مگر کسی کو حقیقت معلوم نہ ہوئی کہ کیا مرض ہے۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر ابن کثیر)

| |
|---|
| اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ |
| جو ڈر والے ہیں' باغوں میں ہیں اور نعمت میں میوے کھاتے جو دیئے ان کے رب نے |
| وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا |
| اور بچایا ان کے رب نے دوزخ کی مار سے۔ کھاؤ اور پیو رچ سے' بدلہ اس کا |
| كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ |
| جو کرتے تھے۔ لگے بیٹھے تختوں پر برابر بچھے قطار اور بیاہ دیں ہم نے ان کو گوریاں' |
| بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ |
| بڑی آنکھوں والیاں اور جو یقین لائے اور ان کی راہ چلی ان کی اولاد ایمان سے |
| اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ |
| پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ان سے ان کا کیا کچھ |
| كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ |
| ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے اور ریل لگا دیئے ہم نے ان کو میوے اور گوشت |
| مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ |
| جس چیز کا جی چاہے جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ نہ بکنا ہے اس شراب میں نہ گناہ میں ڈالنا |

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَ اَقْبَلَ

اور پھرتے ہیں ان کے پاس چھوکرے ان کے گویا وہ موتی ہیں غلاف میں دھرے اور منہ کیا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا

ایکوں نے دوسروں کی طرف آپس میں پوچھتے۔ بولے ہم بھی تھے اپنے گھر میں

مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا

ڈرتے رہتے۔ پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچایا ہم کو لووں کے عذاب سے۔ ہم

كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع ۱ ۲۸ ۳

آگے سے پکارتے تھے اس کو بے شک وہی ہے نیک سلوک رحم والا۔

## وعدۂ انعام واکرام برائے اہل ایمان وایقان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ ... الٰى ... اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں قدرت خداوندی کے عظیم مناظر اور شواہد کو بیان کرتے ہوئے مجرمین ومنکرین کو عذاب آخرت سے متنبہ کیا گیا تھا اور ان پر وعید اور عذاب کی شدت کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں مجرمین ومنکرین کے بالمقابل مؤمنین ومطیعین پر انعاماتِ خداوندی کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کا رب العالمین کے یہاں کس قدر اعزاز واکرام ہوگا۔ ارشاد فرمایا:

بے شک تقویٰ والے لوگ بہشت کے باغات میں ہوں گے اور ہر طرح سامان عیش وراحت میں لطف اندوز اور مسرور ہوتے ہوں گے اس عیش وراحت کے سامان سے جو ان کے رب نے ان کو دیا اور اس پر کہ ان کے پروردگار نے ان کو جہنم کے عذاب سے بچایا عذابِ خداوندی سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ اہل تقویٰ اور ایمان والوں کو کہا جاتا ہوگا۔ کھاؤ پیو خوب مزے سے جتنا چاہو ان اعمال کی وجہ سے جو تم دُنیا میں کرتے تھے ان جملہ انعامات اور عزت واکرام کے ساتھ سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ایسی مسندوں پر (تختوں پر) جو ترتیب سے بچھے ہوں گے اور اس لیے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی تقاضوں کے باعث کسی مونس کا بھی خواہاں ہوتا ہے تو ہم ان کو بیاہ دیں گے ایسی حوروں کے ساتھ جو کشادہ چشم ہوں گی اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی عزت واکرام کا تو یہ عالم ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والی ہوئی تو اگرچہ ان کی اولاد ان کے رتبہ کی نہ ہوگی اور ان کے اعمال اپنے بزرگوں کے جیسے اعمال نہ سہی۔ مگر اس وجہ سے کہ وہ بھی ایمان لا چکے ان کے ماں باپ کی خوشنودی کے لیے ہم ان کو بھی انہی کے ساتھ کر دیں گے تاکہ ان بزرگوں کو اپنی اولاد کی معیت اور مرافقت سے مزید خوشی حاصل ہو اور ہم ان اہل جنت کے عمل میں سے کچھ کم نہیں کریں گے اس طریقہ سے کہ ان کی نیکیاں کچھ ان کے نامۂ سے گھٹا کر ان کی اولاد کے حساب

میں جمع کر دیں اور اس طرح دونوں کے درجے برابر کر دیئے جائیں۔ بلکہ اولاد کو ان کے استحقاق سے بڑھا کر ان کے ماں باپ کے برابر کر دیا جائے گا ہر شخص اپنے اعمال کے دائرہ میں گھرا ہوا ہے اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کا عمل گھٹا کر ضائع کر دیا جائے خواہ عمل خیر ہو خواہ عمل شر ہو ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال) اور اضافہ کریں گے ہم ان اہل جنت کی نعمتوں میں ہر قسم کے پھل اور گوشت سے جو ان کو مرغوب ہو جو ان کی اصل غذاء سے زائد ہوگا اور اہل جنت اللہ رب العزت کے انعامات اور وہاں کی راحتوں سے اس قدر مسرور ہوں گے کہ لطف اندوز ہونے کے لیے ایک دوسرے سے شراب طہور کے جام کی چھینا جھپٹی کرتے ہوں گے جس میں نہ کوئی لغو اور بے ہودہ بات ہوگی اور نہ گناہ کی جیسے کہ دنیا کی شراب میں بدمست لوگ بے ہودہ بکواس اور معصیت و گناہ کے کام کرتے ہیں جنت کی شراب طہور ان بے ہودہ اور گندے اثرات سے پاک صاف ہوگی اس کا نام شراب ہوگا لیکن لطافت و طہارت میں وہ اپنی خود مثال ہوگی ﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزِفُوْنَ﴾ (الصافات: ۴۷) اور گشت کرتے ہوں گے ان کے سامنے خدمت کے لیے اور فواکہ وغیرہ لانے کے لیے ایسے لڑکے جو خاص انہی کے واسطے ہوں گے گویا وہ محفوظ رکھے ہوئے موتی ہیں اپنی لطافت اور چمک میں ایسا محسوس ہوتا ہوگا یہ بند جگہ میں محفوظ رکھے ہوئے وہ موتی ہیں کہ جن پر نہ گرد و غبار پڑا اور نہ ہی باہر کی ہوا یا دھوپ نے ان کی رونق، آب و تاب اور چمک میں کوئی تغیر و تبدل پیدا کیا اور وہ اہل جنت غایت فرح و نشاط میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھتے ہوں گے اور جب ہر ایک دوسرے کو اپنے انعامات اور راحتوں سے مطلع کرے گا تو کہیں گے بے شک ہم تو اس سے پہلے دنیوی زندگی میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے ڈرا کرتے تھے کہ نامعلوم ہمارا انجام کیا ہوگا اور ہم پر کیا گزرے گی لیکن اللہ نے ہم پر بڑا ہی احسان کیا اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیا جس کا ہم کو ڈر تھا اور اپنی کوتاہیوں کے باعث خیال یہی کرتے تھے کہ نہ معلوم کس کس قسم کا عذاب اور گرفت ہمارے اعمال پر ہو اوّل تو یہی بڑا انعام تھا کہ اس نے عذاب سے بچایا لیکن اس کی نعمتوں کا کیا ٹھکانہ کہ اس نے جنت کی راحتوں سے بھی نواز دیا بے شک ہم اس سے پہلے بھی اس کو پکارا کرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عذابِ جہنم سے بچا اور مغفرت سے سرفراز فرما اور اس نے ہماری دعائیں قبول کیں واقعی وہ تو بڑا ہی محسن اور مہربان ہے۔

مسروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز یہ آیت ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ... الخ﴾ تلاوت کی اور پھر اسی طرح دعائیہ کلمات فرمانے لگیں اے اللہ تو ہم پر احسان فرما اور ہم کو دہکتی ہوئی دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

| |
|---|
| فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝٢٩ اَمْ يَقُوْلُوْنَ |
| اب تو سمجھا کہ تو اپنے رب کے فضل سے پریوں والا نہیں نہ دیوانہ کیا کہتے ہیں؟ |
| شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝٣٠ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ |
| یہ شاعر ہے ہم راہ دیکھتے ہیں اس پر گردش زمانے کی۔ تو کہہ تم راہ دیکھو کہ میں بھی تمہارے ساتھ |
| الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝٣١ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝٣٢ |
| راہ دیکھتا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں یہی سکھاتی ہیں ان کو یا وہ لوگ شرارت پر ہیں؟ |

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ

یا کہتے ہیں کہ یہ بات بنا لایا؟ کوئی نہیں پر ان کو یقین نہیں پھر چاہیے لے آویں کوئی بات اسی طرح کی

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اگر وہ سچے ہیں کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ

یا انہوں نے بنائے آسمان اور زمین کوئی نہیں؟ پر یقین نہیں کرتے کیا ان کے پاس ہیں

خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ

خزانے تیرے رب کے یا وہی داروغے ہیں کیا ان پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سن

فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ

آتے تو لے آوے جو سنتا ہے ان میں ایک سند کھلی۔ کیا اس کے ہاں بیٹیاں اور تمہارے ہاں

الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ

بیٹے کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ نیگ سو ان پر چٹی کا بوجھ ہے۔ کیا

عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ

ان کو خبر ہے بھید کی؟ سو وہ لکھ رکھتے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا سو جو

كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

منکر ہیں وہی آتے ہیں داؤ میں۔ کیا ان کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوا وہ اللہ نرالا ہے ان کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ

شریک بتانے سے۔ اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا' کہیں یہ بدلی ہے

مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾

گاڑھی۔ سو تو چھوڑ دے ان کو جب تک ملیں اپنے دن سے جس میں ان پر کڑاکا پڑے گا۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ

جس دن کام نہ آوے گا ان کو ان کا داؤ کچھ اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ اور ان

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

گناہگاروں کو ایک مار ہے اس سے ورے پر وہ بہت لوگ نہیں جانتے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ

اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں جس وقت

تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع ۲ ۲۱ ۴

تو اٹھتا ہے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیٹھ دیتے وقت تاروں کے۔

## زجر وتوبیخ مجرمین از عذابِ خداوندی وحمایت ایزدی بہ تسبیح وحمد رب العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ ... اِلٰى ... وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾﴾

**ربط:** ماقبل آیات سورۂ والطور میں دو گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ایک گروہ مجرمین کا اور دوسرا مطیعین کا اور احوال متعلقہ بھی ذکر کر دیئے گئے تو اس کے بعد یہ مناسب ہوا کہ اہلِ عناد وانکار کو زجر وتوبیخ عذابِ خداوندی سنایا جائے کیونکہ انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ بُرے افعال واعمال کے نتائج بد سن کر متاثر ہوئے ہیں پھر اس حالت تاثر میں اگر اس کو مزید تنبیہ وزجر کیا جائے تو وہ ان برے اعمال سے باز آنے کا قصد کر لیتا ہے تو اسی لحاظ سے اب ان آیات میں ان مکذبین کا رد بھی کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی دی جا رہی ہے کہ اگر منکرین آپ ﷺ کا مقابلہ کریں کوئی بے ہودہ اور لغو طریقہ اختیار کریں تو آپ ﷺ اس پر رنجیدہ نہ ہوں آپ ﷺ ایسی باتوں پر صبر کریں آپ ﷺ ہماری حمایت ونگرانی میں ہیں اور خداوندِ عالم کی حمد وثناء اور اس کی پاکی بیان کرتے رہئے یہ قلب کی قوت وہمت کا بھی سامان ہے اور اللہ کی حمایت ونصرت کا بھی ذریعہ ہے تو ارشاد فرمایا:

پس آپ ﷺ تو ان معاندین کو جو ابھی تک آپ ﷺ کی طرف رخ نہیں کر رہے ہیں سمجھاتے رہیے خواہ یہ آپ ﷺ کو کچھ بھی کہیں بہر حال آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون جیسا کہ یہ مشرکین مکہ کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے پیغمبر خدا کو جس کی زبان حکمت ترجمان سے ایک ایک لفظ حکمت ومعرفت اور انسانی رشد وہدایت کا جاری ہوتا ہے اس کو مجنون کہنا خود کہنے والے کے دیوانہ ہونے کی دلیل ہے جس کو خود ان مشرکین کے سنجیدہ لوگ بھی قبول نہ کرتے تو یہ کہنا شروع کر دیتے کہ یہ شاعر ہیں جس کو حق تعالیٰ فرما رہے ہیں اچھا کیا یہ لوگ آپ ﷺ کی نسبت یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ شاعر ہیں جن کے متعلق ہم موت کے حادثہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ جس طرح اور بھی دنیا میں شاعر آئے اور اپنی زندگی گزار کر مر گئے اسی طرح آپ ﷺ کے بارہ میں بھی کہہ رہے ہیں آپ کہہ

دیجیے اچھا تم لوگ انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں کہ تمہارے اس انکار و کفر کا انجام بد کب تم پر آئے گا اور اس وقت تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ میں جو کچھ کہتا تھا وہ حق ہے اور وہی اللہ کا دین ہے اور یہ کہ اللہ ہی کے دین کا غلبہ اور کامیابی ہو کر رہتی ہے خواہ اس کا کتنا ہی مقابلہ کیا جائے۔

ایسی خلافِ فطرت اور خلافِ عقل باتیں یہ منکرین کیسے کر رہے ہیں بڑے ہی تعجب کی بات ہے جس کو کوئی صاحب عقل قبول نہیں کر سکتا تو کیا ان کی عقلیں ان کو ان باتوں کا حکم کر رہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ عقل انسانی ایسی لغو بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی یا یہ کہ یہ سرکش لوگ ہیں اور یہی فیصلہ ہے کہ یہ بات محض عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہے عقل تو ایسی بات کسی کو نہیں سمجھا سکتی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن خود آپ ﷺ نے بنایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات منکرین خود سمجھ رہے ہیں کہ ہم غلط کہہ رہے ہیں اور ان کو اس بارہ میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا تو یہ باتیں (ان مشرکین کا کہنا) اس بناء پر نہیں کہ وہ کسی نتیجہ اور حقیقت تک نہیں پہنچے بلکہ ان کا مقصد تو بس یہی ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے تو آخر انکار کی ایسے لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے اور کس وجہ سے وہ قرآنِ کریم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کر رہے ہیں اگر وہ اس پر ہی اصرار کرتے ہیں کہ یہ وحی الٰہی اور کلام ربانی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ہی گھڑ لیا ہے تو پھر چاہیے کہ یہ لوگ اسی جیسا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ سچے ہیں یہ لوگ بھی عربی اور بڑے فصیح و بلیغ قادر الکلام اور مایۂ ناز شاعر ہیں ان کو عربی کلام مقابلہ میں پیش کر دینے میں کیا رکاوٹ ہے جب کہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو کسی معلم سے کچھ سیکھا اور نہ پڑھا اور نہ سخن گوئی میں اس سے پہلے عرب قوم میں ان کا کوئی مقام دیکھا گیا۔

اگر یہ منکرین ان دلائل سے بھی قرآن کو کلام الٰہی اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت اور خدا کی وحدانیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور خالق کائنات کی خالقیت پر ایمان نہیں لاتے تو پھر بتائیں کیا یہ لوگ خود بخود بغیر کسی خالق کے پیدا کر دیئے گئے ہیں یا یہ کہ انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس طرح خود اپنے آپ کو گویا صفت خالقیت میں شریک قرار دیا اور اس وجہ سے خدا کی وحدانیت کو نہیں تسلیم کرتے حالانکہ ان کی فطرت میں خدا کی خالقیت کا تصور پوری طرح موجود ہے اور دلائل و شواہد بھی اس امر کے متقضی ہیں کہ خدا کی خالقیت اور وحدانیت پر یقین کیا جائے افسوس یہ لوگ ایمان تو کیا لاتے بلکہ یقین ہی نہیں کرتے کیونکہ اگر صحیح معنی میں یقین حاصل ہوتا تو اس کو قبول کرتے اور مانتے۔ اے ہمارے پیغمبر کیا ان کے پاس آپ ﷺ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں اور خزائن رحمت میں نبوت و رسالت بھی ہے کہ جس کو یہ چاہیں نبوت و رسالت دیں یا یہ کہ یہ لوگ حکمران ہیں کہ ان کا حکم چلے اور جس کو یہ لوگ رسول بنانے کی اجازت دیں اس کو رسول بنایا جائے پھر آخر کیوں آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ بہر حال کوئی عقلی دلیل تو ان کے پاس ایسی نہیں کہ جس کی بناء پر یہ لوگ رسالت محمدیہ ﷺ کا انکار کر سکیں تو کیا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے کہ اس پر چڑھ کر آسمان کی باتیں سن لیں اور اس طرح دعویٰ کر سکیں کہ ایک نقلی دلیل اور آسمانی وحی ہمارے پاس آئی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ یہ (محمد رسول اللہ ﷺ) رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اگر کوئی ایسی جرأت کرتا ہے تو چاہیے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے کر آئے اور ثابت کرے کہ یہ شخص رسول بنایا گیا ہے اور محمد ﷺ رسول خدا نہیں (العیاذ باللہ)۔ اے مشرکین و منکرین ایسی بے دلیل اور لغو باتوں سے باز آ جاؤ جو کفر و عناد میں کرتے چلے جا رہے ہو۔ بتاؤ کیا اس (خدا خالق کائنات) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے واسطے بیٹے ہیں الغرض دلائل سے خداوندِ عالم کی توحید اور اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ کی رسالت ثابت ہو چکی ہے پھر بھی یہ لوگ آخر آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان کیوں نہیں لاتے کیا

آپ ﷺ ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں کہ ان کو یہ تاوان گراں معلوم ہوتا ہو کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ یہ اس کو لکھ رہے ہیں اور لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا ہے جس کے باعث وہ امور غیب اور وحی الٰہی سے ثابت شدہ باتوں کا انکار اور رد کر رہے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ رسول ﷺ خدا کے ساتھ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کی مخفی سازشیں یہی ظاہر کر رہی ہیں سو ان کو سن لینا چاہیے پس جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ خود ہی اس برائی کا شکار ہوں گے۔ چنانچہ اس سازش کا انجام دیکھ لیا، بدر میں ذلیل و ناکام ہوئے اور مقتول قیدی بھی بنے بہر کیف یہ سب واقعات و حقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ خداوندِ عالم یکتا ہے وہی وحدہٗ لاشریک لہٗ قادر مطلق اور خالق کائنات ہے اگر اب بھی تسلیم نہیں تو بتائیں کیا ان کا کوئی اور معبود ہے اللہ کے سوا؟ نہیں ہرگز نہیں پاکی ہے اللہ رب العزت کی ذات کے لیے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں اور منکرین کے پاس جب اور کوئی حجت نہ رہتی تو اس قسم کی بات کہنے لگتے کہ اچھا ہم آپ ﷺ کی رسالت پر جب یقین کریں گے جب آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ کر ہمارے پاس لے آؤ تو اس کے بارہ میں ایسے دشمنان عقل کو اول تو یہ جواب دیا جائے کہ معجزات کی فرمائش بڑی ہی گستاخی ہے اور پھر یہ کہ اگر بالفرض فرمائشی معجزہ ظاہر بھی کر دیا جائے تو پھر اس پر ایمان نہ لانے کا انجام سوائے ہلاکت اور عذابِ خداوندی سے تباہی کے کچھ نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ اگر ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر بھی کر دیا جائے اور یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے اور یہ کہہ دیں گے یہ تو تہہ بر تہہ جما ہوا بادل ہے تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان لوگوں کی اس قسم کی لغو باتوں سے غمگین و متفکر نہ ہوں بس ان کو چھوڑ دیجیے اپنی اسی حالت پر یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس میں ان کے ہوش و حواس اڑ جائیں گے یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ ان کی کوئی تدبیر ان کے کام آئے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جا سکے گی اس وقت تو ہر کافر اور بدبخت اپنی مصیبت میں گھرا ہوگا اور آخرت میں ان لوگوں پر یقیناً یہ مصیبت آئے گی ہی۔ لیکن ان ظالموں کے واسطے ایک بہت بڑا عذاب واقع ہونے والا ہے اس دن کے عذاب سے پہلے چنانچہ اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے اور بدر میں ذلیل ہوئے۔ قتل کیے گئے مگر افسوس اکثر لوگ ان میں سے جانتے نہیں ہیں کہ انتقام الٰہی کس قدر شدید چیز ہے اور انتصار الٰہی سے کس طرح اہل ایمان فاتح و غالب ہوا کرتے ہیں۔

تو اے پیغمبر ﷺ آپ صبر کیجیے اپنے رب کے فیصلہ کے لیے اور جو کچھ یہ لوگ سازشیں کر رہے ہیں ان سے ہرگز بھی پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ ﷺ تو ہماری حفاظت میں ہیں پھر کس بات کا ڈر ہے اور اگر طبعی تاثرات سے دل پر کچھ ملال اور بوجھ ہو تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے جس وقت کہ آپ ﷺ اٹھیں سو کر تہجد کے وقت یا کسی مجلس سے اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی پاکی و حمد کیا کیجیے مثلاً عشاء کا وقت اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی جو کہ وقت فجر ہے ان اوقات میں نماز خدا کی حمد و ثناء اور تسبیح قلب کے بوجھ کو کم کر دے گی اور رجوع الی اللہ کی نعمت سے ایسی فرحت حاصل ہوگی کہ ان ظاہری احوال و واقعات سے دل پر واقع ہونے والا بوجھ اور غم بھی جاتا رہے گا۔

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ﴾ کی تفسیر میں اکثر مفسرین تہجد کا وقت مراد لیتے ہیں جیسے کہ حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کے درمیان کسی حصہ میں بیدار ہو اور یہ کلمات پڑھے: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ﴾ پھر اس کے بعد یہ کہے ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ﴾ یا کوئی بھی دعا مانگے تو ضرور اس کی دعا قبول کی جائے گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴾ سے مجلس سے اٹھنا مراد لیا ہے اور کلمات ﴿ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ ﴾ کو کفارۃ المجلس فرمایا گیا ہے۔

﴿ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴾ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فجر کی دو سنتیں بھی بیان کی گئی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو رکعتوں سے زیادہ کسی بھی سنت یا نفل پر پابندی کرتے نہیں دیکھا۔

تم تفسیر سورۃ والطور وللہ الحمد والمنۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## تفسیر سورۃ النجم

سورۃ النجم مکی سورتوں میں سے ہے مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت اور بعد از معراج نازل ہوئی اس کی باسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کا اصل مضمون اور موضوع خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور اسراء و معراج کے خصوصی احوال کا ذکر اور ملکوت سماوات کے عجائب کے بیان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان ظاہر کرنی مقصود ہے اور اس ضمن میں یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہے اس وجہ سے قیامت' حشر و نشر اور جنت و جہنم پر ایمان لانا چاہیے اسی تفصیل کے مطابق جو وحی الٰہی اور زبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

توحیدِ خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے شرک و بت پرستی کی تردید اور اس کے خلاف عقل و فطرتِ انسانی ہونا ثابت فرمایا گیا اور ان بتوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی گئی جن کی مشرکین مکہ پرستش کیا کرتے تھے پھر قیامت کے روز عدل و انصاف اور جزاء اعمال کی تفصیل فرمائی گئی اور یہ کہ ہر انسان کی سعی اور جدوجہد کا بدلہ اس کو ضرور مل کر رہتا ہے۔

اختتام سورت پر عاد و ثمود اور قوم نوح و لوط جیسی قوموں کی ہلاکت و تباہی کا ذکر کر کے مجرمین و منکرین کو تنبیہ کی گئی تا کہ وہ اس رویہ سے باز آجائیں۔

آیاتھا ۶۲ | ۵۳ | سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ | ۲۳ | رکوعاتھا ۳

سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ

قسم ہے تارے کی جب گرے۔ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا اور نہیں بولتا

عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾

اپنی چاؤ سے۔ یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے اس کو سکھایا سخت قوتوں والے نے

ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾

زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارے آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾

پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ

جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا اب تم کیا اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا اور اس کو اس نے دیکھا ہے

نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ﴿۱۵﴾

ایک دوسرے اتارے میں پرلی حد کی بیری پاس اس پاس ہے بہشت رہنے کی

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ

جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی بے شک

رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

دیکھے اپنے رب کے بڑے نمونے۔

# اثبات عظمت نبوت ومحبت اقوال رسول اللہ ﷺ وعصمت حیات طیبہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ ... الیٰ ... مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝١٨﴾

**ربط:** گزشتہ سورت توحیدِ خداوندی اور دلائل قدرت اور اثبات حشر ونشر کے مضامین پر مشتمل تھی۔ اب اس سورت میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا بیان ہے اور یہ کہ رسول خدا ﷺ کا ہر قول وعمل وحی الٰہی ہے پیغمبر کی ہر بات اور ان کا ہر عمل اُمت کے واسطے قانون اور اسوہ بنایا گیا ہے اللہ کے پیغمبر کی کوئی بات اور اس کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ خود اس کی خواہش سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی وحی ہی ہوتا ہے جس طرح کہ قرآن اللہ کی وحی ہے بس فرق اتنا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام لفظ اور معنی دونوں کا مجموعہ ہے اور حدیث رسول میں الفاظ اگرچہ آپ ﷺ کے ہیں مگر معنی اور حکم اللہ ہی کا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قسم ہے ستارہ کی جب کہ وہ غروب ہونے لگے یقیناً یہ تمہارے ساتھی جو ہمہ وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اور جن کی سیرت اور تعلیمات وہدایات قیامت تک کے واسطے امت کے ساتھ ہیں نہ تو راہِ حق سے بھٹکے کہ بھول کر یا غلطی وخطاء سے راہ حق سے چوک گئے ہوں اور نہ ہی غلط راستہ اختیار کیا کہ جانتے اور دیکھتے ہوئے کسی غرض اور مقصد کی خاطر غلط راستہ اختیار کرلیا جائے اس طرح یہ ہر غلطی اور گمراہی سے محفوظ ومعصوم ہیں اور نہ بولتے ہیں کوئی لفظ اپنی زبان سے اپنی خواہش سے بلکہ ان کا تو زبان سے بولا ہوا ہر لفظ وہ اللہ کی وحی ہی ہوتا ہے جس کی وحی ان کو کی جاتی ہے جیسے کہ قرآن اپنے لفظ اور معنی کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل ہوتا ہے اس طرح یہ الفاظ وکلمات جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوتے ہیں یہ ان ہی معانی اور احکام کی تعبیر ہیں جو احکام اور مضمون آپ ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے تو آپ ﷺ اللہ کی مقرر کردہ راہ پر اسی طرح قائم ہیں اور اسی پر آپ ﷺ کی زندگی کا ہر قول وفعل حتیٰ کہ زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اور جملہ احوال وکیفیات مطابقت وموافقت کے ساتھ جاری ہیں کہ سرمو بھی اس خط مستقیم سے انحراف نہیں جس طرح کہ ستارہ طلوع سے لے کر غروب تک اپنی پوری مسافت اسی خط پر قائم رہتے ہوئے پوری کرتا ہے جو اس کے واسطے مقرر کردیا گیا نہ وہ اپنی سمت بدلتا ہے نہ منزل سے اِدھر یا اُدھر اپنا رخ موڑتا ہے اور جس طرح ستارے مسافروں کے لیے رہنمائی کا سامان ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ از ابتداء تا انتہاء تمام عالم کے واسطے رہنما ہے۔ ❶ سکھایا ہے ان کو ایک بڑے مضبوط قوی والے طاقتور فرشتہ نے جو

---

❶ ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى﴾ قسم ہے ستارہ کے غروب کی۔ قسم کھا کر جواب قسم کو ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ﴾ کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا ان کلمات سے قسم اور جواب قسم میں ربط اور مناسبت انشاء اللہ بخوبی واضح ہے اصل مضمون تھا آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے کمال استقامت کا اور یہ کہ اس میں نہ بھول چوک سے غلطی کا احتمال ہے اور نہ جان بوجھ کر وہ راہِ حق سے العیاذ باللہ منحرف ہوسکتے ہیں وہ منحرف تو کیا ہوں گے ان کی زندگی کے تو ہر قول وفعل کو آسمانوں کے تاروں کی طرح رہنما اور سمت ومنزل معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے کہ آپ ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے تمام دنیا راہ ہدایت پاسکتی ہے اس پر چل سکتی ہے اور اس پر چل کر منزل فلاح وسعادت تک پہنچ سکتی ہے۔ غروب کی طرح طلوع بھی قدرتِ خداوندی کا عظیم نمونہ ہے مگر ممکن ہے کہ غروب سے قریب وقت دیکھ کر طالبانِ ہدایت کو مزید توقف کرنے کی گنجائش نہیں سمجھنی چاہیے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اب بھی اگر حصول ہدایت میں تاخیر کی تو پھر یہ باقی ماندہ مہلت اور موقعہ بھی ختم ہوجائے گا تو اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو غنیمت سمجھنا چاہیے پھر یہ کہ طلوع سورج سے ستاروں کا غروب ہے تو اشارہ ہوسکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کی جانب کہ وہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام جو اپنی اپنی =

پیدائشی طور پر نہایت قوی اور زور آور ہے یہاں تک کہ اس نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا نہایت ہی حسن و جمال والا ہے یعنی جبریل امین علیہ السلام پھر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور حال یہ کہ وہ آسمان کے اونچے کنارہ پر تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام کو ابتداء وحی کے زمانہ میں آسمان کے مشرقی کنارہ پر ان کی اصلی صورت میں دیکھا کہ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آسمان کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک خلا کو پر کر رکھا ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیبت اور کپکپی طاری ہو گئی تھی اور گھر آ کر فرمایا تھا کہ دثرونی' دثرونی اور اس پر ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝﴾ (المدثر) آیات نازل ہوئیں پھر وہ نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر اس قدر نزدیک ہوا کہ آپ سے صرف دو کمانوں کے برابر رہ گیا یا اس سے بھی نزدیک اور اپنے اصلی مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترا اور انتہائی نزدیکی اور قرب اختیار کر لیا پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھی حکم بھیجا اور جو اس کی مشیت ہوئی جھوٹ نہیں کہا دل نے اس چیز کو جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے دیکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل آنکھ کے مشاہدہ پر مطمئن تھا اور اس کی تصدیق کر رہا تھا کہ یہ بات نہ تھی کہ آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہو مگر اندر سے دل مطمئن نہ ہو اور تصدیق نہ کرتا ہو۔

تو اے لوگو! کیا تم جھگڑ رہے ہو اس چیز پر جو ہمارا بندہ دیکھ رہا ہے اس ایک مرتبہ کی رؤیت پر کفار قریش اور منکرین کیا جھگڑ رہے ہیں اور کیوں تعجب کر رہے ہیں اور بے شک ہمارے اس بندہ نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے اترتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے پاس آرام و راحت کی بہشت ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں ساتویں آسمان پر پہنچے اور اس سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ اس بیری کے درخت کو دیکھا جو لوحِ محفوظ سے دُنیا میں نازل ہونے والے احکامِ خداوندی اور عالم زمین کے جملہ احوال و اعمال جو بارگاہِ خداوندی میں پیش ہونے والے ہوتے ہیں ان کا منتہیٰ و مرکز ہے بس اسی کے قریب جنت الخلد ہے جس کو دیکھا اور یہ بیری کا نام محض دُنیا والوں کو سمجھانے کے لیے ہے یہ نہیں کہ دنیا کے بیری کے درختوں کے مشابہ ہو بلکہ اس کی شان اور عظمت و خوبصورتی اس عالم کے مناسب اور شایان شان ہوگی جس طرح جنت کے انگور' انار اور پھل اگرچہ دنیاوی پھلوں کے نام سے تعبیر کیے گئے مگر ظاہر ہے کہ دنیا کے پھلوں کو ان سے کوئی بھی نسبت نہیں جب کہ ڈھانک رہی تھی اس سدرۃ المنتہیٰ کو ایک ایسی چیز جس نے اس کو چھپا رکھا تھا کہ انوار و تجلیات اس پر اس طرح برس رہی تھیں کہ ہجوم انوار اور شدت تجلیات یا انوار و تجلیات پر برسنے والے خوش رنگ سنہرے پروانوں نے اس کو ڈھانک رکھا تھا جس طرح کہ سورج کی شعاعیں سورج کے کرۂ کو نگاہوں سے چھپا لیتی ہیں تو ان تجلیات و انوار کے نزول کے وقت باوجود ان کی شدت و کثرت کے آپ کی نگاہ نہ بہکی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ نہ ٹیڑھی اور ترچھی ہو کر دائیں سے بائیں مڑی اور نہ نگاہ مقام نظر سے آگے بڑھی بلکہ نظر محل نظر پر پوری قوت اور تثبت کے ساتھ جمی رہی یہ نہیں کہ اچٹتی نظر سے کوئی چیز نظر کے سامنے آ گئی ہو تو جو کچھ دیکھا وثوق و یقین کے ساتھ دیکھا اور جو کچھ نظر نے دیکھا دل اس پر مطمئن ہوا اور اس کی تصدیق کی بے شک آپ نے دیکھا اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں سے بڑی بڑی نشانیوں کو اور قدرت کے ایسے نمونے دیکھے کہ حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا پورا پورا مشاہدہ ہو گیا۔

---

= جگہ اپنی قوموں کی رہنمائی کے لیے ستاروں کی مانند تھے۔ اب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کے طلوع ہونے پر سب غائب ہو گئے اور جس طرح سورج کا نور تمام ستاروں کو مغلوب و مستور کر دیتا ہے اسی طرح یہ آفتاب نبوت بھی ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کا پیکر بن کر طلوع ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

# شب معراج میں مشاہدۂ آیات قدرت

سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو ثابت کیا گیا اور آپ ﷺ کے ہر قول وعمل کو وحی الٰہی اور اس کا حجت اور نمونۂ ہدایت ہونا ذکر کیا گیا اور یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ایسا مقام عصمت وحفاظت کا عطا کیا گیا ہے۔ کہ بالارادہ یا بلا ارادہ راہ حق سے سرمو انحراف اور لغزش کا احتمال نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ بغیر اس مقام عصمت کے وہ ذات ہادیٔ عالم کیونکر بنائی جاسکتی تھی ظاہر ہے کہ جو خود غلطی اور گمراہی کا شکار ہوسکتا ہو وہ دوسروں کا ہادی ورہنما کیسے ہوگا اس لیے عصمت کا لازمۂ نبوت ہونا عقلاً بھی ثابت ہوا تو ابتداء میں آپ ﷺ کی شان رسالت بیان کرتے ہوئے اصل مقصد یعنی شب معراج میں آیات کبریٰ اور قدرت کی عظیم نشانیوں کے مشاہدہ کا مضمون شروع فرمایا گیا پہلی اور دوسری آیت میں تو ستارے کے غروب کی قسم کھا کر یہ اعلان فرمایا گیا کہ ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی عصمت وحفاظت ظاہر فرمائی گئی اور یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر لغزش اور گمراہی سے محفوظ فرمایا ہے پھر تیسری اور چوتھی آیت میں آپ ﷺ کے ہر نطق کی خواہشات نفس سے پاکی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ وحی الٰہی ہے اور شریعت میں جو درجہ وحی الٰہی اور قرآن کریم کا ہے وہی درجہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک کا ہے اور اس سے ذرہ برابر انحراف کرنے کی کسی بھی مؤمن کو قطعاً گنجائش نہیں جیسے کہ ارشاد فرما دیا گیا ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:۶۵) شان رسالت کی اس تحقیق وتثبیت اور حجیت اقوال رسول ﷺ کے بعد پانچویں آیت ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ سے وحی الٰہی لانے والے قاصد فرشتہ کی قوت اور عظمت بیان کی گئی کہ وہ قاصد پیغامات خداوندی پہنچانے میں نہ مرعوب ہوسکتا ہے اور نہ کوئی طاقت اور زور اس کو مغلوب کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ خود ہی ایسے مضبوط قویٰ اور زور والا ہے اس کے ساتھ ظاہری حسن وجمال اور وقار کا بھی پیکر ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿ذُوْ مِرَّةٍ﴾ کی تفسیر میں ﴿ذُوْ مَنْظَرٍ حَسَنٍ﴾ فرماتے ہیں [1] لہٰذا معلوم ہوگیا کہ رسول ﷺ خدا پر وحی لانے والا قاصد بھی کسی تقصیر وغلطی کا شکار نہیں ہوسکتا پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اس قاصد کو خوب اچھی طرح پہچانا اس کو دیکھا اور نہایت قریب سے بھی دیکھا کہ پہلے افق اعلیٰ پر نمایاں ہوا پھر اور قریب ہوا اور افق سماء کی بلندی سے نیچے کی طرف نزول کیا اور اتنا قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور آنکھ کے مشاہدہ کی دل بھی تصدیق کرنے لگا تو ایسی قوتوں والے قاصد نے اس قرب کے بعد جو پیغام دیا اور پہنچایا وہ یقیناً ہر طرح حجت ہے۔

ایک مرتبہ کی رؤیت کے بعد دوسری مرتبہ کی رؤیت ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ سے بیان فرمائی گئی اس دوسری رؤیت کا محل اور مقام ساتواں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تھا جس کا مشاہدہ آپ ﷺ نے شب معراج میں فرمایا تو اس طرح ان ابتدائی مضامین کے بعد شب معراج کے احوال کی طرف کلام منتقل ہوا اور سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہونا اور سدرۃ المنتہیٰ پر انوار وتجلیات کے برسنے کا ذکر فرمایا گیا اور یہ کہ وہاں آپ ﷺ نے اپنے رب کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ فرمایا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر۔ قرطبی۔ روح المعانی

روایاتِ صحیحہ سے یہ بات تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں جس پر ان کو پیدا کیا گیا دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جبکہ غار حرا میں وحی نازل ہو چکنے کے بعد سلسلۂ وحی رک گیا تھا اور وحی کے شوق و انتظار میں بے چین ہو کر باہر میدانوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تو اس زمانہ میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان اپنی عظیم جسامت سے اُفق سما کو گھیرے ہوئے ہیں اس عظیم الشان فرشتہ کو دیکھ کر آپ ﷺ پر رعب اور کپکپی طاری ہو گئی اور آپ ﷺ گھر لوٹے اور فرمایا: (( دَثِّرونی ، دَثِّرونی )) (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا) دوسری مرتبہ جبریل امین علیہ السلام کو اصلی صورت میں شب معراج میں دیکھا جس کا ذکر ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ ﴾ میں ہے اور اس رؤیت کو جبریل علیہ السلام کی رؤیت پر اور ان ہی کے قرب اور تدلی پر محمول کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بعض ائمہ محدثین اسی کے مطابق قرار دیتے ہیں۔

تو اس طرح رؤیت جبریل علیہ السلام ایک مرتبہ زمین پر ہوئی اور ایک مرتبہ ملکوتِ سماوات پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ابن جریر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ ﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ قرب جبریل علیہ السلام کا تھا اور ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴾ کے بھی معنی یہ بیان کیے کہ جبریل علیہ السلام نے وحی کی اللہ کے بندہ محمد ﷺ کو جو بھی وحی کی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (دوسری بار جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا)۔

لیکن اس کے بالمقابل ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اس بات کی قائل تھی کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو رؤیت خداوندی حاصل ہوئی ہے اور یہ قرب اور تدلی حق تعالیٰ کے قرب اور تدلی پر جیسے بھی اس کے شان کے لائق ہو محمول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسی کے قائل تھے کہ رؤیت بصریہ ہوئی ہے اور ان کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے طبقہ میں بھی متعدد حضرات رؤیت باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے لیکن ترمذی میں عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس نسبت میں تردد معلوم ہوتا ہے عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رَاٰی محمد ربّه (کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے) میں نے عرض کیا' کیا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں فرمایا: ویحك (تجھ پر افسوس) یہ تو اس صورت میں کہ حق تعالیٰ متجلی ہوا اپنے اس نور کے ساتھ جو اس کا نور ذاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت کعب رضی اللہ عنہ احبار سے ملاقات ہوئی تو اس ملاقات میں کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

ان اللہ تعالیٰ قَسَم رؤیتہٗ وَکلامَہٗ بین مُحَمَّدٍ وَبین موسیٰ فکلم موسیٰ مرتین وَ رَاٰہُ محمد مَرَّتَیْن. [1]

"کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور کلام محمد ﷺ و موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اللہ سے کلام کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے دو دفعہ اللہ رب العزت کا دیدار کیا۔"

اور مسروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ فرمایا مسروق تو نے ایسی بات کہہ دی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: اے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ذرا

---

[1] جامع ترمذی۔

ٹھہریئے (اور مجھے مہلت دیجیے) کہ کچھ عرض کروں اور میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ فرمایا تو اس آیت کو کہاں لے جا رہا ہے یہ تو جبریل علیہ السلام کی رؤیت کا بیان ہے۔

صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: هَلْ رأيت ربّك ارشاد فرمایا: ((نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ)) ایک روایت میں ((رَأيتُ نورًا)) اور بعض شارحین نے ((نُوْرٌ اَنّٰی أراهُ کو نُوْرَانِیٌ اَرَاهُ)) پڑھا ہے یعنی وہ ذات رب جس کو میں نے دیکھا ہے وہ نور والی ذات ہے کہ میں اس کا دیدار کر رہا ہوں۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بروایت ترمذی اگرچہ ابتداءً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات پر تردّد اور اشکال ظاہر ہو رہا ہے لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے * بروایت ابن ابی حاتم عباد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی﴾ کی تفسیر دریافت کی تو عکرمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا دیدار کیا ہے میں نے کہا جی ہاں فرمایا ہاں دیکھا ہے اور ایک دفعہ کے بعد پھر ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔

خاتم المحدثین حضرت سید انور شاہ کشمیری اور استاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کی رائے یہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت خداوندی ہوئی ہے۔ مشکلات القرآن میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات پر کلام فرمایا اور اس تحقیق کو استاذ محترم نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں مدار تحقیق اور حل مسئلہ کے طور پر اختیار فرمایا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات النجم کے مضمون کو تین حصوں پر اور تین حالتوں کے بیان پر محمول فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائی تین آیات میں اللہ نے موحیٰ الیہ یعنی اپنے رسول کا ذکر فرمایا کہ استقامت علی الحق اور عصمت وحفاظت کا یہ مقام ہے اور ان کا ہر قول وفعل وحی الٰہی ہے موحیٰ الیہ کے بیان کے بعد واسطۂ وحی یعنی وحی پہنچانے والے قاصد کی عظمت وقوت کا بیان ہوا اور یہ کہ موحیٰ الیہ کو واسطۂ وحی اور قاصد سے معرفت اور قرب بھی ہے جو افقِ اعلیٰ کے عنوان سے ذکر کیا گیا اس کے بعد کی آیات اس حالت کو بیان کر رہی ہیں جو موحیٰ الیہ اور رب العزت کے مابین شب معراج میں واقع ہوئی وہ قرب ودیدار ہے جس کو ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی﴾ میں بیان فرمایا گیا اور جن آیات کے دکھلانے کے لیے سفر اسراء کرایا گیا جس کو فرمایا گیا ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ "تاکہ دکھائیں ہم اپنی عظیم آیات ونشانیاں" عروج سماوات اور سدرۃ المنتہیٰ پر اس وعدہ کی تکمیل کر کے فرما دیا گیا ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ تو اگر یہ آیت صرف رؤیۃ جبریل علیہ السلام ہوتی تو نہ تو اس کے وعدہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی اس کو عظیم ترین آیات میں شمار کیا جاتا کیونکہ جبریل امین علیہ السلام کی رؤیت تو اصلی صورت میں پہلے ہی آغاز وحی کے زمانہ میں ہو چکی تھی جو معراج سے آٹھ نو برس قبل کا زمانہ تھا تو پھر ظاہر ہے ﴿لِنُرِيَهٗ﴾ سے جس چیز کے دکھانے کا وعدہ ہو رہا ہے وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نہ دیکھا ہو علاوہ ازیں جبریل علیہ السلام تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے جیسا کہ احادیث صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے تو پھر صرف ان کے دیدار کے لیے معراج جیسا عظیم الشان معجزہ مقدر فرمانا قریب قیاس نہیں معلوم ہوتا تھا اس وجہ سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس تیسرے حصہ آیات میں قرب خداوندی اور دیدارِ خداوندی کا بیان ہے جس کے لیے سیر ملکوت سماوات کرائی گئی اور سدرۃ المنتہیٰ سے بلند مقام تک پہنچایا گیا پھر جب کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس کی قائل تھی اور آیات کا انطباق بھی بلا تکلف وتردد ہو رہا ہے تو معراج میں دیدار خداوندی ماننے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

---

* تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

آیت مبارکہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ سے پیدا ہونے والے اشکال حل کرنے کے لیے استاذ محترم شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں:

لیکن یاد رہے کہ یہ رؤیت وہ نہیں جس کی نفی آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ (الانعام:۱۰۳) میں کی گئی ہے کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں (جیسے کہ مادی چیزوں کی حقیقت کا احاطہ اور ماہیت کا ادراک ہوجاتا ہے) علاوہ بریں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب سوال کیا گیا کہ دعوائے رؤیت آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ کے مخالف ہے تو فرمایا: ((ویحك ذاك اذا تجلّٰی بنورہٖ الَّذِی ھُوَ نورہٗ)). ❁ معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات وانوار متفاوت ہیں بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں اور رؤیت فی الجملہ دونوں پر صادق آتی ہے اور اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ جس درجہ کی رؤیت مؤمنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جب کہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کرسکیں گی وہ دُنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہاں ایک خاص درجہ کی رؤیت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے موافق میسر ہوئی اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک وسہیم نہیں نیز انہی انوار و تجلیات کے تفاوت اور تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا اور (حضرت) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں اور اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایات ((رَاَیْتُ نُوْرًا)) اور ((نُوْرَانِیٌّ اَرَاہُ)) یا ((نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہ)) میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم. انتھٰی کلامہٗ مِنْ فَوَائِدِہٖ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ﴿رَاٰہُ مَرَّتَیْنِ﴾ کی مراد بعض روایات کے الفاظ سے یہ کی جاتی ہے کہ مرۃً بقلبہ ومرۃ راٰہُ بعینہٖ۔ لیکن یہ بھی امکان ہے کہ ایک مرتبہ کی رؤیت وہ ہو جو حالت منام میں ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جس کا ذکر حدیث اختصامِ ملأ اعلیٰ میں ہے اور دوسری مرتبہ شب معراج میں جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً یہ نقل کیا: (( قَالَ رسول اللہ ﷺ رایت ربی عزّوجلّ)) ان لفظوں کو روایت کر کے کہا: ((فَاِنَّہٗ حدیث اسنادہٗ عَلٰی شرط الصحیح)) کہ یہ حدیث ایسی ہے کہ اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے فرمایا لیکن یہ حدیث منام کا ایک مختصر حصہ ہے جیسا کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا رب میرے سامنے متجلی ہوا ایک بہترین صورت میں حالت نوم میں اور فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جانتے ہو کہ؟ ملأ اعلیٰ کس چیز میں خصومت کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نہیں، تو رب العزت نے اپنا دستِ بے مثال میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جس کی ٹھنڈک (لطافت وسکینت) میں اپنے سینہ کے درمیان محسوس کرنے لگا اس کے بعد پھر جب سوال کیا تو میں نے جواب دیا۔ نعم فِی الکفارات والدرجات ...الخ۔

بہرکیف ان قرائن اور دلائل سے آیات نجم کے اس تیسرے حصہ کو رؤیت خداوندی پر محمول کرنا واضح معلوم ہوتا ہے مسئلہ کی اہمیت تو چاہتی تھی کہ اس کے متعلقہ پہلوؤں پر تفصیل سے کلام کیا جاتا لیکن ضیق مقام کے باعث اختصار کے ساتھ یہ نقول پیش کردیں اور ترجیح راجح کے طور پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ محترم کی رائے ناچیز نے اپنی تعبیر میں پیش کردی میں اپنے علم وفہم کے قصور کے باعث نہیں کہہ سکتا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بتمام وکمال واضح کرسکا یا نہیں حضرات قارئین سے اپنی تقصیر وکوتاہی پر عفو ودرگزر کا طالب ہوں فاصفحوا الصفح الجمیل۔

---

❁ رواہ الترمذی

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ

بھلا تم دیکھو تو لات اور عزٰی اور مناۃ وہ تیسری پچھلی کیا تم کو بیٹے

وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ

اور اس کو بیٹیاں تو تو یہ بانٹا بھونڈا یہ سب نام ہیں

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ

جو رکھ لیے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری ان کی کوئی سند

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ

نری اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کے چاؤ ہیں اور پہنچی ان کو

رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ ؕ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ ع ۱/۲۵/۵

ان کے رب سے راہ کی سوجھ کہیں آدمی کو ملتا ہے جو چاہے سو اللہ کے ہاتھ ہے پچھلی اور پہلی۔

## تنبیہ وتہدید برانکار توحید ورسالت وعدم حقیقت معبودان باطلہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ ... الیٰ ... فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ ع﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت اور آپ ﷺ کی عظمت ومنقبت کا بیان تھا اور اس کے ضمن میں معراج کے بعض خصوصی احوال کے ذکر سے حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وکبریائی اور اس کی وحدانیت کا ذکر تھا اب ان آیات میں اس کے بالمقابل ابطال شرک اور مشرکین کے معبودوں کی حقارت وبے بسی اور ایسے معبودوں کی پرستش کا خلاف عقل وفطرت ہونا بیان کیا جارہا ہے۔

ارشاد فرمایا:

تو پھر کیا اے لوگو! تم نے حق تعالیٰ شانہٗ کے لامحدود عظمت وجلال اور اس کی عظیم نشانیوں کو سمجھ کر ان کے بالمقابل ان مشرکین کے معبودوں لات وعزیٰ کو دیکھا اور ایک اور تیسرے معبود منات کو جن کی حقارت وذلت روز روشن کی طرح عیاں ہے ان حقیر معبودوں کا تو خدائے برتر کے ساتھ نام لینے میں بھی شرم کرنی چاہیے پھر ظلم یہ کہ یہ مشرکین ان کو خدا کی بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (العیاذ باللہ) تو ایسے لوگوں سے پوچھو کیا تمہارے واسطے بیٹے ہوں اور اس کے واسطے بیٹیاں یہ تو اس صورت میں بہت ہی بھونڈی تقسیم ہے یہ تو بس صرف چند نام ہی ہیں جو تم نے رکھ لیے ہیں اور تمہارے باپ دادوں نے کہ اللہ نے جس کی کوئی دلیل نہیں اتاری حالانکہ خدا تو وہ ذات ہے جس کی وحدانیت وخالقیت کے لیے کائنات کا ایک ایک ذرہ دلیل ہوتا ہے یہ لوگ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ محض اپنے گمان اور من گھڑت

تخیلات کی پیروی کرتے ہیں اور ہر اس چیز کو جو ان کے نفس کی خواہش ہو۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے اور ایسا واضح اور سیدھا راستہ جس پر چل کر ہر انسان ہدایت و سعادت اور دین و دنیا کی فلاح پا سکتا ہے نجات و کامیابی انسان کے درست عقیدہ اور صحیح عمل پر موقوف ہے ایسا انسان جو عقائد و نظریات اور عمل کی گمراہیوں میں پڑا ہوا ہے اس کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ آخرت میں بھی اپنی کامیابی کے دعوے کرے جیسا کہ مشرکین مکہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے تو ایسے عقل و فہم کے دشمنوں سے کہہ دیا جائے کیا انسان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کی وہ تمنا کرے کوئی بھی صاحب عقل اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ یقیناً کامیابی عقائد کی درستگی اور اعمالِ صالحہ پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا دین ہے پس اللہ ہی کے لیے ہے آخرت اور اس کی کامیابی اور اس سے قبل والی پہلی زندگی یعنی عالم دُنیا اور اس کی سعادت و کامیابی کا نہ آرزوؤں اور تمناؤں سے کچھ ملتا ہے اور نہ اس قسم کے من گھڑت خیالات سے کہ یہ ہمارے بت ہمارے کام آئیں گے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ سوائے ہلاکت اور خسران کے کچھ حاصل نہ ہوگا لات و عزیٰ اور مناۃ یہ مشرکین مکہ کے معبود تھے۔ عام اہل عرب میں سب سے زیادہ معظم اور بڑا معبود لات سمجھا جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد عزیٰ اور تیسرے درجہ کا معبود مناۃ سمجھا جاتا تھا۔ لات یہ ایک بت منقش قسم کی سفید چٹان پر طائف میں بنا رکھا تھا اور اس کے اِرد گرد ایک بت خانہ کے طور پر گھر سا بنا رکھا تھا اور یہ لوگ اس کی خوبصورتی اور زیب و زینت (جو خود ان کی اپنی ہاتھوں سے بنائی ہوئی تھی) کے باعث دیگر قبائل عرب پر فخر کیا کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے یہ بت جاہلیت کے زمانہ کے ایک شخص کی طرف منسوب تھا جو حج کے موسم میں حاجیوں کے واسطے ستو گھولا کرتا تھا۔ اوس اور خزرج کے لوگ اس کی زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے مگر قریش اور بنو کنانہ عزیٰ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے جو کہ مکہ کے قریب ایک نخلستان میں تھا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یوم احد میں اسی کا نعرہ لگایا تھا۔ لَنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم جس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کہہ دو ((اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ)) تیسرا معبود مناۃ یہ مقام مشلل میں تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے دور جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ' اوس اور خزرج اس کی تعظیم کرتے تھے اور حج کے زمانہ میں یہاں سے احرام باندھ کر حج کا تلبیہ کہتے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوا کرتے تھے معجم البلدان میں ذکر کیا ہے کہ مشرکین عرب بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان بتوں کا نام پکارا کرتے تھے اور یہی الفاظ کہا کرتے تھے: اَللّٰاتَ وَالْعُزّٰى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى اور ان الفاظ کے ساتھ مزید یہ کہا کرتے هٰؤُلاءِ الغرانيقُ العُلٰى وانَّ شفاعتهن لترتجٰى بعض کتب تفسیر میں اس موقعہ پر ایک قصہ نقل کیا ہے کہ سورۂ والنجم کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ تلاوت کی تو کسی جِنّی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں اپنی آواز ملا کر یہ کہہ دیا تِلك الغرانيق العُلٰى وإنّ شفاعتَهنّ لترتجٰى اور اس پر سب مشرکین سجدہ میں گر گئے۔ یہ واقعہ اصولِ حدیث اور اصولِ دین کے لحاظ سے کسی طرح صحیح نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ جس پیغمبر کا ہر لفظ اور اس کا ہر نطق وحی الٰہی ہے اور اللہ نے اس کو نمونہ ہدایت بنا کر ہر خطا و گمراہی سے محفوظ کر دیا اس کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات میں کوئی شیطان اپنی آواز ملا کر کلمات شرک جاری کر دے اور سننے والے یہ گمان کریں کہ یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بولے ہیں بہر کیف یہ واقعہ از روئے اسناد اور بحیثیت اصول دین نا قابل اعتبار ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ ایک حدیث میں ہے: ((مَنْ رانى فِي المنام فقد رانى فان الشيطان لايتمثل بى)) کہ جس کسی شخص مؤمن نے مجھے خواب میں دیکھا تو بے شک اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میرا ہم شکل بن کر خواب میں کسی کے سامنے آ سکے تو جب بحالتِ نوم (خواب) میں کسی مسلمان کے سامنے شیطان متمثل نہیں ہو سکتا تو یہ کیونکہ ممکن ہے کہ بحالت

بیداری خود پیغمبر کے سامنے وہ اپنی آواز (صوت) پیغمبر کی آواز سے ملتبس کردے تو صورت کے التباس پر جس طرح اس کو قدرت نہیں دی گئی تو اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ صوت کے التباس پر قدرت نہ ہوگی۔

البتہ اتنا بے شک ثابت ہے صحیحین کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی اور اس مجمع میں مسلمان و مشرکین موجود تھے تو ہر ایک خواہ مسلمان ہو یا مشرک سجدہ میں گر پڑا سوائے قریش کے ایک بوڑھے کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی بھر مٹی لے کر اپنی پیشانی سے لگالی اور کہا کہ بس مجھے یہی کافی ہے اور یہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا جس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرأیتہٗ بعد قتل کافِرًا۔ چنانچہ یہ بوڑھا غزوۂ بدر میں قتل کیا گیا۔ تو یہ بات تو احادیث سے ثابت ہوئی اور اس قصہ میں مشرکین کے سجدہ کا منشا یا تو یہ ہوگا کہ انہوں نے جب آیت قرآنیہ میں اپنے بتوں کے نام سنے تو سجدہ میں گر پڑے قطع نظر اس کے کہ آئندہ کیا مضمون آرہا ہے یا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی تحقیق کی رو سے یہ وجہ ہو کہ اس وقت اس مجلس میں غیبی تجلیات کا نزول ہوا ہو تو مسلمانوں کا سجدہ تو ایمان و طاعت کا سجدہ تھا۔ لیکن مشرکین کا سجدہ ایک طرح کی مبہوتی اور بدحواسی کے عالم میں ہوا اگرچہ مشرکین کا یہ سجدہ صرف ظاہری تھا لیکن کیا تعجب ہے کہ اس ظاہری سجدہ کی برکت سے ان کو بعد میں ایمان لانے کی توفیق ہوگئی ہو برخلاف اس خبیث بوڑھے کے جو ظاہری سجود سے محروم رہا تو اس کو کبھی بھی سجدہ نصیب نہ ہوا اور بحالت کفر قتل کر دیا گیا تو اس توجیہ کے پیش نظر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظ فقد رأیتہٗ بعد قتل کافِرًا کی وجہ اور حکمت بھی کچھ ظاہر ہو رہی ہے کہ اسی کو خاص طور پر کفر کی حالت میں مقتول ہونے کو بیان کرنا اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں توفیق ایمان کی گنجائش ظاہر کرتا ہے۔

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ

اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کام نہیں آتی ان کی سفارش کچھ مگر جب

بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

حکم دے اللہ جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے جو لوگ یقین نہیں رکھتے

بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

پچھلے گھر کا' وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کو نام زنانہ اور ان کو اس کی کچھ

عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

خبر نہیں نری اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل کام نہ آوے ٹھیک

شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ

بات میں کچھ سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر جینا

الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

دُنیا کا یہاں ہی تک پہنچی ان کی سمجھ تیرا رب ہی بہتر جانے جو بہکا

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانے جو آیا راہ پر اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اور زمین میں تا وہ بدلہ دیوے بڑائی والوں کو ان کے کیے کا اور بدلہ دے

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ ۚ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ

بھلائی والوں کو بھلائی جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے

اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ

مگر کچھ آلودگی بے شک تیرے رب کی بخشش میں سمائی ہے وہ تم کو خوب جانتا ہے جب نکالا تم کو

مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا

زمین سے اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں سو مت بولو ستھرائیاں

اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ ع ۲ ۲ ۶ ۷

اپنی وہ بہتر جانے اسے جو بچ چلا۔

## عظمت شان رب العالمین روز محشر و شناعت عقائد مشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ ... الٰى ... هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیت میں مشرکین کے معبودوں کا ذکر تھا اور یہ کہ ان معبودوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں بجز اس کے کہ یہ محض نام ہیں جو ان کی عبادت اور پرستش کرنے والوں نے گھڑ لیے ہیں چہ جائیکہ ان میں کوئی قدرت و طاقت ہو اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور اس کی کبریائی کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی بارگاہ میں کسی کی مجال نہیں کہ کوئی کسی کی سفارش کر سکے اس لیے ان مشرکین کو اپنے دماغوں سے یہ خیال نکال دینا چاہیے کہ یہ معبود قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے۔ ارشاد فرمایا:

اور کس قدر فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی حالانکہ وہ اللہ کے فرشتے ہیں اور آسمانوں میں رہتے ہیں مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے سفارش کرنے کی اور اس کے لیے پسند کر لے اول تو فرشتے یا کوئی بھی ہو بلا اجازت کے شفاعت نہیں کر سکتے اور اگر سب مل کر کریں بھی تو نافع نہیں جس کو اجازت ملے گی وہی کر سکے گا اور جس کے واسطے پسند کیا جائے گا اسی کے واسطے ہو سکے گی اس وجہ سے کسی کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ فلاں فلاں میرے سفارشی ہوں گے بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہی ہیں جو فرشتوں کو لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں کوئی بھی صحیح العقل انسان یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ فرشتے جو اللہ کی مخلوق نوری ہیں وہ لڑکیاں ہیں اور پھر غضب یہ کہ ان کو خدا کی بیٹیاں تجویز کرنا حالانکہ ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں یہ لوگ محض بے بنیاد اور بے اصل خیالات اور صرف اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں اور بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ اور ثابتہ کے مقابلہ میں اٹکل اور اوہام فاسدہ ذرہ برابر بھی کارآمد نہیں ہو سکتے۔ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور ان کے نام بھی عورتوں اور لڑکیوں کے رکھتے ہیں یہ انتہائی عقل اور فطرت سے بعید بات ہے اور حق تعالیٰ کے مقابلہ میں بڑی ہی بے باکی ہے بس آپ ﷺ ایسے شخص سے بے رخی کر لیجیے اور اس سے منہ موڑ لیجیے ایسا شخص قابل التفات ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی باتوں پر کوئی اثر لیا جائے ہماری یہی نصیحت ہے کہ پس آپ ایسے شخص سے اعراض و بے رخی اختیار کر لیجیے جس نے ہماری نصیحت سے روگردانی کر لی اور اس کا کوئی مقصد نہیں سوائے دنیوی زندگی کے اور ظاہر ہے کہ جس کا مقصد حیات صرف دُنیوی زندگی ہو وہ نہایت ہی ناعاقبت اندیش اور کم فہم ہے لیکن بس ان لوگوں کا یہی مبلغ علم اور منتہائے فکر ہے اس سے آگے ان کے فہم و عقل کی پرواز نہیں بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو راہ سے بھٹک گیا اور وہی اس سے بھی خوب واقف ہے جس نے صحیح راہ پائی اس لیے آپ ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ ہمارے ذکر یعنی قرآن یا ایمان یا ذکر الٰہی سے جو بھی غافل ہے اور اس سے اعراض و بے رخی کر رہا ہے آپ ﷺ اس سے اپنا رخ موڑ لیجیے کیونکہ ذکر الٰہی اور ایمان یا قرآن سے بے رخی دنیا کی محبت کے باعث ہے ایسے لوگوں کو کچھ تو سمجھنا چاہیے کہ جو اصل کائنات کا مالک ہے اس کو چھوڑ کر اس کی پیدا کردہ چیز سے اس کو کیا مل جائے گا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ہر چیز اس کے قبضہ اور اختیار میں ہے اللہ ہی نے یہ سارا کارخانہ عالم قائم کیا ہے اور اپنا پیغمبر بھیجا۔ کتاب نازل کی یہ سب کچھ اس مقصد کی خاطر کہ انجام کار وہ بدلہ دے ان لوگوں کو جنہوں نے برے کام کیے ان کی برائیوں کا اور بدلہ دے نیکی کا ان لوگوں کو جنہوں نے نیکی کے کام کیے اور عمل کی مجازات عقل اور فطرت کا قانون ہے اچھا صلہ اور انعام ان لوگوں کے لیے ہوگا جو محسنین و نیکوکار ہیں جو پرہیز کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے مگر معمولی لغزش اور چھوٹے چھوٹے گناہ جو اتفاقاً بھول چوک سے واقع ہو جائیں بے شک آپ ﷺ کا پروردگار مغفرت و بخشش کے لحاظ سے بہت ہی وسیع ہے اس کی وسعت مغفرت کے سامنے گناہوں کی اور خطاؤں کی کوئی حقیقت نہیں وہ تم کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب کہ اس نے تم کو اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین اور بصورت حمل تھے اور وہ تمہارے عمل ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے لہٰذا تم اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو اور اپنی تقویٰ و طہارت کے دعوے مت کیا کرو وہی پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون تقویٰ والا ہے۔ ❁ الغرض جب یہ حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی پیدائش سے

---

❁ حسن بصری سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے: ((عَلِمَ اللّٰہ مِنْ کُلِّ نَفْسٍ مَاھِیَ صَانِعَۃٌ وَاِلٰی مَاھِیَ صَائِرَۃٌ فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تُطَھِّرُوْھَا مِنَ الْاٰثَامِ وَلَا تَمْدَحُوْھَا بِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ)). یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر شخص کو جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والا ہے اور اس کے لیے کیا ہونے والا ہے۔ لہٰذا تم اپنے آپ =

پہلے ہی جانتا ہے اور اس کے علم سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں تو یقیناً ہدایت و گمراہی کا عمل بھی اس کے سامنے مخفی نہیں رہ سکتا اور جب آسمان و زمین سب کچھ اس کا ہے تو بلاشبہ اسی کے در سے سب کچھ مل سکتا ہے دُنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر اس کو چھوڑنا بڑی ہی بدعقلی اور بدنصیبی ہے اور جب وہ ساری کائنات کا مالک ہے تو یقیناً نیکی اور بدی کا بدلہ بھی دے گا۔

## قانون مجازات اور اعمال سیہ کی تفصیل

آیت مبارکہ ﴿اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ﴾ بیان اور صفت ہے ﴿اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا﴾ نیکوکار لوگ کون ہوتے ہیں ان کا وصف ان کلمات میں بیان کیا گیا ہے کہ جو کبائر و فواحش سے پرہیز کرنے والے ہیں ان کو خدا کے نزدیک نیکوکار شمار کیا جاسکتا ہے۔ انسان کے تقویٰ اور محسن ہونے کے مضمون سے یا اجتناب کے مضمون سے ''اللَّمَمْ'' کا استثناء فرما دیا جس سے مراد خطا اور نسیان سے چھوٹے گناہوں کا سرزد ہو جانا ہے بعض مرتبہ لاپرواہی اور عدم توجہ بھی کسی معصیت کے صدور کا باعث ہو جاتی ہے محقرات اعمال اور صغائر کو ''لمم'' کا مصداق بالعموم مفسرین فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا میں لَمَمْ کے متعلق اس سے قریب تر چیز کوئی چیز نہیں سمجھتا جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث میں ذکر فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے حصہ میں زنا کا ایک حصہ رکھ دیا ہے جس کو بہرحال پاتا ہے آنکھ کا زنا نامحرم کو دیکھنا' زبان کا فحش باتوں کا کرنا ہے اور انسان کا نفس شوق اور آرزو کرتا ہے لیکن فرج اس کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس قسم کے گناہ جو نظر' فحش کلامی' بے حیائی کی بات سننا' خیالات بے ہودہ کی طرف توجہ کرنا' صغائر اور لمم ہیں اسی بناء پر بعض متکلمین کی رائے ہے کہ گناہوں کے جو مقاصد میں ان کو کبائر کہا جائے گا اور جو مبادی ہیں وہ صغائر ہیں۔

جیسا کہ آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ﴾ (النساء:۳۱) میں ظاہر فرمایا گیا بعض مفسرین ائمہ نے یہ نقل کیا کہ اتفاقی طور پر کسی گناہ کا سرزد ہو جانا لمم ہے عطاء رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں بعض متکلمین کی رائے یہ ہے کہ جس گناہ پر انسان تائب ہو گیا وہ لمم ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن جریر، مجاہد رحمۃ اللہ علیہما سے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ قانون مغفرت میں سورۂ نساء کی اس آیت مبارکہ کو اصولیین نے بنیاد سمجھا ہے ﴿وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۫ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ...الخ﴾ (آل عمران:۱۳۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جو فواحش اور ظلم کی حد میں شمار کیے جائیں اور ان کی مغفرت کا قانون یہ ہے کہ انسان نادم و شرمندہ

---

= کو پاکباز نہ سمجھ بیٹھو اور نہ اپنے تقویٰ و طہارت کا دعویٰ کرو اور نہ اپنے نیک اعمال کی تعریفیں کیا کرو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ یہ شخص غرور اور دھوکہ میں نہ پڑ جائے فرمایا: ((ویلك قطعت عنق اخیك)) افسوس تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ ڈالی بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کی نیکی کی تعریف ہی کرنا چاہتا ہے تو بس یہ کہہ دے کہ فلاں شخص کو میں ایسا گمان کرتا ہوں اور اصل تو خدا ہی خوب جاننے والا ہے میں خدا کے مقابلہ میں کسی کی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ہوکر معافی مانگے اور ندامت وشرمندگی یہ ہے کہ آئندہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے۔

کبائر کی معافی توبہ پر موقوف ہے اور صغائر جن کو سیئات کہا جاتا ہے ان کی معافی حسنات کے ذریعہ فرمائی گئی ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (ھود: ۱۱۵) علماء متکلمین کے یہاں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ سیئات کی معافی آیا بذریعہ حسنات اجتناب عن الکبائر کی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا مطلقاً نیکیاں انسان کے صغائر کو معاف کردیتی ہیں دونوں قول منقول ہیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ معمولی گناہ بمنزلہ امراض ہیں اور طاعات وعبادات بمنزلہ علاج اور دوا ہیں اور اجتناب عن الکبائر بمنزلہ پرہیز کے ہے دوا اور علاج کی تاثیر پرہیز کے ساتھ پوری طرح باقی رہتی ہے اور بد پرہیزی کی صورت میں دوا کی تاثیر یا ختم ہوجاتی ہے یا ضعیف ہوجاتی ہے۔ (تفصیل کے لیے مراجعت فرمائیں احیاء العلوم)

| |
|---|
| اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ |
| بھلا تونے دیکھا وہ جس نے منہ پھیرا اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا کیا اس کے پاس خبر ہے |
| الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ |
| غیب کی سو وہ دیکھتا ہے کیا اس کو خبر نہیں پہنچی جو ہے ورقوں میں موسیٰ کے اور ابراہیم کے |
| الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ |
| جس نے پورا اتارا کہ اٹھاتا نہیں اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے |
| اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ |
| جو کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھانی ہے پھر اس کو بدلہ دینا ہے اس کا |
| الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ |
| پورا بدلہ اور یہ کہ تیرے رب تک پہنچنا اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رلاتا |
| وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ |
| اور یہ کہ وہی ہے مارتا اور جلاتا اور یہ کہ اس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ |
| مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ |
| ایک بوند سے جب ٹپکائے اور یہ کہ اس پر لازم ہے دوسرا اٹھانا اور یہ کہ اس نے |

اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ۙ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۙ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا

دولت دی اور پونجی اور یہ کہ وہی ہے رب شعریٰ کا اور یہ کہ اس نے کھپا دیئے عاد

نِ الْاُوْلٰى ۙ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ۙ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ

اگلے اور ثمود پھر باقی نہ چھوڑا اور نوح کی قوم اس سے پہلے وہ تو

كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ؕ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۙ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا

تھے اور بھی ظالم اور شریر اور الٹی بستی کو پٹکا پھر اس پر چھایا جو

غَشّٰى ۚ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾

چھایا اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاوے گا یہ ایک ڈر سنانے والا ہے پہلے سنانے والوں میں کا

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۚ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ؕ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ

آ پہنچی آنے والی کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوا کھول دکھانے والا کیا تم

هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۙ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ۙ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ

اس بات سے اچنبھا کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم

سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ۩ ﴿۶۲﴾ ع ۳ ۳۰ ۷

کھلاڑیاں کرتے ہو سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی۔

## خصائص اوصاف سعادت وشقاوت وقانون جزاء اعمال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۙ﴿۳۳﴾ ... الٰى ... فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ۩ ﴿۶۲﴾ ﴾

**ربط** : گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کے عظمت وجلال کا بیان تھا اور اس ضمن میں خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں کا ذکر تھا تو اب بعض ایسے شقی اور بدبخت انسانوں کا ذکر ہے کہ ان کی شقاوت دُنیا کے واسطے سامان عبرت ہے اور اسی کے ساتھ اعمال کی جزاء وسزا کا معیار بیان فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ انسانی کوشش بہرحال اپنے ثمرات ظاہر کر کے رہتی ہے تو ارشاد فرمایا:

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے دین حق سے روگردانی کی اور تھوڑا سا دیا اور پھر سخت دل ہو گیا [1] اور جو کچھ دے

[1] اکدیٰ ۔ کَدَیْتُہٗ سے ماخوذ ہے پتھر کی سخت چٹان کو کہتے ہیں۔ محاورات میں ہے اکدیٰ حافر البئر یعنی کنواں کھودنے والے نے زمین کی سختی یا =

رہا تھا وہ بند کر دیا جیسے کہ بعض مفسرین کے بیان کے مطابق ولید بن مغیرہ جو کچھ تھوڑا بہت اسلام کی طرف مائل ہونے لگا تھا مشرکین نے اس کو ملامت کی کہ تو یہ کیا کر رہا ہے اس نے کہا کہ اگر قیامت آ گئی جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو پھر وہاں کا عذاب کس طرح برداشت کروں گا اس سے ڈر لگتا ہے اس پر ایک متعصب قسم کے مشرک (جس کا نام عاتیہ تھا) نے کہا کہ اگر وہاں عذاب کی نوبت آئی تو میں اس کا ضامن ہوں اور وہ عذاب تیرے بجائے میں اٹھالوں گا بشرطیکہ تو مجھے اتنا اتنا مال دے دے ولید نے اس کی بات مان لی اور جو کچھ میلان ہوا تھا پھر اس سے روگردانی کر لی اور کچھ مال دیا مگر بعد میں مال دینا بند کر دیا۔ یا سخت دل ہو گیا کہ مشرکین مکہ کے کہنے سننے سے دل میں اسلام لانے کے لیے جو نرمی پیدا ہوئی تھی وہ پھر بدستور کفر کی شقاوت اور قساوت میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا تھا پھر سخت ہو گیا اس کا دل۔ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ قیامت آنے پر جب عذاب ہو گا تو کوئی دوسرا شخص وہ عذاب میرے بجائے اٹھالے گا اور مجھ کو اس سے سبکدوش کر دے گا کیا اس کو خبر نہیں پہنچی ان باتوں کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے اور نیز اس خلیل ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں جس نے اللہ کے ہر حکم کو پورا کیا تورات اور تورات کے علاوہ دیئے گئے موسیٰ علیہ السلام کو کچھ صحیفے اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں جو مضامین مذکور ہیں ان کی خبر ولید کو نہیں پہنچی حالانکہ وہ قرآن اور نبی کریم ﷺ سے پہلے نازل ہو چکے ہیں اور ان کی باتیں لوگوں میں معروف ہیں اور خدا کے سارے پیغمبر بنیادی باتوں توحید، آخرت، جنت و جہنم، جزاء و سزا جیسے امور میں متفق ہیں تو ان سب صحیفوں میں یہ بات کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے گنہگار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا تو جب یہ بات ان اولوالعزم پیغمبروں کے صحیفوں میں موجود ہے پھر اس قسم کا معاملہ اس نے کیوں کر لیا اور ان صحیفوں میں تو یہ بھی ہے کہ ہر انسان کے واسطے وہی ہے جو اس نے سعی کی اور کمایا اور یہ کہ عنقریب اس کی سعی و کوشش دیکھی جائے گی اور کسی کی جدوجہد اور عملی کوشش ضائع نہیں ہوتی خواہ خیر ہو یا شر پھر اس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا بہرکیف انسانی کوشش کا ثمرہ اور نتیجہ مل کر ہی رہتا ہے یہ نہیں کہ وہ نہ ملے اور ثمرات اعمال اس پر مرتب نہ ہوں۔

فلاسفہ اور معتزلہ نے ﴿اِلَّا مَا سَعٰی﴾ کا قصر انسان کے استحقاق کے لیے سمجھا حالانکہ مدلول آیت سعی کا حصول ﴿لِلْاِنْسَانِ﴾ ہے یعنی سعی انسانی کا قصر فی الحصول ہے کہ سعی حاصل ہو کر ہی رہتی ہے یہ مراد نہیں کہ انسان کو بس اس کی سعی کا ہی صلہ ملتا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آ رہی ہے۔

اور ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے پروردگار ہی کی طرف ہر چیز کا پہنچنا ہے وہی ذات ہر شے کا منتہیٰ ہے اسی تک ہر ایک آواز پہنچتی ہے۔ اسی کی طرف ہر ایک کی حاجتیں پہنچتی ہیں اسی کی طرف ہر ایک عمل پہنچتا ہے اور اسی کی طرف ہر مخلوق کو لوٹ کر جانا ہے۔ وہی مبداء کائنات ہے اور وہی منتہیٰ بھی ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے کیونکہ ہر غم اور خوشی کا سامان اسی کے اختیار میں ہے اور اسی کے حکم سے انسان پر یہ احوال و واقعات پیش آتے ہیں لہٰذا درحقیقت ہنسانے اور رلانے والی ذات اللہ ہی کی ہے اس وجہ سے انسان کو چاہیے کہ ہر خوشی اور مسرت اللہ رب العزت سے مانگے اور ہر غم و رنج میں اپنے پروردگار ہی کو پکارے اور یہ کہ وہی موت دیتا ہے اور وہی حیات و زندگی دیتا ہے اور موت و حیات کا وہی خالق اور مالک ہے اور اسی نے جوڑا پیدا کیا دونوں قسموں نر و مادہ کا نطفہ کے

---

= پتھر آ جانے کی وجہ سے کھدائی بند کر دی۔

ایک قطرہ سے جب کہ وہ ڈالا جاتا ہے رحم میں جب حق تعالیٰ کی شان خالقیت کا یہ مشاہدہ تمام عالم میں ہے کہ اس نے جوڑے پیدا کیے انسانوں اور حیوانوں میں مذکر و مؤنث اور نر و مادہ اور دُنیا کی ہر چیز میں خیر و شر، نفع و نقصان، بلندی و پستی اور نور و ظلمت تو جس ذات اعلیٰ و اجل کی خالقیت اور قدرت کے یہ سارے کرشمے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اس ذات کے لیے کیا مشکل ہے کہ قیامت میں دوبارہ انسان کو پیدا کر دے اس لیے ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ اور اس پر ضروری ہے دوبارہ پیدا کرنا کیونکہ اس نے اس بات کا وعدہ کر لیا ہے اور جب اس کے حکم کے خلاف ایک پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر اللہ کسی پر عذاب نازل فرمائے تو کوئی اس کو بچا کر وہ عذاب خود برداشت کر لے اور یہ کہ وہی ہے جس نے اپنے بندوں کی حاجتوں کو پورا کیا اور رزق دے کر کسی کا محتاج نہیں رکھا اور اسی نے کسی کو مالدار بنایا زمینیں جائیداد، مویشی اور خزائن اموال دے کر الغرض کسی کو بقدر ضرورت دیا اور کسی کو اپنی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ نوازا اور ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ وہ پروردگار ہے شعریٰ ستارہ کا بھی جس کی یہ اہل عرب اور مشرکین پرستش کرتے ہیں افسوس کہ ایک مخلوق کی تو پرستش کرنے لگے لیکن اس کے خالق کو نہ پہچانا [1] اور یہ کہ اس نے عاد اولیٰ یعنی عادِ قدیم کو ہلاک کر ڈالا اور ثمود کی قوم کو بھی سو ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا اور قوم نوح کو بھی جو ان سے پہلی تھی بے شک یہ سب بڑے ہی ظالم اور سرکش تھے اور لوط کی اُلٹی ہوئی بستیاں بھی جن کو اسی پروردگار نے اکھاڑ پھینکا پھر ان بستیوں کو ڈھانک لیا جس کسی بھی ہیبت ناک چیز نے ڈھانک لیا تھا جس کی ہیبت و عظمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا یہ سابقہ قومیں کیسی طاقتور قومیں تھیں اسباب اور وسائل کی کوئی کمی نہ تھی مکانات اور محفوظ پتھروں کے تراشے ہوئے قلعے تھے لیکن ان قوموں کی مادی طاقت اور وسائل کی کثرت ان کو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی۔ ظالموں اور سرکشوں کی تباہی خداوندِ عالم کا ایک عظیم انعام ہے تو اے مخاطب تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت میں شک کرتا رہے گا اور ان واقعات کو سن کر بھی ایمان نہیں لائے گا ان عبرت ناک واقعات کو سن کر تو چاہیے کہ ولید اور اس کے ساتھی اور قریش مکہ ایمان لے آئیں تو اہل مکہ سن لو یہ محمد ﷺ بھی ڈرانے والے ہیں۔ عذابِ خداوندی سے پہلے ڈرانے والوں کی طرح امم سابقہ کو وہ انبیاء علیہم السلام ڈراتے رہے اسی طرح یہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ بھی ہیں ان پر ایمان لانے میں کسی طرح تأمل نہ کرنا چاہیے اب تاخیر کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ پاک کے آخری نبی ہیں اور قریب آ چکی ہے قریب آنے والی چیز یعنی قیامت جس کو کوئی اٹھانے والا نہیں اللہ کے سوا یعنی قیامت کے آ چکنے کے بعد کسی کی یہ طاقت نہیں کہ اس کو ٹلا سکے قیامت تو کیا درخت سے گرنے والے پتہ کو بھی کسی کی مجال نہیں کہ گرنے سے روک دے پھر بھی کیا تم اس بات اور قیامت کے آنے پر تعجب کر رہے ہو اور اس کو اچنبھا سمجھ رہے ہو اور تم ہنستے ہو اور ان باتوں کو پیغمبر کی زبان سے جب سنتے ہو تو مذاق اڑانے لگتے ہو اور تم روتے نہیں حالانکہ خدا کے عذاب اور امم سابقہ کی ہلاکت و تباہی کے واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے تو تمہیں اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیے اور اپنی بدنصیبی پر رونا چاہیے اور تم اسی طرح غافل و متکبر بنے ہوئے ہو قرآن اور اللہ کے پیغامات نہ ہنسی کھیل کی چیز ہیں نہ ہی ان سے غفلت و اعراض بے رخی اور تکبر کرنا چاہیے یہ حرکات تباہی اور بربادی کا باعث ہیں بس اب تو اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاؤ اور اسی کی عبادت کرو۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس حکم خداوندی کی تعمیل میں فوراً سربسجود ہو گئے اور اس مجلس میں جتنے مسلمان تھے وہ بھی سجدہ میں گر پڑے اور اس مجلس میں کچھ انوار و تجلیات کا نزول ہوا کہ جو یہاں موجود مشرکین تھے وہ بھی مبہوت ہو کر

---

[1] حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''شعریٰ'' ایک بہت بڑا تارا ہے اس کو بعضے عرب پوجا کرتے تھے ۱۲۔

بدحواسی کے عالم میں سجدہ میں گر پڑے البتہ ایک بوڑھا امیہ بن خلف جو شرک وکفر میں ایک مضبوط چٹان کی طرح تھا اس کو بظاہر یہ غاشیۂ غیبیہ اور انوار وتجلیات متأثر نہ کر سکے اور وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا اور ایک مٹھی پر مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگالی اور کہنے لگا کہ بس مجھے تو یہ کافی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ یہی وہ واقعہ تھا سورۂ النجم کی تلاوت پر سجدہ کرنے کا جس کو صحیحین میں بیان کیا کہ ((سَجَدَ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ و سجد من مَعَهٗ مِنَ المسلمین وَالمشرکین ... الخ)) یعنی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے سجدہ کیا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ اس وقت وہاں جو بھی مسلمان تھے اور مشرک سب سر بسجود ہو گئے عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں قرآن کریم میں یہ سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی۔

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو صلوٰۃ الکسوف یعنی سورج گرہن کی نماز میں جنت وجہنم کے مناظر پیش کیے گئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! خداوندِ عالم بڑا ہی غیور ہے اور اسی وجہ سے اس نے فواحش اور بے حیائیوں کو حرام فرمایا ہے مراد یہ تھی کہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے شخص کو اس بات سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ وہ خداوندِ عالم کی غیرت کو پامال کر کے خدا کے قہر وغضب کو دعوت دے رہا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے انجام سے بے فکر نہ ہونا چاہیے۔

اور ایک حدیث میں ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر تم وہ بات جان لو جو مجھے معلوم ہے تو تم لوگ ہنسنا بھول جاؤ گے اور کثرت سے رویا کرو گے اور حتیٰ کہ تمہیں اپنے بستروں پر چین نہ آئے گا اور تم جنگلوں میں نکل جاؤ گے الغرض دین اور دین کی باتوں پر مذاق وتمسخر انتہائی بدنصیبی ہے اگر حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا ادنیٰ درجہ میں بھی کسی کو اندازہ ہو جائے تو پھر اس کی تو یہ کیفیت ہو جائے گی کہ زندگی کے ہر عیش وراحت ہی کو بھول جائے گا۔

ان آیات کی تفسیر اس شان نزول سے قطع نظر کرتے ہوئے عمومی طور سے یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اس موقعہ پر حق تعالیٰ شانہٗ نے ہر اس شخص کی مذمت فرمائی جو ابتداء میں دین کی طرف راغب ہوا مانوس ہوا اور کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے مگر پھر دل سخت ہو گیا اس کو چھوڑ بیٹھے اور بخل کرنے لگے تو اس کے حق میں فرمایا گیا کہ بھلا ایسا شخص بھی آپ نے دیکھا ہے کہ جو پہلے بے رخی اور روگردانی کرتا ہو پھر وہ کچھ نرم دل ہو کر تھوڑا بہت اللہ کے لیے خرچ کرے مگر پھر سخت دل ہو جائے اور اس سلسلہ کو بند کر دے تو کیا اس کو غیب کی خبر ہو گئی ہے کہ اگر زائد خرچ کروں گا تو میں مفلس ہو جاؤں گا اور میری پاس کچھ باقی نہ بچے گا تو کیا وہ قضاء وقدر کے معاملات دیکھ رہا ہے اور اسے نظر آ گیا ہے کہ بس اس کے بعد اس کو کچھ نہ ملے گا پھر اس تخیل کے بعد حقوق اللہ بھی ضائع کر رہا ہے اور حقوق العباد میں بخل کر کے ظلم اور معصیت کا مرتکب ہو رہا ہے کیا اس کو کتب سماویہ اور ان اولوالعزم پیغمبروں کے صحیفوں سے یہ بات معلوم نہیں کہ ہر انسان کو اپنے گناہوں کا قیامت کے روز بوجھ اٹھانا ہے اس غلط خیال میں نہ رہنا چاہیے کہ وہاں کی پیش آنے والی مشقتیں اور مصیبتیں کوئی دوسرا برداشت کرے گا پھر اسی مناسبت کے ساتھ اخیر سورت تک سلسلہ تنبیہ وتہدید کا فرمایا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

## قرآنی فیصلہ کہ ہر جدوجہد بارآور ہوتی ہے اور مسئلۂ ایصالِ ثواب

آیاتِ مبارکہ ﴿اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ کی مراد سیاق وسباق سے متعین ہے کہ انسان کی جو بھی سعی اور کوشش ہے اس کا ثمرہ اور نتیجہ اس پر ضرور مرتب ہوا کرتا ہے اللہ رب العزت نے جس طرح دنیوی نظام میں یہ چیز مقدر فرما دی ہے کہ انسان کی

جدوجہد بہرکیف بارآور ہوتی ہے آخرت میں بھی یہی حال انسانوں کے اعمال وافعال کا ہے اس آیت کے ظاہر الفاظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فلاسفہ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں جب یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لیے صرف اسی کی سعی ہے اور وہ اسی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ مردوں کو زندوں کی طرف سے ایصالِ ثواب نہیں ہوسکتا زندوں کے اعمال عبادت اور تلاوت سے اموات کو کوئی نفع نہیں تو ایصالِ ثواب کے منکر ہوئے اہل سنت اور جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ زندہ کی طرف سے میت کے لیے ایصال ثواب صحیح اور درست ہے آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے درود وسلام اور مؤمنین سابقین کے حق میں دعائے مغفرت اپنے والدین اور اولاد کے لیے دعاء صلاح وفلاح یہ سب امور نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں انبیاء وصالحین علیہم السلام کی شفاعت بھی ثابت ہے اگر آیت ﴿ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ کا یہ مفہوم لیا جائے جس کے معتزلہ قائل ہیں تو یہ سب باتیں لغو اور بیکار ہوں گی۔

حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی تصریح کی ہے کہ زندہ کی دعا و استغفار صدقہ وخیرات اور تلاوت قرآن سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے اور حاملین عرش کا اہل ایمان کے لیے دعا کرنا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ امر صراحتاً ثابت ہے کہ مالی خیرات و صدقات اور بدنی خیرات مثل دعا، نماز، روزہ اور تلاوت قرآن سے اموات کو ثواب پہنچتا ہے اور ان چیزوں سے ان کو خوشی ہوتی ہے دوسروں کی طرف سے قربانی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ماں باپ کی طرف سے صدقہ اور وقف اور حج صحیحین کی روایات میں ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ایک قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا کرتے تھے۔

علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ شرح احیاء میں فرماتے ہیں کہ علماءِ اہلسنت ایصال ثواب پر متفق ہیں اور معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ اموات کو زندوں کی طرف سی کسی عمل صالح اور خیر کا ثواب نہیں پہنچتا۔

حضراتِ مفسرین نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں ایک تو وہی مراد جو پہلے ذکر کی گئی معتزلہ کے استدلال کا جواب ہے کسی نے جواب دیا لام تملیک کا ہے یعنی انسان اپنی ہی سعی کا مالک ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی سعی کا۔ ہاں اگر اپنی سعی اور عمل کسی اور کو ہدیہ اور ہبہ کردے تو بے شک دوسرا بھی اس سے منتفع ہوسکتا ہے جیسے کہ مال و دولت جس کا انسان مالک ہو تو دوسرے کو ہبہ کردینے سے دوسرا اس سے مستفید و منتفع ہوجاتا ہے۔

بعضوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے آباؤ اجداد کے عمل پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے کہ ان کی صلاح وتقویٰ سے میری نجات ہوجائے گی بلکہ اس کو چاہیے کہ خود بھی عمل کرے ورنہ اگر خود بھی عمل نہ کرے اور آباؤ اجداد پر اُمید لگائے بیٹھا رہے گا تو قرآن کریم نے اس زعم فاسد کا رد کردیا ہے اور فرمادیا ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (البقرہ:۱۴۱) یا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (یٰسین:۵۴)

قرآن کریم سے مردوں کے لیے دعا و استغفار ثابت ہے جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ﴾ (الحشر:۱۰)

نماز جنازہ بھی دعا ہی ہے اور اس طرح ایصالِ ثواب ہے بعض کا قول ہے کہ یہ آیت ایمان کے بارہ میں ہے کہ مؤمن کا ایمان اسی کے لیے نافع ہے یہ نہیں کہ کسی دوسرے کافر کو اس سے فائدہ پہنچ جائے۔

بعض حضرات کا حدیث ((اذا مَاتَ الاِنسان انقطع عَمَلُهٗ)). "کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔" سے استدلال کرنا درست نہیں اس لیے کہ حدیث کا مدلول تو اس کے مرنے کے بعد اس کے عمل کے انقطاع کو ظاہر کر رہا ہے نہ یہ کہ کسی مردے کو زندہ کی طرف سے کوئی ثواب نہیں پہنچ سکتا اور ظاہر ہے کہ ہر دو میں زمین و آسمان کا فرق ہے بہرکیف ان دلائل سے مسئلۂ ایصالِ ثواب ثابت ہے۔

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ النجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سُورۃُ القمر

اس سورت کا نام القمر ہے اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزاتِ عظیمہ میں سے ایک واضح اور روشن معجزہ ہے جس کو قرآن حکیم نے دلیل نبوت کے طور پر بیان کرنے کے ساتھ قیامت کی نشانی اور اس کے قریب آجانے کی علامت بتایا روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہم کو کوئی نشانی دکھایئے جس سے ہم سمجھیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور یہ بھی کہا کہ اگر آپؐ چاند کے دو ٹکڑے کردیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے ان کے اس وعدہ پر آپ ﷺ نے دُعا مانگی یہ چودھویں رات تھی دُعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرتِ عظیمہ سے چاند کے دو ٹکڑے کردیئے اور کفار قریش نے بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیا کہ اس کا نصف حصہ صفا پہاڑ پر تھا اور نصف جبل قعیقعان پر اور آپ ﷺ نے ان کو فرمایا۔ دیکھو لوا ے لوگو! نہ صرف یہ کہ اہل مکہ ہی نے اس کا مشاہدہ کیا بلکہ جو لوگ اطراف و جوانب سے آئے انہوں نے بھی یہی حال بتایا کہ ہم نے فلاں شب چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا اس عظیم الشان معجزہ کے بیان سے سورت کی ابتداء فرمائی گئی جو سید البشر ﷺ کی نبوت و رسالت کا واضح اور روشن ترین ثبوت تھا اس کے بعد ان لوگوں پر وعید و تنبیہ فرمائی گئی جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی اللہ پر ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوئے۔

پھر اختتام سورت پر اہل شقاوت کی محرومی اور ہلاکت کا بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان و تقویٰ کا ذکر فرمایا گیا جیسا کہ قرآن کریم کا طرز بیان ہوتا ہے کہ ترہیب کے مضامین کے بعد ترغیب کے مضامین لائے جائیں تو اس اسلوب عجیب کے مطابق ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾﴾ پر سورت ختم فرمائی گئی۔

آیاتھا ۵۵ | ۵۴ | سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۳۷ | رکوعاتھا ۳

سورۂ قمر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

پاس آ لگی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی ٹال دیں اور کہیں کہ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③

یہ جادو ہے چلا آتا اور جھٹلایا اور چلے اپنی چاؤ پر اور ہر کام ٹھہر رہا ہے وقت پر

وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَاۗءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۙ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ ۭ

اور پہنچ چکے ان کو احوال جتنے میں ڈانٹ ہوسکتی ہے پوری عقل کی بات ہے

فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۙ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ

پھر کام نہیں کرتے ڈر سناتے سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے جس دن پکارے پکارنے والا ایک ان دیکھی چیز

نُّكُرٍ ۙ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ

کو نویں آنکھیں نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹڈی

مُّنْتَشِرٌ ۙ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

بکھر پڑی دوڑتے جاویں پکار پر کہتے منکر یہ دن مشکل آیا۔

## اعلان قرب قیامت مع ذکر دلائل قدرت خداوندِ جلیل ورسالت نبی کریم ﷺ وتہدید وتنبیہ بر اعراض منکرین ومجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ... الٰى ... هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧﴾

**ربط:** گزشتہ سورت کا مضمون جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت کا اثبات اور اس کی عظمتِ شان ظاہر کرتا تھا۔ اب اس سورۃ قمر میں آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل قاطعہ اور براہین واضحہ بیان کیے جارہے ہیں اور ظاہر ہے کہ دلائل ومعجزات میں شق قمر کا واقعہ ایک طرف اللہ کی قدرت کی عظیم ترین نشانی ہے تو دوسری جانب رسول اللہ ﷺ کی رسالت ثابت کرنے کے لیے ایسی دلیل ہے جس کا کوئی صاحب عقل انسان انکار نہیں کرسکتا اور حتیٰ کہ وہ ایک تاریخی حقیقت بن گئی جس میں کسی طرح تردّد اور تامل کا امکان نہ رہا۔ تو ارشاد فرمایا:

قریب آگئی ہے قیامت اور دو ٹکڑے ہوگیا چاند جب کہ مقام منیٰ میں کفار مکہ نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہمیں کوئی نشانی دکھائیں اور اس چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ ﷺ کے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے چاند پھٹ گیا اور اس کے ٹکڑے ہوگئے ایک مغرب کی سمت نظر آرہا تھا اور دوسرا مشرق کی طرف ایسی عظیم الشان دلیل اور معجزہ ظاہر ہونے پر چاہیے تھا کہ فوراً ایمان لے آتے مگر حالت یہ ہوئی کہ اور اگر دیکھ لیں کوئی نشانی تو بے رخی کریں اور اس کو تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہ ہوں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے تو اسی طرح اس وقت بھی انہوں نے کہا کہ ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے کہ یہ چاند دو ٹکڑے ہو کر ہمیں نظر آیا اور جھٹلایا ان لوگوں نے خدا کے اس معجزہ کو اور پیغمبر کی نشانی کو اور پیروی کی اپنی خواہشات کی ان کا یہ جرم تو اس بات کا موجب تھا کہ اسی وقت عذابِ خداوندی سے ہلاک کر دیئے جاتے مگر ان کو مہلت دی گئی اور ہر کام اللہ کی طرف سے ایک وقت مقرر کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے اسی وقت عذاب وقہر کی کیا ضرورت تھی عبرت ونصیحت کے واسطے تو یہ بھی بہت کافی ہے اور بے شک ان کے پاس بہت سے واقعات واحوال آچکے ہیں جن میں بہت کچھ نصیحت وتنبیہ ہے یہ قرآن کریم یا اللہ کی وحی ہے ایک ایسی حکمت ودانائی کی بات ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی ہے اور ہدایت ومعرفت کی انتہا تک پہنچ جانے والی ہے تو پھر اس کے بعد کیا کام دیں گی ڈرانے والی چیزیں [1] ایسے سخت دل لوگ جن پر نہ کوئی نصیحت کام دے اور نہ تنبیہ وتہدید سے کوئی اثر ہو اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے تو بس آپ ﷺ روگردانی کر لیجیے ان سے۔ ایسے بدبختوں سے اب کیا توقع ہوسکتی ہے کہ وہ ہدایت قبول کریں گے بس انتظار کیجیے اس دن کا جس میں پکارنے والا پکارے گا ایک نہایت ہی ناگوار چیز کی طرف وہ میدان حشر میں حساب کے واسطے پکارا جانا ہوگا جو ہر کافر ومجرم کے واسطے شدید ناگوار چیز ہے حالت یہ ہوگی ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی قبروں سے نکلتے ہوں گے اس طرح کہ گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیوں کا غول ہیں دوڑتے ہوں گے اپنی گردنوں کو دراز کیے ہوئے پکارنے والے کی جانب یہ ایسا منظر ہوگا کہ ہر کافر کہتا ہوگا کہ یہ دن تو بہت سخت ہے ظاہر ہے کہ بارگاہِ خداوندی کی حاضری اور حساب کے لیے پیشی کافر کے لیے کوئی آسان کام نہیں یہ شدت اور ہیبت تو اس کے واسطے ہر آنے والے عذاب سے زیادہ شدید ہوگی۔ لیکن جس کسی کا حساب پاک وصاف ہو اس کو اعلان حساب اور پیشی کی کوئی فکر نہیں ہوتی اسی طرح اہل ایمان وتقویٰ بے فکر اور مطمئن ہوں گے اور بڑے ہی انبساط وخوشی سے میزان اعمال کی طرف جاتے ہوں گے حتیٰ کہ ان پر یوم الحساب کی پیشی کسی فرض نماز کی رکعت کے قیام سے زیادہ دشوار محسوس نہ ہوگی جب کہ کافروں اور مجرموں کے پسینے چھوٹ رہے ہوں گے اور ہر کوئی پسینہ میں غرق ہوگا کسی کے منہ تک اور کسی کے سینہ تک

---

[1] یہ ترجمہ ان مفسرین کی رائے کے مطابق ہے جنہوں نے اس جگہ لفظ ''ما'' کو استفہامیہ لیا ہے اور اگر ''ما'' نافیہ ہو تو پھر ترجمہ اس طرح ہوگا ''بس نہیں کام دیتیں ان کو ڈرانے والی چیزیں'' اور ایسے عبرت ناک واقعات سے ان کو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ۱۲

اور کسی کے گھٹنوں اور پاؤں تک پہنچا ہوگا۔ (کما ورد فی الاحادیث)

## مشاہدہ اور تواتر سے معجزۂ شق القمر کا ثبوت

معجزۂ شق القمر کا وقوع قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور علاوہ ازیں تاریخی نقول سے اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہے ظاہر ہے کہ جس چیز کا ثبوت کلام خداوندی، احادیث رسول ﷺ اور مشاہدہ سے ہو چکا ہو اس کا انکار یا اس کی تاویل خلاف عقل ہے اس پر بلا تردد ایمان لانا لازم ہے جس طرح قرآن کریم کی تصریحات کی وجہ سے جنت و جہنم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا اسی طرح قرآن کریم کی ہر بیان کردہ چیز پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا اگر قرآنی تصریحات اور قطعیات میں تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر نہ تو ایمان بالآخرۃ رہے گا اور نہ جنت و جہنم کی حقیقت کا کوئی مسئلہ باقی رہ سکتا ہے تو جس قرآن حکیم نے ہم کو قیامت جیسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی اور ہمارا اس پر ایمان ہے تو اسی قرآن نے ہمیں شق القمر کے واقعہ کی بھی خبر دی تو جب قیامت پر ایمان ہے تو پھر شق قمر جو قیامت سے زیادہ کوئی عجیب یا عظیم شے نہیں اس پر ایمان لانے میں کیا تامل کیا جاسکتا ہے امام طحاوی اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما نے اس واقعہ کے متعلق تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ دلائل قویہ سے ثابت ہے۔

فلاسفہ اور ملحدین نے شق القمر کو محال قرار دیتے ہوئے انکار کیا اور بعض لوگوں نے اس کی تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز پیش آنے والے شق قمر کا ذکر ہے کہ جب قیامت آئے گی اس وقت چاند پھٹ جائے گا۔

فلاسفہ اور ملحدین کا شق قمر کو محال قرار دینا خود خلاف عقل ہے یہ ایک محض دعویٰ ہے جس پر ان کے پاس کوئی ثبوت اور برہان قطعی نہیں اولاً تو یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ چاند ہو یا سورج اور کوئی ستارہ و سیارہ یہ سب اجسام ہیں اور دلیل عقلی سے یہ بات لازم ہے کہ ہر جسم کا اجزاء کی طرف منقسم ہونا اور پھر اس کے اجزاء کا مل جانا ممکن ہے اور اس میں کسی قسم کا استبعاد نہیں جس پروردگار نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان اجزاء کو جوڑ کر جسم مستنیر بنایا ہے وہ ان کو تقسیم کرنے اور ٹکڑے کرنے پر قادر ہے حکما کے نزدیک جسم متصل کا منفصل اور منفصل کا متصل ہونا ممکنات میں سے ہے اس دلیل سے جہاں شق قمر کا ثبوت مل رہا ہے اسی کے ساتھ وقوف شمس اور رد شمس کا معجزہ بھی ثابت ہوتا ہے اور اس پر بھی فلسفیانہ قسم کا کوئی اشکال نہیں رہتا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ جبارین سے جہاد کر رہے تھے بحکم خداوندی آفتاب ٹھہر گیا یہاں تک کہ جس روز اللہ کا پیغمبر فتح کا مامور تھا فتح واقع ہوگئی اسی طرح آنحضرت ﷺ کے معجزات میں رد شمس کا واقعہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی دعا سے سورج غروب ہونے کے بعد واپس ہوگیا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہو جانا یا آفتاب کا ٹھہر جانا اور لوٹ جانا فی نفسہٖ عظیم الشان امر ہے اور امر معتاد بھی یہ نہیں ہے لیکن عقلاً اس کو تسلیم کرنے میں کوئی وجہ تامل نہیں کیونکہ آفتاب و ماہتاب کی حرکت طلوعی اور غروبی سب اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہے تو محرک اصل اللہ رب العزت ہے وہ جب چاہے ان اجرام کی حرکت کو روک دے اجرام علویہ ہوں یا اجرام سفلیہ، آسمان ہو یا زمین، بر و بحر سب کی حرکت و سکون اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے زمین کو متحرک مانو یا آسمان کو بہر کیف اس امر پر مجبور ہونا پڑے گا کہ ہر شے اور اس کی حرکت خدا کے ہاتھ میں ہے الغرض جو چیز وحی الٰہی، اخبار متواترہ، نیز مشاہدہ سے ثابت ہو اس کا انکار یا اس میں تردد خلاف عقل ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اہل مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ

آپ کوئی نشانی دکھائیں تا کہ ہم آپ ﷺ کی نبوت مان لیں اس پر آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے ان سے فرمایا دیکھ لو گواہ رہو اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ شق قمر پر قریش کے لوگ کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے تو ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے اس کو سن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ اگر ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ سب کی آنکھوں پر جادو کر دیں اس کے بعد ان لوگوں نے مکہ سے باہر سے آنے والے قافلوں سے پوچھنا شروع کیا تو ہر قافلہ یہ بتاتا کہ ہاں ہم نے بھی یہ عجیب واقعہ دیکھا ہے۔ الغرض یہ احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کا واضح بیان بھی بتا رہا ہے کہ شق قمر کا واقعہ حقیقتاً ہو چکا ہے۔

آیت مبارکہ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی ✿ میں یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال قبل ایک مرتبہ کچھ مشرکین مکہ جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے جن میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبدالمطلب، ربیعہ بن الاسود، نضر بن حارث وغیرہ وغیرہ بھی تھے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاؤ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کیے ہوئے تھا آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آؤ گے لوگوں نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے حضور ﷺ نے حق جل شانہٗ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل ابی قعیقعان پر تھا دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑوں سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے اور حضور ﷺ اس وقت یہ فرما رہے تھے ((اشهدوا ، اشهدوا)) اے لوگو! گواہ رہو، اے لوگو! گواہ رہو۔ "عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ محمد ﷺ نے تم پر جادو کر دیا ہے بہتر یہ ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد ﷺ تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمد ﷺ نے تم پر سحر کیا ہے۔ چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢﴾۔

جیسا کہ بیان کیا گیا معجزہ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اسانید صحیحہ جیدہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے اور کسی شاذ و نادر نے جو انشق القمر بصیغہ ماضی کو بمعنی سینشق القمر لیا ہے وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیث صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف و خلف کے خلاف ہے قابل اعتبار نہیں اور اس صورت میں آگے کا مضمون ﴿وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا﴾ بے معنی ہو جائے گا اس لیے کہ قیامت کے واقع ہونے پر تو کسی کے اعراض اور بے رخی کا امکان ہی نہیں رہتا۔ واقعۂ شق القمر کی جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے وہ البدایہ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر ص ۱۱۸ ج ۳ تا ص ۱۳۰ ج ۳ اور فتح الباری ص ۱۳۸ ج ۷ باب انشقاق القمر سے لی ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

---

✿ روح المعانی ج ۲۷

## مخالفین اسلام کا معجزۂ شق القمر پر اعتراض اور اس کا جواب

مخالفین اسلام اس معجزہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اوّل تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون وفساد محال نہیں خداوندِ ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین شمس اور قمر، شجر اور حجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس وقمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے بہر حال اس قسم کی خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں ہاں مستبعد اور مستغرب ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لیے مستبعد ہونا ضروری ہے جو لوگ محض استبعاد کی بناء پر محال قرار دیتے ہیں ان کو محال اور مستبعد کا فرق بھی معلوم نہیں رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور زار ہا ایسے عجیب وغریب واقعات ہیں جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں تورات اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے جو صرف تھوڑی دیر کے لیے رہا اس لیے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا ہو تو تعجب نہیں بسا اوقات چاند اور سورج گرہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی عموماً لوگ سوتے ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بھی ہوں تو عادۃً یہ ضروری نہیں ہے کہ سب لوگ آسمان کی طرف نظریں اٹھائے تک رہے ہوں اور زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی پر کوئی فرق چاند کے ٹکڑے ہونے سے نہیں آسکتا بارہا چاند گرہن لوگوں کو نظر نہیں آتا بایں ہمہ تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر موجود ہے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار کے اسلام کا سبب مؤرخین اسی واقعہ کو کہتے ہیں اگر عام تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور نہیں تو اس سے اس واقعہ کی تکذیب کیسے ہوسکتی ہے یوں تو عام تاریخوں میں قوم عاد وثمود کے بھی واقعات نہیں ملتے نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت تام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا اور تمام عالم کو تو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا نیز کسی شے کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی پھر یہ کہ اس زمانہ میں رصد گاہیں نہیں تھیں کہ پہلے سے بذریعہ اخبار اطلاع ہوئی۔

## معجزۂ رَدّ شمس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے معجزہ ردّ شمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب مقام صہباء میں تھے اور سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور ہنوز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت دست بدعا ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ علی رضی اللہ عنہ! تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں تھا آفتاب کو واپس بھیج دیں تا کہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آفتاب

غروب کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں امام طماوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں ابن جوزی اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس کا نام ''کشف اللبس عن حدیث ردّ شمس'' رکھا جس میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام فرمایا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا ہے۔ (نسیم الریاض شرح شفاء قاضی از ص ۱۰ جلد ۳ تا ص ۱۳ جلد ۳۔ زرقانی ص ۱۱۳ ج ۵ تا ص ۱۱۶ ج ۵ ملاحظہ فرمائیں)

## معجزۂ حبس شمس

بعض ضعیف روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھوڑی دیر کے واسطے آفتاب کی حرکت روک دی گئی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں۔ (زرقانی ص ۱۱۸ ج ۵ و نسیم الریاض ص ۱۴ جلد ۳ و شرح شفاء للعلامۃ القاری ص ۵۹۱ ج ۱)

چونکہ شق قمر اور رد شمس اور حبس شمس یہ تینوں معجزے متقارب تھے اس لیے ہم نے ان کو بھی شق قمر کے سلسلہ میں ذکر کر دیا یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں واقع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج سے واپسی پر قریش کے سامنے اسراء و معراج کی کیفیت بیان کی تو قریش نے بیت المقدس کی علامتیں دریافت کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قافلہ کا حال پوچھا جو بغرض تجارت شام کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کب واپس آئے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قافلہ بدھ کے روز مکہ میں داخل ہوگا جب بدھ کا دن اخیر ہونے لگا تو کفار نے شور مچایا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو اسی جگہ ٹھہرا دیا جہاں تھا یہاں تک کہ قافلہ آ گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق ظاہر فرمائی۔ *

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّ

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندے کو اور بولے دیوانہ ہے اور

ازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ

جھڑک لیا پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں دب گیا ہوں تو بدلہ لے پھر ہم نے کھول دیئے دہانے

السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى

آسمان کے ریل سے پانی کے اور بہا دیئے زمین سے چشمے پھر مل گیا پانی

* ماخوذ از سیرت المصطفیٰ ج اوّل۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا

ایک کام پر جو ٹھہر رہا تھا اور سوار کیا اس کو ایک تختوں اور کیلوں والی پر بہتی ہماری آنکھوں کے سامنے

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾

بدلہ اس کی طرف سے جس کی قدر نہ جانی تھی اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشان کر پھر کوئی ہے سوچنے والا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرکا اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ

کوئی سوچنے والا جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرکا

اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ

ہم نے بھیجی ان پر باؤ ٹھری سناٹے کی ایک نحوست کے دن، جو چلی گئی اکھاڑ مارتی

النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ

لوگوں کو جیسے وہ جڑیں کھجور کی ہیں اکھڑی پڑی پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور

نُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ع ۱/۲۲/۸

میرا ڈرکا اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا جھٹلائے

ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ

ثمود نے ڈر سناتے پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم ہی میں کا اکیلا ہم اس کے کہے پر چلیں گے تو تو ہم

ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

غلطی میں پڑے اور سودا میں کیا اتری اسی پر سمجھوتی ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے

اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ

بڑائی مارتا اب جان لیں گے کل کو کون ہے جھوٹا بڑائی مارتا ہم بھیجتے ہیں اونٹنی

فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ

ان کے جانچنے کو سو دیکھتا رہ ان کو اور ٹھہرا رہ اور سنادے ان کو کہ پانی کا بانٹا

بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾

ان میں ہر باری پر پہنچنا ہے پھر پکارے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹا

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً

پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرکا ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ

فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

پھر رہ گئے جیسے روندی باڑ کانٹوں کی اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

سوچنے والا جھٹلائے لوط کی قوم نے ڈر سناتے ہم نے بھیجی ان پر

حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ

باؤ پتھراؤ کی سوا لوط کے گھر کے ان کو بچا دیا ہم نے پچھلی رات سے فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں

نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حق مانے اور وہ ڈرا چکا ان کو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرکا

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ

اور اس سے لینے لگے اس کے مہمان پھر ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور

نُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ

میرا ڈرکا اور پڑا ان پر صبح کو سویرے عذاب جو ٹھہر رہا تھا اب چکھو میرا عذاب

وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ ع ۲ ۱۸/۹

اور میرا ڈرکا اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا اور

جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ

پہنچے فرعون والوں کے پاس وڑکے جھٹلائیں ہماری نشانیاں ساری پھر پکڑی ہم نے ان کو پکڑ

عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

زبردست کی، قابو میں لے کر

## تاریخ شقاوت وبدنصیبی وہلاکت اُمم سابقہ وتصدیق انبیاء ومرسلین

## قصہ اوّل قوم نوح علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ... الیٰ ... اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ شق القمر کا ذکر تھا اور یہ کہ منکرین نے اس کا گستاخی اور بے ہودگی کے ساتھ انکار کیا اب ان آیات میں انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے اور ان کے معجزات کا انکار کرنے والوں کا انجام بد بیان کیا جارہا ہے کہ وہ کس طرح اپنی شقاوت وبدنصیبی کے باعث ہلاک ہوئے سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر کیا جارہا ہے۔ فرمایا:

جھٹلا چکی ہے ان سے پہلے قوم نوح کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ سے اعراض وبے رخی بلکہ مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ پھر جھوٹا کہا ہمارے بندہ نوح کو اور کہنے لگے کہ یہ مجنون ہیں اور ان کو جھڑکا گیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر ڈالیں [1] گے جس پر انتہائی آزردگی اور مایوسی کے عالم میں نوح نے اپنے رب کو پکارا اے پروردگار میں تو عاجز وبے بس ہو چکا ہوں بس اب تو ہی بدلہ دے ظاہر ہے کہ صدیاں جب نصیحت وفہائش کرتے گزر گئیں لیکن بجائے اس کے کہ اصلاح حال ہوتی اور نفرت ونافرمانی ہی بڑھتی گئی ایسی صورت میں یقیناً انسان مایوس ہی ہو جاتا ہے ادھر وحی خداوندی نے بھی کچھ اس کا اظہار کر دیا تھا کہ اے نوح علیہ السلام تمہاری قوم میں سے جن کو ایمان لانا تھا وہ لا چکے بس اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اس عالم میں یقیناً پیغمبر خدا کی دعا ضرور جلد از جلد قبول ہوتی ہے اور خدا کی مدد مجرمین کی ہلاکت وسرکوبی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تو ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے ٹوٹ کر مسلسل برسنے والے پانی کے ساتھ جو طوفان کی طرح آسمان سے برس رہا تھا اور پھاڑ دیا ہم نے زمین کو چشموں کی صورت میں جس کے بعد سب پانی مل گیا اوپر سے بادلوں کا برسنے والا اور نیچے سے زمین کے چشموں سے اُبلنے والا تو آسمان وزمین کا پانی باہم مل کر سطح زمین اور خلاء میں سمندر کی شکل بن گیا اس فیصلہ کے مطابق جو طے کر دیا گیا اور اٹھا لیا ہم نے نوح کو اس طوفان سے بچانے کے لیے ایک کشتی پر جو تختوں اور کیلوں والی تھی جس کو نوح علیہ السلام نے بامر خداوندی پہلے ہی تیار کر لیا تھا جو چل رہی تھی ہماری آنکھوں کے

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کو نصیحت فرماتے تو قوم کے بدبخت ان کو ڈانٹتے کچھ بدنصیب گالیاں دیتے اور بعض شقی ان کے گلے میں پھندا ڈال کر گھسیٹتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سامنے ہماری حفاظت ونگرانی میں یہ سب کچھ بدلہ لینے کے لیے کیا گیا اس کے واسطے جس کی قدر نہ پہچانی گئی اور نعمت ہدایت اور وعظ و ارشاد کی ناقدری کرتے ہوئے اس کو ٹھکرایا گیا اور ہم نے اس واقعہ کو ہمیشہ کے واسطے چھوڑ دیا ہے عبرت ونشانی بنا کر تا کہ اللہ کے پیغمبروں کی نافرمانی اور انکار کرنے والے اس سے عبرت حاصل کر سکیں تو ہے کیا کوئی شخص غور وفکر کر کے نصیحت حاصل کرنے والا اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے تو کیا ہے کوئی شخص عبرت حاصل کرنے والا۔ یقیناً یہ ایسے واقعات ہیں ہر صاحب عقل کو ان میں غور وفکر کرنا چاہیے اور ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیے تو کیا قریش مکہ میں سے ہیں کچھ لوگ ایسی صلاحیت و سعادت والے کہ سوچیں اور اللہ کی نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب سے باز آئیں۔ (واقعہ کی تفصیلات پہلے گزر چکی)

## قصہ قوم عاد

جھٹلایا تھا قوم عاد نے بھی اللہ کے رسول کو تو پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا کہ اس نافرمان قوم کی ہلاکت وتباہی کی عبرت ناک تاریخ قیامت تک نمونۂ عبرت بنا دی گئی بے شک ہم نے ان پر بھیجی ایک تیز وتند آندھی جو اکھاڑ پھینکنے والی تھی۔ ایک نحوست کے دن میں جو اپنی نحوست اور آثار کے لحاظ سے ان پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہو گیا یہ ایسا نحوست کا دن تھا کہ اس دن شروع ہونے والی آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک طوفانی تھپیڑوں کی شکل میں چلتی رہی اور اس تباہی وبربادی کی نحوست اس قوم پر قیامت تک کے واسطے مستمر ودائم ہو گئی وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی اس طرح کہ گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی جو اکھڑی پڑی ہیں کیونکہ وہ لوگ نہایت تنومند وتوانا تھے زمین پر پچھڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ کھجور کے درخت ہیں جن کو اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا گیا ہے تو پھر بتاؤ اے لوگو! کیسا رہا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور کھڑکھڑانا اور بے شک آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی شخص قریش مکہ اور منکرین ومکذبین میں سے سوچنے والا کہ غور وفکر کر کے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ اگر میں نے بھی اللہ کے پیغمبر کو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہ لایا تو میرا بھی ایسا ہی انجام ہو سکتا ہے۔

## قصہ قوم ثمود

جھٹلایا تھا قوم ثمود نے بھی عذاب خداوندی سے ڈرانے والے رسولوں کو یا ان نصیحتوں اور تنبیہات کو جو اللہ کی نافرمانی سے باز رکھنے کے لیے کی گئیں گو کہ ان کے رسول ایک ہی رسول حضرت صالح علیہ السلام تھے لیکن ایک رسول کا انکار درحقیقت خدا کے تمام رسولوں کا انکار اور جھٹلانا ہے پھر کہنے لگے جب اور کوئی بات یا دلیل انکار وتردید کی نہ مل سکی کیا ہم اپنے ہی میں سے ہم جیسے ایک بشر (آدمی) کی پیروی کریں ایسی صورت میں تو ہم بہت ہی بڑی غلطی اور حماقت میں پڑنے والے ہوں گے کیا انہی پر ڈالی گئی نصیحت اور اللہ کی وحی اتاری گئی ہمارے درمیان سے نہیں بلکہ یہ تو بہت ہی جھوٹا بڑائی مارنے والا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی وحی مجھ پر اترتی ہے بھلا اس میں کون سی خوبی اور خصوصیت ہے کہ ہمارے میں سے اسی کو وحی اور نصیحت کے نازل کرنے کے واسطے منتخب کیا گیا ظاہر ہے کہ یہ احمقانہ باتیں ہیں یہ لوگ عنقریب خود جان لیں گے کہ کون جھوٹا بڑائی خور ہے یہ خود جھوٹے ہیں اور اپنی تکبر وعناد کی وجہ سے خدا کے پیغمبر پر ایمان لانے کو آمادہ نہیں ہو رہے ہیں ہم بھیجتے ہیں ایک اونٹنی ان کے آزمانے کے واسطے جس کا خود ان لوگوں نے بطور نشانی

مطالبہ کیا تھا سو انتظار کروان کا جو انجام بھی ان کا مقدر ہے وہ نظروں کے سامنے آ جائے گا اور تحمل کرتے رہو ان کی بے ہودگیوں پر اور ان کو یہ بتادو کہ پانی کی نوبت ان کے درمیان تقسیم کی ہوئی ہے ہر نوبت پر حاضری ہوگی اسی کی جس کی نوبت ہے کہ ایک دن حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پر جائے اور دوسرے دن اور جانور پانی پینے جائیں اس پر ان بدبختوں کو گرانی ہوئی کہ یہ ایک دن ناقۂ صالح کے پانی کے لیے کیوں مخصوص ہے حسد اور عداوت سے مغلوب ہو گئے پھر آپکارا انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس پر اس نے تلوار کا ایک ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا اونٹنی کے کونچوں کو۔ ❁

پھر بتاؤ اے مخاطبو! کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا ہم نے بھیجی ان پر ایک چیخ ❁ اور ہولناک آواز پھر وہ ہو کر رہ گئے روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ کی مانند جو ہوا میں اڑ رہے ہیں اور بے شک آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی غور و فکر کرنے والا۔ (تفصیلات گزر چکی ہیں)

## قصہ قوم لوط علیہ السلام

جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والوں کو اللہ کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کو جنہوں نے خدا کی نافرمانی پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور جب کوئی اللہ کے ایک رسول کو جھٹلا دے تو گویا اس نے اللہ کے تمام رسولوں کو جھٹلایا ان کی اس نافرمانی اور بدنصیبی پر بے شک ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی پتھر برسانے والی جس نے ساری قوم پر علامت لگے ہوئے پتھروں کی بارش کی اور سب کو ہلاک کر ڈالا مگر لوط کے گھر کو اور ان کے ان افراد خانہ کو جو اہل ایمان تھے۔ بچا لیا ہم نے ان کو رات کے آخری حصہ میں جو سحر اور صبح صادق کے قریب ہوتا ہے محض۔ انعام و رحمت کرتے ہوئے اپنی طرف سے اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اللہ کے شکر گزار ہوں اور حق کو مانیں اور بیشک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو ڈرایا تھا ہماری گرفت سے مگر وہ پھر حجت بازی کرنے لگے ڈرانے والوں سے اور انہوں نے بہت کچھ تدبیر کی ان کے مہمانوں کے لینے کے لیے جب کہ اللہ کے فرشتے مہمانوں کی صورت میں ان کے پاس پہنچے قوم کو خبر ہوئی تو اپنے بے ہودہ جذبات پورا کرنے کے واسطے ان پر مسلط ہونے کی کوشش کرنے لگے حضرت لوط علیہ السلام نے اگرچہ دروازہ بند کر دیا تھا مگر پھر بھی یہ بدبخت دروازہ توڑنے لگے اور لوط علیہ السلام منع کرتے رہے جب کسی طرح باز نہ آئے تو جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور خدا کا عذاب ان پر مسلط ہوا جس کو ارشاد فرمایا پھر تو ہم نے ان کی آنکھیں پاٹ دیں اور چہروں سے ان کی آنکھوں کو مٹا کر گوشت کے ایک پارچہ کی طرح کر ڈالا اس طرح ان کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا اچھا اب چکھو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ اور صبح ہی اوّل وقت ان پر ایک عذاب مسلط ہوا جو ان پر چمٹ جانے والا تھا جس سے کسی طرح بھی بچاؤ اور خلاصی کا امکان نہ تھا اور اس دوسرے عذاب پر (جو آسمان سے پتھروں کی بارش کی صورت میں تھا) بھی کہہ دیا گیا پھر چکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا تو اس طرح یہ قوم ایک چھوٹے عذاب جوان کی

---

❁ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک بدکار عورت تھی اس کے پاس مویشی بہت تھے اس نے اپنے ایک آشنا کو اکسایا وہ لپکا اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں ۱۲۔

❁ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ چنگھاڑ فرمایا ہے جو ایسی ہولناک آواز کو کہا جاتا ہے جس سے کانوں کے پردے پھٹ جائیں اور دل شق ہو جائے ۱۲۔

آنکھوں کو مٹا دینے کی صورت میں تھا اور ہر ایک کے لیے انفراداً تھا اور اس کے بعد ایک عمومی اور اجتماعی بڑے عذاب یعنی پتھروں کی بارش سے تباہ کر دی گئی اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی شخص سوچنے والا کہ ان عبرتناک واقعات کو غور و فکر کی نظر سے دیکھ کر ایمان و ہدایت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کر لے تا کہ دین و دنیا کی فلاح و سعادت حاصل ہو۔

اور فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے والے پہنچے خداوندِ عالم کے رسول حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان کو عطا کیے ہوئے معجزات مگر جھٹلایا انہوں نے بھی ہماری تمام نشانیوں کو جس پر ہم نے ان کو بھی پکڑا اپنی سخت گرفت میں اور ایسے عذاب میں کہ اس سے بچ کر نہ نکل سکے اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق کر دیا گیا۔ (تفصیلات گزر چکیں)

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولٰٓئِكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ أَمْ

اب تم میں جو منکر ہیں کچھ بہتر ہیں ان سب سے؟ یا تم کو فارغ خطی لکھی گئی ورقوں میں؟ کیا

يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

کہتے ہیں ہم سب کا میل ہے بدلہ لینے والے اب شکست کھاویگا میل اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ ﴿۴۶﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ

بلکہ وہ گھڑی ہے ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی و لوگ گنہگار ہیں،

فِي ضَلٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا

غلطی میں ہیں اور سودا میں جس دن گھسیٹے جاویں گے آگ میں اوندھے منہ چکھو

مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ أَمْرُنَآ إِلَّا وَاحِدَةٌ

مزہ آگ کا ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر اور ہمارا کام یہی ایک دم کی

كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَآ أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾

بات ہے جیسے لپک نگاہ کی اور ہم کھپا چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو پھر ہے کوئی سوچنے والا

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾

اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ورقوں میں اور ہر چھوٹی اور بڑی لکھنے میں آ چکی

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ

جو لوگ ڈر والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں بیٹھے سچی بیٹھک میں، نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر

مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع ۱۰ ۱۵ ۳

قبضہ ہے۔

## تنبیہ قریش مکہ بعد ذکر واقعات عبرت و نصیحت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ ... الٰى ... عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات کا حاصل امم سابقہ کی ہلاکت و تباہی کے احوال کا ذکر تھا کہ یہ عظیم قومیں کس طرح عذابِ خداوندی سے تباہ کر دی گئیں۔ اسی وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہیں لائے تو ان واقعات کو ذکر کر کے اہل مکہ کو خطاب کیا جا رہا ہے اور غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ آخر وہ سوچ کر بتائیں کہ جب ان میں وہی نافرمانیاں اور خدا کے رسول کا انکار ایمان سے روگردانی پائی جا رہی ہے تو آخر کیوں نہیں ان پر بھی ایسے ہی عذاب مسلط ہوں گے جیسے کہ ان سابقہ قوموں پر ہوئے اور اب ان قریش مکہ میں کیا ایسی وجہ فضیلت و خوبی ہے کہ یہ لوگ خداوند عالم کی گرفت سے محفوظ رہیں گے تو فرمایا قریش مکہ کو مخاطب بناتے ہوئے کیا تمہارے میں سے کفار و منکر کچھ بہتر ہیں ان لوگوں سے کہ اس بناء پر عذاب سے بچے رہیں گے یا تمہارے واسطے کوئی پروانۂ برأت ہے صحیفوں میں لکھا ہوا یا نازل کیا ہوا ظاہر ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں تو پھر کیا یہ کہتے ہیں ہم ایک ایسی مضبوط جمعیت ہیں جو بدلہ لینے والے ہوں گے ہر اس طاقت سے جو ہم پر کسی طرح کی کوئی گرفت کرے نہیں نہیں ہرگز ایسا ممکن نہیں بلکہ عنقریب یہ سارا مجمع اور کافروں کا لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور اس وقت ان کو اپنی طاقت اور جمعیت کی حقیقت نظر آ جائے گی۔ چنانچہ بدر و احزاب میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی یہ عذاب و ذلت ہی تو ہے جو ان کے واسطے مقدر ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ قیامت ان سے وعدہ کا وقت ہے جو طے ہو چکا ہے اور بلاشبہ قیامت تو بہت بڑی آفت اور بڑی ہی تلخ چیز ہے اس کے عذاب و شدت کا تو کوئی گھونٹ بھی انسان سے نہیں پیا جا سکے گا بے شک مجرمین و منکرین بڑی ہی گمراہی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہیں جس دن کہ گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے چہروں کے بل اور کہا جاتا ہوگا چکھو جہنم کی آگ کا مزا اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ ہم کس قدر گمراہی میں مبتلا تھے اور کیسی حماقت اور دیوانہ پن ہم نے دُنیا کی زندگی میں اختیار کیا بے شک کائنات میں وہی ہے جس کو ہم نے پہلے سے مقرر کردہ انداز کے مطابق پیدا کیا ہے [1] ہدایت ہو یا گمراہی، سعادت

---

[1] حضرات متکلمین اور ائمہ اہلسنت اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ ہر امر اللہ کی تقدیر سے ہے اور ہر چیز کا علم اللہ کو اس کے وجود سے قبل ہے تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے دَور میں کچھ لوگ تقدیر خداوندی کا جب انکار کرنے لگے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات سی فرقہ قدریہ اور منکرین قدر کا رد کیا کرتے تھے عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا جبکہ وہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے اور کپڑے نیچے کی طرف بھیگے ہوئے تھے میں نے عرض کیا اے ابن عباس رضی اللہ عنہما مسئلۂ تقدیر میں لوگ کچھ حجت بازی اور قیل و قال =

ہو یا شقاوت نیکی ہو یا بدی غربت ہو یا امیری تندرستی ہو یا بیماری ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور تقدیر کے مطابق بنائی اسی میں دُنیا کی عمر اور اس کے فناء کا وقت بھی ہے جو قیامت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور ہمارا کام تو بس ایک دم کی بات ہے جیسے نگاہ کا جھپکنا اور آخر قریش مکہ کو کس بات پر غرور یا اعتماد ہے اور بلاشبہ ہم تو ہلاک کر چکے ہیں اے قریش مکہ بہت سی تم جیسی قوموں کو جن کے پاس تم سے زیادہ ساز و سامان اور قوت و اقتدار تھا تو ہے کیا کوئی شخص تم میں سے عبرت حاصل کرنے والا اور ان لوگوں کو کبھی بھی اس چیز سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ جو بھی کچھ انہوں نے کیا وہ صحیفوں میں لکھا ہوا محفوظ ہے اور چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جا چکی ہے تو ایمان و کفر اور نیکی و بدی ہر چیز اور ہر عمل لکھ لیا گیا اور یہی خدا کا قانون ہے جس کے مطابق روز آخرت میں مجرمین کو سزا بھگتنی پڑے گی لیکن ان کے بالمقابل بے شک اللہ سے ڈرنے والے ایمان والے باغوں اور نہروں میں ہوں گے کہ ان کے رہنے کے واسطے باغ و محل ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ بڑی ہی سچائی کے ٹھکانے میں عزت و اکرام کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے اپنے اس بادشاہ کے نزدیک جو ہر چیز پر بڑی ہی قدرت اور قابو رکھنے والا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس عزت و شرف کا یہ مقام شہنشاہ رب العالمین کے نزدیک ملنا یہ اس سچائی کا بدلہ ہے جو اہل ایمان نے اپنے صدق قلب سے ایمان قبول کر کے پھر سچائی کے ساتھ اپنے وعدوں پر قائم رہنے کی صورت میں اختیار کی اور یقیناً یہ مجلس عز و شرف کی وہ سچی مجلس ہے جس سے بڑھ کر کوئی صداقت کی منزل و محفل نہیں ہو سکتی اور ایسے معزز مکان و مجلس کے ساتھ خالق کونین کا قرب مزید عزت و برتری کا باعث ہوگا۔

میرے استاد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت پر فائدہ تحریر فرماتے ہوئے جو کلمات دعائیہ فرمائے اسی دُعا پر میں اس سورت کی تفسیر ختم کر رہا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ ملیك مقتدر ۔ مَاتَشَاءُ مِنْ اَمرٍ یَکُوْن فَاسْعِدْنی فی الدَّارَیْن و کن لِی وَ لَا تکُن عَلیَّ وَ اٰتِنِیْ فی الدُّنْیا حَسَنَة وَ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَة وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ اٰمین برحمتك یا ارحم الراحمین.

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القمر

---

= کرنے لگے ہیں فرمایا خدا کی قسم یہ آیت ﴿ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝﴾ سوائے ان لوگوں کے اور کسی کے بارہ میں نہیں نازل ہوئی اور اس کے بعد فرمایا ﴿ اُولٰٓئِكَ شرار الخلق﴾ یہ اللہ کی مخلوق میں بدترین مخلوق ہے۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر اُمت کے مجوس ہوتے ہیں میری اُمت کے مجوسی وہ لوگ ہیں کہ جو کہتے ہیں تقدیر الٰہی کوئی چیز نہیں اور قضاء و قدر کا انکار کرتے ہیں۔

مسئلۂ تقدیر دین اسلام کے عقائد قطعیہ میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اس میں تردد یا انکار گمراہی و کفر ہے اور بحث و مباحثہ اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کو دعوت دینا ہے ایک دفعہ کچھ لوگ اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر سخت ناراض ہوئے اور ان کو تنبیہ فرمائی۔ اصل مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ۱۲۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۃ الرحمٰن

سورۃ الرحمٰن مدنیہ ہے عام طور پر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی بعض مفسرین نے اس کو مکیہ بھی کہا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں یہ سورت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اس کے نزول کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک مجمع میں یہ سورت اوّل سے آخر تک پڑھ کر سنائی اس کی اٹھہتر آیات اور تین رکوع ہیں۔

سورۃ الرحمٰن کے کلمات کی عظمت وخوبی اور ان کا حسن و بلاغت ہر سننے والے کو بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے اس سورت کا حسن و زینت اور معجزانہ بلاغت ایسی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((انّ لکل شیءٍ عروسًا وعروسُ القراٰن الرحمٰن)) کہ ہر چیز کی ایک زینت وخوبصورتی ہوتی ہے جو اپنی خوبصورتی سے دلہن نظر آتی ہے اور قرآن کریم کی عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔

ابتداء سورت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ایک ایسی عظیم الشان اور ظاہر و باہر نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر ان کی عظمت کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے انسانی تخلیق اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمال نطق و گویائی علم وفہم کے ذکر کے بعد شمس وقمر، نجم وشجر، ارض وسما جیسے عظیم قدرتِ خداوندی کے نمونے بیان کرتے ہوئے کائنات کی ہر چیز کا پروردگار عالم کے سامنے مطیع وفرمانبردار ہونا بیان کیا اور نظام عالم کا اسی کے فرمان کے مطابق قائم وجاری رہنا بیان فرمایا اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفات الوہیت اور عظمت کبریائی کا ذکر فرمایا اور یہ کہ انسانی سعادت کا تقاضا ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے اس کی نافرمانی شقاوت وبدنصیبی ہے اور انسان کو اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے غافل نہ ہونا چاہیے اس ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ مطیعین پر انعام وکرم کس طرح ہوگا اور مجرمین کیسے کیسے ہولناک عذاب و شدائد میں مبتلا ہوں گے اور ان کی ذلت ورسوائی کیسی ہوگی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک روز صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف لائے اور اس مجمع میں آپ ﷺ نے از اوّل تا آخر سورۂ رحمٰن تلاوت فرمائی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش بیٹھے سنتے رہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں نے یہ سورت جنوں کو سنائی تو وہ اس کی تلاوت کو سن کر اچھا جواب دیتے رہے بہ نسبت تمہارے (کہ تم خاموش رہے) میں دوران تلاوت جب بھی یہ آیت پڑھتا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے تو جن ہر مرتبہ اس آیت کو سن کر کہتے ((لابشیءٍ مِن نعمکَ ربّنا نُکذّبُ فلکَ الحمد)) نہیں اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے بس تیرے ہی واسطے ہر طرح تعریف وخوبی ہے۔

فقہاء حنفیہ و مالکیہ اور اکثر ائمہ فرماتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ جب بھی سورۂ رحمٰن تلاوت کی جائے تو سننے والوں کے لیے سنت طریقہ یہی ہے کہ آیت مذکورہ سنتے ہوئے جواباً یہ کلمات کہے جائیں۔ البتہ دورانِ نماز کیونکہ استماع وانصات لازم ہے اس لیے دل ہی دل میں اس مضمون کا تصور کر لے۔

آیاتہا ۷۸ | ۵۵ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷ | رکوعاتہا ۳

سورۂ رحمٰن مدنی ہے اور اس کی اٹھہتر آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ

رحمٰن نے سکھایا قرآن بنایا آدمی پھر سکھائی اس کو بات سورج

وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا

اور چاند کو ایک حساب ہے اور جھاڑ اور درخت لگے ہیں سجدے میں اور آسمان کو اونچا کیا

وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ

اور رکھی ترازو کہ مت زیادتی کرو ترازو میں اور سیدھی ترازو تولو

بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾

انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول اور زمین کو رکھا واسطے خلق کے

فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

اس میں میوہ ہے اور کھجوریں، جن کے میوے پر غلاف اور اناج جس کے ساتھ بھس ہے

وَالرَّيْحَانُ ۚ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

اور پھول خوشبو پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں بنایا آدمی

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ﴿۱۵﴾

کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا اور بنایا جان آگ کی ڈیگ سے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ﴿۱۷﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے مالک دو مشرق کا اور مالک دو مغرب کا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے چلائے دو دریا بھڑ چلتے ان میں ہے

بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا

ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نکلتا ہے ان سے

اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ

موتی اور مونگا پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز

ع ۱ ۱۱ الْمُنْشَـَٔاتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ ع

اُونچے گہرے دریا میں جیسے پہاڑ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

## انعامات رب جلیل بر انسان بعطاء وصف بیان
## وتعلیم قرآن وفیضان نعماء جسمانیہ وروحانیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ ... الیٰ ... فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ ع﴾

**ربط:** سورۂ قمر میں دلائل نبوت اور معجزات عظیمہ کا بیان تھا اور امم سابقہ کے احوال ذکر فرمائے گئے کہ کس طرح انہوں نے اپنے پیغمبروں کا انکار کیا اور ان پر ایمان نہ لائے جس کے باعث عذاب خداوندی سے ان کو ہلاک و برباد کر دیا گیا جس سے مقصود اہل مکہ کو متنبہ کرنا تھا کہ وہ ان احوال وواقعات کو سوچ کر اپنے انجام کے بارہ میں بھی خود فیصلہ کر لیں تو اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے ان انعامات خاصہ کا ذکر فرمایا جو انسان پر کیے گئے ان انعامات میں بالخصوص کائنات کی تخلیق اور ان تمام منافع سے انسان کا منتفع ہونا ذکر فرمایا اور یہ کہ جب حق تعالیٰ نے کائنات کی جملہ منفعتوں سے انسان کو متمتع کیا ہے تو انسانی فطرت اور عقل کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور یہ کہ ہر مخلوق اللہ کے حکم کے تابع اور اسی کی مطیع ہے یہ انسان کو اللہ نے خاص شرف عطا کیا ہے کہ وہ اپنے کسب وارادہ سے ایمان وہدایت کو اختیار کر کے آخرت کی جزاء اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کا مستحق بننا ہے تو ارشاد فرمایا:

رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن سکھایا جو اس کی عطاؤں میں سب سے بڑی عطاء اور نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہے بنایا ہے اسی نے انسان کو پھر سکھایا اس کو بات کرنا اور نطق وگویائی کی نعمت سے سرفراز کیا جس کے باعث وہ اللہ کا کلام پڑھ سکے سیکھ سکے اور تلاوت کر سکے ورنہ تو ممکن نہ تھا کہ انسان کلام الٰہی کی دولت سے اور نعمت سے منتفع ہو سکے پھر اس قوت گویائی سے یہ انسان کلام الٰہی کے حقائق ومعارف لوگوں کو سنائے۔ خیر کی دعوت دے اور شر سے منع کرے تو یہ سب ثمرات قوت گویائی ہی پر مرتب ہیں چاند اور سورج

ایک حساب کے ساتھ جاری ہیں اور سبزے اور درخت اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ میں مشغول ہیں اس طرح علویات میں چاند سورج اور ستارے اور سفلیات میں نباتات وشجر وحجر سب ہی اللہ کی بندگی میں مصروف ہیں اور کیسی عظیم قدرت ہے اس پروردگار کی جس نے آسمان کو اُونچا بنایا اور قائم کردی ترازو اس امر کا مامور و پابند کرتے ہوئے کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں کیونکہ ترازو اور ادائے حقوق میں سرکشی اور زیادتی انسانی زندگی کی فلاح وسعادت کو تباہ کردینے والی چیز ہے اور برابر رکھو ترازو کو انصاف کے ساتھ اور مت گھٹاؤ تول کو خیانت ظلم اور دھوکہ انسانی حقوق کو تباہ و برباد کردینے والی چیزیں ہیں اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے ترازو سیدھی رکھی جائے اور تول میں مشتری کے لیے کسی قسم کی کوئی کمی نہ کی جائے اور زمین کو بچھایا ہے مخلوق کے لیے کہ اس میں میوے اور پھل ہیں اور کھجور کے درخت ہیں غلافوں والے کہ ان کے گچھوں پر غلاف ہوتے ہیں پھر اس غلاف کے شق ہونے پر کھجوریں بڑھتی ہیں اور پکتی ہیں اور اسی میں دانے ہیں بھوسے والے یعنی اناج اسی طرح دوسرے حبوب وغلے اور خوشبودار پھول۔ تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کروگے ظاہر ہے کہ ایسی نعمتیں جو سورج کی طرح روشن اور انسانی حیات کا مدار ہیں ان کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ کیسی عظیم قدرت ہے اس پروردگار کی جس نے انسان کو پیدا کیا ہے خشک کھنکھناتی مٹی سے ٹھیکرے کی طرح اور یہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ لہٰذا اصل جنس اور مادۂ جنس کے لحاظ سے مطلق انسان مٹی سے پیدا کیا گیا اور پیدا کیا جن کو دہکنے والی آگ کی لپٹ سے اور ایسے شعلہ سی جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو تو اے جن وانس تم اپنی رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کروگے جن وانس کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جمادات ونباتات جیسی لایعقل مخلوق کی بجائے عقل وشعور کی نعمت سے نوازنا یقیناً ثقلین (جن وانس) کے لیے بڑی نعمت ہے * وہ مالک ہے دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور ظاہر ہے کہ مشرقین ومغربین کے تغیر وتبدل سے موسموں اور فصلوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور تبدیلی موسم سے زمین والوں کو کس قدر فوائد اور منافع حاصل ہوئے ہیں ان کی کوئی حد وانتہا نہیں مع ہٰذا یہ جملہ فوائد ومنافع تبدیلی موسم مشرق ومغرب، سرما وگرما کا فرق حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی بڑی واضح نشانیاں ہیں تو ان عظیم الشان نعمتوں اور بلند پایہ قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی بھی نعمت اور کوئی بھی نشانی ایسی نہیں کہ اس کا انکار کیا جاسکے جاری کیے ہیں اس پروردگار نے دو دریا جو آپس میں مل کر چلتے ہیں اس طرح کہ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ ایک دوسرے پر غالب نہیں آتے اور باہم مخلوط نہیں ہوتے بلکہ شور پانی اپنی جانب اسی طرح شور اور کھارا ہے اور میٹھا پانی اپنی سمت اسی طرح میٹھا ہے حالانکہ پانی کی طبعی خاصیت تقاضا کرتی ہے کہ ایک دوسرے میں خلط ملط ہوجائے اپنے رنگ کے لحاظ سے اور مزے کے لحاظ سے بھی لیکن اس طرح ہر ایک کا اپنے رنگ اور مزے کے اعتبار سے جدا رہنا خداوندِ عالم کی قدرت کی عظیم نشانی اور بندوں کے واسطے بڑا ہی انعام * ہے نکلتے ہیں ان دونوں سے موتی اور مونگا پھر بتاؤ کہ اپنے رب کی نعمتوں میں

---

* بالعموم ﴿الآءِ﴾ کا ترجمہ نعمتوں سے کیا جاتا ہے اضافہ کردہ الفاظ میں یہ ظاہر کردیا گیا کہ تخلیق انس کے ساتھ جنات کی تخلیق کو بھی اس بناء پر نعمت فرمایا گیا۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے بعض ائمہ سلف سے قدرت اور نشانی کے معنی بھی کیے ہیں تو جس آیت میں جو ترجمہ چسپاں ومناسب ہو اختیار کیا جاسکتا ہے اور یہاں دونوں معنی مناسب ہیں۔

* یہی مضمون سورۂ فرقان کی آیت ﴿وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ میں بیان فرمایا گیا ہے دلائل قدرت میں بلاشبہ یہ بڑی دلیل ہے کہ دو دریا اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہوں کہ ایک طرف میٹھا پانی اور دوسری طرف کھارا =

سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور اسی کے واسطے ہیں وہ جہاز اور کشتیاں جو ابھرنے والی ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح کہ دیکھنے والا ان جہازوں اور کشتیوں کو دور سے دیکھ کر یہی محسوس کرتا ہے کہ یہ پہاڑ اور جھنڈیاں ہیں جو سطح سمندر پر قائم ہیں تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے اور یہ کس قدر عظیم انعام ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو ایسی صلاحیت اور عقل وفکر سے نوازا کہ وہ جہاز اور کشتیاں بنائے اور ان کو سمندر میں چلائے بلاشبہ نہ انسان اللہ رب العزت کی ایسی بلند پایہ نعمتوں کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ جن اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلا سکتے ہیں۔

مؤلف ترجیح اسالیب القرآن ایک موقع پر یہ نقل کرتے ہیں کہ کسی عالم کو ایک مرتبہ اولۃ کلامیہ میں کچھ شک اور تردد واقع ہوا تو اللہ رب العزت سے دُعا کی کہ اے پروردگار کوئی ایسی دلیل القاء فرمادے کہ اس میں کسی فلسفی کو کوئی شبہ نہ ہو سکے اور نہ کسی قسم کی وہ تشکیک جاری کر سکے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے اور یہ آیت پڑھ رہا ہے۔

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝١٩ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝٢٠﴾

فوراً مطمئن ہو گئے اور سمجھ لیا کہ واقعتاً یہ استدلال ایسی حجت قاطعہ ہے کہ اس کے بارہ میں کوئی دھریہ اور منکر خدا ذرا بھی تردّدو تأمل کی گنجائش نہیں نکال سکتا اور اس آیت نے طبیعین کے شبہ کا قلع قمع کر دیا کہ پانی کی طبیعت تو اختلاط واتصال اور امتزاج ہے تو سوائے قدرت خداوندی کے کون چیز دونوں دریاؤں کے پانی کو ایک دوسرے میں خلط ملط ہونے سے روکنے والی ہے۔ تعالیٰ اللہ تعالیٰ وَجلت قدرتہٗ۔

---

= حالانکہ پانی کا مزاج یہ ہے کہ اس کے اجزاء ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جائیں جیسے کہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ایک جگہ پر اگر ایک قسم کے پانی کے ساتھ دوسرے رنگ یا ذائقہ کا پانی جمع ہو جائے تو دونوں مل کر شئ واحد ہو جاتے ہیں اس قسم کے دریاؤں کا مشاہدہ کرنے والوں نے اس بات کی شہادت دی ہے تفسیر بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شادت نقل کی ہے کہ ارکان سے لے کر چاٹگام تک دریا کی یہی شان ہے کہ اس کی دونوں جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک جانب پانی سفید ہے اور دوسری جانب پانی سیاہ' سیاہ پانی میں سمندر کی طرح تموج اور طوفانی تلاطم رہتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے اور دونوں کے درمیان ایک سفید دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں رنگوں کے پانی کا ملتقی ہے اور کشتیاں اس پانی میں چلتی ہیں جو سفید ہے سیاہ پانی نہایت کڑوا ہے اور سفید پانی میٹھا ہے ﴿هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ کا منظر نظر آتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں اور مجھ سے باریسال (بنگال) کے دو طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک دریا سے نکلتی ہیں ایک کا پانی بالکل کھاری (کڑوا) ہے اور دوسری کا نہایت شیریں۔ یہاں گجرات (یعنی صوبہ بمبئی کے علاقہ گجرات) میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک) سمندر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مدو جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مخلوط نہیں ہوتے اوپر کھاری پانی رہتا ہے جب مد ختم ہو جاتا ہے تو جزر کے وقت اوپر سے کھاری پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا پانی نیچے جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے ان شواہد سے خدا کی قدرت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور ہر صاحب عقل اس پر مجبور ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ہر دریا اور ہر جگہ کے متعلق اس آیت کو محمول کر لیں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ہر قسم کے دریا اور سمندروں کو اپنی اپنی جگہ جاری کیا ہے جن میں کوئی میٹھا ہے اور کوئی کھارا اور ان کے درمیان زمین کی بہت سی جگہ حائل بنادی تا کہ ایک دریا اور سمندر کا پانی دوسرے میں نہ ملے اگر یہ فاصلے نہ رکھے جاتے اور ان کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً پانی اپنی طبیعت اور مزاج کے باعث ایک دوسرے میں مل جائے ۱۲۔

## انعام خداوندی بصورت وجود انسانی وعطاء صفات وکمالات ایمانی

سورۂ مبارکہ کی ابتداء انسانی زندگی کے لیے ایک ایسی بڑی اور بلند پایہ نعمت کے ذکر سے فرمائی جارہی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت ممکن نہیں وہ قرآن کریم اور کلام ربانی کا علم ہے جو اللہ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے عالم انسانیت کی فلاح وبہبود اور دین ودُنیا کی سعادت حاصل کرنے کے لیے عطاء فرمایا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہے۔ انسان کے بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو دیکھو بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنادینا رحمٰن ہی کا کام ہوسکتا ہے ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام سورۂ النجم میں ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ (النجم:۵) فرمایا تھا یہ جبرئیل امین شدید القویٰ تھے جن کے توسط سے قرآن نازل ہوا مگر اصل اور اصلی معلم اللہ رحمٰن ہی ہے اسی نے انسان کو قرآن کے علوم سے آشنا وآگاہ بنایا۔

اس موقعہ پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے تخلیق انسان کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ فرما کر انسان میں نطق وبیان کی صلاحیت عطا فرمانے کا ذکر فرمایا۔ ظاہر ہے یہ دونوں عطائیں بہت ہی بڑی ہیں ایجاد یعنی وجود عطا کرنا بڑی نعمت کیا بلکہ یہ تو نعمتوں کی اساس اور جڑ ہے ان کلمات میں یہ واضح کیا جارہا ہے کہ ایجاد اور عطاء وجود کی دو قسمیں ہیں ایک ایجاد ذات اور دوسری ایجاد صفت کہ اللہ نے آدمی کو پیدا فرمایا اور پھر اس میں بیان اور اپنے مافی الضمیر کی وضاحت کی صفت رکھی کہ بڑی ہی فصاحت وبلاغت اور حسن وخوبی سے وہ اپنا مدعا اور مافی الضمیر ظاہر کرسکے اسی صفت کے ذریعہ وہ قرآن سیکھ سکتا ہے اور دوسروں کو سکھا سکتا ہے اور اس طرح وہ خیر وشر اور ہدایت وگمراہی کو پہچان سکتا ہے اور دوسروں کو بتا سکتا ہے اور خیر وہدایت کی دعوت دے سکتا ہے شر اور گمراہی سے بچا جاسکتا ہے اور یہی سب کچھ قرآنی علوم ہیں اور اسی میں ان کی عافیت وعزت ہے اور یہی سب کچھ امن عالم کا باعث ہے اور اسی میں ہر فلاح وسعادت مضمر ہے تو یہ انسان جس کے واسطے ساری کائنات پیدا کی ہے وہ اپنی سعادت وفلاح کے حصول کے لیے قرآنی ہدایات کا محتاج تھا اور یہی کلام ربانی امن عالم کا باعث تھا تو کس قدر عظیم انعام الٰہی ہوا کہ انسان کو پیدا کرکے قرآن بھی نازل فرمایا ورنہ انسان اگر بغیر قرآن ہوتا تو کبھی ہدایت اور خیر کے امور عالم میں نظر نہ آسکتے گمراہی اور شر وفساد کی زندگی ہوتی اور انسان انسان ہونے کی بجائے درندے اور بہائم وچوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہوتے اسی وجہ سے جو انسان قرآنی ہدایات سے بے رخی کریں ان کے حق میں فیصلہ ہوگیا ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (الاعراف:۱۷۹)۔

## نجم وشجر کی تفسیر

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نجم وشجر کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے مختلف اور متعدد اقوال منقول ہیں یہ بات تو تمام ائمہ لغت اور تفسیر کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ شجر بمعنی درخت ہے جو اپنے تنے پر قائم اور زمین سے بلند ہو نجم کے بارہ میں ابن ابی طلحہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سبزہ جو زمین پر پھیلا ہوا ہو یا جس میں ہر طرف سبزہ ہو اور وہ بیلیں جو زمین پر پھیلی ہوئی ہوں داخل ہیں۔

سعید بن جبیر، سفیان ثوری اور سدی رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح منقول ہے اور خود ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس معنی کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے لیکن قتادہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہما یہ کہتے ہیں کہ نجم آسمان کے ستارہ کو کہتے ہیں مجاہد اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی قول ہے اور عرف کی رو سے بھی یہی معنی ظاہر ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا پہلی تفسیر کے پیش نظر ان دو کا ذکر شمس وقمر کے مقابلہ میں ہونے کا یہ مفہوم ہوگا کہ جس طرح علویات میں شمس وقمر مقرر کردہ حساب کے مطابق چلتے ہیں اور اس طرح یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تکوینی طور سے وہ اللہ کے حکم کے سامنے مطیع وفرمانبردار ہیں تو اسی طرح سفلیات اور عالم ارضی میں ہر سبزہ اور درخت بھی اپنے مالک اللہ رب العزت کے سامنے مطیع وفرمانبردار۔ چھوٹے جھاڑ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں ہوں یا قدآور درخت ہر ایک اللہ کے سامنے سرنگوں ہے جیسا کہ آیت مبارکہ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ﴾ (الحج:۱۸)

## وضع میزان کا مفہوم

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ آسمان کی بلندی کا ذکر فرماتے ہوئے وضع میزان کو بیان فرمایا گیا آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے شمس وقمر اور نجوم کا ذکر فرما کر اپنی قدرت عظیمہ ظاہر فرمائی جا رہی ہے ساتھ ہی مخاطب کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ وہ شمس وقمر اور ستاروں کے نظام پر نظر ڈالے اور فلکیات پر غور کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرتِ عظیمہ کا مشاہدہ ہوگا اور یہ دیکھے گا کہ کس حسن اسلوب کے ساتھ یہ سب نظام قائم ہے جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں تو اسی طرح اللہ رب العزت نے زمین والوں کے واسطے نظام عدل قائم رکھنے کے واسطے ترازو اتاری ہے جس کے ذریعے عدل وانصاف قائم کیا جا سکتا ہے اور عدل وانصاف ہے جو بذریعہ ترازو قائم ہوتا ہے اس سے زمینی نظام حیات اسی حسن اسلوب سے چل سکتا ہے جس خوبی اور حسن اسلوب سے فلکیات کا نظام چل رہا ہے گویا اللہ رب العزت نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق اور عدل کی بنیاد پر بہترین توازن اور تناسب کے ساتھ قائم فرمایا ہے اگر عدل اور حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے اس لیے ضروری ہے کہ بندے بھی حق اور عدل کی راہ پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عدل ہی سے زمین وآسمان قائم ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب امانت کا ضیاع ہو جائے گا یہ اس تقدیر پر ہے کہ وضع میزان سے اقامت عدل کا مفہوم لیا جائے ممکن ہے ترازو سے حسی اور ظاہری ترازو مراد ہو اور ترازو ہی سے معاملات کی درستگی اور حقوق کی حفاظت وابستہ ہے تو ہدایت فرما دی گئی کہ یہ اسی صورت میں ہے کہ ترازو میں کسی قسم کا جھکاؤ اور ابھار نہ ہو نہ لیتے وقت زیادہ تولو اور نہ دیتے وقت کم تولو ترازو کے دونوں پلے یعنی لینے اور دینے کے برابر رکھو آیات سابقہ میں جس طرح دو دو چیزوں کے جوڑے بیان کیے گئے یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾ میں زمین کی پستی بیان فرما دی گئی اور یہ احکام وہدایات بلاشبہ مخلوق کی عافیت وبقاء کا عظیم سامان ہیں تو ان چیزوں کو بھی ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

جو کوئی ہے زمین پر نبڑنے والا ہے اور رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور تعظیم والا

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ

ہر دن اس کو ایک دھندا ہے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ہم فارغ ہوتے ہیں

لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

تمہاری طرف اے دو بوجھل قافلو۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اے فرقے جنوں

وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور انسانوں کے! اگر تم سے ہوسکے کہ نکل بھاگو آسمان اور زمین کے کناروں سے

فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾

تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے بن سند پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ

چھوٹتے ہیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے پھر جب پھٹ جاوے آسمان تو ہو جاوے گلابی جیسے تیل کی

كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ

تلچھٹ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ پھر اس دن پوچھ نہیں

عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ

اس کے گناہ کی کسی آدمی سے نہ جن سے پھر کیا کیا نعمتیں اپنی رب کی جھٹلاؤ گے پہچانے پڑیں گے

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ

گناہگار اپنے چہرے سے پھر پکڑا جاوے گا ماتھے کے بال سے اور پاؤں سے پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے یہ دوزخ ہے جس کو جھوٹ بتاتے گناہگار پھرتے ہیں

ع ۲ ۲۰ ۱۲ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ ع

بیچ اس کے اور کھولتے پانی کے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

## عظمت خداوندرب انام مع ذکر احوال قیامت وذلت وبدحالی مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ ... الٰى ... تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں بیان فرمائی تھیں جن کے ضمن میں ان گراں قدر انعامات کا ذکر فرمایا جو جن وانس پر کی گئیں اور ظاہر ہے کہ ان دلائل وانعامات کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جن وانس اس کی اطاعت وبندگی میں مصروف ہو جائیں۔ اب ان آیات میں عظمتِ خداوندی کا بیان ہے اور قیامت کی ہول وشدت اور اس میں مجرمین پر جو ندامت وذلت ہوگی اس کا ذکر ہے کہ قیامت کے ہولناک احوال میں منکرین ومکذبین کا کیسا عبرتناک حال ہوگا۔

ارشاد فرمایا جو بھی کوئی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے جن وانس ہوں یا شجر وحجر ہوں ہر چیز پر یقیناً فناطاری ہو کر رہے گی اور اے مخاطب! بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے ہر چیز کے فنا کے بعد قیامت اور پھر حشر ونشر پر مطیعین کے واسطے انعامات اور مجرمین کے لیے عذاب وسزا کس قدر عظیم انعام ہے تو پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے اس کی شان عظمت وکبریائی کا تو یہ حال ہے کہ اسی سے مانگتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں کل کائنات اور مخلوق اسی کی محتاج ہے ہر ایک اپنی حاجت اسی سے مانگتا ہے زبان حال سے ہو یا زبان قال سے کسی کو ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے استغناء وبے نیازی نہیں وہی مخلوق کی حاجت روائی اپنی حکمت سے کرتا ہے مخلوق کے انواع واقسام بے شمار ہیں اور ان کی حاجتیں اور تقاضے متضاد بھی ہیں اور مخلوق کے احوال بھی مختلف ہیں جن وانس میں کوئی نیک ہے کوئی بد کوئی مطیع وفرمانبردار ہے اور کوئی نافرمان کوئی ہمدرد ومخلص اور مخلوق خدا کو آرام پہنچاتا ہے تو کوئی ظلم وتعدی اور سرکشی اختیار کیے ہوئے ہیں اسی وجہ سے ہر نوع مخلوق اور ہر حالت اور ہر طرز عمل پر اس کی شان جداگانہ ہے اس کی حکمت بالغہ کے باعث یہ ہے کہ ہر روز اس کی ایک شان ہے کسی کو بڑھانا کسی کو گھٹانا کسی کو عزت دینا کسی کو پست کرنا اور ذلیل کرنا کسی کو انعام واکرام سے نوازنا کسی کو اس کے برے اعمال کی بدولت مصائب وآفات میں مبتلا کرنا کسی کو طاعت وانابت الی اللہ کی توفیق سے نوازنا کسی کو اس کی شومئ قسمت سے خیر اور عمل صالح سے دُور کر دینا کبھی کسی کو تندرست رکھنا اور کبھی بیمار کر دینا کسی کو مارنا کسی

کوجلانا غرض جمال وجلال کے یہ شؤن ہیں جومخلوق کی صلاحیت اوران کے احوال کے تفاوت سے بدلتی رہتی ہیں یہ اختلاف شؤن بھی ایک عجیب نعمت ورحمت ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر بتاؤ اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے قیامت بہرحال آنی ہے اور یہ نظام عالم اور دُنیا کے سارے دھندے عنقریب ختم ہونے والے ہیں یہ ایک دور ہے دنیوی زندگی کا جو دارالعمل ہے اس کے بعد پھر دوسرا دور شروع ہوگا سو عنقریب ہم فارغ ہوجائیں گے تمہارے واسطے اے جن وانس۔ بس پھر یہی کام رہے گا کہ مطیعین کو جزاء اور انعامات سے نوازنا اور مجرمین و نافرمانوں کو سزا اور عذاب تو پھر اب بتاؤ تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے خداوندِ عالم کی حکومت اس کا حکم اور اس کی گرفت کائنات کو محیط ہے کوئی اس کے دائرۂ حاکمیت سے نہیں نکل سکتا تو اے گروہ جن وانس اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ بھاگ نکلو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نکل کر اور بچ کر تم کہاں جاسکتے ہو اور کون سی وہ جگہ ہوسکتی ہے جہاں تم آسمانوں اور زمین کے کناروں اور حدود سے نکل جاؤ ہرگز نہیں نکل سکتے بغیر قوت اور غلبہ کے اور یہ ممکن نہیں کہ خدا کے مقابلہ میں کسی کو کوئی غلبہ اور قدرت ہو اس کا حکم اور غلبہ ہی ہر جگہ تم کو محیط ہے تم اس کے احاطۂ حکم سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے اور اگر کہیں جانا ہی چاہو تو جہاں جاؤ گے اسی کے حکم اور حکومت کے دائرہ میں رہو گے اس وقت یہ حالت ہوگی ﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ﴾ (القیامہ:۱۰) بھاگنے کی جگہ تلاش کرے گا مگر نہ ملے گی تو پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے یقیناً یہ بہت بڑا اللہ کا انعام ہے کہ ایسی باتیں واضح طور پر بتادیں اور جن وانس کو ان پر آگاہ کردیا چھوڑے جائیں گے تم پر اے جن وانس جو بھی تم میں سے منکر و کافر اور مجرم ہوں گے دہکتی آگ کے شعلے صاف اور بغیر دھوئیں کی آمیزش کے اور دھواں ملے ہوئے شعلے جب دونوں طرح شعلے تم پر برستے ہوں گے تو پھر تم کسی طرح بدلہ نہیں لے سکو گے نہ تم میں ظاہر ہے کوئی طاقت ہوگی اور نہ تمہارا کوئی مددگار و ہمدرد ہوگا اے جن و انس مجرموں کو سزا کتنا بڑا انعام ہے تو پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

پھر جب پھٹ جائے آسمان پھر وہ ہوجائے سرخ چمڑے کی طرح جب کہ پروردگار قیامت برپا فرمائے گا اور اس کا قہر وجلال اس طرح ظاہر ہورہا ہوگا تو بلاشبہ اس کی قدرت وعظمت اور ہیبت وجلال ہر ایک کو نظر آتا ہوگا یہ کس قدر عظیم قدرت کی نشانی ہے اور اس قدرت کی نشانی میں کیسا عظیم سامان عبرت ہے جن وانس کے لیے جو یقیناً اللہ کی بڑی ہی نعمت ہے تو اے جن وانس پھر اپنے رب کی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں میں سے کس کس کا انکار کروگے تو پھر اس روز نہیں پوچھا جائے گا کسی سے اس کے گناہ کے متعلق نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اس لیے کہ ہر ایک کے اعمال ظاہر ہوں گے خود ہر مجرم کے ہاتھ پاؤں اس کے جرم کی گواہی دے رہے ہوں گے اور اگر سوال بھی ہوگا جیسا کہ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الحجر:۹۲، ۹۳) تو وہ سوال توبیخ وتہدید اور تحقیر وتذلیل کے لیے ہوگا یہ نہیں کہ نفس گناہ اور جرم کو معلوم کرنے کے لیے کہ یہ گناہ یا جرم کیا یا نہیں ایسی حقیقتوں کا عالم دُنیا میں بتادینا اور ان باتوں سے آگاہ کردینا کس قدر بڑا انعام ہے تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کا انکار کروگے بس اس وقت تو یہ عالم ہوگا کہ مجرموں کو پہچانا جاتا ہوگا ان کے چہروں سے اور چہرے کی علامتوں سے جیسے کہ ہر مجرم کا چہرہ اس کے جرائم کا آئینہ دار ہوتا ہے پھر پکڑا جائے گا پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پاؤں میں سلاسل وبیڑیاں ہوں گی اور اس حالت میں پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جارہا ہوگا [1] سن لو یہ قدرت وعظمت کی نشانیاں تو بتاؤ پھر بھی اپنے رب کی کس کس نشانی کا تم انکار کروگے اس حالت میں کہ کفار و مجرمین طوق وسلاسل میں

---

[1] حضرت استاد شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یا یہ کہ ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کے بالوں سے ملادیں گے ۱۲۔

جکڑے پیشانیوں کے بل بالوں سے گھسیٹے جا رہے ہوں گے اور کہا جا رہا ہوگا ان سے سن لو یہ ہے وہ جہنم جس کا مجرمین انکار کرتے تھے پھرتے ہوں گے اس کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان کہ جہنم کا ایک حصہ دہکتی آگ کے شعلوں کا ہوگا اور دوسرا حصہ کھولتے ہوئے پانی کا ہوگا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو اور یہ مجرم اس کے درمیان گشت کرتے ہوں گے اور اسی طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے تو اے جن وانس بتاؤ پھر بھی تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں کہ تم کو مجرمین کے احوال سنا دیئے تا کہ تم اس طرح کے جرم سے بچو اور اللہ کی طاعت و بندگی کا راستہ اختیار کرو۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾

اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اس کو ہیں دو باغ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ

جن میں بہت سی ٹہنیاں پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے

تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ

بہتے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں ہر میوے کی

زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا

قسم قسم پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے لگے بیٹھے بچھونوں پر جن کے

مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

استر تافتہ کے اور میوہ ان باغوں کا جھک رہا پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ

جھٹلاؤ گے ان میں عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں بیاہا ان کو کسی آدمی نے ان سے پہلے اور

لَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ

نہ کسی جن نے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ وہ کیسی جیسے لعل اور

الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ

مونگا پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور کیا بدلہ ہے نیکی کا

اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا

مگر نیکی پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور ان دو باغ کے سوا اور

جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ

دو باغ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے گہرے سبز جیسے سیاہ پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے ہیں ابلتے پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں میوہ اور کھجوریں اور انار پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے سب باغوں میں نیک عورتیں ہیں خوبصورت پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

جھٹلاؤ گے گوریاں رکی رہتیاں خیموں میں پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

جھٹلاؤ گے نہیں بیاہا ان کو کسی آدمی نے ان سے پہلے نہ کسی جن نے پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے لگے بیٹھے سبز چاندنیوں پر اور چھاپے کی خوش طرح

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کے جو بزرگی رکھتا ہے

الْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع ۳ ۳۳ ۱۳

تعظیم والا۔

# اعزاز واکرام اہل ایمان بعطاء نعمت ہائے عظام
# از ربّ ذی الجلال والاکرام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ ۚ۝۴۶ ... الیٰ ... ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝۷۸﴾

**ربط**: گزشتہ سلسلۂ آیات کفار ومجرمین کی تنبیہ اوران کی سزاؤں کے بیان پر مشتمل تھا۔اب ان آیات میں اہل ایمان اور مطیعین کی جزاؤں اوران پر آخرت میں عطا کردہ نعمتوں اورراحتوں کا بیان ہے۔ارشادفرمایا جارہا ہے:

اور جو شخص بھی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اس کے لیے دو باغ ہیں جنت کے عظیم الشان باغات میں سے جن کی نعمتیں اورراحتیں وہ ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے قلب ودماغ میں اس کا تصور ہوا ظاہر ہے کہ یہ استحضار وتصور اور ڈر کہ اللہ کے سامنے میں کیا منہ لے کر حاضر ہوں گا قدم قدم پر انسان کو ہر خطاء وغلطی سے بچائے گا اور ہر مرحلہ پر وہ آخرت کے اجر وثواب حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے گا اور تقویٰ کا بلند ترین راستہ اختیار کر کے جنت کے ایسے عالی شان باغات کا مستحق ہوگا پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ان عالی شان باغوں کی صفت یہ ہوگی کہ بہت سی شاخوں والے ہوں گے جو مختلف انواع واقسام پر مشتمل ہوں گی جن پر متعدد اقسام کے پھل ہوں گے اوران کی شادابی اور سایہ اور بھی راحت ولذت کا باعث ہوگا تو پھر کس کس نعمت کو اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو بہتے ہوں گے جس کی وجہ سے نہ کوئی درخت خشک ہوگا اور پھلوں اور پھولوں کی شادابی میں کوئی کمی نہیں آئے گی تو پھر بتاؤ کس کس نعمت کا اپنے رب کی نعمتوں سے انکار کرو گے ان باغوں میں پھل اور میوے ہوں گے قسم قسم کے پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ان نعمتوں اور ہر قسم کے خوشگوار پھلوں اور میووں کے علاوہ راحت اور آرام کے بھی پورے سامان عطا کیے جائیں گے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ایسے بستروں پر جن کے استر بھی دبیز ریشم کے ہوں گے اوران باغوں کا میوہ (پھل) جھک رہا ہوگا اہل جنت کی جانب اوران کو اتنی بھی مشقت کی ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں اور درختوں کے قریب جا کر درختوں پر چڑھیں اور پھل توڑیں بلکہ درختوں کی شاخیں ان پر جھکی ہوئی ان سے قریب ہوں گی جب چاہیں تازہ بتازہ پھل درختوں سے توڑ کر کھاتے رہیں تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ان تمام نعمتوں اور اسباب راحت کے علاوہ یہ بھی انعام ہوگا کہ ان باغات میں ایسی عورتیں (حور عین) ہوں گی جو نگاہ نیچی رکھنے والی ہوں گی۔حیاء عورت کی زینت وخوبصورتی ہے تو ظاہری جملہ محاسن اور خوبصورتیوں پر ایک مزید خوبصورتی یہ ہوگی کہ وہ قاصرات الطرف اور نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جو ان کی عفت کی نشانی ہے جن کو نہ چھوا ہوگا ان سے پہلے کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے جو خاص ان ہی اہل جنت کے واسطے پیدا کی جائیں گی تو پھر سوچو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ حوریں اپنے حسن وجمال اور طہارت وپاکیزگی میں گویا یاقوت ومرجان اور خوش رنگ وبیش بہا مونگا ہوں گی تو پھر کس کس نعمت کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ظاہر ہے کہ احسان ونیکوکاری کا بدلہ کچھ نہیں سوائے بھلائی اور خوبی کے سو اس وجہ سے اہل ایمان و احسان کو ایسی ہی بھلائیوں، خوبیوں، نعمتوں اور راحتوں کا بدلہ دیا جائے گا تو اے جن وانس بتاؤ اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت

کا انکار کرو گے اور ان دو باغوں سے کم درجے کے دو باغ اور ہوں گے تو پھر کیا کیا اپنے رب کی نعمتوں کی تم تکذیب کرو گے نہایت سبز گہرے رنگ کے ہوں گے کہ ان کی شادابی اور تروتازگی انتہاء پر پہنچی ہوگی تو کس کس نعمت کا اپنے رب کی نعمتوں میں سے انکار کرو گے ہر نعمت وانعام کو اے جن وانس سوچو غور کرو اور اس نعمت کا تصور کر کے سمجھو کہ خدا کا کس قدر انعام وکرم ہے اس کی ہر نعمت دعوت فکر دے رہی ہے اور نعمتوں سے نوازے ہوئے ہر فرد سے سوال کرتی ہے کیا تو مجھ کو جھٹلا سکتا ہے۔

ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہیں پانی کے اُبلتے ہوئے تو پھر کس کس نعمت کا اپنے رب کی تم انکار کرو گے ان میں پھل میوے کھجوریں اور انار ہیں جو دنیا کے پھلوں کھجوروں اور انگور وانار پر قیاس نہیں کیے جا سکتے جیسی وہاں کی ہر نعمت اس عالم کی شان بلند وبالا کے مطابق ہے اسی طرح یہ پھل اور غذائیں بھی وہیں کی شان کے مطابق ہوں گی نام تو بے شک یہی ہیں جو دنیا کے پھلوں کے ہیں لیکن دنیا کے پھلوں اور جنت کے پھلوں میں زمین وآسمان سے بھی زائد فرق ہے تو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ ان سب باغوں میں جو یہ دو کم درجے کے ہیں اور وہ پہلے دو جو نہایت عالی شان اور بلند مرتبہ ہیں نہایت ہی بہترین پاکیزہ خوبصورت عورتیں (یعنی حورعین) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے وہ حوریں ہیں جو رکی رہنے والی ہیں خیموں میں یہ نہیں کہ باہر نکلی نکلی ماری ماری پھرتی ہوں عورت کی عظمت اور اس کی خوبی وخوبصورتی ستر وحجاب اور اپنے گھر کی زینت ہی بنے رہنے میں ہے اس وجہ سے اہل جنت کے واسطے جو حورعین جنت میں ہوں گی ان کی خاص صفت ''فی الخیام'' بیان فرمائی گئی پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمت تم جھٹلاؤ گے نہ چھوا ہوگا ان حورعین کو ان سے پہلے کسی آدمی نے اور نہ کسی جن نے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے یہ اہل جنت تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسندوں اور نہایت قیمتی نفیس بچھونوں پر انتہائی راحت اطمینان وسکون کی یہ نشست ہوگی جو ان کی مجلسوں میں نظر آتی ہوگی یہ ہوں گے انعامات اور اعزاز واکرام اہل ایمان اور خداوندِ عالم سے خشیت وتقویٰ رکھنے والے بندوں پر تو اے جن وانس بتاؤ تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے اے مخاطب ان تمام تفصیلات کو سننے کے بعد بس سمجھ لے کہ بڑی ہی برکت والا ہے تیرے رب کا نام جو بڑی ہی عظمت اور بزرگی والا ہے یہ سب قدرت کی نشانیاں ''جنت وجہنم'' اور ان کے احوال اہل جہنم پر عذاب وسزائیں اور اہل جنت پر انعام وکرم خداوند ذوالجلال کی عزت وکبریائی کی ایسی دلیل ہے کہ نہ اس میں کوئی شبہ کر سکتا ہے اور نہ کسی کو انکار کی مجال ہو سکتی ہے یہ اسی کا کرم ہے وہ اپنے وفادار بندوں پر احسان وانعام فرماتا ہے اور اسی کی یہ شان کبریائی ہے کہ مجرمین سے انتقام لیتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر خوبی اور نعمت کا سرچشمہ اللہ رب العزت کی ذات ہے اور یہ ساری نعمتیں اہل ایمان کو اس کا نام لینے اور اس کا کلمہ پڑھنے کی بدولت ہیں اس لیے جیسے اس کی ذات بالا وبرتر اور بابرکت ہے معلوم ہوا کہ اس کا نام بھی بہت بڑا ہے جس کے لینے سے یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

صدق اللّٰہُ تبارك اسم ربّك ذی الجلال والاكرام نَسْئَالُ الله العظيم الكريم الوهابَ ذَالْجَلَالِ والاكرام ان يجعَلَنَا من اهل الايمان والاخلاص و ان يحشرنا مع الَّذِين انعم الله عليهم من النبِيّن والصِّدِّيقين والشهدَآءِ وَالصالحين وحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفيقًا. اٰمين يارب العالمين.

# قرآن کریم میں تکرار آیات ومضامین کی حکمت

سورۂ الرحمٰن میں آیت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کا بار بار اعادہ فرمایا گیا اسی طرح سورۃ القمر میں ﴿وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾ اور سورۂ والمرسلات میں ﴿وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ﴾ مکرر ہے تو تکرارِ مضامین وآیات کے سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے اصولی طور پر حضرات قارئین کی خدمت میں اجمالاً اتنا عرض کر دیا جائے کہ قرآن کریم کے طرز بیان میں ایک خصوصی طرز یہ بھی ہے کہ واقعات وقصص اور ان کے اجزاء کو بار بار بیان کرتا ہے اور بعض آیاتِ معینہ بار بار دہرائی جاتی ہیں مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات قرآن کریم میں متعدد جگہ ذکر کیے گئے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام اور فرعون کے ذکر سے تو شاید ہی کوئی حصہ قرآن کریم کا خالی ہو ان تمام واقعات کو قرآن بکثرت کہیں اجمال اور تفصیل سے کسی جگہ بعض اجزاء قصہ اور دوسری جگہ دوسرے بعض اجزاء بیان کرتا ہے اسی طرح بعض آیات مثلاً ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ اور ﴿وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ﴾ ایک ہی سورت میں بار بار دہرائی جارہی ہے تکرار مضامین و آیات کی تفصیلی حکمتیں تو متعلقہ مقامات کی تفسیر میں امام رازی، زمخشری اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہم کے کلام سے معلوم ہوسکتی ہیں۔

اس مقام پر ان حضرات اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اخذ کردہ بعض اصولی چیزیں اشارۃً بیان کرنے پر ہم اکتفاء کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ قرآن کریم جن واقعات کو بیان کرتا ہے ہر واقعہ اپنے مختلف اجزاء اور متعدد پہلوؤں کے اعتبار سے بہت سے مفید ثمرات اور اہم نتائج پر مشتمل ہوتا ہے تو ہر مقام وموضوع اور مقصد کی رعایت کرتے ہوئے ہر واقعہ کو کبھی مجموعی طور پر اور کبھی اس کے کسی ایک جز اور پہلو کو کہیں اجمال اور کہیں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور متعدد مقامات پر اس ایک ہی واقعہ کو ذکر کرنے سے ہر مقام کے مناسب ایک نئے فائدہ اور نتیجہ کا اخذ کرنا مقصود ہوتا ہے انہی مقاصد ونتائج کی کثرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان واقعہ یا اس کے اجزاء میں تکرار اختیار کیا جاتا ہے دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیز مکرر ذکر کی جارہی ہے لیکن مقصد اور غرض کے اعتبار سے وہ مکرر نہیں بلکہ نئی چیز ہوتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بنیادی اجزاء اور پہلو حسب ذیل ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد آغوش مادر کے بجائے سمندر کی موجوں کے حوالہ ہوجانا پھر ایک حیرت انگیز طریقہ سے فرعون کے یہاں پہنچ جانا اسی کے گھر میں تربیت پانا قبطی کو قتل کر کے مدین کی طرف بھاگنا وہاں ایک انوکھے طور پر نکاح ہوجانا اہلیہ کو ہمراہ لے جاتے ہوئے آگ کے شعلہ کو دیکھ کر پہاڑی پر جانا اور وہاں سے منصب نبوت سے سرفراز ہوکر لوٹنا اور معجزہ کا عطا ہوجانا پھر دعوت ایمان لے کر فرعون کے پاس جانا فرعون کا تمرد وسرکشی کے ساتھ تحقیر آمیز سوال وجواب کرنا معجزات دیکھ کر فرعون اور تمام ساحروں کا ذلیل ہونا انجام کار فرعون اور اس کی قوم کا دریائے نیل میں غرق ہوجانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مظفر ومنصور ہوکر بنی اسرائیل کو روز روز کے عذاب سے بچالینا وغیرہ وغیرہ۔

اب قرآن کریم کبھی اس قصہ اور اس کے اجزاء کو اپنی قدرتِ عظیمہ اور اپنی جلالت شان کے ظاہر کرنے کے لیے ذکر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت وطاقت اور سطوت وجبروت کے سامنے فرعون جیسی متمرد اور مغرور ومتکبر بادشاہ کی حقیقت کچھ نہیں دم کے دم میں اللہ نے اس کی سلطنت اور طاقت وشوکت کو درہم برہم کر ڈالا اتنے بڑے ساز وسامان والا کس طرح بے گور وکفن مارا گیا کسی جگہ مقصود ان ہی

ہیبت ناک اور تأسف انگیز واقعات کے بیان کرنے سے غافل بندوں کو عبرت دلانا ہوتا ہے کہ تم کو بھی ان معاصی اور کفریات سے باز رہنا چاہیے جن کا یہ خمیازہ پہلی قومیں بھگت چکی ہیں ورنہ کچھ بعید نہیں کہ خدا کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو۔ کسی مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں پر احسان جتانا مقصود ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان پر پیغمبر خدا کی اطاعت و پیروی کی وجہ سے یہ انعام فرمائے کہ ایسے جابر و خونخوار کے پنجۂ ظلم سے نجات بخشی جس کے مقابلہ کی کوئی طاقت نہ تھی پھر اسی ظالم کے تاج و تخت کا وارث بھی بنا دیا۔

کسی جگہ معجزات کے ذکر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے غرض اسی نوع کے اور بہت سے مقاصد ہوتے ہیں جن کے پیش نظر واقعات اور ان کے اجزاء کو ہر ایک مقصد کے اثبات کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز تکرار مطالب قرآن کے متعلق اکسیر فی اصول التفسیر [1] میں فرماتے ہیں:

”تکرار در مطالب قرآن کریم برائے آن است کہ آنچہ خواہیم کہ سامع را افادہ نمائیم دو قسم می باشد یکے از آنکہ مقصود آنجا مجرد تعلیم مالا یعلم بود تا مخاطب حکم مجہول را معلوم کند و آں نادانستہ دانستہ گردد و دیگر آں کہ مقصود استحضار آں علم مدرکۂ او باشد تا زاں لذت فراواں گیرد و رنگ ایں علم بر ہمہ قویٰ غالب آید و قرآن کریم بہ نسبت ہر یکے از علوم خمسہ کہ بیانش خواہد آمد ہر دو قسم افادہ ارادہ فرمود تعلیم مالا یعلم بہ نسبت جاہل و رنگین ساختن نفوس بداں بہ سبب تکرار بہ نسبت عالم اللّٰھُمَّ مگر در اکثر احکام کہ تکرار آنجا حاصل نشدہ افادۂ دوم آنجا مطلوب نبودہ ولہٰذا در شریعت بتکرار تلاوت امر فرمودہ اند نہ بمجرد فہم اکتفاء کردہ اند ایں قدر فرق نہادہ اند کہ در اکثر احوال آں مسائل بعبارت تازہ و اسلوب جدید اختیار فرمودہ اند تا اوقع باشد در نفوس و الذ باشد در اذہان اگر تکرار بیک لفظ کنند چیزے باشد کہ بطور وظیفہ آں را تکرار نمایند و در صورت اختلاف تعبیرات و تفاسیر اسالیب ذہن خوض کند و خاطر بکلی در آں فرو رود۔“

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں اور دو ہی اعتبار و نظریوں کے ساتھ قرآن خطاب فرماتا ہے ایک وہ کہ جو اس حکم سے ناواقف ہیں ان کو تو صرف ایک نامعلوم چیز کی طرف تعلیم دینا ہے دوسرے وہ کہ محض امر غیر معلوم کی تعلیم دینا مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کیفیت کا قلب میں راسخ کر دینا مقصود ہوتا ہے تاکہ قوت مدرکہ اس علم کا پورے طور را استحضار کرے اور طبائع اس سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ اس کے رنگ میں رنگی جائیں۔

اور ظاہر ہے کسی کام میں ملکہ بغیر اس کی پابندی اور التزام اور بار بار کی مشق کے نہیں ہو سکتا اسی طرح اذہان و طبائع کا علوم الٰہیہ کے رنگ میں رنگا جانا تکرار و مداومت کا محتاج ہوگا جیسا کہ نماز و روزہ اور تمام عبادات کی پابندی اس امر کا باعث ہے کہ ہم اطاعت و انقیاد کے خوگر ہو جاتے ہیں اور بلکہ بسا اوقات اس کے ترک سے اذیت محسوس ہونے لگتی ہے اسی طرح کلمۂ توحید اور ذکر اللہ کی پابندی حق تعالیٰ کے تصور اور اس کی محبت قلب میں جما دینے کی تاثیر رکھتی ہے قلب میں اس کیفیت کے رسوخ کا ذریعہ کثرت ذکر کثرت تلاوت تکرار اور مواظبت عمل ہے تو مضامین و مطالب قرآنیہ کا تکرار بھی اسی لیے ہے تاکہ مخاطبین کے قلوب میں یہ مضامین و علوم پورے طور پر راسخ و متمکن ہو جائیں اور طبیعت انہی کے رنگ میں رنگی جائے ذہن ان کی حلاوت و شیرینی سے لطف اندوز ہونے لگیں پھر مزید خوبی یہ کہ تکرار

---

[1] صفحہ نمبر ۱۰ مطبوعہ کانپور۔ ۱۲

بعینہٖ ایک ہی لفظ اور عنوان کے ساتھ نہیں بلکہ ہر جگہ تازہ عبارت اور نئے اسلوب کے ساتھ ہے تو اختلاف تعبیرات کی وجہ سے ذہن کو زیادہ غور وخوض کا موقعہ ملتا ہے اور مدرکہ انسانی کو ہر بار اس مضمون کے سننے سے نئی لذت حاصل ہوتی ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں ایک ہی آیت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ بار بار دہرائی گئی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی مخلوق جن وانس پر بڑے انعامات کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت کے ذکر کے بعد اس آیت کو لایا گیا تقریر وتثبیت اور الزام حجت کے طور پر کہ اے جن وانس (بھلا بتاؤ) اب اپنے رب کی نعمتوں میں کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (ان کی ناشکری کرو گے) مقصد یہ ہے کہ سامع ہر ہر نعمت پر متنبہ ہو کر اپنی پروردگار کی نعمتوں کو پہچانے اور ان کا شکر بجالانے کے لیے آمادہ ہو اس سورت میں انعامات کا ذکر ایک تو بصورت انعام ہے کہ ان نعمتوں کو یاد دلایا گیا جو منعم حقیقی کی طرف سے بندوں پر کی گئیں اور دوسرے اخروی رنج ومحن اور عذاب جہنم کے بیان میں اپنے انعام کو ذکر فرمایا تا کہ ان آلام اور کیفیات مصائب کو سن کر ان امور سے پرہیز کریں جو عذاب اخروی کا سبب ہیں ان امور کا ذکر بھی انعام ہے اگرچہ بیان تو عذاب اور شدت کا ہے مگر اس وجہ سے کہ اس سے مقصود بندوں کو ان اعمال وافعال سے بچنے کی تعلیم ہے جو اس عذاب وشدت کا باعث ہیں لامحالہ ان احوال کا ذکر بھی یقیناً ایک نعمتِ خداوندی ہی ہوا اور اس پر آیت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ اسی طرح مربوط اور چسپاں ہوا جیسے دیگر انعاماتِ خداوندی پر ہے جیسے زانی وبدکار اور لوٹ وغارت گری ڈالنے والوں کی سزا پاک باز ونیک طینت لوگوں کو بعنوان بشارت اور اس طرح اس کو تعبیر کیا جائے کہ یہ سزا دینے والے حاکم کے انعامات میں سے ایک عظیم انعام ہے یا جیسی تریاق کا ذکر انعام ہے تو اس کے بالمقابل سم اور مہلک زہر کا بیان بھی مخاطب کے واسطے معلم کا بہت بڑا انعام ہے تا کہ وہ اپنے مخاطب کو نافع اور مضر ہر قسم کی چیزوں سے مطلع اور باخبر کردے۔

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ''نہایۃ الایجاز فی ذرایۃ الاعجاز'' اور سید مرتضیٰ ''کتاب الامالی'' میں فرماتے ہیں:

ان فعل العقاب وان لم یکن نعمةٌ فذکرهٗ ووصفهٗ والا نذار بِهٖ من اکبر النعم لان فی ذالِك زَجْرًا عَمَّا یستحق به العقاب. ❁

ترجمہ: ''بے شک فعل عقاب اور عذاب بظاہر اگرچہ کوئی نعمت نہیں ہے لیکن اس کا ذکر اور اس کی کیفیت کا بیان بڑی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے کیونکہ اس کے ذکر سے ان برے کاموں سے روکنا مقصود ہے جن کے کرنے سے انسان عذاب خداوندی کا مستحق ہو جاتا ہے۔''

شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

و قد سئل ای نعْمَته فی قوله تعالیٰ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ فاجیب باجوبة احسنها النقل من دار الهموم الی دار السرور واراحة للمؤمنین. ❁

یہ سوال کیا گیا ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ﴾ کون سی نعمت کا بیان ہے (کہ جس کے بعد ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ فرمایا گیا جس طرح انعاماتِ خداوندی پر اس کو اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے) تو اس کے متعدد جواب دیئے گئے جن میں سب سے بہتر یہ جواب ہے کہ اس آیت میں دار الہموم (یعنی تکالیف وآلام اور رنج وغم کی زندگی) سے دار السرور کی طرف منتقل ہونے کا اور اہل ایمان کے

---

❁ کتاب الامالی ص ۸۸۔ ❁ الاتقان فی علوم القرآن۔

واسطے راحتوں کا بیان ہے (جو یقیناً ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ لہٰذا اس کے ذکر پر بھی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ آیت مربوط اور چسپاں بلکہ نہایت ہی لطیف ہے)۔

غرض قرآن کریم کے خصوصی طرز خطاب میں تکرار خطاب مضامین اور آیات بھی جس کے بے شمار اسرار اور حکمتیں ہیں ہم نے صرف بطور مثال یہ چند چیزیں بیان کر دیں۔

اعجاز قرآن کی بحث میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں دنیا کے تمام اہل علم اور ارباب نظر وفکر اور اصحاب فہم وبصیرت بھی قرآن کریم کے حقائق ومعارف اور اس کے اسرار ولطائف کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے اس باب میں ان کی مشترکہ مساعی اور کوششیں صرف وہی نسبت رکھ سکتی ہیں جو ناپیدا کنار سمندر کے سامنے ایک قطرہ کو ہے وحی الٰہی اور علوم قرآن کے سامنے تمام دُنیا کے اہل علم کی علمی وفکری صلاحیتوں کے بارہ میں قرآن کریم نے فیصلہ فرما دیا ہے۔

﴿وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:۸۵)

"اور نہیں دیا گیا ہے اے لوگو! تم کو علم میں سے مگر ایک نہایت ہی قلیل حصہ۔"

اس لیے ظاہر ہے کہ یہ محدود علم کس طرح لامتناہی اور غیر محدود علوم اور حقائق کی بلندیوں تک رسائی کر سکتا ہے۔

﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝﴾ (الجاثیہ)

تکرار آیات کی حکمت پر علامہ سید مرتضیٰ، شیخ سیوطی، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہم اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اکثر اوقات ایک واقعہ مختلف اجزاء کے اعتبار سے بہت سے مسائل اور متعدد نتائج پر مشتمل ہوتا ہے جس کی وجہ سے متکلم اس واقعہ کو کسی وقت کسی لحاظ سے ذکر کرتا ہے۔

اور کسی وقت دوسرے لحاظ سے اس کا ذکر کرتا ہے اور ہر موقعہ پر اس کے ایک خاص نتیجہ کا لحاظ کرتے ہوئے کلام کی تحقیق و تثبیت یا اس کی تفصیل وتوضیح ہوتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ سے متعلق بہت سے مسائل وموضوعات ہیں اور اس کے متعدد اجزاء ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حیرت انگیز طریقہ پر فرعون کے یہاں پہنچنا اور اس کے یہاں تربیت پانا ایک قبطی کے قتل کے بعد مدین کی طرف بھاگنا اور وہاں ایک عجیب اور انوکھے طریقے سے نکاح ہو جانا اپنے اہل کو لے کر جاتے ہوئے راستہ میں آگ دیکھنا اور آگ دیکھنے کی بجائے منصب نبوت ورسالت سے سرفراز ہونا معجزات میں خاص معجزہ ید بیضاء اور عصا کا معجزہ دیا جانا۔ پھر ان معجزوں کو لے کر فرعون کے دربار میں دعوت توحید وایمان کے ساتھ جانا جادوگروں کا مقابلہ اور ان کا ایمان لانا فرعون کی دھمکی اور جادوگروں کی ایمان پر ثابت قدمی اور پختگی وغیرہ وغیرہ اب ظاہر ہے کہ یہ متعدد موضوعات ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والا ہر موقعہ پر یہ خیال کرے گا کہ بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا واقعہ دہرایا جا رہا ہے لیکن درحقیقت ہر جگہ موضوع اور مقصد جدا ہوگا اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا بھی اعادہ وتکرار ہے اور ہر جگہ ایک حکمت اور مفید مضمون ہے جو دوسری جگہ نہیں گویا تکرار ہی نہیں ہے بلکہ ہر موقعہ پر ایک مستقل مضمون اور عظیم مقصد کی تحقیق وتثبیت ہے۔

علاوہ ازیں قرآن حکیم کا بیان اور واقعات کا ذکر صرف اسی حد تک نہیں ہوتا کہ ایک بات بتا دی جائے یا کسی واقعہ کو بطور خبر و اطلاع بیان کر دیا جائے بلکہ ان حقائق کو ذہن اور مخاطب کی طبیعت میں رچانا ہی مقصود ہوتا ہے جو ظاہر ہے بغیر تکرار کے ممکن نہیں کسی چیز کا

مجرد علم اور چیز ہے اور اس چیز سے ذہن کا مانوس و مربوط ہونا اور اس کے مطابق مزاج بن جانا یہ دوسری بات ہے تو یہ نوعیت اس کی مقتضی ہے کہ بار بار اعادہ ہوتا آں کہ وہ مضمون قلب و دماغ کی گہرائیوں میں راسخ ہو جائے اور حتیٰ کہ وہ مزاج و طبیعت ہو جائے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ تکرار مطالب قرآن کے موضوع پر اکسیر فی اصول التفسیر میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ''قرآن کریم کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں ایک وہ لوگ جو اس کے اس حکم سے پہلے سے ناواقف ہیں اور ان کو صرف حکم سنانا اور اس سے باخبر کرنا مقصود ہوتا ہے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کو اس حکم کا علم یا اس بات کی خبر پہلے سے تو ہو چکی ہے لیکن ان کے قلب میں اس مضمون یا اس حکم کے مطابق کیفیت راسخ نہیں ہوتی اس گروہ سے خطاب اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ تعلیم ان کے دلوں میں جگہ پکڑ لے اور ان کے قلب کی گہرائیوں میں اور رگ و پے میں سرایت کر جائے'' تو ظاہر ہے کہ اس طرح کسی حقیقت اور علم کا راسخ ہو جانا تکرار و اعادہ کو مقتضی ہے اسی پر ہر آیت کے تکرار کو بھی محمول کر لیا جائے کہ سورۃ الرحمٰن میں ہر مرتبہ کسی نہ کسی نعمت کے بعد حق تعالیٰ کا یہ دریافت فرمانا کہ اے جن و انس بتاؤ اپنے رب کی نعمتوں میں سے تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے تا کہ ہر نعمت کے ذکر کے بعد سامع اللہ کے انعام کو سوچے اور اس کو پہچانے اور پھر غور و فکر کی گہرائیوں میں چکر لگا کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ بے شک اللہ رب العالمین کی بیشمار نعمتوں میں سے انسان کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کر سکتا اور جب اس نعمت کے ذکر کے بعد یہ سنے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ تو ہر بار دل کی گہرائیوں سے نکلے لابشیء من نعمك ربنا نكذب ولك الحمد۔ اس قسم کا تکرار تو قدیم شعراء عرب کے کلام میں بھی پایا گیا ہے اور اس تکرار کو بڑا ہی بلیغ بلکہ لذیذ سمجھا جاتا ہے چنانچہ عرب کے ایک مشہور شاعر مہلہل بن ربیعہ نے کلیب کے مرثیہ میں ہر مصرعہ کے بعد اس مصرعہ کا اعادہ کیا علیٰ ان لیس عدلا من کلیب۔ ❶

اسی طرح لیلیٰ اخیلیہ توبتہ من الحمیر کے مرثیہ میں ہر مصرعہ پر لنعم الفتیٰ یاتوبُ کنت دہراتی ہے علیٰ ہٰذا القیاس اس قسم کے سینکڑوں نظائر کلام عرب میں بکثرت موجود ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## تفسیر سُورۂ واقعہ

سورۃ واقعہ مکی ہے اس کی چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورت خاص طور سے احوال قیامت کے مضامین پر مشتمل ہے اور یہ مضامین اپنے سیاق و سباق سے قیامت' حشر و نشر اور جزا و سزا کی عظمت و ہیبت قلوب پر قائم کرنے میں ایک عجیب تاثیر رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو بوڑھے ہو گئے (جب کہ اچانک آپ پر ضعف کے آثار اس طرح واقع ہوئے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶ کتاب الامالی صفحہ ۸۶/۸۷

پر پوری طرح بڑھاپا آ گیا حالانکہ آپ ﷺ کے قویٰ توانا اور صحت مند تھے) تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتسآءلون اور اذا الشّمس کورت نے بوڑھا بنا دیا یعنی ان کے مضامین کی ہیبت نے مجھ کو اچانک ایسا مضمحل کر ڈالا۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں عمرو بن الربیع اعصری کی سند سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے اور یہ مرض ان کا مرض وفات تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے پوچھا کہ کیا تکلیف ہے؟ فرمایا میرے گناہ (بس یہی تکلیف ہے) فرمایا کسی چیز کے لیے خواہش ہے؟ جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کیا میں آپ کے واسطے کسی طبیب کا حکم دوں (کہ انتظام کیا جائے) کہنے لگے طبیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے (یعنی اصل طبیب جو شفاء کا مالک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہر صحت و مرض اور موت و حیات ہے اسی کے حکم سے تو بیمار ہوا ہوں) پوچھا کہ کیا میں آپ رضی اللہ عنہ کے واسطے کسی مقدار مال اور بخشش کا حکم نہ کر دوں جواب دیا مجھے کوئی حاجت نہیں فرمایا آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا فرمایا کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق فقر کا کوئی اندیشہ ہے حالانکہ میں نے ان کو اس بات کی ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کر لیا کریں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے اس کو کبھی فقر و فاقہ پیش نہیں آئے گا۔

﴿اَلْوَاقِعَةُ﴾ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس وجہ سے کہ قیامت بلاشبہ واقع ہونے والی ہے اور اس سے زائد قطعی اور یقینی کوئی چیز باعتبار وقوع کے نہیں ہو سکتی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ اور فرمان ہے کہ ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴾ روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز فجر میں اس سورت کو بکثرت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ابتداء سورت میں قیامت کے واقع ہونے کی خبر اس کے احوالِ عظمت و ہیبت کے ساتھ دیتے ہوئے انسانوں کو تین قسموں میں منقسم فرمایا اس کے بعد ان کے انجام اور سعادت و شقاوت اور جزاء و سزا کا ذکر فرمایا پھر دلائل قدرت کی تفصیل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کا بیان فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ سابقین بالخیرات اور اہل سعادت ہیں اور کون درمیانہ درجہ کے اور کون وہ بدنصیب ہیں جو سعادت سے محروم رہتے ہوئے اپنے کو ہلاکت و تباہی میں ڈالتے ہیں۔

## سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۹۶ | (۵۶) | (۴۶) | رکوعاتہا ۳

سورۂ واقعہ مکی ہے اس کی چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں اس کے ہو پڑنے میں جھوٹ اتارتی ہے

رَّافِعَةٌ ۙ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾

چڑھاتی جب لرزے زمین کپکپا کر اور ٹکڑے ہوں پہاڑ ٹوٹ کر

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ

پھر ہو جاویں گرد اڑتی اور تم ہو جاؤ تین قسم پھر

الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

داہنے والے کیسے داہنے والے اور بائیں والے؟ کیسے

الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿۱۱﴾ فِىْ جَنّٰتِ

بائیں والے اور اگاڑی والے سو اگاڑی والے وہ لوگ ہیں پاس والے باغوں میں

النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ

نعمت کے انبوہ ہے پہلوں میں اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں بیٹھے ہیں پلنگوں پر

مَّوْضُوْنَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

سونے سے بنے تکیے دیئے ان پر ایک دوسرے کے سامنے لیے پھرتے ہیں ان پاس لڑکے

مُّخَلَّدُوْنَ ۙ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ

سدا رہنے والے آبخورے اور تتیاں اور پیالہ نتھری شراب کا سر نہ دکھے

عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ

جس سے اور نہ بکنا لگے اور میوہ جونسا چن لیویں اور گوشت اڑتے جانوروں کا

مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ؕ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ﴿۲۳﴾

جس قسم کو جی چاہے اور گوریاں بڑی آنکھوں والیاں کئی برابر لپٹے موتی کے

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ﴿۲۵﴾

بدلہ اس کا جو کرتے تھے نہیں سنتے وہاں بکنا اور نہ جھوٹ لگانا

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾

مگر ایک بولنا سلام سلام اور داہنی والے کیسے داہنے والے

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّ مَآءٍ

رہتے بیری کے درختوں کانٹے جھاڑے ہوؤں میں اور کیلے تہ بر تہ اور چھاؤں لنبی اور پانی

مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾

بہایا اور میوہ بہت۔ نہ ٹوٹا اور نہ روکا

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ

اور بچھونے اونچے ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ایک اٹھان پر پھر کیا ان کو

اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ ع ۱ ۳۸ ۱۴

کنواریاں پیار دلاتیاں ایک عمر کی واسطے داہنے والوں کے انبوہ ہے

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

پہلوں میں اور انبوہ پچھلوں میں۔

## اخبار وقوع قیامت و تقسیم انسان در گروہ ثلاثہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ ... اِلٰى ... ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾

**ربط:** سورۂ الرحمٰن میں ابتداءً حق تعالیٰ نے اپنی قدرت وعظمت کی نشانیاں بیان فرمائیں پھر عالم کے فنا اور قیامت کے برپا ہونے کا ذکر فرمایا اس کے بعد منکرین کی بدحالی اور ان کی سزاؤں کا سلسلۂ بیان شروع فرمایا پھر اس کے بالمقابل اہل ایمان وتقویٰ کی جزاؤں اور ان پر اللہ کی طرف سے عطا کردہ انعام واکرام کی تفصیل فرمائی گئی اب اس کے بعد اس سورۂ واقعہ میں احوالِ قیامت کی تفصیل بیان کی جارہی ہے کہ قیامت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اور اس کے آنے پر دُنیا کے انسانوں کے سامنے ان کی زندگی کا انجام معلوم ہوجائے گا اور کس طرح وہاں کوئی عزیز وسربلند ہوگا اور کوئی ذلیل وسرنگوں اور جو مقربین بارگاہِ خداوندی ہوں گے ان پر کیسے کیسے انعامات ہوں گے۔ ارشاد فرمایا:

یاد کرو جب واقع ہونے والی چیز واقع ہوجائے گی یعنی قیامت تو اس کے وقوع کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا اس وقت ہر ایک منکر

اور کافر کے سامنے بھی حقیقت کھل جائے گی کہ جو بات اللہ کے پیغمبر نے کہی تھی وہ بالکل حق تھی اور جب وہ واقع ہو جائے گی تو اس کو کوئی ٹلانے والا نہ ہوگا کہ کسی تدبیر اور حیلہ سے ٹلا دے وہ کسی کو پست کرنے والی ہوگی اور کسی کو بلند کرنے والی ہوگی بڑے بڑے متکبر جو دُنیا میں بڑی ہی سربلند تھے وہ اس وقت پست اور ذلیل ہو رہے ہوں گے اور دنیا میں حقیر اور پست سمجھے جانے والے مؤمنین سربلند ہوں گے یہ قیامت ایسی صورت سے برپا ہوگی کہ اس وقت زمین لرزنے لگے گی بڑے ہی شدید جھٹکوں کے ساتھ اور بالکل ہی ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پہاڑ پھر وہ ہو جائیں گے پراگندہ غبار اور روئی کے اڑتے ہوئے گالوں کی طرح اور اس وقت اے انسانو! تم ہو جاؤ گے تین قسم کے گروہ جنتی جہنمی اور مقربین، سودا ہنے والے یعنی جن کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور وہ نجات پانے والے ہیں کیا ہی خوب ہیں داہنے والے اور بائیں والے جن کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ ہلاک ہونے والے ہیں کیا ہی بدنصیب ہیں بائیں والے اور تیسرا [1] گروہ آگے بڑھنے والوں کا ہے سو وہ تو سبقت ہی لے جانے والے ہیں وہی تو مقربین ہیں بارگاہِ خداوندی میں جو آسائش و آرام کے باغوں میں ہوں گے اور مقربین کا ایک بڑا گروہ اولین میں سے ہوگا اور کچھ تھوڑے لوگ ہوں گے پچھلوں میں سے اور بعد میں آنے والوں میں سے یہ لوگ ایسی مسندوں اور تختوں پر ہوں گے جو سونے کے تاروں سے جڑے ہوں گے جن پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے اس طرح اطمینان و سکون اور سرور حاصل ہوگا اور ہر ایک دوسرے کی طرف رخ اور توجہ کرنے والا ہوگا اور سب برابر رتبہ کے نظر آتے ہوں گے یہ نہیں کہ کچھ صف اوّل کے ہوں اور کچھ صف ثانی کے ان کے سامنے گشت کرتے ہوں گے ایسے خدمتگار لڑکے جو ہمیشہ اسی طرح معصومیت و لطافت کی شان کے ساتھ رہیں گے جو لیے پھرتے ہوں گے آبخورے اور آفتابے اور جام ایسی شراب طہور کے جو صاف و شفاف چشمے سے بہتے ہوئے پانی کی طرح ہو جس کے پینے سے نہ ان کو درد سر ہوگا اور نہ عقل میں کوئی فتور ہوگا برخلاف اس کے کہ دنیا کی شرابیں دردسر کا باعث ہوتی ہیں اور عقل و ہوش میں فتور ڈال کر انسان کو پاگل کی طرح مدہوش کر دیتی ہیں۔

اور نیز ایسے پھل اور میوے جن کو یہ لوگ پسند کریں اور چاہیں اور پرندوں کا وہ گوشت جس کی یہ لوگ خواہش کریں اور وہ حور عین (گوری رنگت کی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں) جو سیپ میں محفوظ رکھے ہوئے چمکدار موتیوں کی طرح ہوں ایسی نعمتیں، راحتیں اور لذتیں اہل جنت کو حق تعالیٰ کی طرف سے اس صبر و قناعت و تقویٰ کے بالمقابل عطا کی جائیں گی جو ایمان والوں نے صرف اللہ کی

---

[1] ﴿اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ﴾ کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ عرش الٰہی کی دائیں طرف ان اہل ایمان کو جگہ عنایت کی جائے گی یہ دائیں ہاتھ والے وہی ہوں گے جن کو عہدِ الست اور اخذ میثاق کے وقت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سے نکالا گیا تھا اور یہ وہی ہوں گے جن پر القاء نور کے وقت نور پہنچا تھا اور انہوں نے پھر اپنی دنیوی زندگی میں یہ نور ہدایت حاصل کیا اور پھر یہی نور ان کا ساتھی قبر میں رہا اور صراط پر بھی رہا۔ لقول اللہ عز و جل: ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ تو اسی نسبت سے فرشتے بھی ان کو دائیں طرف لیں گے اور اصحاب یمین ہونے کا یمن اور برکت یہ ہوگی کہ ان کے نامہائے اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے جس پر ان کو بڑی ہی فرحت و مسرت ہوگی اور فرط مسرت سے یہ لوگ پکار پکار کر کہتے ہوں گے ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾ اور یہی وہ ہیں جن کو شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب دیکھا تھا اور آدم علیہ السلام اپنی اولاد میں سے جب ان بیٹوں کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ہنستے اور ان کے بالمقابل اصحاب الشمال اور بائیں بازو والے وہ بدنصیب ہیں جو ہر جگہ محرومی اور بدنصیبی ہی کا شکار رہے تو جب آدم علیہ السلام کی نظر اپنی اس بدنصیب اولاد پر پڑتی تو غمزدہ ہو کر روتے تو یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور اس وقت یہ اپنی بدنصیبی پر غم کریں گے اور حسرت ہوگی کہ کاش ہم ہدایت قبول کر کے اصحاب الیمین دائیں بازو والوں میں شامل ہو جاتے ۱۲۔

خوشنودی کے لیے دنیا میں ان تمام لذتوں سے پرہیز کیا تھا تو یہ سب کچھ بدلہ ہے ان اعمال کا جو یہ لوگ دنیا میں کرتے تھے ان جملہ راحتوں، نعمتوں اور لذتوں کے علاوہ یہ بھی ان کا اکرام اور اعزاز ہوگا کہ کوئی ناگوار طبع اور ناگوار خاطر چیز بھی ان کے لیے نہ ہوگی۔ چنانچہ نہ سنیں گے اس میں کوئی بے ہودہ بات اور نہ کوئی فسق و فجور کی چیز اور فحش بات بس ہر طرف سے یہی ایک آواز ہوگی سلاماً سلاماً جو سنائی دے گی ظاہر ہے کہ دارالسلام میں سلام سلام کی آوازوں کے علاوہ اور کیا سنا جاسکتا ہے وہاں نہ بک بک کی آوازیں سنیں گے اور نہ شور و شغب اور بے ہودہ گفتگو ہوگی۔ کیونکہ شور و شغب یا فسق و فجور کی باتیں اور بے ہودہ کلام باطن کی گندگی کے آثار و ثمرات ہیں اور جنت دارالطیبین ہے لَا یَدْخلھا اِلَّا الطیبونَ اس وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس عالم میں اہل جنت کے سامنے کوئی بھی بات خبث و گندگی کی ظاہر ہو۔

اور داہنی طرف والے؟ سبحان اللہ کیا ہی خوب ہیں داہنی طرف والے ان کی سعادت اور ان پر انعامات کا یہ عالم ہوگا کہ وہ لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں بیریاں ہوں گی بغیر کانٹوں کے اور ایسے درخت کے بیر نہایت ہی عمدہ اور لذیذ ہوں گے جنت کا کوئی پھل اور درخت محض تفہیم اور تعارف کے طور پر دُنیا کے درختوں اور پھلوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ نہیں کہ ان درختوں اور پھلوں کو دُنیا کے درخت اور پھل کے مشابہ اور ہم رُتبہ سمجھا جائے وہاں کی تو ہر نعمت پرواز فکر اور حد قیاس سے بالا و برتر ہے اور اُن باغوں میں تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے اور ایسا سایہ جو پھیلا ہوا ہوگا اور وہ پانی جو جاری اور بہتا ہوگا اور وہ پھل جو بڑی ہی کثرت سے ہوں گے نہ کبھی منقطع ہونے والے ہوں گے، فصل ختم ہو جانے کی وجہ سے اور نہ ان کو روکا گیا ہوگا۔ کہ کسی طرح کی پابندی عائد ہو بلکہ ہر پھل بلا روک ٹوک نہایت کثرت کے ساتھ ہر وقت ان اہل یمین کے پاس پہنچتا ہوگا اور بچھونے ہوں گے نہایت ہی بلند جو حسی بلندی کے ساتھ معنوی عظمت و بلندی بھی رکھتے ہوں گے وہاں کی عورتیں ایسی ہیں کہ ہم نے ان کو بنایا ہے ایک خاص طور سے بنانا پھر ہم نے ان کو بنایا باکرہ خاوندوں کی محبوبہ برابر عمروں والی داہنے ہاتھ والوں کے لیے تاکہ یہ اہل جنت دیگر نعمتوں اور راحتوں کے ساتھ رفیق حیات کی مرافقت اور اس مرافقت سے کامل راحت و سکون حاصل کرلیں اور انسانی طبائع کے لیے جس قسم کی بھی راحت و لذت کا طبعاً تصور ہوسکتا ہے ان سب کی جنت میں تکمیل کردی جائے ان اصحاب یمین کا ایک بہت بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بہت بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا اس طرح اصحاب الیمین اولین اور آخرین دونوں طبقوں میں بڑی تعداد میں ہوں گے۔

## اہل ایمان وتقویٰ کا ہر دَور میں بکثرت ہونا اُمتِ محمدیہ ﷺ پر خصوصی انعام

اللہ رب العزت کا اُمت محمدیہ ﷺ پر خصوصی انعام ہے کہ ان میں اہل ایمان وتقویٰ ہر دور اور قرن میں بکثرت ہوں گے کوئی دور اور قرن مؤمنین اور مخلصین سے خالی نہیں رہ سکتا یہاں تک کہ اسی طرح قیامت قائم ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ اس امت کے ناجی تعداد میں اکثر ہوں گے بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان میں تباہ و برباد ہونے والوں کا عدد زیادہ ہوگا یہی وہ چیز تھی جس کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، شب معراج میں جب کہ آنحضرت ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سے ہوا تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ پوچھا گیا

اے موسیٰ علیہ السلام کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا: اے پروردگار! یہ نوعمر نبی ہیں جو میرے بعد مبعوث ہوئے لیکن ان کی اُمت میری اُمت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اُمت پر حسرت کرتے ہوئے گریہ فرمانے لگے۔ اُمت کا تعلق فطری ہے اور ظاہر ہے کسی پیغمبر کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا صدمہ ہوسکتا ہے کہ اس کی امت کی زائد تعداد جہنم کا ایندھن بنے اور نجات پانے والے کم ہوں تو یہ اعزاز اللہ رب العزت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو یہ شرف بخشا کہ ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝﴾۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا تم اس پر راضی ہو کہ جنت میں تم چوتھائی ہو جاؤ لوگوں نے عرض کیا ضرور ہم اس پر راضی ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا اس پر راضی ہو کہ تم تہائی اہل جنت ہو اس پر بھی عرض کیا بے شک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے گویا قصداً تعداد کی اس نسبت پر ہم سے رضامندی کی وضاحت لے لی تو پھر فرمایا اور ایسی بشارت دی کہ وہ توقع بلکہ تصور سے بھی بڑھ کر تھی فرمایا:

((والذی نفسی بیدی انّی لارجو ان تکونوا نصف اهل الجنة وما انتم اِلّا کالشعرة البیضاء فی جلد الثورِ الاسود او کالشعرة السوداء فی جلد الثورِ الابیَضِ )). (رواہ مسلم)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے میں تو اُمید کرتا ہوں کہ تم نصف جنتی ہوگے حالانکہ تمہاری نسبت تمام اُمتوں کے مقابلہ میں بس ایسی ہی ہے جیسے چند سفید بال سیاہ بچھڑے کی کھال میں یا چند سیاہ بال سفید بچھڑے کی کھال میں۔"

بلکہ جامع ترمذی کی ایک حدیث سے تو عددی تناسب اس سے بھی زائد معلوم ہوا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ((اهل الجنة مِائة وعشرون صفًّا. ثمانون منها من هذِه الامة واربعون من سائر الامم)). کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی تمام اُمتوں کی ہوں گی پہلے اس سورت میں ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ فرمایا پھر دوبارہ ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ فرمایا بعض مفسرین نے بعض روایات و آثار کے پیش نظر یہ رائے قائم کی کہ اوّلین سے مراد پہلی قومیں ہیں اور آخرین سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والی مخلوق ہے ابن جریر رضی اللہ عنہ نے اس تفسیر کو اختیار کیا حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے بطور قرینہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ذکر کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ جب پہلی آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا اور فرمانے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پہلی اُمتوں میں سابق زیادہ ہوں گے اور ہم میں کم تو اس کے کچھ عرصہ یا ایک سال بعد یہ دوسری آیت نازل ہوئی ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ سن لو جو کچھ اللہ نے نازل فرما دیا ہے ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ وَاِنَّ مِنْ اٰدَمَ اِلَيَّ ثُلَّةٌ وَّاُمَّتِيْ ثُلَّةٌ﴾ کہ آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک ثلہ ہے اور میری اُمت دوسرا ثلہ (گروہ) ہے۔

لیکن علامہ آلوسی، امام قرطبی، اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم نے اس کے بالمقابل یہ تفسیر کی ہے کہ یہ دونوں طبقے اسی امت کے مراد ہیں اوّلین امت اور آخرین امت اوّلین امت امت ((خیر القرون قرنی ثم الّذین یلونهم ثم الّذین یلونهم)) کے پیش نظر صحابہ تابعین اور تبع تابعین ہیں اور آخرین ان کے بعد ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث مرفوع جس کے باعث اوّلین سے مراد قبل از

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امتیں ہیں محدثین کے اصول سے اس کی اسناد صحیح نہیں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے فی اسنادہٖ نظر۔

روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واضح موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا هما من امتی کہ یہ دونوں گروہ میری امت میں سے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بعض سندوں سے یہی تفسیر منقول ہے۔

اور خود اس جگہ الفاظ قرآن اور آیات کا سیاق بھی اس معنی کو متعین کر رہا ہے کیونکہ ارشاد فرمایا ﴿وَ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ اور یہ خطاب ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہے جس سے یہی مفہوم ہوسکتا ہے کہ یہ تین گروہ امت ہی کے ذکر فرمائے جا رہے ہیں ایک گروہ اصحاب المیمنہ دوسرا اصحاب المشئمہ تیسرا السابقون السابقون یعنی مقربین بارگاہ تو پہلی آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ سابقون کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ مقربین وسابقین اوّلین امت میں تو ایک گروہ کثیر ہوگا اور یہ سابقین ومقربین آخرین امت میں قلیل ہوں گے لیکن دوسری دفعہ آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ میں اوّلین وآخرین میں گروہ کثیر ہونا اصحاب الیمین کا بیان فرمایا جا رہا ہے اور اصحاب الیمین وہ مطلق جملہ اہل ایمان ہیں جو نجات کے مستحق ہوں گے اور جنت کی وہ نعمتیں ان کو عطا ہوں گی جن کا ذکر کیا گیا تو ایسے اہل ایمان وتقویٰ جو خواص مقربین سے کم درجے کے ہوں گے ان کے گروہ کثرت سے اوّلین امت میں ہوں گے اور ان کے گروہ کثرت سے آخر امت میں بھی ہوں گے الغرض اُمتِ محمدیہ کے تین گروہ کی تفصیل فرما دی گئی جس کا ابتداءً ذکر ﴿وَ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

| | |
|---|---|
| وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ۙ ﴿۴۲﴾ | |
| اور بائیں والے کیسے بائیں والے؟ آنچ کی بھاپ میں۔ جلتے پانی میں۔ | |
| وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ | |
| اور چھاؤں میں دھوئیں کی نہ ٹھنڈی اور نہ عزت کی وہ لوگ تھے اس سے پہلے | |
| ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۚ ﴿۴۵﴾ وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۚ ﴿۴۶﴾ وَ كَانُوْا | |
| آسودہ اور ضد کرتے اس بڑے گناہ پر اور تھے | |
| يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ ﴿۴۷﴾ اَوَ | |
| کہتے سو کیا جب ہم مرگئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو پھر اٹھانا ہے کیا | |
| اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ۙ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ | |
| ہمارے باپ دادوں کو بھی اگلے تو کہہ اگلے اور پچھلے سب اکٹھے ہونے ہیں | |

اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾

ایک دن مقرر کے وقت پر پھر تم جو ہو اے بہکو جھٹلانے والو!

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾

البتہ کھاؤ گے ایک درخت سیہنڈ کے سے پھر بھرو گے اس سے پیٹ

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾

پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی۔ پھر پیو گے جیسے پیویں اونٹ تونے

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

یہ مہمانی ہے ان کی انصاف کے دن ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

بھلا دیکھو جو پانی ٹپکاتے ہو اب تم اس کو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ

ہم نے ٹھہرا دیا تم میں مرنا اور ہم ہار نہیں رہے اس سے کہ

نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

بدل لاویں تمہارے طرح کے اور اٹھا کھڑا کریں تم کو جہاں تم نہیں جانتے اور جان چکے ہو

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾

پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے بھلا دیکھو تو! جو بوتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ

کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی؟ یا ہم ہیں کھیتی کرنے والے اگر ہم چاہیں کر ڈالیں اس کو

حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

روندن پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے ہم قرض دار رہ گئے۔ بلکہ ہم بے نصیب ہوئے

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ

بھلا دیکھو تو! پانی جو تم پیتے ہو کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے؟

اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

یا ہم ہیں اتارنے والے؟ اگر ہم چاہیں اس کو کردیں کھارا پھر کیوں نہیں حق مانتے

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ

بھلا دیکھو تو! آگ جو سلگاتے ہو کیا تم نے اٹھایا اس کا درخت یا

نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾

ہم ہیں اٹھانے والے ہم نے وہ بنائے یاد دلانے کو اور برتنے کو جنگل والوں کے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ ع ۲ ۳۶ ۱۵

سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا۔

## ذلت وخواری محرومین از ایمان وہدایت وشدائد روز قیامت ودلائل بعث بعد الموت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ ... الٰى ... بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾﴾

**ربط**: اس سے قبل اصحاب الیمین کی عزت وکرامت کا بیان تھا اور یہ کہ ان کو جنت میں کیسی عظیم الشان نعمتیں عطا کی جائیں گی تو اس کے بعد اصحاب الشمال اور ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جو ایمان وہدایت سے محروم رہے ارشاد فرمایا۔

اور بائیں والے کیسے بدنصیب ہیں یہ بائیں والے ان پر قیامت کے روز شدائد اور مصائب کی کوئی حد نہ ہوگی یہ لوگ دہکتی ہوئی آگ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہوں گے اور ایسے سایہ میں جو سیاہ دھوئیں کا ہوگا جو نہ ہی ٹھنڈا ہوگا اور وہ نہ ہی نفع بخش ہوگا اور بائیں جانب والوں کو ایسے شدید اور سخت عذاب میں اس وجہ سے مبتلا کیا جائے گا کہ یہ لوگ اس سے پہلے بڑے ہی عیش وعشرت میں پڑے ہوئے تھے اللہ کی نعمتوں سے بجائے اللہ کو پہچاننے کے اور زائد خدا سے بغاوت وسرکشی کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا اور بہت سخت نافرمانی پر اصرار کرتے تھے اور شرک جیسی عظیم معصیت کا ارتکاب کرتے تھے اور اسی کے ساتھ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کیا جب کہ ہم مرجائیں گے اور مر کر ہم مٹی ہوجائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہوجائیں گی تو کیا ہم پھر دوبارہ

اٹھائے جائیں گے اور کیا اگلے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔ ان کے استعجاب اور حیرت وانکار کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ کہہ دیجیے یقیناً تم سب اگلے اور پچھلے بلاشبہ جمع کیے جاؤ گے ایک مقرر کردہ وقت پر اور اس وقت تم خود مشاہدہ کرلو گے کہ تمہیں کس طرح دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا گیا اس وقت تمہارا یہ سب تعجب دور ہو جائے گا پھر اے گمراہو! خدا اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں جھٹلانے والو! تم کھانے والے ہو گے درخت زقوم جس کے سوا تمہارے واسطے کوئی غذا نہ ہوگی پس اسی سے تم اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہوؤ گے پھر اس کے بعد تم اس پر پینے والے ہوؤ گے کھولتا ہوا پانی جس کو تم اس طرح پیتے ہو گے جیسا کہ پیاسے اونٹوں کا پینا ہو جو استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہوں بدحواسی اور بے قراری کی کیفیت سے تم اس پر گر رہے ہو گے حالانکہ وہ پانی اس قدر کھولتا ہوگا کہ اس سے انتڑیاں بھی کٹ کٹ کر دبر کے راستہ سے نکل آئیں گی اے مخاطبو! سن لو یہ ہے ان مکذبین ضالین کی مہمانی قیامت کے دن جو ان کے واسطے مہیا کی جائے گی یہ ہے انجام ان منکرین کا جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں حشر ونشر اور قیامت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ کسی بھی صاحب عقل کے لیے اس امر کی گنجائش نہیں کہ وہ حشر اور بعث بعد الموت کا انکار کرے۔

ہم ہی نے تو تم کو پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا تو پھر تم کیوں نہیں یقین کرتے اور کیوں نہیں اللہ کی بات مانتے اگر بالفرض تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر بتاؤ یہ جو منی تم عورتوں کے رحم میں ٹپکاتے ہو پھر اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم اس کے بنانے والے ہیں ایک قطرۂ آب کو رحم مادر میں مختلف احوال میں متغیر کرنا کہ نطفہ سے علقہ (دم بستہ) علقہ سے مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) پھر اس کی ساخت اور ڈھال یہاں تک کہ ہڈیوں اور جوڑوں کو مرتب کرنا پھر اس میں حیات ڈالنا یہ سب کچھ ہماری ہی قدرت ہے جس کا ہر مرحلہ اور ہر صورت اپنی زبان حال سے اقرار کرتی ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ (المومنون: ۱۴) تو جس طرح ہم انسانی تخلیق کے ان جملہ مرحلوں کو اپنی قدرت سے پورا کرتے ہیں تو زندگی اور موت کے بھی ہم ہی مالک ہیں ہم نے ہی مقرر کر رکھا ہے تمہارے درمیان موت کو جس کے لیے زمان ومکان سب کچھ طے کیا ہوا ہوتا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ ہم تمہارے بدلہ اور کوئی قوم لے آئیں جو تم جیسی ہو اور تم کو پیدا کریں ایسی صورت میں جو تم نہیں جانتے ہو کہ وہ کیا صورت ہوگی یا کون سی جگہ ہوگی بلاشبہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تم کو ہلاک کر کے اور دوسری قوم پیدا کر دیں جیسے کہ یہ بات دن رات تمہاری نظروں کے سامنے ہے کہ دُنیا میں بہت سے لوگ مرتے ہیں اور دوسرے پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں تو یہ بھی ایک نمونہ بعث بعد الموت کا ہے اور بے شک تم جان چکے ہو پہلی مرتبہ پیدا ہونے کو تو جب ایک مرتبہ کی پیدائش تم جانتے ہو اور اس پر تمہارا یقین ومشاہدہ ہے تو پھر تم کو دوبارہ زندہ اور پیدا ہونے میں کیا تردد وتامل ہے تو پھر بھی کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے حالانکہ یہ دلائل ومشاہدات قبول حق اور خدا کی باتوں پر ایمان لانے کے لیے بہت کافی ہیں ان ہزارہا تاریخی شواہد کو دُنیا میں کوئی بھی رد نہیں کرسکتا کہ کئی قومیں قرون اولیٰ میں ہلاک کر دی گئیں اور پھر دوسری قوم جوان ہی جیسی نسل انسانی کی ایک قوم تھی پیدا کر دی گئی یہی وہ ارشاد ہے جو دوسری جگہ ارشاد فرمایا ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾ (النساء: ۱۳۳) اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اچھا پھر بتاؤ یہ جو تم کھیتی کرتے ہو اور زمین میں بیج ڈالتے ہو تو کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہیں اس کے اگانے والے ظاہر ہے کہ زمین کی تہوں میں سے اس تخم کو پھاڑ کر نکالنا اور پھر ایک گھاس کے تنکے کا نشوونما کرنا یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے شاداب ہو اس پر غلہ کے دانے لگیں پھر پکیں پھر ان کو کاٹا جائے یہ سب کچھ اللہ رب العزت ہی کی شان خالقیت ہے جو ہر مرحلہ اور تغیر پر نظر آ رہی اگر ہم چاہیں تو اس کھیتی کو سوکھا ہوا گھاس

بنادیں جو ریزہ ریزہ ہو خواہ اگتے ہی اس کو گھاس بنادیں یا بڑھنے کے بعد اور قبل اس کے کہ اس پر دانے لگیں اور وہ پکیں پھر تم اس پر حیرت کے ساتھ نادم و شرمندہ * ہونے لگو اور شدت غم میں کہتے ہو کہ بے شک ہم تو بڑے ہی خسارہ میں ڈال دیئے گئے بلکہ ہم تو محروم ہی ہو چکے ہیں اور بڑے ہی بدنصیب ہیں اچھا ذرا تم یہ بتاؤ یہ پانی جو کہ تم پیتے ہو کیا تم نے اس پانی کو اتارا ہے بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے یہ کس قدر عظیم انعام ہے اور ہماری قدرت کی کیسی واضح دلیل ہے اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا بنادیں اور ایک گھونٹ بھی تم پینے پر قادر نہ رہو پھر آخر کیوں نہیں تم ہمارے شکر گزار ہوئے کہ کس قدر عظیم ذخیرے میٹھے پانی کے تمہارے قبضہ میں دے دیئے جس کا ایک ایک گھونٹ مستحق شکر ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پی کر یہ کلمات فرماتے:

((الحمد لله الذی سقانا عذبًا فراتًا برحمته ولم يجعله ملحًا اجاجًا بذنوبنا)).

"کہ شکر ہے اور ہر تعریف اس پروردگار کی جس نے یہ شیریں پانی پلایا ہے اور اس کو ہمارے گناہوں کی وجہ سے شور اور تلخ نہیں بنایا۔"

پھر ذرا یہ بھی دیکھو اور بتاؤ کہ یہ آگ کہ جس کو تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہیں اس کو پیدا کرنے * والے یقیناً یہ درخت کہ جس سے آگ سلگتی ہے صرف اللہ ہی کی قدرت سے پیدا ہوا ہے۔

ہم نے بنا دیا ہے اس درخت کو جب کہ اس کی آگ کو دہکتے ہوئے دیکھا جائے یا دلانے کا سامان آخرت کی آگ کے لیے کہ اس کو دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ آخرت کی آگ کس طرح دہکتی ہوگی اور اس آگ کی سوزش کیسی اذیت پہنچانے والی ہوگی اور برتنے کا سامان ہے جنگل والوں اور مسافروں کے لیے * کس طرح جنگل میں رہنے والے اور جنگل میں سفر کرنے والے اس درخت کی آگ سے نفع اٹھاتے ہیں کھانا پکانا روشنی حاصل کرنا سردی کی شدت میں اس سے آرام حاصل کرنا لوہے تانبے جیسی چیزوں کو تپا کر سامان زندگی تیار کرنا غرض ایسی ہی ہزارہا نعمتیں ہیں جو صرف آگ جیسی واحد نعمت سے متعلق ہیں جن کو دنیا میں ہر خاص و عام جانتا ہے جو ایک طرف اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے تو دوسری طرف انعام عظیم بھی ہے جس پر بندہ کو ہر لحہ اس کی پاکی اور عظمت کا اقرار و اعتراف کرتے رہنا چاہیے۔

---

* حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے لفظ ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴾ کی یہی تفسیر منقول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غمگین ہونے کے معنی مراد لیے ہیں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان کیا کہ ﴿تَفَكَّهُوْنَ﴾ کے معنی معذبون ہیں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ملامت سے تفسیر کی ہے ابن جریر اور سدی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ حسرت کے معنی مراد ہیں کہ اس خرچ اور محنت پر تم حسرت کرنے لگو جو تم نے اس کھیتی پر کیا الغرض لفظ ﴿تَفَكَّهُوْنَ﴾ کی یہ تفسیر ان ائمہ سے قدر مشترک ایک ہی جامع حقیقت کو بیان کر رہی ہے ۱۲ روح المعانی ۲۶ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

* بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ ان آیات کی تلاوت کے وقت تلاوت کرنے والا ہر جملہ استفہامیہ پر پہنچے تو یہ کہے ﴿بَلْ اَنْتَ يَا رَبِّ﴾ نہیں نہیں اے پروردگار مگر تو ہی اس کا خالق ہے۔

* المقوین کے ترجمہ میں لفظ جنگل والوں کے ساتھ اور مسافروں کا لفظ اضافہ کر کے ان اقوال متعددہ کی طرف اشارہ ہے جو اس کی تفسیر میں منقول ہیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، قتادہ، اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہم نے مقوین کے معنی مسافرین کے بیان کیے ہیں اور ابن جریر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے دوسرے بعض ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ لفظ مقوین القی اور القواء سے مشتق ہے جس کے معنی جنگل و بیابان جو آبادی سے دور ہو یہ دونوں تفسیریں معروف ہیں اور اکثر حضرات مفسرین نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مقوین کے معنی محتاج اور فقراء بیان کیے ہیں۔ ==

سوائے مخاطب تو پاکی بیان کر اپنے رب عظیم کے نام کی اور اس کی ہر نعمت کا شکر ادا کر جس نے مخلوق کی حیات اور راحت کے یہ جملہ اسباب پیدا کیے اور اپنی قدرت عظیمہ سے پانی اور آگ جیسی متضاد چیزوں کو پیدا کیا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾

سو میں قسم کھاتا ہوں تارے ڈوبنے کی اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا

بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا چھپی کتاب میں اس کو وہی چھوتے ہیں

الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ

جو پاک بنے ہیں اتارا ہے جہان کے صاحب نے اب کیا اس بات میں

اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْ لَآ

تم سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ یہی لیتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو پھر کیوں نہ

اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ

جس وقت جان پہنچے حلق کو اور تم اس وقت دیکھتے ہو اور ہم

اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ

اس کے پاس ہیں تم سے زیادہ پر تم نہیں دیکھتے پھر کیوں اگر تم نہیں

مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ

کسی کے حکم میں کیوں نہیں پھیر لیتے اس کو اگر ہو تم سچے۔ سو جو اگر وہ ہوا

---

= ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ نے معنی مستمعین یعنی کان لگانے اور توجہ سے سننے والے بھی کیا ہے۔ یہ جملہ معانی بلا تکلف اس جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ آگ جیسی نعمت کا ہر شخص محتاج ہے اور اس کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کے لیے انعام عظیم ہے خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر، جنگل و بیابان میں ہو یا آبادی اور شہر میں، وہ محتاج ہو یا غیر محتاج غنی ہو یا تنگدست ہر ایک اس نعمت کا محتاج ہے اور اس سے منتفع ہوتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے ''تمام مسلمان'' تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں آگ سبزہ اور پانی کیونکہ یہ تینوں چیزیں مدار حیات ہیں ۱۲

مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اَمَّآ اِنْ

پاس والوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا اور جو اگر وہ

كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾

ہوا داہنے والوں میں تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾

اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں بہکوں میں تو مہمانی ہے جلتا پانی

وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

اور پیٹھانا آگ میں بے شک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ ع ۳ ۲۲ ۱۶

جو سب سے بڑا۔

## حقانیت قرآن کریم واثبات وقوع یوم عظیم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ ... الٰی ... فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾﴾

**ربط:** اس سے قبل حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت وخالقیت کے عظیم دلائل وشواہد ذکر فرمائے اور ان انعاماتِ عظیمہ کو ظاہر فرمایا جو اس نے دنیا کے انسانوں پر فائض فرمائے اور ان عظیم نعمتوں کو ان کی زندگی کا مدار بنایا۔ اب اس کے بعد قرآن کریم کی حقانیت بیان کرتے ہوئے یہ ذکر فرمایا کہ روز قیامت کیسا عظیم دن ہے اور قیامت کے احوال کیسے ہولناک ہوں گے اور یہ کہ قیامت کے روز کس طرح جزاء و سزا سے انسانوں کی قسمیں اور طبقات نظر آتے ہوں گے اور کون اپنی سعادت سے کامیابی حاصل کریں گے اور کون وہ بدنصیب ہوں گے جن کے حصہ میں محرومی اور عتابِ خداوندی آئے گا۔ ارشاد فرمایا:

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور بے شک یہ بہت ہی بڑی قسم ہے اگر تم سمجھو کہ ستاروں کا نظام رفتار کیسا عجیب اور محکم ہے اور ان کا طلوع وغروب بغیر کسی خلل اور فرق کے جاری ہے تو ایسی مخلوق کی عظمت اور اس کے محیر العقول نظام محکم کو کائنات کے سامنے رکھتے ہوئے قسم کھاتا ہوں کہ یقیناً یہ کتاب جو محمد رسول اللہ ﷺ پر اتاری گئی قرآن کریم ہے جو بڑی ہی قدر ومنزلت والی کتاب ہے جس کی عزت وکرامت کی کوئی انتہاء نہیں جو ایک چھپی ہوئی کتاب لوح محفوظ میں پہلے ہی سے محفوظ وموجود ہے کیونکہ یہ اللہ کا کلام قدیم ہے جو ہمیشہ ہی سے لوح محفوظ میں محفوظ ومستور رہا اور ازل ہی سے یہ طے کر دیا گیا تھا کہ یہ قرآن کریم صرف نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ پر

نازل کیا جائے گا اس کو صرف وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ❁ اتارا ہوا ہے یہ کلام پروردگار عالم کی طرف سے اور جو کلام رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہو بلاشبہ وہ متکلم کی عظمتوں' اس کے کمالات اور حکمتوں کا مظہر اتم ہوگا جو حکمتیں اور عظمتیں اس کی مخلوقات سے ظاہر ہیں بلاشبہ وہی عظمتیں اس کے کلام میں بھی جلوہ گر ہوں گی اور جیسے اس کی کائنات میں کسی بھی جگہ کوئی نقص اور عیب نہیں اسی طرح اس کے کلام میں بھی کسی عیب اور نقص کا گزر نہیں ہوسکتا ایسی کلام پر تو کسی بھی صاحب عقل کو ہرگز کوئی تامل نہ کرنا چاہیے لیکن افسوس ایسا نہیں تو کیا اب بھی اس بات میں اور اس کے ماننے میں تم سستی کر رہے ہو اور تم نے اپنی روزی یہی بنالی ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے ہو ❁ کبھی کہتے ہو کہ جادو ہے کبھی کہتے ہو کہ کہانت ہے یا شاعر کا کلام ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو تو پھر کیوں نہیں تم ایسا کرتے کہ جس وقت جان حلقوم تک پہنچ جائے اور سکرات موت واقع ہونے لگیں اور اس وقت تم دیکھ رہے کہ کس طرح روح کا نزع ہو رہا ہے اور ہم تو اس کے پاس زیادہ قریب ہیں بہ نسبت تمہارے لیکن تمہیں نظر نہیں آتا ہے کہ ہم کس قدر قریب ہیں تو اگر اے منکرو! تم خدا کی باتوں کو جھٹلاتے ہو اور تم کسی کے قابو میں نہیں ہو تو کیوں نہیں تم اس روح کو پھیر لیتے اگر تم سچے ہو کہ موت وحیات کا مالک اللہ نہیں اگر تمہارا

---

❁ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطہرون سے مراد فرشتے ہیں کہ اس لوح کو سوائے فرشتوں کے اور کوئی چھو بھی نہیں سکتا اس سے یہ ظاہر فرمانا مقصود ہے کہ لوح محفوظ تک جب کسی کی رسائی ممکن نہیں تو بلاشبہ یہ کلام الٰہی لوح محفوظ سے بحفاظت تامہ نازل ہوا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں یا ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مراد یہی ہے کہ لوح محفوظ سے قرآن کو لانے میں فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا اور چھونا ہاتھ سے بھی ہوتا ہے تو بغیر وضو اور طہارت کے قرآن کریم کے چھونے کی حرمت ثابت ہوگئی اور چھونا بمعنی تعلق اور مناسبت کا حاصل کرنا بھی ہے تو یہ معنی مفہوم ہوں گے کہ قرآن کریم کے علوم اور حقائق سے صرف انہی لوگوں کو تعلق اور مناسبت ہوسکتی ہے جو اپنے اپنے اخلاق سے پاک باز ہیں اور جن کے قلب نفاق وسوء خلق کی گندگی سے آلودہ ہیں ان کو علوم قرآنیہ سے کوئی تعلق ومناسبت نہیں ہوسکتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں باسناد عبداللہ بن ابی بکر بن محمد عمرو بن حزم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمان لکھوا کر ان کے نام بھیجا تھا اس میں یہ تھا ان لا یمس القرآن الا طاھر اس وجہ سے فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بغیر وضو قرآن کریم چھونا ممنوع ہے اور اس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور ایسی حکمت کے پیش نظر وہ بات ہے جو حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ قرآن کریم دشمن کی سرزمین میں لے کر سفر کیا جائے اسی اندیشہ کے باعث کہ وہ مصحف قرآن کی توہین وبے حرمتی نہ کریں اور بغیر پاکی ممکن ہے قرآن کریم کو ہاتھ لگائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا تو بہن نے وہ اوراق چھپا لیے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کہا کہ دکھاؤ مجھے تم کیا پڑھ رہے ہو تو کہا تم مشرک ہو اور نجس آدمی قرآن کو نہیں چھو سکتا ان کو پہلے غسل کے لیے کہا پھر ان کے ہاتھ میں وہ اوراق دیئے ۱۲۔

❁ ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ﴾ کی تفسیر میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہیثم بن عدی رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ بیان کیا ہے کہ بعض قبائل عرب مثلاً ازدشنوءۃ میں لفظ رزق بمعنی شکر بولا جاتا تھا کہا جاتا تھا مارزق فلاں یعنی وہ شخص شکر سے محروم رہا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً یہ معنی ذکر کیے ہیں شکر کم انکم تکذبون کہ تم نے اپنا شکر بس یہی بنایا ہے کہ تکذیب کرتے ہو یہ کہہ کر کہ فلاں فلاں ستارہ کے طلوع وغروب کی وجہ سے بارش برسی زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مقام حدیبیہ میں ہم کو صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات میں بارش برسی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر لوگوں کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ ورسولہٗ اعلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے صبح کی ہے اس طرح کہ کچھ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور کچھ میرا کفر کرنے والے ہیں جس نے یہ کہا کہ ہمیں بارش برسی ہے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش برسی تو وہ میرا کفر کر رہا ہے اور کوکب (ستارہ) پر ایمان لا رہا ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

یہ گمان درست ہے تو پھر تم کو چاہیے کہ یہ روح جو بدن سے پرواز کر رہی ہے اس کو واپس بدن کی طرف لوٹا دو اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت جان نکلنے کے بعد روح کو دوبارہ نہیں لوٹا سکتی تو جس طرح یہ روح اور جان خدا کے قبضہ میں ہے اسی طرح ہر انسان کی جزاء وسزا بھی اسی کے قبضہ میں ہے اور اس کو کوئی لوٹانے پر قادر نہیں چنانچہ یہ ہو کر رہے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا پس اگر وہ مقرب لوگوں میں سے ہے تو اس کے واسطے راحت ہے اور روزی ہے یا ہوا کے جھونکے اور خوشبوئیں اور نعمتوں کے باغات اور اگر وہ داہنے والوں میں سے ہے تو پھر سلامتی ہے تیرے واسطے داہنے والوں سے اور اگر وہ ہے جھٹلانے والوں گمراہوں سے تو پھر مہمانی ہے کھولتے ہوئے پانی کی اور جہنم کی دہکتی آگ میں جھونکے جانے کی کہ کھولتے ہوئے پانی سے مہمانی کا آغاز ہوگا اور ٹھکانہ جہنم ہوگا جس میں اس کو جھونک دیا جائے گا۔

بے شک یہ بات پختہ یقین کی ہے جو اللہ رب العزت کی قدرت وعظمت اور اس کی شان ربوبیت سے بلاشبہ واضح اور ثابت ہے تو اس پر اے مخاطب یقین کر اور اس کی عظمت وکبریائی پر ایمان لائے ہوئے پس اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کرتا رہ مکذبین کی تکذیب اور ان کے جھٹلانے کی نہ کوئی پرواہ کرنی چاہیے اور نہ اس سے دل پر رنج وغم کا اثر لینا چاہیے بلکہ تسبیح وتحمید میں مصروف رہنا ہی مؤمن کا کام ہے منکرین کی دل آزار بے ہودگیاں انہی پر وبال جان بن کر ظاہر ہوں گی ❶ تسبیح وتحمید کی برکت سے قلب اوہام اور وساوس سے بھی پاک رہتا ہے اور انابت الی اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے۔

## موت کے وقت انسانوں کے طبقات

﴿فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ﴾ میں سکرات موت اور نزع روح کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے طبقات متعین کر دیئے جاتے ہیں اور جس طبقہ کا وہ مرنے والا انسان ہوتا ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ملائکہ رحمت اہلِ ایمان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہیں ((ایتها الروح الطيبة فى الجسد الطيّب كنت تعمرينه اخرجى الى روح وريحان ورب غير غضبان)) یعنی اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ بدن کی تعمیر اور نشوونما کر رہی تھی نکل راحتوں اور نعمتوں کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو راضی اور خوش ہے اس کے بالمقابل منکر وفاجر کو کہا جاتا ہے اے روح نکل خدا کے غضب اور عذاب کی طرف اور جہنم کی اذیتوں اور مصیبتوں کی طرف اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ میت کے دفن کے وقت بار بار یہ آیت تلاوت فرماتے ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ﴾ (ابراہیم: ۲۷) اور لوگوں سے فرمایا کرتے اے لوگو! دُعا کرو اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھے قول ثابت اور کلمۂ ایمان کے ساتھ تو اس آیت میں تین طبقات کا بیان اس طرح فرمایا گیا:

① ﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ ② ﴿وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ ③ ﴿وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ﴾

---

❶ حضرات عارفین فرماتے ہیں تقویت قلب اور اطمینان باطن کے لیے ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ جیسے کلمات اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں تسبیح وحمد سے قلب کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ انسان بڑے سے بڑے صدموں اور تکالیف کو برداشت کر لیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)).

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث پر اپنی کتاب کو ختم فرمایا۔

کہ یا تو وہ شخص مقربین میں سے ہوگا مقربین کاملین کا گروہ وہ ہوا جن کے انعامات اوران پر رحمتوں کی کوئی حد وانتہا نہ ہوگی دوسرا گروہ اصحاب الیمین یعنی عام اہل ایمان کا ہوگا ان پر بھی انعامات ہوں گے لیکن ان کا درجہ مقربین سے بہر حال کم ہوگا۔ تیسرا طبقہ مکذبین و منکرین کا ہوگا جن کے اوپر مرتے ہی عذاب کی سختیاں شروع ہوجائیں گی اہل ایمان کے لیے بشارت کا پیغام اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ نے نازل فرمادیا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝۳۲ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

ترجمہ: "جن لوگوں نے (اپنے اعتقاد اور عمل سے) یہ کہہ لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اسی پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے تو ان پر فرشتے یہ پیغام بشارت لے کر اترتے ہیں کہ اے ایمان والو! نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور بشارت سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست اور ولی ہیں دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہے جو تم چاہو اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو جو ضیافت و مہمانی ہے رب غفور رحیم کی طرف سے۔"

تو مقربین انعامات سے نوازے جائیں گے اصحاب الیمین نجات پائیں گے اور راحت وسکون سے جنت میں داخل ہوں گے لیکن منکرین و مکذبین خدا کی لعنت غضب اور عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے۔ اعاذنا اللہ منہا وَ ادخلنا الجنۃ بکرمہٖ وَفضلہٖ منَ الابرار. اٰمین یارب العالمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الواقعۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## تفسیر سُورۃُ الحدید

یہ سورت بھی ان مدنی سورتوں میں ہے جو شریعت کے بنیادی احکام اور عقائد توحید کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہیں مکارم اخلاق اور محاسن اعمال پر بھی کلام فرمایا گیا اور یہ کہ انسان کو دین و دُنیا کی سعادت کے لیے ضرورت ہے کہ اپنے باطن کو اخلاق رذیلہ کی گندگیوں سے پاک رکھتے ہوئے احسان اور انفاق فی سبیل اللہ کی روش اختیار کرے۔

اس سورۂ مبارکہ میں بالخصوص تین اہم موضوع ذکر فرمائے گئے ہیں۔

**اوّلاً** یہ کہ جملہ کائنات و موجودات اللہ کی مخلوق ہے اور خدا ہی اس کا مالک اور خالق ہے اور صرف اسی کا تصرف اور حکم جاری ہے اس کی خالقیت اور حاکمیت میں کوئی شریک نہیں۔

**ثانیاً** یہ کہ دین خداوندی کی سربلندی کے لیے انسان کو کسی قسم کی جانی اور مالی قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔

**ثالثاً** دُنیا اور دُنیا کے ساز وسامان اس کے عیش اور لذتوں کی حقیقت واضح فرمائی گئی کہ یہ زیب وزینت اور مال ومتاع محض ایک دھوکہ اور فریب ہے ان چیزوں سے انسان کو چاہیے کہ دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ یہ سمجھے کہ دُنیا کی زندگی صرف چند روزہ اور یہاں کا قیام آخرت کی تیاری کے واسطے ہے۔

ان مضامین کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وکبریائی اور اس کی پاکیزہ صفات کے بیان سے فرمائی گئی اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح وپاکی بیان کرنے میں مصروف ہے اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی قدرت وعظمت اور وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے پھر یہ کہ وہ ایسا اول ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر ہے کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں وہ ظاہر ہے کہ اس کی قدرت کا جلوہ ہر موجود و مخلوق میں ظاہر ہے اور باطن ہے ایسا کہ نگاہوں اور افکار وعقول کی پرواز سے بالا ہے اس کے بعد اہل ایمان کو انفاق وایثار کی دعوت دی گئی ساتھ ہی اہل ایمان کا وہ اکرام واعزاز بھی بیان کیا گیا جو میدانِ حشر میں ان کو نصیب ہوگا کہ ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ... الخ﴾۔

اختتام سورت پر اللہ رب العزت نے اپنے رسولوں کی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور ان کی تعلیمات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی اُمت کو ایمان وتقویٰ کی دعوت دیتے تھے۔

| آیاتُہا ۲۹ | ۵۷ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۴ | رُکوعاتُہا ۴ |
|---|---|---|

سورۂ حدید مدنی ہے اور اس کی انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا اسی کو

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

راج ہے آسمانوں کا اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب چیز

قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ

کرسکتا ہے وہ ہے پہلا اور پچھلا اور باہر اور اندر اور وہ سب چیز

عَلِيْمٌ ۝٣ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

جانتا ہے وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ

بیٹھا تخت پر جانتا ہے جو پیٹھتا ہے زمین میں اور جو اس سے نکلتا ہے

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ

اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں

مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٤ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

تم ہو اور اللہ! جو کرتے ہو دیکھتا ہے اسی کو ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٥ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو

فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٦

رات میں اور اس کو خبر ہے جیوں کی بات کی۔

## اللہ تعالیٰ کی چند اہم صفات کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الیٰ ... وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے زبان حال سے یا قال سے یا دونوں سے وہی بڑی عزت حکمت والا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی عزت و کبریائی اور اس کی شان حکیمی کی گواہی دے رہی ہے اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی وہی ان سب کا نظام چلا رہا ہے اور اس کی حاکمیت میں کوئی شریک نہیں اسی کی یہ شان ہے کہ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر بڑا ہی قادر ہے آسمانوں اور زمین پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور کوئی طاقت اس کے حکم کو روک نہیں سکتی وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے ایسا اوّل کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا خوب جاننے والا ہے۔

ہر شے کا وجود اس کا ظہور اس کا بقاء اور اس کے زمانۂ بقاء کے تغیرات اور جملہ احوال اسی کے علم میں ہیں وہ ازلی ہے کہ اس کی

کوئی ابتداء نہیں وہ ذات ابدی ہے کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی لیکن وہ باقی رہے گا۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ (الرحمٰن) عرش سے لے کر فرش تک ہر موجود اس کے وجود کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر کیا کوئی چیز روشن ہوگی کہ چاند سورج ستارے اس کی خالقیت وقدرت کی گواہی دے رہے ہیں حتیٰ کہ انسان کا سانس جو اس کی زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہے اس کی ہر آمد ورفت قدرت خداوندی کی گواہی دے رہی ہے اس طرح روشن اور ظاہر و باہر ہونے کے ساتھ ایسا لطیف اور خفی ہے کہ نہ نگاہیں ادراک کر سکتی ہیں اور نہ ہی اس کی ذات وصفات کا احاطہ انسانی عقول کر سکتی ہیں ایسا علیم کہ اس کی نظر اور علم سے ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر قائم اور متمکن ہوا عرش پر جہاں سے کائنات پر اس کی حکمرانی جاری ہے وہ جانتا ہے ہر چیز کو جو زمین کے اندر جاتی ہے جیسے وہ دانے اور تخم جو زمین میں بوئے جاتے ہیں یا وہ خزائن ومعادن جو زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے ہیں اور ہر چیز کو جو زمین سے باہر نکلتی ہے جیسے کہ سبزے اور نباتات * اور جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے بارش کا پانی اس کی مقدار اس کا زمانہ اور اس کی جگہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہے اس طرح وہ فرشتے جو آسمانوں سے احکام اور تکوینی اُمور لے کر اترتے ہیں اور آسمانی فیصلے بھی اور قضاء وقدر کے امور سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہے اور اسی کے علم اور حکم کے مطابق ان سب چیزوں کا آسمان سے نزول ہوتا ہے اور جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں چڑھتی ہے انسانوں کے اعمال اور احوال سے اور وہ فرشتے جو بندوں کے اعمال لے کر آسمانوں پر چڑھتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں غرض ہر نازل ہونے والی چیز اور اوپر چڑھنے والی چیز خدا کے علم میں ہے اسی کے حکم کے مطابق اور اسی کے فیصلہ سے ہے وہ پروردگار تمہارے ہی ساتھ ہے جہاں بھی کہیں تم ہو اور اللہ خوب دیکھتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو وہ کسی وقت اور کسی حال میں تم سے غائب نہیں اور اس سے کوئی عمل چھپا نہیں رہ سکتا خواہ کوئی عمل ظاہر ہو یا چھپ کر کیا جائے جب کہ وہ پروردگار دلوں کے حال احوال پر مطلع ہے تو ظاہری اور حسی اعمال واحوال اس سے کیونکہ پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی کوئی بھی اس کی حدود سلطنت سے نہیں نکل سکتا جہاں بھی جائے گا اسی کی حکومت اور سلطنت میں گھرا ہوگا۔ اور اسی کی طرف تمام اُمور اور کام لوٹتے ہیں وہی ہر کام کا فیصلہ کرتا ہے اور وہی ہر عمل کی جزاء وسزا دیتا ہے کیونکہ ہر عمل اس کی بارگاہ میں اسی لیے پہنچایا جاتا ہے کہ وہ اس کی جزاء یا سزا دے۔ وہی ہے جو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں دن ورات کا گھٹانا بڑھانا اور دن کی روشنی کو مٹا کر رات کی تاریکی پھیلا دینا اور رات کی تاریکی کو دن کے نور سے زائل کر دینا یہ سب کچھ اسی کی قدرت ہے ورنہ دنیا کی طاقت اگر تمام مادی وسائل بھی صرف کر دے تو ایک لمحہ کا بھی تغیر وتبدل نہیں کر سکتی اور وہی خوب جاننے والا ہے دلوں کی چیزوں کو کہ کس کے دل میں کیا خیالات ہیں کیسے عقائد ہیں کس قسم کے ارادے اور عزائم ہیں وہ کیا سوچتا ہے اور کس چیز کی آرزو کر رہا ہے اس کی نیت کس عمل میں کیسی ہے غرض یہ سب کچھ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اس میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

اسماء حسنیٰ کی توضیح وتشریح آیت ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (الاعراف:۱۸۰) میں گزر چکی۔ حضرات قارئین وہاں مراجعت فرمالیں۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت مبارکہ ہزار آیتوں سے بڑھ کر افضل ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک

---

* ان مضامین کی تفصیلات پہلے گزر چکیں۔

حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلبیہ کے محسوس ہونے پر اگر کوئی شخص آیت ﴿وَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ پڑھ لے تو اس کے دل سے ہر قسم کے وساوس وخطرات زائل ہو جائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو یہ کلمات دعائیہ پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنَزِّلَ التَّوْرَاتِ وَالْاِنْجِيْلِ والفرقان فالق الحب والنوىٰ لا اِله الَّا انت اعوذبك من شر كل شيءٍ انت اٰخذ بنَاصيته انت الاوّل فليس قبلكَ شيءٌ وآنت الاٰخِرُ فليس بعدكَ شيءٌ وانت الظاهر فليس فوقكَ شيءٌ و انت الباطن ليس دونك شيءٌ۔ اقض عنا الدين واغننا من الفقر. (صحيح مسلم)

ان کلماتِ داعیہ میں مناجات و دُعا کے ساتھ حق تعالیٰ کی معرفت اس کی شان ربوبیت اور عظمت وقدرت کے اوصاف بھی واضح ہیں اور ان کلمات کا تلفظ ایمان ویقین اور معرفتِ خداوندی کی قوت وبرکت کا باعث ہے۔

اے اللہ! ان کلماتِ مبارکہ کی معرفت وحقیقت ہماری زندگیوں میں رچادے اسی پر زندہ رکھ اسی پر اے اللہ ہمیں موت دے۔ توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين غير خزايا ولا ندامىٰ ولا مفتونين۔

اٰمين يا رب العٰلمين

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ

یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو جو کچھ تمہارے ہاتھ میں دیا اپنا نائب کر کر

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا

سو جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کو نیگ بڑا ہے اور تم کو کیا ہوا کہ

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ

یقین نہ لاؤ گے اللہ پر اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے چکا ہے

مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ

تم سے تمہارا اقرار اگر ہو تم مانتے وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر

اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ

آیتیں صاف کہ نکال لاوے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٩ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

نرمی رکھتا ہے مہربان اور تم کو کیا ہوا ہے؟ کہ خرچ نہ کروگے اللہ کی راہ میں اور اللہ کو بچ رہتا ہے ہر کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ

آسمانوں میں اور زمین میں برابر نہیں تم میں، جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے

وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ

اور لڑا ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو خرچ کریں اس سے پیچھے اور لڑیں

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٠ ع مَنْ ذَا الَّذِيْ ع ۱۰/۱۷

اور سب کو وعدہ دیا ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو کون ہے ایسا جو

يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝١١ ج

قرض دے اللہ کو اچھی طرح قرض پھر وہ اس کو دونا کردے اس کے واسطے اور اس کو ملے نیگ عزت کا۔

## دعوت ایمان بررب کون ومکان وحکم اطاعت رسول کریم ﷺ
## وترغیب بذل مال عزیز برائے رضائے خداوند ذوالجلال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ... الیٰ ... وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝١١ ج﴾

**ربط:** ابتداء سورت سے خداوندِ عالم نے اپنی صفات قدرت وعظمت کا بیان فرمایا ان صفات اور خوبیوں کو سن کر ہر مخاطب کو چاہیے کہ ایسی ذات سراپا عظمت وکبریائی پر ایمان لانے کے واسطے تیار ہوجائے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری جو اس کے رسول ﷺ ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے تیار ہوجائے اور کائنات کے خالق ومالک کی خوشنودی کے لیے اپنی جان ومال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کرے اور جو مال صرف اللہ ہی نے اس کو عطا کیا ہے اس مال کو اس کی فرمانبرداری اور حقوق کے ادا کرنے میں صرف کرنے سے قطعاً بخل نہ کرے۔

ارشاد فرمایا:

ایمان لاؤ اے لوگو! اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر یقین ومعرفت کے راستوں پر چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ خدا اور اس کا رسول ﷺ تم کو کسی ایسی بات کی طرف دعوت نہیں دے رہا ہے جو اجنبی اور پہچانی ہوئی نہ ہو خدا کی معرفت اس کی ربوبیت کا اعتقاد تو تمہاری فطرت میں رچا ہوا ہے اسی کی ربوبیت وبندگی کی طرف اس کا رسول دعوت دے رہا ہے پھر آخر کس وجہ سے سستی بے رخی اور

اعراض ہے مال و دولت اور دُنیا کی خواہشات اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے میں حائل نہ ہونی چاہیے بلکہ ہر طرح جان و مال سے اس کی اطاعت کے لیے تیار ہو جاؤ اور خرچ کرو اس کی رضاء و خوشنودی کے لیے اس مال میں سے جو اس پروردگار نے تمہارے ہاتھوں میں دے دیا ہے تم کو اپنا نائب بنا کر اللہ کے مال کو خرچ کرنے میں مالک وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور اسی نے تم کو وہ مال عطا کیا اور تم صرف اس کے نائب اور اس کا مال خرچ کرنے میں امین اور خزانچی ہی ہو سو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ان کے واسطے بہت ہی بڑا ثواب ہے لہٰذا جو لوگ اس سعادت سے ابھی تک محروم ہیں ان کو چاہیے کہ وہ بھی اس کی طرف رغبت کریں اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دوڑیں اگر اے لوگو! ان تمام حقائق کے علم کے بعد بھی اس کی طرف رغبت اور سبقت نہیں کرتے تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔

اور کیا ہو گیا تم کو کہ تم ایمان نہیں لاتے ہو اللہ پر حالانکہ اس کا رسول ﷺ تم کو دعوت دے رہا ہے اور بلا رہا ہے اس بات کے لیے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور حال یہ ہے کہ تمہارے رب نے تم سے اس بات کا عہد لے لیا ہے عہدِ الست میں جب کہ تم کو تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر تم سے خطاب فرمایا تھا ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ اور تم سب نے اقرار کر لیا تھا اور اسی وقت خدا نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ میرے رسول تمہارے پاس اس عہد و میثاق کو یاد دلانے کے لیے آئیں گے تم ان کی بات ماننا اور ان پر ایمان لانا تو اس عہد کو پورا کرو اگر تم یقین رکھتے ہو اور ظاہر ہے کہ اس کے رد کرنے کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں یہی وجہ ہے کہ اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بنی آدم پر آج تک ظاہر ہے خواہ وہ زبان سے خدا کی الوہیت کا اقرار کرے یا نہ کرے لیکن اس کی فطرت کے تقاضے اور مظاہر اس امر کی گواہی دے رہے ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت اس کی الوہیت اور توحید اس کی فطرت میں موجود ہے۔

وہی ہے پروردگار جو اتارتا ہے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام تا کہ تم کو گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے آئے اور بے شک اللہ رب العزت تم پر بہت ہی نرمی کرنے والا مہربان ہے کہ تم کو تمہارے انکار و کفر اور نافرمانی پر سزا دے کر ہلاک نہیں کرتا بلکہ تم کو مہلت دے رہا ہے اور اپنی مہربانی سے تمہارے واسطے آیات بینات نازل کیں جن کے ذریعے تم گمراہیوں سے نجات پا کر فلاح و سعادت کی زندگی اختیار کر لو ایسے مہربان و رحیم پروردگار کے حکم پر تو تم کو ہر طرح کے ایثار پر تیار ہو جانا چاہیے اور مال و دولت کی محبت میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کر رہے ہو تمہیں چاہیے کہ دنیا اور دنیا کے مال و منال کی حقیقت کو سمجھو اور کیا ہو گیا کہ تم نہیں خرچ کرتے ہو اللہ کی راہ میں حالانکہ اللہ ہی کے واسطے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی سب کچھ فنا ہو جائے گا اور بس اللہ ہی کی ذات باقی رہے گی ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ ﴾ (الرحمٰن) اس لیے عقل کا تقاضا تو یہی ہے کہ اپنی حیات اور زندگی میں ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تا کہ تمہارے مرنے کے بعد وہ تمہارے واسطے ذخیرہ ہو سکے اس کے برعکس اگر تم نے کچھ خرچ نہ کیا تو ظاہر ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر مرنا ہے اور ایسی صورت میں آخرت میں بھی کوئی ذخیرہ تمہارے کام آنے والا نہ ہوگا اور اللہ کی راہ میں خرچ کی قدر و منزلت ضرورت اور حالت کے لحاظ سے ہے جب اللہ کے دین میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور اسلام و مسلمین کمزور و محتاج ہیں تو یقیناً اس وقت اس کا درجہ اللہ کے یہاں بہت بڑا ہوگا اس کے برعکس یہ وقت اگر نکل گیا اور اسلام مستغنی ہو گیا اس طرح کی ظاہری امداد و اعانت سے تو پھر یقیناً یہ درجہ نصیب نہ ہوگا اس لیے معلوم ہو جانا چاہیے کہ برابر نہیں تم میں سے وہ شخص جس نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور فتح مکہ سے قبل جہاد کیا بے شک یہ لوگ بڑے درجہ والے ہیں بہ نسبت ان

لوگوں کے جو بعد فتح مکہ کے خرچ کریں اور قتال کریں دونوں گروہوں میں ایثار وقربانی اور اسلام کی اعانت ومدد کے لحاظ سے بڑا فرق ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک ہی سے نیک بدلہ کا وعدہ کیا ہے * کہ ہر شخص کو نیکی کا بدلہ جزاء حسن ونیکی کی صورت میں ملے گا اور اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو ہر ایک کو اس کے اخلاص اور جذبہ اور عمل کی قدر و قیمت کے مناسب جزاء عطا فرمائے گا ایسی صورت میں تو ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی راہ میں ایثار وقربانی سے دریغ اور تاخیر نہ کرنی چاہیے لہٰذا یہ اعلان کیا جا رہا ہے کون ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو بہترین قرض دینا جس کو اللہ تعالیٰ بڑھائے گا خوب بڑھانا اس کے واسطے دنیا میں بھی اس کی برکت کی حد وانتہاء نہ ہوگی اور آخرت میں اس کے واسطے اجر وثواب ہوگا عزت وکرامت والا وہ جنت کی بیشمار نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے جن کا نہ کسی انسان نے تصور کیا ہوگا نہ کسی آنکھ نے ایسی نعمتیں دیکھی ہوں گی اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا۔

صَدَقَ اللّٰہُ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (السجدہ:۱۷) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ فرما رہا ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حاضر ایک صحابی ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ ہم سے قرض کا ارادہ فرما رہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! یہ سن کر کہتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ مبارک بڑھایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر رکھتے ہوئے گویا بصورت بیعت کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔ ان کا بہت بڑا باغ تھا

---

* بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مفسرین فتح سے مراد صلح حدیبیہ لیتے تھے لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہی مراد ہے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہی ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دُنیا اور آخرت میں دے گا لیکن جن مقدر والوں نے فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ بڑے درجے لے اڑے بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقلِ قلیل تھے اور دُنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی اس وقت اسلام کو جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال وغنائم کی توقعات بہت کم ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹانا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔" فرضی اللہ عنہم و رضوا عنہُ ورزقنا اللہ تعالیٰ اتباعھم وحبھم. اٰمین یا رَبَّ العالمین ۱۲ فوائد عثمانی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے ایک عبا پہنا ہوا تھا جو سینہ پر کئی جگہ سے پھٹا ہوا اور پیوند لگا ہوا تھا انہوں نے اپنا جو کچھ مال تھا وہ قبل الفتح (اور قبل از ہجرت) اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا تو جبرئیل امین علیہ السلام اترے اور انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سارا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کر ڈالا ہے جبریل امین علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ رب العزت کا ان کو پیغام سلام ہے اور یہ کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم مجھ سے راضی ہو اس فقر کی حالت میں یا ناراض ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ پیغام سنایا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں) میں اپنے رب سے راضی ہوں ۱۲۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

جس میں چھ سو درخت کھجور کے تھے باغ میں رہائشی جگہ بھی بنی ہوئی تھی جس میں ان کی بیوی ام الدحداح رضی اللہ عنہ اور ان کے بچے تھے فوراً باغ پر پہنچے اور باغ کے باہر ہی سے بیوی کو پکارا یا اُم الدحداح رضی اللہ عنہا اس نے جواب دیا لبیک کہا، باغ سے باہر نکل آ۔ میں نے یہ باغ اپنے پروردگار کو قرض دے دیا ہے اور اپنے رب کو دیتے ہوئے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اُم الدحداح رضی اللہ عنہا فوراً ہی انتہائی انبساط و مسرت سے بول اٹھی سبحان اللہ، اے ابو الدحداح رضی اللہ عنہ تمہارا یہ معاملہ نہایت ہی نفع بخش ہے یہ کہہ کر اسی وقت اپنے بچوں اور سامان سمیت باغ سے باہر نکل آئیں۔ اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کس قدر خوشے ہیں ابو الدحداح رضی اللہ عنہ کے واسطے جو میں جنت میں لٹکے ہوئے دیکھ رہا ہوں ایک روایت میں ہے کہ یہ خوشے یاقوت اور موتیوں کے ہیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو دوڑتی چلتی ہے ان کی روشنی ان کے آگے

وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور ان کے داہنے خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ ہیں نیچے بہتیں جن کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ ⑫ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ

سدا رہیں ان میں، یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی جس دن کہیں گے دغا باز مرد

وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ

اور عورتیں ایمان والوں کو ہماری راہ دیکھو ہم بھی سلگا لیں تمہاری روشنی سے کسی نے کہا

ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ

الٹے جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈھ لو روشنی پھر کھڑی کر دی ان کے بیچ میں ایک دیوار جس کو ایک دروازہ

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ⑬ يُنَادُوْنَهُمْ

اس کے اندر میں مہر ہے اور باہر کی طرف عذاب یہ ان کو پکارتے ہیں

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ

کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ وہ بولے کیوں نہ تھے؟ لیکن تم نے بچلا دیا آپ کو اور راہ دیکھتے رہے

وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ

اور دھوکے میں پڑے اور بہکے خیالوں پر جب تک آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکایا اللہ کے نام سے اس

الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ

دغا باز نے سو آج تم سے نہیں قبول چھڑوائی دینی اور نہ

كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

منکروں سے تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے۔

## احوال آخرت ومیدان حشر مع ذکر انعام واکرام مؤمنین وذلت وناکامی منکرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ... الٰى ... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾﴾

**ربط**: ابتداء سورت سے حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وپاکی بیان کی گئی اور یہ کہ ساری کائنات اس کی ربوبیت والوہیت کا اقرار کرتی ہے اور وہی اوّل وآخر ہے اور وہی ظاہر وباطن اور ہر چیز کا عالم اور ہر شے پر قادر ہے تو اس کے بعد یہ بیان فرمایا جارہا ہے اس ذات رب العزت پر ایمان لانے والوں کا آخرت میں کیسا اعزاز ہوگا اور کیسے عظیم انعامات سے نوازے جائیں گے اور اس کے برعکس جو لوگ ایمان سے محروم رہے ان کی بدنصیبی اور بدحالی کا کیسا عالم ہوگا ارشاد فرمایا:

وہ دن بھی بڑا عظیم الشان دن ہوگا جب کہ آپ دیکھیں گے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو کہ دوڑتا ہوگا ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنی طرف * جب کہ وہ میدانِ حشر میں ہوں گے اور پل صراط سے گزرتے ہوں گے اس وقت ان کو بشارت دی جارہی ہوگی یہ اعلان کرتے ہوئے کہ اے ایمان والو! بشارت ہو تم کو آج کے دن کہ تم پر انعاماتِ خداوندی کی کوئی حد نہیں وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ نہیں کہ دنیوی نعمتوں اور راحتوں کی طرح دوام وخلود نہ ہو بلکہ نہ اہل جنت فنا ہوں گے اور نہ ہی ان کی نعمتیں ختم ہوں گی یہی ہے بڑی کامیابی یہ انعام واکرام تو اہل ایمان کا ہوگا لیکن اس کے بالمقابل یہ وہ دن ہوگا کہ اس وقت منافق مرد اور منافق عورتیں کہتے ہوں گے اہل ایمان سے جب کہ اہل ایمان ان سے آگے نکلے جارہے ہوں گے انتظار کرو ذرا ہمارا تاکہ ہم کچھ روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے کیونکہ اہل ایمان پر خود ان کے ایمان کا نور ہوگا اور ایمان وعمل صالح کا نور ان سے آگے بھی ہوگا اور دائیں طرف بھی کہا جائے گا تم لوٹ جاؤ اپنے پیچھے کی طرف پھر تلاش کرو روشنی اسی حالت میں پھر قائم کردی جائے گی ان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف اس کے آگے عذاب ہوگا کہ اس

---

* اگرچہ بعض ضعیف روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نور اہل ایمان کے بائیں جانب بھی ہوگا لیکن قرآن کریم کے الفاظ نے صرف داہنی طرف کے نور کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جس کی وجہ بظاہر یہ ہوگی کہ نامۂ اعمال بھی ان کا ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔

دروازہ کے اندر مؤمنین کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جس کے اندر رحمت ہی رحمت ہوگی اور اس طرح اس میں داخل ہو کر منافقین کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اس دروازہ کے اندر جنت کا سماں ہوگا اور ادھر دروازہ سے باہر جہاں منافقین ہوں گے وہاں عذابِ الٰہی کا منظر ہوگا جو منافقین کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہوگا۔

منافقین یہ سوچ کر کہ ہم دُنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہا کرتے تھے ان کو پکاریں گے کیا ہم نہیں تھے تمہارے ساتھ اہل ایمان جواب دیں گے بے شک ظاہر میں تو تم ہمارے ساتھ لگے ہوئے تھے لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنوں میں ڈال دیا تھا اور تم راہ دیکھتے تھے اور انتظار میں رہا کرتے تھے کہ کب مسلمانوں کو نقصان و ذلت اور ناکامی ہوتی ہے اور تم دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے اور تم کو دھوکہ میں ڈال رکھا تھا تمہاری اُمیدوں اور آرزوؤں نے یہاں تک کہ خدا کا حکم آ پہنچا اور تمہاری وہ امیدیں کہ جو تم نے باندھ رکھی تھیں کہ دین اسلام (العیاذ باللہ) ختم ہو جائے گا اور مسلمانوں کو ذلت و ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا سب ختم ہو گئیں اور اس کے برعکس تم ہی کو ذلیل و ناکام ہونا پڑا یہاں تک کہ تم اسی کفر و نفاق پر مرے اور اب قیامت کا عذاب اور جہنم کا مزہ چکھو اور تم کو دھوکہ میں ڈالا اللہ کے بارے میں ایک دغاباز نے اور اس دغاباز شیطان نے تم کو ایسا بہکایا اور ایسا بھٹکایا کہ اب کوئی راستہ ہی رستگاری کا باقی نہ رہا سو آج کا دن ایسا ہے تم سے اے منافقو! کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا کہ تم فدیہ دے کر ہی چھٹکارا حاصل کرو اور نہ کافروں سے کوئی فدیہ قبول ہوگا اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے یہی دوزخ تمہاری رفیق ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے نہ کسی اور کی رفاقت کی توقع رکھو اور نہ ہی یہ تصور کرو کہ تم کسی اور جگہ لوٹ کر جا سکو گے بس جہنم ہی ملجا و ماویٰ ہے اور اس کا عذاب رفیق و ساتھی ہے جس سے کبھی بھی مفارقت نہ ہوگی۔

## میدان حشر میں منافقین کی مؤمنین سے التجاء

آیت ﴿یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ﴾ میں منافق مردوں اور منافق عورتوں کی اہل ایمان سے ایک درخواست و التجاء کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اس تاریکی میں جو ان پر مسلط ہوگی اور میدانِ حشر میں بدحواسی کا عالم ہوگا تو کس طرح وہ اہل ایمان سے التجاء کریں گے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایسی ظلمت واقع فرمائے گا (ابتداءً) کہ کوئی چیز بھی نظر نہ آتی ہوگی حتیٰ کہ کسی مؤمن کو اور نہ کسی کافر کو اپنی ہتھیلی بھی نظر نہ آتی ہوگی یہاں تک کہ اللہ رب العزت مؤمنین کی طرف ایک نور بھیجے گا (جو ان کے اعمال کے مناسب ہوگا اور ایمان اور تقویٰ کے درجہ کے مطابق) کسی کا پہاڑ کے برابر ہوگا اور کسی کا کھجور کے بقدر تو اس روشنی کو دیکھ کر منافقین اہل ایمان کے پیچھے دوڑیں گے لیکن جب دیکھیں گے کہ ان تک رسائی نہیں ہو رہی ہے تو کہیں گے ﴿انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ روز محشر جب تمام مخلوق ظلمت و تاریکی میں گھری ہوگی تو اللہ تعالیٰ ایک نور بھیجے گا جو اہل ایمان کو اللہ کی طرف سے جنت کی راہنمائی کر رہا ہوگا منافقین کو جب اس طرح کا نور محسوس ہوگا تو وہ مؤمنین کے پیچھے چلنے لگیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان پر تاریکی مسلط فرما دے گا اس وقت منافقین اہل ایمان سے التجا کریں گے اور یہ بات یاد دلائیں گے کہ ہم تو دُنیا میں تمہارے ساتھ لگے رہا کرتے تھے۔

ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے فرمایا کہ یہی وہ نور ہوگا جس کی تکمیل اور زیادتی کی اہل ایمان اللہ سے دُعا کرنے لگیں گے ﴿رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا﴾ (التحریم:۸) اور یہ وقت ایسا ہوگا کوئی کسی کو یاد کرتا نہ ہوگا بلکہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ہوگا اہل ایمان شوق جنت میں ہر ماسوا سے بے تعلق ہوں گے اور کافر و منافق آثارِ عذاب کے مشاہدہ سے بدحواس ہوں گے اور اس وقت مؤمنین کے نور سے منافقوں کو کچھ نظر نہ آسکے گا جیسے کہ نابینا انسان کو بینا کی آنکھ کی روشنی سے کچھ نظر نہیں آسکتا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ باب دمشق پر ایک جنازہ کی تجہیز و تدفین میں شریک تھے جب نماز ہو چکی اور لوگ جنازہ دفن کرنے لگے تو فرمایا اے لوگو! ابھی تم صبح و شام کر رہے ہو ایسی جگہ جہاں تم نیکی اور بدی کی تقسیم کر سکتے ہو اور کر رہے ہو لیکن عنقریب ایک وقت ایسا آنے والا ہے تم یہاں سے ایک دوسری منزل کی طرف کوچ کرو گے اور وہ یہ قبر کی منزل ہے اور ہاتھ سے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ تنہائی کا گھر ہے یہ تاریکی کی جگہ ہے یہ کیڑوں کا مقام ہے جو انسان کے جسم کو کھائیں گے یہ تنگی کی جگہ ہے بجز اس کے کہ اس پر اللہ کشادہ کر دے پھر تم اس قبر سے میدان حشر کی منزلوں کی طرف منتقل ہو گے یہاں کے مراحل میں ایک مرحلہ پر تو یہ ہوگا تمام انسانوں کو خدا کا ایک امر ڈھانکے گا جس سے کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے پھر اس مرحلہ سے تم ایک دوسرے مرحلہ کی طرف منتقل ہو گے جہاں تاریکی ہی تاریکی ہوگی جو سب پر مسلط ہوگی اس وقت ایک نور ظاہر ہوگا جو مؤمن کو عطا کیا جائے گا لیکن کافر و منافق اس سے محروم رہیں گے ان کو اس نور سے ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیا جائے گا یہی وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ﴿اَوۡ كَظُلُمٰتٍ فِىۡ بَحۡرٍ لُّجِّىٍّ يَّغۡشٰهُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰٮهَا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ﴾ (النور:۴۰) تو اس وقت کافر و منافق مؤمن کے نور سے کسی طرح بھی فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا جیسے کہ کوئی نابینا شخص بینا انسان کی آنکھ اور اس کی روشنی سے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ [1]

روایاتِ تفسیر سے یہ چیز ظاہر ہو رہی ہے کہ جو کھلے کافر ہیں ان کو ابتداء ہی سے نور سے محروم رکھا جائے گا اور ان کے لیے پل صراط پر چلنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی شروع ہی سے ان کے واسطے جہنم کے دروازے کھلے ہوں گے جن میں ان کو دھکے دے کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا البتہ جو کسی نبی کی امت میں ہیں خواہ وہ سچے ہیں یا کچے انہیں پل صراط پر سے گزرنے کا حکم ہوگا اور اس پر چڑھنے کے وقت سخت اندھیرا ہوگا اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی کوشش کریں گے اس روشنی میں اہل ایمان کے پیچھے پیچھے چلیں گے مگر اہل ایمان جلد ہی آگے بڑھ جائیں گے اس وقت منافق ان کو پکاریں گے ﴿اُنۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِكُمۡ﴾ کہ ذرا ہمارا انتظار کرو تا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر چلیں۔ آخر دُنیا میں بھی تو ہم تمہارے ساتھ تھے اس پر مؤمنین کہیں گے ﴿ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ﴾ کہ پیچھے لوٹو اور وہاں روشنی تلاش کرو جیسے ہی لوٹیں گے فوراً ہی ایک دیوار حائل کر دی جائے گی اور اس کے اس طرف رحمت ہوگی جس طرف مؤمنین ہوں گے اور دوسری طرف عذاب ہوگا جس میں منافقین کو جھونک دیا جائے گا الغرض نفاق جب اصل سبب ظلمت و تاریکی کا ہوا تو ان اعمال اور خصلتوں کو قیامت کے روز نور کا ذریعہ فرمایا گیا جو ایمان و اخلاص کی دلیل ہوتے ہیں مثلاً رات کی تاریکیوں میں نمازوں اور جماعت کے لیے باہر نکلنا جیسا کہ ارشاد ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ روح المعانی ج ۲۷

(( بشر المشائين فى الظلم إلى المساجِد بالنّور التامّ يَومَ القيامَه )). (ابوداؤد، ترمذی)

"یعنی بشارت سنادو ان لوگوں کو جو کثرت سے رات کی تاریکی میں مسجدوں کی طرف جانے والے ہیں ایک مکمل نور کی۔"

قیامت کے روز رات کی تاریکیوں میں جماعت کی پابندی اور مسجد کی حاضری ایمان واخلاص والوں ہی کا کام ہے تو اس پر نور کی بشارت بیان فرمائی جارہی ہے اسی طرح جماعتوں کی پابندی بھی ایمان کی علامت ہے تو اس پر بھی بشارت ہے قیامت کے روز نور کی اور نجات وکامیابی کی۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ

کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو؟ کہ گڑ گڑا دیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو اترا

مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

سچا دین اور نہ ہیں جیسے جن کو کتاب ملی اس سے پہلے پھر لمبی گزری

عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا

ان پر مدت پھر سخت ہوگئے ان کے دل اور بہت ان میں بے حکم ہیں جان رکھو!

اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

کہ اللہ جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے۔ ہم نے کھول سنائے تم کو پتے اگر تم کو

تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

بُوجھ ہے۔ تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو

حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

اچھی طرح قرض، ان کو ملنی ہے دونی، اور ان کو نیگ ہے عزت کا۔ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر

وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۚ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ

اور سب اس کے رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور احوال بتانے والے اپنے رب کے پاس ان کو ہے

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

ان کا نیگ اور ان کی روشنی اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں وہ ہیں لوگ

ع ۲ ۹ ۱۸

الْجَحِيْمِ ⑲ ع

دوزخ کے

## شکوۂ خداوندی از غفلت اہل اسلام وانہماک در نعماء دُنیا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ ... الٰی ... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑯ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں میدان حشر کے کچھ مناظر بیان کیے گئے اور یہ کہ منافق اس وقت کیسی بے چینی اور کرب میں مبتلا ہوں گے اور اس وقت ایسی بے سروسامانی کا عالم ہوگا کہ اہل ایمان سے کچھ روشنی لینا چاہیں گے تو وہ بھی نہ مل سکے گی اور ہولناک تاریکیوں میں بدحواس ہی رہیں گے۔ اب ان آیات میں مسلمانوں کو ایسی غفلت ولاپرواہی سے باز رہنے کی ہدایت وتاکید فرمائی جارہی ہے اور یہ بھی واضح کیا جارہا ہے کہ دُنیا کی مادی نعمتیں غفلت کا باعث بنتی ہیں اور اہل کتاب اسی طرح عیش وعشرت میں پڑ کر خدا سے غافل ہو گئے تھے اور جب ان پر اسی حالت میں ایک طویل مدت گزر گئی تو ایمان وتقویٰ اور تعلق مع اللہ کی تمام صلاحیتوں کو انہوں نے گنوا دیا اور انجام یہ کہ خدا کی اطاعت سے خارج ہو گئے تو عبرت کے لیے اہل کتاب کی ایک تاریخی مثال پیش کرتے ہوئے اس امر پر متنبہ کر دیا گیا کہ غفلت اور نفاق ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور نفاق کا انجام روز محشر میں کیا ہوگا وہ بیان کر دیا گیا ارشاد فرمایا:

کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے ایمان والوں کے لیے اس بات کا کہ ان کے دل گڑگڑائیں اللہ کی یاد سے اور اس کے لیے جو دین حق اترا ہے یعنی قرآن اور احکام دین کہ اس کی اطاعت کے لیے ان کے دل نرما جائیں اور خشیت وتقویٰ کے آثار ان میں پیدا ہوں اور نہ ہو جائیں ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر ایک مدت دراز گزری کہ وہ دنیوی لذتوں اور عیش وعشرت میں پڑ کر خدا سے غافل ہو گئے پھر ان کے دل سخت ہو گئے اس وجہ سے ان کو اس کا احساس بھی نہ رہا کہ یہ غفلت ونافرمانی ان کو کس منزل پر پہنچائے گی۔ چنانچہ باغی ونافرمان ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں تو مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ وہ اہل کتاب کی سی روش اور عادت اختیار کریں اے مسلمانو! جان لو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد جیسے کہ مشاہدہ ہے کہ بنجر زمین پر رحمت کی بارشیں برستی ہیں اور پھر وہ سرسبز وشاداب ہو جاتی ہیں تو اسی طرح سے اے اہل عرب تم دور جاہلیت میں ایسے ہی ہو چکے تھے جیسے کہ بے آب وگیاہ بنجر زمین مگر اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ قرآن کریم نازل فرمایا اور روح وقلب کو شاداب کرنے والی اس بارش نے تمہارے قلوب کی دنیا زندہ تروتازہ اور شاداب بنا دی اب ایسا نہ ہونا چاہیے کہ اس سرسبز وشاداب باغ کو اپنی غفلت اور قلبی قساوت سے پھر ویران وبنجر بنا دو۔

بے شک ہم نے تمہارے واسطے بہت سی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں اُمید ہے کہ تم سمجھ جاؤ اگر کوئی شخص اس قسم کی غفلت کا مرتکب ہو چکا ہے تو اس کے واسطے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہ تائب ہو جائے تو پھر اللہ کی رحمت اس کے ایمان وتقویٰ کے باغ کو شاداب بنا سکتی ہے ایمان اور اخلاص اگرچہ قلب کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی صفت کا نام ہے لیکن ہر صفت کی ظاہری علامت اور نشانیاں ہوتی ہیں ان علامات میں سے ایثار وصدقہ بہترین علامت اور اخلاص کا ثبوت ہے اس بناء پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ بے شک صدقہ

دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ لوگ جو اللہ کو قرض حسن دیں دوگنا کیا جائے گا ان کے واسطے ان کا دیا ہوا صدقہ دُنیا میں کم از کم دوگنا ورنہ زائد سات سو گنا تک ہوسکتا ہے اور اس کے علاوہ ان کے واسطے بہت ہی عزت کا ثواب ہوگا آخرت میں ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اپنا مال ایسے اخلاص اور صدق نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ اس کے مستحق ہیں کہ دُنیا میں بھی ان کو بدلہ ملے اور آخرت میں بھی اجر عظیم اور ثواب کریم کے مستحق ہوں اور جو لوگ پورے اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر بے شک یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں اور گواہ ہیں اپنے رب کے یہاں جب کہ قیامت کے روز ساری اُمتیں پیش ہوں گی اور ان کے انبیاء علیہم السلام سے کہا جائے گا کہ تمہارے واسطے کون اس بات کا گواہ ہے کہ تم نے اپنے رب کا پیغام اور اس کے احکام اپنی اپنی قوموں کو پہنچا دیئے تھے تو اُمتِ محمدیہ لائی جائے گی اور یہ گواہ ہوں گے کہ بے شک اے اللہ! ان پیغمبروں نے تیرے پیغام اور احکام پہنچا دیئے۔

كما قال الله تعالىٰ: ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرہ:۱۴۳) ❶

ان سچے ایمان والوں کے لیے ان کا ثواب ہوگا ایمان وتقویٰ اور اخلاص کا اور روشنی ہوگی جو میدان حشر میں ان کے آگے اور ان کے دائیں ہوگی اور وہ اعزاز واکرام اور سکون واطمینان کے ساتھ اس روشنی میں اپنی جنت کی طرف جاتے ہوں گے اور اس کے بالمقابل وہ بدنصیب جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنم والے ہیں اور اصل جہنم تو ان ہی کے واسطے تیار کی گئی ہے ان کے علاوہ اگر اہلِ توحید کے کچھ مجرمین سزا کے لیے عذاب جہنم میں جائیں گے بھی تو سزا کے بعد یا شفاعت یا رحمتِ خداوندی سے آزاد کردیئے جائیں گے مگر یہ کافر تو ہمیشہ ہی ہمیشہ اس میں رہیں گے اس لیے اصل اصحاب الجحیم کفار ومشرکین ہی ہیں۔

---

❶ بعض حضرات نے یہاں شہید کا ترجمہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہی کیا ہے اور اس کا قرینہ یہ سمجھا کہ آیت کریمہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ میں صدیق کے بعد شہید کا ذکر کیا گیا ہے اور صدیقیت کے مقام کے بعد مقام شہادت ہے تو اس لحاظ سے ﴿وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ کا مفہوم خدا کے لیے اپنی جان قربان کرنا اور اپنے رب کے یہاں شہید ہونا بیان کیا ہے۔
عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ﴾ یہ ما بعد سے مفصول اور جدا ہے اور آگے لفظ ﴿وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ کلام مستقل اور مستانف ہے یعنی اہل ایمان کے لیے تو وصف صدیقون ذکر فرما دیا اب اس کے بعد ﴿وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ جملہ مستقلہ میں شہداء کا عنداللہ ہونا بیان فرمایا۔ مسروق اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہما نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے فرمایا یہ تین قسمیں ہیں جن کا حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ ① مصدقین، ② صدیقین اور ③ شہداء۔
اور یہ وہی تین گروہ ہیں جن کو آیت مبارکہ ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ میں ذکر کیا گیا۔
حضراتِ مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صدیقین وشہداء ایک ہی گروہ ہے اور شہداء صدیقین ہی کا وصف ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ گواہ ہوں گے اپنے رب کے یہاں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مرفوعاً یہی تفسیر کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((مومنوا امتی شهداء)) اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اسی روایت کے پیش نظر ترجمہ میں الفاظ کا اضافہ اور وضاحت کی گئی ۱۲۔ واللہ اعلم بالصواب

## دُنیوی نعمتوں اور راحتوں کی فراخی طبعاً انسان کو غافل بناتی ہے

انسانی طبیعت کا خاصہ ہے اور بہت ہی کم سعادت منداس سے مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں کہ دنیوی انعامات اور راحتوں کی کثرت سے اس میں غفلت ولا پرواہی کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں اسی وجہ سے ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سباء:۱۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَاكان بين اسلامِنَا وبين ان عاتَبنا الله تعالىٰ هذهِ الاٰية ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اِلَّآ اَرْبَعَ سِنِيْنَ)). (صحيح مسلم)

کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عتاب فرمایا یعنی ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ کے نازل ہونے میں چار سال سے زائد مدت نہیں گزری یعنی فتح مکہ کے چار ہی سال بعد یہ صورت حال ہوئی کہ اس طرح کی آیت کے نازل ہونے سے ہماری غفلت ولا پرواہی پر عتاب فرمایا گیا۔

اہل کتاب کی قساوت کی تفصیل پہلے گزر چکی سورۂ بقرہ سے لے کر آخر قرآن کریم تک متعدد حصوں میں ان پر انعاماتِ خداوندی اور ان کی غفلت کا ذکر کیا گیا اور یہ کہ ان کی قساوت قلبی نے نوبت بہار تک پہنچائی کہ خدا کے اصل احکام کی صریح نافرمانی کرنے لگے اور اپنی نفسانی خواہشات کو اصل پیشوا بنالیا حتیٰ کہ جو حکم خداوندی بھی ان کی خواہش کے خلاف ہوا اس میں تحریف شروع کی اور ایسے حیلے اختیار کیے کہ گویا خدا کو یہ بتادیں کہ ہم تیرے احکام کی اطاعت کر رہے ہیں اور درحقیقت کر رہے ہوں نافرمانی جیسے کہ سنیچر کے دن مچھلیوں کے شکار کے معاملہ میں کیا جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی۔

اور بنی اسرائیل کے قلوب کی قساوت کی نوعیت سورۂ بقرہ میں ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ﴾ (البقرہ:۷۴) میں ذکر فرمادی گئی۔ قساوت کے آثار میں سے سب سے پہلا اثر اور نتیجہ احکام خداوندی سے بغاوت اور نافرمانی ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا ﴿وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾۔



| |
|---|
| اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ |
| جان رکھو! دنیا کا یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں |
| وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ |
| اور بہتات ڈھونڈھنی مال کی اور اولاد کی جیسے کہاوت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو ان کا |

نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ

سبزہ اُگتا پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہوگیا پھر ہو جاتا ہے روندن اور پچھلے گھر میں

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

سخت مار ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضا مندی اور دنیا کا جینا

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

تو یہی ہے جنس دغا کی دوڑو اپنے رب کی معافی کو اور بہشت کو

عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا رکھی ہے واسطے ان کے جو یقین لائے اللہ پر

وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

اور اس کے رسولوں پر یہ بڑائی اللہ کی ہے دیوے جس کو چاہے اور اللہ کا فضل

الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

بڑا ہے کوئی آفت نہیں پڑی ملک میں اور نہ آپ تم میں

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾

جو نہیں لکھی ایک کتاب میں، پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو دنیا میں بے شک یہ اللہ پر آسان ہے

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ ریجھا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا اور اللہ

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ

نہیں چاہتا ہے کسی اتراتے بڑائی مارتے کو وہ جو آپ نہ دیں اور سکھاویں

النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

لوگوں کو نہ دینا۔ اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پروا سب خوبیوں سراہا۔

# تمثیل بے ثباتی دنیا و عظمت خداوند خالق کائنات وتعلیم صبر وقناعت وتاکید فکر آخرت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ... الیٰ ... ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝۲۳﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں انسان کا دنیوی نعمتوں اور راحتوں میں لگ کر یادِ خدا اور فکر آخرت سے غفلت ولا پرواہی برتنے پر تنبیہ فرمائی گئی تھی اور یہ کہ یہ طریقہ اہل کتاب کا تھا اہل ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ اب ان آیات میں دنیا اور دنیا کی لذتوں کی ناپائیداری بیان فرمائی جارہی ہے اور اس کی بے ثباتی کا ایک نقشہ پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ دنیا کی حقیقت سمجھی جاسکے۔ فرمایا:

جان لو اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی بس ایک کھیل اور تماشا اور بناؤ سنگھار اور تمہارے درمیان آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا بڑائیاں مارنا اور مال واولاد میں زیادتی کی کوشش کرنا بس ان ہی میں مصروف ومنہمک رہتے ہوئے انسان اپنی زندگی گزار دیتا ہے بچپن میں کھیل تماشا ہے جوانی آئی تو سناؤ سنگھار میں پڑ گیا پھر کچھ عمر پختہ ہوئی تو عزت وجاہ اور نام ونمود اور اپنی ساکھ جمانے کی فکر میں لگ گیا۔ مال واولاد کے غم میں لگے ہوئے ہے کہ مال خوب جمع کرلوں اولاد کے کام آئے گا عزت بڑھے گی قوم میں مقام بلند ہوگا تو از اوّل تا آخر یہی منزلیں جن کو انسان طے کرتا چلا جاتا ہے اور اس بات کو سوچتا بھی نہیں کہ دنیا کی زندگی ہے کیا؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے نہ اس کی ناپائیداری کا خیال ہے اور نہ کبھی یہ تصور کہ ان تمام لذتوں نعمتوں اور راحتوں کا انجام کیا ہے دنیوی زندگی کی حالت بالکل ایسی ہی ہے جیسے بارش کہ جب برسی تو بہت ہی اچھا لگا اس کا سبزہ اور شادابی کھیتی کرنے والوں کو پھر یہ سبزہ زور پکڑتا ہے لہلہانے لگتا ہے تو اے مخاطب دیکھے گا تو اس کو کہ وہ زرد ہونے لگا ہے جب پکنے کا وقت قریب آتا ہے پھر جب وہ خشک ہوجائے تو ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے کہ آدمی اور جانور اس کو روند روند کر چورا چورا کردیتے ہیں اور شادابی وخوبصورتی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا جو اس کھیتی کے ابھرنے اور اس کے سرسبز وشاداب ہونے پر پہلے نظروں کو لبھا رہی تھی اب جب کہ وہ کھیتی گھانس پھونس کے تنکے اور ریزے ہوچکی تو اس کی طرف کسی قسم کا میلان ہی باقی نہ رہا۔ یہی حال بالکل دُنیا کی زندگی کا ہے اور اس کے ساز وسامان کا ہے میرے استاذ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بس یہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز وسامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے آدمی اس کی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کرلیتا ہے حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا یعنی ایمان اور عمل صالح جو شخص دُنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا سمجھو بیڑا پار ہے آخرت میں اس کے لیے مالک کی خوشنودی ورضامندی ہے اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لیے سخت عذاب ہے اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اس کے لیے جلد یا بدیر دھکے مکے کھا کر معافی ہے دُنیا کا خلاصہ وہ تھا اور آخرت میں معاملہ یہ ہوگا کہ عذاب شدید مقدر ہوگا جس سے نجات کا کوئی امکان نہیں بجز اللہ کی رحمت اور مغفرت کے جو ایمان وعمل صالح ہی کی بدولت نصیب ہوسکتی ہے۔

اور مغفرت ومعافی بھی ہے اللہ کی طرف سے اگر کوئی صاحب ایمان شخص اپنی غفلت ولا پرواہی سے کسی گناہ کا ارتکاب کرلے اور نادم وشرمندہ ہوکر خدا کی بارگاہ میں تائب ہو اور اللہ کی طرف سے رضامندی بھی ہے ایمان وعمل صالح والوں کے لیے نیز ان لوگوں

کے واسطے بھی جو گناہ اور خطاء کے بعد تائب ہو جائیں تو خداوندِ عالم ان کی توبہ پر خوش ہوتا ہے اور دُنیا کی زندگی تو بس دھوکہ ہی کا سامان ہے الغرض جب دُنیا کی زندگی اور اس کی لذتیں فانی اور ناپائیدار ہیں اور دُنیا کا سامان اور متاع زندگی درحقیقت دھوکہ ہی کا سامان ہے تو انسان کو چاہیے کہ موت سے غافل نہ ہو آخرت کی فکر میں لگا رہے اور دنیا کے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس لیے بجائے دُنیوی زندگی میں انہماک اور اس کے ساز و سامان کی فکر و تیاری کے اے لوگو! دوڑو اس مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان و زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے واسطے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی اللہ کا فضل و انعام ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوششیں اور دوڑ آخرت اور جنت کی نعمتوں کی طرف پھیر دے اور یہ کمال اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جس کے واسطے چاہیے اسی کا علم محیط ہے وہ جانتا ہے کہ کس میں اس نعمت کی صلاحیت ہے اور کون اس صلاحیت اور سعادت سے محروم رہنے کے قابل ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے جو اپنے انعامات سے بندوں کو نوازتا ہے اور یہ نوازا جانا اور جنت کے انعامات اعمال کا بدلہ نہیں بلکہ محض اللہ کا فضل و انعام ہے اور اس حقیقت کو بھی خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو بھلائی اللہ نے کسی کے واسطے مقدر فرما دی وہ اس کو ضرور حاصل ہو کر رہے گی اور جو چیز کسی کے مقدر میں نہیں وہ کبھی بھی ہاتھ نہیں آ سکتی لہٰذا اگر کوئی خیر یا نفع کی چیز حاصل نہ ہو سکے تو اس پر غمگین و مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں اور نعمتوں کے حصول پر غرور و تکبر نہ کرنا چاہیے اور مصائب و آفات سے مضطرب و بے چین ہونا بھی غلط ہے بلکہ یہ اعتقاد قلب کی گہرائیوں میں راسخ کر لینا چاہیے کہ کوئی بھی مصیبت ایسی نہیں ہے کہ جو زمین میں واقع ہو اور نہ کوئی ایسی مصیبت کہ جو تمہاری جانوں میں ہو مگر یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک لکھی ہوئی کتاب میں ہوتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں اور ظاہر کریں اس وجہ سے دنیا میں ہر آفت و تکلیف اور راحت و نعمت خدا کے لکھے ہوئے فیصلے ہی کے مطابق واقع ہوتی ہے بے شک یہ چیز اللہ پر بہت ہی آسان ہے اے لوگو! یہ سب کچھ تم کو بتایا اور سمجھایا جا رہا ہے اس وجہ سے کہ تم غم نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تم سے فوت ہو جائیں اور نہ شیخی جتایا کرو ان چیزوں پر جو اللہ نے تم کو عطا کیں بلکہ اللہ کے انعامات پر شکر کیا کرو اور آفات و مصائب کے آنے پر صبر کیا کرو اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہے ہر اس شخص کو جو شیخی جتانے والا بڑائی مارنے والا ہو ایسے لوگ کہ جو بخل کرتے ہیں خود بھی اور دوسروں کو بھی آمادہ کرتے ہیں کہ وہ بھی بخل کریں یقیناً ایسا رویہ اللہ سے اور اس کے احکام سے روگردانی کرنا ہے جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑے گا تو اس کو اپنے انجام سے آگاہ ہونا چاہیے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تو ہر چیز سے بے نیاز ہر خوبی کے ساتھ موصوف ہے اس کو کسی کی نافرمانی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی اس کو کسی کی فرمانبرداری کی کوئی حاجت ہے اس لیے کسی بھی انسان کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں مال و دولت پر مغرور و متکبر نہ ہونا چاہیے اور نہ شیخی اور بڑائی جتلانی چاہیے اور جو کچھ اللہ نے مال عطا کیا ہے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے نہ یہ کہ بخل کرے بلکہ اور ظلم یہ کہ دوسروں کو بھی بخل پر آمادہ کرے تو اس سے بڑھ کر انسان کے واسطے کوئی برائی نہیں ہو سکتی ساتھ ہی اس کو یہ بھی عقیدہ قلب کی گہرائیوں میں راسخ کر لینا چاہیے کہ ہر راحت اللہ کا انعام ہے اس وجہ سے اس پر شکر گزار ہو اور ہر تکلیف و مصیبت خدا ہی کے فیصلہ سے ہے اس لیے اس پر صبر و استقامت چاہیے اور خدا ہی سے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے رجوع کرنا چاہیے کہ اس کی بارگاہ میں تضرع و زاری اور دعا و التجاء میں مشغول ہو نہ یہ کہ بے صبری اور بے قراری اختیار کر لے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ

کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ

لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تامعلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسول کی بن دیکھے بے شک

اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ع ۳/۶/۱۹

اللہ زور آور ہے زبردست اور ہم نے بھیجے نوح اور ابراہیم اور رکھی دونوں کی

ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

اولاد میں پیغمبری اور کتاب پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت ان میں

فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ

بے حکم ہیں پھر پیچھے بھیجے ان کی پچھاڑی پر اپنے رسول اور پیچھے بھیجا عیسیٰ

مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

مریم کا بیٹا اور اس کو دی انجیل اور رکھی اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں

رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ۟ اِبْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ

نرمی اور مہر اور ایک دنیا چھوڑتا انہوں نے نیا نکالا ہم نے ان پر نہ لکھا تھا

اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ

مگر چاہنے کو رضامندی اللہ کی پھر نہ نباہا اس کو جیسا چاہیے نباہنا پھر دیا ہم نے ان کو جو ان میں

اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ایماندار تھے ان کا نیگ اور بہت ان میں بے حکم ہیں اے

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر دیوے تم کو دو بوجھے اپنی مہر سے

وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ

اور رکھ دے تم میں روشنی جس کو لیے پھرو اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ

مہربان تا نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے کچھ

فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ

اللہ کا فضل اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ کا

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ع ۴/۴/۲۰

فضل بڑا ہے۔

## بعثت انبیاء علیہم السلام برائے ہدایت عالم وعطاء اسباب رشد وفلاح

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ . . . الٰى . . . وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ﴾

**ربط:** سابقہ آیات میں دُنیا اور دُنیا کی ہر راحت ونعمت کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا ذکر تھا اور یہ کہ انسان کو چاہیے کہ آخرت کی فکر کرے دنیا سراسر دھوکہ ہے اس سے غرور وتکبر اور غفلت میں پڑ جانا سب سے بڑی اور مہلک غلطی ہے تو اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ رب العزت نے تو ہمیشہ ہی تخلیق عالم کے بعد سے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجا، ان پر کتابیں نازل کیں اور بینات ودلائل بھی دیئے تاکہ انسان کو رشد وفلاح کی منزل حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آسکے تو ارشاد فرمایا:

بے شک ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور ترازو تاکہ لوگ عدل وانصاف قائم کریں کتاب ہدایت سے ہدایت کی باتیں سیکھیں اور اس پر عمل کر کے سیدھی راہ اختیار کریں جس سے نجات وکامیابی حاصل ہو اور ترازو بھی اُتاری اس کے ذریعہ ہر عمل اور قول عقیدہ واخلاق اور معاملہ تولا جاسکے اور معلوم ہوسکے کہ کون سی چیز حق ہے اور کون سی باطل اور کون سا طریقہ معتدل اور افراط وتفریط کے درمیان ہے اور کون سا طریقہ انصاف اور حق کے معیار سے گرا ہوا ہے جس طرح کہ حسی ترازو سے اشیاء کی برابری معلوم ہوتی ہے اور کمی وزیادتی کا علم اس کے پلڑے کے جھکاؤ اور ابھار سے بیک نظر معلوم ہوجاتا ہے اسی طرح اس نازل کردہ میزان ہدایت سے ہر قول وعمل کا درست اور ہر چیز کا صراط مستقیم پر ہونا معلوم ہوسکتا ہے اور شریعت کی یہ ترازو قلب وقالب کے

جملہ اعمال کے حسن وقبح کو ٹھیک ٹھیک جانچ تول کر بتاتی ہے اور ہم نے اتارا لوہا کہ زمین میں اس کی کانیں پیدا کیں جس میں بہت سختی ہے اور منافع بھی ہیں لوگوں کے واسطے کہ لوہے سے اسلحہ اور سامان حرب تیار کیا جاسکتا ہے جس سے جہاد وقتال ہوتا ہے اور کافروں پر اس کے ذریعہ سختی وشدت واقع کی جاتی ہے اور ساتھ ہی اس کے ذریعہ لوگوں کی معیشت کے بہت سے مادی فوائد و منفعتیں بھی وابستہ ہیں یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں تا کہ لوگ اس کی خالقیت وقدرت پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت کریں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اسکے رسولوں کی بغیر اللہ کو دیکھے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی ہی قوت والا غالب وعزیز ہے اس کی قوت و عزت کے مقابلہ میں دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں اور کافروں کی مجال نہیں کہ اللہ کو اور اس کے رسولوں کو مغلوب کرسکیں۔ پیغمبری اور کتب ہدایت نازل کرنے کے لیے اللہ نے اپنی ہی حکمت سے اپنے رسولوں کو منتخب کیا۔

اور اس طرح ہم نے بھیجا نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو اور رکھ دیا ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت کو اور کتاب کو ان دونوں کو اس طرح نبوت ورسالت اور آسمانی کتابیں نازل کرنے کے لیے چن لیا کہ ان ہی کی اولاد میں رسالت اور سلسلۂ نبوت رہے اور ان کے بعد یہ دولت ان دونوں کی اولاد سے باہر نہ جائے اب اس کے بعد جب یہ رسول آئے تو ان کی اُمتوں میں سے بہت سے راہ راست پر آ گئے اور بہت سے ان میں سے نافرمان رہے۔

پھر ہم نے ان کے بعد بھیجے ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کے لیے اپنے رسول اور ان سب کے بعد بھیجا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو اور ان کو ہم نے انجیل دی جن پر انبیاء بنی اسرائیل کو ختم فرما دیا اور ڈال دی ہم نے ان لوگوں کو دلوں میں نرمی اور مہربانی جنہوں نے ان کی اتباع کی اور رہبانیت۔ ترک علائق دنیویہ کو بھی انہوں نے اختیار کرلیا جو انہوں نے اپنی طرف سے ایک نئی بات ایجاد کی تھی جس کو ہم نے ان پر مقرر نہیں کیا تھا انہوں نے اپنے اوپر دنیوی تعلقات سے علیحدگی اور جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے کا طرز اختیار کیا ہم نے تو ان پر صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنا مقرر کیا تھا لیکن وہ اس کو نباہ نہ سکے جیسا کہ اس کو نبھانے کا حق تھا پھر ہم نے ان لوگوں میں سے ایمان لانے والوں کو اجر دیا جو ایمان پر قائم رہے اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہے اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہوئے اور اسحاق علیہ السلام اور انبیاء بنی اسرائیل کا سلسلہ نبوت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پر ختم ہوجانے کے بعد اللہ نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا اور حکم ہوا۔

اے وہ لوگو! جو پہلے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو وہ تم کو اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا اور تم کو وہ نور دے گا جس کو تم لیے پھرو گے کہ دُنیا میں بھی وہ نور تمہارے ساتھ ہوگا اور نور ہدایت سے تمہاری زندگی منور اور مزین ہوگی اور آخرت میں یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہاری مغفرت بھی کرے گا اور اللہ تو بڑا ہی معاف کرنے والا مہربان ہے۔

یہ سب کچھ اللہ نے بیان کردیا تا کہ جان لیں [1] اہل کتاب اس بات کو کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں اور

---

[1] بالعموم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ﴾ میں ﴿لا﴾ زائد ہے اور مقصد یہ کہ جان لیں اس لیے کہ اس غرض کا اہل کتاب کے لیے جاننا مقصود ہے نہ یہ کہ نہ جانیں تو اکثر حضرات مفسرین سلف یہاں ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ﴾ کا ترجمہ یعلم سے کرتے ہیں یعنی تا کہ جان لیں اہل کتاب ...الخ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ لفظ لا کو اپنے معنی پر برقرار رکھتے ہوئے "نہ جانیں" سے ترجمہ کیا ہے تو اس صورت میں کلام کی تقدیر اس =

اس امر سے ان کو لاعلمی اور غفلت نہ ہو کہ وہ اللہ کے فضل پر قادر نہیں بلکہ اللہ کا فضل بے شک اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کو چاہے وہ عطا کرے اس لیے اگر اللہ نے بنی اسرائیل سے نبوت کو ختم کر کے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں نبوت رکھ دی تو اہل کتاب کو اس پر کسی درجہ میں بھی تذبذب نہ کرنا چاہیے نبوت و رسالت کا فضل اور ہر قسم کی بزرگی اللہ کے قبضہ میں ہے جہاں چاہے وہ بزرگی رکھ دے اور جس کو چاہے عطا کر دے اور اسی طرح اہل کتاب میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والوں کو دوگنا اجر و ثواب دینا بھی اللہ کا فضل و انعام ہے وہ جس کو چاہے اپنے انعام سے نوازے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انعام کو روک لے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل و انعام والا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ثَلٰثَةٌ يؤتون اَجرَهُمْ مرتين رَجلٌ من اهل الكتاب اٰمَنَ بِنبِيِّهٖ وَ اٰمَنَ بمحمّدٍ ﷺ ورجُلٌ مملوكٌ ادى حق الله تعالىٰ و حق مواليه وَرَجُل كانت عِندهٗ امة ادّبها فَاَحسن تاديبهَا ثم اعتقها وتزوجها الحديث)). (صحیح بخاری)

**ترجمہ:** کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو دوگنا اجر دیا جائے گا ایک شخص کتابی جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا تھا پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا دوسرا مملوک غلام جو اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کرتا ہے اور خدا کا بھی حق ادا کرتا ہے اور تیسرا وہ جس کے پاس باندی تھی جس کو اس نے اچھی تعلیم دی ادب سکھایا پھر اس کو آزاد کیا اور اس سے نکاح کر کے اس کو اپنی منکوحہ بنایا تو تینوں کو دوگنا اجر و ثواب ملے گا۔

الغرض اہل کتاب کا اپنی شریعت اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننا اور آپ کے دین پر عمل کرنا بہت ہی قابل قدر چیز ہے تو اس پر دوگنے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔

## لوہے کی سختی اور اس کے منافع

اس مقام پر حق تعالیٰ نے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ سے اپنے رسولوں کی بعثت کا ذکر فرمایا اور اس امر کو ثابت فرمایا کہ رسولوں کی بعثت عالم کی ہدایت اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اللہ نے مقدر فرمائی۔ وہ دلائل و بینات کے ذریعے عالم کو ہدایت اور رشد و فلاح کی دعوت دیتے رہے اب اس کے بعد ارسال رسل کی نعمت کے ساتھ ایک اور انعام کا ذکر فرما دیا گیا کہ لوہے کو اتارا جس میں سختی ہے اور لوگوں کے واسطے منافع ہیں یعنی عالم کی ہدایت جس طرح رسولوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہے اسی کے ساتھ ہدایت کا دوسرا ذریعہ جہاد ہے کہ جو لوگ اپنی طبعی کجروی سے باز نہ آئیں نہ اللہ کے احکام کو مانیں اور نہ انصاف کی ترازو کو سیدھا رکھیں جس سے نظام عالم اور اس کا امن و راحت اور رشد و فلاح وابستہ ہے تو پھر ان سے جہاد و قتال ہوگا اور اس وقت ان باغیوں کے مقابلہ کے لیے تلوار

---

= طرح ہوگی۔ ﴿لِئَلَّا يَكُوْن هٰذا الامر ان لَايَعْلَمَ﴾ اور نفی کی نفی اثبات کو مفید ہے اور ترجمہ کی تقدیر یہ ہوگی تا کہ یہ بات نہ رہے کہ نہ جانیں اہل کتاب اس حقیقت کو بلکہ وہ جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر بھی قادر نہیں کہ اس کو روک لیں یا جس کو چاہیں اسے دیں اور جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔ چنانچہ ترجمہ کے بعد اضافہ کردہ الفاظ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

اٹھانا پڑے گی اور ظاہر ہے کہ اس خالص دینی جہاد میں لوہے سے ہی کام لینا ہوگا پھر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ کون اللہ کا مخلص وفرمانبردار ہے اور کون نافرمان وباغی۔

الغرض لوہے کی سختی سے محض ظاہری اور مادی سختی ہی مراد نہیں بلکہ ارسال رسل اور نزول کتب کے ساتھ لوہے کی یہ سختی جہاد میں اسلحہ کا استعمال ہے دلائل وبینات سے بھی کافروں اور کفر کا جہاد ومقابلہ ہے چنانچہ اس نوع کا جہاد مکی زندگی میں تیرہ سال تک جاری رہا اس کے بعد مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد دلائل کے بجائے بصورت جہاد مقاتلہ شروع ہو گیا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((بعثت بالسیف بین یدی الساعة حتّٰی یعبد اللہ وحدہ لاشریك لہٗ ... الخ)) میں مبعوث کیا گیا ہوں تلوار دے کر جہاد مع الکفار کے لیے قیامت سے پہلے اور اس کا مامور ہوں کہ جہاد کرتا رہوں تا آنکہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت وبندگی کی جانے لگے اور میرا رزق میرے تیروں کے سایہ میں بنایا گیا ہے اور ذلت وناکامی ان لوگوں کے حق میں طے کر دی گئی ہے جو میرے حکم کی نافرمانی کریں۔

اس آیت مبارکہ میں بعثت رسل اور انزال کتب کے ساتھ میزان اتارنے کا ذکر فرما کر یہ اشارہ کر دیا گیا کہ دُنیا میں عدل و انصاف کا قیام دو چیزوں کے ذریعہ سے ہے ایک کتب سماویہ اور وحی الٰہی اور دوسرے میزان جس سے ہر ایک کو اس کا حق ناپ تول کر پہنچا دیا جائے نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ عدل وانصاف سے ذرہ برابر انحراف ہو یہی چیز ہدایت کی روح اور نظام عالم کو صحیح خطوط پر چلانے والی ہے اور عدل وانصاف جن ہدایات واصول کے ماتحت ہو سکتا ہے وہ آسمانی ہدایات اور پیغمبروں کے ذریعہ ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

## اہلِ کتاب ونصاریٰ کی رہبانیت

آیت ﴿ وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ۚ ﴾ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور انجیل کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا گیا کہ ان کے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہربانی کی صفت رکھ دی تھی یہ وصف پسندیدہ تھا اور ایمان کے آثار میں سے ایک پاکیزہ اثر تھا لیکن اصل ایمان اور اس کی روح پیغمبر خدا کی اتباع ہے اور جو ہدایات اللہ نے نازل کیں ان کی پیروی کرنا ہے اپنے جذبات سے خلاف شرع کسی چیز کو ثواب سمجھ کر اختیار کر لینا کوئی نیکی نہیں بلکہ یہ تو بدعت ہے جس کو نہ اللہ پسند کرتا ہے اور نہ اس کے رسول کی تعلیم ہوتی ہے۔

چنانچہ نصاریٰ میں سے بعض نیک طینت لوگوں نے رہبانیت اور دنیوی علائق کا ترک اختیار کر لیا جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا پھر وہ اس کو نباہ نہ سکے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اصل اللہ کی ہدایت سے منحرف ہو گئے اور دین صحیحہ کو چھوڑ کر بدعات میں مبتلا ہو گئے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت تخریج کی ہے جس کا مضمون ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ! جانتے بھی ہو کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں متفرق ہوئے جن میں سے صرف تین گروہ نجات پانے والے ہیں باقی سب ہلاک وبرباد ہوئے جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بعد اپنے جبار ومغرور بادشاہوں کے مقابل اللہ کے دین پر قائم رہے اور ان کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جبکہ وہ گمراہ اور بے دین ہو چکے تھے اور ان بادشاہوں نے اپنی کتاب میں اپنی خواہشات ومرضی کے مطابق تحریف کر لی تھی تو ان میں

سے ایک جماعت نے جباروں کے ساتھ مقابلہ کیا اور شہید کر دیئے گئے اور اس جماعت نے صبر کیا اللہ کے فضل سے نجات پائی۔ پھر ایک دوسری جماعت اٹھی جن میں جہاد اور مقابلہ کی قوت تو نہ تھی لیکن اپنے بادشاہوں اور جباروں کے سامنے پہنچ کر ان کو دین کی دعوت دی جس کے باعث ان لوگوں پر ظلم وستم ڈھائے گئے حتیٰ کہ ان کو شہید کیا گیا آروں سے ان کے بدن چیرے گئے اس گروہ نے بھی صبر کیا اور نجات پائی۔ پھر ایک تیسری جماعت آئی اس میں بھی مقابلہ اور قتال کی طاقت نہ تھی اور نہ وہ اپنی زندگی اور اعمال میں عدل واعتدال کو قائم رکھ سکے جس کے واسطے ترازو اتاری گئی تھی تو یہ لوگ آبادیاں چھوڑ کر پہاڑوں بیابانوں میں نکل گئے اگرچہ ان کا جذبہ نیک تھا لیکن وہ اس رہبانیت کو نباہ نہ سکے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

چاہتے تو یہ تھے کہ اللہ کی رضامندی حاصل کریں یا حکم تو ان کو اللہ کی رضامندی ہی حاصل کرنے کا کہا گیا تھا مگر اس کے برعکس انہوں نے از خود رہبانیت اختیار کر لی اور پھر اس کا حق ادا نہ کر سکے اصل رہبانیت اور علائق دنیویہ سے تعلق قطع کر لینا تو اللہ کی فرمانبرداری کا نام ہے اور اپنے طبعی تقاضوں کو اللہ کی خوشنودی کے تابع کر دینا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے فرمایا: بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ ایسے بادشاہ آئے جنہوں نے تورات وانجیل میں تحریف کی اور اپنی مرضی کے مطابق ردوبدل کیا تو ان میں کچھ لوگ ایمان والے تھے اور وہ اس تحریف وتبدیل سے اختلاف کرتے اور اصل اللہ کے ہی پیروی کرتے اور ان ہی کو بیان کرتے تو ان بادشاہوں سے یہ کہا گیا کہ اس قسم کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی سخت توہین کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ: ۴۴) پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ وکافر کہتے ہیں اور آپ کے اعمال وافعال پر طعن بھی کرتے ہیں تو آپ ان لوگوں کو کہیں کہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ایمان اسی طرح کا لائیں یعنی اسی چیز کو ایمان کہیں جس طرح کہ ہمارا ایمان ہے اور ان کو مجبور کیا کہ یا تو ہماری بات مانو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس پر اس گروہ نے رہبانیت اختیار کر لی کسی نے اپنے واسطے کوئی طریقہ اختیار کیا اور کسی نے کوئی رنگ اختیار کیا تو اس آیت مبارکہ میں ان ہی ایمان والوں کی رہبانیت کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لیے روح المعانی تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی کی مراجعت فرمائیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر اُمت کے لیے رہبانیت ہے لیکن میری اس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((لاتشددوا علیٰ انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قومًا شدّدوا علیٰ انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلكَ بقایاھم فی الصوامع والدّیار ﴿رَهْبَانِيَّةَ ِابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾)) کہ اے لوگو! تم اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم تھی جنہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی فرمائی تو یہ لوگ انہی میں کے کچھ باقی ماندہ ہیں جو صومعوں اور گرجاؤں میں راہب بنے ہوئے ہیں جو انہوں نے خود اختیار کی تھی ہم نے ان پر اس کو لازم نہیں کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اپنی شریعت کے سہل اور آسان ہونے کو تمام سابقہ شریعتوں کے بالمقابل ایک خاص امتیازی وصف بیان فرمایا۔

تم بحمداللہ تفسیر سُورۃ الحدید

ستائیسویں پارے کی تفسیر بحمداللہ مکمل ہوئی